شیخ الاسلام امام ابنِ تیمیہ کے افکارِ عالیہ کا دلکش مُرقع

المُنتقیٰ
مِن مِنہاج السُّنّۃ النبّویۃ
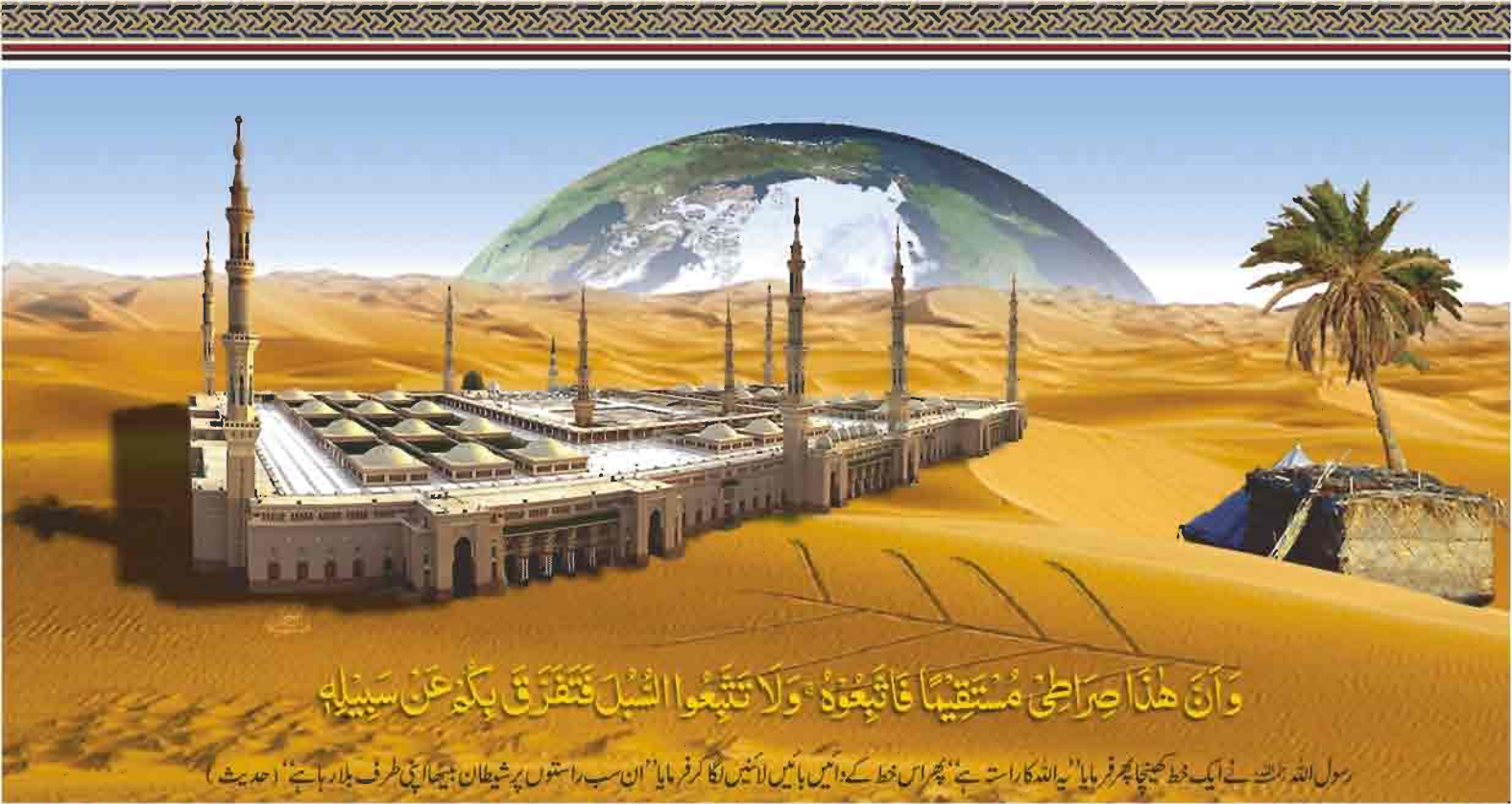
وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ

رسول اللہ ﷺ نے ایک خط کھینچا پھر فرمایا ”یہ اللہ کا راستہ ہے“ پھر اس خط کے دائیں بائیں لائنیں لگا کر فرمایا ”ان سب راستوں پر شیطان بیٹھا اپنی طرف بلا رہا ہے“ (حدیث)

تالیف

شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ

پروفیسر غلام احمد حریری رحمۃ اللہ علیہ

اصحاب الرسول ﷺ کی عظمت کے دفاع میں بے مثل

نصیر الدین طوسی (۵۹۷، ۶۷۲) کے خصوصی شاگرد مشہور و معروف شیعہ عالم حسن بن یوسف بن علی بن الطهر الحلی (۶۴۸، ۷۲۶) نے ''منهاج الكرامة فی معرفة الامه'' کے نام سے ایک کتاب لکھی یہ کتاب اہل سنت اور شیعہ کے درمیان متنازع مسائل پر مشتمل تھی۔ اس کتاب میں موضوع روایات کو بے دریغ بیان کیا گیا تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنا کر اپنے خبث باطن کا بھرپور مظاہرہ کیا گیا تھا۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۶۶۱، ۷۲۸) نے اس کتاب کے رد میں ''منهاج الاعتدال فی نقض كلام اهل الرفض والإعتزال'' کے نام سے چار جلدوں پر مشتمل ایک کتاب تحریر کی جو لوگوں میں منہاج السنہ کے نام سے مشہور و معروف ہوئی۔

چونکہ یہ کتاب ضخیم تھی اس سے استفادہ قدرے مشکل محسوس ہوتا تھا، تو اس میں آسانی پیدا کرنے کے لیے شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے شاگرد رشید مشہور و معروف محدث امام ابوعبداللہ محمد بن عثمان ذہبی رحمہ اللہ نے (۶۷۳، ۷۴۸) نے اس کتاب کا خلاصہ (المنتقیٰ) کے نام سے تیار کیا،

سرزمین شام کے مشہور و معروف سلفی عالم علامہ محبّ الدین الخطیب رحمہ اللہ نے المنتقی 'کے قلمی نسخہ کی منہاج السنہ مطبوعہ بولاق سے تقابل کر کے تصحیح کا اہتمام کیا۔ اس لیے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ، امام ذہبی رحمہ اللہ، علامہ محبّ الدین الخطیب کے لیے ہم خلوصِ دل سے دعا گو ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کہ ان عظیم المرتبت شخصیات کی آخری آرام گاہوں پر اپنی رحمت کی برکھا برسائے اور انھیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام پر فائز کرے۔

این دعا از من و از جملہ جہاں
آمین باد

پروفیسر غلام احمد حریری رحمۃ اللہ علیہ
صدر شعبہ اسلامیات اسلامیہ کالج فیصل آباد، پاکستان

تم إعداد هذا الكتاب بالتعاون مع:

موقع البرهان : *www.alburhan.com*

موقع العقيدة : *www.aqeedeh.com*

نام کتاب	:	المنتقیٰ من مِنهاج السنة النبوية
ترجمہ	:	غلام احمد حریری
ناشر	:	عقیدہ لائبریری www.aqeedeh.com
سال طبع	:	2010ء
تعداد	:	20 ہزار

عرض مترجم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ:

مشہور شیعہ عالم حسن بن یوسف بن علی بن المطهر الحلی (۶۴۸ـ۷۲۶) نے جو نصیرالدین طوسی (۵۹۷ـ۶۷۲) کا خصوصی شاگرد تھا، ''منهاج الكرامة فی معرفة الامامة'' کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی، یہ کتاب اہل سنت وشیعہ کے مابین متنازع مسائل و مباحث سے لبریز تھی، یہ کتاب موضوعات کا پلندہ تھی اور اس میں سابقین اولین صحابہ کو جی بھر کر گالیاں دی گئی تھیں۔

امت مسلمہ شیخ الاسلام تقی الدین احمد بن تیمیہ رحمہ اللہ (۶۶۱ـ۷۲۸) کے عظیم احسان سے کبھی سبکدوش نہیں ہوسکتی کہ انہوں نے کتاب مذکور کے جواب میں '' منهاج الاعتدال فی نقض كلام اهل الرفض والاعتزال'' کے نام سے ایک کبیر الحجم کتاب لکھی جو لوگوں میں '' منہاج السنۃ '' کے نام سے مشہور ہوئی، یہ کتاب ۱۳۲۱ھ میں مطبع بولاق سے ''منهاج السنة النبوية فی نقض كلام الشيعة والقدرية'' کے نام سے چار جلدوں میں شائع ہوئی۔

اس ضخیم کتاب سے استفادہ '' کارے دارد'' والی بات تھی، اس لیے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے شاگرد رشید مشہور محدث امام ابوعبداللہ محمد بن عثمان ذہبی رحمہ اللہ (۶۷۳ـ۷۴۸) نے اس کتاب کا ایک ملخص ''المنتقیٰ'' کے نام سے تیار کیا، ''المنتقیٰ'' کے بارے میں یہ خیال کیا جاتا رہا کہ یہ مفقود ہے، پہلی مرتبہ حجاز کے نامور سلفی المشرب فاضل شیخ محمد نصیف کو دیار شام کی سیاحت کے دوران ''المنتقیٰ'' کا ایک مخطوطہ حلب کے مکتبہ عثمانیہ میں ملا، یوسف شافعی کا تحریر کردہ یہ ایک قدیم نسخہ تھا، کاتب رقمطراز ہے، کہ وہ اس کی کتابت سے جمادی الاولیٰ ۸۲۴ھ میں یعنی امام ذہبی کی وفات کے ۷۶ سال بعد فارغ ہوا، خلاصہ یہ کہ امام ذہبی کی مساعی سے ہم بسہولت منہاج السنۃ سے

استفادہ کے قابل ہوئے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور امام ذہبی رحمہ اللہ کے بعد دیار شام کے نام ور فاضل اور سلفی المشرب عالم علامہ محبّ الدین الخطیب ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں، جنہوں نے حد درجہ محنت و کاوش سے ''المنتقی'' کے مخطوطہ کو ایڈٹ کیا، منہاج السنۃ کے اصل نسخہ مطبوعہ بولاق کے ساتھ تقابل کر کے اس کی تصحیح کا اہتمام کیا اور اس پر فاضلانہ حواشی لکھے۔

کتاب کا موضوع اہل سنت وشیعہ کے باہمی متنازع مسائل ہیں، شیخ الاسلام ابن تیمیہ، شیعہ مصنف ابن المطہر کی کتاب کی عبارت نقل کر کے اس کا ابطال کرتے ہیں، فریقین کے دلائل کی موجودگی میں ایک با انصاف اور سلیم العقل انسان کے لیے فیصلہ صادر کرنا کچھ مشکل نہیں رہنا، کتاب کے مطالعہ سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے، کہ شیعہ مصنف کی پیش کردہ احادیث جھوٹ کا پلندہ ہیں، اور وہ اکثر موضوعات سے احتجاج کرنے کا خوگر ہے۔

اس کی وجہ یا تو یہ ہے کہ وہ احادیث صحیحہ وسقیمہ میں امتیاز کرنے کی صلاحیت سے بہرہ ور نہیں اور یا یہ کہ روافض کا مایہ استناد اسی قسم کی احادیث ہیں۔

جہاں تک ترجمانی کا تعلق ہے میری یہ مخلصانہ کوشش رہی کہ مصنف کا مطلب آسان سے آسان الفاظ میں واضح کردوں، اس بات کا افسوس ہے کہ کتاب کا ابتدائی حصہ دقیق وعویص علمی مباحث پر مشتمل ہے اور میں انتہائی جہد وسعی کے باوجود بھی اسے عام قارئین کے لیے قابل فہم نہ بنا سکا کتاب کے کسی حصہ کو حذف کرنا میرے بس کا روگ نہیں، اس لیے عام قارئین سے صرف معذرت ہی کرسکتا ہوں۔

میں اخی الکریم مولانا خالد بن مولانا نور حسین گھرجاکھی کا خلوص دل سے شکر گزار ہوں کہ انہوں نے عربی زبان وادب کے ایک ادنیٰ طالب علم کو شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ایسے یگانہ فاضل کی گراں بہا اور دقیق علمی مباحث پر مشتمل کتاب کے ترجمہ کا اہل سمجھا اور کتاب کو بصرف زر کثیر بڑی آب وتاب کے ساتھ شائع کیا۔

میں کسی درجہ میں بھی اپنی ترجمانی کو حرف آخر تصور نہیں کرتا، مجھے اپنی علمی بے بضاعتی اور کم سوادی کا پورا پورا احساس ہے، میں بارگاہ ربانی میں دعا گو ہوں، کہ جس اجر وثواب کی امید پر میں نے یہ خدمت انجام دی ہے اسے میرے لیے مقدر فرمائے، میں بارگاہ ایزدی میں ملتجی ہوں کے اس ناچیز

خدمت کو میرے لیے، میرے والدین واساتذہ، مصنف، طابع وناشر وکاتب اور قاری سب کے لیے اخروی فلاح ونجات کا سبب بنائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

خاکسار مترجم
غلام احمد حریری عفی عنہ
پروفیسر وصدر شعبہ اسلامیات اسلامیہ کالج فیصل آباد
(۲۹ جنوری ۱۹۶۶ء)

مقدمہ

(از علامہ محبّ الدین خطیب مصری زادہ اللہ عزاوشرفا)

﴿ يَاَ يُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا كُوْنُوْ قَوَّامِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰى اَنْ لَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوْا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِّمَا تَعْمَلُوْنَ﴾

یہ حقیقت ہے کہ انسانی تاریخ کے طویل وقفہ کے بعد دین اسلام کا ظہور وشیوع تاریخ کا عظیم ترین واقعہ ہے، دین اسلام کا مقصد وحید اقامت حق وصواب ہے، خواہ اس کا تعلق ماضی سے ہو یا مستقبل سے اتفاق ہو یا اختلاف معاملات ہوں یا احکام، علمی مباحث ہوں یا تنظیمی امور یا انسانی بہبود کے سلسلہ میں تعاون واشتراک ان جملہ امور میں حق وانصاف کی جو شعاع نظر آئے گی، وہ شمع اسلام ہی کی ضیا پاشیوں کا نتیجہ ہوگی، تاریخ ادیان میں دین اسلام کی عظمت وشرافت کے لیے یہی بات کافی ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے اسے دین حق کے لقب سے نوازا۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ﴾

''دین اسلام مسلمانوں کو دعوت دیتا ہے۔'' (سورہ توبہ: ۹/۳۳، الفتح: ۴۸/ ۲۸)

کہ جادہ عدل وانصاف پر قائم رہیں، اپنے علم کی حد تک انصاف کی شہادت دیں اور نہ صرف دارالاسلام بلکہ جملہ اکناف ارضی میں عدل وانصاف کا بول بالا کریں اور اس کے لیے مصروف جہد وسعی رہیں اور اس میں کد وکاوش کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں، اگرچہ قیام عدل وانصاف سے بذات خود انہیں یا ان کے آباء وابناء کو نقصان کیوں نہ پہنچتا ہو، یہ حقیقت ہے کہ حق وعدل کا قیام وبقاء اور شہادت حق اسلام کی اساس اولیں اور اس کا امتیازی شعار ہے، بنا بریں اہل اسلام پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ بطیب خاطر وطہارت فکر ونظر رضائے الٰہی اور مخلوقات الٰہی کے سکون واطمینان کے پیش نظر عدل وانصاف میں ممتاز ہوں، نظام اسلام میں عدل تقویٰ میں شمار ہوتا ہے اور تقویٰ وہ بہترین

وصف ہے جو مسلمانوں کے مابین معیارِ عز وشرف ہے، ذات باری تعالیٰ بخوبی آگاہ ہے کہ کون تقویٰ سے بہرہ ور ہے اور کون اس سے تہی دامن ہے اس سے کوئی بات پوشیدہ نہیں۔

دین اسلام کی یہی وہ حسین وجمیل صورت تھی جس کے لیے نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو تیار کیا اور انہیں اس قابل بنایا کہ بنی نوع انسان کو دعوت دینے میں آپ کے جانشین قرار پائیں، چنانچہ آقائے دو جہاں ﷺ نے مسجد نبوی سے متصل سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں دار فانی کو خیر باد کہہ کر جب ''الرفیق الاعلیٰ'' سے ملاقات کی تو آپ بے حد مسرور و مطمئن تھے، آپ کے برگزیدہ ومنتخب صحابہ تحفظ دین کے لیے سیسہ پلائی دیوار کی طرح کھڑے تھے، یہ اصحاب کرام خلیفہ رسول سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں اپنے نفوس وقلوب کو اللہ کی طاعت وعبادت میں جھکائے رکھتے، یاد رہے یہ وہی ابوبکر ہیں جن کی شان میں، نیز ان کے محبّ مخلص عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے متعلق، ان کے بھائی علی رضی اللہ عنہ نے کوفہ کے منبر پر خطبہ دیتے ہوئے یہ کلمات ارشاد فرمائے تھے:

((خَیْرُ هَذِهِ الْاُمَّةِ بَعْدَ نَبِیِّهَا اَبُوْبَکْرٍ ثُمَّ عُمَرُ)) [1]

''نبی ﷺ کے بعد اس امت میں سب سے بہتر ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد عمر رضی اللہ عنہ۔''

آقائے نام دار ﷺ کی وفات حسرت آیات کے فوراً بعد صحابہ کرام نے جزیرہ عرب میں مسلمانوں کی شیرازہ بندی کی اور جہاد کے لیے اسی طرح صف آرا ہوئے جیسے وہ رسول اللہ ﷺ کے حین حیات نماز کے لیے صفیں باندھا کرتے تھے، چنانچہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فوجیں رسالت محمدی کی امانت اٹھائے عازم عراق وشام ہوئیں اور قریبی اقوام تک پہنچ کر دم لیا، ان کے مخلصانہ جہاد کا نتیجہ یہ تھا کہ تائید ربانی نے ان کا ساتھ دیا اور جن علاقوں میں خلیفہ اول کے سپہ سالاروں کے جھنڈے لہرا رہے تھے، وہاں '' حَیّ عَلَی الْفَلَاحِ '' کی صدائیں گونجنے لگیں، عہد صدیقی کے نامور سپہ سالار سیدنا ابوعبیدہ، خالد بن ولید، عمرو بن العاص اور یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم تھے، جن قوموں سے بھی ان کا واسطہ پڑا، یہ ان کے حق میں اسلام کے معلم وداعی اور اللہ ورسول کے پیام رساں ثابت ہوئے ان کی مخلصانہ دعوت کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان دیار وامصار میں ان کی خوب پذیرائی ہوئی، شہروں کے دروازے ان کے لیے کھل گئے اور وہاں کے رہنے والوں نے ان کی تعلیمات وارشادات پر لبیک کہا۔ وادیٔ دجلہ وفرات اور دیار شام میں جب اللہ کی نصرت وتائید سے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ہر طرح مسرور ومطمئن

[1] سنن ابن ماجه۔ المقدمة۔ باب فضل عمر بن الخطاب رضی الله عنه(حدیث:١٠٦)

ہوگئے تو رب ذوالجلال نے انہیں عالم آخرت میں صحبت نبوی کے لیے پسند فرما کر رسول اللہ ﷺ کی ایسی معیت بخشی جیسا کہ دنیا میں وہ اس سعادت سے بہرہ اندوز ہو چکے تھے، چنانچہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ آپ کے بعد کشتیٔ اسلام کے ناخدا قرار پائے اور جیسا کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے آپ سیدنا ابوبکر کے بعد امت محمدی کے افضل ترین فرد تھے۔ [1]

کاروانِ اسلام اللہ کی نصرت وحفاظت میں رواں دواں رہا۔ چنانچہ دعوت محمدی کی علم بردار فوجیں ایک طرف سے وادیٔ نیل اور وہاں سے شمالی افریقہ پہنچیں اور دوسری جانب ایران کی آخری سرحد تک پہنچ کر دم لیا۔ جب سیدنا فاروق رضی اللہ عنہ نے یہود ومجوس کی دسیسہ کاریوں سے جام شہادت نوش فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے دو قدیم رفقا کی رفاقت آسان کردی تو مسلمانوں نے خلافت کے لیے ایک پاکیزہ خصال، رحم دل، حافظِ قرآن، سخی اور حوادث روزگار پر صبر کرنے والی شخصیت کو پسند کیا...... وہ تھے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ...... آپ نے نبی کریم ﷺ کی دو بیٹیوں سے (یکے بعد دیگرے) عقد نکاح باندھا۔ اور اگر آپ کی تیسری بیٹی ہوتی تو بھی آپ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو دوسروں پر ترجیح دیتے، سیدنا عثمان نبی کریم کے چیدہ وبرگزیدہ اصحاب کے مخلص بھائی اور ان کے بیٹوں کے شفیق باپ تھے، تابعین کبار میں سے حسن بصری اور ان کے معاصر ابن سیرین کا بیان ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں امت ہر طرح خوشحال تھی اور ہر طرف امارت و ثروت کا دور دورہ تھا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے بہادر مجاہدین نے اسلامی جھنڈوں کو سرزمین قفقاز میں جا لہرایا جب کہ کسریٰ کے سپہ سالار وہاں پہنچنے کی امید بھی نہیں کر سکتے تھے۔

بہرکیف مشرقی اور مغربی اقوام نے صحابہ کی سیرت وکردار ان کے عدل وانصاف رفق وتدبّر اور راہ حق پر استقامت واستقلال سے اسلام کا سبق سیکھا اور اسی سے نبی کریم ﷺ کے ارشاد مبارک کی تصدیق ہوئی۔ ارشاد ہوتا ہے۔

"خیرُ القُرُونِ قَرنِی ثُمَّ الَّذِینَ یَلُونَهُم ثُمَّ الَّذِینَ یَلُونَهُم"

"سب سے بہتر میرا زمانہ ہے پھر وہ لوگ جو ان کے قریب ہیں (تابعین) پھر وہ جو ان کے قریب ہیں (تبع تابعین)۔"

امام ربّانی احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں یہ روایت نقل کی ہے بروایت عبیدہ سلمانی قاضی

[1] مسند احمد(۱/ ۱۰۶) من عدة طرق

کوفہ انھوں نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بیان کی ہے۔ ❶

امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح کی کتاب نمبر ۶۲ باب اول میں یہ روایت سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے بیان کی ہے۔ ❷ عمران فتح مکہ کے دن عسکر نبوی میں قبیلہ خزاعہ کے علمبردار تھے۔ ❸

امام مسلم نے اپنی صحیح میں یہ روایت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کی ہے۔ ❹

مذکورۃ الصدر حدیث نبوی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ایک ہے اسلام کو جو عزت و عظمت اور استقامت دور صحابہ، تابعین و تبع تابعین میں حاصل ہوئی آئندہ ادوار میں نصیب نہ ہوسکی۔ اموی خلافت پر اس مبارک عہد کا خاتمہ ہوگیا۔ بنو عباس کے وہ اوّلین خلفاء جنھوں نے اموی ماحول میں تربیت پائی تھی اسی عہد میں شامل ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ائمہ اسلام کا اتفاق ہے کہ تبع تابعین میں سے آخری شخص جس کا قول مقبول ہے وہ ہے جو ۲۲۰ھ تک بقید حیات رہا۔ اس کے بعد بدعات کا دور دورہ ہوا اور حالات بڑی حد تک بدل گئے۔'' ❺

اسی مبارک زمانہ کو خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے ''خیر القرون'' سے تعبیر فرمایا تھا۔ جو آپ کی صداقت

---

❶ مسند احمد (۱/۳۷۸،ح:۳۵۸۳) ، صحیح بخاری۔ کتاب الشهادات۔ باب لا یشهد علی شهادة جور اذا اشهد (حدیث:۲۶۵۲)، صحیح مسلم۔ کتاب فضائل الصحابة۔ باب فضل الصحابة ثم الذین یلونهم،(حدیث:۲۵۳۳) من روایة عبیدة السلمانی عن عبد اللّٰه بن مسعود رضی الله عنه بلفظ "خیر الناس قرنی......"

❷ صحیح بخاری۔ حوالہ سابق، (حدیث:۲۶۵۱، ۲۶۵۰)،صحیح مسلم، حوالہ سابق، (حدیث: ۲۵۳۵)

❸ الاصابة (۲۷/۵)

❹ صحیح مسلم۔ کتاب فضائل الصحابة، باب فضل الصحابة ثم الذین یلونهم، (حدیث: ۲۵۳۶)

❺ فتح الباری ج۷ ص٤

کی زبردست دلیل ہے۔ یہ اسلام کا زرّیں دور تھا۔ دین اسلام نے اس سے بڑھ کر نہ کبھی خیر وبرکت کا مشاہدہ کیا نہ اہل اسلام نے اس سے بڑھ کر کبھی عزّوشرف حاصل کیا نہ اس دور سے بہتر کبھی جہاد خالص دیکھا گیا نہ کرہٗ ارضی کے دور افتادہ گوشوں تک کبھی دعوت اسلام اس وسعت کے ساتھ پہنچی ،اسی عصر وعہد میں حفاظ قرآن نے اکناف ارضی تک پہنچ کر لوگوں کو قرآن سے روشناس کرایا۔ نو جوان تابعین مختلف دیار وامصار میں پہنچ کر وہاں کے رہنے والے صحابہ سے حدیث نبوی کی تعلیم حاصل کرنے لگے۔ مبادا صحابی کی موت سے وہ احادیث بھی ناپید ہوجائیں جو ان کے سینہ میں محفوظ ہیں ۔پھر تبع تابعین کا زمانہ آیا۔ وہ ہر ایسے خطۂ ارضی میں پہنچے جہاں تابعین کبار اقامت گزین تھے اور ان سے وہ امانت حاصل کی جو انھوں نے صحابہ کرام سے سن کر یاد کر رکھی تھی ،علیٰ ھٰذا القیاس سنت نبوی کی یہ امانت ان لوگوں تک پہنچی جنھوں نے اس کی جمع وتدوین کا بیڑا اٹھایا۔ مثلا امام مالکؒ ،امام احمد اور ان کے شیوخ وتلامذہ اور معاصرین، رجال تدوین کے یہاں پہنچتے وقت حدیث نبوی بالکل تر وتازہ اور عطر نبوت سے بھر پور تھی ،حدیث نبوی کے امانت دار محافظین نے جوں کی توں یہ امانت دوسرے امانت دار محافظین تک پہنچا دی آگے چل کر یہ امانت کتاب اللہ کے بعد مسلمانوں کے لیے نہایت گراں قدر ورثہ قرار پائی۔

خلاصۂ کلام! صحابہ کے طفیل اللہ تعالیٰ نے حدیث نبوی کا لازوال خزینہ ہمارے لیے محفوظ کر لیا ۔ان کی تلواروں سے ہی دیار وامصار اور بلاد فتح کیے اور ان کی مساعی جمیلہ سے ہی اسلامی دعوت پھلی پھولی ۔اور آج ہمارے لیے یہ عالمِ اسلام منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوا جس میں کثرت سے اوطان واقوام موجود ہیں اور ان علوم وعلماء کی بھی کمی نہیں جو اسلام کے اولیں ادوار میں کرۂ ارضی کی زینت اور بے حد ناگزیر سمجھے جاتے تھے۔ زمانہ حال واستقبال میں علماء کی صلاحیت اور رجوع الی اللہ کے باعث اسلام کی شوکت رفتہ پھر لوٹ کر آئے گی ۔اور انہی کی جدوجہد کے بل بوتے پر اسلامی نظام کو حیات نو حاصل ہوگی۔ وَمَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْزٍ.

جس طرح امرا اور اہل ثروت کے بیٹے اپنے آباء سے املاک واموال ورثہ میں پا کر دنیا میں عزت ومنصب حاصل کرتے ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ برے ساتھی ان کو اس وہم میں مبتلا کر دیں کہ ان کی خوشحالی وفارغ البالی کا راز اس مال کو برباد کرنے میں مضمر ہے ،اسی طرح ہم نے یہ اسلامی

عز ومجد صحابہ وتابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ورثہ میں پائی۔

ہمیں بخوبی معلوم ہے کہ دنیا کی کسی قوم نے ایسا گراں بہا ورثہ نہیں پایا۔ اسلامی ورثہ میں تقدس وبرکت کے اعتبار سے گراں تر سیدنا ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی وہ خدمت ہے جو آپ نے قرآن کی جمع وتدوین اور اس کو مصاحف میں محفوظ کرنے کے سلسلہ میں انجام دی۔

اگر کرۂ ارضی پر رہنے والے تمام مسلمان اس عظیم احسان وعنایت پر شب وروز ان کے لیے اجر وثواب کی دعائیں مانگیں تو بھی وہ ان کا حق ادا نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ ہماری جانب سے ان کو اجر عظیم عطا فرمائے۔ (آمین)

اس عظیم میراث میں سے گراں قدر خزانہ ہر صحابی کی وہ توجہ ہے جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اقوال وارشادات، سیرت وکردار اور اوامر ونواہی کے تحفظ کے سلسلہ میں انجام دی۔ صحابہ نے یہ امانت جوں کی توں اپنے بھائیوں، بیٹوں اور تابعین کو سپرد کر دی کسی نبی کے اصحاب نے امانت کی سپردگی میں ایسی احتیاط سے کام نہ لیا ہوگا۔

اس سے عیاں ہے کہ اخلاق وتشریع، اقوام وامم کی تکوین وتخلیق اور مختلف انسانی طبقات و اجناس واوطان میں یگانگت پیدا کرنے کے لیے یہ عظیم ترین انسانی وراثت تھی۔

بنی نوع انسان کی ان خدمات جلیلہ کے پیش نظر صرف وہی شخص صحابہ کی تنقیصِ شان کا مرتکب ہوسکتا ہے جو غیر مسلم ہو اور دوسروں کو دھوکہ دینا چاہتا ہو یا زندیق ہو اور اس کے ظاہر و باطن میں تضاد پایا جاتا ہو۔

صحابہ کرام سے تیسرا ورثہ ہم نے یہ پایا کہ انہوں نے اپنے اسلامی اخلاق واعمال کو اسلام کا نمائندہ بنا کر اقوام عالم کے سامنے پیش کیا، یہی وجہ ہے کہ وہ اسلام کو الفت ومحبت کی نگاہ سے دیکھنے لگے، صحابہ اسلام کا بہترین عملی نمونہ قرار پائے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صحابہ کے زمانہ میں اقصائے ارضی میں بسنے والی قومیں حلقہ بگوش اسلام ہوگئیں۔

خلفاء راشدین کے زریں عہد کے بعد جن خوش نصیب صحابہ وتابعین نے صحیحین کی جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کردہ روایت [1] کے مصداق خلفاء قریش کے جھنڈے تلے جہاد کیا، وہ بھی اس

[1] صحیح بخاری، کتاب الاحکام، باب(۵۲)،(حدیث:۷۲۲۲،۷۲۲۳)،صحیح مسلم۔ کتاب الامارۃ۔ باب الناس تبع لقریش،(حدیث:۱۸۲۱،۱۸۲۲)

فضیلت میں برابر کے شریک ہیں، نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے قباء میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے جہاد سے متعلق جو خواب دیکھا تھا [1] وہ بھی اس حقیقت کا آئینہ دار ہے آپ کا دوسرا خواب یزید بن معاویہ کے قسطنطنیہ پر حملہ کرنے سے متعلق تھا [2] صحیحین کی سیدنا جابرہ بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کردہ حدیث میں قریش کے جن عظیم اشخاص کا ذکر پایا جاتا ہے، وہ وہی لوگ تھے جنھوں نے جہاد میں شرکت کی اور اسلامی دعوت کو براعظم ایشیا افریقہ اور یورپ کے دورافتادہ گوشوں تک پہنچا دیا، ہمارے قلوب ان کی سپاس گزاری میں کتنے ہی مشغول رہیں ہماری زبانیں ان کی مجاہدانہ مساعی کی مدح وثنا میں کتنی ہی رطب اللسان ہوں، یہ حقیقت ہے کہ ہم ان کے شکر واجب کا عشرعشیر بھی ادا نہیں کر سکتے۔

اس سے یہ حقیقت اجاگر ہوتی ہے کہ صحابہ کی عظمت ومجد اور ان کی جرأت و بسالت کے اثبات میں ہم نے صحیح معلومات پر مبنی جو علمی مقالات لکھے ہیں ان سے صحابہ کی مدح وثنا کا حق کیوں کر ادا کیا جاسکتا ہے، اسی طرح دور حاضر کی تصنیفات سے صحابہ کی مدح گوئی کیوں کر ممکن ہے اگرچہ یہ تصانیف صحابہ کے مناقب وفضائل سے پر ہیں اور ان کتب کا اقصائے ارضی کے نوجوانوں تک پہنچنا ناگزیر ہے۔

ان کے مطالعہ سے یوں محسوس ہوتا ہے، کہ قاری ان غزوات میں بذات خود شریک ہے، وہ اسلامی فوج کا ایک فرد ہے اور اسلامی جھنڈے تلے کفار کے خلاف نبرد آزما ہے، قاری اس تصور میں کھو جاتا ہے کہ صحابہ وتابعین کے ہاتھوں جو فتوحات حاصل ہوئیں اور اہل اسلام نے ان دنوں جو معرکے سر کئے وہ اپنے جذبات واحساسات اور دل کی دھڑکنوں کے ساتھ ان میں شامل ہے اور جہاد میں بھرپور حصہ لے رہا ہے۔

منہاج الکرامہ گالیوں کا پلندہ:

یہی وہ صحابہ وتابعین تھے جن کے بارے میں ''ابن المطہر'' نامی ...... نے ''منہاج الکرامہ'' کے نام سے ایک کتاب لکھی، یہ کتاب گالیوں کا پلندہ ہے، جس میں صحابہ کی مجاہدانہ مساعی کی مذمت کر کے ان کے محاسن کو معائب ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اس کتاب میں حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ہجو و

---

[1] صحیح بخاری۔ کتاب الجهاد۔ باب ما قیل فی قتال روم (حدیث: ۲۹۲۴۔ ۲۷۸۹، ۶۲۸۳)

[2] صحیح بخاری، حدیث: ۲۹۲۴، ۲۷۸۹، ۶۲۸۳۔

قدح کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا گیا، اس کی حد یہ ہے کہ اگر اعداء دین مثلاً مجوس، رومی، ترک اور دیالمہ میدان حرب وقتال میں جب وہ صحابہ کے خلاف برسر پیکار تھے اگر ان کے اخلاق واعمال کی تصویر کشی کرنا چاہتے تو اس شرمناک طریق کار سے اجتناب کرتے۔

جب مسلمان ہسپانیہ میں برسر اقتدار تھے تو وہاں کے پادری امام ابن حزم رحمہ اللہ کے خلاف شیعہ کے اس قول سے احتجاج کیا کرتے تھے کہ قرآن محرف ہو چکا ہے ان کی تردید میں امام موصوف مجبوراً فرماتے۔

" وَاَمَّا قَوْلُهُمْ فِیْ دَعْوَی الرَّوَافِضِ بِتَبْدِیْلِ الْقُرْآنِ فَاِنَّ الرَّوَافِضَ لَیْسُوْا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ " (کتابل الفصل :۲/ ۷۸)

غالباً پادری کافی کلینی سے بیان کردہ جھوٹی روایات سے احتجاج کیا کرتے تھے، مثلاً کافی کلینی کی مذکورہ ذیل روایات:

کافی کلینی کی موضوع روایات:

۱۔ جابر جعفی سے روایت ہے کہا میں نے ابوجعفر رحمہ اللہ سے سنا فرماتے تھے کہ جھوٹے آدمی کے سوا کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ قرآن کریم اسی طرح جمع کیا گیا ہے جیسے کہ نازل ہوا تھا، سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور بعد میں آنے والے ائمہ کے سوا کسی نے قرآن کو یاد کیا اور نہ جمع کیا۔" (کافی کلینی طبع: ۱۲۷۸ھ، ص: ۵۴)

۲۔ " ابوبصیر روایت کرتے ہیں کہ میں ابوعبداللہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے فرمایا، ہمارے یہاں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا قرآن موجود ہے۔ میں نے عرض کیا مصحف فاطمہ سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: وہ تمہارے قرآن سے تین گنا زائد ہے، بخدا اس میں تمہارے قرآن کا ایک لفظ بھی موجود نہیں۔" (کافی کلینی، ص: ۵۷)

کافی کلینی شیعہ کے یہاں اسی طرح مستند سمجھی جاتی ہے، جس طرح مسلمانوں کے نزدیک کتب حدیث میں صحیح بخاری، حالانکہ وہ ایسی کفریات سے لبریز ہے، "**ابن المطهر**" جس کی تردید کے لیے شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے یہ کتاب تحریر فرمائی، شیعہ کی کتاب روضات الجنات میں طرح طرح کے القاب سے نوازا گیا ہے، مثلاً اسے فخر علماء، مرکز دائرہ اسلام، آیۃ اللہ فی العالمین، استاذ الخلائق، جمال الملۃ والدین وغیرہ القاب سے ملقب کیا گیا ہے۔

میرا خیال ہے کہ ابن المطہر کی ''منہاج الکرامہ'' اور اس کے معاصر امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی گراں قدر تصنیف ''منہاج الاعتدال'' یا ''منہاج السنۃ'' کی تسوید و تحریر کا مقصد ہرگز یہ نہ تھا کہ مسلمانوں کو شیعہ بنایا جائے، یا شیعہ کو اسلام کی جانب لوٹایا جائے اور اس لیے کہ یہ امر

ایں خیال است و محال ست و جنون

کا مصداق ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں مذاہب کے اصول اساسی ایک دوسرے سے یکسر مختلف ہیں، اور دونوں میں گہرا فرق و اختلاف پایا جاتا ہے، چند اصول ملاحظہ فرمائیے۔

اہل اسلام وشیعہ

کا اساسی فرق وامتیاز، مصدر شریعت کے لحاظ سے

اہل اسلام کے نزدیک شارع اور معصوم صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے، آپ کے بعد نہ کوئی شارع ہے، نہ معصوم بخلاف ازیں شیعہ بارہ اماموں کو معصوم اور مصدر شریعت قرار دیتے ہیں۔

امام غائب کی وضعی حکایت:

اہل اسلام کا عقیدہ ہے کہ شیعہ کے ائمہ معصومین میں سے گیارہواں امام لاولد فوت ہوا اور ان کے بھائی جعفر نے اسی اساس پر ان کا ورثہ تقسیم کیا کہ آپ لاولد ہیں، مزید براں ان کی بیویوں اور لونڈیوں کو عدت وفات اور مدت استبراء گزارنے کے لیے روکے رکھا، یہاں تک کہ جعفر اور بنی طالب کے نقباء پر یہ حقیقت آشکار ہوگئی کہ امام حسن عسکری بے اولاد تھے۔
ان تاریخی حقائق کے علی الرغم شیعہ یہ رٹ لگائے جا رہے ہیں کہ امام حسن عسکری کا ایک لڑکا تھا اور آج سے گیارہ صدیاں پہلے وہ اپنے والد کے گھر کے تہ خانہ میں چھپ گیا تھا، بقول شیعہ وہ تا حال بقید حیات اور مسلمانوں کا شرعی حاکم ہے، شیعہ کی رائے میں ان کے سوا کرۂ ارضی پر جو مسلمان حاکم ہے وہ ظالم وغاصب ہے اور ناحق مسلمانوں پر حکومت وسلطنت کا دعویٰ کرتا ہے، شیعہ اس سے تجاوز کر کے یہاں تک کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جتنے مسلم حاکم یا امام یا خلیفہ قرار پائے وہ ظالم وغاصب اور غیر شرعی حاکم تھے، شیعہ کا نقطۂ نگاہ یہ ہے کہ ان کا بارہواں بن باپ وبن اولاد امام کسی نہ کسی وقت ظہور پذیر ہوگا، اس کے زمانہ میں سیدنا ابوبکر وعمر اور دیگر مسلم خلفاء وحکام دوبارہ زندہ کیے جائیں گے، امام مذکور ان پر حکمرانی کرے گا، اور جس ظلم وغصب کا ارتکاب وہ کر چکے ہیں۔ (نعوذ باللہ من ذلک) اس کی سزا دے گا۔

قرآن کی جمع وتدوین اور صحابہ کرام:

دین اسلام اور شیعہ مذہب کے مابین ایک اساسی فرق اور ہے، اہل اسلام کے ہاتھوں میں جو

قرآن صدیوں سے چلا آرہا ہے اس کی جمع و تدوین کا بیڑا ابوبکر، عمر، عثمان اور دیگر اہل علم صحابہ رضی اللہ عنہم نے اٹھایا، مزید برآں جن احادیث نبویہ پر تشریع اسلامی کی بنیاد رکھی گئی ہے، وہ بھی صحابہ کی روایت کردہ ہیں، اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ ان خدمات جلیلہ کے ادا کرنے میں حضرات صحابہ کے رفیق کار تھے، سیدنا ابوبکر و عمر و عثمان و علی اور دیگر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں ہماری رائے یہ ہے کہ کمال صدق اور استقامت علی الحق کے اعتبار سے وہ ایک مثالی گروہ تھا جس کی نظیر دنیائے انسانیت میں تلاش نہیں کی جا سکتی، چنانچہ آپ کتاب ھٰذا کی آخری فصل میں اس کی تفصیلات ملاحظہ فرمائیں گے۔

ہم قبل ازیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث صحیح بیان کر چکے ہیں، ارشاد ہوتا ہے:

''تمام زمانوں سے بہتر میرا زمانہ ہے، پھر وہ لوگ جو ان کے قریب ہیں، پھر وہ جو ان کے قریب ہیں۔''❶

یہ حقیقت ہے کہ ہم نے قرآن صحابہ سے سیکھا وہ صحابہ ہی تھے جنھوں نے رسول اللہ کی احادیث صحیحہ روایت کیں جن پر بیان شریعت کے ضمن میں ہمارا اعتماد ہے، جب مذکورہ حدیث کی روشنی میں صحابہ افضل الامت ہیں❷ اور جیسا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کوفہ کے منبر پر فرمایا سیدنا ابوبکر و عمر افضل الصحابہ ہیں، اس سے ظاہر ہے کہ صحابہ کے بارے میں اہل اسلام کا عقیدہ مذکورۃ الصدر حدیث اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ارشاد کے عین مطابق ہے، علاوہ ازیں تاریخی حقائق بھی اس کے مؤید و مصدق ہیں، چونکہ ہم نے علوم کتاب و سنت کو صحابہ کرام کے ذریعہ حاصل کیا ہے، لہٰذا صحابہ کی مدح و تعدیل سے گویا ہمارے اعتماد کتاب و سنت کی تائید ہوتی ہے، البتہ ابن المطہر اور دیگر شیعہ امامیہ...... جن کو امام زید بن علی بن حسین رافضی کہہ کر پکارتے ہیں...... کا زاویہ نگاہ اس ضمن میں ہم سے مختلف ہے چنانچہ اس کی تفصیل مناسب موقع پر آئے گی۔

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الشهادات، باب لا یشهد علی شهادة جور۔ (حدیث: ۲۶۵۱۔ ۲۶۵۲) صحیح مسلم ۔ کتاب فضائل الصحابة۔ باب فضل الصحابة ثم الذین یلونهم، (حدیث:۲۵۳۳،۲۵۳۵)

❷ مسند احمد(۱/۱۰۶) سنن ابن ماجه۔ المقدمة۔ باب فضل عمر بن الخطاب رضی الله عنه (حدیث:۱۰۶)

حدیث نبوی اور شیعہ:

جو اصول وقواعد ہمارے اور شیعہ کے مابین وجہ فرق وامتیاز ہیں، ان میں سے ایک اساسی امر یہ ہے کہ احادیث نبویہ کتاب الٰہی کے بعد تشریع اسلامی کا مدار ومعیار ہیں، یہ احادیث ان صحابہ کے ذریعہ ہم تک پہنچیں جو حد درجہ عادل وامین اور حافظ وضابط تھے، فن حدیث کے نقاد ان کی سیرت و کردار اور فنی مہارت سے بخوبی آگاہ ہیں، محدثین نے روایت حدیث میں بے حد احتیاط سے کام لیا، جو شخص حد درجہ عبادت گزار اور صلاح وتقویٰ میں یگانہ روزگار ہو، اگر روایت حدیث میں سہل انگاری سے کام لیتا ہو، تو اس کی روایت محدثین کے نزدیک ساقط عن الاحتجاج ہے، جو شخص آغاز زندگی میں حافظ وضابط اور امانت وعدالت کی صفات سے بہرہ ور ہو پھر بڑا ہو کر نسیان کے عارضہ کا شکار ہو جائے تو اندریں صورت محدثین کے نزدیک اس کی وہ روایات مقبول ہیں جو اس نے حالت صحت میں اس مرض میں مبتلا ہونے سے قبل روایت کیں، مرض میں مبتلا ہونے کے بعد کی روایات پایہ استناد سے ساقط ہیں۔

بخلاف ازیں شیعہ روایت حدیث میں امانت وعدالت اور حفظ واتقان کی چنداں پروا نہیں کرتے، شیعہ کی معتبر کتب مثلاً کافی کلینی اور دیگر کتب میں حد درجہ دروغ گو لوگوں کی روایات درج ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ شیعہ کے یہاں ثقاہت وصداقت کا معیار یہ امر ہے کہ راوی کس حد تک شیعہ مذہب کا حامی، اہل بیت کا محبّ اور ان کے اعداء سے کہاں تک بغض وعناد رکھتا ہے، ہم قبل ازیں ان کی معتبر کتاب الکافی سے چند روایات نقل کر چکے ہیں، جن میں انہوں نے قرآن کی صحت کو مشتبہ قرار دیا ہے، بنا بریں اس میں مزید جدل ونزاع کی کوئی گنجائش نہیں، یہی وجہ ہے کہ جب ہسپانیہ کے پادریوں نے امام ابن حزم کے خلاف شیعہ کے قول سے احتجاج کرتے ہوئے ثابت کیا کہ قرآن کریم کی موجودہ صورت اصلی نہیں ہے، اور وہ محرف ہو چکا ہے تو انہوں نے برملا فرمایا:

”اِنَّ الرَّوَافِضَ لَیْسُوْا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ“

”روافض (شیعہ) مسلمانوں میں سے نہیں ہیں۔“

احمد بن سلیمان تستری مشہور محدث ابوزرعہ رازی سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

”جب کسی شخص کو اصحاب رسول کی توہین کرتے دیکھو تو جان لو کہ وہ زندیق ہے، اس لیے کہ ہمارے نزدیک رسول اللہ ﷺ حق ہیں، قرآن حق ہے، قرآن اور احادیث

نبویہ ہم تک صحابہ کے ذریعہ پہنچیں، صحابہ کی تنقیص شان سے شیعہ کا مقصد یہ ہے کہ ہمارے گواہوں کو مجروح کر کے کتاب وسنت کو ناکارہ کر دیں، حالانکہ زندیق ہونے کی حیثیت سے وہ اس امر کے زیادہ اہل ہیں کہ ان کو مجروح قرار دیا جائے۔‘‘

شیعہ کے نزدیک دین اسلام نجات کے لیے کافی نہیں:

اہل اسلام اور شیعہ کے مابین ایک اور فرق یہ ہے کہ شیعہ کے نزدیک دین اسلام سعادت دنیوی و اخروی کے حصول کے لیے کافی نہیں، ان کا دعویٰ ہے کہ امت اسلامیہ ائمہ معصومین کی اطاعت کے بغیر قاصر رہے گی اور اس کا استحکام واستقلال اس کے بغیر ممکن نہیں، اہل اسلام کے نزدیک حق کا مقام کہیں اس سے زیادہ بلند ہے کہ اسے اطاعت ائمہ کا محتاج قرار دیا جائے، مزید برآں یہ احترام مومن کے بھی خلاف ہے، اللہ تعالیٰ نے سرور کائنات ﷺ پر قرآن کریم کی یہ آخری آیت نازل فرمائی جو سورہ مائدہ کی تیسری آیت ہے، ارشاد ہوتا ہے۔

﴿ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ﴾ (المائدۃ: ۵/۳)

’’آج میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا، اپنی نعمت پوری کر دی اور اسلام کو ایک دین کی حیثیت سے تمہارے لیے پسند کر لیا۔‘‘

خلاصہ کلام! دین اسلام قرآن کریم اور صحیح احادیث نبویہ کی موجودگی میں وہ مرشد وحید اور ہادی کامل ہے جس کے ہوتے ہوئے رسول اللہ کی وفات کے بعد امت مسلمہ کو کسی امام معصوم کی ضرورت نہیں، اس امت راشدہ میں اسی کا نام سنت ہے، اسی بنا پر تاریخ کے مختلف ادوار میں مسلمانوں کو اہل السنۃ کے نام سے یاد کیا جاتا رہا، اس کے عین برعکس امت مسلمہ کو ناقص قرار دینے والے جن کا دعویٰ ہے کہ ائمہ معصومین کی اطاعت کے بغیر اسلام انسانی فلاح ونجات کے لیے کافی نہیں، تاریخ میں امامیہ کے لقب سے مشہور ہوئے، یہ حقیقت ہے کہ ائمہ شیعہ میں سے امامت نافذہ صرف ایک ہی امام (سیدنا علی رضی اللہ عنہ) کے حصہ میں آئی، وہ بھی اپنے خطب و رسائل میں شیعہ کے گلہ گزار رہے اور ہمیشہ ان سے اظہار بیزاری کرتے رہے، پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے قائم مقام (امام حسن رضی اللہ عنہ) نے جو دوسرے امام معصوم تھے، ’’عام الجماعۃ‘‘ والے سال امام المسلمین (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ) کی بیعت کر لی، مگر شیعہ برابر مخالفت کرتے رہے، اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ شیعہ ان کے امام معصوم ہونے کے عقیدہ سے

منحرف ہوگئے تھے، دوسری وجہ یہ ہوسکتی ہے، کہ دانستہ ان کی اطاعت واتباع سے گریز کرنا چاہتے تھے، جب یہ بے کار قسم کی امامت گیارہویں امام کے لاولد فوت ہونے سے ختم ہوگئی، تو اب کوئی امام باقی نہ رہا، جس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ امامیہ کا اس لقب سے ملقب رہنا محال تھا، اب انہوں نے بن باپ اور بے اولاد امام کا عقیدہ گھڑ لیا، یہ واقعہ کتاب ہذا میں آئے گا، شیعہ عہد ماضی کے فرضی معبودوں کی طرح اسے زندہ تصور کرتے ہیں، اسلام کو امت مسلمہ کے لیے ناکافی قرار دینا اس امر کا واضح اعتراف ہے کہ اسلام ناقص مذہب ہے اور اہل اسلام نجات سے قاصر ہیں، ابن المطہر کی کتاب کا موضوع صرف ان اعتراضات کا ازالہ ہے جو اس بیہودہ عقیدہ پر وارد ہوتے ہیں، اس کے عین بر خلاف شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اپنی تصنیف لطیف میں یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں، کہ اسلام دین کامل ہے، اہل اسلام مستحق رشد وفلاح ہیں، اور رسول اللہ کی وفات کے بعد ائمہ معصومین کی اطاعت سے بے نیاز ہیں، اس کی دلیل یہ ہے کہ سورہ مائدہ کی تیسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کو کامل اور نوع انسانی کی نجات کے لیے کفایت کنندہ قرار دیا ہے، مزید برآں مسلمانوں کے امام دوسرے مسلمانوں کے برابر ہیں، اور انہی کی طرح شرعی احکام واوامر کے مکلّف و مامور ہیں، اہل اسلام پر ائمہ کی اطاعت صرف نیک اعمال کی حد تک ضروری ہے اس لیے کہ خالق کی نافرمانی کر کے کسی مخلوق کی اطاعت نہیں کی جاسکتی۔

انکار اجماع اور شیعہ:

اہل اسلام اور شیعہ میں ایک نمایاں فرق یہ بھی ہے کہ شیعہ دین اسلام کو ایک اجتماعی دین تسلیم نہیں کرتے علاوہ ازیں شیعہ کے یہاں غیر منصوص شرعی احکام میں مسلمانوں کا اجماع حجت نہیں، بخلاف ازیں اہل السنۃ والجماعۃ کے تشریعی نظام میں یہ امر مسلم ہے کہ فقہ وتشریع میں مہارت رکھنے والے علماء کا اجماع اللہ و رسول کے دین میں ایک شرعی دلیل کی حیثیت رکھتا ہے، امام حاکم اور دیگر محدثین نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا یَجْمَعُ اللّٰهُ اُمَّتِیْ عَلَی الضَّلَالَةِ))[1]

''اللہ تعالیٰ میری امت کو ضلالت پر جمع نہیں کرے گا۔''

---

[1] سنن ترمذی۔ کتاب الفتن، باب ما جاء فی لزوم الجماعة (حدیث: ۲۱۶۷)

حجیت اجماع کے دلائل:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" يَدُ اللّٰهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ " اللہ کی تائید جماعت کے شامل حال ہوتی ہے۔

سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جو شخص مسلمانوں کی جماعت سے ایک بالشت بھر الگ ہوا تو اس نے اسلام کا جوا اپنی گردن سے اتار پھینکا یہاں تک کہ اس کی طرف لوٹ آئے۔''[1]

سرور کائنات ﷺ کا فرمان ہے:

((عَلَيْكُمْ بِالسَّوَادِ الْأَعْظَمِ وَمَنْ شَذَّ شُذَّ فِي النَّارِ))[2]

''سواد اعظم سے وابستہ رہیے جو الگ ہوا تو اسے تنہا دوزخ میں ڈالا جائے گا۔''

احادیث نبویہ کے علاوہ قرآن کریم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے ''سبیل المؤمنین'' کو اللہ و رسول کی اطاعت کے ساتھ مقرون و متصل قرار دیا ہے، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

﴿ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴾

(سوره نساء: ٥/١١)

''جو شخص ظہور ہدایت کے بعد رسول کی مخالفت کرتا اور مومنوں کے علاوہ دوسری راہ پر چل دیتا ہے تو جدھر کا رخ کرتا ہے، ہم اسے اسی جانب پھیر دیتے ہیں اور ہم اسے جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔''

صرف نبی ﷺ کی اطاعت سے روگردانی ہی جہنم لے جانے کے لیے کافی تھی تاہم مذکورۃ

---

[1] مسند احمد(٤/ ١٣٠) سنن ترمذی ، کتاب الامثال، باب ما جاء فی مثل الصلاۃ والصیام، (حدیث:٢٨٦٣) عن الحارث الاشعری رضی الله عنه بهذا اللفظ، سنن ابی داؤد۔ کتاب السنة۔ باب فی الخوارج(حدیث٤٨٥٨) مختصرًا عن ابی ذر رضی الله

[2] سنن ابن ماجة۔ کتاب الفتن، باب السواد الاعظم(حدیث:٣٩٥٠) مختصرًا و سنده ضعيف جداً اس کی سند میں معان بن رفاعة ، لین الحدیث اور ابوخلف الاعمی متروک راوی ہے۔مستدرک حاکم(١/ ١١٥) من طريق آخر و سنده ضعيف ايضاً

الصدر آیت میں مومنوں کی اختیار کردہ راہ کے سوا دوسرے راستوں کی جانب میلان و رجحان کو بھی دخول جہنم کا باعث قرار دیا، جس سے مقصود یہ واضح کرنا ہے کہ ''اللہ اور رسول کی اطاعت اور سبیل المؤمنین'' باہم لازم وملزوم اور ایک دوسرے کا جزو لاینفک ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد ہوا:

﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ﴾ (آل عمران: ۳/۱۰۰)

''تم بہترین جماعت ہو جسے لوگوں کے فائدہ کے لیے ظاہر کیا گیا ہے تم نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہو۔''

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ مسلمان بہ حیثیت مجموعی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرتے ہیں، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ وہ ضلالت پر جمع نہ ہوں گے اور صرف ایسی چیز کو واجب یا حرام قرار دیں گے جس کے وجوب وحرمت کا فتویٰ اللہ و رسول نے صادر کیا ہو، یہ کسی طرح ممکن نہیں کہ وہ بحیثیت مجموعی حق گوئی سے سکوت اختیار کریں جب کہ وہ شرعاً امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے مکلّف و مامور ہیں، یہ صریح نص قرآنی کے خلاف ہے۔

مذکورہ بالا دلائل اور دیگر لا تعداد براہین و دلائل کی بنا پر مسلمان دین اسلام کو ایک اجتماعی دین قرار دیتے چلے آئے ہیں اور اسی بنا پر ان کو ''اہل السنة والجماعة'' کے لقب سے ملقب کیا گیا ہے بایں ہمہ شیعہ اجماع امت کو تسلیم نہیں کرتے، امت مسلمہ ان کی نگاہ میں ایک منتشر جماعت ہے جس میں کوئی شیرازہ بندی نہیں، اور اس کے قیام و بگاڑ کے لیے نبی کے سوا کسی غیر معصوم امام کا وجود از بس ناگزیر ہے۔

شیعہ کا قبلہ وکعبہ:

ہمارے اور شیعہ کے مابین آخری نقطہ فرق واختلاف یہ ہے کہ مسلمان جب عبادت بجا لانے کے لیے بارگاہ ایزدی میں حاضر ہوتے یا دعا کرتے وقت اس کے حضور عجز و نیاز کرتے ہیں تو صرف ایک ہی کعبہ کی جانب متوجہ ہوتے ہیں، مگر شیعہ خانہ کعبہ کے ساتھ دوسرے کعبہ جات کو بھی شریک کرتے ہیں۔

شیعہ کا ایک کعبہ مغیرہ بن شعبہ کی قبر ہے جو نجف کے مقام میں واقع ہے، سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کوفہ

میں شہادت پائی اور وہیں مسجد کوفہ اور قصر کے مابین مدفون ہوئے۔

عرصہ دراز کے بعد شیعہ نے یہ دعویٰ کر دیا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ بمقام نجف مغیرہ کی قبر میں مدفون ہیں، شیعہ نے اس قبر کو کعبہ کی حیثیت دے رکھی ہے، اس کا اصلی اندازہ وہی شخص کر سکتا ہے جو وہاں جا کر بہ چشم خود شیعہ کی حرکات کا ملاحظہ کرے، شیعہ کا دوسرا کعبہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی من گھڑت قبر ہے، جو بقول شیعہ کربلا میں واقع ہے، ایک شیعہ شاعر کے اشعار ملاحظہ کریں شاعر کہتا ہے: ؎

هِی الطفواف فطف سبعا بمغناها
فمالمكة معنى مثل معانها
ارض ولكنما السبع الشدادلها
دانت وطاطا اعلاها لادناها

''یہ ارض کربلا ہے یہاں سات مرتبہ طواف کیجئے
جو مقام اسے حاصل ہے وہ مکہ کو کہاں نصیب!
اگرچہ یہ زمین ہے مگر ساتوں آسمان اس کے تابع ہیں،
اور عرش عظیم بھی اس کے سامنے جھکتا ہے۔''

اب بتائیے اس کفر صریح کو سالار انبیاء ﷺ کے فرمان مبارک سے کیا نسبت جو آپ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں ارشاد فرمایا، ارشاد ہوتا ہے:

((لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَآئِهِمْ مَسَاجِدًا))[1]

''اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے، انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجدیں بنالیا۔''

نیز فرمایا:

((اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِىْ وَثْنًا يُّعْبَدُ اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلٰى قَوْمٍ اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَآئِهِمْ مَسَاجِدًا))[2]

---

[1] صحيح بخارى كتاب الصلاة باب(٥٥) ، حديث:٤٣٥،٤٣٦،١٣٣٠)، صحيح مسلم۔ كتاب المساجد، باب النهى عن بناء المسجد على القبور، (حديث: ٥٢٩۔ ٥٣١)

[2] موطا امام مالك (١٧٢/١) كتاب قصر الصلاة فى السفر ،ح:٨٥،تعليقاً مسند احمد (٢٤٦/٢) عن ابى هريرة رضى الله عنه موصولاً وانظر مسند البزار(٤٤٠)

''اے اللہ میری قبر کو بت نہ بنانا جس کی عبادت کی جائے، اس قوم پر اللہ کا سخت غضب ہوا جنھوں نے انبیاء کی قبروں کو مسجدیں بنا لیا۔''

امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ابو ہیاج حیان بن حصین اسدی کو فرمایا: کیا میں آپ کو اس کام کے لیے نہ بھیجوں جس پر مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مامور فرمایا تھا، اور وہ یہ ہے کہ کسی تصویر کو مٹائے بغیر نہ چھوڑیئے اور جو بلند قبر دیکھو، اسے زمین کے برابر کر دو۔ [1]

اگر شیعہ امت محمدیہ میں شامل ہیں تو خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ صحیح ترین حدیث ان کے لیے کافی ہے اور اگر وہ ائمہ معصومین کی اطاعت کا دم بھرتے ہیں تو یہ ہے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا فعل جو وہ رسول اللہ کی اطاعت میں بجا لاتے اور اس کام کے لیے دوسرے اشخاص و رجال کو بھیجا کرتے تھے! اور اگر قبور انبیاء کے ساتھ ان کا رویہ یہود و نصاریٰ ہونے کی حیثیت سے ہے تو ہمیں ان سے کوئی سروکار نہیں، اس لیے کہ

وَلِلنَّاسِ فِیْمَا یَعْشِقُوْنَ مَذَاهِبُ

المنتقیٰ پر ایک نظر:

تمہیدی طور پر یہ حقیقت پیش نظر رہے کہ حافظ ابو عبداللہ محمد بن عثمان ذہبی رحمہ اللہ المتوفی (۶۷۳۔۷۴۸) کی کتاب المنتقیٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۶۶۱۔۷۲۸) کی شہرہ آفاق کتاب'' **منہاج الاعتدال فی نقض کلام اھل الرفض والاعتزال**'' کا اختصار ہے، امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی مذکورۃ الصدر کتاب'' **منہاج الاعتدال**'' ۲۲۔۱۳۲۱ھ میں مطبع بولاق میں چار جلدوں میں'' **منہاج السنة النبویة فی نقض کلام الشیعة والقدریة**'' کے نام سے چھپی۔

المنتقیٰ کے متعلق عام خیال یہ تھا کہ یہ کتاب خطہ ارضی سے ناپید ہو چکی ہے۔ سب سے پہلے حجاز کے مشہور رئیس اور جید عالم محبّ مکرم شیخ محمد نصیف نے گذشتہ سال اس کا سراغ لگایا، شیخ موصوف ان دنوں دیار شام کی سیاحت کے لیے گئے تھے، دوران سفر حلب کے مکتبہ عثمانیہ میں انھوں نے المنتقیٰ کا مخطوطہ دیکھا۔

بارھویں صدی ہجری کے وسط میں عثمان پاشا حلبی المتوفی ۱۱۶۰ھ نے یہ مکتبہ وقف کر دیا تھا، عثمان پاشا عبدالرحمٰن پاشا کے بیٹے جو ۱۱۰۷ھ میں فوت ہوئے۔

---

[1] صحیح مسلم۔ کتاب الجنائز، باب الامر بتسویة القبر، (حدیث: ۹۶۹)

حال ہی میں مکتبہ عثمانیہ کو حلب کے ''دار مکتبات الاوقاف الاسلامیة'' میں شامل کر دیا گیا ہے، المنتقیٰ کے مخطوطہ کا نمبر اس مکتبہ میں ۵۷۹ ہے۔

یہ ایک قدیم نسخہ ہے، اس کے کاتب کا نام یوسف شافعی ہے، یوسف شافعی نے اس نسخہ کی کتابت سے ماہ جمادی الاولیٰ کے آخر میں امام ذہبی رحمہ اللہ کی وفات کے ۷۶ سال بعد ۸۲۴ھ میں فارغ ہوا۔

ایسے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مخطوطہ کسی صحیح نسخہ سے نقل کیا گیا ہے، اگرچہ مخطوطہ کا کاتب علوم عربیہ اور عربی زبان میں ماہر نظر نہیں آتا، یہی وجہ ہے کہ نقل کرتے وقت اس سے بڑی فحش غلطیاں صادر ہوتی رہیں، چنانچہ کتاب کا قاری جو ایسے مخطوطات پڑھنے میں مہارت رکھتا ہو اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہے۔

بایں ہمہ ہم نے بولاق میں طبع شدہ اصل کتاب ''المنتقیٰ'' کا تقابل کیا اور امکانی حد تک اس سے فائدہ اٹھایا، یہی وجہ کہ کتاب المنتقیٰ بکمال صحت زیور طبع سے آراستہ ہو کر منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئی۔

اصل کتاب (منہاج الاعتدال) سے تقابل کرتے وقت ایسے فقرات ہماری نگاہ سے گزرتے جن کو نظر انداز کرنا کسی طرح مناسب نہ تھا، ان کی افادیت کے پیش نظر ہم ان کو المنتقیٰ میں درج کر دیتے، اور اصل کتاب سے ممیّز کرنے کے لیے ان فقرات کو قوسین (......) میں لکھ دیتے۔

جس سے ہمارا مقصد یہ تھا کہ امام ذہبی رحمہ اللہ کا اختصار المنتقیٰ خالصتاً ان کی خواہشات کے مطابق رہے، (اور کوئی دوسرا شخص اصل کتاب سے اس میں اضافہ نہ کر سکے۔)

اس طریق کار کے پیش نظر ہم دو خوبیوں کو بیک وقت جمع کر سکے ہیں۔

۱۔ قاری ان زیادات سے بھی مستفید ہو سکے جو اصل کتاب میں تھیں، اور المنتقیٰ کا دامن ان فوائد سے خالی تھا۔

۲۔ دوسرا یہ کہ امام ذہبی رحمہ اللہ کا المنتقیٰ اپنی اصل حدود کے اندر رہا اور شیخ محمد نصیف نے اس کا جو عکسی فوٹو لیا تھا، اس میں کوئی تبدیلی نہ ہو پائی، چنانچہ میں نے مقدمہ ہذا کے آخر میں المنتقیٰ کے پہلے صفحہ اور کتاب کے آخر میں المنتقیٰ کے آخری صفحہ کا فوٹو دے دیا ہے۔

المنتقیٰ کی طباعت کے دوران میں نے اس کے بعض مقامات پر حواشی لکھے، میرا خیال ہے

کہ یہ حواشی اہم مطالب کے فہم و ادراک میں قاری کے لیے مفید ثابت ہوں گے۔اور وہ آسانی سے کتاب کا مطلب سمجھ سکے گا، حاشیہ نویسی کا محرک یہ امر تھا کہ دور حاضر میں شیعہ نے کتب و رسائل کی اشاعت کے ذریعہ اہل السنۃ کے برخلاف اس قدر بھرپور حملے کیے کہ ان پر خاموش رہنا حق وصداقت کی رسوائی ہے، چنانچہ میں بتوفیق ایزدمتعال صداقت اسلامی کے تحفظ و دفاع کے لیے گوشہ عافیت سے اٹھ کھڑا ہوا۔اور یہ مباحث قلمبند کیے۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهُ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ وَّاَصْحٰبِ مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِ مُحَمَّدٍ وَذُرِّيَّةِ مُحَمَّدٍ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا وَسُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

مترجم

غلام احمد حریری

ایم،اے، (عربی،اسلامیات)

(۲۹/ جون/ ۱۹۶۵ء)۶۱۔ڈی پیپلز کالونی، لائل پور۔

محب الدين الخطيب:

دار الفتح بجزيرة الروضة بالمقابل فسطاط مصر،

نصف شعبان، ۱۳۷۴ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَبِهٖ نَسْتَعِيْنُ

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الْمُنْقِذِ مِنَ الضَّلَالِ، الْمُرْشِدِ اِلَى الْحَقِّ، اَلْهَادِىْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ

حمد وصلوۃ کے بعد یہ چند مفید ونفیس مسائل ہیں، جن کو میں نے علامہ زماں، فاضل دوراں استاد محترم ابو العباس احمد بن تیمیہ رحمہ اللہ کی کتاب ''منہاج الاعتدال فی نقض کلام اہل الرفض والاعتزال'' ❶ سے انتخاب کیا ہے، امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ان کے سامنے ایک معاصر شیعہ ''ابن المطہر'' ❷ کی کتاب پیش کی گئی، یہ کتاب اس نے شیعہ امامیہ کے مذہب کی ترویج واشاعت کے لیے

---

❶ یہ کتاب ۱۳۲۱ھ میں بولاق کے مطبعہ امیریہ میں منہاج السنۃ النبویہ فی نقض کلام الشیعہ والقدریہ کے نام سے چار جلدوں میں چھپی تھی، شیخ الاسلام ابن تیمیہ اپنی تصانیف کا نام مقرر نہیں کیا کرتے تھے، سرعت تالیف میں یکتا تھے، حافظہ اس قدر قوی پایا تھا کہ کتابوں کی طرف مراجعت کئے بغیر حافظہ کی مدد سے احادیث کی عبارتیں، اقوال ائمہ اور تاریخی واقعات لکھتے چلے جاتے تھے، علماء آپ کے تلامذہ سے یہ تصانیف ہاتھوں ہاتھ لیتے اور جنگل کی آگ کی طرح یہ کتابیں اقطار ارضی میں پھیل جاتیں، کتابوں کے مندرجات دیکھ کر لوگ خود ان کا نام مقرر کر لیتے، یہی وجہ ہے کہ آپ کی بعض تصانیف کے متعدد نام ملتے ہیں، چونکہ امام ذہبی رحمہ اللہ المتوفی (۶۷۳۔۷۴۸) ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے خصوصی تلامذہ سے تھے، اس لیے ہم نے المنتقیٰ کی اصل کا وہی نام ذکر کیا ہے، جو امام ذہبی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ورنہ عام لوگوں میں یہ کتاب ''منہاج السنہ'' کے نام سے مشہور ہے، اس کے باوجود ہم نے سرورق پر دوسرے نام کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔

❷ ابن المطہر کا پورا نام حسن بن یوسف بن علی ابن المطہر المتوفی (۶۴۸۔۷۲۶) ہے، یہ نصیر الدین طوسی المتوفی (۵۹۷۔۶۷۲) کا شاگرد خاص اور شیعہ کے کبار علماء میں سے ایک ہے، اس کی تربیت ہی صحابہ و تابعین کرام کے بغض وعناد پر ہوئی تھی، جو صحابہ نے کارہائے نمایاں انجام دیے اور دنیائے انسانیت جن کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے، ابن المطہر اُن کو غضب آلود نگاہ سے دیکھتا ہے، ابن المطہر نے اپنی کتاب کے جو اوراق سیاہ کیے ہیں، ان میں جگہ جگہ اس کی عداوتِ صحابہ کے مظاہر نظر آتے ہیں، شیخ

تحریر کی تھی۔

حالانکہ امامیہ خود جاہل ❶ اور علم دین سے بہت ہی کم واقفیت رکھنے والے ہوتے ہیں۔

ابن المطہر نے یہ کتاب ایک مشہور بادشاہ کے لیے تحریر کی جس کا نام اس نے خدا بندہ ❷ ذکر

الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس کتاب کا تار و پود بکھیر کر رکھ دیا ہے، اور اسے اولین و آخرین کے لیے سامان عبرت بنا دیا ہے۔

❶ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے سالار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے جو سنت اخذ کی پھر ان کے ہاتھوں یہ مقدس امانت تابعین کرام تک پہنچی جو بات بھی اس کے خلاف ہو وہ جاہلیت میں شمار ہوتی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ انسانی نظامات و احکام کسی زمان میں ہو یا کسی مکان میں ان کی دو ہی قسمیں ہیں۔

۱۔ اسلام ۲۔ جاہلیت

صحابہ سے جو سنن واحکام ہم نے اخذ کیے وہ اسلام ہیں اور اس کے ماسوا جو کچھ بھی ہے وہ جاہلیت ہے قطع نظر اس سے کہ وہ جاہلیت کب ایجاد ہوئی یا اس کا گھڑنے والا کون تھا۔

❷ اللہ بندہ فارسی لفظ ہے عربی میں اس کے معنی ہیں، عبداللہ (اللہ کا بندہ) اللہ بندہ ایلخانی بادشاہوں میں سے آٹھواں بادشاہ اور چنگیز کی چھٹی پشت میں سے تھا، اس کا اصلی نام الجالیتو التوفی (۶۸۰۔۷۱۶) ہے، اس کا شجرہ نسب حسب ذیل ہے۔

۱۔ الجایتوبن متوفی (۶۸۰۔۷۱۶)

۲۔ارغون ۶۹۰ھ

۳۔ابغاغون ۶۸۱ھ

۴۔ ہلاکوغون ۶۶۳ھ

۵۔ تولی غون ۶۲۸ھ

۶۔ چنگیزغون (۵۴۹۔۶۲۴)

چنگیز کا لقب ایلخان تھا، یہ سلطنت اسی کی جانب منسوب ہے، اللہ بندہ کا والد ارغون صنم پرست تھا، ارغون کا چچا نکودار بن ہلاکو سیاسی مصلحت کے پیش نظر مسلمان ہو گیا تھا اور اپنا نام احمد نکودار رکھ لیا تھا۔ ارغون نے خراسان میں اس کے برخلاف بغاوت کر کے ۶۸۳ھ میں اسے قتل کر دیا اور اس کی سلطنت پر قابض ہو گیا، ارغون نے اپنے والد کے وزیر شمس الدین محمدی کے خلاف یہ بہتان باندھا کہ اس نے زہر دے کر اس کے والد کو ہلاک کر دیا ہے اس جرم میں وزیر اور اس کے چار بیٹوں کو ہلاک کر کے عنان سلطنت اپنے یہودی طبیب سعداللہ کے سپرد کر دی، اور خود عیش وعشرت کی زندگی بسر کرنے لگا، جب

یہودی طبیب ملک کا نظم ونسق سنبھالنے سے قاصر رہا اور ملک میں بدامنی کا دور دورہ ہوا تو اعمال سلطنت نے اسے تہ تیغ کر دیا چنانچہ ارغون ۶۹۰ھ میں بڑی بے کسی کی موت مرا، ارغون کے دو بیٹھے تھے۔

ا۔ الجایتو جسے اللہ کا بندہ کا نام سے پکارا جاتا ہے، ۲۔ غازان المتوفی (۶۷۰۔۷۰۳)، چونکہ رعایا مسلمان تھی، لہٰذا یہ دونوں سیاسی مصلحت کے پیش نظر مسلمان ہو گئے، غازان نے اہل سنت کا مذہب اختیار کیا، جب ۷۰۳ھ میں اس کا بھائی اللہ بندہ اس کا قائم مقام قرار پایا، تو اس نے شیعہ مذہب اختیار کیا، اس کے امراء خواص اکثر شیعہ تھے، ایک واقعہ مشہور ہے کہ اللہ بندہ نے ایک روز اپنی بیوی سے ناراض ہو کر اسے طلاق دے دی پھر جلدی ہی نادم ہو گیا اور اسے گھر میں آباد کرنا چاہا، اہل سنت علماء نے متفقہ فتوی دیا کہ دوسرے خاوند سے نکاح کیے بغیر خانہ آبادی کی کوئی صورت ممکن نہیں، اللہ بندہ کو بڑی مشکل پیش آئی، اس کے شیعہ خواص و امراء نے مشورہ دیا کہ شہر حلّہ کے مشہور شیعہ عالم ابن المطہر کو بلا کر مشورہ کیجئے، وہ اس کا کوئی حل پیش کرے گا، ابن المطہر حاضر ہوا تو سلطان نے صورت مسئلہ پیش کر دی، ابن المطہر نے پوچھا کیا آپ نے دو عادل گواہوں کے سامنے طلاق دی تھی؟ سلطان نے کہا نہیں! ابن المطہر نے کہا چونکہ طلاق کے شرائط موجود نہیں لہٰذا طلاق واقع نہیں ہوئی، اور سلطان حسب سابق اپنی بیوی کو آباد کر سکتا ہے، بادشاہ اس فتویٰ سے بہت خوش ہوا اور ابن المطہر کو اپنا خصوصی مصاحب بنا لیا، ابن المطہر کے بہکانے سے اللہ بندہ نے دیار و امصار میں حکم ارسال کیا کہ منبر پر خطبہ دیتے وقت بارہ اماموں کا نام لیا جائے، ائمہ کے نام سکول اور مساجد کی دیواروں پر کندہ کیے جائیں، ابن المطہر کی حیلہ جوئی نے سلطان کو اس زحمت سے بچا لیا کہ اس کی بیوی عقد ثانی کے بعد اس کے یہاں لوٹ کر آتی، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ سلطنت میں شیعہ مذہب نے پر پرزے نکالنے شروع کر دیئے، یہ خراسان و ایران میں رسمی تشیع کی جانب پہلا قدم تھا، کہا جاتا ہے، کہ یہ واقعہ ۷۰۷ھ میں پیش آیا۔

اس واقعہ کے تین سو سال بعد شیعہ مذہب کی جانب دوسرا قدم اٹھا جس نے سلطنت صفویہ کے قیام سے پورے ایران کو تشیع کے آتشی کنویں میں دھکیل دیا، متقدمین شیعہ جن افکار و آراء کو غلو سے تعبیر کیا کرتے تھے، اور ان کے معتقد کی روایت کو تسلیم نہیں کیا کرتے تھے، سلطنت صفویہ ان کی پشت پناہی کرنے لگی، اور سب شیعہ غالی بن گئے، جو افکار و معتقدات متقدمین شیعہ کے یہاں غلو تصور کیے جاتے تھے، صفوی دور میں ان کو ضروریات مذہب میں سے سمجھا جانے لگا، چنانچہ شیعہ کے دوسرے بڑے علامہ المامقانی المتوفی (۱۲۹۰، ۱۳۵۱) نے اپنی کتاب تنقیح المقال میں جو جرح و تعدیل میں بے حد اہم کتاب ہے خود اس کا

کیا ہے، دلائل کی دو ہی قسمیں ہیں۔

۱۔ دلائل نقلیہ

۲۔ دلائل عقلیہ

شیعہ نقلی دلائل پیش کرنے میں اکذب الناس ہیں ❶ اور عقلی دلائل کے ذکر و بیان میں اجھل الناس ❷ یہی وجہ ہے کہ علماء انہیں اجھل الطّوائف کہتے چلے آئے ہیں، ان کی وجہ سے دین اسلام کو جونقصان پہنچا ہے اس کا بخوبی اندازہ صرف رب العالمین ہی کو ہے، اسماعیلیہ ❸ باطنیہ اور نصیر یہ ایسے گمراہ فرقے اسلام میں شیعہ ہی کے دروازے سے داخل ہوئے، کفار و مرتدین بھی شیعہ کی راہ پر گامزن ہو کر اسلامی دیار و بلاد پر چھا گئے، وہاں مسلم خواتین کی آبروریزی کی اور ناحق خون بہایا، ابن المطہر نے اپنی کتاب کا نام "منهاج الكرامة فی معرفة الامامة" رکھا ہے، شیعہ خبث باطن اور ہوائے نفس میں یہود سے ملتے جلتے اور غلو و جہل میں نصاریٰ کے ہم نوا ہیں۔

اعتراف کیا ہے۔

❶ اس کی وجہ یہ ہے کہ مرویات و منقولات میں شیعہ کے یہاں ثقاہت و عدالت کا معیار حب اہل البیت اور بغض صحابہ ہے جو شخص اپنے دل میں صحابہ کے لیے زیادہ بغض و عداوت رکھتا ہے، وہ اسی قدر زیادہ مقبول الروایت ہے، جو اس ضمن میں نرمی برتتا ہے، اور سیدہ عائشہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ و تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین پر لعنت نہیں بھیجتا وہ اس مقبولیت سے محروم ہے۔

❷ اجھل الناس ہونے کی وجہ یہ ہے کہ شیعہ مذہب کی اساس اباطیل و اوہام پر رکھی گئی ہے، چنانچہ آگے چل کر آپ اسی کتاب میں ملاحظہ فرمائیں گے، جہالت کی حد یہ ہے کہ شیعہ امامیہ کو دور حاضر میں اپنا بلا امام ہونا بھی تسلیم نہیں، بخلاف ازیں وہ اپنے کو شیعہ امامیہ کہے جاتے ہیں اور اس امر کے مدعی ہیں کہ وہ امامیہ ہیں، ان کا امام ہزار سال کی مدت مدید گزرنے کے باوصف ہنوز بقید حیات ہے، البتہ وہ سامرہ کے تہ خانہ میں پوشیدہ ہے، امامیہ امام غائب کے خروج کے منتظر ہیں، اور ان کے عاجلانہ ظہور و خروج کے لیے دست بدعا رہتے ہیں۔

❸ اگر شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ عصر حاضر تک بقید حیات رہتے تو انہیں یہ ارشاد فرمانے میں کوئی باک نہ ہوتا کہ شیخیت کشفیت اور بہائیت شیعہ مذہب کی کرشمہ سازی کا نتیجہ ہے، اور یہ شیعہ کی رکیک روایات ہی سے استدلال کر کے جادہ مستقیم سے بھٹک گئے ہیں۔

ابن المطہر بھی اپنے پیش روؤں، مثلاً ابن النعمان ❶ المفید، کراجکی ❷ وابوالقاسم ❸ موسوی، اورنصیر الدین طوسی ❹ کی راہ پر گامزن رہا، شیعہ دراصل طریق بحث و مناظرہ معرفت دلائل اور

❶ اس کا نام ونسب محمد بن محمد بن نعمان بن عبدالسلام بغدادی المتوفی (۳۳۶۔۴۱۳) ہے، یہ حلہ نامی شہر کا شیخ المشائخ تھا، کہا جاتا ہے کہ یہ چھوٹی بڑی دوصد سے زائد کتب کا مصنف ہے۔

❷ محمد بن علی بن عثمان الکراجکی المتوفی ۴۴۹ھ یہ شیخ ابن نعمان المفید کے تلامذہ میں سے تھا، کراجک ایک گاؤں کا نام ہے۔

❸ اس کا پورا نام ابوالقاسم علی بن حسین بن موسیٰ المعروف بالمرتضیٰ ہے، تاریخ وفات (۳۵۵۔۴۳۶) ہے، یہ محمد بن حسین الرضی کا بھائی تھا، جو مشہور شاعر تھا، اس کی تاریخ وفات (۳۵۹۔۴۰۶) ہے ان دونوں بھائیوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے خطبات میں اضافہ کر کے ان میں طرح طرح کے عجائبات وغرائبات جمع کر دیئے، حالانکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا دامن ایسی افتراپردازی سے پاک ہے۔

❹ محمد بن محمد بن حسن خواجہ نصیر الدین طوسی المتوفی (۵۹۷۔۶۷۲) ہے، مشہور ظالم و سفاک ہلاکو نے ۶۵۵ھ میں بغداد میں قتل عام کا جو بازار گرم کیا تھا اس کی براہ راست ذمہ داری نصیر الدین طوسی ابن علقمی اوراس کے مشیر ابن ابی الحدید پر عائد ہوتی ہے، طوسی ایک ملحد فلسفی تھا اور زوال بغداد کا اولیں محرک تھا، زوال بغداد سے قبل یہ بلاد الجبل اور قلعہ الموت میں سکونت پذیر تھا اور فرقہ اسماعیلیہ کا طرف دار تھا، طوسی نے اپنی مشہور تصنیف اخلاق ناصری اسماعیلی سلطان علاؤالدین محمد بن جلال حسن کے وزیر ناصرالدین کے لیے تحریر کی تھی، ناصرالدین بلاد الجبل (کوہستان) کا حاکم تھا اور بڑا بدباطن شخص تھا طوسی کے نفاق اور خبث باطن کی بیّن دلیل یہ ہے کہ اس نے بنی عباس کے آخری خلیفہ المستعصم المتوفی (۵۸۸۔۶۵۶) کی شان میں مدحیہ قصیدہ لکھا تھا، حالانکہ زوال بغداد کا محرک یہی طوسی تھا، شیعہ طوسی کی اس رسوا کن خیانت اور خبث باطن کو اس کے انتہائی کمالات میں سے شمار کرتے ہیں، (دیکھئے شیعہ کی کتاب روضات الجنات طبع ثانی: ۵۷۸)

طوسی ایسے ملحد کی یہ خیانت اتنی بڑی تھی کہ اس سے بڑی خباثت وخیانت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا طوسی اس قدر خیانت کار تھا، کہ یہ ہلاکو کے خلاف سازش کرنے سے بھی باز نہ رہا، ہلاکو کو اس سازش کا پتہ چل گیا تھا وہ اس کی پاداش میں طوسی کو جہنم رسید کرنا چاہتا تھا، مگر قتل کرنے سے یہ امر مانع ہوا کہ طوسی سیاروں کی حرکات معلوم کرنے کے لیے ایک زائچہ تیار کر رہا تھا، اس نے چاہا کہ وہ تکمیل پذیر ہو جائے، ہلاکو نے جب طوسی کو بلا کر برا بھلا کہا اور اس کی خیانت کی قلعی کھول کر اسے قتل کی دھمکی دی تو طوسی کا شاگرد قطب الدین شیرازی موقع کو غنیمت جان کر اس زائچہ کی تکمیل کے لیے تیار ہو گیا اور ہلاکو سے کہا:

اصطلاحات مناظرہ مثلاً منع ومعارضہ سے بالکل ناآشنا ہیں، اسی طرح منقولات سے بھی وہ قطعی طور پر تہی دامن ہیں۔

شیعہ سے متعلق ائمہ دین کی رائے:

شیعہ کا اعتماد منقطع ❶ روایات پر ہے جن میں سے اکثر مشہور جھوٹے لوگوں کی وضع کردہ ہوتی ہیں، مثلاً شیعہ کے یہاں ابومخنف ❷ لُوط بن یحییٰ اور ہشام بن کلبی ❸ کی روایات بھی قابل اعتماد ہیں۔

''اگر آپ کی رائے مبارک اس شخص (طوسی) کو قتل کرنے کے حق میں ہے تو زائچہ کی تکمیل کے لیے میری خدمات حاضر ہیں۔''

مقام افسوس ہے کہ علم وفضل کے یہ مدعی شرم وحیا کے کسی احساس کے بغیر اخلاقی گراوٹ کی اس حد تک پہنچ جاتے تھے۔

❶ سند میں انقطاع کے معنی یہ ہیں کہ اس کا تسلسل ٹوٹ جائے اور ایک یا دو راوی محذوف ہوں، مثلاً ایک شخص ایسے شخص سے روایت کرے جو اس سے پہلے ہوا ہے اور اس نے اس کا زمانہ نہیں پایا، تاہم وہ جھوٹ موٹ اس سے روایت کرنے کا مدعی ہے، یا اس نے کسی اور شخص کے واسطہ سے روایت کی اور چونکہ وہ شخص معروف بالکذب تھا اس لئے اس کا نام دانستہ سلسلہ سند سے حذف کر دیا تاکہ اس روایت کا جھوٹا ہونا عوام میں مشہور نہ ہو۔

❷ ابومخنف شیعہ رواۃ میں سے مقابلتاً کم درجہ کا ضعیف راوی ہے، اور اس میں ضعف کم پایا جاتا ہے، تاہم محدث ابن عدی اس کے بارے میں فرماتے ہیں: ''یہ کٹر شیعہ اور راوی اخبار ہے۔'' حافظ ذہبی میزان الاعتدال میں فرماتے ہیں: ''یہ ایک قصہ گو شخص ہے جس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا، ابو حاتم نے اس کی روایت قبول نہیں کی۔'' فیروز آبادی نے بھی اپنی کتاب ''القاموس المحیط'' میں یونہی لکھا ہے: کہا جاتا ہے، کہ لوط بن یحییٰ ابومخنف ۱۵۷ھ میں فوت ہوا۔

❸ ہشام کا نام ونسب ابوالمنذر ہشام بن محمد بن سائب المتوفی ۲۰۴ھ ہے، یہ قصہ گو اور ماہر انساب تھا اس کے بارے میں امام احمد رحمہ اللہ کا قول سب سے زیادہ سچا ہے، فرماتے ہیں:

''یہ قصہ گو اور ماہر انساب ہے، میں یہ نہیں خیال کرتا کہ کوئی اس سے حدیث روایت کرتا ہو، یہ ان اخبار و انساب کا مرجع ہے، جن کا دین سے کوئی تعلق نہیں، جہاں تک حدیث رسول کا تعلق ہے، مسلمان اس سے زیادہ دانش مند ہیں، کہ وہ اس کے دھوکہ میں آئیں۔''

کلبی کے بارے میں محدث ابن عساکر نے حسب ذیل رائے کا اظہار کیا ہے:

''کلبی شیعہ ہے اور اعتماد کے قابل نہیں۔''

یونس بن عبدالاعلی ❶ روایت کرتے ہیں، کہ اشہب ❷ نے کہا، امام مالک رحمہ اللہ سے جب روافض کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

" لَا تُکَلِّمُهُمْ وَلَا تَرْوِ عَنْهُمْ فَاِنَّهُمْ یَکْذِبُوْنَ "

''شیعہ سے بات کیجئے نہ ہی ان سے روایت کیجئے، اس لیے کہ وہ جھوٹ بولتے ہیں۔''

حرملہ ❸ کہتے ہیں میں نے امام شافعی رحمہ اللہ کو یہ فرماتے سنا۔

" لَمْ اَرَاَحَدًا اَشْهَدَ بِالزُّوْرِ مِنَ الرَّافِضَةِ "

''میں نے شیعہ سے زیادہ جھوٹی گواہی دینے والا کوئی نہیں دیکھا۔''

مؤمل بن اہاب ❹ کہتے ہیں، میں نے یزید بن ہارون ❺ کو سنا فرماتے تھے:

''ہر بدعتی کی روایت قبول کی جا سکتی ہے، بشرطیکہ وہ بدعت کا داعی نہ ہو البتہ شیعہ کی روایت مقبول نہیں کیونکہ وہ جھوٹ بولتے ہیں۔''

محمد بن سعید ❻ اصفہانی فرماتے ہیں میں نے شریک ❼ کو یہ کہتے سنا:

''جس آدمی سے ملو اس سے علم حاصل کرلو البتہ شیعہ سے علم حاصل نہ کرو اس لیے کہ وہ حدیثیں وضع کرتے ہیں اور پھر انہیں دین بنا لیتے ہیں۔''

---

❶ یہ اپنے زمانہ میں امام مصر اور وہاں کے جید فاضل تھے ۲۶۴ھ میں وفات پائی۔

❷ اشہب بن عبدالعزیز قیسی المتوفی (۱۴۰۔۲۰۴) یہ ائمہ مصر میں سے تھے اور امام مالک اور لیث بن سعد کے شاگرد تھے۔

❸ حرملہ بن یحییٰ التجیبی المتوفی ۲۴۳ھ یہ امام شافعی کے تلمیذ خاص اور مصر کے یکتائے روزگار فاضل تھے، انہوں نے امام مالک کے تلمذ خاص ابن وہب سے تقریباً ایک لاکھ روایات اخذ کیں۔

❹ مؤمل بن اہاب ربعی المتوفی ۲۵۴ھ ان سے ابوداؤد اور نسائی نے روایت کی ہے۔

❺ یزید بن ہارون واسطی مشہور حافظ حدیث اور امام احمد کے استاد تھے، ان کی مجلس درس میں ستر ہزار طلبہ ہوا کرتے تھے، یہ ۲۰۶ھ میں فوت ہوئے۔

❻ محمد بن سعید اصفہانی مشہور محدث شریک کے تلامذہ میں سے تھے، امام بخاری نے ان سے روایت کی ہے، یہ ۲۲۰ھ میں فوت ہوئے۔

❼ شریک بن عبداللہ نخعی المتوفی (۹۵۔۱۷۷) کوفہ کے قاضی اور عبداللہ بن مبارک کے شیوخ میں سے ہیں، یہ محدث ثوری اور امام ابوحنیفہ کے معاصر اور رفیق تھے۔

ابو معاویہ ❶ کا قول ہے کہ میں نے سنا اعمش ❷ فرماتے تھے:

’’لوگ اصحاب مغیرہ ❸ بن سعید کو کذاب کا نام دیتے ہیں اور کذاب کی شہادت بالاتفاق مردود ہے۔‘‘

جو شخص کتب جرح و تعدیل کو بغور پڑھنے کا عادی ہے اسے معلوم ہے کہ ان کتب کے مصنفین کے نزدیک لوگوں کے ہر طبقہ میں شیعہ زیادہ تر معروف بالکذب ہوتے ہیں، بخلاف ازیں خوارج دینی حدود سے تجاوز کر جانے کے باوجود اصدق الناس ہوتے ہیں، اس کی حد یہ ہے کہ ان کی نقل کردہ روایت کو اصح الحدیث کہا جاتا ہے ❹، شیعہ یہ کہہ کر خود اپنی دروغ گوئی کا اعتراف کرتے ہیں کہ ’’ہمارا دین ❺ تقیہ ہے۔‘‘ اسی کا نام نفاق ہے، اس کے باوصف وہ مومن ہونے کے دعویدار ہیں اور سابقین

---

❶ ابو معاویہ محمد بن حازم المتوفی ۱۹۵ھ یہ نابینا ہونے کے باوصف بہت بڑے فاضل تھے، یہ اعمش کے تلامذہ میں سے تھے۔

❷ اعمش کا اصلی نام سلیمان بن مہران ہے، ان کی تاریخ وفات (۶۴۔ ۱۴۸) ہے، یہ بہت بڑے حافظ اور قاری تھے سفیان بن عیینہ اعمش کے بارے میں فرماتے ہیں: ’’یہ بہت بڑے حافظ قاری اور عالم تھے، صداقت بیانی کی وجہ سے ان کو المصحف کہا جاتا تھا۔‘‘

❸ مغیرہ بن سعید کوفی مشہور رافضی اور کذاب تھا، اسے ۱۱۹ھ میں خالد بن عبداللہ قسری کے عہد امارت میں سولی دیا گیا تھا، یہ آیت: ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ﴾ کی تحریف کر کے اسے غلط معانی پہنایا کرتا تھا یہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی الوہیت کا عقیدہ رکھتا تھا، اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے رفقاء کے سوا ابوبکر و عمر اور جملہ صحابہ کی تکفیر کرتا تھا۔ یہ ایک یہودی عورت سے کچھ پڑھا کرتا تھا، جب دریافت کیا گیا کہ تم پڑتے ہو تو کہنے لگا ’’میں جادو سیکھتا ہوں‘‘ ائمہ اہل بیت اس کی دروغ بیانی اور دین اسلام میں کفر و الحاد کے ارتکاب کی بنا پر اس سے اظہار براءت کیا کرتے تھے۔

❹ کیونکہ خوارج کے نزدیک جھوٹ بولنے والا گناہ کبیرہ کا مرتکب اور ابدی جہنمی ہے، یہی وجہ ہے کہ خوارج ظالم ہونے کے باوجود جھوٹ نہ بولتے تھے۔ (خالد گرجاکھی)

❺ حافظ ابن عساکر تاریخ دمشق میں رقم طراز ہیں، کہ حسن بن مثنیٰ بن حسن سبط بن علی بن ابی طالب نے ایک رافضی سے کہا:

’’اگر ہمارا بس چلا تو ہم تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹ دیں گے اور تمہاری توبہ قبول نہیں کریں گے، یہ سن کر ایک شخص بولا۔ آپ ان کی توبہ کیوں کر قبول نہ کریں گے۔‘‘ حسن مثنیٰ نے فرمایا: ’’ہم

اولین صحابہ کو ارتداد و نفاق [1] سے متہم کرتے ہیں۔

ان سے تمہاری نسبت زیادہ واقف ہیں، اگر چاہیں تمہاری تصدیق کر دیں اور اگر چاہیں تکذیب کر دیں، ان (شیعہ) کا خیال ہے کہ تقیہ میں ان سب باتوں کی گنجائش ہے، مقام افسوس ہے کہ تقیہ کی رخصت مسلمان کو اضطراری صورت میں حاصل ہوتی ہے، مثلاً وہ سلطان سے ڈرتا ہو تو اپنے ضمیر کے خلاف بات کہہ کر اپنی جان بچائے تقیہ میں عظمت وفضیلت کا کوئی پہلو موجود نہیں، فضیلت کا موجب یہ امر ہے کہ ہر قیمت پر آدمی حق کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے اور سچی بات کہہ دے، اللہ کی قسم! تقیہ کی بنا پر اللہ کے کسی بندے کو یہ حق حاصل نہیں کہ اللہ کے بندوں کو گمراہ کرتا پھرے۔'' (تاریخ دمشق از ابن عساکر: ۴/ ۱۶۵)

[1] اہل سنت کے ایک عالم سید ابراہیم نے ایک شیعہ مجتہد محمد مہدی سبز واری کو بتاریخ ۱۴ صفر ۱۳۴۷ھ ایک خط لکھا سید ابراہیم نے اپنے خط میں ایک شیعہ عالم بہاؤ الدین عاملی کا شکوہ کیا تھا کہ اس نے تفسیر بیضادی کے حاشیہ میں آیت: '' يَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوۡا وَلَقَدۡ قَالُوۡا كَلِمَةَ الۡكُفۡرِ وَكَفَرُوۡا بَعۡدَ اِسۡلَامِهِمۡ '' کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ آیت سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما اور دیگر صحابہ کے بارے میں نازل ہوئی، سید ابراہیم نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا:

اگر سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما اور دیگر صحابہ جن کی تعداد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ایک لاکھ سے بھی زائد تھی، پانچ چھ یا سات کے سوا سب کافر منافق اور مرتد ہوئے، تو وہ دین جاہلیت کا اعلان کرتے اور وہ مرتدین کے خلاف نبرد آزما نہ ہوتے، مقام حیرت ہے کہ ۲۳ سال تک کافر آپ کے مصاحب رہے اسی طرح طویل مدت تک ایک کافرہ بیوی آپ کی زوجیت میں رہی، اور آپ کو پتہ نہ چل سکا، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اولین و آخرین کا علم عطا کر رکھا تھا۔''

مہدی سبز واری نے ۴ ربیع الآخر کو اس کا حسب ذیل جواب دیا:

'' آپ نے شیعہ کا قول نقل فرمایا ہے، جواباً عرض ہے کہ سیدنا ابوبکر کا کفر (معاذ اللہ) بت پرستوں کی طرح حقیقی و واقعی نہیں، بلکہ حکمی کفر ہے، مزید برآں شیعہ اس بات کے قائل نہیں کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور صحابہ رسول اللہ کی زندگی میں کافر ہو گئے تھے، بلکہ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ آپ کی وفات کے بعد مرتد ہو گئے تھے۔ (العیاذ باللہ)۔

مذکورہ بالا بیان سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ بہاؤ الدین آملی کا یہ قول دروغ گوئی پر مبنی ہے، کہ مذکورۃ الصدر آیت سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما اور دیگر صحابہ کے بارے میں نازل ہوئی، تاہم عاملی اور سبز

گویا وہ اس مثل کے مصداق ہیں:

" رَمَتْنِیْ بِدَائِهَا وَانْسَلَّتْ "

"وہ اپنی بیماری مجھ پر پھینک کر کھسک گئی۔"

عقلیات میں شیعہ کا اعتماد آج کل معتزلہ کی تصانیف پر ہے، انکار تقدیر اور سلب صفات میں شیعہ معتزلہ کے ہم نوا ہیں، بخلاف ازیں کوئی معتزلی سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت سے منکر نہیں، بلکہ جمہور معتزلہ ان کی عزت و عظمت کے قائل ہیں، شیعہ متکلمین مثلاً ہشام [1] بن حکم، ہشام جوالیقی [2] اور یونس بن

واری اس امر میں باقی شیعہ کے ہم نوا ہیں کہ صحابہ اگر آپ کی وفات سے قبل نہیں تو بعد میں ضرور مرتد ہوگئے تھے، ہم کہتے ہیں کہ اگر شیعہ کے افکار و معتقدات کا انکار کفر ہے، تو بلاشبہ اس اعتبار سے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو کافر کہنا درست ہے، سید ابراہیم اور مجتہد سبز واری کی مراسلت کے لئے دیکھئے، مجلّہ الفتح " جمادی الآخرہ ۱۳۶۶ھ

[1] ہشام بن حکم مشہور زندیق ابوشاکر دیصانی کا غلام اور اس کا تربیت یافتہ تھا، ابوشاکر ہی سے اس نے الحاد و زندقہ اور تجسیم کی تعلیم پائی، جب ابوشاکر مر گیا تو یہ کسی اور ملحد استاد کی تلاش میں سرگرداں رہنے لگا، اتفاقاً اس کی ملاقات ایک جہمی العقیدہ شخص سے ہوگئی، ہشام تجسیم کا عقیدہ رکھتا تھا اس کے عین برخلاف جہمی شخص نفی صفات کا قائل تھا، تاہم الحاد و زندقہ اور غلو فی البدعت میں دونوں ایک دوسرے کے ہم نوا تھے، برامکہ مجوس کے آتشکدہ کے متولی چلے آتے تھے، جب انہیں ہشام کا پتہ چلا تو وہ اسے بے حد چاہنے لگے، روپیہ پیسہ سے اس کی مدد کی اور اس کی ذہانت کو اپنی اغراض کے لیے استعمال کرنے لگے، شاید برامکہ کی وجہ ہی سے ہشام شیعہ سے وابستہ ہوگیا، جس سے برامکہ کا مقصد یہ تھا کہ اس طرح غالی شیعہ کو اس کا تعاون حاصل رہے گا، اور وہ نوعمر لوگوں کو تشیع کے جال میں پھنسا سکیں گے، علاوہ ازیں وہ اکابر شیعہ سے مل کر برامکہ کے بڑے بڑے کام نکالے گا، شیعہ مذہب میں مختلف عنصر کے لوگ پائے جاتے تھے، ہشام کے عہد اقتدار ہی میں خلیفہ ہارون رشید اپنی خواب غفلت سے چونکا اور برامکہ شعوبیہ اور زنادقہ کو سزا دینے کے درپے ہوا، نتیجہ کے طور پر برامکہ زوال پذیر ہوگئے، ان واقعات کے دوران ہشام کہیں چھپ گیا اور لوگوں سے مکمل علیحدگی اختیار کر لی، کہا جاتا ہے، کہ اس کی موت ۱۹۹ میں واقع ہوئی، ہشام کے عقاید کے لیے دیکھئے۔ (مختصر تحفہ اثنا عشریہ، ص: ۶۳)

[2] ہشام بن سالم جوالیقی اس کا لقب علاف ہے، یہ کہا کرتا تھا کہ اللہ کی ایک صورت ہے، اور اس نے جناب آدم علیہ السلام کو اپنی صورت کے مطابق پیدا کیا تھا، اس کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ سر سے لے کر ناف تک

عبدالرحمٰن القمی ❶ صفات الٰہی کا اثبات کرتے تھے اور تجسیم کا عقیدہ رکھتے تھے۔

شیعہ کی نگاہ میں مسئلہ امامت کی اہمیت اور اس کی تردید:

شیعہ مصنف ابن المطہر آغاز کتاب میں رقمطراز ہے:

''یہ ایک مفید رسالہ اور لطیف مقالہ ہے، جو دین کے اشرف و اہم مسائل پر مشتمل ہے اور وہ مسئلہ امامت ہے، اس لیے کہ اس کے فہم و ادراک سے عز و شرف کے دروازے کھلتے ہیں، یہ ارکان ایمان میں سے ایک ہے اور اس کی وجہ سے جنت میں دائمی زندگی نصیب ہوتی ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ''جو شخص امام زمانہ کو پہچانے بغیر مر جائے، وہ جاہلیت کی موت مرا۔'' میں نے سلطان اعظم، شاہ عرب و عجم، غیاث الملۃ والدین خدابندہ کی لائبریری کے لئے یہ کتاب تحریر کی، اور اسے چند فصلوں میں ترتیب دیا۔

۱۔ پہلی فصل میں امامت کے مسئلہ میں جو مذاہب پائے جاتے تھے بیان کیے۔

۲۔ فصل ثانی میں یہ بیان کیا کہ امامیہ کا مسئلہ واجب الاتباع ہے۔

۳۔ فصل ثالث میں سیدنا علی کی امامت کے دلائل بیان کیے۔

۴۔ فصل رابع میں بارہ اماموں پر روشنی ڈالی۔

کھوکھلا ہے اور ناف سے قدم تک ٹھوس ہے، جرح و تعدیل کے شیعہ علماء اسے ثقہ قرار دیتے ہیں، یہ سابق الذکر ہشام بن حکم کا معاصر تھا۔

❶ یونس بن عبدالرحمٰن القمی علی بن یقطین کا مولی تھا، یہ ہشام بن عبدالملک کے عہد خلافت میں پیدا ہوا، یہ امام موسیٰ رضا اور خلیفہ ماموں کا معاصر تھا، اور فاسد عقائد رکھتا تھا، شیعہ روایت کرتے ہیں کہ محمد بن دادویہ نے موسیٰ رضا کو بلا کر یونس کے بارے میں دریافت کیا تھا، امام موسیٰ نے جواباً تحریر فرمایا: ''اللہ اس پر اور اس کے اصحاب پر لعنت کرے اللہ تعالیٰ اس سے اور اس کے اصحاب سے بیزار ہے۔'' ایک مرتبہ امام موسیٰ رضا نے یونس کی تالیف کردہ کتاب زمین پر دے ماری اور فرمایا: ''یہ زانی اور زانیہ کے بیٹے کی تصنیف ہے، یہ زندیق کی کتاب ہے۔'' جب امام موسیٰ رضا خلیفہ مامون کی دعوت پر خراسان تشریف لے گئے تو یونس نے ان کے بارے میں کہا:

''اگر وہ اس معاملہ میں بخوشی یا ناخوشی داخل ہو گئے تو وہ باغی ہیں۔''

بایں ہمہ وہ شیعہ کے نزدیک ثقہ اور ان کے لیے سرمایہ افتخار ہے اور وہ اس کی بریت ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں۔

۵۔ فصل خامس میں خلافت ابوبکر وعمر کا بطلان ثابت کیا۔ (العیاذ باللہ)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مذکورہ بالا بیان پر کئی طریق سے گفتگو کی جاسکتی ہے۔

ابن المطہر کا یہ قول کہ مسئلہ امامت اہم المطالب سے بالاتفاق کذب ہے اس لیے کہ ایمان سے اہم اور کوئی مسئلہ نہیں، یہ ایک بدیہی بات ہے کہ کفار جب عہد نبوی میں مشرف باسلام ہوا کرتے تھے تو ان پر اسلامی احکام جاری کر دیے جاتے تھے اور مسئلہ امامت کا ان کے پاس ذکر تک نہ کیا جاتا، پھر یہ مسئلہ اہم المطالب کیوں کر ہوا؟ مزید برآں شیعہ چارسو ساٹھ [1] سے کچھ زائد سالوں سے انتظار کر رہے ہیں، کہ امام محمد بن حسن سامرہ کے تہ خانہ سے نکلے گا، اب بتایئے ان کی امامت پر ایمان لانا، ایمان باللہ، ایمان بالرسل اور دیگر معتقدات پر ایمان لانے سے کیوں کر اہم ہوسکتا ہے؟

روافض سے کہا جائے گا کہ جو شریعت تمہارے پاس موجود ہے اگر دینی ضرورت کے لیے کافی ہے تو امام منتظر کی ضرورت نہیں، اور اگر ناکافی ہے تو تم نے خود ہی اپنے دین کے ناقص ہونے کا اعتراف کرلیا اور یہ تسلیم کرلیا کہ تمہاری سعادت آنے والے امام کے حکم کے تابع ہے اور یہ معلوم نہیں کہ وہ کیا حکم صادر کرے گا۔

ابن العود الحلی کا قول ہے۔

''جب امامیہ کے کسی مسئلہ میں دو قول ہوں ایک کا قائل معلوم ہو اور دوسرے کا نامعلوم تو جس قول کا قائل معلوم نہیں وہی حق ہے، اس لیے کہ امام معصوم جس کا انتظار کیا جارہا ہے اسی گروہ میں شامل ہے۔''

شیعہ کی جہالت ملاحظہ فرمایئے! جب یہ معلوم نہیں کہ اس قول کا قائل کون ہے، اور کسی نے امام سے وہ قول نقل بھی نہیں کیا تو اس کی کیا دلیل ہے کہ یہ قول اسی کا ہے، خلاصہ کلام! شیعہ کا دین مجہول و معدوم پر مبنی ہے، امام سے مقصود یہ ہے کہ اس کے اوامر و احکام کی اطاعت کی جائے جب اس کے احکام معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں تو عقل و نقل کے اعتبار سے اس کی امامت بے کار ہے۔

شیعہ امام منتظر کے وجود کو ازبس ضروری قرار دیتے ہیں، اور اس کی عصمت کے قائل ہیں، وہ اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ دین و دنیا کی مصلحتیں وجود امام سے وابستہ ہیں۔

---

[1] یہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے زمانہ کی بات ہے اور اب تو تقریباً گیارہ صدیاں گزر گئیں مگر شیعہ ہنوز امام موصوف کے منتظر ہیں۔ (مترجم عفی عنہ)

شیعہ کا یہ خیال اس لئے درست نہیں کہ امام منتظر کے عقیدہ سے انہیں کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا، اور جو لوگ اس کے قائل نہیں، ان کو کوئی دینی و دنیوی نقصان نہیں پہنچا۔ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ۔

امام منتظر پر ایمان لانا ضروری نہیں:

اگر شیعہ کہیں کہ ہم امام منتظر پر اسی طرح ایمان رکھتے ہیں جیسے بہت سے عابد و زاہد سیدنا الیاس، سیدنا خضر اور غوث وقطب بزرگوں پر ایمان رکھتے ہیں، حالانکہ نہ ان کے وجود کا کچھ پتہ ہے اور نہ ان کے اوامر [1] نواہی کا۔

ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ کسی عالم کے نزدیک ان پر ایمان لانا ضروری نہیں جو ان پر ایمان لانے کو واجب قرار دیتا ہے، اس کا قول اسی طرح مردود ہے جیسے شیعہ کا قول، زہاد زیادہ سے زیادہ یہ بات کہتے ہیں کہ ان کی تصدیق کرنے والا منکر سے افضل ہے، حالانکہ یہ ایک بدیہی امر ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی تصدیق کو مشروع قرار نہیں دیا، جو شخص یہ اعتقاد رکھتا ہو کہ قطب وغوث ہدایت ونصرت اور رزق میں اہل زمین کی امداد کرتے ہیں اور یہ چیزیں ان کے توسط کے بغیر کسی کو حاصل نہیں ہوتیں تو ایسا شخص گمراہ ہے اور اس کا قول اس باب میں نصاریٰ سے ملتا جلتا ہے۔

سیدنا خضر والیاس فوت ہو چکے ہیں:

جیسے بعض جہلاء نبی ﷺ اور اپنے شیوخ کے بارے میں یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کا علم اللہ کے علم وقدرت پر حاوی ہے اور وہ اسی قسم کے علم وقدرت سے بہرہ ور ہیں جیسے ذات الٰہی، مزید برآں محققین کا زاویہ نگاہ یہ ہے کہ سیدنا خضر والیاس فوت ہو چکے ہیں۔ [2]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور ایک شیعہ کا مناظرہ:

ایک شیعہ مجھے ملا اور دینی مسائل پر گفتگو کا تقاضا کیا، میں نے شیعہ کے نظریات کی ترجمانی

---

[1] سلطان العلماء العزبن عبدالسلام السلمی المتوفی (۵۷۷۔۶۶۰) کا ایک رسالہ حلب میں شائع ہو چکا ہے، اس میں وہ لکھتے ہیں کہ ابدال، غوث، قطب اور نجباء کے ناموں کی دین میں کوئی اصل نہیں اور یہ کسی حدیث صحیح وضعیف میں نبی ﷺ سے منقول نہیں۔

[2] سنت اللہ یہی چلی آتی ہے کہ انبیاء یا غیر انبیاء سب وقت مقرر پر فوت ہو جاتے ہیں، جو شخص دین اسلام کی طرف ایسی نص منسوب کرے جو اس کے خلاف ہو تو اسے چاہیے کہ وہ اسے منظر عام پر لائے حقیقت یہ ہے کہ صحیح حدیث میں ایسی کوئی نص موجود نہیں ہے۔

کرتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو نیک کاموں کا حکم دیا اور منہیات سے روکا، لہٰذا ضروری تھا کہ وہ بندوں پر مہربان ہوتا، امام بھی لوگوں پر عنایت الٰہی کی ایک علامت ہے، اس لیے کہ امام واجبات کا حکم دے گا اور برے اعمال سے روکے گا، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ لوگ شرعی اوامر و اعمال کی اطاعت کریں گے، لہٰذا امام کا وجود ازبس ناگزیر ہے، اسی طرح یہ بھی ضروری ہے، کہ وہ معصوم ہوتا کہ مقصد حاصل ہو سکے، ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد معصوم صرف سیدنا علی رضی اللہ عنہ تھے، لہٰذا آپ کا امام ہونا متعین ہوا اس پر اجماع منعقد ہو چکا ہے، کہ رسول اللہ کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے سوا اور کوئی معصوم نہیں، سیدنا علی نے حسن رضی اللہ عنہ کو معصوم قرار دیا، سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو یہاں تک کہ نوبت امام منتظر محمد بن حسن تک پہنچی، شیعہ نے شیخ الاسلام کی تقریر سن کر اعتراف کیا کہ یہ بڑی اچھی تقریر ہے۔

جب شیخ الاسلام نے شیعہ [1] کے طرز استدلال کو بیان کیا اور شیعہ نے اسے سراہا تو شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس سے مخاطب ہو کر کہنے لگے:

شیخ الاسلام ابن تیمیہ: میں اور آپ حق و ہدایت کے طالب ہیں، شیعہ کا قول ہے کہ جو امام منتظر پر ایمان نہیں رکھتا وہ کافر ہے، بتایئے! کیا آپ نے کبھی اسے دیکھا یا ایسے شخص کو دیکھا جس نے امام کو دیکھا ہو؟ یا اس کی کوئی خبر سنی یا اس کی گفتگو کا کچھ علم ہو؟ شیعہ نے کہا: ''نہیں'' شیخ نے کہا پھر ایسے ایمان کا کیا فائدہ اور اس کے ذریعہ ہم پر اللہ کی کون سی مہربانی ہوئی؟ مزید برآں اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے

---

[1] شیخ الاسلام نے شیعہ کے طرز استدلال کو اس لیے واضح کیا تا کہ اسے مناظرہ کی اساس قرار دیا جا سکے، یہ غلط ہے کہ سیدنا علی نے امام حسن کے معصوم ہونے کی صراحت کر دی تھی، امام احمد اپنی مسند میں وکیع سے وہ اعمش سے وہ سالم سے اور وہ عبداللہ بن سمع سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے سیدنا علی سے سنا وہ اپنی شہادت کا ذکر کر رہے تھے لوگوں نے کہا: ''ہم پر خلیفہ مقرر کر دیجیے'' فرمایا نہیں، میں تمہیں اسی طرح چھوڑ جاؤں گا جیسے نبی ﷺ نے تمہیں چھوڑا تھا، لوگوں نے کہا آپ اللہ کے دربار میں حاضر ہو کر اسے کیا جواب دیں گے؟ فرمایا میں عرض کروں گا کہ بار خدایا تو نے جب تک چاہا مجھے زندہ رکھا پھر فوت کر لیا اور تو ان میں موجود تھا اگر تو چاہتا تو ان کی اصلاح کرتا اور اگر چاہتا بگاڑ دیتا۔'' مسند احمد (۱/۱۳۰) طبقات ابن سعد (۳/۲۴) مجمع الزوائد (۹/۱۳۷) امام احمد نے اسی قسم کی روایت بطریق اسود بن عامر نقل کی ہے، دونوں روایات کی سند صحیح ہے، (دیکھئے العواصم من القواصم: ۱۹۹)

شخص کی اطاعت کا مکلّف کیوں کر کرتا ہے، جس کے امرونہی سے ہم ناواقف ہیں، اوراس کی پہچان کا کوئی طریق ممکن نہیں، شیعہ تکلیف مالا یطاق کا شدید انکار کرتے ہیں، کیا اس سے زیادہ تکلیف مالا یطاق بھی کوئی ہوسکتی ہے؟

شیعہ: اس امر کا اثبات تو انہی مقدمات پر مبنی ہے جو آپ نے ذکر کیے۔

شیخ الاسلام: مگر مقصود چیز تو وہی ہے جو ہم سے متعلق ہو اگر امرونہی ہم سے وابستہ نہ ہو تو ہمیں اس سے کیا سروکار ہے؟ جب ان مقدمات کا تذکرہ کسی فائدہ سے خالی ہے تو معلوم ہوا کہ امام منتظر پر ایمان لانا جہالت کی کرشمہ سازی ہے، اور اس کا لطف وعنایت ایزدی سے کوئی تعلق نہیں، اگر وہ بات درست اور موجب سعادت ہے جو امامیہ اپنے اکابر سے نقل کرتے چلے آئے ہیں، تو امام منتظر کی کوئی ضرورت نہیں اور اگر وہ سعادت ونجات کی موجب نہیں تو امام منتظر کا وجود بے کار ہے، مزید برآں صرف امام وقت کو پہچاننے یا دیکھنے سے کوئی فضیلت حاصل نہیں ہوتی جب تک اس کے اوامر و نواہی کی اطاعت نہ کی جائے آخر وہ رسول اللہ ﷺ سے زیادہ تبلیغ کرنے والا تو نہیں، پھر وہ شخص اعزاز کا مستحق کیوں کر ہوسکتا ہے جو فرائض کو ضائع کرتا، ظلم وتعدی کا ارتکاب کرتا اور حدود شرعیہ سے تجاوز کرتا ہو۔

امامت ارکان ایمان میں شامل نہیں:

شیخ الاسلام نے تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا: شیعہ کا قول ہے حب علی رضی اللہ عنہ ایک ایسی نیکی ہے [1] جس کی موجودگی میں بدی سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا، اگر حب علی کے ہوتے ہوئے گناہوں سے کوئی ضرر لاحق نہیں ہوتا تو امام معصوم کی قطعاً ضرورت نہیں۔

شیعہ کا قول کہ امامت ارکان ایمان میں سے ہے جہل و بہتان ہے، اس لیے کہ سرور کائنات ﷺ نے ایمان اور اس کی شاخیں بیان کرتے وقت امامت کا ذکر تک نہ فرمایا، قرآن کریم میں بھی اس کا کوئی ذکر نہیں، بلکہ ارشاد باری ہے:

﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ ﴾

(الانفال:۸/ ۲)

''مومن وہ ہیں کہ جب اللہ کو یاد کیا جاتا ہے تو ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں۔''

دوسری جگہ فرمایا:

[1] دیکھئے اختصار تحفہ اثنا عشریہ: ۲۰۴۔

﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ آمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصَّادِقُوْنَ﴾ (الحجرات: ۴۹/ ۱۵)

''مومن تو وہ ہیں جو اللہ و رسول پر ایمان لائے پھر شک نہ کیا اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کیا یہی لوگ اپنے دعویٰ ایمان میں سچے ہیں۔''

ارشاد ہوتا ہے:

﴿ لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ .... هُمُ الْمُتَّقُوْنَ﴾

(البقرہ: ۲/ ۱۷۷)

مذکورۃ الصدر آیات کے علاوہ متعدد آیات اس ضمن میں وارد ہوئی ہیں مگر کسی میں بھی امامت کے رکن ایمان ہونے کا ذکر نہیں کیا گیا۔

جہاں تک شیعہ کی ذکر کردہ حدیث: ''مَنْ مَّاتَ وَلَمْ یَعْرِفْ '' کا تعلق ہے ہم شیعہ سے پوچھتے ہیں کہ یہ روایت کس نے بیان کی؟ اس کی اسناد کہاں ہے؟ اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ نے یہ الفاظ یوں نہیں فرمائے، البتہ صحیح مسلم کی یہ حدیث معروف ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ واقعہ حرہ کے زمانہ میں عبداللہ [1] بن مطیع کے یہاں آئے تو انہوں نے خدام سے تکیہ لانے کے لیے کہا سیدنا عبداللہ نے فرمایا، میں آپ کے یہاں بیٹھنے کے لیے نہیں، بلکہ ایک حدیث سنانے کے لیے آیا ہوں، میں نے سنا کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے: ''جس نے اطاعت سے ہاتھ کھینچ لیا وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ اس کے پاس کوئی دلیل نہ ہوگی، اور جس کی موت اس حال میں آئے کہ اس کی گردن میں

[1] عبداللہ بن مطیع مدینہ منورہ میں سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا داعی اور یزید کے برخلاف بغاوت کا اولیں محرک تھا، یہ پہلا شخص تھا، جس نے امام وقت یزید بن معاویہ کے خلاف جھوٹ کا طوفان کھڑا کیا، عوام بھی ان اکاذیب کی تصدیق کرنے لگے اور اس طرح مدینہ میں فتنہ پروری کا آغاز ہوا، محمد بن علی بن ابی طالب نے اس کی تردید کرتے ہوئے فرمایا تھا:

''میں یزید کی صحبت میں رہا ہوں، میں نے اسے نماز کا پابند نیکی کا پابند اور متبع سنت پایا لوگ اس سے فقہی مسائل دریافت کرتے تھے۔''

(البدایہ والنہایہ: ۸/ ۲۳۳، نیز العواصم من القواصم: ۲۲۳)

کسی کی بیعت نہ ہو تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔ ❶

ترک بیعت:

مذکورہ صدر حدیث سیدنا عبداللہ نے اس وقت بیان کی جب لوگوں نے امیر وقت یزید بن معاویہ کی بیعت توڑی حالانکہ وہ ظالم تھا، حدیث ہذا سے مستفاد ہوتا ہے، کہ جو شخص حکام وقت کا مطیع نہ ہو یا شمشیر بکف ان کے خلاف نبرد آزما ہو تو وہ جاہلیت کی موت مرتا ہے۔

شیعہ کا معاملہ اس سے یکسر مختلف ہے، وہ جبر و اکراہ کے بغیر ہمیشہ امرا کی اطاعت سے منحرف ❷ رہتے ہیں، یہ حدیث طرف داری کی بنا پر لڑنے والوں کو بھی شامل ہے اور شیعہ بنا بر تعصب لڑنے والوں کے سرفہرست ہیں، البتہ طرف داری کے نقطہ خیال سے لڑنے والے مسلمانوں

---

❶ صحیح مسلم، کتاب الامارۃ۔ باب وجوب ملازمۃ جماعۃ المسلمین (حدیث: ۱۸۵۱)

❷ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ منہاج السنہ میں لکھتے ہیں:

''سلاطین اسلام میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کوئی سلطان اچھا نہیں گزرا، جب آپ کے عہد خلافت کا تقابل بعد میں آنے والے سلاطین کے ادوار سے کیا جائے تو یہ حقیقت اجاگر ہوتی ہے، کہ رعایا کو جو امن و عافیت آپ کے زمانہ میں نصیب ہوئی وہ کسی بادشاہ کے دور میں حاصل نہ ہو سکی، اور جب خلافت سیدنا معاویہ کا سیدنا ابوبکر کے زمانہ سے مقابلہ کیا جائے تو خلافت راشدہ کی فضیلت نمایاں ہوتی ہے، عباسی خلافت کے زمانہ میں لوگ سیدنا عمر بن عبدالعزیز کے عہد خلافت کو مثالی عدل کا دور کہا کرتے تھے، مشہور محدث سلیمان بن مہران اعمش ان سے کہا کرتے تھے اگر تم امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا عہد خلافت پا لیتے تو پھر کیا ہوتا؟ یعنی امیر معاویہ کا عہد خلافت، عمر بن عبدالعزیز سے بہتر تھا، لوگوں نے کہا کیا آپ کا مطلب یہ ہے کہ امیر معاویہ بڑے حلیم و بردبار تھے؟ فرمایا: ''نہیں اللہ کی قسم! وہ عدل میں بھی بے نظیر تھے

''یزید کا عہد خلافت بھی امیر معاویہ کے زمانہ سے چنداں مختلف نہ تھا، اراکین سلطنت وہی تھے، جو سیدنا معاویہ کے زمانہ میں تھے، البتہ ہر حکومت کی ضروریات کا اندازہ ایک دوسرے سے مختلف ہوتا ہے، عبداللہ بن مطیع محمد بن حنفیہ کے عین برعکس افتراء پردازی سے کام لے کر یزید کے خلاف جو اتہامات باندھے تھے ان کا نتیجہ اس فتنہ سامانی کی صورت میں ظہور پذیر ہوا جس سے ڈرانے کے لیے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن مطیع کے پاس آئے تھے، عبداللہ بن عمر کے ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ عبداللہ بن مطیع نقض بیعت کا جو اقدام کر رہا ہے، وہ ظلم ہے جس کا مرتکب جاہلیت کی موت مرتا ہے، ابن مطیع

کی تکفیر نہیں کی جا سکتی، اگر وہ اطاعت امام سے نکل جائے اور جاہلیت کی موت مرے تو وہ کافر نہیں ہوگا، صحیح مسلم میں سیدنا جندب بجلی سے مرفوعاً روایت ہے:

''جو شخص عصبیت کی دعوت دیتا یا اس کا معاون ہو کر اندھا دھند لڑ رہا ہو اور وہ مارا جائے تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہے۔'' ❶

صحیح مسلم میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

جو شخص اطاعت امام سے خروج اختیار کرے اور جماعت کو ترک کر کے مر جائے تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔'' ❷

شیعہ عرصہ دراز سے اطاعت امام سے نکل چکے ہیں اور انہوں نے مسلمانوں کی جماعت کو ترک کر دیا ہے۔

بخاری و مسلم میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو شخص اپنے امیر کی کوئی ایسی بات دیکھے جسے وہ ناپسند کرتا ہو تو اس پر صبر کرے، اس لیے کہ جو شخص جماعت سے ایک بالشت بھر الگ ہوتا ہے، اور اسی حالت میں مر جاتا ہے، تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہوتی ہے۔'' ❸

اور اگر شیعہ کی ذکر کردہ روایت کی صحت کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو ہم ان سے پوچھیں گے کہ تم میں سے کون شخص امام زمان کو پہچانتا ہے، یا کس نے اسے دیکھا یا ایسے شخص کو دیکھا جو زیارت امام سے مشرف ہو چکا ہو؟ یا اس نے امام سے سن کر کوئی مسئلہ یاد کر لیا ہو، اس کے برخلاف شیعہ جس امام

کے ظلم کا نتیجہ یہ ہوا کہ یزید بھی اسی قسم کے ظلم پر اتر آیا، اہل عرب کے نزدیک ظلم کے معنی یہ ہیں، کہ ایک چیز کو اس کی اصلی جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ رکھ دیا جائے، سیدھی راہ سے بھٹک جانے کو بھی ظلم کہتے ہیں، ابن مطیع اور اس کے رفقاء کار کا ظلم وہ فتنہ سامانی ہے جس کا بیڑا انہوں نے واقعہ حرہ سے قبل اٹھایا اور یزید کا ظلم وہ افسوسناک نتائج ہیں جو اس سے رونما ہوئے۔ (منهاج السنة: ۳/۱۸۵)

❶ صحیح مسلم کتاب الامارة۔ باب وجوب ملازمة جماعة المسلمین (حدیث: ۱۸۵۰)

❷ صحیح مسلم۔ کتاب الامارة، باب وجوب ملازمة جماعة المسلمین (حدیث: ۱۸۴۸)

❸ صحیح بخاری کتاب الفتن ۔ باب قول النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم " سترون بعدی اموراً تنکرونها"(حدیث:۷۰۵۴) صحیح مسلم ۔ کتاب الامارة۔ باب وجوب ملازمة جماعة المسلمین(حدیث:۱۸۴۹)

کے داعی ہیں وہ تین یا پانچ سال کا بچہ ہے [1] جو چار سو ساٹھ سال کی طویل مدت سے ایک تہ خانہ میں چھپا بیٹھا ہے، کسی شخص کو اس کا نشان پتہ معلوم نہیں اور نہ اس کے متعلق کوئی خبر سنی گئی ہے، ہم صرف ان ائمہ سلاطین کی اطاعت کے مامور ہیں، جو موجود ہوں، حکومت وسلطنت سے بہرہ ور ہوں اور لوگ انہیں عام طور سے جانتے ہوں، مزید برآں ان کی اطاعت صرف معروف میں ضروری ہے منکر میں نہیں۔

ائمہ معصوم نہیں:

صحیح مسلم میں سیدنا عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تمہارے بہترین امراء وہ ہیں جن کو تم چاہتے ہو اور جو تمہیں چاہتے ہوں تم ان کے حق میں دعا کرتے ہو اور وہ تمہارے حق میں، تمہارے بدترین حکام وہ ہیں جن سے تم بغض رکھتے ہو اور جو تم سے بغض رکھتے ہوں، جن پر تم لعنت بھیجتے ہو اور جو تم پر لعنت بھیجتے ہوں'' ہم نے عرض کیا حضور کیا ہم ان کی بیعت توڑ نہ ڈالیں؟ فرمایا: ''جب تک وہ نماز کی پابندی کریں تم ایسا نہیں کر سکتے۔'' آپ نے دو مرتبہ یہ الفاظ دہرائے: ''جس پر کسی شخص کو حاکم بنا دیا گیا ہو اور وہ اسے کوئی برا کام کرتے دیکھے تو اسے نفرت وحقارت کی نگاہ سے دیکھے مگر اس کی اطاعت سے ہاتھ نہ کھینچے۔'' [2]

اس ضمن میں متعدد احادیث وارد ہوئی ہیں جن سے یہ حقیقت واشگاف ہوتی ہے کہ ائمہ معصوم نہیں۔ [3]

شیعہ امامیہ یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ امامت کی ضرورت صرف فروعات میں ہوتی ہے، اصول

---

[1] (منہاج السنۃ: ۱/ ۲۹) میں ۴۶۰ کی بجائے ۴۵۰ درج ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے، کہ شیخ الاسلام نے منہاج السنۃ ۷۱۰ھ کے بعد تصنیف کی، امام ذہبی نے اختصار کی تاریخ ۷۲۰ھ تحریر کی ہے اس سے یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے، کہ امام ذہبی نے یہ اختصار شیخ الاسلام کی زندگی میں ان کی وفات سے آٹھ سال پہلے تصنیف کیا، اس وقت امام ذہبی کی عمر ۴۷ سال تھی، اس لیے کہ بقول شیعہ ان کا آخری امام ۲۶۰ھ میں تہ خانہ میں داخل ہوا۔

[2] صحیح مسلم۔ کتاب الامارة باب خیار الائمة و شرارهم(حدیث:١٨٥٥)

[3] شیعہ کے گیارہ امام خود غیر معصوم ہونے کے معترف تھے، لوگوں نے ائمہ سے سن کر وہ دعائیں ذکر کی ہیں جن میں بارگاہ ایزدی سے اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کیا کرتے تھے اگر وہ معصوم ہوتے تو گناہوں سے پاک ہوتے اور مغفرت طلب کرنے کی ضرورت لاحق نہ ہوتی، بارہواں امام بقول شیعہ نوعمری ہی

میں نہیں، اس لیے کہ دینی اصول وقواعد اہم واشرف ہوتے ہیں، وہ یہ بات بھی مانتے ہیں کہ امام زمان کے ذریعہ ابھی تک کوئی مصلحت حاصل نہیں ہوئی، اب بتایئے اس شخص کی سعی وجہد سے زیادہ بیکار کوشش کس کی ہوگی، جو اطاعت ائمہ میں بڑی زحمت اٹھاتا، اکثر قیل وقال سے کام لیتا، مسلمانوں کی جماعت سے الگ ہوتا، سابقین اولین پر لعنت بھیجتا اور کفار ومنافقین کا دست راست بنا رہتا ہے، بایں ہمہ وہ حیلہ گری سے بھی نہیں چوکتا، دشوار گزار راستوں پر گامزن ہوتا، جھوٹی شہادت سے تقویت حاصل کرتا اور اپنے متبعین کو فریب دہی سے پھانستا رہتا ہے۔ [1]

اس کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ ایک امام کا وجود از بس ضروری ہے جو اسے احکام الٰہی سے آگاہ کرتا رہے، حالانکہ امام سے اسے کوئی مصلحت ومنفعت حاصل نہیں ہوتی، بجز اس کے کہ وہ حسرت وندامت کا شکار ہو، خطا کا مرتکب ہو، دور دراز سفر میں مبتلا رہ کر امام غائب کا منتظر رہے، اور تہ خانہ میں داخل ہونے والے ایک امام کی وجہ سے امت محمدی سے بغض وعداوت کا سلوک روا رکھے، حالانکہ اس امام نے نہ کوئی کام کیا اور نہ اسکی زبان سے ایک لفظ صادر ہوا، مزید برآں اگر امام مذکور کا وجود یقینی ہوتا تو بھی شیعہ کو ان سے کوئی فائدہ نہ پہنچتا، امت کے دانش مند لوگ اس حقیقت سے آگاہ ہیں کہ شیعہ کے یہاں افلاس کے سوا اور کچھ نہیں، مزید برآں حسن بن علی عسکری کے یہاں سرے سے کوئی اولاد ہی نہ تھی، جیسا کہ مورخ ابن جریر طبری اور عبدالباقی بن قانع وغیرہ نسب دانوں نے ذکر کیا ہے۔ [2]

میں تہ خانہ میں داخل ہوگیا نہ انہیں کسی نے دیکھا اور نہ ان سے کوئی دعا سن کر یاد رکھی، عصر حاضر تک کسی شخص نے ان کی آواز تک نہیں سنی۔

1. شیعہ پر الزامات کا طویل سلسلہ ہنوز جاری ہے، یہ الزامات بلا دلیل نہیں بلکہ ان کے تاریخی دلائل وشواہد موجود ہیں، علاوہ ازیں خود شیعہ کی تصنیفات میں ایسے حقائق کی کمی نہیں اگر عمر و وقت میں گنجائش ہو تو شیعی تصنیفات میں سے مواد لے کر ضخیم مجلدات تحریر کی جاسکتی ہیں۔

2. مورخ ابن جریر طبری ۳۰۲ھ کے واقعات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حسب ونسب کا ایک جھوٹا دعویٰ دار حیلہ جوئی کر کے خلیفہ المقتدر عباسی کے دربار میں حاضر ہوا اور یہ دعویٰ کیا کہ وہ محمد بن حسن بن علی بن موسیٰ بن جعفر ہے، خلیفہ نے بنی ہاشم کے مشائخ کو بلایا ان کا سرداران دنوں احمد بن عبدالصمد تھا جو ابن طومار کے نام سے مشہور تھا، ابن طومار نے کہا کہ حسن کی کوئی اولاد نہ تھی، پھر تم محمد بن حسن کیسے ہوگئے؟

امام غائب کے عقیدہ کا ابطال:

شیعہ کا قول ہے کہ امام منتظر دو تین یا پانچ سال کی عمر میں تہ خانہ میں داخل ہوا، نظر بریں وہ یتیم ہوگا جس کی تربیت اور مال کی حفاظت نص قرآنی کی بنا پر ضروری ہے، سات سال کی عمر میں اسے نماز کی ادائیگی کا حکم دیا جائے گا، غور فرمایئے! جس نے ہنوز نہ وضو کیا نہ نماز ادا کی اور اگر بقول شیعہ وہ زندہ بھی ہوتا تو وہ مجبور ہوتا (اور ولی کی اجازت کے بغیر اسے تصرفات کی اجازت نہ ہوتی) ایسا شخص امام کیوں کر ہو سکے گا؟ اتنی طویل مدت میں کوئی امام کیوں نہ مقرر کیا گیا اور امامت کی مصلحت کو کیوں کر پیش نظر نہ رکھا گیا؟

بنی ہاشم چلا چلا کر کہنے لگے کہ اسے سخت سزا دے کر لوگوں میں اس کی تشہیر کی جائے، چنانچہ اسے ایک اونٹ پر سوار کر کے ذوالحجہ کی آٹھویں اور نویں تاریخ کو شہر کی دونوں جانبوں میں پھرا کر مغربی جانب ایک قید خانہ میں قید کر دیا گیا۔ طبری کے ذکر کردہ واقعہ میں قابل غور بات ابن طومار کا یہ قول ہے کہ حسن عسکری نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی، یہ قول ان لوگوں کے قول سے زیادہ وقیع ہے جن کا دعویٰ ہے کہ حسن عسکری کی لونڈی نرگس کے یہاں آپ کی زندگی یا بعد از موت ایک بچہ پیدا ہوا تھا، حسن عسکری کا بھائی جعفر بن علی بن موسیٰ باقی لوگوں کی نسبت آپ کا نہایت قریبی تعلق دار تھا، حسن عسکری کی وفات کے بعد اس نے سب ترکہ خود لے لیا تھا، اس لیے کہ دوسرا کوئی شخص ان کا وارث نہ تھا، جعفر بن علی ان کی لونڈی کو بھی روکے رکھا تھا اور اس وقت اجازت دی جب پتہ چل گیا کہ ان میں کوئی بھی حاملہ نہیں، تاریخ کے اوراق ایسی شخصیت سے آشنا نہیں، جسے حسن عسکری کی اولاد کہا جا سکے گروہی تعصب کی بنا پر یہ دعویٰ کرنا الگ بات ہے، وہ تاحال بقید حیات ہے، کچھ بعید نہیں، کہ اس (افسانے) کے آغاز کا حقیقت سے اتنا ہی تعلق ہو جتنا اس کے انجام کا۔ "وسبحان واهب العقول"۔

فصل اول

مسئلہ امامت میں مختلف مذاہب کا بیان:

شیعہ مصنف ابن المطہر مسئلہ امامت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''امامیہ کا زاویہ نگاہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عادل و حکیم ہیں وہ ظالم نہیں وہ افعال قبیحہ کا ارتکاب نہیں کرتا، وہ بندوں پر بڑا مہربان ہے اور وہی کام کرتا ہے، جو ان کے لیے سود مند ہو۔''

سلسلہ تحریر کو جاری رکھتے ہوئے لکھتا ہے:

''سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد امامت کا سلسلہ جاری کیا اور معصوم اولیاء مقرر کیے تاکہ لوگ سہو و خطا سے مامون رہیں اور یہ عالم ارضی لطف و عنایت ربانی سے خالی نہ رہے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت سے سرفراز فرمایا تو آپ رسالت کی ذمہ داریوں کو نبھاتے رہے اور اس امر کی تصریح کر دی کہ آپ کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوں گے، پھر حسب ذیل خلفاء علی الترتیب ظہور پذیر ہوں گے۔

۱۔ حسن بن علی
۲۔ حسین بن علی
۳۔ علی بن حسین
۴۔ محمد (باقر)
۵۔ جعفر (صادق)
۶۔ موسیٰ بن جعفر
۷۔ علی بن موسیٰ
۸۔ محمد بن علی جواد
۹۔ علی بن محمد ھادی

۱۰۔ حسن بن علی عسکری

۱۱۔ محمد بن حسن

سالار انبیاء ﷺ امامت کی وصیت کرنے کے بعد فوت ہوئے، بخلاف ازیں اہل سنت ان جملہ امور کے قائل نہیں، وہ اللہ کے لیے عدل وحکمت کا اثبات نہیں کرتے، ان کی رائے میں اللہ تعالیٰ افعال قبیحہ اور اخلال بالواجب کا مرتکب ہوسکتا ہے، اہل سنت کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے افعال معلل بالاغراض نہیں، بلکہ حکمت ومصلحت سے یکسر خالی ہیں، بقول ان کے اللہ تعالیٰ ظلم وعبث کا مرتکب ہوتا ہے، اور وہ کام نہیں کرتا جو بندوں کے لیے اصلح ہو بلکہ وہ انواع واقسام کے معاصی وکفریات بھی انجام دیتا ہے، کرۂ ارضی پر جس قدر فسادات رونما ہوتے ہیں وہ سب اس کی طرف منسوب ہیں، بقول اہل سنت اطاعت کنندہ ثواب کا مستحق نہیں اور عاصی عذاب کا استحقاق نہیں رکھتا، بعض اوقات وہ انبیاء کو عذاب میں مبتلا کرتا اور ابلیس وفرعون کو جزا دیتا ہے، انبیاء معصوم نہیں بلکہ ان سے خطا اور فسق و کذب کا صدور ممکن ہے، آپ نے کسی کو امامت کی وصیت نہیں کی بلکہ بلا وصیت فوت ہوگئے، رسول اللہ ﷺ کے بعد بقول اہل سنت سیدنا ابوبکر خلیفہ اول ہوئے کیونکہ سیدنا عمر اور چار دیگر صحابہ یعنی ابو عبیدہ، سالم مولیٰ ابی حذیفہ، اسید بن حضیر اور بشیر بن سعد رضی اللہ عنہم نے آپ کی بیعت کر لی تھی، پھر سیدنا ابوبکر نے سیدنا عمر کو خلیفہ ثانی مقرر کیا، بعد ازاں سیدنا عمر نے چھ اشخاص کو خلافت کے لیے منتخب کیا ان میں سے بعض نے سیدنا عثمان کو خلافت کے لیے چن لیا۔

پھر لوگوں نے سیدنا علی کی بیعت کر لی، اور آپ خلیفہ قرار پائے۔ [1] اس کے بعد اہل سنت کے یہاں اختلاف پایا جاتا ہے، بعض سیدنا حسن کی امامت کے قائل ہیں اور بعض معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ تسلیم

---

[1] اس سے معلوم ہوا کہ کسی نے آپ کو خلیفہ مقرر نہیں کیا تھا، سیدنا عثمان کی شہادت کے چھٹے روز سیدنا علی نے منبر پر جمعہ کا خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: ''لوگو! میں تمہاری اجازت سے یہ بات کہنا چاہتا ہوں کہ یہ (امامت وخلافت) تمہارا ذاتی معاملہ ہے اس میں کسی کو مداخلت کا حق حاصل نہیں بجز اس کے کہ تم کسی کو امیر مقرر کر دو، قبل ازیں اس ضمن میں ہمارے مابین اختلاف رونما ہو چکا ہے، اگر تمہیں (میرا خلیفہ ہونا) پسند ہے تو میں (مسند خلافت پر) بیٹھ جاؤں گا، ورنہ میں کسی پر اظہار ناراضگی نہیں کرتا، اس واقعہ کی تفصیلات تاریخ طبری (۵/ ۱۵۶، ۱۵۷) پر ملاحظہ فرمائیے، سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد: ''کہ کسی کو مداخلت کا حق نہیں۔'' اس پوری عمارت کو منہدم کر دیتا ہے، جو شیعہ نے ۱۳ صدیوں سے آج تک تعمیر کر رکھی ہے، دیکھیے (العواصم من القواصم: ۱۴۲، ۱۴۳)

کرتے ہیں، اہل سنت کے نزدیک خلیفہ سفاح عباسی کے ظہور تک خلافت بنوامیہ میں ہی رہی۔‘‘

شیعہ مصنف کی تردید میں شیخ الاسلام کی تقریر:

شیعہ مصنف نے اہل سنت اور شیعہ کے جو افکار و معتقدات بیان کیے ہیں وہ تحریف و کذب سے خالی نہیں، چنانچہ ہم اس پر روشنی ڈالتے ہیں۔

پہلی بات یہ ہے کہ اہل سنت اور شیعہ کے عقاید بیان کرتے ہوئے انکار تقدیر اور عدل کا ذکر بے سود ہے اس لیے کہ فریقین کے بعض گروہ ان دونوں کے قائل ہیں، مثلاً شیعہ کے بعض فرقے قدر کو تسلیم کرتے اور عدل و جور کا انکار کرتے ہیں، خلافت راشدہ کے قائلین میں بعض لوگ مثلاً معتزلہ عدل و جور کے قائل ہیں، چنانچہ اکابر شیعہ مثلاً شیخ مفید، موسوی، طوسی اور کراجکی نے یہ عقیدہ معتزلہ سے اخذ کیا، قدیم شیعہ اس کے قائل نہ تھے، اس سے واضح ہوا کہ مسائل امامت بیان کرتے ہوئے تقدیر کا ذکر و بیان قطعی طور سے غیر متعلق ہے، امامیہ سے جو بیان نقل کیا ہے، وہ بھی تشنہ تکمیل ہے ان کے افکار و عقائد کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

شیعہ کے عقائد:

شیعہ کہتے ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے حیوانات کے افعال کو پیدا نہیں کیا بلکہ حوادث اس کی خلق و قدرت کے بغیر رونما ہوتے رہتے ہیں۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کسی گمراہ کو راہ راست پر نہیں لاسکتا اور نہ ہدایت یافتہ کو گمراہ کرنے پر قادر ہے۔

۳۔ کوئی انسان ہدایت ربانی کا محتاج نہیں، اللہ تعالیٰ نے ہر چیز واشگاف الفاظ میں بیان کر دی ہے، اس سے ہدایت یاب ہونا بندے کا اپنا کام ہے، اللہ کی مدد سے ہدایت نصیب نہیں ہوتی۔

۴۔ ہدایت ربانی مومن و کافر سب کے لیے یکساں ہے، اللہ تعالیٰ نے جس طرح مومنین کو دین کی نعمت سے بہرہ ور کیا ہے اسی طرح کفار کو بھی اس نعمت سے محروم نہیں کیا، جس طرح سیدنا علی کو ہدایت یافتہ بنایا اسی طرح ابو جہل کو بھی ہدایت سے نوازا، یوں سمجھئے کہ ایک والد دو بیٹوں کو یکساں رقم دیتا ہے، ایک اسے اطاعت میں صرف کرتا ہے، اور دوسرا معصیت میں۔

۵۔ مشیت ایزدی ایسے امور میں متعلق ہوتی ہے، جو ظہور پذیر نہیں ہوتے اور بعض امور اس کی مشیت کے بغیر وجود میں آتے ہیں، گویا وہ ذات الٰہی کے لیے مشیت عامہ و قدرت تامہ کا

اثبات نہیں کرتے، شیعہ کی رائے میں اللہ تعالیٰ کی صفت خلق جملہ حوادث کو شامل نہیں، بعینہ معتزلہ بھی یہی کہتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ اس میں شیعہ کے دو قول ہیں۔

باقی رہا شیعہ کا یہ قول کہ: ''اللہ تعالیٰ نے ائمہ معصومین کو اس لیے پیدا کیا ہے تا کہ یہ عالم ارضی اس کی عنایات سے خالی نہ رہے۔''

بقول شیعہ ائمہ معصومین مجبور و مظلوم اور حد درجہ بے بس ہیں، انہیں کوئی قدرت و اختیار حاصل نہیں، شیعہ سیدنا علی اور بارہ اماموں کے بارے میں بھی رسول اللہ کی وفات سے لے کر آپ کے مسند خلافت پر متمکن ہونے تک انہی خیالات کا اظہار کرتے ہیں، شیعہ اس بات کے معترف ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ائمہ معصومین کو (تصرفات و اختیارات) کا مالک نہیں بنایا، قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے۔

﴿ ثُمَّ اٰتَیْنَا اٰلَ اِبْرَاهِیْمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَیْنَا هُمْ مُلْكًا عَظِیْمًا ﴾ (النساء: ٤/ ٥٤)

''ہم نے آل ابراہیم کو کتاب و حکمت سے نوازا اور ان کو عظیم سلطنت عطا کی۔''

اگر کہا جائے کہ تقرر ائمہ کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں پر ان کی اطاعت ضروری قرار دی جو ان کا اطاعت شعار ہوتا وہ اسے ہدایت سے بہرہ اندوز کرتے مگر لوگ ان کی نافرمانی کرتے تھے، اس کے جواب میں کہا جائے گا، کہ لوگ صرف اسی بنا پر اللہ کی طرف سے لطف و عنایت سے محروم نہیں رہے بلکہ اس کی وجہ یہ تھی، کہ وہ ان کی تکذیب کرتے اور ان کے احکام سے سرتابی کے مرتکب ہوتے تھے۔

باقی رہا امام منتظر کا مسئلہ! تو اس عقیدہ سے کوئی بھی نفع اندوز نہیں ہوا، نہ اس کے ماننے والے اور نہ انکار کرنے والے۔

جہاں تک سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ دیگر ائمہ اثنا عشر کا تعلق ہے ان سے لوگ اسی طرح مستفید ہوتے رہے جیسے دیگر علماء و فضلاء سے البتہ اولی الامر سے جو منفعت مطلوب ہوتی ہے، وہ ائمہ سے حاصل نہ ہو سکی، اس سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے، کہ ابن المطہر نے جس عنایت ربانی کا ذکر کیا ہے، وہ دجل و فریب کی کرشمہ سازی ہے اور بس۔

ابن المطہر کا یہ قول کہ اہل سنت ذات باری کے لیے عدل و حکمت کا اثبات نہیں کرتے۔ دو لحاظ سے باطل ہے، اس کی پہلی وجہ یہ ہے کہ بہت سے اہل نظر و فکر جو منکر نصوص ہیں اللہ کے لیے

عدل وانصاف کا اثبات کرتے ہیں، مثلاً معتزلہ اوران کے ہم نوا، اہل سنت میں سے کوئی شخص بھی اللہ کے حکیم ہونے کا منکر نہیں اور کوئی بھی اسے قبائح کا مرتکب نہیں ٹھہراتا ، اہل اسلام میں جو شخص علی الاطلاق ایسا عقیدہ رکھتا ہواور وہ مباح الدم ہے۔

مسئلہ تقدیر:

تقدیر کا مسئلہ متنازع فیہا ہے، متاخرین امامیہ جمہور اہل اسلام صحابہ تابعین اور اہل بیت اس مسئلہ میں معتزلہ کے ہم نوا ہیں، یہ امر اختلافی ہے کہ خداوندی عدل وحکمت اور اس ظلم سے کیا مراد ہے جس سے خداوند کا منزہ ہونا ضروری ہے، اللہ تعالیٰ کے افعال و احکام کے معلل ہونے میں بھی اختلاف ہے۔

۱۔ ایک گروہ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اللہ سے ظلم کا صدور ممکن نہیں اور وہ جمع بین الضدین کی طرح ذات باری کے لیے محال لذاتہ ہے وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جو چیز ممکن ہواور قدرت خداوندی کے دائرہ میں داخل ہو اسے ظلم سے تعبیر نہیں کر سکتے ، مثلاً اللہ تعالیٰ اگر اطاعت شعار کو عذاب میں مبتلا کر دے اور عاصی پر انعامات کی بارش کرے تو بقول ان کے یہ ظلم نہیں، وہ کہتے ہیں، ظلم اس تصرف کا نام ہے جس کا حق حاصل نہ ہو، جب اللہ تعالیٰ جملہ اختیارات سے بہرہ ور ہے تو اس کا یہ فعل ظلم کیوں کر ہوا؟ عقیدہ قدر پر ایمان رکھنے والے بہت سے متکلمین اور فقہاء یہی رائے رکھتے ہیں۔

۲۔ دوسرے گروہ کی رائے ہے کہ ظلم قدرت خداوندی کے احاطہ میں داخل ہے اور وہ ممکنات سے بھی ہے چونکہ اللہ تعالیٰ عادل ہے اس لیے وہ ظلم کا ارتکاب نہیں کرتا، اس نے خود اپنی ذات کی مدح ان الفاظ میں فرمائی ہے:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظۡلِمُ النَّاسَ شَيۡـئًا ﴾ (یونس: ۱۰/ ۴۴)

''اللہ تعالیٰ لوگوں پر ذرہ بھر ظلم نہیں کرتا۔''

ظاہر ہے کہ مدح اسی کام کے چھوڑنے پر کی جا سکتی ہے جس کے کرنے پر آدمی قدرت رکھتا ہو۔ مندرجہ ذیل آیات ملاحظہ فرمایئے:

﴿ وَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤۡمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلۡمًا وَّلَا هَضۡمًا ﴾ (طه: ۲۰/ ۱۱۲)

''جو حالت ایمان میں نیک کام کرے وہ ظلم اور کمی سے نہیں ڈرے گا۔''

﴿ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴾ (الزمر: ۳۹/۶۹)

''ان کے مابین صحیح فیصلہ کیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔''

﴿ وَمَا أَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ﴾ (ق: ۵۰/۲۹)

''میں بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہوں۔''

مذکورہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو اس امر سے منزہ قرار دیا ہے، جس پر وہ قدرت رکھتا ہے نہ کہ ایک محال بات سے جس پر وہ سرے سے قادر ہی نہیں۔

صحیح حدیث میں رسول اللہ سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''میرے بندو! میں نے اپنی ذات پر ظلم کو حرام قرار دیا ہے۔''❶

اس حدیث سے مستفاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ پر ظلم کو حرام کر رکھا ہے جس طرح اس نے رحمت کو اپنے لیے ضروری قرار دے رکھا ہے، قرآن میں فرمایا:

﴿ كَتَبَ عَلَىٰ نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ﴾ (الانعام: ۶/۱۲)

''اس نے رحمت کو اپنی ذات پر لکھ رکھا ہے۔''

صحیح حدیث میں وارد ہے:

''اللہ تعالیٰ نے جب مخلوقات کو پیدا کرنے کا فیصلہ کیا تو ایک کتاب میں جو عرش پر رکھی ہے یہ الفاظ تحریر کیے، ''میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔''❷

ظاہر ہے کہ جس چیز کو ذات باری نے اپنے لیے واجب یا حرام کر رکھا ہے، وہ اس پر قادر ہے اس لیے کہ جو چیز ممکنات میں سے نہیں وہ اللہ کی ذات پر حرام یا واجب کیوں کر ہو سکتی ہے؟

اکثر اہل سنت و محدثین و مفسرین نیز فقہاء صوفیا اور متکلمین جو تقدیر کے قائل ہیں یہی عقیدہ رکھتے ہیں، بنابریں یہ لوگ خداوندی عدل و احسان کے قائل ہیں نہ کہ وہ قدریہ جن کا قول ہے کہ کبیرہ

---

❶ صحیح مسلم۔ کتاب البر والصلة۔ باب تحریم الظلم (حدیث:۲۵۷۷)

❷ صحیح بخاری۔ کتاب بدء الخلق۔ باب ما جاء فی قول اللّٰہ تعالیٰ ﴿ وَ هُوَ الَّذِیْ یَبْدَءُ الْخَلْقَ...... ﴾ (حدیث:۳۱۹۴) صحیح مسلم، کتاب التوبة۔ باب فی سعة رحمة اللہ تعالیٰ (حدیث:۲۷۵۱)

کا ارتکاب کرنے سے ایمان ضائع ہو جاتا ہے، یہ ظلم کی وہی قسم ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو منزہ قرار دیا ہے، قرآن کریم میں فرمایا:

﴿ فَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ خَیۡرًا یَّرَہٗ وَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ﴾ (الزلزال: ۹۹/۸)

''جو شخص ذرہ بھر نیکی کرے گا وہ اسے دیکھے گا اور جو ذرہ بھر برائی کا ارتکاب کرے گا وہ اسے دیکھے گا۔''

جو شخص یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ مومن کو ہدایت یاب کر کے اس پر احسان دھرنا اور کافر کو اس سے محروم رکھنا ظلم ہے، اس کا یہ عقیدہ دو اعتبار سے جہل کا مترادف ہے۔

پہلی وجہ یہ ہے کہ چونکہ مومن کافر پر فضیلت رکھتا ہے بنا بریں وہ اس اعزاز کا مستحق ہوا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ بَلِ اللّٰہُ یَمُنُّ عَلَیۡکُمۡ اَنۡ ہَدٰىکُمۡ لِلۡاِیۡمَانِ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ﴾ (الحجرات: ۴۹/۱۷)

''بلکہ اللہ تم پر احسان دھرتا ہے کہ اس نے تمھیں ایمان کی جانب متوجہ کیا اگر تم سچے ہو۔''

دوسری جگہ انبیاء کرام کی زبانی ارشاد ہوا۔

﴿ اِنۡ نَّحۡنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُکُمۡ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَمُنُّ عَلٰی مَنۡ یَّشَآءُ﴾

(ابراھیم: ۱۴/ ۱۱)

''ہم تو صرف تمہاری طرح کے انسان ہیں مگر جس پر چاہتا ہے اللہ اپنا احسان فرماتا ہے۔''

آیت سے آشکار ہوا کہ اللہ تعالیٰ صرف اسی کو سزا دیتا ہے جو اس کا مستحق ہو نیکوکار کو کبھی عذاب میں مبتلا نہیں کرتا۔

اسی لیے یہ مثل مشہور ہے:

''کُلُّ نِعۡمَةٍ مِّنۡهُ فَضۡلٌ وَکُلُّ نِقۡمَةٍ مِنۡهُ عَدۡلٌ''

''ہر احسان اس کا فضل ہے اور ہر سزا اس کا عدل ہے۔''

خداوند کریم خود فرماتا ہے کہ وہ گناہوں کے باعث لوگوں کو سزا دیتا ہے اور اس کے انعامات محض اس کے فضل و احسان کی کرشمہ سازی ہے۔

حدیث صحیح میں وارد ہے۔

''جو اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان پائے تو اس کا شکر ادا کرے اور جو اس کے سوا (حوادث و آلام وغیرہ) پائے تو اپنے آپ کو ملامت کرے۔''❶

قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ مَا اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ﴾ (النساء: ۷۹/٤)

''تجھے جو آرام پہنچتا ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے۔''

آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ جو پسندیدہ نعمتیں مثلاً نصرت خداوندی اور وسعت رزق وغیرہ تجھے حاصل ہوتی ہے، یہ عین عنایت ربانی ہے اور جو تکلیف آتی ہے، وہ تمہارے گناہوں کا ثمرہ ہے، اس آیت میں الحسنات سے نعمتیں اور السیئات سے مصائب و آلام مراد ہیں۔

دوسری جگہ فرمایا:

﴿ وَبَلَوْنَاهُمْ بِالْحَسَنَاتِ وَالسَّيِّئَاتِ ﴾ (الاعراف: ۱٦۸/۷)

''ہم نے تم کو آرام و عافیت اور تکلیفات سے آزمایا۔''

نیز فرمایا:

﴿ اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ﴾ (التوبہ: ۵۰/۹)

''اگر تجھے آرام پہنچتا ہے تو انہیں برا محسوس ہوتا ہے۔''

مزید ارشاد فرمایا:

﴿ اِنْ تَمْسَسْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا ﴾

(آل عمران: ۱۲۰/۳)

''اگر تمہیں خوش حالی نصیب ہوتی ہے تو انہیں برا محسوس ہوتا ہے اور اگر تمھیں تکلیف پہنچتی ہے تو وہ خوش ہوتے ہیں۔''

کیا افعال خداوندی معلل ہیں؟:

مسلمانوں کا اجماعی عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ موصوف بالحکمت ہے، ایک گروہ کے نزدیک حکمت کے معنی یہ ہے کہ اسے افعال العباد کا علم ہے اور وہ حسب ارادہ ان کو وجود میں لاتا ہے، جمہور اہل سنت

❶ صحیح مسلم۔ کتاب البر والصلة، باب تحریم الظلم، (حدیث: ۲۵۷۷) مطولاً۔

کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے خلق و امر میں حکیم ہے، حکمت سے مشیت علی الطلاق مراد نہیں، اگر ایسا ہوتا تو ہر صاحب ارادہ حکیم بھی ہوتا، ظاہر ہے کہ ارادہ کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ محمود

۲۔ مذموم

اللہ تعالیٰ کے خلق و امر میں جو عواقب محمودہ پائے جاتے ہیں اسی کو حکمت کہتے ہیں، پہلے نظریہ کے قائلین مثلاً ابو الحسن اشعری اور ان کے ہم خیال فقہاء کا قول ہے کہ قرآن کریم میں جن افعال خداوندی کا ذکر آیا ہے ان میں لام تعلیل نہیں بلکہ لام عاقبت ہے (یعنی افعال اللہ معلل نہیں ہیں) بخلاف ازیں جمہور کے نزدیک خداوند تعالیٰ کے افعال و احکام معلل ہیں، تعلیل افعال کے مسئلہ کا امامت کے مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں، اکثر اہل سنت حکمت و تعلیل کا اثبات کرتے ہیں، جو انکار کرتے ہیں وہ دو دلیلوں سے احتجاج کرتے ہیں۔

منکرین تعلیل کی پہلی دلیل:

پہلی دلیل یہ ہے کہ افعال خداوندی کو معلل ماننے سے تسلسل لازم آتا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی علت کے پیش نظر کوئی کام کرتا ہے تو وہ علت کسی دوسری علت کی محتاج ہوگی بشرطیکہ یہ تسلیم کیا جائے کہ ہر حادث کے لیے علت کی ضرورت ہوتی ہے اور اگر حوادث بلا علت بھی ظہور پذیر ہو سکتے ہیں تو سرے سے اثبات علت کی ضرورت ہی لاحق نہیں ہوتی۔

منکرین تعلیل کی دوسری دلیل:

منکرین تعلیل دوسری دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جب علت کی بنا پر کوئی کام انجام دیتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ علت سے اس کے فعل کی تکمیل ہوتی ہے، اس لیے کہ اگر علت کا وجود اس کے عدم سے اولیٰ نہ ہوتا تو اسے علت ہی نہ کہتے ظاہر ہے کہ جو اپنے افعال کی تکمیل میں کسی دوسرے کا محتاج ہے وہ بذات خود ناقص ہے اور ناقص ہونا ذات باری کے لیے ممتنع ہے۔

منکرین تعلیل معتزلہ کے اصولوں کے مطابق ان پر حجت قائم کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

جس علت کی بنا پر کوئی فعل انجام دیا گیا ہے، اگر ذات خداوندی کے اعتبار سے علت کا وجود و عدم یکساں ہے تو وہ علت نہیں ہوسکتی، اور اگر علت کا وجود اس کے عدم سے افضل ہے تو پھر دو حال سے خالی نہیں:

۱۔ علت ذات باری سے جدا ہوگی اندریں صورت اس فعل کی تکمیل کسی اور کے ذریعہ ہوگی۔
۲۔ دوسرا یہ کہ علت کا قیام ذات باری کے ساتھ ہو اس صورت میں اس کا محل حوادث ہونا لازم آئے گا۔

مجوزین تعلیل کے دلائل:

مجوزین تعلیل کے یہاں اختلاف پایا جاتا ہے، معتزلہ تعلیل کی بنا پر جس بات کا اثبات کرتے ہیں وہ بالائے ادراک ہے ان کی رائے میں جس علت سے فعل کا صدور ہوتا ہے، وہ فاعل سے منفصل ہوتی ہے اور فاعل کے لیے اس کا وجود وعدم یکساں ہوتا ہے، قائلین تعلیل کے افکار ونظریات کی توضیح یہ ہے:

''اللہ تعالیٰ میں حب و رضا کی صفت پائی جاتی ہے، یہ ارادہ کی نسبت اخص ہے، بخلاف ازیں معتزلہ اور اکثر اشاعرہ محبت، رضا اور ارادہ کو یکساں قرار دیتے ہیں، جمہور اہل سنت کی رائے میں اللہ تعالیٰ کفر کو پسند نہیں کرتا، اگرچہ دیگر مخلوقات کی طرح کفر بھی اس کے ارادہ کی حدود میں داخل ہے، اس لیے کہ یہ بھی حکمت پر مبنی ہے، اس میں شبہ نہیں کہ کفر فاعل کے اعتبار سے شر ہے مگر یہ ضروری نہیں کہ جو فعل فاعل کے نقطہ خیال سے شر ہو وہ کسی حکمت سے خالی ہو، بلکہ مخلوقات خداوندی میں بعض حکمتیں نگاہ سے اوجھل رہتی ہیں۔''

مانعین تعلیل نے علت کے تسلسل کا جو اعتراض وارد کیا ہے، تعلیل کے قائلین اس کے دو جواب دیتے ہیں۔

پہلا جواب یہ ہے کہ حوادث کا یہ تسلسل مستقبل میں ہوگا نہ کہ حوادث ماضیہ میں، اللہ تعالیٰ بنا بر حکمت جب کوئی فعل انجام دیتا ہے، تو وہ حکمت بعد از فعل رونما ہو جاتی ہے، جب اس حکمت سے ایک اور حکمت مطلوب ہوگی تو یہ تسلسل فی المستقبل ہوگا، جو جمہور امت کے نزدیک جائز ہے اس لئے کہ انعامات جنت اور عذاب دوزخ دونوں دائمی ہیں حالانکہ ان میں بھی حوادث رونما ہوتے رہیں گے، البتہ جہم [1] اس کا منکر ہے اس کی رائے میں جنت و دوزخ فانی ہیں۔

---

[1] جہم بن صفوان کوفہ میں پیدا ہوا، یہ بڑا طلیق اللسان تھا، البتہ علم سے بے بہرہ تھا، کوفہ زنادقہ کا گھر تھا، جہم ایک زندیق سے ملا اور اس سے انکار صفات کا عقیدہ اخذ کیا، جہم کی رائے میں ذات باری کو صفات مخلوق سے متصف قرار نہیں دیا جا سکتا، پھر جہم جبر کا قائل ہو گیا اور کہنے لگا کہ انسان مجبور محض ہے اور اس میں

ابو ہذیل علاّف کا خیال ہے کہ اہل جنت و دوزخ کی حرکات ختم ہوجائیں گی اور وہ دائمی سکون میں رہیں گے، اس کی وجہ یہ اعتقاد ہے کہ حوادث کا تسلسل ماضی میں ممتنع ہے، اس میں اہل اسلام کے دو قول ہیں۔

بعض کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ ازل ہی میں جب چاہتا کلام کرتا اور وہ ہمیشہ سے فعال رہا ہے، وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اللہ کے سوا ہر چیز حادث ہے اور ذات باری کی طرح کوئی چیز قدیم نہیں ہے۔

فلاسفہ کے عقائد و دلائل:

بخلاف ازیں فلاسفہ افلاک کو قدیم مانتے اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ذات باری تعالیٰ اشیاء کا مبدع (ایجاد کنندہ) ان کی علت تامہ اور موجب بذاتہ ہے، یہ گمراہانہ نظریہ ہے اس لیے کہ علت و معلول باہم لازم و ملزوم ہوتے ہیں اور علت معلول سے متاخر نہیں ہوسکتی، حوادث دنیائے ارضی میں مشہور و معروف ہیں، اگر صانع موجب بذاتہ حوادث کی علت تامہ اور معلول کو مستلزم ہوتا تو حوادث ہر گز عالم وجود میں نہ آتے، اس لئے کہ حوادث کا ظہور علت تامہ ازلیہ سے ممتنع ہے۔

اگر عالم کو قدیم مانا جائے تو اس کے مبدع کو علت تامہ تسلیم کرنا پڑے گا اور علت تامہ کا معلول اس سے الگ نہیں ہوسکتا، بنا بریں حوادث کا ظہور و شیوع اس امر کی دلیل ہے کہ ان کا فاعل علت تامہ

استطاعت بالکل نہیں پائی جاتی، یہ عراق سے نقل مکانی کر کے خراسان اور مشرقی ممالک میں پہنچا اور وہاں حارث بن شریح کا کاتب بن گیا جس نے والیے خراسان نصر بن سیار کے خلاف علم بغاوت بلند کر رکھا تھا، یہاں اس نے اپنے گمراہانہ عقائد کی نشر و اشاعت کا بیڑا اٹھایا، محدث ابن ابی حاتم بطریق صالح بن احمد بن حنبل روایت کرتے ہیں کہ میں نے ہشام بن عبدالملک اموی کا خط بنام نصر بن سیار پڑھا تھا، ہشام لکھتا ہے: ''تمہارے علاقہ میں دہریہ میں سے جہم نامی ایک شخص اٹھا ہے اگر قابو چلے تو اسے تہ تیغ کر دو۔''

حارث بن شریح اور نصر بن سیار کے اعوان و انصار کے مابین جو جھڑپیں ہوئی تھیں ان میں حارث کو قتل کیا گیا تھا اور جہم قیدی ہوا، نصر نے اپنے کوتوال سلم بن احوز کو حکم دیا کہ وہ جہم کو قتل کر دے، چنانچہ ۱۲۸ھ میں الحاد کے جرم میں جہم کو تہ تیغ کیا گیا، محدث ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں: ''جہم بن صفوان گمراہ اور بدعتی تھا، یہ جہمیہ کا سردار تھا، نو عمر تابعین کے زمانہ میں ہلاک ہوا، اس سے کوئی حدیث مروی نہیں مگر اس نے عظیم شرارت کی تخم کاری کی۔

نہیں ہے، جب ازل میں علت تامہ منتفی ہوگئی تو اس سے قدم عالم کے عقیدہ کا بطلان ثابت ہو گیا، مگر اس سے ذات خداوندی کے متعلق ازلی اور فعّال لما یشاء ہونے کی نفی نہیں ہوتی۔

قدامت عالم کی سب سے اہم دلیل فلاسفہ کے نزدیک یہ ہے کہ حوادث کا ظہور سبب حادث کے بغیر ممکن نہیں، بنا بریں ایسی ذات کا وجود بھی ممتنعات میں سے ہوگا جو پہلے افعال سے معطل رہی اور پھر کسی سبب کے ظاہر ہوئے بغیر افعال کو انجام دینا شروع کیا، فلاسفہ کی اس دلیل سے قدامت عالم ثابت نہیں ہوتی، البتہ یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ازل ہی سے فعال رہا ہے، جب یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ وہ ایسے افعال کا فاعل ہے جن کا قیام ذات خداوندی کے ساتھ ہے، یا اسے ایسے افعال کا فاعل قرار دیا جائے، جو رفتہ رفتہ ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں تو اس سے یہ دلیل پوری ہوجائے گی اور یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا، کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز پہلے معدوم اور پھر عالم وجود میں آئی ، وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ قرآن کریم کی متعدد سورتوں مثلاً سورہ انعام (آیت:۱۰۲)، الرعد (آیت:۱۶)، غافر (آیت:۶۲)، اور زمر (آیت:۶۲) میں فرمان باری تعالیٰ ہے۔

﴿خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ﴾

''وہ ہر چیز کا خالق ہے۔''

یہ امر محتاج بیان نہیں کہ مخلوق وہی چیز ہوتی ہے جو پہلے معدوم ہو، لہٰذا مخلوقات میں سے کوئی چیز بھی اللہ کی مقارن نہیں ہوسکتی، بخلاف ازیں فلاسفہ کا قول ہے، کہ عالم معلول ہے اور ذات باری اس کے لیے موجب و مفیض ہے، اللہ تعالیٰ کو جو تقدم عالم پر حاصل ہے وہ عظمت و شرافت کے اعتبار سے ہے زمانہ کے لحاظ سے نہیں۔

ایک دوسری دلیل سے اثبات مقصود:

دوسری وجہ یہ ہے کہ وجود مفعول کے وقت فاعل کا پایا جانا ضروری ہے، اس کا معدوم ہونا جائز نہیں، اس لیے کہ معدوم کسی دوسری چیز کو وجود میں نہیں لاسکتا، علاوہ ازیں مفعول کے وجود میں آنے ہی سے اللہ تعالیٰ کی صفت ایجاب و احداث کا اثبات ہوگا، اگر فرض کیا جائے کہ اس نے کوئی کام انجام دیا، اسے چاہا اور وہ فعل معدوم ہونے کے بعد وجود میں آ گیا تو اس سے لازم آئے گا کہ اس کے فعل و ایجاب کے وقت مفعول موجود نہ ہوگا، بنا بریں جب موجب حوادث کے متعلق یہ فرض کر لیا جائے کہ وہ دوسری چیز کو پہلی کے بعد وجود میں لاتا ہے بجز اس کے کہ اس کی حالت میں کوئی تبدیلی پیدا ہو جس

کی بنا پر وہ دوسری کو پیدا کر سکے تو وجود اثر کے وقت مؤثر تام معدوم ہوگا اور یہ محال ہے۔
مثلاً جب کوئی شخص فاصلہ طے کر رہا ہو اور مسافت کی جزء ثانی کا طے کرنا جزء اوّل کے ساتھ مشروط ہو تو اس صورت میں پہلی جزو طے کرتے وقت چند امور رونما ہوں گے جو اس کے ساتھ قائم ہوں گے، مثلاً قدرت اور ارادہ وغیرہ۔ انھی کی بنا پر جزء ثانی وجود میں آئے گی۔ اس لیے نہیں کہ جزء اوّل کے معدوم ہونے سے ہی وہ جزء ثانی کو طے کر لے گا، جب اللہ تعالیٰ کے احداث حوادث کو سابق الذکر مثال کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے، تو اس سے لازم آتا ہے، کہ ہر حادث کو وجود میں لاتے وقت اللہ تعالیٰ کے احوال بدلتے رہیں گے، اس لیے کہ اگر اس کی حالت میں تبدیلی نہیں آتی اور اس کی حالت وحادث کو پیدا کرنے سے پہلے اور بعد یکساں رہتی ہے تو دونوں وقتوں میں سے ایک کے مختص بالاحداث ہونے کے لئے کسی مخصص کی ضرورت ہوگی، یہ بھی ظاہر ہے کہ صدور حوادث کے لیے فاعل کا وجود ناگزیر ہے، حالانکہ ایزد متعال ازل سے ابد تک ایک ہی حالت پر ہے اس میں تبدیلی پیدا نہیں ہوئی، اندریں صورت ایک وقت کا کسی حادثہ سے مختص ہونا ممتنع ہوگا۔

ابن سینا اور قائلین قدامت عالم نے معتزلہ کے خلاف مذکورۃ الصدر دلیل سے احتجاج کیا ہے وہ اپنا نظریہ یوں بیان کرتے ہیں۔

بقول معتزلہ جب اللہ تعالیٰ ازل میں بے کار تھا اور کچھ نہیں کرتا تھا تو اب بھی وہ اسی حال پر قائم ہے لہٰذا بے کار ہوگا حالانکہ اسے فرض کیا گیا ہے کہ وہ فاعل ہے، یہ خلاف مفروض ہے، ظاہر ہے کہ یہ استحالہ ذات باری کو معطل عن الفعل تسلیم کرنے سے لازم آیا۔''

اس دلیل کے جواب میں قدامت عالم کا عقیدہ رکھنے والوں سے کہا جائے گا کہ یہ دلیل تمہارے خلاف پڑتی ہے، تم ذات باری کو بسیط مانتے ہو جس سے حوادث تو صادر ہوتے ہیں مگر کوئی فعل و وصف اس کی ذات کے ساتھ قائم نہیں، اگر حوادث کا صدور ان وسائط کی وجہ سے ہوتا ہے جو ذات باری کے لیے لازم ہوتے ہیں تو ذات باری کی قدامت کی وجہ سے وسائط بھی قدیم ہوں گے، حالانکہ قائلین قدامت کا قول ہے کہ اس ذات قدیم سے حودث کا صدور ممتنع ہے جو ایک ہی حالت پر قائم رہے۔

معتزلہ کی تیسری دلیل:

معتزلہ کی تیسری دلیل یہ ہے کہ ذات باری فیاض ہے اور اس کا فیض ہمیشہ جاری رہتا ہے،

بعض اوقات کو حدوث کے ساتھ اس لیے مختص کر دیا جاتا ہے کہ استعداد قبول میں تبدیلی پیدا ہوتی رہتی ہے، اور استعداد و قبول کا حدوث حدوث حرکات کا سبب ہے، یہ ظاہر البطلان ہے اس لیے کہ یہ اس صورت میں ممکن ہے جب ذات باری جو کہ فعال اور دائم الفیض ہے استعداد و قبول کو خود جنم نہ دیتی ہو، جیسا کہ عقل فعال کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ دائم الفیض ہے۔

جب اللہ تعالیٰ جملہ اشیاء کا خالق ہے تو وہ ایسی علت تامہ نہیں ہوسکتا ہے جو ازلی ہو اور اپنے معلول کو مستلزم ہوا کیوں کہ اس سے جلول کا ازلی ہونا لازم آتا ہے اور جب ذات باری کے سوا ہر چیز اس کی معلول ہے تو اس کے ماسوا کو ازلی تسلیم کرنا پڑے گا، یہ دلیل خلاف حس اور بدیہی العناد ہے البتہ یہ دلیل ان متکلمین پر حجت ہوسکتی ہے، جن کا اعتقاد ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت و مشیت کے لحاظ سے ازل میں فعل و کلام پر قادر نہ تھا، بلکہ فعل اور کلام اس کے لیے ممتنع تھے اور جو کام ممتنع ہو وہ قدرت کے دائرہ سے خارج ہوتا ہے بعد ازاں اللہ تعالیٰ فعل و کلام پر قادر ہو گیا اور وہ امتناع ذاتی سے امکان ذاتی میں منقلب ہو گیا، معتزلہ اور ان کے ہم نوا شیعہ اور کرامیہ بھی یہی عقیدہ رکھتے ہیں۔

کلام باری سے متعلق علماء کے مذاہب:

ابن کلاب [1] اور ابو الحسن اشعری [2] کا قول ہے کہ کلام شے واحد لذاتہ ہے اور وہ قدرت و

---

[1] ابن کلاب کا نام عبداللہ بن سعید تمیمی بصری ہے، سید مرتضیٰ زبیدی شرح قاموس مادہ ''کلب'' میں لکھتے ہیں: مجلس مناظرہ میں شدت مجادلہ کی بنا پر اسے ابن کلاب کہنے لگے، کلاب اس کے دادا کا نام تھا، یہ اہل سنت کے فرقہ کلابیہ کا سردار تھا، مامون کے عہد خلافت میں ابن کلاب اور معتزلہ کے مابین مناظرے ہوا کرتے تھے، یہ ۲۴۰ھ کے بعد فوت ہوا، ابن السبکی کی طبقات الشافعیہ (۲/ ۵۱) میں اس کا تذکرہ موجود ہے۔ ابن الندیم نے الفہرست (ص: ۲۵۵) میں ایک شخص عبداللہ بن محمد بن کلاب القطان کا ذکر کیا ہے مگر وہ عبداللہ بن سعید بن کلاب کے علاوہ کوئی اور شخصیت ہے ان دونوں کے والد کا نام بھی الگ الگ ہے۔ اس شخصیت پر بحث ہوسکتی ہے۔

[2] ان کا نام علی بن اسماعیل کنیت ابو الحسن اور نسبت اشعری ہے۔ ۲۶۰ھ میں پیدا ہوئے، اور ۳۳۴ھ میں وفات پائی، یہ کبار ائمہ متکلمین میں سے تھے، آغاز کار میں معتزلی المشرب اور جبائی المتوفی (۲۳۵۔۳۰۷) کے شاگرد رشید تھے ۳۰۴ھ میں میں پختہ سالی کو پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے ہدایت نصیب فرمائی، مسلک اعتزال کو خیر باد کہہ کر یہ معتزلہ کے خلاف نبرد آزما ہوئے، اور ان کی تردید میں درس و مناظرہ کا آغاز کیا، ابتداءً یہ طریق جدل و تاویل اور مسلک سلف کی درمیانی راہ پر گامزن ہوئے، پھر

مشیت کے تحت داخل نہیں۔

بعض متکلمین محدثین وفقہاء اور بقول علامہ شہرستانی سلف وحنابلہ کے نزدیک کلام یا حروف و اصوات قدیمۃ الاعیان کا نام ہے جو اس کی مشیت وقدرت سے وابستہ نہیں، یہ عقیدہ سالمیہ ❶ کی جانب بھی منسوب کیا جاتا ہے، مگر جمہور ائمہ حنابلہ ❷ یہ عقیدہ نہیں رکھتے۔ بلکہ ان میں سے ایک گروہ اس کا معتقد ہے، بعض مالکیہ اور شافعیہ بھی یہی رائے رکھتے ہیں۔ ان کے طریق استدلال کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

دلیل سے معلوم ہوتا ہے کہ حوادث ہمیشہ نہیں رہتے اور ان کا ایک مبدأ ہوتا ہے، حوادث میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس سے پہلے کوئی دوسرا حادث نہ ہو، وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ حوادث جس چیز سے مقارن و متصل ہوں وہ بھی حادث ہوگی، لہٰذا باری تعالیٰ کا اپنی مشیت کے شروع ہی سے فاعل ومتکلم ہونا ممتنع ہے بلکہ ذات باری کا فعل وکلام پر قادر ہونا بھی محالات میں سے ہے اس لیے کہ محال پر قدرت رکھنا بھی محال ہوتا ہے، ان کا قول ہے کہ مذکورۃ الصدر دلیل سے جسم کا حادث ہونا ثابت ہوا، کیوں کہ جسم حوادث سے خالی نہیں اور جو چیز حوادث سے خالی نہ ہو وہ خود حادث ہوتی ہے، وہ نوع حوادث اور عین حوادث کے مابین کچھ فرق نہیں کرتے۔

اس دلیل کے جواب میں فلاسفہ اور ان کے ہم عقیدہ علماء سے کہا جائے گا، کہ جس دلیل سے تم نے عالم کا حادث ہونا ثابت کیا ہے، بعینہٖ یہی دلیل عدم حدوث پر دلالت کرتی ہے، اور اس سے تمہارا

خالص جادہ سلف کے پیرو بن گئے اور غیبی افکار ومعتقدات میں صرف اسی کا اثبات کرنے لگے جو نصوص سے ثابت ہو، اس عقیدہ کی تشریح وتوضیح کے لیے آپ نے اپنی آخری کتب تصنیف کیں، ان میں: ''کتاب الابانۃ'' عام طور پر متداول ہے اشعری کے سیرت نگاروں کے نزدیک یہ ان کی آخری تصنیف ہے۔ (دیکھئے شذرات الذہب) مشیت ایزدی یہی تھی کہ امام اشعری کو طریق سلف کا پیروکار بنایا جائے، اشاعرہ طریق سلف کے خلاف جو کچھ کہتے ہیں اور انہیں امام اشعری کی جانب منسوب کرتے ہیں، یہ حقیقت ہے کہ اشعری کا دامن اس سے پاک ہے اور وہ ان سب مسائل سے رجوع کر کے صرف انہی باتوں کے قائل ہو گئے تھے جو کتاب الابانۃ میں درج ہیں۔

❶ سالمیہ ہشام بن سالم جوالیقی کے پیروکار تھے، قبل ازیں ہشام بن سالم کا حال مذکور ہو چکا ہے۔

❷ حنابلہ غیبی معتقدات میں نصوص کے پیروکار تھے اور ان کو بدوں تاویل ظاہر پر محمول کرتے تھے، البتہ یہ پابندی عاید کرتے تھے، کہ ﴿لیس کمثله شیء﴾

مدعا ثابت ہونے کی بجائے اس کی نقیض ثابت ہوتی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ حادث کا ممکن ہونا ناگزیر ہے اور ممکن کا ایک پہلو دوسرے پہلو پر کسی مرجح تام کی بنا پر راجح ہوتا ہے، اور امکان کے لیے کوئی مقرر وقت نہیں، جو وقت بھی مقدر کیا جائے گا، امکان اس سے قبل ثابت ہوگا، لہٰذا فعل کا شروع ہی سے ممکن اور جائز ہونا واجب ٹھہرا۔ اس سے یہ بھی لازم آیا کہ ذات باری ازل ہی سے اس پر قادر تھی، نیز ایسے حوادث کا جواز ثابت ہوا، جن کی نہ ابتدا ہے نہ انتہاء۔

قدریہ ومعتزلہ کا زاویہ نگاہ:

قدریہ ومعتزلہ یہ تسلیم نہیں کرتے کہ امکان حوادث کا کوئی نقطۂ آغاز نہیں، البتہ وہ اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ حوادث کا مسبوق بالعدم ہونا شرط ہے، اس کی کوئی ابتداء نہیں، اس لیے کہ ہماری رائے میں حوادث کا قدیمۃ النوع ہونا محال ہے، بلکہ ان کا حادث النوع ہونا ضروری ہے، مگر حدوث کسی خاص وقت میں واجب نہیں، بنا بریں حوادث کا آغاز نہیں ہوتا، اور وہ مسبوق بالعدم ہوتے ہیں برخلاف جنس حوادث کے۔

مزید فرمایا:

سوال یہ ہے کہ آیا امکان حوادث کی کوئی انتہا بھی ہے یا نہیں؟ جس طرح اس سے بالآخر جمع بین النقیضین لازم آتا ہے، اسی طرح پہلی دلیل سے آغاز ہی میں دونقیضوں کو جمع ہونا لازم آتا ہے، آگے چل کر فرماتے ہیں۔

شیعہ مصنف کی غلط بیانی:

’’قادر مختار وہ ذات گرامی ہے کہ اگر چاہے کرے اور اگر چاہے نہ کرے وہ جس چیز کو وجود میں لانا چاہتا ہے وہ ظہور پذیر ہوتی ہے، اور وہ جسے نہیں چاہتا وہ عالم وجود میں نہیں آتی۔‘‘

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مقصود یہاں اصل مسئلہ تعدیل کی توضیح وتشریح ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ شیعہ مصنف اہل سنت کے مسائل کا حلیہ بگاڑ کر غلط انداز میں پیش کر کے انہیں طعن وتشنیع کے تیروں سے چھلنی کرتا اور ان مسائل کے حقائق ودلائل کو دانستہ بیان نہیں کرتا، شیعہ مصنف اہل سنت سے جو مسائل نقل کرتا ہے، یا وہ غلط ہوتے ہیں، یا جمیع اہل سنت یا اکثر اہل سنت پر دروغ بیانی کے آئینہ دار ہوتے ہیں، جن مسائل کے ذکر وبیان میں وہ سچا ہوتا ہے، ان میں اہل سنت کا قول اس کے طرز بیان سے بہتر ہوتا ہے، زیادہ

ترشیعہ مصنف اشاعرہ [1] کو ہدف ملامت بناتا ہے، حالانکہ وہ معتزلہ اور روافض دونوں سے بہتر ہیں۔

اشاعرہ کے خلاف استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں:

معتزلہ کے خلاف اشاعرہ کا استدلال:

تمہارے نقطہ نظر کا انحصار اسی دلیل پر ہے یہی وجہ ہے کہ دہریہ وفلاسفہ اور ابن سینا کو تمہارے خلاف صف آرائی کا موقع ملا۔

درحقیقت یہ دلیل حدوث عالم کی مثبت نہیں بلکہ اس کے منافی ہے، جب حادث کے لیے کسی سبب حادث کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ دلیل حدوث حادث بلا سبب کو مستلزم ہے تو اس سے یہ لازم آیا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کو پیدا نہیں کیا۔

جب ہمارے نزدیک ممکن کے دونوں پہلوؤں میں سے بلا مرجح ایک کو ترجیح دینا جائز ہے، تو اس سے اثبات صانع کا راستہ بند ہو جائے گا حالانکہ تم اسی پر گامزن ہو۔

اشاعرہ معتزلہ کی تردید کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''تم اللہ تعالیٰ کے افعال کو علل حادث سے معلل قرار دیتے ہو، تم سے کہا جائے گا کہ آیا تمہارے نزدیک حوادث کا کوئی سبب حادث بھی ہے یا نہیں؟ اگر تم اثبات میں جواب دو تو حوادث کا تسلسل لازم آتا ہے، جو تمہارے نظریہ کے خلاف ہے اور اگر تم سبب حادث کو ضروری تصور نہیں کرتے تو پھر تم سے کہا جائے گا کہ حوادث کی کوئی غایت حادثہ بھی نہیں اس لیے کہ فاعل محدث کے فعل کے لیے کسی سبب یا غایت کا وجود ازبس ناگزیر ہے، اگر تم کہو کہ احداث حوادث کا کوئی سبب نہیں ہوتا تو

---

[1] اشاعرہ ابوالحسن اشعری کی جانب منسوب ہیں، امام اشعری کے حالات پر حاشیہ گزر چکا ہے، امام اشعری تین مختلف مراحل وادوار سے گزرے تھے:

۱۔ پہلے معتزلی المشرب تھے۔

۲۔ پھر معتزلہ کے مخالف ہوگئے تاہم ان کا مسلک طریق سلف اور اہل اعتزال کے بین بین تھا۔

۳۔ امام اشعری پر تیسرا دور یہ آیا کہ خالص سلفی المشرب ہوگئے اور اس ضمن میں ''کتاب الابانة'' تصنیف کی وہ چاہتے تھے کہ اسی مسلک پر وہ مالک حقیقی سے ملیں، جہاں تک اشاعرہ یعنی اس کلامی فرقے کا تعلق ہے جو آپ کی جانب منسوب ہے وہ پہلے اور تیسرے دور میں امام اشعری کی نمائندگی نہیں کرتا اشاعرہ کا مسلک امام اشعری کے ان ارشادات سے ماخوذ ہے جو آپ کے دور ثانی سے تعلق رکھتے ہیں، اس کے بعد آپ نے ان مسائل سے طریق سلف کی جانب رجوع کر لیا تھا۔

اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ پھر اس کی غایت مطلوبہ بھی کوئی نہیں، اگر تم یہ کہو کہ جس فاعل کے فعل سے کوئی حکمت مقصود نہیں وہ نادان ہے اور اس کا فعل عبث ہے، جواباً کہا جا سکتا ہے، کہ سبب حادث کے بغیر کسی چیز کو پیدا کرنا بھی نادانی ہے، بلکہ عقلاً یہ اس سے مذموم تر ہے جو شخص یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال مشیت کے تابع اور بلا علت ہوتے ہیں، اس کا قول تمہارے قول سے بہتر ہے کیونکہ یہ قول تسلسل سے خالی ہے اور اس سے یہ استحالہ بھی لازم نہیں آتا کہ وہ ایسی حکمت کی بنا پر کام کرتا ہے جو اس سے منفصل ہوتی ہے، بلاشبہ معتزلہ کا قول تسلسل کی زد میں نہیں آتا، مگر اہل سنت والحدیث میں سے جو لوگ تعلیل کے معتقد ہیں وہ جملہ اعتراضات سے بچ جاتے ہیں۔

فعل قبیح اور ذات باری:

شیعہ مصنف کا یہ قول کہ اہل سنت کے نزدیک اللہ تعالیٰ فعل قبیح اور اخلال بالواجب کا مرتکب ہوسکتا ہے، قطعی طور پر بے بنیاد ہے، اس لئے کہ کوئی مسلم یہ عقیدہ نہیں رکھتا، البتہ منکرین تقدیر اللہ تعالیٰ کو مخلوقات پر قیاس کرتے اور کہتے ہیں کہ وہ بھی واجبات اور محرمات کا پابند ہے، گویا وہ افعال خداوندی کو افعال مخلوق جیسا تصور کرتے ہیں، بخلاف ازیں شیعہ اور اہل سنت میں سے جو لوگ تقدیر کے قائل ہیں وہ بالاتفاق یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ ذات وصفات میں بے نظیر ہے، اسی طرح وہ اپنے افعال میں بھی عدیم المثال ہے، بنابریں جو اشیا وامور ہم پر واجب یا حرام ہیں اس پر واجب وحرام نہیں اور جو چیز ہمارے لیے قبیح ہے وہ اس کے حق میں قبیح نہیں، وہ اس ضمن میں بھی متحد الخیال ہیں کہ اس کے وعدہ کا وقوع ناگزیر ہے، قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ﴾ (آل عمران: ۳/ ۹، الرعد: ۱۳/ ۳۱)

''اللہ تعالیٰ وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔''

اسی طرح اللہ تعالیٰ انبیاء واولیاء کو عذاب میں مبتلا نہیں کرتا، بلکہ جنت میں داخل کرے گا، البتہ دو مسائل میں ان کے یہاں اختلاف پایا جاتا ہے۔

پہلا مسئلہ:

پہلا مسئلہ یہ ہے کہ آیا بنی نوع انسان اپنی عقل کے بل بوتے پر بعض افعال کے حسن کو معلوم کر سکتے ہیں یا نہیں، نیز یہ کہ کیا ذات الٰہی اپنے افعال سے متصف ہے، یا نہیں؟ اسی طرح کیا وہ بعض افعال کی قباحت اور ذات باری کے ایسے افعال سے منزہ ہونے کو بھی جانتے ہیں یا نہیں؟ اس میں دو

قول ہیں۔

۱۔ پہلا قول یہ ہے کہ عقل کی مدد سے حسن و قبح کو معلوم نہیں کیا جا سکتا، اللہ کی ذات میں تو اس لیے نہیں کہ قبیح کہ صدور اس سے ممتنع لذاتہ ہے اور بندوں کے حق میں حسن و قبح کے نہ معلوم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حسن و قبح کا اثبات صرف شریعت سے ہوتا ہے، یہ اشاعرہ اور بہت سے فقہاء کا قول ہے، اگر حسن کو ملائم و موافق اور قبیح کو منافی و مخالف کے معنی میں لیا جائے تو یہ ان کے نزدیک بالاتفاق عقل سے معلوم کیا جا سکتا ہے، علی ہذا القیاس اگر حسن سے صفت کمال اور قبح سے صفت نقصان مراد لی جائے تو اس کا عقل سے دریافت کرنا ممکن ہے۔

۲۔ دوسرا قول یہ ہے کہ عقل کی مدد سے اللہ تعالیٰ اور بندوں کے بہت سے افعال کا حسن و قبح معلوم کیا جا سکتا ہے، معتزلہ کے دوش بدوش کرامیہ، [1] جمہور حنفیہ ابوبکر ابہری مالکی اور حنابلہ میں سے ابوالحسن تمیمی اور ابوالخطاب کلواذی بھی اسی کے قائل ہیں۔ ابوالخطاب نے بیان کیا ہے کہ بہت سے اہل علم یہی عقیدہ رکھتے ہیں۔ مثلاً محدثین میں سے ابوسنجری اور سعد زنجانی کا یہی نظریہ ہے۔

ورودِ شرع سے پہلے حظر و اباحت کا مسئلہ:

اگر کسی معاملہ میں شریعت کا کوئی حکم وارد نہ ہو تو اس کے بارے میں کیا فیصلہ صادر کیا جائے ؟

---

[1] کرامیہ محمد بن کرام سیستانی المتوفی ۲۵۵ھ کی پیروی کرتے ہیں یہ بڑا عابد و زاہد تھا اس کی شب زندہ داری کے پیش نظر ہزاروں لوگ اس کے دام فریب میں آ گئے، محدث ابن حبان اس کے بارے میں فرماتے ہیں، اس نے سب مذاہب میں سے گھٹیا مذہب اختیار کیا تھا، احادیث نبویہ میں سے ضعیف ترین احادیث جمع کر رکھی تھیں، اس نے امام بخاری رحمہ اللہ کی خدمت میں ایک کتاب بھیج کر اس میں درج کردہ احادیث کے متعلق دریافت کیا ان میں یہ حدیث بھی تھی ''زہری سالم سے اور وہ اپنے والد سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ ایمان کم و بیش نہیں ہوتا۔'' امام بخاری نے کتاب کی پشت پر ارقام فرمایا: جو شخص یہ احادیث بیان کرے وہ ضرب شدید اور حبس طویل کا مستوجب ہے۔ ابن الکرام کا نظریہ تھا کہ قول باللسان کا نام ایمان ہے، اگر دل میں کوئی شخص کفر کا معتقد ہو تو زبان سے کلمہ پڑھ کر وہ مومن ہو سکتا ہے، کرامیہ کہتے ہیں اللہ کا جسم ہے مگر باقی اجسام کی طرح نہیں ابن الکرام کو بدعات کے جرم میں نیشاپور کے شہر میں اسے آٹھ سال تک محبوس رکھا گیا تھا۔ پھر نکال دیا گیا۔ چنانچہ وہ بیت المقدس کی طرف چلا گیا اور اس کی موت فلسطین ہی میں واقع ہوئی۔

ائمہ دین اس ضمن میں مختلف الخیال ہیں۔ علماء احناف اور بہت سے شوافع و حنابلہ ایسی چیز کو مباح خیال کرتے ہیں۔ ابن سُریج۔ ابن اسحاق مروزی۔ ابوالحسن تمیمی اور ابوالخطاب کی یہی رائے ہے۔

متعدد علماء مثلاً ابوعلی بن ابی ہریرہ، ابن حامد اور قاضی ابویعلی ایسی چیز کو حرام تصور کرتے ہیں۔

بہت سے لوگوں کا زاویۂ نگاہ یہ ہے کہ یہ دونوں قول ایسی صورت میں درست ہو سکتے ہیں جب حسن و قبح کا انحصار عقل پر ہو۔ جو شخص عقل سے احکام معلوم کرنے کا قائل نہیں وہ شرعی حکم کے وارد ہونے سے قبل کوئی فیصلہ صادر نہیں کرسکتا۔ چنانچہ امام اشعری، ابوالحسن جزری، ابوبکر صیرفی اور ابن عقیل کا نقطۂ نظر یہی ہے۔

دوسرا مسئلہ:

علماء کے یہاں یہ مسئلہ محل نزاع ہے کہ آیا ذات باری پر کوئی امر واجب یا حرام ہے یا نہیں؟ اور آیا اس کی ذات کو وجوب و حرام سے موصوف کر سکتے ہیں یا نہیں؟

علماء کی ایک جماعت یہ رائے رکھتی ہے کہ ذات خداوندی پر کوئی چیز واجب یا حرام نہیں، بلکہ کسی چیز کے اس پر واجب ہونے کے معنی یہ ہیں کہ وہ چیز وقوع پذیر ہوگی اور حرام ہونے سے یہ مراد ہے کہ وہ ظہور پذیر نہیں ہوگی۔

علماء کا دوسرا گروہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بذات خود بعض اشیاء کو اپنے پر واجب اور بعض کو حرام ٹھہرایا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے۔

﴿كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ﴾ (الانعام:٦/٥٤)

''تمہارے رب نے اپنے آپ پر رحمت لکھ رکھی ہے۔''

نیز فرمایا:

﴿وَ كَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (الروم:٣٠/٤٧)

''مومنوں کی مدد کرنا ہم پر حق ہے۔''

حدیث نبوی میں وارد ہے:

''میرے بندو! میں نے اپنی ذات پر ظلم کو حرام قرار دے رکھا ہے۔''[1]

---

[1] صحیح مسلم کتاب البر والصلة۔ باب تحریم الظلم (حدیث:٢٥٧٧)

البتہ ہم اس کی ذات پر کسی چیز کو واجب یا حرام نہیں ٹھہرا سکتے۔ [1] جو یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ ذات باری پر کوئی چیز حرام یا واجب نہیں تو اس کے نزدیک اللہ تعالیٰ نہ قبیح کا مرتکب ہوسکتا ہے اور نہ اخلال بالواجب کا۔

بخلاف ازیں جو یہ کہتا ہے کہ اس نے بندوں کو آگاہ کر کے اپنی ذات پر بعض اشیاء کو واجب یا حرام قرار دے رکھا ہے اس کے نزدیک اللہ تعالیٰ اپنی ذات پر عائد کردہ پابندیوں میں خلل اندازی نہیں کرتا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ، شیعہ مصنف کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''تم اسی راہ پر گامزن ہو جس پر تمہارے نظائر و امثال چل رہے ہیں، ایک چیز کو بطریق الزام نقل کرتے اور اہل سنت کو ایسے امور کا قائل قرار دیتے ہو جو انھوں نے نہیں کہی۔ تم نے اہل سنت کے اقوال سے یہ قول استنباط کر لیا کہ ''اللہ پر کوئی چیز واجب نہیں اور کوئی چیز اس کے لیے قبیح بھی نہیں'' یہ دعویٰ ہے جس کی کوئی دلیل نہیں۔''

مزید برآں اہل سنت تقدیر کے قائل ہیں اور بصراحت کہتے ہیں:

'' مَا شَآءَ اللّٰهُ كَانَ وَ مَا لَمْ يَشَأْ لَمْ يَكُنْ ''

''اللہ نے جو چاہا وہ ہو گیا اور جو نہ چاہا وہ نہ ہوا۔''

اہل سنت کے نزدیک ہدایت فضل خداوندی ہے۔ بخلاف ازیں تمہارے خیال میں بندہ کے لیے وہ کام کرنا جو ذات باری نے اپنے آپ پر واجب کر رکھا ہے اس کے لیے ضروری ہے اور اس کی ضد حرام ہے۔ خلاصہ کلام! تم نے بعض اشیاء کو اللہ تعالیٰ پر واجب اور بعض کو حرام قرار دے رکھا ہے۔ حالانکہ اس نے خود ان کو واجب نہیں ٹھہرایا اور نہ ان کا وجوب شرع و عقل کی روشنی میں ثابت ہے۔

یہ عجب بات ہے کہ ان کو واجب نہ ٹھہرانے والوں کی جانب تم یہ قول منسوب کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ اخلال بالواجب کا مرتکب ہوتا ہے۔ یہ صریح قسم کا دجل وفریب ہے۔

شیخ الاسلام شیعہ مناظر سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

کیا افعال خداوندی معلَّل بالحِکَم ہیں؟:

تم اہل سنت کے متعلق یہ کہتے ہو کہ ان کے یہاں افعال باری تعالیٰ غرض وحکمت پر مبنی ہیں۔

---

[1] دیکھیے کتاب التوسل و الوسیلة از شیخ الاسلام ابن تیمیہ، طبع السّلفیہ، ص: ۵۷۔۵۸ نیز ۶۱۔۶۲)

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال و احکام کے معلّل بالحکم ہونے میں اہل سنت کے دو قول ہیں۔ اکثر علماء فقہیات پر تبصرہ کرتے وقت تعلیل احکام کو تسلیم کرتے ہیں، علماء اصول میں سے بھی بعض بصراحت تعلیل کے معترف ہیں۔

جہاں تک افعال خداوندی کی ''غرض'' کا تعلق ہے۔ معتزلہ امامتِ شیخین (ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما) کے قائل ہونے کے باوصف اس کی تصریح کرتے ہیں۔ البتہ فقہاء اور ان کے ہم نوا علماء کے نزدیک لفظ غرض سے نقص کا مفہوم مترشح ہوتا ہے لہٰذا وہ ذات باری پر اس کا اطلاق نہیں کرتے، مثلاً جب کسی سے کہا جاتا ہے ''فُلَانٌ لَّہٗ غَرَضٌ'' یا کہا جاتا ہے ''فَعَلَ لِغَرَضٍ'' تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس نے مذموم مقصد کے پیش نظر وہ کام انجام دیا۔ حالانکہ ذات باری اس سے منزہ ہے۔

تم یہ کہتے ہو کہ اہل سنت کے نزدیک اللہ تعالیٰ ظلم و عبث کا مرتکب ہوسکتا ہے۔ ایسی بات کسی مسلمان کے منہ سے نہیں نکل سکتی۔ تَعَالٰی اللّٰہُ عَنْ ذٰلِكَ عُلُوًّا کَبِیْرًا۔

البتہ اہل سنت اللہ تعالیٰ کو افعالِ عباد کا خالق قرار دیتے ہیں۔ قرآن کریم میں فرمایا:

﴿هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ﴾ (الانعام:۶/۱۰۲)

''وہ ہر چیز کا خالق ہے۔''

ظلم کا صدور اس شخص سے ہوتا ہے جو اس کا مرتکب ہوتا ہے۔ ظلم کا پیدا کرنے والا (ذاتِ خداوندی) ظالم نہیں ہوجاتا۔ غور کیجیے کہ عبادات، روزہ اور حج وغیرہ کو بھی اسی نے پیدا کیا ہے، مگر ان کو پیدا کرنے سے وہ عابد، روزہ دار اور حاجی نہیں بن گیا۔ اسی طرح بھوک کو بھی اسی نے پیدا کیا، مگر وہ بھوکا نہیں بن گیا۔ تو پھر ظلم کی تخلیق سے وہ ظالم کیوں کر ٹھہرا؟

قاعدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی جگہ کسی صفت یا فعل کو پیدا کرتا ہے تو وہ اس فعل یا صفت سے متصف نہیں ہوتا۔ اگر ایسا ہوتا تو اسے تمام پیدا کردہ اَعراض (جمع عَرض وہ چیز جو بذاتِ خود قائم نہ ہو بلکہ اس کا وجود کسی چیز کے باعث ہو) کے ساتھ موصوف کردیا جاتا۔

معتزلہ کی لغزش:

معتزلہ اور ان کے اتباع نے یہاں زبردست ٹھوکر کھائی ہے، ان کا قول ہے کہ کلام خداوندی وہی ہے جو اس نے دوسروں میں پیدا کی اور اس کے افعال وہی ہیں جو اس کی ذات سے الگ ہیں۔ خلاصہ کلام کوئی قول و فعل ذات الٰہی سے وابستہ و قائم نہیں۔ ملائکہ اور انبیاء و رسل جو کچھ فرماتے رہے

وہی کلام ربانی ہے۔

معتزلہ سے کہا جائے گا کہ کوئی صفت جب کسی محل میں قائم ہوتو اس کا حکم اس محل پر عائد ہوتا ہے غیر پر نہیں، مثلاً جب اللہ تعالیٰ کسی جگہ حرکت کو جنم دے گا تو وہی چیز متحرک کہلائے گی نہ کہ حرکت کا پیدا کنندہ۔ اسی طرح جب وہ کسی محل میں رنگ، ہوا یا علم وقدرت کو پیدا کرے گا تو وہی چیز رنگین ہوا دار اور قادر و عالم کہلائے گی نہ کہ ان امور کا پیدا کرنے والا۔ نظر بریں جب باری تعالیٰ کسی میں کلام کو جنم دے گا تو وہی شخص متکلم کہلائے گا نہ کہ اللہ تعالیٰ۔

معتزلہ اپنے نقطہ نگاہ کے اثبات میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جس طرح محسن و عادل ہے اور اس کی صفت عدل و احسان کا تعلق اس کی مخلوقات سے ہے اسی طرح وہ متکلم ہے اور اس کی صفت کلام مخلوقات سے وابستہ ہے۔ یہ دلیل اشاعرہ کے یہاں حجت ہوسکتی ہے۔ کیونکہ ان کی رائے میں کسی فعل کا قیام بھی ذات خداوندی کے ساتھ نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صفت خلق کا مظہر مخلوقات ہیں اور بس۔ امام شافعی اور احمد بن حنبل رحمہم اللہ کے اصحاب کی ایک جماعت بھی یہی رائے رکھتی ہے۔ بخلاف ازیں جمہور کا زاویۂ نگاہ یہ ہے کہ صفت خلق اور مخلوق میں فرق ہے اور دونوں ایک نہیں۔ احناف بھی اسی کے قائل ہیں۔

امام اشعری نے چونکہ مذکورۃ الصدر نظریہ اختیار کیا ہے بنا بریں انھیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ بندوں کے افعال اللہ کے افعال ہیں، اس لیے ان کے نزدیک افعال العباد اور افعال باری کے مابین کوئی دیوار حائل نہیں۔ دونوں ایک ہی چیز ہیں، بندوں کی جانب افعال کی نسبت مجازاً کردی جاتی ہے۔ اشعری کے نزدیک بنی نوع انسان جو افعال انجام دیتے ہیں اس کا نام کسب ہے۔ وہ کسب کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں کہ جو چیز قدرت حادثہ کے محل میں قدرت کی معیت و رفاقت کے ساتھ حاصل ہو وہ کسب ہے۔ اکثر لوگ اس کا ابطال کرتے اور کہتے ہیں۔ کہ علم الکلام میں تین عجائبات ہیں:

(۱) نظام کا طغرہ [1]

---

[1] ابراہیم بن سیار نظام المتوفی (۱۸۵۔۲۲۱) بصرہ کے اکابر معتزلہ میں سے تھا۔ عالم شباب میں ثنویہ دہریہ اور ملاحدہ کی صحبت میں رہا۔ اور ہر فرقہ کے نظریات سے استفادہ کیا۔ یہ حد درجہ ذہین تھا۔ مشہور ادیب جاحظ کہا کرتا تھا کہ نظام جیسے آدمی صدیوں بعد پیدا ہوتے ہیں۔ طغرہ نظام کی ایک فلسفیانہ اصطلاح ہے جس کی تشریح یہاں خارج از بحث ہے۔

(۲) احوال ابی ہاشم [1]

(۳) امام اشعری کا کسب۔

جمہور اہل سنت کا قول ہے کہ بندے درحقیقت اپنے افعال کے فاعل ہوتے ہیں۔ امام اشعری [2] کا آخری قول یہی ہے۔

شیخ الاسلام شیعہ مناظر کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''تم اہل سنت کے متعلق یہ کہتے ہو کہ ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ وہ کام نہیں کرتا جو بندوں کے لیے اصلح ہو، بلکہ وہ ایسے کام کرتا ہے جو فساد کے موجب ہوں، مثلاً کفر و عصیان وغیرہ یہ سب امور اللہ تعالیٰ کی جانب منسوب ہیں۔ (تَعَالَی اللّٰهُ عَنْ ذٰلِكَ)

اللہ تعالیٰ بندوں کی حرکات و عبادات کا خالق ہے:

ہم جواباً کہتے ہیں کہ بے شک بعض اہل سنت اور شیعہ کا نقطۂ نظر یہی ہے مگر جمہور اہل سنت اس کے خلاف ہیں، ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ جملہ اشیاء کا خالق و مالک ہے باری تعالیٰ نے ان کو بھی پیدا کیا اور ان کی حرکات، عبادات اور ارادات کو بھی جنم دیا۔

منکرین تقدیر اس چیز کو اللہ تعالیٰ کی ملکیت سے خارج قرار دیتے ہیں جو اس کی مخلوقات میں سب سے اولیٰ و اعلیٰ ہے...... اور وہ اللہ کے انبیاء، اولیاء اور ملائکہ کی طاعت و عبادت ہے۔

منکرین تقدیر کا عقیدہ یہ ہے کہ باری تعالیٰ نے عبادت کو پیدا نہیں کیا، وہ بندے کو عبادت پر لگا سکتا ہے نہ اس کے ذہن میں عبادت کا خیال القاء کر سکتا ہے وہ کسی کو ہدایت عطا کرنے پر بھی قادر نہیں۔

قرآن کریم میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی زبانی منقول ہے:

---

[1] ابو ہاشم عبد السلام بن ابو علی محمد الجبائی (المتوفی ۲۴۷۔۳۲۱)، ابو ہاشم اور اس کا والد کبار معتزلہ میں سے تھے۔

[2] امام اشعری کے افکار و عقائد تغیر پذیر رہے۔ آغاز کار میں وہ معتزلی المشرب تھے۔ پھر معتزلہ کے خلاف صف آراء ہوئے اور ان کے نظریات کا ابطال کرنے لگے۔ پھر ان کا خاتمہ بالخیر ہوا اور خلوص نیت سے سلف کے پیرو بن گئے۔ قبل ازیں ہم اس پر روشنی ڈال چکے۔

﴿رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ﴾

(البقرۃ:۲/۱۲۸)

''اے ہمارے رب! ہم دونوں کو اپنے لیے اطاعت شعار بنا لے اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک مسلم جماعت تیار کر دے۔''

نیز فرمایا:

﴿رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلٰوةِ﴾ (ابراھیم:۱۴/۴۰)

''اے میرے رب مجھے نماز کا پابند بنا دے۔''

جہاں تک اس مسئلہ کا تعلق ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے وہ کام نہیں کرتا جو ان کے لیے اصلح ہو۔ قائلین تقدیر میں سے ایک جماعت یہی عقیدہ رکھتی ہے۔ ان کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کا خلق و امر اس کی مشیت کے تابع ہے، کسی مصلحت پر موقوف نہیں اس کے عین برعکس جمہور علماء یہ رائے رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بندوں کو اسی بات کا حکم دیتا ہے جس میں ان کی فلاح و بہبود مضمر ہوتی ہے، اور اسی چیز سے روکتا ہے جو باعث فساد ہوتی ہے انبیاء کی بعثت بھی مصلحت عامہ کے تحت عمل میں آئی ہے۔ اگر بعض لوگوں کو اس سے نقصان پہنچتا ہو تو بھی یہ مبنی برحکمت ہے۔ اکثر محدثین، فقہاء، صوفیاء اور کرامیہ یہی عقیدہ رکھتے ہیں۔ ان کا قول ہے کہ اللہ کی پیدا کردہ اشیاء میں بعض ضرر رساں ہیں مثلاً گناہ، تاہم یہ کہنا پڑے گا کہ ان میں کوئی حکمت و مصلحت ضرور ہے جس کی بناء پر ان کی تخلیق عمل میں آئی۔

تم جو بات کہہ رہے ہو وہ شیعہ اکابر کے افادات میں سے نہیں بلکہ یہ معتزلہ کا قول ہے، جو انھوں نے مسائل تقدیر میں مبالغہ کرنے والے اشاعرہ کے خلاف کیا۔ اشاعرہ نے تقدیر کے مسئلہ میں اس حد تک اغراق و مبالغہ سے کام لیا کہ انھیں جبریہ کہا جانے لگا۔ حیوانات میں جن طبائع و قوی کو ودیعت کیا گیا ہے وہ ان کے منکر تھے، ان کے خیال میں مخلوقات کی تخلیق کسی حکمت و علت پر مبنی نہیں۔ کہا گیا ہے کہ وہ اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ جو کام انجام دیتا ہے اس کی غرض بندوں کے لیے جلب منفعت یا دفع مضرت ہے۔ حالانکہ وہ یہ نہیں کہتے کہ باری تعالیٰ مصلحت کے پیش نظر کوئی کام نہیں کرتا بلکہ ان کا قول صرف یہ ہے کہ مصلحت کو پیش نظر رکھنا اس پر واجب نہیں۔ ان کی رائے میں اللہ تعالیٰ کوئی کام کسی غرض کے پیش نظر نہیں کرتا بلکہ محض ارادہ کی بناء پر کرتا ہے۔

اہل سنت پر بہتان عظیم:

''تم اہل سنت کا یہ قول نقل کرتے ہو کہ اطاعت گزار ثواب کا استحقاق نہیں رکھتا اور عاصی سزا کا مستوجب نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ بعض اوقات نبی کو سزا دیتے اور ابلیس پر رحم فرماتے ہیں۔''

یہ اہل سنت پر عظیم بہتان ہے۔ اہل سنت کا کوئی فرد یہ نہیں کہتا کہ اللہ تعالیٰ نبی کو سزا دیتا اور ابلیس پر رحم کرتا ہے بخلاف وہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لیے گناہ گار کو معاف کرنا اور اہل کبائر کو دوزخ سے نکالنا جائز ہے۔ وہ کسی اہل توحید کو دائمی طور پر جہنم رسید نہیں کرے گا۔ جہاں تک نفس استحقاق کا تعلق ہے اہل سنت کے نزدیک بندہ کا کوئی حق اللہ پر واجب نہیں۔ البتہ یہ امر ضروری ہے کہ وہ حسب وعدہ نیکوکاروں کو جزا دے گا کیونکہ وہ وعدہ شکنی کا مرتکب نہیں ہوتا، جہاں تک اپنے پر جزا وسزا کو واجب کرنے اور عقل سے اس کی معرفت حاصل کرنے کا تعلق ہے یہ متنازع فیہ ہے۔ تاہم اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ وہ جسے چاہے عذاب میں مبتلا کرے تو کوئی شخص اسے روکنے پر قادر نہیں۔

قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

﴿قُلْ فَمَن يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَ اُمَّهٗ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا﴾ (المائدة: ۵/۱۷)

''آپ فرمائیں کون اللہ تعالیٰ سے کسی چیز کا مالک ہے اگر وہ مسیح ابن مریم ان کی والدہ اور کرۂ ارضی پر بسنے والے سب لوگوں کو ہلاک کردے۔''

مخلوقات میں سے جدل و بحث کرنے والوں سے اگر اللہ تعالیٰ بھی مناقشہ کرتا تو انھیں عذاب دیتا۔ حدیث میں وارد ہے۔ رسول اللہ علیہ السلام نے فرمایا:

''جس سے محاسبہ کرتے وقت (بروز قیامت) نوک جھونک کی گئی وہ ہلاک ہوا۔''[1]

نیز آپ نے ارشاد فرمایا:

''کوئی شخص اپنے اعمال کے بل بوتے پر جنت میں نہیں جائے گا۔'' صحابہ نے عرض کیا: حضور! کیا آپ بھی نہیں؟ فرمایا: ''نہیں مگر یہ کہ رحمت خداوندی مجھے اپنے دامن میں

---

[1] صحیح بخاری کتاب العلم۔ باب من سمع شیئاً فراجع حتی یعرفه (حدیث: ۱۰۳)، صحیح مسلم۔ کتاب الجنة۔ باب اثبات الحساب (حدیث: ۲۸۷۶)

چھپالے۔‘‘ ➊

حقیقت حال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب بھی کسی کو عذاب دے گا تو وہ حق کی بناء پر دے گا کیونکہ اس کی ذات ظلم سے بلند تر ہے۔

شیخ الاسلام شیعہ مصنف کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’تم کہتے ہو کہ اہل سنت کے نزدیک انبیاء غیر معصوم ہیں۔‘‘ یہ باطل ہے۔ اہل سنت اس ضمن میں متحد الخیال ہیں کہ شرعی احکام کے پہنچانے میں انبیاء معصوم ہیں۔ رسالت کا اصلی مقصد بھی یہی ہے۔ بعض اوقات ان سے گناہ کا صدور ہوتا ہے مگر وہ گناہ اور فسق و خطا پر قائم نہیں رہتے۔ گویا وہ ہر ایسی بات سے منزہ ہیں جو نبوت میں قادح ہو۔ جمہور میں سے جن علماء کے نزدیک انبیاء سے صغائر کا صدور ممکن ہے وہ کہتے ہیں کہ انبیاء صغائر پر مصر نہیں رہتے۔ سیدنا داؤد علیہ السلام کو توبہ کرنے کے بعد جو مرتبہ عالی ملا وہ توبہ سے پہلے حاصل نہ تھا۔ بندہ بعض اوقات ایک برائی کا ارتکاب کرتا ہے اور اس کی وجہ سے جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔

مگر شیعہ کا معاملہ مختلف ہے وہ بڑی حد تک نصاریٰ سے ملتے جلتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آوامر و آخبار میں انبیاء کی اطاعت و تصدیق کا حکم دیا اور لوگوں کو غلو و شرک سے روکا۔ مگر نصاریٰ بدل گئے۔ اور اس حد تک غلو سے کام لیا کہ شرک میں مبتلا ہو گئے۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے دین کو بدل ڈالا اور اس طرح ان کی نافرمانی کے مرتکب ہو کر عاصی ٹھہرے دین میں غلو کر کے اس کی حدود سے تجاوز کر گئے۔

روافض کا غلو:

روافض نے انبیاء کرام اور ائمہ کی شان میں اس حد تک مبالغہ آمیزی کا مظاہرہ کیا کہ انھیں رب بنا لیا۔ انبیاء کی توبہ و استغفار کے ضمن میں جو نصوص وارد ہوئی تھیں ان کی تکذیب کرنے لگے۔ تم دیکھتے ہو کہ مساجد میں جمعہ و جماعت کا نام نہیں مگر قبروں پر بنا کردہ مقابر کی تعظیم و تکریم میں وہ پیش پیش نظر آتے ہیں۔ ان پر اعتکاف بیٹھتے اور ان کا حج کرنے جاتے ہیں اس کی حد یہ ہے کہ بعض شیعہ ان زیارتوں کو حج بیت اللہ کے مقابلہ میں ترجیح دیتے ہیں۔

➊ صحیح بخاری۔ کتاب الرقاق، باب القصد والمداومة علی العمل ، (حدیث: ٦٤٦٣)
صحیح مسلم ، کتاب صفات المنافقین(حدیث:٢٨١٦)

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

''اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے انھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجدیں بنا لیا۔''

آپ ان کے فعل سے ڈراتے تھے۔ ❶ نیز آپ نے فرمایا:

''وہ بدترین لوگ ہوں گے جن کی زندگی میں قیامت آئے گی اور جو لوگ قبروں کو مسجدیں بناتے ہیں۔ ❷

محدث ابن حبان نے اپنی صحیح میں یہ روایت ذکر کی ہے۔ آپ نے مزید ارشاد فرمایا۔

" اَللّٰهُمَّ لَا تَجعَلُ قَبرِیُ وَثُنًا یُّعُبَدُ اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلٰی قَوْمٍ اِتَّخَذُوا قُبُورَ اَنبِيَائِهِمْ مَسَاجِدًا" ❸ (موطا امام مالك)

''اے اللہ میری قبر کو بت نہ بنانا جس کی عبادت کی جائے اس قوم پر اللہ کا شدید غضب نازل ہوا جنھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجدیں بنالیا۔''

شیعہ کے مشہور عالم شیخ المفید نے "حج المشاهد" کے نام سے ایک کتاب تحریر کی ہے جس میں مخلوقات کی قبروں کی زیارت کو حج سے تعبیر کیا ہے۔ ❹

---

❶ صحيح بخاری کتاب الصلاة، باب (٥٥) (حديث:٤٣٥-٤٣٦) صحيح مسلم- كتاب المساجد- باب النهى عن المسجد على القبور(حديث:٥٣١،٥٢٩)

❷ صحيح ابن حبان(٢٣١٩)، مسند احمد(٤٠٥/١)

❸ موطا امام مالك(١٧٢/١) كتاب قصر الصلاة فى السفر ح:٨٥، بدون السند، مسند احمد(٢٤٦/٢)

❹ اکابر شیعہ نے شیخ المفید کی کتاب کے علاوہ بھی متعدد کتب مقامات مقدسہ کی زیارت پر لکھی ہیں اور عوام کے یہاں اسی طرح مقبول و متداول ہیں جیسے قرآن کریم۔ شیعہ اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے کہ مقامات مقدسہ کو مکہ مکرمہ۔ خانہ کعبہ اور سات آسمانوں کے مقابلہ میں افضل قرار دیا جائے۔

میں نے ایک مرتبہ فارسی زبان کے ایرانی رسالہ ''پرچم اسلام'' مجریہ ١٠/محرم ١٣٦٦ھ بروز جمعرات میں حسب ذیل عربی اشعار اور ان کا فارسی ترجمہ دیکھا تھا۔ اس رسالہ کا ایڈیٹر عبدالکریم فقیہی شیرازی ہے۔

هِیَ الطُّفُوفُ فَطُفْ سَبْعًا بِمَعْنَاهَا

فَمَا لِمَكَّةَ مَعْنًى مِّثْلَ مَعْنَاهَا

''تم نے اہل سنت کا یہ قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ علیہ السلام نے کسی کو امام مقرر نہیں کیا تھا اور آپ بلا وصیت فوت ہو گئے۔ واضح ہو کہ یہ جمہور اہل سنت کا قول نہیں۔ اہل سنت میں سے ایک جماعت کا زاویۂ نگاہ یہ ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امامت نص سے ثابت ہے۔ ابویعلی نے اس ضمن میں امام احمد سے دو روایتیں ذکر کی ہیں۔

۱۔ ایک روایت کے مطابق سیدنا ابوبکر انتخاب کی بناء پر خلیفہ قرار پائے۔

۲۔ امام احمد کا دوسرا قول یہ ہے کہ آپ کی امامت نص خفی اور اشارہ سے ثابت ہے۔ سیدنا حسن بصری بکر بن اخت عبدالواحد اور بعض خوارج اسی کے قائل ہیں۔

ابن حامد کہتے ہیں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امامت کی نص وہ حدیث ہے جسے امام بخاری مسندا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

احادیث نبویہ سے خلافت ابی بکر کا اثبات:

ایک عورت بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئی۔ آپ نے اسے دوبارہ حاضر ہونے کے لیے مامور فرمایا۔ وہ بولی: ''اگر میں آؤں اور آپ کو موجود نہ پاؤں۔'' (یعنی آپ وفات پا جائیں) فرمایا: ''اگر

اَرْضٌ وَلٰكِنَّمَا السَّبْعُ الشِّدَادُ لَهَا
دَانَتْ وَطَاْطَاَ اَعْلَاهَا لِاَدْنَاهَا

(یہ اشعار اور ان کا ترجمہ پہلے گزر چکا ہے۔)

الطفوف طف کی جمع ہے یہ ارض کربلا کا نام ہے اس میں ایک فرضی قبر ہے جس کی تزئین و آرائش پر شیعہ نے کروڑوں روپیہ صرف کیا اور یہ کہہ کر اپنے لیے تسکین و اطمینان کا سامان بہم پہنچایا ہے کہ یہ نبیرۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی قبر ہے یہ شاعر ان کفریات کے سامع و قاری کو اس فرضی قبر پر سات مرتبہ طواف کرنے کا حکم دیتا ہے اور بتاکید کہتا ہے کہ جو فضیلت ان کی تعمیر کردہ فرضی قبر کی بناء پر اس کربلا کو حاصل ہے وہ سرزمین مکہ کو خانہ کعبہ کی وجہ سے کہاں نصیب! پھر یہاں تک کہتا ہے کہ اس کی نشیب ترین زمین کے سامنے سات آسمانوں کی بلند ترین جگہ سجدہ ریز ہے۔ غالباً اس کا اشارہ عرش اعظم کی جانب ہے۔ رسالہ کے ایڈیٹر عبدالکریم شیرازی کو یہ خطرہ دامن گیر تھا کہ شائد اس کے عام قارئین ان کفریہ اشعار کو سمجھنے پر قادر نہ ہوں اس لیے اس نے بکمال امانت و دیانت فارسی زبان میں اشعار کا ترجمہ کر دیا۔

تو مجھے نہ پائے تو ابوبکر کی خدمت میں حاضری دیجیے۔ ❶

ابن حامد نے متعدد احادیث ذکر کر کے لکھا کہ ''یہ احادیث امامت ابی بکر کے بارے میں نص ہیں''

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ علیہ السلام نے فرمایا:

''ان دونوں کی پیروی کیجیے جو میرے بعد (خلیفہ) ہوں گے۔'' آپ نے سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں یہ الفاظ ارشاد فرمائے۔ ❷

عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک روز سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا:

''کیا تم میں سے کسی نے خواب دیکھا ہے؟'' میں نے عرض کیا۔ حضور میں نے دیکھا کہ آسمان سے ایک ترازو لٹکایا گیا ہے پھر آپ کو سیدنا ابوبکر کے ساتھ وزن کیا گیا اور آپ بھاری نکلے۔ پھر سیدنا عمر و ابوبکر کو تولا گیا تو ابوبکر والا پلڑا جھک گیا۔ پھر سیدنا عمر کو سیدنا عثمان کے مقابلہ میں وزن کیا گیا تو سیدنا عمر وزنی ثابت ہوئے۔ پھر ترازو اٹھ گیا۔ رسول اللہ علیہ السلام نے فرمایا یہ خلافت نبوت کی جانب اشارہ ہے اس کے بعد اللہ جسے چاہے حکومت و سلطنت سے نوازے۔ ❸

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''آج ایک نیک آدمی نے خواب دیکھا کہ سیدنا ابوبکر کو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے باندھ دیا گیا ہے، اسی طرح سیدنا عمر کو ابوبکر سے اور سیدنا عثمان کو عمر فاروق سے وابستہ کر دیا گیا تھا۔'' جابر کہتے ہیں جب ہم بارگاہ رسالت سے اٹھے تو ہم نے کہا نیک آدمی سے رسول اللہ کی ذاتِ اقدس مراد ہے اور ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ کرنے کے معنی یہ

❶ صحیح بخاری کتاب فضائل أصحاب النبی صلی اللّٰہ علیہ و سلم۔ باب قول النبی صلی اللّٰہ علیہ " لو کنت متخذا خلیلاً (حدیث: ۳۶۵۹)۔ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة باب من فضائل ابی بکر الصدیق رضی الله عنه (حدیث: ۲۳۸۶)

❷ سنن ترمذی۔ کتاب المناقب۔ باب (۱۶) (حدیث: ۳۶۶۲) سنن ابن ماجة۔ المقدمة۔ باب فضل ابی بکر الصدیق رضی الله عنه (حدیث: ۹۷)

❸ مسند احمد (۵/۴۴، ۵۰) سنن ابی داؤد۔ کتاب السنة۔ باب فی الخلفاء (حدیث: ۴۶۳۴۔۴۶۳۵) تاہم اس میں خواب دیکھنے والے سیدنا ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نہیں تھے بلکہ ایک دوسرے صحابی تھے۔ واللہ اعلم)

ہیں کہ یہ آپ کے خلفاء ہیں۔ ❶

صالح بن کیسان، زہری سے روایت کرتے ہیں وہ عروہ سے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: جس روز رسول اللہ کو درد شروع ہوئی تو میں خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپ نے فرمایا:''اپنے باپ اور بھائی کو بلاؤ تا کہ میں ابوبکر کو ایک عہد نامہ لکھ دوں۔'' پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ اور مسلمان ابوبکر کے سوا کسی کو خلیفہ تسلیم نہیں کریں گے۔'' ❷

ابن ابی ملیکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا جب سرور کائنات کی بیماری شدت اختیار کر گئی تو آپ نے فرمایا:''عبدالرحمٰن بن ابی بکر کو بلاؤ تا کہ میں ابوبکر کے لیے (ایک عہد نامہ) لکھ دوں۔جس کی موجودگی میں کسی اختلاف کی گنجائش نہ رہے۔ پھر فرمایا:''پناہ بخدا کہ مسلمان ابوبکر (کی خلافت وامارت) میں مختلف الخیال ہوں۔'' ❸

ابن حامد پھر وہ احادیث ذکر کرتے ہیں جن میں سیدنا ابوبکر کے امام نماز ہونے کا ذکر کیا گیا۔ ان کے علاوہ کچھ اور احادیث بھی قلمبند کی ہیں جو احادیث صحیحہ کے درجہ سے فروتر ہیں۔

خلافت صدیقی سے متعلق ابن حزم کا زاویہ نگاہ:

امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ❹

''امامت ابی بکر کے بارے میں علماء کے یہاں اختلاف پایا جاتا ہے

(۱) ایک گروہ کا خیال ہے کہ آپ نے کسی کو خلیفہ مقرر نہیں کیا تھا۔

(۲) دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ جب آپ نے سیدنا ابوبکر کو امام نماز بنایا تھا تو یہ اس امر کی دلیل ہے کہ آپ امامت وخلافت کے اوّلین مستحق تھے۔

---

❶ سنن ابی داؤد۔ کتاب السنة۔ باب فی الخلفاء(حدیث:٤٦٣٦)

❷ صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابة۔ باب من فضائل ابی بکر الصدیق رضی الله عنه(حدیث:٢٣٨٧) واللفظ له۔ صحیح بخاری۔ کتاب المرضی باب ما رخص للمریض ان یقول(حدیث:٥٦٦٦) مطولاً من طریق آخرعنها

❸ طبقات ابن سعد(١٨٠/٣) السنة لابن ابی عاصم(٥٥٥/٢) مسند احمد (٤٧/٦، ١٠٦)

❹ ابن حزم کا یہ بیان ان کے رسالہ '' الامامة والمفاضلة'' میں درج ہے۔ یہ رسالہ کوئی مستقل کتاب نہیں بلکہ ان کی شہرہ آفاق کتاب '' الفِصَل فی الملل والنحل'' جلد چہارم میں شامل ہے۔ دیکھیے کتاب مذکورہ،ص:۱۰۷،طبع مصر ۱۳۲۱۔خلافت کے مسئلہ پر یہ اہم ترین کتاب ہے۔

(۳) تیسرے گروہ کے نزدیک افضلیت کی بناء پر آپ کو امام نماز بنایا گیا تھا۔ اس سے ان کی خلافت کی جانب اشارہ کرنا مقصود نہیں۔

(۴) چوتھے گروہ کے نزدیک آپ نے صراحتاً سیدنا ابوبکر کو خلیفہ مقرر فرمایا تھا۔

ابن حزم فرماتے ہیں کہ درج ذیل براہین و دلائل کی روشنی میں ہم نے آخری نظریہ اختیار کیا ہے۔

پہلی دلیل:

خلافت ابی بکر رضی اللہ عنہ کی پہلی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ﴾ (الحجرات: ۴۹/ ۱۵)

''یہی لوگ سچے ہیں۔''

اس آیت میں جن صحابہ کی صدق بیانی اور راست گوئی کی شہادت دی گئی ہے وہ آپ کو ''خلیفۃ الرسول'' کہنے میں یک زبان تھے۔ خلیفہ [1] عربی زبان میں اس شخص کو کہتے ہیں جس کو کسی نے اپنا قائم مقام بنایا ہو۔ جو خود کسی کا نائب بن جائے اسے خلیفہ نہیں کہتے۔ خود بخود نائب بننے والے کو'' خالف'' کہتے ہیں۔ خلیفۃ الرسول سے ہرگز یہ مراد نہیں کہ آپ نماز پڑھانے میں رسول اللہ کے قائم مقام تھے۔ اس لیے کہ سیدنا ابوبکر رسول اللہ کے حین حیات خلیفہ کے لقب سے مشہور نہیں ہوئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نیابت امامت نماز کے علاوہ جداگانہ نوعیت کی تھی۔

دوسری دلیل:

دوسری دلیل یہ ہے کہ جن لوگوں کو آپ نے بعض مواقع پر اپنی نیابت کا شرف ارزانی فرمایا۔ مثلاً غزوۂ تبوک میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو [2] غزوۂ خندق میں سیدنا عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ [3] اور غزوۂ

---

[1] خلیفہ بروز فعیل بمعنی مفعول ہے بنابریں خلیفہ وہ شخص ہے جسے کسی نے اپنا نائب مقرر کیا ہو۔ جن لوگوں کی شان میں وارد ہے ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ﴾ (الحجرات: ۴۹/ ۱۵) انہی لوگوں نے سیدنا ابوبکر کو خلیفۃ الرسول یعنی نائب رسول کے لقب سے ملقب کیا تھا۔ حالانکہ وہ رسول اللہ علیہ السلام کے اقوال و احوال کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔ اس پر طرہ یہ کہ اللہ کریم نے ان کو صادق بھی قرار دیا ہے۔

[2] صحیح بخاری۔ کتاب المغازی۔ باب غزوۃ تبوک۔(حدیث:٤٤١٦) صحیح مسلم۔ کتاب فضائل الصحابۃ۔ باب من فضائل علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ (حدیث: ٢٤٠٤)

[3] جوامع السیرۃ لابن حزم(ص:١٨٥) سیرۃ ابن ہشام(ص:٤٥٦)

ذات الرقاع میں سیدنا عثمان کو [1] علاوہ ازیں دیگر صحابہ جن کو یمن اور بحرین وغیرہ میں عامل بنا کر بھیجا گیا تھا۔ ان میں سے کوئی شخص بھی علی الاطلاق خلیفہ کے لقب سے مشہور نہیں ہوا۔ اس سے یہ حقیقت منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوتی ہے کہ خلافت سے رسول اللہ کی وفات کے بعد آپ کی قائم مقامی و نیابت مراد ہے۔ یہ بات محالات میں سے ہے کہ صحابہ نے یونہی سیدنا ابوبکر کی خلافت پر اجماع کر لیا ہو حالانکہ آپ نے صراحتاً کسی کو بھی یہ منصب تفویض نہ فرمایا ہو۔

مزید برآں صحیح حدیث میں وارد ہے کہ ایک عورت نے رسول اللہ علیہ السلام کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: حضور اگر میں لوٹ کر آؤں اور آپ موجود نہ ہوں تو پھر کیا کروں؟......اس کا مطلب یہ تھا کہ آپ فوت ہو جائیں تو پھر کیا کروں......فرمایا ابوبکر کی خدمت میں حاضر ہو جایئے۔ [2]

ابن حزم اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''یہ حدیث سیدنا ابوبکر کی خلافت پر نص جلی ہے۔'' (کتاب الامامة والمفاضلة، ص: ۱۰۸)

حدیث صحیح میں وارد ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے بیماری کی حالت میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو مخاطب کر کے فرمایا:

''میں نے ارادہ کیا تھا کہ تمہارے والد اور بھائی کو بلا کر ایک عہد نامہ لکھ دوں مبادا کوئی کہنے والا یہ کہے کہ میں (خلافت کا) زیادہ حقدار ہوں یا کوئی آرزو کرنے والا (خلافت کی) تمنا کرے مگر اللہ تعالیٰ اور مومن ابوبکر کے سوا کسی کو (خلیفہ) تسلیم نہیں کر سکتے۔'' [3]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس حدیث سے یہ مستفاد نہیں ہوتا کہ رسول اللہ نے سیدنا ابوبکر کو خلیفہ مقرر فرما دیا تھا۔ البتہ اس حدیث کے پیش نظر آپ جانتے تھے کہ امت آپ کے

---

[1] سیرة ابن هشام(ص:٤٥٤) جوامع السیرة لابن حزم(ص:١٨٢،١٨٣) اس میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ ساتھ سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی بھی آتا ہے واللہ اعلم۔

[2] صحیح بخاری کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللّٰه علیه وسلم۔ باب قول النبی صلی اللّٰه علیه ''لو کنت متخذا خلیلاً'' (حدیث:٣٦٥٩)، صحیح مسلم (حدیث: ٢٣٨٦)

[3] صحیح بخاری۔ کتاب المرضی۔ باب ما رخص للمریض ان یقول انی وجع (حدیث: ٥٦٦٦)

بعد سیدنا ابوبکر کو خلیفہ منتخب کرے گی اور آپ نے اس پر اظہار پسندیدگی فرمایا۔ حضور اکرم ﷺ نے نص جلی سے سکوت اختیار کر کے صرف امت کے اجتماع پر اکتفاء فرمایا تھا۔

قائلین عدم استخلاف کے دلائل:

امام ابن حزم فرماتے ہیں جن لوگوں کی رائے میں رسول اللہ نے کسی کو بھی خلیفہ مقرر نہیں کیا تھا وہ سیدنا عمر کا درج ذیل قول پیش کرتے ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''اگر میں کسی کو خلیفہ مقرر کر دوں تو سیدنا ابوبکر نے جو مجھ سے افضل تھے ایسا ہی کیا تھا اور اگر مقرر نہ کروں تو رسول اللہ کا نمونہ میرے پیش نظر ہے۔''❶

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا گیا کہ:

''اگر سرور کائنات ﷺ کسی کو خلیفہ بنانے والے ہوتے تو کسے یہ منصب تفویض فرماتے؟''

سیدہ عائشہ نے جواباً فرمایا: ''سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو۔''❷

محدث ابن حزم کا قول ہے:

''سیدنا عمر و عائشہ رضی اللہ عنہما کا قول اجماع صحابہ اور دونوں مرفوع احادیث کے خلاف نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں کو سیدنا ابوبکر کے خلیفہ مقرر کیے جانے کا علم نہ تھا۔ ان کا مطلب یہ تھا کہ رسول اللہ نے سیدنا ابوبکر کی خلافت کے بارے میں کوئی تحریری دستاویز تحریر نہیں کی تھی۔''

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس ضمن میں فرماتے ہیں:

''بصراحت کسی کو خلیفہ مقرر کرنے کے بارے میں شیعہ کے یہاں کوئی دلیل موجود نہیں ہے راوندیہ کہتے ہیں کہ آپ نے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا تھا۔ امامیہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے متعلق یہی دعویٰ کرتے ہیں۔''

---

❶ صحیح بخاری۔ کتاب الاحکام۔ باب الاستخلاف (حدیث: ۷۲۱۸) صحیح مسلم۔ کتاب الامارۃ، باب الاستخلاف و ترکہ(حدیث:۱۸۲۳)

❷ صحیح مسلم۔ کتاب فضائل الصحابۃ۔ باب من فضائل ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ(حدیث:۲۳۸۵)

قاضی ابویعلی لکھتے ہیں:

’’راوندیہ کی ایک جماعت کا دعویٰ ہے کہ آپ نے بعینہٖ سیدنا عباس کو خلیفہ مقرر کر کے اس کا اعلان کیا تھا۔ مگر امت نے اس نص کا انکار کر کے کفر وعناد کا مظاہرہ کیا اور مرتد ہو گئی۔ بعض یہاں تک کہتے ہیں کہ آپ نے تا قیام قیامت سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی اولاد کو خلیفہ مقرر کیا تھا۔‘‘

ابن بَطہ مبارک بن فضالہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے سیدنا حسن (بصری) کو یہ کہتے سنا کہ بخدا رسول اللہ علیہ السلام نے سیدنا ابوبکر کو خلیفہ مقرر فرمایا تھا۔

جن لوگوں کا نقطہ نگاہ یہ ہے کہ سالار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحتاً سیدنا صدیق رضی اللہ عنہ کو خلافت سے نوازا تھا۔ ان کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ صحابہ سیدنا ابوبکر کو خلیفہ رسول کہہ کر پکارتے تھے اور خلیفہ وہی ہوتا ہے جس کو کوئی اپنا قائم مقام مقرر کر دے اس لیے کہ خلیفہ بروزن فعیل بمعنی مفعول ہے۔ یہ بات درست نہیں۔ کیونکہ لفظ خلیفہ کا اطلاق دونوں پر ہوتا ہے (۱) وہ شخص بھی خلیفہ ہے جس کو کوئی اپنا نائب بنائے۔ (۲) جو دوسرے کا از خود نائب بن جائے وہ بھی خلیفہ ہے ہادی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

’’جس نے کسی کو جہاد کے لیے تیار کر کے بھیجا گویا اس نے خود جہاد میں شرکت کی اور جو اس کی عدم موجودگی میں اس کا خلیفہ (قائم مقام) بنا وہ بھی غازی ٹھہرا۔ ❶

مذکورۃ الصدر حدیث سند کے اعتبار سے صحیح ہے۔ مندرجہ ذیل حدیث بھی صحیح ہے۔ آپ دعا فرمایا کرتے تھے:

’’اے اللہ! تو میرا رفیق سفر ہے اور اہل وعیال میں میرا خلیفہ ہے (یعنی قائم مقام) ❷

قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ﴾ (الانعام:۶/۱۶۵)

’’ذات خداوندی وہی ہے جس نے تمھیں زمین کا خلیفہ بنا دیا۔‘‘

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الجهاد۔ باب فضل من جهز غازیاً(حدیث:۲۸۴۳)، صحیح مسلم۔ کتاب الامارة۔ باب فضل اعانة الغازی فی سبیل الله،(حدیث:۱۸۹۵)

❷ صحیح مسلم۔ کتاب الحج۔ باب استحباب الذکر اذا رکب دابته،(حدیث:۱۳۴۲)

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿ثُمَّ جَعَلْنَاكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ﴾ (یونس: ۱۰/۱۴)

''پھر ان کے بعد تمھیں زمین میں خلیفہ بنا دیا۔''

نیز فرمایا:

﴿اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً﴾ (البقرۃ: ۲/۳۰)

''میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں۔''

ایک اور جگہ فرمایا:

﴿يَا دَاوُدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ﴾ (ص: ۳۸/۲۶)

''اے داؤد! ہم نے آپ کو زمین میں خلیفہ مقرر کیا ہے۔''

مذکورۃ الصدر آیات کا مطلب یہ ہے کہ تجھے لوگوں کو خلیفہ بنایا یہ مقصود نہیں کہ سیدنا داؤد اللہ کے نائب تھے۔ جیسا کہ قائلین وحدت الوجود [1] کا نظریہ ہے۔ وحدت الوجود کے قائل یہاں تک کہتے ہیں کہ انسان کو ذات باری سے وہی تعلق ہے جو آنکھ کی پتلی کو آنکھ سے (یعنی دونوں ایک ہیں اور ان میں کچھ فرق نہیں) وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ انسان اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ کا جامع ہے، اس کی دلیل میں وہ درج ذیل آیت پیش کرتے ہیں۔

﴿ وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ﴾ (البقرہ: ۲/۳۰)

''اور سیدنا آدم کو سب نام سکھلا دیئے۔''

---

[1] الحادیہ ان ملحدین کو کہتے ہیں جو نظریہ وحدۃ الوجود کے داعی ہیں اور واجب الوجود و ممکن الوجود کے مابین کسی فرق و امتیاز کے قائل نہیں۔ یہ خالق و مخلوق میں اتحاد و یگانگت کا نظریہ رکھتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ یہ عالم ارضی عین ذاتِ باری ہے۔ دونوں میں کوئی تغایر نہیں پایا جاتا۔ دراصل جو ملاحدہ ذات باری سے اعلانیہ انکار کی جرأت نہیں کر سکتے۔ وہ وحدت الوجود کے داعی بن بیٹھتے ہیں۔ وحدۃ الوجود درحقیقت برہمنوں کا عقیدہ ہے۔ دورِ حاضر کے ایک برہمن ٹیگور نامی نے اس کے اثبات میں متعدد کتب تالیف کی ہیں۔ شرق و غرب کے سب منافق ملحدین عقیدہ وحدۃ الوجود کے قائل و داعی ہیں۔ دورِ حاضر کے وہ خالص ملحدین جو اعلانیہ اپنے ملحدانہ عقائد کا اعتراف کرتے ہیں وحدۃ الوجود کا نقاب اوڑھنے والے منکرین کی نسبت کم ضرر رساں ہیں۔

اہل وحدۃ الوجود کا نقطہ خیال ہے کہ انسان اللہ کی مثل ہے: (تَعَالَی اللّٰہُ عَنْ ذٰلِكَ) کوئی شخص اللہ کا نائب نہیں بن سکتا، اس لیے کہ نیابت اس شخص کی ہوتی ہے، جو خود موجود نہ ہو اور ذات باری ہمیشہ حاضر و ناضر اور مخلوقات کا ناظم و مدبر ہے، البتہ بندہ جب اپنے اہل وعیال میں موجود نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی نیابت کرتے اور اس کی عدم موجودگی میں اہل وعیال کی حفاظت فرماتے ہیں، مروی ہے کہ ایک مرتبہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یا ''خلفیۃ اللہ'' کہہ کر پکارا گیا تو آپ نے فرمایا میں تو صرف خلیفہ رسول ہوں میرے لیے یہی کافی ہے۔''❶

جو لوگ یہ رائے رکھتے ہیں کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت نص خفی کی بنا پر ہوئی تھی ان کی دلیل مذکورہ ذیل حدیث نبوی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

نص خفی سے استخلاف ابی بکر:

۱۔ ''میں نے خواب میں دیکھا کہ میں ایک کنویں سے پانی کھینچ رہا ہوں، ابوبکر نے میرے ہاتھ سے ڈول لیا اور پانی سے لبریز ایک یا ڈول کھینچے، ابوبکر کے ڈول کھنچنے میں کمزوری پائی جاتی تھی، اللہ انہیں معاف فرمائے!

پھر یہ ڈول سیدنا عمر نے لے لیا میں نے کسی عجوبہ روزگار شخصیت کو نہیں دیکھا جو عمر کے سے طرز عمل کا حامل ہو، یہاں تک کہ لوگ حوض سے پانی پلا کر اونٹوں کی نشست گاہ سے واپس جانے لگے۔❷

۲۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ابوبکر سے کہیے کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔''❸

چنانچہ رسول اللہ کے ارشاد گرامی کی تعمیل میں سیدنا ابوبکر آپ کی بیماری کے دنوں میں نماز پڑھاتے رہے تا آنکہ آپ نے دروازے کا پردہ اٹھا کر دیکھا تو لوگ سیدنا ابوبکر کی اقتداء میں نماز

---

❶ طبقات ابن سعد(۱۸۳/۳)

❷ صحیح بخاری۔ کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم(حدیث:۳۶۸۲)، صحیح مسلم۔ کتاب فضائل الصحابة۔ باب من فضائل عمر رضی الله عنه (حدیث: ۲۳۹۳)

❸ صحیح بخاری۔ کتاب الاذان۔ باب اهل العلم والفضل احق بالامامة (حدیث: ۶۷۸، ۶۷۹) صحیح مسلم۔ کتاب الصلاة۔ باب استخلاف الامام (حدیث: ۴۱۸، ۴۲۰)

پڑھ رہے تھے، آپ نے اس پر اظہار مسرت فرمایا، اسی روز آپ نے وفات پائی۔ [1]

۳۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اگر میں اہل زمین میں سے کسی کو دوست بنانے والا ہوتا تو ابوبکر کو دوست بناتا، ابوبکر کے سوا مسجد کی جانب کسی کی کھڑکی باقی نہ رہنے دی جائے۔'' [2]

۴۔ ابوبکرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ایک روز فرمایا:

''کیا تم میں سے کسی نے خواب دیکھا ہے؟'' ایک آدمی نے کہا، میں نے آسمان سے ایک ترازو اترتا ہوا دیکھا پھر آپ (نبی ﷺ) اور ابوبکر کو وزن کیا گیا تو آپ بھاری نکلے، پھر ابوبکر و عمر کو تولا گیا تو ابوبکر کا پلڑہ جھک گیا۔'' [3]

۵۔ عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ نے یہ روایت اسی طرح اپنے والد سے ذکر کی ہے اس میں یہ الفاظ ہیں:

''یہ خلافت نبوت ہے پھر اس کے بعد اللہ جسے چاہے سلطنت عطا کرے۔'' [4]

استخلاف کے بارے میں دیگر احادیث نبویہ:

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''آج رات ایک نیک آدمی نے خواب دیکھا کہ سیدنا ابوبکر کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ باندھا اور لٹکایا گیا ہے، اسی طرح سیدنا عمر کو ابوبکر کے ساتھ اور سیدنا عثمان کو سیدنا عمر کے ساتھ معلق کیا گیا تھا، صحابہ کا بیان ہے کہ جب ہم بارگاہ رسالت سے اٹھے تو ہم نے کہا نیک آدمی سے رسالت مآب ﷺ مراد ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ لٹکانے کا مطلب یہ ہے کہ یہ حضرات آپ کے بعد پیام رسالت کے پہنچانے میں آپ کے قائم مقام ہوں گے۔'' [5]

---

[1] صحیح بخاری، حواله سابق (حدیث: ٦٨٠) صحیح مسلم حواله سابق (حدیث: ٤١٩)

[2] صحیح بخاری کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم۔ باب قول النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم "سدوا الابواب الا باب ابی بکر" (حدیث:٣٦٥٤) صحیح مسلم ۔ کتاب فضائل الصحابة باب من فضائل ابی بکر الصدیق رضی الله عنه (حدیث:٢٣٨٢)

[3] سنن ابی داؤد۔ کتاب السنة۔ باب فی الخلفاء(حدیث:٤٦٣٤) سنن ترمذی۔ کتاب الرؤیا۔ باب ما جاء فی رؤیا النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم (حدیث:٢٢٨٧)

[4] سنن ابی داؤد(حدیث:٤٦٣٥)، مسند احمد(٥/٤٤)

[5] سنن ابی داؤد(حدیث:٤٦٣٦)

۶۔ سیدنا سمرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

کہ ایک آدمی نے کہا حضور! میں نے دیکھا کہ آسمان سے ایک ڈول لٹکایا گیا ہے، سیدنا ابو بکر نے اس کے دونوں کنارے پکڑ کر کچھ پانی پیا، پھر سیدنا عمر آئے اور ڈول کو دونوں کناروں سے پکڑ کر خوب سیر ہو کر پانی پیا، پھر سیدنا عثمان آئے اور ڈول کو دونوں کناروں سے پکڑ کر خوب سیر ہو کر پانی پیا، پھر سیدنا علی آئے اور ڈول کو کناروں سے پکڑا تو اس کی گرہ کھل گئی اور آپ پر یہ پانی کے چھینٹے پڑ گئے۔ ❶

۷۔ سعید بن جمہان سفینہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ سالار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''خلافت نبوت تیس سال ہوگی، اس کے بعد اللہ تعالیٰ جسے چاہے سلطنت سے نوازے۔'' میں نے سفینہ سے کہا: ❷ بنی مروان کا دعویٰ ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ خلیفہ نہ تھے، سفینہ نے کہا وہ دروغ گوئی سے کام لیتے ہیں۔ ❸

اس میں شبہ نہیں کہ اہل سنت کا قول ان لوگوں کے قول سے بہتر ہے جو کہتے ہیں کہ سیدنا علی یا سیدنا عباس کی خلافت نص سے ثابت ہے، اس لیے کہ ان لوگوں کے پاس دروغ گوئی کے سوا کوئی دلیل موجود نہیں جس کا بطلان اظہر من الشمس ہے، مزید برآں دین اسلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے

❶ سنن ابی داؤد (حدیث:٤٦٣٧)

❷ سفینہ سے یہ بات راوی حدیث سعید بن جمہان نے کہی تھی، محدث ابو حاتم رازی سعید کے متعلق لکھتے ہیں: ''اس کی روایت قابل احتجاج نہیں۔'' اس روایت کی سند میں حشرج بن نباتہ واسطی ہے، امام نسائی اس کے متعلق فرماتے ہیں ''لیس بالقوی (یہ قوی نہیں) عبداللہ بن احمد بن حنبل یہ روایت سوید طحان سے روایت کرتے ہیں، حافظ ابن حجر عسقلانی تقریب التہذیب میں لکھتے ہیں، ''یہ ضعیف راوی ہے'' چونکہ سفینہ کی روایت کردہ حدیث میں متعدد ضعیف راوی موجود ہیں لہٰذا ابو بکر ابن العربی، العواصم من القواصم، ص:۲۰۱ میں لکھتے ہیں یہ حدیث صحیح نہیں۔''

شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے خلافت راشدہ کے اثبات میں احادیث صحیحہ ذکر کرنے کے بعد یہ روایت تقویت و تائید کے نقطۂ خیال سے بیان کی ہے، اصالتہً اس روایت کا ذکر و بیان مقصود نہیں، خلافت راشدہ کے ضمن میں ذکر کردہ نصوص مسئلہ امامت میں شیعہ کے دلائل سے اولیٰ و اعلیٰ ہیں۔

❸ سنن ابی داؤد (حدیث:٤٦٤٦) سنن ترمذی کتاب الفتن۔ باب فی الخلافة (حدیث: ٢٢٢٦)

حالات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

نیز خلافت علی کے اثبات میں وہ جو دلائل پیش کرتے ہیں وہ اس مسئلہ پر دلالت نہیں کرتے مثلاً یہ حدیث کہ جس میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تبوک جاتے وقت سیدنا علی کو مدینہ کا امیر مقرر کیا تھا۔ ❶

کیا رسول اللہ نے کسی کو خلیفہ مقرر نہیں کیا تھا:

حقیقت یہ ہے کہ آپ نے کسی کو بھی خلیفہ مقرر نہیں کیا تھا بلکہ مختلف طریقوں سے لوگوں کو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی جانب متوجہ کیا، آپ کی امامت و خلافت پر اظہار خوشنودی فرمایا اور اس ضمن میں ایک عہد نامہ لکھنے کا ارادہ کیا پھر آپ کو معلوم ہوا کہ مسلمان بالاتفاق آپ کو خلیفہ منتخب کر لیں گے، اگر اس یقین کے بارے میں آپ کو کوئی شبہ لاحق ہوتا تو واشگاف الفاظ میں اس کا الم نشرح فرماتے، جیسے آپ کا ارشاد ہے۔

اللہ تعالیٰ اور مومن سیدنا ابوبکر کے سوا کسی (کی خلافت) پر راضی نہیں۔'' ❷

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ امت محمدی کا اتفاق اور اس پر رسول اللہ کا اظہار خوشنودی کرنا عہد نامہ لکھنے سے بھی زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔

شیعہ مصنف کا قول ہے کہ ''اہل سنت کے نزدیک سیدنا ابوبکر اس لیے خلیفہ منتخب ہو گئے تھے کہ چار صحابہ کے ایماء سے سیدنا عمر نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔''

ہم جواباً کہتے ہیں کہ یہ بالکل غلط ہے بخلاف ازیں سب صحابہ آپ کی خلافت پر رضا مند تھے، اور سب صحابہ نے بالاتفاق آپ کے دست حق پرست پر بیعت کر لی تھی، خواہ شیعہ مصنف اس کے ماننے کے لیے تیار نہ ہو، سیدنا سعد کا تنہا بیعت نہ کرنا سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے انعقاد میں مخل نہیں ہوسکتا، اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ صحابہ کی ایک کثیر جماعت سیدنا علی کی بیعت میں شامل نہیں ہوئی تھی، جب اس کے باوصف سیدنا علی خلیفہ منتخب ہو گئے تھے تو پھر سیدنا ابوبکر کی بیعت میں کیا

---

❶ صحیح بخاری۔ کتاب المغازی۔ باب غزوۃ تبوك،(حدیث:٤٤١٦) صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة۔ باب من فضائل علی بن ابی طالب رضی الله عنه (حدیث: ٢٤٠٤)

❷ صحیح مسلم۔ کتاب فضائل الصحابة۔ باب من فضائل ابی بکر الصدیق رضی الله عنه، (حدیث:٢٣٨٧)

شبہ ہوسکتا ہے؟

اہل سنت کا زاویہ نگاہ یہ ہے کہ امامت وخلافت کا اصلی مقصود قوت واقتدار کا حصول ہے لہٰذا جب اصحاب قوت وشوکت کسی شخص کی خلافت پر متفق ہوجائیں تو اس کی خلافت منعقد ہوجائے گی، اہل سنت کا قول ہے۔

''جو شخص قوت وشوکت حاصل کرلے جس کی بنا پر وہ مقاصد خلافت کی تکمیل کرسکتا ہو، تو وہ ان اولی الامر میں شمار ہوگا جو واجب الاطاعت ہیں، جب تک وہ معصیت خداوندی کا حکم صادر نہ کرے، نظر بریں خلافت ملوکیت وسلطنت کا نام ہے نیک ہو یا بد کوئی شخص صرف تین یا چار آدمیوں کی موافقت کے بل بوتے پر بادشاہ نہیں بن سکتا، یہی وجہ ہے کہ جب سیدنا علی کی بیعت کرلی گئی اور قوت واقتدار سے بہرہ ور ہوگئے تو امامت وخلافت کے منصب پر فائز ہوئے، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے عبدوس عطار کے نام ایک خط میں تحریر کیا تھا:

''جو شخص مسند خلافت پر قابض ہو اور لوگ اس کی خلافت پر اجماع کرلیں اور اسی طرح جو شخص بزور شمشیر خلیفہ بن بیٹھے اس کو صدقات دینا جائز ہے، خواہ وہ نیک ہو یا بد۔''

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے ایک مرتبہ اس حدیث کا مفہوم دریافت کیا گیا آپ ارشاد فرماتے ہیں۔

''جو شخص مرجائے اور اس کا کوئی امام نہ ہو تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔''

سائل نے دریافت کیا کہ امام سے کون مراد ہے؟ امام احمد نے جواباً فرمایا، امام وہ ہے جس کی امامت پر سب مسلمان متفق ہوجائیں۔

خلفاء راشدین کی امامت وخلافت:

ان دلائل کی روشنی میں یہ حقیقت ابھر کر سامنے آتی ہے کہ چونکہ خلافت صدیقی پر سب مسلمانوں کا اجماع منعقد ہوا تھا اور اللہ ورسول نے بھی اس پر اظہار خوشنودی فرمایا تھا اس لئے آپ امامت کے مستحق تھے، پھر اہل قوت واقتدار کے بیعت کرنے کی بنا پر آپ خلیفہ منتخب ہوگئے اسی طرح بیعت عامہ اور مسلمانوں کے اطاعت اختیار کرنے کی بنا پر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ خلیفہ قرار پائے، اگر اس مفروضہ کو تسلیم کرلیا جائے کہ صحابہ نے سیدنا عمر کے بارے میں سیدنا ابوبکر کے عہد نامہ کو درست تسلیم نہیں کیا تھا، تو آپ امامت کے منصب پر فائز نہ ہوتے، قطع نظر اس سے کہ آپ کی خلافت جائز تھی، یا ناجائز؟ حلت وحرمت کا تعلق افعال سے ہے، جہاں تک خلافت وامارت کا تعلق ہے، وہ

صرف حاصل شدہ اقتدار کا نام ہے، بعض اوقات یہ اقتدار جائز طریقہ سے حاصل ہوتا ہے، جیسے خلفائے راشدین کی خلافت اور بعض اوقات ناروا طریق سے بھی قوت وشوکت حاصل ہوجاتی ہے، مثلاً کسی ظالم کی سلطنت وحکومت، اگر اس مفروضہ کو صحیح تصور کیا جائے، کہ صرف سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور چند صحابہ نے سیدنا ابوبکر کی بیعت کی تھی، اور باقی صحابہ اس کے لیے تیار نہ تھے، تو آپ کی امامت و خلافت کا انعقاد نہیں ہوتا، بخلاف ازیں آپ جمہور مسلمانوں کی بیعت کی بنا پر خلیفہ منتخب ہوئے تھے، یہی وجہ ہے کہ سیدنا سعد کے بیعت نہ کرنے سے آپ کی خلافت میں قدح وارد نہ ہوئی، کیونکہ خلافت کا مقصد پورا ہوگیا تھا، سیدنا عمر نے آپ کی بیعت کرنے میں جو سبقت فرمائی تھی، تو اس میں کوئی حرج نہیں اس لیے کہ بیعت کرتے وقت کوئی شخص تو ایسا ہوگا جو باقی لوگوں سے سبقت کرے گا اگر چند افراد آپ کی بیعت پر خوش نہ بھی ہوتے تو اس سے بھی آپ کی خلافت میں کوئی قدح وارد نہیں ہوتی، کیونکہ شرعی دلائل سے آپ کے بیعت کا استحقاق ثابت ہو چکا تھا۔

سیدنا ابوبکر نے عمر فاروق کے حق میں جو وصیت کی تھی، اس کی تکمیل سیدنا ابوبکر کی وفات کے بعد مسلمانوں کی بیعت عام سے ہوئی اور آپ بالاتفاق خلیفہ قرار پائے۔

شیعہ مصنف کا یہ قول کہ بعض صحابہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ منتخب کیا۔

ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت پر اجماع عام ہوا تھا، اور ایک شخص بھی بیعت سے الگ نہ رہا، چنانچہ امام احمد بن حنبل بروایت حمدان بن علی فرماتے ہیں:

''سیدنا عثمان کی بیعت باقی خلفاء راشدین کی نسبت زیادہ مستحکم تھی، کیونکہ آپ کی خلافت اجماع صحابہ کی بنا پر عالم وجود میں آئی تھی۔''

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام احمد کا بیان حق وصداقت کا آئینہ دار ہے بالفرض اگر عبدالرحمٰن بن عوف آپ کی بیعت کرتے اور سیدنا علی وطلحہ و زبیر رضی اللہ عنہم اور دیگر اصحاب اثر و رسوخ بیعت میں شریک نہ ہوتے تو سیدنا عثمان منصب خلافت پر فائز نہ ہوتے، سیدنا عمر نے چھ اشخاص پر مشتمل ایک مجلس شوری قائم کر دی تھی، کہ یہ باہمی مشورہ سے کسی ایک کو خلیفہ منتخب کر دیں سیدنا طلحہ و زبیر اور سعد رضی اللہ عنہم حسب مرضی شوریٰ میں سے نکل گئے، اور سیدنا عثمان، علی، اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم باقی رہے، ان تینوں میں سے سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ مسلسل تین شب و روز نہ سوئے اور انصار ومہاجرین سے مشورہ کرنے میں مصروف رہے، ان سب نے سیدنا عثمان کو خلیفہ بنانے کا مشورہ

دیا اور پھر کسی کی ترغیب و ترہیب کے بغیر عثمان کی بیعت کرلی۔ ❶

شیعہ مصنف کا یہ قول کہ ''سیدنا علی کثیر مخلوقات کی بیعت کی بنا پر خلیفہ قرار پائے۔'' تخصیص بلا مخصص ہے، اس لئے کہ قبل ازیں خلفاء، ثلاثہ کی بیعت بھی اسی طرح بلکہ اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہوئی تھی، سیدنا علی کی بیعت شہادت عثمان کے بعد عمل میں آئی تھی، جب کہ دل سکون و اطمینان سے یکسر محروم تھے، سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کے متعلق یہاں تک کہا جاتا ہے کہ انہیں بحالت جبر و اکراہ بیعت کے لیے لایا گیا تھا، مدینہ میں شر پسندوں کا بڑا زور تھا، بکثرت صحابہ بیعت میں شریک نہ ہو سکے، مثلاً سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ۔

بایں ہمہ صرف سیدنا علی کے بارے میں یہ کہنا کہ کثیر مخلوقات نے ان کی بیعت کی۔ اور خلفاء سابقین کے بارے میں سکوت اختیار کرنا کہاں تک قرین عدل و انصاف ہے۔

سیدنا علی سے متعلق علماء کے مختلف افکار و آراء:

مزید برآں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنے والوں نے ان کے خلاف شورش بپا کردی تھی۔

ایک گروہ آپ کی بیعت تک سے منحرف ہوگیا، اہل شام اس وقت تک آپ کی بیعت کرنے کے لیے تیار نہ تھے، جب تک قاتلین عثمان سے قصاص نہ لے لیا جائے۔

پہلا گروہ: ایک گروہ اس امر کا قائل تھا کہ سیدنا علی و معاویہ دونوں خلیفہ برحق ہیں۔

دوسرا گروہ: دوسرے گروہ کا زاویہ نگاہ کہ وہ انارکی کا دور تھا، اور اس وقت کوئی بھی جائز خلیفہ نہ تھا بصرہ کے محدثین سے ایک گروہ کی یہی رائے ہے۔

تیسرا گروہ: تیسرا گروہ سیدنا علی کی خلافت کا قائل تھا، ان کا خیال تھا کہ سیدنا علی، طلحہ و زبیر کے برخلاف لڑنے میں حق بجانب ہیں، تاہم طلحہ و زبیر کو بھی غلط کار نہیں کہتے تھے، کیونکہ وہ اپنے اجتہاد کی بنا پر سیدنا علی کے برخلاف نبرد آزما تھے، اور یہ مشہور مقولہ ہے کہ: ''کُلُّ مُجتَهِدٍ مُصِیبٌ'' ابو ہذیل علاف جبائی، ابو ہاشم بن جبائی اور ابن الباقلانی ❷ کی یہی رائے ہے، امام ابوالحسن

❶ صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم، باب قصة البیعة والاتفاق علی عثمان رضی الله عنه(حدیث: ۳۷۰۰)

❷ ابوبکر محمد بن طیب باقلانی المتوفی ۴۰۳ھ یہ ابوالحسن اشعری کے تلمیذ رشید تھے، استاد کی وفات کے بعد معتزلہ کے خلاف صف آراء ہے، یہ بڑے وسیع العلم حاضر جواب اور کامیاب مناظر تھے، کثیر التصانیف تھے، ان کی اعجاز القرآن اور التمہید زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہیں۔

اشعری کا ایک قول یہی ہے، ان کی رائے میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے اجتہاد کی بنا پر خلافت کے منصب پر فائز ہوئے تھے، اور اپنے اجتہاد میں جادہ صدق وثواب پر گامزن تھے۔

چوتھا گروہ: چوتھے گروہ کے نزدیک سیدنا علی امام برحق تھے اور ان کے خلاف لڑنے والے اگرچہ بنا براجتہاد ان کے خلاف برسر پیکار تھے، مگر ان کا اجتہاد مبنی برخطا تھا، بہت سے حنفیہ، شافعیہ مالکیہ اور حنبلیہ اسی نقطہ نظر کے حامل ہیں۔

پانچواں گروہ: پانچویں گروہ کا خیال ہے کہ اس دور میں خلیفہ برحق صرف سیدنا علی تھے، آپ سیدنا معاویہ کے مقابلہ میں حق وصداقت سے قریب تر تھے، تاہم ان دونوں کے خلاف نبرد آزما ہونا مناسب نہیں، بلکہ اس سے احتراز واجتناب اختیار کرنا افضل ہے۔

وہ اس کی دلیل میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد پیش کرتے ہیں۔

''ایک فتنہ برپا ہوگا اس میں بیٹھ رہنے والا کھڑے ہونے والے کی نسبت افضل ہوگا۔''❶

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا تھا:

''میرا یہ بیٹا سردار ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں میں صلح کرائے گا۔''❷

اس حدیث میں آپ نے صلح کرانے کی بنا پر سیدنا حسن کی مدح وستائش ❸ فرمائی، اگر نبرد آزمائی واجب یا مستحب ہوتی تو آپ اس کے تارک کی مدح نہ فرماتے، وہ یہاں تک کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے باغیوں کے خلاف ابتداءً جنگ کرنے کا حکم نہیں دیا اور نہ ہی ہر باغی کے خلاف قتل وقتال کو ضروری ٹھہرایا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَاِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَاِنْ بَغَتْ اِحْدَاهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوْا﴾ (الحجرات: ۴۹/ ۹)

---

❶ صحیح بخاری۔ کتاب المناقب۔ باب علامات النبوۃ فی الاسلام (حدیث: ۳۶۰۱) صحیح مسلم: کتاب الفتن۔ باب نزول الفتن کمواقع القطر، (حدیث: ۲۸۸۶)

❷ صحیح بخاری، حوالہ سابق (حدیث: ۳۶۲۹)

❸ حدیث مذکور کے لیے (دیکھئے العواصم من القواصم: ۱۹۹)

''اگر مومنوں کی دو جماعتیں باہم برسر پیکار ہوں تو ان میں صلح کرا دیجئے اور اگر ایک گروہ دوسرے پر ظلم کر رہا ہو تو اس سے لڑو۔''

متحارب فریقین میں صلح کی ضرورت و اہمیت:

مذکورۃ الصدر آیت میں پہلے صلح کا حکم دیا گیا ہے، اگر کوئی فریق ظلم و تعدی کا مرتکب ہو تو اس سے لڑا جائے، یہاں تک کہ وہ حکم خداوندی کی تعمیل کے لیے سر تسلیم خم کر دے، بنا بریں فریقین کے لڑنے میں کوئی مصلحت نہیں پائی جاتی، ظاہر ہے کہ جس بات کا اللہ نے حکم دیا ہو اس کی مصلحت فساد کی نسبت راجح ہوگی، امام ابن سیرین (مشہور تابعی) فرماتے ہیں۔

''سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے جو شخص بھی فتنہ کی لپیٹ میں آجائے مجھے اس کے جادہ مستقیم سے بھٹک جانے کا خطرہ دامن گیر رہتا ہے، مگر محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ اس سے مستثنیٰ ہیں میں نے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ فتنہ و فساد سے محمد [1] بن مسلمہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔'' [2]

ثعلبہ بن ضبیعہ روایت کرتے ہیں کہ میں سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے فرمایا مجھے وہ شخص معلوم ہے جسے فتنہ پردازی سے کوئی نقصان اور ضرر لاحق نہیں ہوتا، چنانچہ ہم باہر نکلے تو ایک خیمہ نصب کیا ہوا دیکھا جس میں محمد بن مسلمہ تشریف فرما تھے، ہم نے اس ضمن میں ان سے پوچھا تو انہوں نے کہا میں نہیں چاہتا کہ بلاد و امصار جس فتنہ سے دوچار ہیں میں بھی اس کی لپیٹ میں آجاؤں یہاں تک کہ فتنہ کی آگ فرو ہو جائے۔ [3]

چنانچہ ابن مسلمہ کلیتہً جنگ و جدل سے کنارہ کش رہ کر فتنہ سے محفوظ و مصؤن رہے۔

اسی طرح سعد بن ابی وقاص، اسامہ بن زید، عبداللہ بن عمر، ابوبکرہ، عمران بن حصین رضوان اللہ علیہم اجمعین اور سابقین الاولین میں سے باقی ماندہ صحابہ کسی فریق کے ساتھ مل کر شریک جنگ نہیں ہوئے تھے، ان کا یہ طرز عمل اس حقیقت کا آئینہ دار ہے کہ لڑائی واجب تھی اور نہ مستحب جمہور اہل سنت محدثین امام

---

[1] جس مثالی امت کی تربیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں انجام پائی تھی اس میں محمد بن مسلمہ ایک معجزہ کی حیثیت رکھتے تھے، اس ضمن میں مجلّہ الفتح ماہ شوال: ۱۳۶۶ھ ملاحظہ فرمائیے۔

[2] الاصابۃ(۳/۳۸۴) سنن ابی داؤد ۔ کتاب السنۃ۔ باب ما یدل علی ترک الکلام فی الفتنۃ(حدیث:۴۶۶۳)

[3] مستدرک حاکم(۳/۴۳۳)، طبقات ابن سعد(۳/۴۴۴)

مالک، سفیان ثوری، امام احمد بن حنبل اور دیگر ائمہ دین اس ضمن میں یہی رائے رکھتے ہیں۔

سابقہ ذکر کردہ افکار و معتقدات کے علاوہ درج ذیل نظریات کے حامل بھی موجود تھے:

۱۔ خوارج سیدنا عثمان و علی اور ان کے اتباع کی تکفیر کرتے تھے۔

۲۔ روافض سابقین اولین صحابہ کو کافر یا فاسق قرار دیتے، اور سیدنا علی کے خلاف ہر لڑنے والے کی تکفیر کرتے تھے۔

۳۔ نواصب اور امویہ سیدنا علی اور ان کے اتباع کو فاسق اور ظالم و متعدی کے القاب سے نوازتے تھے۔

۴۔ معتزلہ کی ایک جماعت جنگ جمل میں شرکت کرنے والے ایک فریق کو فاسق قرار دیتی تھی، مگر معتزلہ اس فریق کی تعیین نہیں کرتے تھے۔

ان افکار و معتقدات کی موجودگی میں یہ کہنا کیوں کر درست ہوگا کہ سیدنا علی کی بیعت میں خلفائے سابقین کی نسبت زیادہ لوگوں نے شرکت کی تھی۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ شیعہ مصنف کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

''ایک جانب تمہارا دعویٰ یہ ہے کہ سیدنا علی نص کی بنا پر مسند خلافت پر متمکن ہوئے تھے دوسری طرف تم یہ بھی کہتے ہو کہ آپ کی خلافت کا انعقاد لوگوں کی بیعت کے بل بوتے پر ہوا تھا۔''

تم (شیعہ مصنف) اہل سنت کا یہ قول نقل کرتے ہو کہ ان کے یہاں اختلاف پایا جاتا ہے سیدنا علی کے بعد بعض ان کے لخت جگر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو خلیفہ قرار دیتے ہیں، اور بعض امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو۔

ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ اہل سنت کے یہاں سرے سے اس ضمن میں کوئی اختلاف پایا ہی نہیں جاتا بلکہ اہل سنت اس امر میں یک زبان ہیں کہ اہل عراق نے سیدنا علی کی جگہ ان کے بیٹے سیدنا حسن کی بیعت کر لی تھی، پھر انہوں نے بخوشی منصب امارت و خلافت امیر معاویہ [1] کو تفویض کر دیا۔

---

[1] ہم (العواصم من القواصم : ۱۹۷، ۱۹۸) کے حاشیہ پر مندرجہ ذیل خیالات کا اظہار کر چکے ہیں۔

''سیدنا حسن ان کے والد، ان کے بھائی اور ان کے بھائی کی اولاد میں سے ۹ افراد کی طہارت و عصمت کا عقیدہ شیعہ کے ایمان کا اولین عنصر ہے، عصمت ائمہ کے عقیدہ کا تقاضا یہ ہے کہ ان سے خطا کا صدور نہیں ہوتا، اور ان کا ہر قول عمل حق و صواب کا آئینہ دار ہوتا ہے، یہ بات محتاج تشریح نہیں کہ حق و صواب تناقض سے پاک ہوتا ہے، سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا اہم ترین کارنامہ امیر المؤمنین سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت ہے، جب بقول شیعہ آپ کا یہ طرز عمل ایک امام معصوم کا فعل ہے، تو شیعہ کو اس بیعت میں شرکت کرنا اور اس کی صداقت و حقانیت پر ایمان لانا چاہیے

شیعہ مصنف کا یہ قول کہ ''اہل سنت کے یہاں بنوامیہ میں خلافت جاری رہی۔''

ہم جواباً کہتے ہیں کہ اہل سنت کا ایک فرد بھی یہ نہیں کہتا کہ اموی خلفاء جمیع اوامر واحکام میں واجب الاطاعت تھے اور کسی بات میں ان کے حکم سے سرتابی کرنا روانہ تھا، بخلاف ازیں وہ کہتے ہیں کہ بنوامیہ مسند خلافت پر متمکن ہوگئے تھے وہ قوت واقتدار سے بھی بہرہ ور تھے اور امور سلطنت کے انتظام وانصرام سے بھی نابلد نہ تھے، مزید برآں وہ مقاصد امامت کی تکمیل میں بھی کامیاب تھے مثلاً وہ جہاد میں حصہ لیتے تھے، حج کرنے جاتے، جمعہ جماعت اور عیدین کی پابندی کرتے اور راستوں کی حفاظت کا سامان بہم پہنچاتے تھے، تاہم اللہ کی نافرمانی کر کے ان کی اطاعت نہیں کی جاتی تھی، بلکہ ان کی اطاعت صرف بروتقویٰ کی حد تک تھی، نہ کہ اثم وعدوان میں۔

ائمہ اثنا عشرہ مقاصد امامت کی تکمیل سے قاصر تھے:

یہ حقیقت ''عیاں راچہ بیاں'' کی مصداق ہے کہ امراء وحکام کے بغیر انسانی نظام قائم نہیں رہ سکتا، یہ بھی مسلم ہے کہ ظالم امام نہ ہونے سے بہتر ہے، سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

''امارت ناگزیر ہے خواہ نیک ہو یا بد۔'' لوگوں نے دریافت کیا، نیک امارت تو ہمیں معلوم ہے، امارت فاجرہ سے آپ کی مراد کیا ہے؟ جواباً فرمایا: ''جس سے راستے محفوظ رہیں، شرعی حدود کا

تھا، مگر مشاہدہ سے معلوم ہوتا ہے، کہ وہ اس بیعت کے منکر ہیں اور اس ضمن میں اپنے امام معصوم کی مخالفت کا ارتکاب کرتے ہیں اس کے صرف دو اسباب ہیں۔

۱۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ شیعہ ائمہ اثنا عشرہ کی عصمت کے دعویٰ میں دروغ گوئی سے کام لیتے ہیں، اس سے شیعہ مذہب کی امارت دھڑام سے گر پڑے گی اس لیے کہ عصمت ائمہ کا عقیدہ شیعہ مذہب کا سنگ بنیاد ہے اس کے علاوہ ان کے مذہب کی کوئی اساس نہیں۔

۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ شیعہ کی نگاہ میں بلاشبہ امام حسن معصوم تھے اور سیدنا حسن کا سیدنا معاویہ کی بیعت سے مشرف ہونا ایک معصوم کا فعل ہے مگر شیعہ دین سے بغاوت کا ارتکاب کر رہے ہیں اور امام معصوم کی مخالفت سے باز نہیں آتے، اور اس پر طرہ یہ کہ آئندہ نسلوں کو بھی یہی وصیت کیے جاتے ہیں، اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ امام معصوم کی مخالفت پر تلے ہوئے ہیں اور دانستہ کفر وعناد اور مکابرہ کی بنا پر امام کے احکام کی خلاف ورزی پر مصر ہیں، ہم نہیں جانتے کہ مذکورہ ہر دو وجوہ میں سے کون سی وجہ شیعہ کو قعر ہلاکت میں گرانے کے لیے دوسری وجہ کی نسبت قوی تر ہے ظاہر ہے کہ ان ہر دو اسباب کے علاوہ تیسرا سبب اور کوئی نہیں ہوسکتا۔''

قیام عمل میں آئے۔ دشمنان دین سے جہاد کیا جائے، اور مال غنیمت کو تقسیم کیا جائے۔‘‘

شیعہ عالم علی بن معبد [1] نے اپنی تصنیف کتاب الطاعة و المعصية میں یہ روایت ذکر کی ہے۔

خلاصہ کلام (تاریخ کے مختلف ادوار میں) جو خلفاء مسند خلافت و امارت پر جا گزین ہوئے وہ بہر کیف شیعہ کے امام منتظر سے بہتر ہی تھے، جن کے انتظار میں شیعہ صدیوں سے جھوٹی آس لگائے بیٹھے ہیں۔

اگر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو مستثنیٰ قرار دیا جائے تو امام منتظر کے جملہ آباء و اجداد قوت و شوکت سے محروم، امامت سے قاصر اور امور مملکت سے بے بہرہ تھے، نظر بریں ان سے کسی طرح امامت کا مقصد پورا نہیں ہوتا۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جو شخص اپنے امیر سے کوئی بری حرکت صادر ہوتی دیکھے تو صبر سے کام لے اس لیے کہ جو شخص اطاعت سلطان سے ایک بالشت بھر باہر نکلا اور پھر اسی پر اس کی موت واقع ہوگئی تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔‘‘ [2]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

’’جو اطاعت سے نکلا اور پھر جماعت کو چھوڑ کر مر گیا تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہے، اور جو طرف داری اور تعصب کی خاطر لڑتا ہوا مارا جائے تو وہ میری امت میں سے نہیں۔ [3]

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

’’جس نے اطاعت سے ہاتھ کھینچا تو وہ روز قیامت اللہ تعالیٰ کو ملے گا اور اس کے پاس کوئی

---

[1] علی بن معبد ایک شیعہ عالم تھا اور بغداد میں سکونت پذیر تھا، المامقانی نے اپنی کتاب ’’تنقیح المقال : ۲/ ۳۰۹ پر لکھا ہے کہ یہ امام حسن عسکری کے والد محمد کے بیٹے ہادی علی کے اتباع میں سے تھا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علی بن معبد خلیفہ مامون و معتصم کا معاصر تھا۔‘‘

[2] صحیح بخاری، کتاب الفتن ۔ باب قول النبی صلی اللّٰہ علیہ ’’ سترون بعدی امور تنکرونھا(حدیث:۷۰۵٤)۔ صحیح مسلم، کتاب الإمارة۔ باب وجوب ملازمة جماعة المسلمين(حدیث:۱۸٤۹)

[3] صحیح مسلم۔ کتاب الإمارة۔ باب وجوب ملازمة جماعة المسلمين (حدیث: ۱۸٤۸)

دلیل نہ ہوگی اور جو اس حال میں مرا کہ اس کی گردن میں کسی (خلیفہ و امام) کی بیعت کا جوا نہیں تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔'' ❶

نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت روا نہیں، اطاعت صرف نیکی کے کاموں میں ہے۔'' ❷

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

''امیر وخلیفہ کی بات سننا اور اس پر عمل پیرا ہونا مسلمانوں کے لیے ضروری ہے، خواہ وہ بات اسے پسند ہو یا ناپسند، البتہ اگر اسے اللہ کی نافرمانی کا حکم دیا جائے تو پھر سننا ضروری ہے، نہ اطاعت کرنا۔'' ❸

---

❶ صحیح مسلم کتاب الإمارة۔ باب وجوب ملازمة جماعة المسلمین (حدیث: ۱۸۵۱)

❷ صحیح بخاری، کتاب اخبار الآحاد۔ باب ما جاء فی اجازة خبر الواحد الصدوق، (حدیث: ۷۲۵۷)، صحیح مسلم۔ کتاب الإمارة ۔ باب وجوب طاعة الامر فی غیر معصیة (حدیث: ۱۸٤۰)

❸ صحیح بخاری کتاب الجهاد۔ باب السمع والطاعة للامام(حدیث:۲۹۵۵) ، صحیح مسلم، کتاب الامارة۔ باب وجوب طاعة الامراء فی غیر معصیة (حدیث: ۱۸۳۹)

دوسری فصل
واجب الاتباع مذہب کے بیان میں

کون سا مذہب واجب الاتباع ہے؟:

شیعہ مصنف ابن المطہر لکھتا ہے:

فصل ثانی میں یہ مسئلہ زیر بحث آئے گا کہ امامیہ کا مذہب احق الذہب ہونے کی بنا پر واجب الاتباع ہے۔

نیز اس لیے کہ اصول عقائد میں ان کا مسلک تمام اسلامی فرقوں سے جداگانہ نوعیت کا حامل ہے، اس لیے بھی کہ وہ نجات اخروی کا کامل یقین رکھتے ہیں، ان کا دین ائمہ معصومین سے ماخوذ ہے، امامیہ کے علاوہ دیگر فرقے مختلف الخیال ہیں اور ان کے طرز فکر ونظر میں بڑا اختلاف پایا جاتا ہے، چنانچہ درج ذیل افکار وآراء سے اہل سنت کے تغایر وتخالف کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

ا۔ اہل سنت میں سے بعض لوگ بلا استحقاق امارت وخلافت کے طلب گار تھے اور اکثر لوگ محض دنیا طلبی کے نقطہ خیال سے ان کے پیرو بن گئے تھے، مثلاً عمر بن سعد بن مالک [1] کو جب یہ اختیار دیا گیا کہ اگر چاہے تو امام حسین رضی اللہ عنہ کے خلاف نبرد آزما ہو اور اگر چاہے جنگ سے کنارہ کشی اختیار کرلے تو اس نے لڑنا پسند کیا، حالانکہ وہ اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھا کہ امام حسین کے قاتل جہنمی ہیں، چنانچہ وہ خود کہتا ہے:

(۱) فَوَ اللّٰہِ مَا اَدْرِیْ وَاِنِّیْ لَصَادِقٌ ، اُفَکِّرُ فِیْ اَمْرِیْ عَلٰی خَطَرَیْنِ

''اللہ کی قسم! میں سچ کہتا ہوں کہ میں دو خطرات کے بارے میں سوچ بچار کر رہا ہوں اور مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔''

(۱) اَاَتْرُکُ مُلْکَ الرَّیِّ وَالرَّیُّ مُنْیَتِیْ ، اَوْ اُصْبِحُ مَا ثُوْمًا بِقَتْلِ حُسَیْنٍ

---

[1] مالک کی کنیت ابو وقاص تھی، یہ مشہور صحابی فاتح عراق سیدنا سعد یکے از عشرہ مبشرہ کے والد تھے۔

''آیا میں رے کی سلطنت چھوڑ دوں حالانکہ یہ میری دلی تمنا ہے یا قتل حسین کا مرتکب ٹھہروں۔''

(۳) وَفِیْ قَتْلِهِ النَّارُ الَّتِیْ لَیْسَ دُوْنَهَا، حِجَابٌ وَّلِیْ فِی الرَّیِّ قُرَّةُ عَیْنِیْ

''سیدنا حسین کے قتل کی سزا وہ آگ ہے جس میں کوئی پردہ حائل نہیں اور رے کی حکومت میرے لیے فرحت وسرور کی موجب ہے۔''

۲۔ بعض اہل سنت شہادت کا شکار ہوکر دنیادار لوگوں کے پیچھے چلنے لگے تھے، کوتاہ بینی کی بنا پر انہیں حق تک رسائی حاصل نہ ہوسکی، اور خداوندی گرفت کے مستوجب ٹھہرے۔

۳۔ بعض لوگ کوتاہ فہمی کی بنا پر مقلد محض ہوکر رہ گئے اور لوگوں کی بھیڑ دیکھ کر یہ سمجھے کہ شاید کثرت افراد حق وصداقت کی علامت ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ انہی کی بیعت کر بیٹھے اور اس آیت کو یکسر نظر انداز کر دیا۔

﴿ وَقَلِیْلٌ مَّا هُمْ ﴾ (ص:۳۸/۲۴)

''وہ (حق پرست) کم ہی ہوتے ہیں۔''

۴۔ بعض لوگ حق کی بنا پر امارت وخلافت کے طالب تھے، چنانچہ قلیل التعداد بااخلاص مسلمانوں کی ایک جماعت نے جنھیں دنیوی زیب وزینت سے کچھ سروکار نہ تھا ان کی اطاعت کا اقرار کرلیا اور ان کے اوامر واحکام کی اطاعت کرنے لگے، قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَی الظّٰلِمِیْنَ ﴾ (ھود:۱۱/۱۸)

''ظالموں پر اللہ کی پھٹکار۔''

(شیعہ مصنف کا بیان ختم ہوا۔)

شیعہ مصنف کے نظریات کا ابطال:

شیعہ مصنف نے رسول اللہ ﷺ کے بعد صحابہ کو چار فرقوں میں تقسیم کیا ہے، حالانکہ یہ صریح قسم کی دروغ بیانی ہے، اس لیے کہ معروف صحابہ میں سے ایک فرد واحد بھی ان اقسام چہارگانہ سے وابستہ نہ تھا، بلا استحقاق طالب خلافت سے شیعہ مصنف کے زعم میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حق کی بنا پر طالب خلافت سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ مراد ہیں، یہ دونوں کے حق میں صاف جھوٹ ہے، اس لیے کہ ان دونوں حضرات نے کبھی خلافت وامارت کا مطالبہ نہیں کیا تھا۔

باقی ماندہ دوقسموں میں سے پہلی قسم کے وہ لوگ تھے جو طلب دنیا کے لیے دوسروں کی تقلید کا دم بھرتے تھے اور دوسرے وہ جو کوتاہ بینی کے پیش نظر دوسروں کے پیرو تھے، حق کی معرفت حاصل کر کے اس کی پیروی کرنا انسان کا فرض ہے، یہود نے حق کو پہچانا مگر اس کی اتباع سے قاصر رہتے تھے، اس لئے وہ مورد غضب الٰہی ہوئے، نصاریٰ حق کی معرفت حاصل نہ کر سکے، اور جادہ مستقیم سے بھٹک گئے، مگر اس کے عین برخلاف امت محمدی خیر الامم ہے، قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ ﴾ (آل عمران: ۳/ ۱۱۰)

''تم بہترین امت ہو۔''

امت محمدی میں سے افضل لوگ بفرمان نبی ﷺ قرن اول کے تھے، پھر ان کے بعد آنے والے، روافض ❶ ان کی شان میں جو کچھ گل فشانی کرتے ہیں وہ معلوم ہو چکی، ان کے مزعومات کے

---

❶ شیعہ اپنی علمی تصانیف میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ کو ''الجبت والطاغوت'' (جادو گر اور شیطان) کے القاب سے نوازتے ہیں، حالانکہ سیدنا علی نے متعدد مرتبہ کوفہ کے منبر پر چڑھ کر یہ بات کہی تھی، ہزاروں اشخاص نے ان سے یہ بات سنی اور اس کثرت سے روایت کی کہ وہ متواتر کی حد تک پہنچ گئی آپ نے فرمایا: '' خَیْرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ بَعْدَ نَبِیِّهَا اَبُوْبَكْرٍ ثُمَّ عُمَرُ'' ''نبی ﷺ کے بعد اس امت میں سب سے افضل ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد عمر رضی اللہ عنہ۔'' مشہور شیعہ المامقانی اپنی کتاب '' تنقیح المقال '' کے مقدمہ، ص: ۲۰۷ پر ان احادیث کا ذکر کرتے ہوئے جو اس نے دو اماموں کے علاوہ دیگر ائمہ کے کفر و ضلالت پر استدلال کرتے ہوئے تحریر کی ہیں رقم طراز ہے:

''دسویں حدیث وہ ہے جو محمد بن ادریس الحلی نے ''السرائر'' کے آخر میں کتاب ''مسائل الرجال'' سے نقل کی ہے، محمد بن علی بن عیسیٰ کہتے ہیں کہ میں نے ابوالحسن علی بن محمد بن علی بن موسیٰ کو تحریر کیا کہ آیا ناصبی وہ شخص ہے جو '' الجبت والطاغوت'' (سیدنا ابوبکر وعمر) کی تکریم بجا لاتا اور ان کی امامت کا قائل ہو یا کسی اور طریقہ سے بھی اس کی آزمائش مطلوب ہے!

ابوالحسن نے اس کے جواب میں تحریر کیا کہ جو شخص یہ عقیدہ رکھتا ہو وہ ناصبی ہے۔''

سلیمان بن خالد کی ذکر کردہ حدیث دوم بھی انہی احادیث میں شامل ہے، سلیمان امام جعفر صادق سے روایت کرتا ہے، کہ آپ نے فرمایا: ''اہل شام اہل روم سے بدتر ہیں'' اہل مدینہ اہل مکہ سے بدتر اور مکہ والے علانیہ کفر باللہ کا ارتکاب کرتے ہیں۔'' اس میں شک نہیں کہ امام جعفر صادق بحیثیت مجموعی امت محمدی کو کافر قرار نہیں دے سکتے یہ صرف سلیمان بن خالد کی دروغ بیانی ہے۔

مطابق وہ سب لوگوں سے کم علم اور خواہشات کی پیروی کرنے میں سب سے آگے تھے، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ امت رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد راہ حق سے منحرف ہوگئی تھی، جب رسول اللہ ﷺ کی وفات کے فوراً بعد یہ حالت ہوگئی تھی، تو پھر شیعہ کے پیش کردہ دلائل و براہین کہاں تک قدر و قیمت کے حامل ہوں گے۔ (جب کہ وہ سب دلائل عہد صحابہ سے نقل کیے گئے ہیں۔)

شیعہ مصنف کا یہ قول کہ: ''صحابہ کے جذبات و احساسات کی طرح ان کے افکار و آراء بھی مختلف تھے۔''

حضرات صحابہ پر یہ بہتان عظیم ہے جس سے ان کا دامن پاک ہے، یہ امر قابل دریافت ہے کہ اس جاہل کے مخاطب کون لوگ ہیں؟ کیا یہ گل افشانی انہی صحابہ کے بارے میں کی جارہی ہے جن کی شان میں ارشاد ہوتا ہے:

صحابہ کرام کا مقام بلند:

﴿ وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ﴾(التوبة:۹/ ۱۰۰)

گیارہویں حدیث ابوحمزہ ثمالی سے مروی ہے کہ علی بن حسین رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا۔
سب سے بہتر جگہ کون سی ہے؟ میں نے عرض کیا، اللہ، رسول اور ابن رسول ہی کو بہتر علم ہوگا، فرمایا سب سے بہتر جگہ وہ ہے جو رکن اور مقام ابراہیم کے درمیان ہے، اگر کوئی شخص نوح علیہ السلام کی طرح ۹۵۰ سال کی عمر پائے اور رکن و مقام کے مابین روزہ رکھتا اور راتوں کو قیام کرتا رہے، اور ہماری امامت کو تسلیم کیے بغیر مرجائے تو اسے اس عبادت کا کچھ فائدہ نہ ہوگا۔
شیعہ نے ائمہ کی امامت تسلیم کرنے کے لیے جو شرائط مقرر کر رکھے ہیں ان میں سیدنا ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کو الجبت والطاغوت کے نام سے یاد کرنا اور ان کی خلافت کا انکار نہ کرنے والوں کو کافر قرار دینا بھی شامل ہے، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے الہام ربانی کی بنا پر اس کی مصلحت یہ بیان کی ہے کہ جب سیدنا ابوبکر وعمر اور دیگر صحابہ نے وفات پائی، اور ان کی نیکیوں کا سلسلہ بند ہوگیا تو اللہ تعالیٰ نے اولاد مجوس میں سے کچھ ایسے لوگ پیدا کر دیئے، جو یہ فریضہ (یعنی سب وشتم اور تکفیر وتفسیق) انجام دیتے رہتے ہیں، تاکہ اجر و ثواب کا سلسلہ جاری رہے، اس ضمن میں شیعہ کی ایک دعا بھی قابل ذکر ہے جسے وہ کفار قریش کی دعا سے یاد کرتے ہیں، ہم کسی دوسری فرصت میں اس فاجرانہ دعا پر روشنی ڈالیں گے۔

''اور مہاجرین و انصار میں سے جو سابقین اولین ہیں اور وہ لوگ جنہوں نے نیکی کے کاموں میں ان کی پیروی کی اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوگیا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوگئے۔
نیز فرمایا:

﴿ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ﴾ (الفتح: ۴۸/۲۹)

''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں وہ کفار کے مقابلہ میں بڑے سخت اور آپس میں لطیف و شفیق ہیں۔
متعدد قرآنی آیات میں مہاجرین و انصار کی مدح و ستائش کی گئی ہے، بعد میں آنے والوں کی تعریف ان الفاظ میں فرمائی:

﴿ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ ﴾

(الحشر: ۵۹/۱۰)

''اے ہمارے رب! ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش لے جو ہم سے پہلے با ایمان گزرے ہیں۔''

صحابہ کے بعد آنے والے (تابعین) بارگاہ ایزدی میں دست بدعا ہیں، کہ ان کے دل عداوت صحابہ سے پاک رہیں، روافض صحابہ کے لیے دعا نہیں کرتے، بلکہ ان کے دل صحابہ کے خلاف بغض و عداوت سے لبریز ہیں۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:
''اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے لیے یہ جانتے ہوئے مغفرت طلب کرنے کا حکم دیا ہے کہ وہ باہم لڑا کرتے تھے۔''[1]

عروہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ ''اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مغفرت طلب کرنے کا حکم دیا گیا تھا، مگر لوگوں نے برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔[2]

ابوسعید رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کو گالیاں نہ

---

[1] الشريعة للآجری(۱۹۷۹۔۱۹۸۰) السنة لابن ابی عاصم(۱۰۰۳)

[2] صحيح مسلم۔ كتاب التفسير۔ باب فی تفسير آيات متفرقة(حديث:۳۰۲۲)

دو، اگر تم میں سے کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کر دے تو ان کے پاسنگ کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ ❶

صحیح مسلم میں یہی روایت بعینہٖ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے ❷ نیز مسلم میں سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے، کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا گیا: ''کچھ لوگ اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہاں تک کہ ابوبکر و عمر کی شان میں سوء ادبی کے مرتکب ہوتے ہیں۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواباً فرمایا:

''اس میں حیرت و استعجاب کی کون سی بات ہے، دارِ فانی سے کوچ کرنے کے باعث ان کے نیک اعمال کا سلسلہ بند ہو گیا تھا خداوند کریم نے چاہا کہ ان کے اجر و ثواب کا سلسلہ بند نہ ہو۔'' ❸

صحابہ کے فضائل و مناقب:

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے:

''اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی سے احتراز کیجئے اللہ کی قسم! نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی ایک گھڑی کی رفاقت و صحبت تمہارے چہل سالہ اعمال سے افضل ہے۔'' ❹

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴾ (الفتح:۴۸/۱۸)

''اللہ تعالیٰ مومنوں سے راضی ہو گیا، جب وہ درخت کے نیچے آپ کی بیعت کر رہے

---

❶ صحیح بخاری ۔ کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم "لو کنت متخذا خليلاً" (حدیث:۳۶۷۳) صحیح مسلم۔ کتاب فضائل الصحابة۔ باب تحریم سب الصحابة رضی الله عنهم (حدیث: ۲۵۴۱)

❷ صحیح مسلم۔حواله سابق۔ حدیث: ۲۵۴۰)

❸ الشريعة للآجری(۱۹۹۹) من طريق هشام بن عروة عن ابيه عن عائشة رضی الله عنها

❹ مصنف ابن ابی شيبة(۱۷۸/۱۲)، سنن ابن ماجة۔ المقدمة۔ باب فضل اهل بدر، (حدیث: ۱۶۲)

تھے، جو کچھ ان کے دلوں میں تھا اس نے معلوم کرلیا، ان پر اطمینان وسکون نازل کیا اور انہیں قریبی فتح سے نوازا۔‘‘

مذکورۃ الصدر آیت اس حقیقت کی غمازی کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اصحاب رسول کے قلبی اسرار کو معلوم کر کے ان سے رضا مندی کا اظہار فرمایا ہے، [1] درخت کے نیچے بیعت کرنے والے صحابہ کی

---

[1] یہ حدیث معجزات نبوت میں سے ایک عظیم معجزہ کی حیثیت رکھتی ہے، بیعت رضوان پر ۱۳۶۸ سال کی مدت مدید گزر چکی ہے یہ مدت حاشیہ لکھنے کے وقت کے مطابق ہے البتہ آج اس بیعت کو۱۴۲۳ سال گزر چکے ہیں) اور مسلمان ہنوز بیعت رضوان میں شرکت کرنے والے صحابہ کے بارے میں : ’’ لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْن ‘‘ کی شہادت خداوندی پر قانع چلے آرہے ہیں، عصر حاضر میں ایک جاہل نابینا پیدا ہوا ہے جو سرور کائنات ﷺ کے ہر دو اصحاب (ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما) اور رفقائے دنیا و آخرت کے ایمان کو مشتبہ قرار دینے سے بھی نہ شرمایا، چنانچہ وہ اپنی کتاب ’’ احیاء الشریعة فی مذھب الشیعة ‘‘کی جلد اول، ص:۶۳، ۶۴‘‘ پر لکھتا ہے:

’’اگر اہل سنت یہ کہیں کہ سیدنا ابوبکر وعمر بیعت رضوان کرنے والے صحابہ میں شامل ہیں جن کے متعلق واضح الفاظ میں رضائے خداوندی کا اظہار کیا گیا ہے تو ہم جواباً کہیں گے کہ اگر قرآن میں یہ الفاظ ہوتے کہ: ’’ لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیْنَ بَایَعُوْكَ ‘‘ (اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے راضی ہوا جنہوں نے آپ کی بیعت کی۔‘‘ تو آیت اس بات پر دلالت کرتی کہ اللہ تعالیٰ بیعت رضوان میں شامل ہونے والے تمام صحابہ سے راضی ہے۔ مگر آیت کے الفاظ یہ ہیں: ’’لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ‘‘ (اللہ تعالیٰ مومنوں سے راضی ہوا) بنا بریں آیت سے صرف یہ مستفاد ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنوں سے راضی ہے۔‘‘

صحیح مسلم میں سرور کائنات ﷺ کا یہ ارشاد کہ درخت کے نیچے بیعت کرنے والوں میں سے کوئی بھی آگ میں نہیں جائے گا‘‘(صحیح مسلم ۔ کتاب فضائل الصحابة ، باب فضائل اصحاب الشجرة، (حدیث: ٢٤٩٦) اس جاہل اندھے کا منہ بند کرنے کے لیے یہ کافی ہے اور ایک پتھر کی حیثیت رکھتا ہے، اس جاہل اندھے کے دین وادب اور فہم وفراست کا یہ عالم ہے کہ اس کی رائے میں آیت: ’’ اِذْھُمَا فِی الْغَارِ ‘‘ سیدنا ابوبکر کی مدح وستائش کے لیے نہیں، بلکہ ان کی مذمت میں نازل ہوتی ہے، یہ اندھا شیعہ مجتہدین میں سے ایک ہے، جب مجتہدین کا یہ حال ہے تو درجہ اجتہاد سے قاصر رہنے والوں کی کیا حالت ہوگی؟‘‘

تعداد ۱۴۰۰ تھی، پھر انہی صحابہ نے سیدنا ابوبکر کی بیعت میں حصہ لیا، سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ سرورانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا يَدْخُلُ اَحَدٌ مِّمَّنْ بَايَعَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ النَّارَ)) [1]

''درخت کے نیچے بیعت کرنے والوں میں سے کوئی شخص آگ میں داخل نہیں ہوگا۔''

قرآن کریم میں فرمایا:

﴿ لَقَدْ تَابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ ﴾ (التوبة: ۹/۱۱۷)

''اللہ تعالیٰ نبی اور مہاجرین وانصار کی طرف (اپنی رحمت کے ساتھ) لوٹ آیا، جنہوں نے تکلیف کے وقت آپ کی پیروی کی، (تکلیف کے وقت سے جنگ تبوک مراد ہے)۔''

نیز فرمایا:

﴿ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا ﴾ (المائدہ: ۵/۵۵)

''تمہارا دوست تو صرف اللہ تعالیٰ، اس کا رسول اور وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے۔''

دوسری جگہ ارشاد ہوا:

﴿ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ﴾ (التوبہ: ۹/۷۱)

مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔''

اس آیت میں صحابہ سے دوستی لگانے کا حکم دیا گیا ہے، مگر روافض اس کے برعکس ان سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔

ایک جاہل کا قول ہے کہ درج ذیل آیت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی، اس نے اس کے اثبات میں ایک موضوع روایت بھی بیان کردی کہ آپ نے نماز کے دوران اپنی انگوٹھی صدقہ کے طور پر کسی کو دے دی تھی، تب یہ آیت اتری، قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ اَلَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رَاكِعُوْنَ ﴾

(المائدہ: ۵/ ۵۵)

---

[1] صحيح مسلم۔ كتاب فضائل الصحابة۔ باب من فضائل اصحاب الشجرة (حديث: ۲۴۹٦) من حديث جابر عن ام مبشر رضى الله عنهما ۔ مسند احمد (۳/ ۳۵۰)، سنن ابى داؤد۔ كتاب السنة۔ باب فى الخلفاء(حديث:٤٦٥٣) عن جابر رضى الله عنه۔

’’جو نمازوں کی پابندی کرتے ،زکوۃ ادا کرتے اوروہ رکوع کرنے والے ہیں۔‘‘

یہ طرز استدلال سراسر غلط ہے،جس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ آیت میں جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے، جب کہ سیدنا علی ایک تھے،مزید برآں ’’ وَهُمۡ رَاكِعُونَ ‘‘ میں واؤ حالیہ نہیں ،اگر واؤ کو حالیہ قرار دیا جائے تو زکوۃ کا حالت رکوع میں ادا کرنا ایک ضروری امر ہوگا،علاوہ کسی کی مدح امر واجب یا مستحب کی بنا پر کی جاتی ہے،اور یہ ظاہر ہے کہ حالت نماز میں زکوٰۃ ادا کرنا بالاتفاق واجب ہے نہ مستحب۔

نیز یہ کہ نماز میں ایک طرح کی مشغولیت ہوتی ہے،اور زکوۃ کی ادائیگی اس کی منافی ہے،اس پر طرہ یہ کہ عہد نبوی میں سرے سے سیدنا علی پر زکوۃ ہی فرض نہ تھی ،اس کی حد یہ ہے کہ آپ کے پاس انگوٹھی بھی نہ تھی ، بفرض محال اگر یہ تسلیم کرلیا جائے ، کہ آپ کے پاس انگوٹھی موجود تھی تو آخر یہ انگوٹھی دے کر کس مال کی زکوٰۃ ادا کی گئی؟ اس لئے کہ اکثر فقہاء زکوۃ میں انگوٹھی دینے کو ناروا خیال کرتے ہیں،شیعہ کی کتب حدیث میں تحریر ہے کہ سیدنا علی نے یہ انگوٹھی ایک سائل کو دی تھی زکوۃ میں مدح کا پہلو صرف یہ ہے کہ فوری طور پر بلا تاخیر ادا کی جائے۔

قرآنی آیات سے مدح صحابہ:

ایک اور بات قابل ذکر ہے کہ آیت قرآنی میں کفار کی دوستی سے منع کرکے مومنین سے دوستانہ مراسم استوار کرنے کا حکم دیا گیا ہے، بخلاف ازیں روافض اہل ایمان سے بغض وعداوت رکھتے اور مشرکین تاتار سے دوستی لگاتے ہیں، جیسا کہ ہمارا مشاہدہ ہے، خداوند کریم رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿ هُوَ الَّذِىۡۤ اَيَّدَكَ بِنَصۡرِهٖ وَبِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَاَلَّفَ بَيۡنَ قُلُوۡبِهِمۡ ﴾

(الانفال:۸/ ۶۱، ۶۲)

’’وہ اللہ کی ذات ہی ہے جس نے اپنی اور مومنوں کی مدد سے آپ کی تائید کی ،اوران کے دلوں میں الفت پیدا کردی۔‘‘

آیت کے مفہوم کے عین برخلاف شیعہ جھوٹ بول بول کرا کابر امت کے لئے دلوں میں نفاق کا بیج بوتے ہیں،اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَالَّذِىۡ جَآءَ بِالصِّدۡقِ وَصَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡمُتَّقُوۡنَ ﴾

(الزمر:۳۹/ ۳۳)

’’جو سچ کو لایا اور اس کی تصدیق کی وہی لوگ پرہیز گار ہیں۔‘‘

مذکورۃ الصدر آیات میں جن لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے، وہ اشرف الامت ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں وعدہ فرمایا ہے، کہ ان کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے بقول شیعہ سیدنا علی جب گناہوں سے پاک ہیں تو اس آیت کا مصداق کیوں کر ہو سکتے ہیں؟ قرآن میں فرمایا:

﴿وَعَدَاللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوْا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ﴾ (النور: ۲۴/۵۵)

’’جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور نیک اعمال کئے، اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ انہیں خلافت ارضی عطا کرے گا۔‘‘

مذکورہ بالا آیات میں ان امور پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

۱۔ صحابہ کو خلافت سے نوازا جائے گا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر سکون و اطمینان نازل کیا ہے۔

۴۔ صحابہ تقویٰ کے وصف سے بہرہ ور ہیں۔

جن صحابہ نے سیدنا ابوبکر و عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کی بیعت کی وہ ان صفات سے بہرہ ور تھے، وہ امارت و خلافت سے بہرہ ور ہوئے، قوت و شوکت نے ان کے قدم چومے خطرات کا ازالہ کر کے ملک میں امن و امان قائم کیا، فارس و روم کو زیر نگیں کیا، ان کی فتوحات کا سلسلہ شام و عراق مصر و مغرب و خراسان و آذربائیجان تک پہنچ گیا۔

جب سیدنا عثمان کی شہادت کے بعد فتنہ پردازی کا آغاز ہوا تو فتوحات کا سلسلہ رک گیا اور رومی اور دوسرے لوگ اسلامی بلاد و امصار کو حریصانہ نگاہوں سے دیکھنے لگے، دوسری جانب بدعات کا آغاز ہوا اور مختلف فرقے مثلاً خوارج، روافض اور نواصب منصۂ شہود پر جلوہ گر ہو گئے، خون ریزی کا بازار گرم ہوا، ذرا اندازہ لگائیے، کہ شہادت عثمان کے ماقبل و مابعد کے حالات میں کس حد تک فرق و امتیاز پایا جاتا ہے۔

باقی رہا یہ سوال کہ منافق اس دور میں بظاہر مسلم ہونے کے دعویٰ دار تھے تو اس کے جواب میں یہ کہیں گے کہ منافقین میں کوئی اچھا وصف نہ تھا، انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین صحابہ میں کسی کی صحبت

ورفاقت کا شرف حاصل نہ تھا، اس ضمن میں مندرجہ ذیل آیات قابل ملاحظہ ہیں:

﴿لَئِنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ﴾ (العنکبوت: ۲۹/ ۱۰)

''اگر اللہ کی جانب سے مدد آئے تو منافق کہتے ہیں کہ ہم آپ کے ساتھ تھے۔''

﴿ وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ وَمَا هُمْ مِنْكُمْ ﴾ (التوبة: ۹/ ۵۶)

''وہ (منافق) قسمیں اٹھاتے ہیں کہ وہ تم میں سے ہیں، حالانکہ وہ تم میں سے نہیں۔''

﴿ اِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ﴾(النساء: ۴/ ۱۴۵)

''منافق جہنم کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوں گے۔''

اللہ تعالیٰ ان آیات میں فرماتے ہیں کہ منافق ایمان سے بہرہ ور نہیں، نیز یہ کہ وہ یک سوئی سے محروم ہیں اور تذبذب کی حالت میں مبتلا ہیں، بعینہ روافض کی بھی یہی حالت ہے۔

﴿ لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنَافِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ﴾ (الاحزاب: ۳۳/ ۶۰)

''اگر منافق باز نہ آئے اور وہ لوگ جن کے دلوں میں کھوٹ ہے اور مدینہ میں افواہیں پھیلانے والے تو ہم آپ کو ان کے خلاف آمادہ کریں گے۔''

جب اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو منافقین سے جنگ آزمائی کے لیے آمادہ نہ کیا اور نہ ہی آپ نے عام منافقین کو تہ تیغ کرنے کا بیڑا اٹھایا تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ منافق اپنے رویہ سے باز آ گئے تھے، بیعت رضوان میں جد بن قیس کے سوا کوئی منافق موجود نہ تھا اور وہ بھی اونٹ کے پیچھے چھپ گیا تھا۔[1]

خلاصہ کلام! منافق صحابہ کے آگے مجبور و بے بس ہوا کرتے تھے، جنگ تبوک کے بعد رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے آخری ایام میں جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿ لَئِنْ رَّجَعْنَا اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ﴾

(المنافقون: ۶۳/ ۸)

''اگر ہم مدینہ کو لوٹ کر گئے تو ہم میں سے معزز آدمی ذلیل کو وہاں سے نکال دے گا۔''

[1] صحیح مسلم ۔ کتاب الامارة۔ باب استحباب مبایعة الامام الجیش (حدیث: ۱۸۵۶) طبقات ابن سعد(۲/ ۱۰۰)

﴿ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ (المنافقون: ٦٣/ ٨)

''اور عزت اللہ، اس کے رسول اور مومنوں کے لیے ہے مگر منافقوں کو معلوم نہیں۔''

یہ آیت اس حقیقت پر روشنی ڈالتی ہے کہ اصحاب محمد عزت وقوت سے بہرہ ور تھے، اور منافق ان کے درمیان ذلت ورسوائی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔

﴿ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ﴾ (التوبة: ٩/ ٦٢)

''وہ تمہیں راضی کرنے کے لیے اللہ کی قسمیں اٹھاتے ہیں۔''

﴿ يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ﴾ (التوبة: ٩/ ٩٦)

''وہ منافق قسمیں اٹھاتے ہیں تاکہ تم ان سے راضی ہو جاؤ۔''

﴿ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ﴾ (التوبة: ٩/ ٥٦)

''وہ منافق گھبراہٹ میں پڑی ہوئی قوم ہیں (مبادا آشکار نہ ہو جائیں)

مذکورۃ الصدر آیات میں ذکر کردہ صفات ایک ذلیل اور مقہور و مجبور قوم کی صفات ہی ہوسکتی ہیں، اس کے عین برخلاف سابقین اولین مہاجرین وانصار آپ کی زندگی میں اور بعداز وفات ہمیشہ باعزت زندگی بسر کرتے رہے، یہ آیات اس امر کی شاہد عدل ہیں کہ رسول اللہ کے باعزت صحابہ کسی طرح بھی منافق اور ذلیل ورسوا نہ تھے۔

منافق کون ہے؟:

سابق الذکر امور و اوصاف کا اصلی مورد و مصدر شیعہ ہیں، عزت ورسوائی میں ان کا شمار ہے، نفاق وتقیہ ان کا اوڑھنا بچھونا اور کذب بیانی اور جھوٹی قسمیں اٹھانا ان کا سرمایہ افتخار!

ان کی زبانوں سے وہ باتیں صادر ہوتی ہیں، جو دل میں نہیں ہوتیں، شیعہ امام جعفر صادق رحمہ اللہ پر بہتان طرازی کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

'' اَلتَّقِيَّةُ دِيْنِىْ وَدِيْنُ اٰبَائِىْ''

''تقیہ میرا اور میرے آباء کا دین ہے۔''

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بیت کو اس سے بے نیاز رکھا تھا اور ان کا دامن اس سے پاک تھا، وہ لوگوں میں سب سے سچے اور ایمان میں عظیم تر تھے، بنابریں ان کا دین تقویٰ تھا نہ کہ تقیہ،

قرآن کریم میں فرمایا:

﴿لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكَافِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقَاةً﴾

(آل عمران:۳/۲۸)

''اہل ایمان مومنوں کو چھوڑ کر کفار کو دوست نہ بنائیں جو ایسا کرے گا تو اللہ کا اس سے کوئی واسطہ نہیں، البتہ یہ کہ کفار سے بچاؤ حاصل کر و تو الگ بات ہے۔''

اہل بیت مقہور و مجبور نہ تھے:

اس آیت میں کفار سے بچاؤ حاصل کرنے کا حکم دیا گیا ہے نہ کذب وتقیہ، البتہ جس شخص کو کفر پر مجبور کیا جائے اسے کلمہ کفر کہنے کی اجازت ہے، مگر اہل بیت کا معاملہ مختلف نوعیت کا ہے ان کو کسی شخص نے کسی بات پر مجبور نہیں کیا تھا، اس کی حد یہ ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی اہل بیت کو اپنی بیعت پر مجبور نہیں کیا تھا، بلکہ انہوں نے اپنی مرضی سے بخوشی بیعت کی تھی، سیدنا علی اور دیگر اہل بیت کرام کسی جبر و اکراہ کے ماتحت صحابہ کے فضائل و مناقب نہیں بیان کرتے تھے، بنوامیہ و بنوعباس کے عہد خلافت میں بہت سے لوگ ایمان وتقویٰ میں سیدنا علی سے فروتر تھے، وہ خلفاء میں گوناگوں عیوب ونقائص ملاحظہ کرتے، مگر ان کی مدح وثناء میں رطب اللسان ہوتے نہ ان کی تعریفوں کے پل باندھتے اور نہ ہی خلفاء جبراً ان سے یہ کام لیتے، خلفائے راشدین تو باقی سلاطین کی نسبت جبر و اکراہ سے بالاتر تھے، مقام حیرت ہے کہ مٹھی بھر نصاریٰ مسلمانوں کے قیدی ہونے کے باوصف واشگاف اپنے مذہب کا اظہار کرتے تھے، سیدنا علی اور آپ کے عیال و اطفال بھلا اپنے مذہب کے اظہار میں نصاریٰ سے ضعیف ترکیوں کر ہو سکتے تھے، اخبار متواترہ کی بنا پر ہم اس حقیقت سے آگاہ ہیں کہ سیدنا علی اور ان کی اولاد کو کسی نے بھی خلفاء ثلاثہ کی مدح وستائش پر مجبور نہیں کیا تھا، مگر بایں ہمہ وہ خلفاء ثلاثہ کی تعریف کرتے، ان کے لیے دعائے رحم فرماتے اور اس پر طرہّ یہ کہ اپنے احباب وخواص کے روبرو یہ سب کچھ بیان کرتے تھے۔

شیعہ مصنف کا یہ دعویٰ کہ ''بعض صحابہ بلا استحقاق خلافت کے طالب تھے، اور اکثر لوگوں نے دنیا طلبی کے نقطۂ خیال سے ان کی بیعت کر لی تھی۔''

شیعہ مصنف کا یہ اشارہ سیدنا صدیق رضی اللہ عنہ کی جانب ہے، یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ سیدنا صدیق

امارت وخلافت کے طلب گار نہ تھے، آپ نے برملا فرمایا تھا:

''میں تمہارے لیے عمر فاروق رضی اللہ عنہ یا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ یا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو پسند کرتا ہوں۔''

اس کے جواب میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اللہ کی قسم! اگر میں آگے بڑھوں اور آپ میری گردن کاٹ ڈالیں اس سے بہتر ہے کہ میں اس قوم کا سردار بنوں جس میں ابوبکر موجود ہوں۔''[1]

بخلاف ازیں سیدنا عمر، ابوعبیدہ اور تمام مسلمانوں نے یہ جانتے ہوئے آپ کی بیعت کر لی تھی کہ آپ افضل الصحابہ ہیں، رسول اللہ کا ارشاد گرامی ہے:

''اللہ تعالیٰ اور مومن ابوبکر کے سوا کسی کی خلافت وامارت کو پسند نہیں کر سکتے۔''[2]

بفرض محال اگر سیدنا صدیق امارت کے طالب تھے اور لوگوں نے آپ کی بیعت کر لی تھی، تو شیعہ کا یہ قول صریح قسم کی دروغ بیانی ہے کہ لوگوں نے طلب دنیا کی بنا پر آپ کی بیعت کی تھی یہ حقیقت محتاج بیان نہیں کہ سیدنا صدیق نے آن سیدنا صلی اللہ علیہ وسلم کے حین حیات اپنا سب مال خرچ کر دیا تھا، اور خلافت کے دوران آپ خالی ہاتھ تھے، مزید برآں آپ کی بیعت کرنے والے دنیا طلبی سے بے نیاز تھے، یہ حقیقت دور ونزدیک سب کو معلوم ہے کہ سیدنا عمر، ابوعبیدہ، اسید بن حضیر اور ان کے نظائر وامثال رضی اللہ عنہم زہد وتقویٰ میں اپنی مثال آپ تھے، مزید برآں رسول اللہ کی وفات کے وقت کوئی بیت المال نہ تھا، جس سے آپ ان کی حرص وآرزو کا سامان بہم پہنچاتے، سیدنا علی کی طرح سیدنا ابوبکر صدیق بھی مال غنیمت کی تقسیم میں مساوات کے قائل تھے، اگر صحابہ سیدنا ابوبکر کی بجائے سیدنا علی کی بیعت کرتے تو وہ بھی انہیں اسی قدر مال دیتے جتنا سیدنا ابوبکر نے عطا کیا تھا، حالانکہ آپ کا قبیلہ بنی تمیم سے افضل تھا۔

مزید برآں آپ کا کنبہ قبیلہ اور چچا زاد بھائی حسب ونسب کے اعتبار سے افضل الصحابہ تھے، مثلاً سیدنا عباس، ابوسفیان اور آپ کے دو پھوپھی زاد بھائی سیدنا عثمان وزبیر رضی اللہ عنہم۔ ابوسفیان نے تو اس ضمن میں سیدنا علی سے بات بھی کی تھی اور اپنے حسب ونسب کا تذکرہ بھی کیا تھا، مگر سیدنا علی نے

---

1. صحیح بخاری۔ کتاب الحدود۔ باب رجم الحبلی فی الزنا، (حدیث:٦٨٣٠) مطولاً
2. صحیح مسلم۔ کتاب فضائل الصحابة۔ باب من فضائل ابی بکر الصدیق رضی الله عنه(حدیث:٢٣٨٧)

اپنے علم وفضل اور دین ومذہب کی بنا پر ان کا یہ مطالبہ مسترد کر دیا، غور کیجئے! سیدنا ابوبکر کی بیعت سے عام لوگوں کو کیا فائدہ پہنچا؟ خصوصاً جب کہ تنخواہ کے معاملہ میں آپ سابقین اولین اور ایک عامی میں کچھ فرق نہیں سمجھتے تھے، سیدنا صدیق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے۔

''لوگ اللہ سے اجر وثواب پانے کی امید میں مشرف باسلام ہوئے ہیں اور وہ انہیں اجر عطا کرے گا، جہاں تنخواہ کا تعلق ہے وہ صرف بقائے حیات کا ذریعہ ہے اور بس''!

اہل سنت وشیعہ کا باہمی رابطہ:

اہل سنت کا شیعہ سے ربط وتعلق بعینہٖ اسی طرح ہے جیسے مسلمانوں کا نصاریٰ کے ساتھ، اہل اسلام سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر ایمان رکھتے ہیں، مگر نہ ان کی شان میں نصاری کی طرح غلو کرتے ہیں اور نہ یہود کی طرح ان کی تنقیص شان کرتے ہیں، نصاریٰ غلو سے کام لیتے ہیں اور سیدنا مسیح کو معبود سمجھتے، اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں افضل قرار دیتے ہیں، مبالغہ آمیزی کی حد یہ ہے کہ نصاریٰ سیدنا مسیح کے حواریوں کو رسولوں سے بھی افضل تصور کرتے ہیں۔

شیعہ کا بھی یہی حال ہے وہ سیدنا علی کی تائید ونصرت کے لیے لڑنے والوں مثلاً اشتر اور محمد بن ابی بکر کو سیدنا ابوبکر وعمر اور سابقین اولین صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مقابلہ میں افضل سمجھتے ہیں، نظر بریں ایک مسلم جب نصرانی سے مناظرہ کرے گا تو وہ صرف حق بات کہے گا مگر نصرانی کو اس کی ہرگز پروا نہیں، اس کا بہترین مداوا یہ ہے کہ مسلم کی بجائے ایک یہودی نصرانی کے مقابلہ میں خم ٹھونک کر میدان مناظرہ میں آئے، نصرانی یقیناً یہودی کو وہی جواب دے گا جو وہ مسلم کو دے رہا تھا، مگر وہ جلد ہی لاجواب ہو جائے گا، جب عیسائی کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے لیے کہا جائے گا اور وہ آپ پر نکتہ چینی کرے گا تو یہودی اس سے کہیں بڑھ کر سیدنا عیسیٰ کی توہین کا مرتکب ہوگا، اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اثبات کرنے والے دلائل سیدنا عیسیٰ کی نبوت کے دلائل وبراہین سے کہیں بڑھ کر ہیں، علاوہ ازیں وہ عیسوی دلائل کی نسبت شکوک وشبہات سے بعید تر ہیں۔

سیدنا ابوبکر وعلی کی نسبت ایک سنی وشیعہ کا معاملہ بعینہ اسی نوعیت کا ہے ایک شیعہ اس وقت تک سیدنا علی کے ایمان وعدالت اور دخول جنت کو ثابت نہیں کر سکتا، جب تک سیدنا ابوبکر وعمر کے لیے ان کا اثبات نہ کیا جائے، اگر وہ سیدنا علی کے لیے ان جملہ امور کا اثبات کرے گا، اور سیدنا ابوبکر وعمر کو اس سے مستثنیٰ قرار دے گا تو دلائل وبراہین اس کا ساتھ نہیں دیں گے، اسی طرح ایک

عیسائی جب رسول اللہ ﷺ کو نظر انداز کر کے سیدنا مسیح کی نبوت کا اثبات کرے گا تو دلائل اس کی موافقت نہیں کریں گے۔

خوارج سیدنا علی کی تکفیر کرتے اور نواصب آپ کو فاسق قرار دیتے ہیں، جب خوارج و نواصب شیعہ سے کہیں گے کہ سیدنا علی ظالم اور خلافت کے خواہاں تھے، اسی بنا پر وہ شمشیر بکف اپنے اعداء سے لڑتے تھے، آپ نے ہزار ہا بے گناہ مسلمانوں کو تلوار کے گھاٹ اتارا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ بے بس ہو گئے، رفقاء کار آپ کو بے یار و مددگار چھوڑ کر چلے گئے، اور آپ کو کافر قرار دے کر یوم النہروان میں آپ کے خلاف نبرد آزما ہوئے۔

اگر یہ گفتگو خلاف تہذیب اور مبنی بر فساد ہے تو سیدنا ابوبکر کی شان میں روافض کی گستاخی اس سے کہیں بڑھ کر ہے، شیعہ سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں جو گل افشانی کرتے ہیں، اگر وہ درست اور مبنی برحق و صواب ہے تو اس کلام کے غلط ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی جب ابوبکر بن باقلانی سفیر بن کر شاہ روم کے دربار میں قسطنطنیہ پہنچے تو آپ کی عظمت و شان کے پیش نظر رومیوں نے محسوس کیا کہ آپ بادشاہ کو سجدہ نہیں کریں گے، چنانچہ آپ کو ایک چھوٹے سے دروازے سے داخل کیا تا کہ جھک کر داخل ہوں، علامہ باقلانی تاڑ گئے اور دربار میں الٹے پاؤں داخل ہوئے، جب ایک رومی مسلمانوں پر تنقید کرتے ہوئے کہنے لگا، تمہارے پیغمبر کی بیوی کے بارے میں کیا کہا گیا ہے۔'' یہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے واقعہ افک کی جانب اشارہ تھا۔ باقلانی یہ سن کر بولے۔

''بے شک دو پاکدامن عورتوں پر بہتان لگایا گیا تھا...... اور وہ ہیں سیدنا مریم و عائشہ رضی اللہ عنہما۔ سیدنا مریم دوشیزہ ہی تھیں کہ ان کے یہاں بچہ تولد ہوا، مگر سیدہ عائشہ خاوند کے باوجود بے اولاد ہیں، نصرانی ہکا بکا رہ گیا، کچھ جواب بن نہ آیا اور اس پر یہ حقیقت آشکار ہو گئی کہ سیدہ عائشہ کی عفت و براءت سیدنا مریم کے مقابلے میں نمایاں تر ہے۔

شیخین کے اوصاف خصوصی:

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق کی بیعت بلا جبر و اکراہ لوگوں کی مرضی سے عمل میں آئی اور استحکام پذیر ہوئی تھی، آپ نے اپنے اقارب میں سے کسی کو کوئی عہدہ تفویض کیا۔ نہ اپنے وارثوں کے لیے کوئی مال باقی چھوڑا، بخلاف ازیں اپنا سب اثاثہ اللہ کی راہ میں لٹا دیا اور فوت ہوتے وقت یہ وصیت کر دی کہ گھر میں جو کچھ ہے، سب بیت المال کی نذر کر دیا جائے، گھر میں ایک

بوسیدہ چادر، ایک لونڈی اور ایک اونٹ کے سوا کچھ نہ تھا۔ [1]

آپ کے بارے میں یہاں تک کہا گیا تھا کہ:

''ابوبکر! اللہ تجھ پر رحم فرمائے تو نے بعد میں آنے والے امراء کو بڑی مشکل میں مبتلا کر دیا۔'' [2]

آپ کے عہد خلافت میں کوئی مسلمان قتل نہیں کیا گیا تھا، بلکہ آپ نے مسلمانوں کی معیت میں مرتدین و کفار کے خلاف جنگ لڑی تھی، جب آخری وقت آیا تو سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ [3] ایسے نادرۂ روزگار تندرست و توانا اور صاحب امانت و دیانت کو اپنا قائم مقام مقرر کیا، جب سیدنا عمر کے تقرر میں کنبہ پروری، اقربا نوازی اور دنیا طلبی کا کوئی جذبہ کارفرما نہ تھا، بلکہ مسلمانوں کی نفع رسانی کی خاطر آپ نے یہ اہم کام سرانجام دیا، چنانچہ آپ کی بصیرت و فراست کو سراہا گیا اور آپ کے اس بے پایاں احسان کا شکریہ ادا کیا گیا، سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مختلف دیار و امصار فتح کیے، دفتر بنائے، بیت المال کو زر و مال سے بھر دیا اور لوگوں میں عدل و انصاف کو فروغ دیا، بایں ہمہ آپ اسی شاہراہ پر گامزن رہے جس پر قبل ازیں سیدنا ابوبکر چلا کرتے تھے، عیش و تنعم کی زندگی سے کنارہ کش رہے، اقربا نوازی سے احتراز کیا تا آنکہ شہادت پا کر اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

ان مسلمہ حقائق کے علی الرغم اگر ایک شیعہ کہے کہ یہ سب کچھ طلب دنیا اور جاہ طلبی کے جذبہ کے

---

[1] طبقات ابن سعد(۳/۱۳۶)

[2] طبقات ابن سعد(۳/۱۳۶)

[3] سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے عمر فاروق، کو ''القوی الامین'' کے لقب سے یاد کیا، سیدنا فاروق زکوٰۃ کے اونٹوں کے ساتھ مصروف تھے، سیدنا علی و عثمان آپ کی مدد کر رہے تھے، سیدنا علی نے جناب فاروق کی طرف اشارہ کر کے سیدنا عثمان کو یہ آیت سنائی: ﴿ اِنَّ خَیْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِیُّ الْاَمِیْنُ ﴾

سیدنا فاروق کا لقب ''عبقری'' (نادرۂ روزگار) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب سے ماخوذ ہے جس کی تفصیلات قبل ازیں بیان کی جا چکی ہیں، تاریخ کی یہ دو عظیم ترین شہادتیں اسلامی بلکہ اس سے بڑھ کر انسانی عدل و انصاف کی زندہ جاوید مثالیں ہیں، اسلامی تاریخ گویا بزبان حال یوں کہہ رہی ہے۔

''غیظ و غضب میں گھل گھل کے مرجاؤ، دراصل تم ابوبکر و عمر کے دشمن نہیں ہو بلکہ اس دین اسلام سے عداوت رکھتے ہو جس کے وہ دونوں نمائندہ ہیں، بلکہ یوں کہیے کہ تم اس انسانیت کے دشمن ہو جس کی جانب منسوب ہونے کے تم مدعی ہو۔''

پیش نظر تھا اور سیدنا ابوبکر و عمر طالب دنیا تھے تو ایک ناصبی بڑی آسانی سے سیدنا علی [1] کے بارے میں کہہ سکتا ہے کہ آپ ریاست و امارت کے خواہاں تھے اور یہی جذبہ جدال وقتال کا محرک ہوا، آپ کبھی کفار کے خلاف صف آراء نہ ہوئے، اور کبھی ایک شہر بھی فتح نہ کیا۔

اگر شیعہ یہ کہے کہ سیدنا علی طالب رضائے الٰہی مجتہد مصیب اور دین کے معاملہ میں مداہنت کرنے والے نہ تھے، مگر دوسرے لوگ خطا کار تھے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ایمان کا اثبات ایمان صحابہ پر موقوف ہے:

ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ اسی طرح سیدنا علی کے پیش رو بھی طلب امارت و ریاست سے پاک تھے واقعہ تحکیم میں سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ ہر دو کو معزول کرنے اور شوریٰ [2] سے خلیفہ منتخب کرنے میں سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے ہم نوا تھے، بتایئے، سیدنا ابوموسیٰ کے شبہات کو عبداللہ بن سبا اور اس کے نظائر و امثال کے شکوک سے کیا نسبت جن کا دعویٰ ہے

---

[1] جس طرح اس جاہل نصرانی نے قسطنطنیہ میں امام باقلانی کے روبرو سیدہ عائشہ صدیقہ کی شان میں گستاخی کر کے اپنے اہل مذہب کا منہ چڑایا تھا، اسی طرح شیعہ کا یہ فعل مسلم کامل خلیفہ چہارم سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لیے باعث ننگ ہے، نوع انسانی میں سے چیدہ و برگزیدہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق شیعہ کا مسلک مقابلہ و موازنہ پر مبنی ہے، سیدنا علی اور ان کی اولاد کا مقام اہل سنت کے نزدیک اس سے کہیں زیادہ بلند ہے کہ ان کو میدان مقابلہ میں کھینچ لائیں، جس طرح انبیاء و رسل کے متعلق ہمارا موقف حسب ارشاد ربانی: ’’لَانُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُسُلِهٖ‘‘ عدم تفریق پر مبنی ہے، اسی طرح صحابہ کرام کے متعلق ہم وہی کچھ کہتے ہیں جو ان کے استاد محترم (سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: تھا:

’’اَصْحَابِیْ کَالنَّجُوْمِ بِاَیِّهِمُ اقْتَدَیْتُمُ اهْتَدَیْتُمْ‘‘ (جامع بیان العلم لابن عبد البر (۹۱/۲) الاحکام لابن حزم (۸۲/۶) یہ موضوع روایت ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے سلسلة الضعیفة للشیخ الالبانی، ص: ۵۸)

’’میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں، تم جس کی پیروی کرو گے راہ راست کو پالو گے۔‘‘

[2] قضیہ تحکیم سے متعلق صحیح بات یہی ہے، سیدنا ابوموسیٰ اور عمرو بن العاص اس امر میں متحد الخیال تھے کہ کبار صحابہ کے مشورہ سے خلیفہ منتخب کیا جائے، ہم نے (العواصم من القواصم: ۱۷۲۔۱۸۱) کے حواشی میں اس کے دلائل پیش کیے ہیں، کتاب ہذا میں اپنے موقع پر ان عظیم حقائق کی نشاندہی کی جائے گی۔

کہ سیدنا علی الہٰ تھے یا معصوم تھے یا نبی تھے۔

یہ دلائل وشواہد اس حقیقت کے آئینہ دار ہیں کہ ایک رافضی سیدنا علی کے پیش رو کو صحابہ کے ایمان کی نفی کر کے سیدنا علی کا عدل وایمان ثابت نہیں کرسکتا، اگر رافضی سیدنا علی کے اسلام اور ہجرت وجہاد کے اثبات میں احادیث متواترہ سے استناد کرے گا تو ایسی متواتر روایات سیدنا ابوبکر کے بارے میں بھی موجود ہیں۔

اگر شیعہ کہے کہ صحابہ اندرونی طور پر منافق اور دین اسلام کے معاند ومخالف تھے تو ایک خارجی بڑی آسانی سے سیدنا علی کے بارے میں کہہ سکتا ہے، کہ آپ اپنے چچازاد بھائی پر حسد کرتے تھے اور اس طرح اپنے کنبہ وقبیلہ میں عداوت کے مرتکب ہوتے تھے علاوہ ازیں آپ دین میں فساد بپا کرنے کے خواہاں تھے، جب مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو خون ریزی کا بازار گرم کیا اور تقیہ ونفاق کی راہ پر گامزن ہوئے، باطنیہ فرقہ میں سے سیدنا علی کی پیروی کرنے والے آپ کی جانب وہ باتیں منسوب کرتے ہیں جن سے سیدنا علی کا دامن سیدنا ابوبکر وعمر کی طرح پاک ہے۔

علی ہذا القیاس شیعہ جس آیت کو بھی سیدنا علی سے مختص تصور کرتے ہوں بڑی آسانی سے اس آیت کو ابوبکر وعمر کے ساتھ مخصوص قرار دیا جاسکتا ہے، بہرکیف دعوی کرنا کچھ بھی مشکل نہیں، فریقین کے لیے اس کا دروازہ ہر وقت کھلا ہے، اگر شیعہ اقوال وآثار سے سیدنا علی کے فضائل ومناقب ثابت کریں تو سیدنا ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی شان میں واردشدہ آثار اکثر واصح ہیں، یہ اسی طرح ہے جیسے کوئی کہے کہ سیدنا عبداللہ بن عباس فقیہ تھے، مگر سیدنا علی فقیہ نہ تھے، یا سیدنا عمر فقہیات کے عالم تھے اور عبداللہ بن مسعود فقہ سے نابلد تھے، یہ ظلم وجہل کی راہ ہے اور شیعہ اسی راہ کے سالک ہیں۔

جہاں تک عمر بن سعد کی پیش کردہ مثال کا تعلق ہے کہ عبیداللہ بن زیاد نے اسے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے لڑنے یا اپنے منصب سے الگ ہو جانے کا اختیار دیا تھا، قیاس کی بدترین قسم ہے، اس لیے کہ عمر بن سعد جاہ طلبی اور محرمات کا مرتکب ہونے میں مشہور ومعروف تھا، اس کی مثال پیش کرنے سے یہ کیسے لازم آیا کہ (نعوذ باللہ من ذالک) سابقین الاولین صحابہ بھی اسی کی مانند تھے۔

عمر بن سعد کے والد سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بہت بڑے فاتح تھے تاہم امارت وریاست سے آپ کو کوئی دلچسپی نہ تھی، جب مسلمانوں میں فتنہ پردازی کا آغاز ہوا تو آپ اپنے محل میں گوشہ نشین ہو گئے جو عقیق نامی جگہ میں واقع تھا۔

آپ کا بیٹا عمر بن سعد خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: ''لوگ سلطنت وحکومت کے بارے میں لڑ جھگڑ رہے ہیں اور آپ یہاں بیٹھے ہیں۔''

سیدنا سعد بولے: ''اپنی راہ لیجئے! میں نے سرور کائنات ﷺ سے سنا ہے:

((اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْعَبْدَ التَّقِیَّ الْخَفِیَّ الْغَنِیَّ)) ❶

''اللہ تعالیٰ متقی گمنام اور بے نیاز آدمی کو پسند کرتے ہیں۔''

اہل شوری میں سے صرف سیدنا علی اور سعد رضی اللہ عنہما باقی رہ گئے تھے، سیدنا سعد نے سر زمین عراق کو زیر نگیں کر کے کسریٰ کے لشکر کو نیچا دکھایا تھا، آپ عشرہ مبشرہ میں سے ایک تھے، اور سب سے آخر میں فوت ہوئے، جب سیدنا سعد کو ان کے بیٹے عمر بن سعد کا مشابہ قرار نہیں دے سکتے تو سیدنا ابوبکر وعمر اور عثمان رضی اللہ عنہم اس کی مثل کیوں کر ہوئے۔

مقام حیرت ہے کہ شیعہ کے نزدیک سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے محمد بن ابی بکر کے ہم پلہ نہ تھے، بلکہ محمد بن ابی بکر کا مرتبہ ان سے بلند تر تھا، اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ محمد بن ابی بکر نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو ایذا پہنچائی تھی اور سیدنا علی کا تربیت ❷ یافتہ ہونے کی بنا پر وہ آپ کے خاص اعوان وانصار میں شمار ہوتا تھا۔

مگر شیعہ محمد کے والد سیدنا ابوبکر کو برا بھلا کہنے اور لعنت تک بھیجنے سے نہیں شرماتے۔ ❸

---

❶ صحیح مسلم۔ کتاب الزھد۔ باب الدنیا سجن للمؤمن۔ (حدیث:٢٩٦٥)

❷ سیدنا علی نے صدیق اعظم کی وفات کے بعد ان کی بیوی کے ساتھ نکاح کر لیا تھا، محمد بن ابی بکر اسی بیوی کے بطن سے تھا، بنابریں محمد بن ابی بکر سیدنا علی کا ''ربیب'' تھا۔

❸ ہم قبل ازیں شیعہ کی معتبر کتب کے حوالہ سے تحریر کر چکے ہیں کہ وہ سیدنا ابوبکر کو ''الجبت'' (جادوگر، شیطان) اور سیدنا فاروق کو ''الطاغوت'' (باغی، سرکش) کے القاب سے نوازتے ہیں، جب تاریخ انسانیت میں عدل وانصاف کے ایک مثالی کردار فاروق اعظم کو...... جن کی بدولت اسلام کا نام روشن ہوا تھا...... طاغوت کہا جاتا ہے تو باقی لوگوں کی کیا حالت ہوگی، دراصل یہ لوگ ابوبکر وعمر کی توہین کا ارتکاب نہیں کرتے بلکہ اس اسلام کی مذمت بیان کرتے ہیں، جو ان دونوں حضرات کے طفیل اکناف ارضی میں پھیلا، یہی وجہ ہے کہ شیعہ نے ایک ایسا دین گھڑ لیا ہے جس سے ابوبکر وعمر عثمان وعلی، حسن و حسین رضی اللہ عنہم اور ان کے خلاف آشنا ہی نہ تھے، اس حقیقت کے اثبات کے لیے دیکھئے کتاب ''مختصر التحفة الاثنا عشریة''

اگر نواصب عمر بن سعد کے ساتھ یہی سلوک کریں یعنی قتل حسین کی بنا پر اس کی مدح و ستائش کریں اس لیے کہ وہ حامیان عثمان رضی اللہ عنہ میں سے تھا اور ان کا قصاص لینا چاہتا تھا، اس کی دوش بدوش وہ عمر بن سعد کے والد سعد بن ابی وقاص کو اس لیے برا بھلا کہیں کہ وہ عملی طور پر قصاص عثمان کا مطالبہ کرنے والوں یعنی سیدنا معاویہ اور ان کے رفقاء کے ساتھ شریک جنگ نہ ہو سکے، تو ان کے اس فعل اور شیعہ کے فعل میں کچھ فرق نہ ہوگا، بلکہ شیعہ کا فعل نواصب کے فعل سے شنیع تر ہوگا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ سیدنا ابوبکر کا مرتبہ سعد بن ابی وقاص سے بلند تر تھا، اس کے پہلو بہ پہلو سیدنا عثمان، سیدنا حسین سے بھی قتل کیے جانے کا کم استحقاق رکھتے تھے، تاہم دونوں کے مظلوم اور شہید ہونے میں کوئی شبہ نہیں، یہی وجہ ہے کہ قتل عثمان کی بنا پر امت اسلامیہ جس فتنہ سے دوچار ہوئی وہ قتل حسین کی نسبت عظیم تر تھا، سیدنا عثمان سابقین اولین صحابہ میں سے تھے، آپ خلیفہ مظلوم تھے، بلا وجہ آپ سے معزول ہونے کے لیے کہا گیا تھا، جس کے آپ تیار نہ تھے، آپ نے مدافعت کے لیے جنگ بھی نہ کی اور شہادت سے مشرف ہوئے۔ [1]

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ امیر و خلیفہ نہ تھے، البتہ خلافت کے طلب گار تھے، جب یہ بات مشکل نظر آئی اور آپ سے کہا گیا کہ آپ ایک قیدی کی حیثیت میں یزید کے روبرو پیش ہوں گے تو آپ نے یہ گوارا نہ کیا اور دشمن کے خلاف صف آرا ہوئے، یہاں تک کہ بحالت مظلومی شہادت سے بہرہ ور ہوئے۔ [2]

یہ واقعات اس حقیقت کی آئینہ داری کرتے ہیں کہ سیدنا عثمان، سیدنا حسین کی نسبت مظلوم تر تھے اور آپ کا صبر و حلم بھی مقابلۃً اتم و اکمل تھا، تاہم دونوں کا مظلوم اور شہید ہونا کسی شبہ سے بالا تر ہے، اگر کوئی شخص یوں کہے کہ سیدنا علی و حسین رضی اللہ عنہما حکومت و امارت کے اسی طرح ناحق کے طلب گار تھے جیسے اسماعیلیہ میں سے الحاکم وغیرہ اور دیگر سلاطین بنی عبید [3] تو ایسا شخص بلا شک و شبہ دروغ گو

---

[1] شہادت عثمان کے لیے دیکھئے، (کتاب العواصم من القواصم مع التعلیقات: ٥٢ تا ١٤٧)

[2] شہادت حسین کے لیے دیکھئے مقالہ محبّ الدین الخطیب جس کا عنوان ہے: "مَنْ هُمْ قَتَلَةُ الْحُسَيْنِ" (سیدنا حسین کے قاتل کون تھے؟) مجلّہ الفتح شمارہ: ۸۵۱، محرم ۱۳۶۷ھ

[3] بنی عبید کے مذہب اور ان کی تاریخ نشو و ارتقاء کے لیے دیکھئے ہمارا مقالہ مجلّہ الازہر (م ۲۵/ ۵ جمادی الاول ۱۳۷۳ھ: ۶۱۲، ۶۳۱) مقالہ کا عنوان ہے: "مَنْ هُمُ الْعُبَيْدِيُّوْنَ"

اور مفتری ہوگا، اس لئے کہ سیدنا علی و حسین ہمارے نزدیک اعلیٰ درجے کے مومن تھے، جب کہ اسماعیلیہ ان کے مقابلہ میں منافق اور ملحد تھے۔

علی ہذا القیاس جو لوگ سیدنا علی و حسین کو ان جھوٹے طلب گاران خلافت کی مثل قرار دیتے ہیں جو بنی طالب میں پیدا ہوئے یا وقتاً فوقتاً سرزمین حجاز اور دیگر بلاد و امصار میں سر اٹھا کر ناحق لوگوں کی جانیں تلف کرتے اور مال چھینتے رہے، تو کیا ایسے لوگ ظالم و کاذب نہ ہوں گے؟ یقیناً وہ جھوٹے ہوں گے، نظر بریں جو شخص سیدنا ابوبکر و عمر کو عمر بن سعد کا مماثل قرار دیتا ہے، اس کا ظلم و کذب سابق الذکر سے بڑھ چڑھ کر ہے۔

عمر بن سعد اگرچہ نیکی کے تصور سے کوسوں دور تھا، تاہم اس نے اپنے عظیم گناہ کا اعتراف کرلیا تھا، لہٰذا وہ مشہور کذاب مختار ثقفی سے بہتر ہی تھا، جس کا دعویٰ تھا کہ جبریل میرے پاس وحی لے کر آتا ہے، مختار کا کہنا تھا کہ وہ سیدنا حسین کے قصاص کا طالب ہے، چنانچہ وہ آپ کے قاتلوں کی تلاش میں سرگرداں رہا کرتا تھا، اس سے یہ حقیقت اجاگر ہوتی ہے، کہ یہ شیعہ (مختار ثقفی) عمر بن سعد اور حجاج دونوں سے بدتر تھا، اور اس کی وجہ اس کی اللہ و رسول پر کذب بیانی تھی۔

صحیح مسلم میں سرور کائنات ﷺ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا:

''قبیلہ ثقیف میں ایک کذاب اور ایک سفاک (ناحق خون بہانے والا) ہوگا۔'' [1]

آپ کے ارشاد گرامی کے مطابق ثقیف کا کذاب مختار بن ابی عبید تھا اور سفاک حجاج بن یوسف ثقفی۔

روافض نواصب کی نسبت بدتر ہیں:

یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ عمر بن سعد جو سیدنا حسین کو شہید کرنے والی فوج کا سپہ سالار تھا، ظالم اور طالب دنیا ہونے کے باوصف سیدنا حسین کے حامی اور ان کے قاتلوں کے قاتل مختار بن ابی عبید سے زیادہ گناہ گار نہ تھا، بلکہ عمر بن سعد کے مقابلہ میں مختار گناہ گار اور کاذب تر تھا، اس سے واضح ہوتا ہے کہ شیعہ مختار، عمر بن سعد ناصبی سے بدتر تھا، اسی طرح حجاج بن یوسف بھی مقابلۃً مختار سے بہتر تھا، حجاج کا جرم یہ تھا کہ وہ ناحق خونریزی کا ارتکاب کیا کرتا تھا، اس کے مقابلہ میں مختار وحی کا دعوے دار تھا اور کہا کرتا تھا کہ مجھ پر جبریل امین نازل ہوتا ہے، ظاہر ہے کہ نزول وحی کا دعویٰ قتل نفوس

---

[1] صحیح مسلم۔ کتاب فضائل الصحابة۔ باب ذکر کذاب ثقیف و مبیرها (حدیث: ٢٥٤٥)

سے عظیم تر ہے، یہ کفر ہے اور اگر مختار اس سے تائب نہیں ہوا تھا، تو وہ یقیناً مرتد تھا، فتنہ پردازی یوں بھی قتل سے عظیم تر جرم ہے۔

یہ سلسلہ یہاں ہی ختم نہیں ہوتا بلکہ یہ ایک وسیع باب ہے جائز یا ناجائز شیعہ جس کی بھی خدمت کرتے ہیں ان میں اس سے بھی بدتر آدمی موجود ہوتے ہیں، اسی طرح شیعہ جس کی مدح وثنا کرتے ہیں ان کے حریف خوارج میں اس سے بہتر آدمی پائے جاتے ہیں، اس سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ روافض اپنے حریف نواصب سے بدتر ہوتے ہیں، نیز یہ کہ شیعہ جن کو کافر و فاسق قرار دیتے ہیں، وہ ان لوگوں کی نسبت افضل ہیں جو نواصب کے نزدیک کافر وفاسق ہیں۔

اہل سنت کا معاملہ اس سے یکسر مختلف ہے، وہ جملہ اہل ایمان سے الفت ومحبت کا سلوک کرتے ہیں اور گفتگو میں عدل وانصاف کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہیں، وہ جہالت زدہ اور اہل اہواء میں سے نہیں اور روافض ونواصب دونوں سے بیزار ہیں، ان کے افکار ومعتقدات کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

۱۔ اہل سنت سابقین اوّلین صحابہ سے محبت رکھتے ہیں۔

۲۔ وہ صحابہ کے مناقب وفضائل کے قدردان ہیں۔

۳۔ اہل سنت اہل بیت کے جائز حقوق کی نگہداشت کرتے ہیں۔

۴۔ اہل سنت مختار ثقفی اور حجاج جیسے ظالم وسفاک کے رویہ کو پسند نہیں کرتے۔

۵۔ سیدنا ابوبکر وعمر افضل الصحابہ ہیں، سیدنا عثمان وعلی یا کوئی اور صحابی اس فضیلت میں ان کا سہیم و شریک نہیں ہوسکتا۔

قرن اول میں یہ عقائد وافکار متفق علیہ تھے، شاذونادر کسی کو اختلاف ہو تو اور بات ہے، اس کی حد یہ ہے کہ قرن اول کے شیعہ اور سیدنا علی کے رفقاء واحباب سیدنا صدیق اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کی عظمت وفضیلت میں کسی شک وشبہ میں مبتلا نہ تھے، سیدنا علی سے بتواتر یہ روایت ثابت ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے:

((خَيْرُ هَذِهِ الْأُمَّةِ بَعْدَ نَبِيِّهَا اَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ)) [1]

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابوبکر وعمر اس امت میں سب سے افضل ہیں۔''

---

[1] سنن ابن ماجه۔ المقدمة۔ باب فضل عمر بن الخطاب رضی الله عنه(حدیث: ۱۰۶) ، مسند احمد(۱/۱۰۶)

تاہم شیعان علی میں سے ایک جماعت سیدنا علی کو سیدنا عثمان سے افضل قرار دیتی تھی، مگر یہ اتنا اہم مسئلہ نہیں، یہی وجہ ہے کہ ائمہ اہل سنت سیدنا ابوبکر وعمر کی افضلیت میں یک زبان تھے، امام ابو حنیفہ، شافعی، مالک، احمد بن حنبل، سفیان ثوری، اوزاعی، لیث بن سعد اور دیگر متقدمین و متاخرین محدثین، مفسرین، اہل فقہ و اہل زہد سب یہی عقیدہ رکھتے تھے، البتہ سیدنا عثمان وعلی کی افضلیت میں اہل مدینہ کی ایک جماعت توقف کرتی تھی، امام مالک سے بھی ایک روایت یہی منقول ہے اہل کوفہ کی ایک جماعت سیدنا علی کو افضل قرار دیتی تھی، ایک روایت کے مطابق سیدنا سفیان ثوری بھی اسی کے قائل تھے، بعد ازاں سیدنا ایوب سختیانی سے مل کر اس مسلک سے رجوع کر لیا تھا سیدنا سفیان ثوری بعد ازاں فرمایا کرتے تھے۔

''جس نے سیدنا علی کو سیدنا عثمان سے افضل قرار دیا اس نے مہاجرین وانصار پر عیب لگایا۔''

اہل سنت کے سب امام سیدنا عثمان کو افضل قرار دیتے ہیں، جمہور محدثین کا نظریہ یہی ہے نص اجماع اور قیاس بھی اس کے مؤید ہیں، بعض متقدمین سے جو منقول ہے کہ وہ سیدنا جعفر اور طلحہ رضی اللہ عنہ کو افضل قرار دیتے ہیں اس کا یہ مطلب نہیں نہیں کہ وہ ہر لحاظ سے افضل تھے بلکہ بعض خصوصیات کے اعتبار سے ان کو جزوی فضیلت حاصل تھی، سیدنا علی کو افضل قرار دینے کا مطلب بھی یہی ہے کہ آپ بعض خصوصیات کی بنا پر جزوی فضیلت کے حامل تھے۔

شیعہ مصنف کا یہ قول کہ: ''بعض صحابہ پر حق مشتبہ رہا اور طلب دنیا کے نقطہ خیال سے بیعت کر لی تھی۔''

شیخ الاسلام اس کی تردید میں فرماتے ہیں۔

اس مفتری نے صحابہ کو تین اقسام میں منقسم کر دیا ہے:

۱۔ اکثر صحابہ دنیا کے طلب گار تھے۔

۲۔ کوتاہ بین تھے اور دور اندیشی سے محروم تھے۔

۳۔ صحابہ کی تیسری قسم عاجز اور بے بس تھی۔

صحابہ کے اقسام ثلاثہ میں منقسم ہونے کی وجہ بقول شیعہ مصنف یہ ہے کہ شر کے محرکات و اسباب مندرجہ ذیل ہوا کرتے ہیں۔

۱۔ قصد و نیت کی خرابی۔

۲۔ جہالت، جہالت کے دو اسباب ہیں: ا۔کوتاہ بینی ،۲۔عجز وقصور

شیعہ مصنف رقم طراز ہے کہ صحابہ نے سیدنا ابوبکر کی بیعت کرتے وقت کوتاہ بینی سے کام لیا تھا، مگر وہ غور وفکر سے کام لیتے تو حق وصداقت کو پہچان لیتے ،صحابہ کی یہ کوتاہی قابل گرفت ہے کہ انہوں نے لازمی غور وفکر سے احتراز کیا،بعض صحابہ نے غور فکر سے قطع نظرا کثریت کی تقلید پر اکتفا کیا تھا،اس سے شیعہ مصنف کا مقصد سیدنا ابوبکر کی بیعت کے اسباب کی جانب اشارہ کرنا ہے۔

اس کے جواب میں شیعہ سے کہا جائے گا کہ یہ صریح قسم کی دروغ گوئی ہے جس میں کوئی اشکال نہیں اور ہر شخص بڑی آسانی سے جھوٹ بول سکتا ہے، روافض کی قوم حیرانی وسرگردانی کا شکار رہتی ہے، چنانچہ اس افتراء پرداز سے اگر اس کی دلیل طلب کی جائے تو وہ کوئی دلیل پیش نہ کر سکے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے بلا دلیل کوئی بات کہنے کو حرام قرار دیا ہے،خصوصاً جب کہ حق بیان کردہ بات کے خلاف ہو، اگر ہم صحابہ کے حالات سے نابلد ہوتے تو بھی بلا ثبوت ان کو بد ارادہ اور جاہل قرار دینا روا نہ تھا،قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ﴾ (الاسراء:۱۷/۳۶)

’’جس بات کا تجھے علم نہیں وہ بیان نہ کر۔‘‘

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

﴿ هَآ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ ﴾ (آل عمران:۳/۶۶)

’’تم وہ لوگ ہو جنہوں نے ایسی باتوں میں تکرار کی جن کا تمہیں علم تھا، تو پھر ایسی باتوں میں کیوں جھگڑتے ہو جن کا تمہیں علم ہی نہیں۔‘‘

جب ہمیں معلوم ہے کہ حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین علم وعقل اور دین و مذہب کے اعتبار سے امت محمدی کے کامل ترین افراد تھے تو پھر اس کے برعکس خیالات کا اظہار کرنا کیوں کر روا ہوگا۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

’’اللہ کریم نے بندوں کے دلوں کو دیکھا تو سرور کائنات کے دل کو سب سے افضل پایا چنانچہ اسے اپنے لیے مخصوص کرلیا، پھر بندوں کے دلوں کو دیکھا تو حضور کے صحابہ کے دلوں کو سب سے افضل پایا اور انہیں اپنے نبی کے وزیر بنا دیا، جو اس کے دین کی خاطر لڑتے ہیں، جس چیز کو مسلمان اچھا

سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے اور جسے وہ برا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی بری ہے، رسول اللہ ﷺ کے صحابہ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنی صواب دید سے خلیفہ بنایا تھا۔‘‘ ❶

سیدنا عبداللہ بن مسعود مزید فرماتے ہیں:

جو کسی کی پیروی کرنا چاہتا ہو تو وہ اس شخص کے نقش قدم پر چلے جو فوت ہو چکا ہو اس لیے کہ زندہ شخص کے مبتلائے فتنہ ہونے کا خطرہ دامن گیر رہتا ہے، اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ کے اصحاب اس امت میں سب سے افضل، نیک دل، عمیق العلم اور تکلف و تصنع سے پاک تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے نبی کی صحبت و رفاقت اور دین اسلام کی نشر و اشاعت کے لیے منتخب کیا تھا، لہٰذا ان کی فضیلت کا اعتراف کیجئے، ان کے نقش قدم پر چلئے، دین و مذہب اور اخلاق و عادات میں ان کی پیروی کیجئے، کیونکہ وہ صراط مستقیم پر گامزن تھے۔‘‘ ❷

یہ روایت ابن بطہ نے قتادہ سے نقل کی ہے اور دیگر محدثین کے یہاں یہ روایت زر بن حبیش سے مروی ہے۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا مذکورہ بالا ارشاد اس جاہل مصنف کے ان دعاوی کے عین برخلاف ہے کہ حضرات صحابہ طالب دنیا، جاہل اور حق کی تلاش سے قاصر تھے، اس سے ثابت ہوا کہ صحابہ کامل العلم اور نیک دل تھے، اور ان کا زمانہ سب زمانوں سے بہتر تھا، شیعہ مصنف کا یہ بیان اس کی جہالت و تشیع کی غمازی کرتا ہے، ہم اسے محفوظ و مصئون رہنے کے لیے بارگاہ ایزدی میں دست بدعا ہیں، اس لیے کہ تشیع بدترین فرقوں مثلاً نصیریہ، اسماعیلیہ، ملاحدہ، اہل الجبل اور قرامطہ کا ملجا و مامن ہے ظاہر ہے کہ یہ فرقے علم سے کوئی واسطہ نہیں رکھتے۔

علامہ ابن ❸ القاسم فرماتے ہیں، امام مالک رحمہ اللہ سے سیدنا ابوبکر و عمر کے بارے میں دریافت

---

❶ مستدرك حاكم(۳/۷۸۔۷۹)، مسند احمد(۱/۳۷۹)

❷ مشكاة المصابيح۔ باب الاعتصام بالكتاب والسنة(حديث:۱۹۳)، جامع بيان العلم لابن عبد البر(۲/۹۷) الهروی(ق:۸۶/۱)

❸ امام عبدالرحمٰن بن قاسم المتوفی (۱۳۲۔۱۹۱) مقام الفسطاط کے مشہور علماء میں سے تھے، یہ امام مالک بن انس المتوفی (۹۳،۱۸۱) کے تلامذہ میں سے تھے اور ان کے علم و فضل کے مبلغ و ناشر تھے، اسد بن الفرات المتوفی (۱۴۲۔۲۱۳) نے ابن القاسم سے المدونہ کی تعلیم حاصل کی اور ۱۸۱ھ میں یہ کتاب لے کر قیروان

کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

’’جن اکابر سے میں نے ہدایت پائی ہے، ان میں سے کوئی بھی ابوبکر وعمر کی افضلیت میں شک نہیں رکھتا تھا۔‘‘

شیعہ مصنف کا قول ہے کہ: ’’سیدنا علی نے مستحق ہونے کی بنا پر خلافت کا مطالبہ کیا تھا اور بہت کم لوگوں نے آپ کی بیعت کی تھی۔‘‘

بلاشک وشبہ شیعہ کا یہ قول باطل ہے، اہل سنت اور شیعہ اس امر میں متحد الخیال ہیں کہ سیدنا علی نے سیدنا عثمان کی شہادت کے بعد اپنی بیعت کی دعوت دی تھی، اور اس وقت لوگوں نے اپنی حسب مرضی آپ کی بیعت میں حصہ لیا تھا۔

شیعہ مصنف رقم طراز ہے:

شیعہ کے افکار ومعتقدات:

ہمارا مذہب اس لیے واجب الاتباع ہے، کہ یہ جملہ مذاہب کی نسبت احق واصدق اور باطل کی آمیزش سے خالص تر ہے، یہ مذہب اللہ و رسول اور اولیاء کی تنزیہ و تقدیس میں جملہ مذاہب سے آگے ہے، ہمارا زاویہ نگاہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مخصوص بالقدامت ہے، وہ جسم نہیں وہ مکان کے دائرہ میں محدود نہیں، کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ کا حادث ہونا لازم آتا ہے، آگے چل کر لکھتا ہے، اللہ تعالیٰ حواس سے دیکھا نہیں جاسکتا، وہ کسی جہت میں محدود نہیں اس کے اوامر ونواہی حادث ہیں اس لیے کہ معدوم سے امر ونہی کا صدور ممکن نہیں، ائمہ دین انبیاء کی طرح صغائر وکبائر سے پاک ہیں، انہوں نے اپنے جدامجد سرور کائنات ﷺ سے براہ راست احکام اخذ کیے اور قیاس واستحسان اور رائے کی جانب مطلقاً توجہ نہ کی۔‘‘

اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ ذکر کردہ مسائل کا مسئلہ امامت سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ محض امامیہ ان کو تسلیم بھی نہیں کرتے، اس لیے کہ یہ طریق سراسر عقلی ہے، اور امام کا تقرر سمعی دلائل کا محتاج ہے، مزید برآں ان میں جو مسائل حق ہیں اہل سنت ان کو تسلیم کرتے ہیں اور جو باطل ہیں وہ بہر کیف مردود ہیں، یہ قواعد وعقائد دراصل جہمیہ ومعتزلہ سے ماخوذ ہیں، ان کا حاصل یہ ہے کہ ذات باری

پہنچے، ابن القاسم سے متعلق دیکھئے ہمارا مقالہ ’’مع الرعیل الاول‘‘ مجلّہ الازہر، م: ۲۵ ج ۹ ص ۹۹۶، ۹۹۷، رمضان: ۱۳۷۳ھ)

صفت علم قدرت اور حیات سے عاری ہے، وہ بولتا ہے نہ راضی ہوتا ہے، وہ ناراض ہوتا ہے نہ محبت کرتا اور نہ ہی عداوت رکھتا ہے۔

جہاں تک اہل سنت کے افکار و آراء کا تعلق ہے وہ اللہ کے لیے ان صفات کا اثبات کرتے ہیں جو اس نے خود اپنے لیے ثابت کی ہیں، اور ان صفات کی نفی کرتے ہیں جو صفات مخلوق سے مشابہ و مماثل ہیں، اہل سنت اثبات بلا تشبیہ اور تنزیہ بلا تعطیل کا عقیدہ رکھتے ہیں، قرآن کریم میں فرمایا:

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾ (الشوریٰ:۴۲/۱۱)

''اس کی مثل کوئی چیز نہیں۔''

یہ آیت مشبہہ یعنی ان لوگوں کے نظریات کی تردید کرتی ہے جو صفات باری کو مخلوق کی صفات کی مانند قرار دیتے ہیں، قرآن کریم میں فرمایا: '' هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ یہ آیت مُعَطّلہ یعنی اس فرقہ کی تردید کرتی ہے جو اللہ تعالیٰ کو صفات سے عاری قرار دیتے ہیں۔

صفات خالق و مخلوق میں فرق و امتیاز:

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ ذات باری تعالیٰ اپنی خصوصیات میں بندے کی مشارکت سے پاک ہے، اگرچہ وجود، علم اور قدرت کی صفات عبد اور معبود دونوں میں پائی جاتی ہیں اور وہ دونوں اس کے ساتھ موصوف ہیں، مگر یہ مشترک صفات ذہن انسانی میں ایک کلی کی حیثیت رکھتی ہیں جن کا خارج میں کوئی وجود نہیں اور ان میں سے جو صفات موجودات عالم میں پائی جاتی ہیں وہ جداگانہ نوعیت کی ہیں اور ان میں سرے سے کوئی اشتراک موجود نہیں اس مقام پر بہت سے لوگوں نے ٹھوکر کھائی اور یہ سمجھ لیا ہے کہ ان صفات کے متحد فی الاسم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ صفت ''وجود'' جو باری تعالیٰ میں پائی جاتی ہے، وہی بندے میں ہے ان کی رائے میں وجود کا لفظ مشترک لفظی ہے۔

دراصل یہ صفات قابل تقسیم ہیں اور سب ایک ہی قسم کی نہیں، مثلاً کہا جاتا ہے، کہ وجود کی چار قسمیں ہیں:

۱۔ واجب الوجود

۲۔ ممکن الوجود

۳۔ قدیم

۴۔ حادث

بعض الفاظ مشترک المعنی ہوتے ہیں، مثلاً ’’مشتری‘‘ ایک ستارہ کا نام بھی ہے، اور خریدار کو بھی مشتری کہتے ہیں، بعض لوگوں کا زاویہ نگاہ یہ ہے کہ اگر مشترک المعنی لفظ کو کلی مشکک قرار دیا جائے۔ جس کے افراد یکساں نوعیت کے نہیں ہوتے بلکہ ان میں تفاوت پایا جاتا ہے۔ تو اس سے جملہ شبہات کافور ہو جاتے ہیں، اس لیے کہ واجب الوجود میں جو وجود پایا جاتا ہے، وہ ممکن الوجود کی نسبت اعلیٰ واولیٰ ہے۔

مگر یہ ہرگز درست نہیں اس لئے کہ مشترک کلی کے ایک فرد میں اگر معنی کی زیادتی ہوگی تو اس سے اس کے مشترک ہونے کی نفی نہیں ہوتی، وہ لفظ پھر بھی مشترک ہی رہے گا، اس لئے کہ وہ دونوں پر یکساں طور سے بولا جاتا ہے۔

ایک گروہ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ جن کے نزدیک کلی متواطی ہے۔ جس کے جملہ افراد یکساں ہوتے ہیں۔ اس رائے میں خالق کا وجود اس کی حقیقت سے زائد ہے، جو شخص یہ کہتا ہے کہ اس کی حقیقت اور وجود میں کوئی فرق و امتیاز نہیں پایا جاتا وہ وجود کو مشترک لفظی قرار دیتا ہے۔

خلاصہ کلام! اس ضمن میں غلطی کی اصل وجہ لوگوں کا یہ وہم ہے کہ ان اسماء عامہ (مثلاً وجود، علم اور قدرت وغیرہ) کا مسمّٰی ایک کلی ہے اور یہ ایک چیز میں بھی وہی ہے جو دوسری میں، حالانکہ یہ درست نہیں اس لئے کہ جو چیز خارج میں موجود نہ ہو وہ ایک عام کلی کی حیثیت سے پائی نہیں جاتی، بلکہ وہ ہمیشہ معین و مخصوص ہوگی، ان اسماء سے جب اللہ تعالیٰ کو موسوم کیا جائے گا تو ان کا مسمی مختص ہوگا اور جب بندے کو ان سے موسوم کیا جائے گا تو بندہ ان سے مخصوص ہوگا، جب یہ کہا جائے کہ عبد و معبود صفت وجود میں مشترک ہیں تو ماہیت و حقیقت کے اعتبار سے ان کا ایک دوسرے سے متمیز ہونا ضروری ہے۔

بعض لوگوں کے نزدیک یہ اشتراک صرف وجود ذہنی میں پایا جاتا ہے، ماہیت و حقیقت اور ذات و نفس کے مسمی میں سرے سے کوئی اشتراک موجود ہی نہیں، اس غلطی کا منشا و مصدر یہ ہے کہ وجود کو علی الاطلاق اخذ کیا گیا ہے اور حقیقت کو مخصوص قرار دیا گیا حالانکہ وجود اور حقیقت دونوں کو مطلقاً بھی اخذ کیا جا سکتا ہے، اور ان کو مخصوص بھی کر سکتے ہیں، اندریں صورت وجود مطلق حقیقت مطلقہ کے مساوی ہوگا اور وجود مخصوص حقیقت مختصہ کے برابر، گویا وجود مطلق حقیقت مطلقہ سے ہم آہنگ ہوگا اور وجود مخصوص حقیقت مختصہ کے مطابق و موافق دونوں کا مسمی ایک ہوگا، مگر تسمیہ کی جہت متعدد ہوگی، مثلاً

کہا جاتا ہے: " هٰذَا هُوَ ذَاکَ اس میں مشار الیہ ایک ہے مگر جہتیں مختلف ہیں۔
مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے اسما وصفات ثابت کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ مخلوقات کے مشابہ ومماثل ہے، اس میں شبہ نہیں کہ باری تعالیٰ ایسی صفات سے متصف ہے جو اس کی ذات کے ساتھ لازم ہیں، یہ صفات اسی طرح قدیم، ازلی اور واجب ہیں جس طرح اس کی ذات قدیم و واجب ہے، اس میں اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں۔
یہ کہنا کہ اسماء الٰہی ثابت ہیں مگر صفات نہیں، ایک قسم کا عقلی مغالطہ [1] ہے، مزید برآں یہ نظریہ قرامطہ [2] کی پیروی کا غماز ہے، جمہور کے نزدیک یہ تقسیم ایک شنیع قسم کی خطا اور بدعت ہے سنت کی پیروی کرنے والے اہل حق کا نقطہ نظر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جسمانیت سے ہرگز موصوف نہیں ہوسکتا۔ (تعالی اللہ عن ذلک) بلکہ دور جاہلیت و اسلام کے عرب بھی اللہ تعالیٰ کو جسم سے منزہ تصور کرتے تھے۔

مسئلہ تجسیم:

شیعہ مصنف کا قول ہے: " لَیْسَ بِجِسْمٍ " (اللہ تعالیٰ مجسم نہیں)
ہم کہتے ہیں کہ جسم کا لفظ محتاج تشریح ہے، یہ لفظ ان معانی کے لیے مستعمل ہے۔

۱۔ وہ مرکب جس کے اجزاء الگ الگ ہوں اور ان کو یکجا کر دیا جائے۔
۲۔ جو تفریق وانفصال کو قبول کرتا ہو۔
۳۔ جو مادہ وصورت سے مرکب ہو۔

ذات باری تعالیٰ مذکورۃ الصدر جملہ امور واوصاف سے منزہ ہے۔
بعض اوقات جسم سے وہ چیز مراد ہوتی ہے جس کی جانب اشارہ کیا جاسکے جسے دیکھا جاسکے یا جس کے ساتھ صفات وابستہ ہوں، بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان صفات سے موصوف ہے، چنانچہ دعا کرتے وقت

---

[1] یہاں سفسطہ کا مغالطہ کیا گیا ہے، سفسطہ ایک فلسفیانہ اصطلاح ہے اور یونانی سے ماخوذ ہے، اہل سفسطہ کو سوفسطائیہ کہا جاتا ہے، سوفسطائیہ کے نزدیک موجودات عالم میں سے کوئی چیز بھی موجود نہیں بلکہ یہ سب کچھ قوت وہمیہ کی کرشمہ سازی ہے، آگے چل کر اس پر مفصل بحث آئے گی۔

[2] قرامطہ ایک باطنی فرقہ ہے، جس کا ظہور فرقہ اسماعیلیہ میں سے ہوا تھا، قرامطہ شیعہ ہوتے ہیں، وہ نصوص کا مفہوم متعین کرنے میں جدل و بحث کا آغاز کرتے ہیں، وہ نصوص کو ایسے معانی پہناتے ہیں، جو اہل زبان نے بھی مراد نہیں لیے۔

اس کی جانب اشارہ کیا جاتا ہے، آنکھ اور دل سے بھی اس کی طرف اشارہ کرتے ہیں، مومن بروز قیامت اسے کھلم کھلا دیکھیں گے، علاوہ ازیں صفات اس کی ذات کے ساتھ قائم ہیں، اگر شیعہ یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ کے جسم نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ ان امور سے بھی بہرہ ور نہیں تو ہم کہیں گے کہ یہ امور و اوصاف نقل صحیح اور عقل صریح سے ثابت ہیں، اور تم ان کی نفی پر کوئی دلیل پیش نہیں کر سکتے، جسم کا لفظ نفی و اثبات دونوں اعتبار سے بدعت ہے، اس لیے کہ نصوص شرعیہ اور اقوال سلف میں لفظ جسم کے اطلاق کی [1] نفی کی گئی ہے نہ اثبات، اسی طرح ''جوہر'' اور ''متغہز'' کے الفاظ کا بھی نصوص میں کوئی ذکر نہیں پایا جاتا۔

شیعہ مصنف کا یہ قول کہ '' لَا فِي مكان'' (اللہ تعالیٰ مکان میں محدود نہیں) لفظ مکان دو معانی کے لیے مستعمل ہے۔

---

[1] جو بات غیبی امور سے تعلق رکھتی ہو اس کا ذکر نفیاً یا اثباتاً کسی طرح بھی درست نہیں، اس کا ذکر صرف انہی الفاظ میں مناسب ہے جو منصوص ہوں اور شارع سے منقول ہوں، اس میں سلف صالحین کی پیروی کا التزام از بس ناگزیر ہے، نائب السلطنت افرم کی مجلس میں بمقام دمشق ۷۰۵ھ میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور ان کے معاصر علماء کے مابین جو مناظرہ ہوا تھا اس میں شیخ کے حریف علماء نے جب تشبیہ و تجسیم کی نفی کا ذکر چھیڑا تو شیخ الاسلام نے اپنے رسالہ ''العقیدة الواسطیه'' کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

میرا قول '' مِنْ غَيْرِ تَكْيِيفٍ وَلَا تَمْثِيلٍ ''ہر باطل کی تردید کے لیے کافی ہے، میں نے تشبیہ و تمثیل کی بجائے تکییف و تمثیل کے الفاظ اس لیے انتخاب کیے کہ ''تکییف'' کی نفی سلف سے منقول ہے، چنانچہ امام مالک اور ابن عیینہ کا یہ مقولہ علماء کے یہاں زبان زد خاص و عام ہے: ''اَلْاِسْتِوَاءُ مَعْلُوْمٌ وَالْكَيْفُ مَجْهُوْلٌ وَالْاِيْمَانُ بِهٖ وَاجِبٌ وَالسُّوَالُ عَنْهُ بِدْعَةٌ ''(اللہ تعالیٰ کا مستوی علی العرش ہونا معلوم ہے، اس کی کیفیت ہمیں معلوم نہیں اس پر ایمان لانا واجب اور اس سے متعلق سوال کرنا بدعت ہے)

خلاصہ کلام! شیخ الاسلام اپنی تصانیف میں نہ صرف لفظ جسم کا اطلاق کرنے سے احتراز کرتے بلکہ تجسیم تک کا لفظ تحریر نہیں کرتے، ذات باری کی تنزیہ کرتے ہوئے وہ '' من غير تكييف ولا تمثيل '' کے الفاظ ذکر کرتے ہیں جس سے ان کا مقصد شرعی اصطلاحات کا تتبع اور طریق سلف کی پیروی کرنا ہے، جو الفاظ غیبی امور سے متعلق ہوں ورود نص کے بغیر ان کا استعمال نفیاً و اثباتاً کسی طرح بھی درست نہیں ہے۔

۱۔ مکان وہ چیز ہے جو کسی پر حاوی و محیط ہو اور وہ چیز اس کی محتاج ہو۔
۲۔ لفظ مکان کا اطلاق بعض اوقات مافوق العالم پر بھی کیا جاتا ہے، خواہ وہ موجود بھی نہ ہو۔

لفظ مکان سے اگر پہلا مفہوم مراد لیا جائے تو ذات باری تعالیٰ اس سے منزہ ہے البتہ دوسرے معنی کے اعتبار سے اللہ پر لفظ مکان کا اطلاق کر سکتے ہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فوق الخلق ہے، جب اس کائنات ارضی میں خالق و مخلوق کے سوا کوئی موجود ہی نہیں تو خالق کا مخلوق سے الگ ہونا ضروری ہے، اللہ کی ذات ظاہر ہے اور اس پر کوئی چیز نہیں، وہ آسمان و زمین کے اوپر ہے، اور مخلوقات سے جدا ہے، جیسا کہ کتاب و سنت سے مستفاد ہوتا ہے۔

شیعہ کا یہ قول کہ: '' وَاِلَّا لَکَانَ مُحْدَثًا '' (ورنہ اس کا حادث ہونا لازم آئے گا) مطلب یہ ہے کہ اللہ کو جسم یا مکان میں محدود تسلیم کرنے سے اس کا حادث ہونا لازم آتا ہے۔ ہم اس کے قائل سے دریافت کرتے ہیں کہ اس دعویٰ کی دلیل کیا ہے......؟ گویا تم نے اپنے اسلاف معتزلہ کی اس دلیل پر اکتفا کیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ جسم ہوگا، تو وہ حرکت و سکون سے خالی نہ ہوگا (ظاہر ہے کہ حرکت و سکون حادث ہیں) اور جو حوادث سے خالی نہ ہو وہ خود حادث ہوتا ہے، کیونکہ ایسا کوئی حادث نہیں جس کے پہلے کوئی دوسرا حادث نہ ہو۔

معتزلہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر صفات علم و قدرت اور حیات و کلام کا قیام ذات باری کے ساتھ تسلیم کیا جائے تو اس سے اس کا حادث ہونا لازم آئے گا، ہم جواباً کہیں گے کہ تم اللہ تعالیٰ کو حی اور علیم و قدیر قرار دیتے ہو اور اس کے باوصف تمہارے نزدیک اس کا مجسم ہونا لازم نہیں آتا، حالانکہ جو حیّ اور عالم و قادر ہو وہ تمہارے نزدیک جسم ہوتا ہے، اگر تمہاری بات کو تسلیم کر لیا جائے تو یہ ممکن ہوگا کہ اللہ تعالیٰ صفت علم قدرت اور حیات سے موصوف ہو وہ اس خاک دان ارضی سے مبائن اور اس کے اوپر ہو اور اس کے باوصف جسمانیت سے پاک ہو۔

اگر شیعہ یہ کہے کہ جو مخلوقات سے جدا اور عالم ارضی کے اوپر ہو اس کا مجسم ہونا ضروری ہے تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ علیم و قدیر اور حیّ کا تعقل بھی جسمانیت کے بغیر ممکن نہیں، مزید برآں اگر یہ حادث دائمی نہ ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حوادث کے انواع و اقسام بھی دائم نہ ہوں، اس سے بڑھ کر یہ کہ اس سے حوادث کا صدور بلا سبب لازم آتا ہے جو صریح عقل کے منافی ہے، تاہم اصل سعادت ایمان باللہ ایمان بالرسل اور ان کی تصدیق و اطاعت ہے اور اس پر عمل پیرا ہونا لوگوں

کے لیے ضروری ہے،قرآن کریم میں فرمایا:

﴿ كِتَابٌ اَنْزَلْنَاهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَى النُّورِ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيزِ الْحَمِيْدِ ﴾ (ابراهيم:١٤/ ١)

''ہم نے اس کتاب قرآن کریم کو آپ کی طرف نازل کیا، تاکہ آپ بحکم خداوندی لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی اور اللہ تعالیٰ کے راستہ کی جانب لائیں۔''

اللہ تعالیٰ اور بندے کی صفات کے مابین فرق و امتیاز:

اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث کر کے ان کے ذریعے اپنے اسماء وصفات مقدسہ کو تفصیلاً بیان کر دیا، اسی طرح نقص و تمثیل کی نفی بطریق اجمال ذکر کی۔

خلاصہ کلام! ذات باری ان صفات کلام سے موصوف ہے جو لامحدود ہیں اور جن کی کوئی غائیت نہیں وہ جمیع نقائص وعیوب سے منزہ ہے، صفات کمال میں کوئی اس کا نظیر ومثیل نہیں۔

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''جنت میں وہ نعمتیں موجود ہیں، جو انسان کے تصور میں بھی نہیں آ سکتیں[1] جب مخلوقات کا یہ حال ہے تو خالق کا نظیر ومثیل کیوں کر ممکن ہوگا، سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''جنت میں جو نعمتیں موجود ہیں دنیا میں صرف ان کے نام پائے جاتے ہیں۔''[2]

جب دنیا و آخرت کی نعمتوں کے نام مشترک ہیں اور ان کی حقیقت مختلف ہے جس کا اندازہ دنیا میں نہیں کیا جا سکتا تو اس سے عیاں ہے کہ باری تعالیٰ جن صفات کمال سے موصوف ہے وہ بندے کی صفات سے کس قدر جداگانہ نوعیت کی ہوں گی۔

شیخ الاسلام آگے چل کر فرماتے ہیں:

جو بات سالار رسل صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو اس پر ایمان لانا واجب ہے اور جو ثابت نہ ہو اس کے بارے میں نفی کا حکم صادر کیا جا سکتا ہے، نہ اثبات کا، جب تک متکلم کا منشا و مقصود معلوم نہ کر لیا جائے اور اس کی نفی کی صحت و اثبات کی تہ تک نہ پہنچا جائے، بنا بریں نفی و اثبات کے بارے میں بلا تفصیل

---

[1] صحيح بخارى ـ كتاب بدء الخلق ـ باب ما جاء فى صفة الجنة (حديث:٣٢٤٤) صحيح مسلم ـ كتاب الجنة ـ باب صفة الجنة (حديث:٢٨٢٤ـ٢٨٢٥)

[2] تفسير ابن جرير طبرى (١/ ٣٩٢)

مجمل الفاظ قیل وقال اور جہل وضلال کے گڑھے میں گرا دیتا ہے، یہ مقولہ مشہور ہے کہ عقلاء میں زیادہ تر اختلاف ناموں کے اشتراک کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی جسمانیت کی نفی اور اثبات کرنے والے اہل سنت اور شیعہ دونوں فرقوں میں پائے جاتے ہیں، سب سے پہلے شیعہ متکلمین میں سے ہشام بن حکم نے لفظ ''جسم'' کا اطلاق کیا، محدث ابن حزم اور دیگر علماء نے اسی طرح نقل کیا ہے۔

امام ابوالحسن اشعری اپنی تصنیف ''مقالات الاسلامیین'' میں رقم طراز ہیں:

مسئلہ تجسیم میں شیعہ کے چھ فرقے:

تجسیم کے مقالہ میں روافض کے یہاں اختلاف پایا جاتا ہے، اس ضمن میں وہ چھ فرقوں میں منقسم ہو گئے ہیں۔

پہلا فرقہ:

پہلا فرقہ ہشامیہ ہے، یہ ہشام بن حکم کے پیرو ہیں، ان کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ ان کا معبود مجسم ہے، اور اس کی نہایت وحد ہے، اس کا طول، عرض وعمق مساوی ہے، اس کا نور پگھلے ہوئے سونے کی طرح بلند ہوتا ہے، وہ گول موتی کی طرح چمک دار ہے، وہ رنگ دار، بامزہ اور ہوادار ہے اسے ٹٹولا جا سکتا ہے۔

دوسرا فرقہ:

دوسرا فرقہ کہتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ کی صورت نہیں، وہ باقی اجسام کی طرح بھی نہیں اللہ تعالیٰ کو جسم قرار دینے کا مطلب یہ ہے کہ وہ موجود ہے وہ اجزا سے پاک ہے وہ عرش پر ہے مگر اسے چھوا جا سکتا ہے نہ اس کی کیفیت بیان کی جا سکتی ہے۔

تیسرا فرقہ:

تیسرے فرقے کا زاویہ نگاہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صورت انسان جیسی ہے، مگر وہ جسم سے پاک ہے۔

چوتھا فرقہ:

یہ ہشام بن سالم جوالیقی کے پیرو ہیں، ان کے خیال میں اللہ تعالیٰ انسانوں جیسی صورت رکھتا ہے، تاہم گوشت اور خون سے پاک ہے، وہ ایک درخشندہ نور ہے، وہ حواس خمسہ رکھتا ہے، اس کے

ہاتھ پاؤں ناک منہ اور آنکھیں ہیں، اس کے حواس بدلتے رہتے ہیں، ابوعیسیٰ الورّاق [1] کا بیان ہے کہ ہشام بن سالم کے خیال میں اللہ تعالیٰ کے سیاہ بال ہیں، یہ سیاہ نور ہے۔

پانچواں فرقہ:

اس کے نزدیک اللہ تعالیٰ چراغ کی طرح روشن ہے، اس کے حالات میں تبدیلی پیدا نہیں ہوتی، اس کی صورت نہیں، مزید برآں اس کے اجزاء اختلاف سے پاک ہیں۔

چھٹا فرقہ:

شیعہ کا چھٹا فرقہ یہ نظریہ رکھتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ مجسم اور باصورت نہیں، وہ متحرک ہے نہ ساکن، اسے چھوا ہی نہیں جا سکتا، توحید باری سے متعلق وہ معتزلہ کے ہم نوا ہیں۔

امام اشعری مزید فرماتے ہیں: کہ یہ متاخرین شیعہ کے افکار و معتقدات ہیں، متقدمین شیعہ تشبیہ (صفات باری کو صفات مخلوق کے مماثل قرار دینے) کا عقیدہ رکھتے تھے۔

امام ابن تیمیہ نے اس ضمن میں بڑی طویل بحث کی اور تقدیر رویت باری تعالیٰ اور کلام ربانی کے مسائل سے احتجاج کیا ہے، آگے چل کر فرماتے ہیں:

عصمت انبیاء میں شیعہ کا اختلاف:

شیعہ مناظر کا یہ قول کہ انبیاء عظام خطا و سہو اور صغائر سے از آغاز عمر تا اختتام حیات معصوم و منزہ ہوتے ہیں۔

ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ عصمت انبیاء کا مسئلہ شیعہ کے یہاں مختلف فیہا ہے، امام اشعری ''مقالات الاسلامیین'' میں فرماتے ہیں:

شیعہ اس مسئلہ میں مختلف الخیال ہیں کہ آیا رسول سے معصیت کا صدور جائز ہے، یا نہیں، ایک

---

[1] ابوعیسیٰ الورّاق کا نام محمد بن ہارون ہے، یہ شیعہ متکلمین میں سے ہے، معتزلہ اسے ابن الراوندی کی طرح ملحد قرار دیتے ہیں، اس کی تاریخ ولادت مذکور نہیں، غالباً اس نے ہارون الرشید کا زمانہ پایا تھا، امام ابوالحسن اشعری نے ابوعیسی الوراق سے نقل کیا ہے کہ ہشام بن سالم جوالیقی ملحد اور کافر تھا، یہ شیعہ کے خلاف بحث ہے اور انہیں اس سے جراءت انکار نہیں ہوسکتی اس لیے کہ شاہد اور مشہور علیہ دونوں شیعہ ہیں، غالباً ابوعیسیٰ الورّاق رافضی ہشام بن سالم کی جانب کفر و الحاد کو منسوب کرنے کی بنا پر متہم ہوا، بنا بریں معتزلہ ابن الراوندی کی طرح اسے ملحد قرار دینے میں حق بجانب ہیں۔

فرقہ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ یہ جائز ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر کے دن قیدیوں کا فدیہ لے کر غلطی کی تھی، البتہ ائمہ سے معصیت صادر نہیں ہوسکتی، کیونکہ رسول جب معصیت کا مرتکب ہوگا تو وحی کے آنے پر اس سے رجوع کرلے گا، مگر ائمہ پر وحی نہیں آتی لہٰذا ان سے سہو اور غلطی کا صدور جائز نہیں [1] یہ ہشام بن حکم کا قول ہے: (دیکھئے مقالات الاسلامیین : ۱/ ۱۱۵)

ہم کہتے ہیں کہ جمہور اہل اسلام کی رائے میں انبیاء شرعی احکام کے پہنچانے میں معصوم ہوتے ہیں اور وہ غلطی پر قائم نہیں رہتے، ان کی بعثت کا مقصود بھی یہی ہے، نبوت کے لیے یہ ہرگز ضروری نہیں کہ انبیاء قبل از نبوت بھی گناہ و خطا سے پاک ہوں، جو شخص یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ ہر شخص جو کفر قتل اور گناہوں سے محفوظ ہو، وہ اس شخص سے افضل ہے جو کفر کے بعد مشرف بایمان ہو، ضلالت کے بعد ہدایت یاب ہو اور گناہوں کا مرتکب ہونے کے بعد تائب ہو تو ایسا شخص یقیناً دین کے اساسی اصول و نظریات کا مخالف ہے۔

یہ مسلمہ صداقت ہے کہ سابقین اولین صحابہ اپنے بیٹوں سے افضل تھے، جنہوں نے دور اسلام میں آنکھ کھولی، اس شخص کی حماقت و جہالت میں کیا شبہ ہوسکتا ہے، جو مہاجرین و انصار کے بیٹوں کو ان کے برابر تصور کرتا ہو، بھلا جو شخص اپنی قوت نظر و استدلال اور صبر و توبہ کے بل بوتے پر کفر سے ایمان اور اعمال بد سے نیک اعمال کی جانب متوجہ ہو اس شخص کے مساوی کیوں کر ہوسکتا ہے، جو اپنے آباء و

---

[1] اس سے یہ حقیقت اجاگر ہوتی ہے کہ شیعہ کے یہاں ائمہ کی عصمت انبیاء کرام کی نسبت اتم و اکمل ہے، باقی رہا یہ عذر کہ انبیاء مورد وحی ہیں، یہ صرف ظاہری ملمع سازی ہے، اکابر شیعہ سے بکثرت ایسے اقوال محفوظ ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ائمہ کی جانب وحی آنے کے دعوے دار ہیں، شیعہ کی مشہور کتاب کافی کلینی ہے، جو ان کے ہاں صحیح بخاری کا درجہ رکھتی ہے، کہ امام غیب دان ہوتے ہیں، دور حاضر کے شیعہ اپنے اماموں کی قبروں کو مہبط وحی قرار دیتے ہیں حالانکہ ان قبروں میں بوسیدہ ہڈیوں کے سوا اور کچھ بھی نہیں اور بعض قبروں میں تو سرے سے کوئی امام مدفون ہی نہیں، جب یہ قبور جن میں ائمہ کے علاوہ دوسرے لوگوں کی ہڈیاں مدفون ہیں، مہبط وحی ہیں تو ان کی عبادت کرنے والوں سے، یہ توقع کیوں کر کی جاسکتی ہے کہ وہ وحی کے معاملہ میں انبیاء و ائمہ کے مابین کچھ امتیاز قائم کریں گے، جو قبر سیدنا علی کی جانب منسوب ہے اس کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ دراصل وہ سیدنا مغیرہ بن شعبہ کی قبر ہے، مزید برآں شیعہ انبیاء کے لئے از ابتدائے عمر تا انتہا عصمت کے قائل ہیں، یعنی وہ بعثت سے قبل بھی انبیاء کو معصوم مانتے ہیں، حالانکہ اس وقت وحی نہیں آتی۔

اقارب اور ہم وطنوں کو دین اسلام پر لائے اور امن و عافیت کی زندگی بسر کرتا رہا ہو، سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں:

''جس شخص نے جاہلیت کو نہ پہچانا اس نے اسلام کے کڑے کو توڑ دیا۔''

وعدہ خداوندی ہے کہ جو شخص ہلاکت آفرین اعمال سے تائب ہوگا اور مشرف بایمان ہو کر نیک اعمال انجام دے گا تو اس کی برائیوں کو نیکیوں میں تبدیل کر دیا جائے گا، جمہور جو انبیاء سے صغائر کا ارتکاب جائز سمجھتے ہیں کہتے ہیں کہ انبیاء گناہ پر قائم نہیں رہتے، توبہ کرنے سے ان کے اعمال میں اور اضافہ ہوتا ہے، نصوص و آثار اور اجماع سے مسلک جمہور کی تائید ہوتی ہے، اس عقیدے کے منکر قرآن کی تحریف کرنے سے بھی باز نہیں آتے۔

مثلاً قرآن کریم کی یہ آیت:

﴿ لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ ﴾ (الفتح: ۲/۴۸)

''تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کے سابقہ اور اگلے گناہ معاف کر دے۔''

تحریف قرآن اور شیعہ:

محرفین کہتے ہیں کہ: '' مَا تَقَدَّمَ '' سے سیدنا آدم کا گناہ مراد ہے، اسی طرح وہ ''مَا تَاَخَّرَ '' سے امت محمدی کے گناہ مراد لیتے ہیں، حالانکہ سیدنا آدم بھی ایک معزز نبی تھے، گویا وہ جس بات سے بچنا چاہتے تھے، اسی کے مرتکب ہوگئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک گناہ کی نفی کی اور اسی گناہ کو سیدنا آدم سے چسپاں کر دیا، یہ کہاں کا انصاف ہے؟

مزید برآں زمین پر اترنے سے قبل اللہ تعالیٰ نے سیدنا آدم کی توبہ قبول کر لی تھی، اس وقت سیدنا نوح و ابراہیم علیہما السلام ابھی پیدا نہ ہوئے تھے، علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ﴾ (النجم: ۳۸/۵۳)

''کوئی شخص دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔''

اس بات کی تائید قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیات سے بھی ہوتی ہے، ملاحظہ فرمائیے: (۱) سورہ الانعام: ۱۶۴۔ (۲) الاسراء: ۱۵۔ (۳) فاطر: ۱۸۔ (۴) الزمر: ۷

مقام حیرت ہے کہ رسول اللہ کے گناہ کو سیدنا آدم کی جانب کیوں کر منسوب کیا جاسکتا ہے......؟ جب مذکورۃ الصدر آیت نازل ہوئی، تو صحابہ کرام نے عرض کیا حضور! یہ آیت تو خصوصی طور

پر آپ کے بارے میں نازل ہوئی ہے، ہمارے متعلق کیا ارشاد ہے؟ تب مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی: ❶

﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ فِیْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِیْنَ لِیَزْدَادُوْٓا اِیْمَانًا مَّعَ اِیْمَانِهِمْ ......﴾ الخ (الفتح: ٤٨/٤۔٥)

''وہ اللہ ہی کی ذات ہے جس نے اہل ایمان کے دلوں میں سکون واطمینان کو نازل کیا تاکہ ان کے ایمان میں اوراضافہ ہو۔''

ایک کم عقل آدمی بھی یہ باور کرنے کے لیے تیار نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے پوری امت کے گناہ معاف کر دیئے حالانکہ امت کے بعض افراد اپنے گناہوں کی بنا پر دوزخ میں جائیں گے، تو پھر مغفرت کیا ہوئی؟

شیعہ کا یہ قول کہ انبیاء کو گناہ گار ٹھہرانے سے وہ قابل اعتماد نہیں رہتے اور لوگ ان سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔

یہ درست نہیں بخلاف ازیں کوئی نبی اپنے گناہ کا معترف ہوکر جب بارگاہ الٰہی میں تائب ہوگا اور مغفرت ورحمت خداوندی طلب کرے گا تو اس سے واضح ہوگا کہ وہ کس قدر صادق، منکسر مزاج، عجب و کبر سے دور اور دروغ گوئی سے پاک ہے، وہ شخص اس کے عین برعکس ہے جو کہتا ہے کہ مجھے طلب مغفرت اور توبہ کی کوئی ضرورت نہیں ایسے شخص کے متعلق جب عام چرچا ہوگا تو لوگ اسے متکبر، جاہل اور کذاب کے القاب سے نوازیں گے، صحیح حدیث میں وارد ہے، کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا:

''تم میں سے کوئی شخص بھی اپنے اعمال کے بل بوتے پر جنت میں داخل نہ ہوگا'' صحابہ نے عرض کیا۔ حضور! کیا آپ بھی نہیں؟ فرمایا: ''نہیں مگر یہ کہ اللہ کا فضل مجھے اپنے دامن رحمت میں چھپا لے۔ ❷

---

❶ صحیح بخاری، كتاب المغازی ، باب غزوة الحديبية(حديث:٤١٧٢)

❷ صحیح بخاری ۔ كتاب الرقاق۔ باب القصد والمداومة على العمل(حديث:٦٤٦٣)، صحيح مسلم كتاب صفات المنافقين، باب لن يدخل احد الجنة بعمله (حديث: ٢٨١٦،٢٨١٨)

سالارِ رسل یہ دعا فرمایا کرتے تھے:

((اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ هَزْلِیْ وَجِدِّیْ وَخَطَایْ وَعَمَدِیْ وَكُلُّ ذٰلِكَ عِنْدِیْ)) ❶

''سب بنی آدم خطا کار ہیں، اور خطا کاروں میں سے سب سے بہتر وہ ہیں جو توبہ کرنے والے ہیں۔'' ❷

شیعہ مصنف کا یہ قول کہ گناہ کے صدور سے انبیاء قابل اعتماد نہیں رہتے اور لوگ نفرت کرنے لگتے ہیں۔''

میں کہتا ہوں کہ انبیاء قابل نفرت اس حالت میں ہوتے ہیں، جب گناہوں کی کثرت کے باوصف ان پر مصر ہوں، شاذ و نادر گناہ کے صادر ہونے کے بعد جب وہ کثرت سے توبہ و استغفار کریں گے تو ہرگز ایسا نہ ہوگا، اس کے عین برخلاف پاک دامنی کا مدعی اور عفت وطہارت کا ڈھنڈورہ پیٹنے والا کہیں زیادہ رجوع و انابت الی اللہ کا محتاج ہے، ہمارے علم کی حد تک بنی اسرائیل یا کسی اور قوم نے صرف توبہ کرنے کے جرم میں کسی نبی کو ہدف ملامت نہیں بنایا تھا۔

عصمت کے مسئلہ میں شیعہ باقی امت سے منفرد ہیں:

روافض کہتے ہیں کہ انبیا سے نبوت کے قبل یا بعد میں کسی خطا یا گناہ صغیرہ کا صدور ممکن نہیں، اسی طرح ائمہ اثنا عشرہ بھی کلیۃً معصوم ہیں۔

یہ شیعہ کا انفرادی عقیدہ ہے، سیدنا داؤد علیہ السلام کو توبہ کے بعد جو مقام حاصل ہوا وہ توبہ سے پہلے حاصل نہ تھا۔

بعض مشائخ کا قول ہے کہ اگر توبہ اللہ تعالیٰ کو سب چیزوں سے محبوب تر نہ ہوتی تو مخلوقات میں سب سے بزرگ کو گناہوں میں مبتلا نہ کرتا، یہی وجہ ہے کہ سچی توبہ کرنے والے اطاعت وعبادت میں

---

❶ صحیح بخاری۔ کتاب الدعوات ۔ باب قول النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم'' اللّٰهم اغفرلی ما قدمت......'' (حدیث:٦٣٩٨،٦٣٩٩)، صحیح مسلم۔ کتاب الذکر والدعاء ، باب فی الادعیة،(حدیث:٢٧١٩)

❷ سنن ترمذی، کتاب صفة القیامة۔ باب (٤٩) (حدیث:٢٤٩٩) سنن ابن ماجة کتاب الزهد۔ باب ذکر التوبة) (حدیث:٤٢٥١)

زیادہ راسخ اوران لوگوں کی نسبت گناہوں سے زیادہ بچنے والے ہوتے ہیں جو کبھی گناہ میں مبتلا نہ ہوئے ہوں، جو شخص اللہ کے برگزیدہ و چیدہ تائب کو ناقص قرار دیتا ہے، وہ جاہل ہے، روافض کہتے ہیں کہ ائمہ انبیاء کی طرح گناہوں سے معصوم ہیں۔

اس مسئلہ میں روافض منفرد ہیں، اورصرف وہی لوگ اس ضمن میں ان کے سہیم وشریک ہیں جو ان سے بھی گئے گزرے ہیں، مثلاً اسماعیلیہ جومحمد بن اسماعیل بن جعفر کی جانب منسوب ہیں بنی عبید کو معصوم قرار دیتے ہیں ان کا نظریہ ہے کہ امامت جعفر کے بعد موسیٰ بن جعفر کی جانب نہیں، بلکہ محمد بن اسماعیل کی طرف منتقل ہوگئی تھی، اسماعیلیہ ملحد اور زندیق ہیں۔

شیعہ کا یہ قول کہ: ''انبیاء سے سہو کا صدور بھی ممکن نہیں۔''

ہمارے علم کی حد تک کوئی شخص اس کا قائل نہیں۔

شیعہ کہتے ہیں کہ: ''ائمہ معصومین نے اپنے جدامجد سے استفادہ کیا تھا۔''

۱۔ اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کے شیعہ کہ ائمہ معصومین نے اپنے جدامجد کا علم علماء سے حاصل کیا تھا، ان سے براہ راست استفادہ نہیں کیا، یہ بات ایک خبر متواتر کی طرح معروف ومسلم ہے، مثلاً علی بن حسین ابان بن عثمان سے اور وہ اسامہ بن زید سے روایت کرتے ہیں، اسی طرح محمد بن علی سیدنا جابر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ سے روایت کرتے ہیں۔

۲۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ معصومین سے صرف سیدنا علی اور آپ کے دو صاحبزادوں حضرات حسن وحسین رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ کا زمانہ پایا تھا، سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''اللہ کی قسم! آسمان سے زمین پر گر پڑنا میرے لیے اس سے زیادہ پسندیدہ ہے کہ میں رسول اللہ پر جھوٹ باندھوں اور جب میں باہمی امور پر گفتگو کروں گا تو لڑائی میں فریب دہی کی اجازت ہے۔''[1]

یہی وجہ ہے کہ سیدنا علی ایک بات کہہ کر اس سے رجوع کر لیا کرتے تھے، چنانچہ کتب شیعہ ائمہ سے نقل کردہ مختلف روایات سے لبریز ہیں۔

---

[1] مسند احمد(۱/۱۳۱) صحیح بخاری کتاب المناقب۔ باب علامات النبوۃ فی الاسلام (حدیث:۳۶۱۱)، صحیح مسلم کتاب الزکاۃ۔ باب التحریض علی قتل الخوارج (حدیث:۱۰۶۶)

شیعہ کا یہ قول کہ: ''تم خلفاً عن سلفٍ روایت کرتے چلے جاؤ گے یہاں تک کہ ائمہ معصومین میں سے کسی امام تک پہنچ جائے گی۔''

ہم جواباً کہتے ہیں کہ اگر یہ بات درست ہے تو ایک ہی معصوم سے روایت کرنا کافی ہے، ہر زمانے میں معصوم کی کیا ضرورت ہے؟ نیز جب نقل و روایت موجود ہے اور اس پر اکتفاء کیا جا سکتا ہے، تو اس امام منتظر کا کیا فائدہ جس سے ایک لفظ بھی منقول نہیں، اور اگر نقل ناکافی ہے تو شیعہ چار سو ساٹھ سال سے خسارہ و جہالت میں رہے۔

شیعہ کی دروغ گوئی:

روافض ائمہ پر دروغ بیانی کرنے میں حد سے تجاوز کر جاتے ہیں، امام جعفر صادق شیعہ کی دروغ گوئی کی خصوصی آماج گاہ ہیں، دروغ گوئی کی حد یہ ہے، کہ انہوں نے مندرجہ ذیل کتب کو امام موصوف کی جانب منسوب کر دیا۔

۱۔ کتاب الجفر و البطاقۃ۔

۲۔ کتاب اختلاج الاعضاء۔

۳۔ احکام الرعود والبروق۔

٤۔ منافع القرآن۔

یہ کتب شیعہ فرقہ طرقیہ کا ذریعہ معاش ہیں۔

یہ ایک مسلمہ صداقت ہے کہ صدق ناقل اور اتصال سند کو معلوم کیے بغیر کثرت سے جھوٹ بولنے والے شیعہ کی روایات پر کیوں کر اعتماد کیا جا سکتا ہے، شیعہ کی دروغ گوئی کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہل کوفہ اور عراق کے باشندے بھی ان کی دیکھا دیکھی دروغ گوئی کے خوگر بن گئے اس کی حد یہ ہے کہ اہل مدینہ ان کی روایات کو قبول کرنے سے احتراز کرتے تھے، امام مالک رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے۔

''اہل کتاب کی روایات کی طرح اہل عراق کی مرویات کی تصدیق کیجئے نہ تکذیب۔''

ایک مرتبہ محدث عبدالرحمٰن بن [1] مہدی نے امام مالک سے کہا:

---

[1] عبد الرحمٰن بن مہدی کی کنیت ابو سعید اور نسبت لؤلوی بصری ہے۔ ان کی تاریخ ولادت ووفات (۱۳۵۔۱۹۸) ہے۔ یہ بہت بڑے حافظ حدیث تھے۔ ان کے اساتذہ میں شعبہ بن حجاج، سفیان ثوری اور امام مالک کے نام قابل ذکر ہیں۔ عبد اللہ بن مبارک اور امام احمد بن حنبل نے آپ سے روایت کی ہے یہ ہر سال حج کو جاتے اور ہر دو رات میں قرآن کریم ختم کیا کرتے تھے۔

''ابوعبداللہ! (امام مالک کی کنیت) ہم نے آپ کے شہر (مدینہ طیبہ) میں چالیس دن میں چار سو حدیثیں سنی ہیں، حالانکہ ہم (عراق میں)ایک دن میں اس قدر احادیث سن لیا کرتے تھے۔''

امام مالک نے فرمایا: ''ابوعبدالرحمٰن ! آپ کی ٹکسال ہمیں کہاں نصیب ! آپ راتوں کو ٹکسال میں حدیثیں گھڑتے اور دن میں ان کو پھیلاتے ہیں۔''

بایں ہمہ کوفہ میں بہت سے قابل اعتماد محدثین بھی موجود تھے،شیعہ کی کثرت کذب کا نتیجہ یہ ہوا کہ علم حدیث میں مہارت نہ رکھنے والوں پر احادیث کی چھان پھٹک مشکل ہوگئی اور وہ صحیح وضعیف حدیث میں امتیاز نہیں کر سکتے تھے، جیسے کوئی اجنبی شخص ایک ایسے شہر میں داخل ہو جہاں کے باشندوں سے آدھے دروغ پیشہ ہوں تو وہ شخص جب تک کسی صادق اور ثقہ راوی کو پہچان نہ لے گا، ان سے روایت نہیں کرے گا، یا جس طرح کسی شہر میں کھوٹے سکے زیادہ ہوں تو جو شخص کھرے کھوٹے میں تمیز نہیں کر سکتا معاملہ سے اجتناب کرے گا، یہی وجہ ہے کہ غیر ناقد کے لیے اہل بدعت کی کتب کا درس و مطالعہ جن میں روایات کا ذبہ کی بھر مار ہو مکروہ ہے، اسی طرح افسانہ گو اور ان کے نظائر و امثال سے...... جو دروغ گوئی میں معروف ہوں...... علمی استفادہ ناروا ہے، اس امر میں علماء اسماء الرجال یک زبان ہیں کہ شیعہ سب فرقوں کی نسبت زیادہ جھوٹ بولتے ہیں۔

شیعہ مصنف رقم طراز ہے: ''شیعہ رائے و قیاس کی جانب دھیان نہیں دیتے اور قیاس کو حرام قرار دیتے ہیں۔''

جہاں تک قیاس و رائے کا تعلق ہے اس میں اہل سنت اور شیعہ برابر ہیں، اہل سنت میں اہل الرائے بھی پائے جاتے ہیں اور وہ بھی جو حجیت قیاس کے قائل نہیں، بغداد کے معتزلہ قیاس کو حجت قرار نہیں دیتے ،اسی طرح محدثین بھی قیاس کی مذمت کرتے ہیں، تاہم قیاس و رائے کو حجت قرار دینا ایک مشہور جھوٹے اور غیر معصوم کے اقوال غیر مصدقہ کو مستند تصور کرنے سے بہتر ہے، یہ حقیقت کسی شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ ائمہ کبار کے نزدیک مسائل واحکام کی تنقیح وتخریج کے لیے اجتہاد کرنا شیعہ کے امام حسن عسکری اور ان کے فرضی بیٹے کی روایات کے ساتھ تمسک واحتجاج کرنے سے بہتر ہے۔

ائمہ دین مثلاً مالک ،لیث ،اوزاعی ،ثوری ،ابوحنیفہ ،شافعی اور احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم حسن عسکری اور ان کے متعلقین زیادہ علم دین رکھتے تھے، اور امام عسکری کے لواحقین پر یہ فریضہ عائد ہوتا تھا کہ ان حضرات سے علمی استفادہ کرتے ، یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ علی بن حسین ، ابوجعفر اور جعفر بن محمد عالم و

فاضل تھے، ان کے اخلاف میں کوئی عالم دین پیدا نہیں ہوا، بایں ہمہ وہ اپنے معاصر علماء سے علمی استفادہ کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے تھے۔

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''شیعہ کے علاوہ دیگر اہل اسلام مختلف فرقوں میں بٹ گئے، اشاعرہ ذات خداوندی کے ساتھ کچھ اور چیزوں کو بھی قدیم قرار دیتے ہیں، ان کا زاویہ نگاہ یہ ہے کہ صفات الٰہی موجود فی الخارج ہیں، اللہ کریم عالم ہونے میں صفت علم کا محتاج ہے اور قادر ہونے میں صفت قدرت کا'' وَهَلُمَّ جرًّا ''

اشاعرہ کی رائے میں اللہ تعالیٰ نہ قادر لذاتہٖ ہے، نہ عالم لذاتہٖ اور نہ حی لذاتہٖ بخلاف ازیں ان صفات سے متصف ہونے میں وہ ان کا محتاج ہے، امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

صفات باری میں اشاعرہ پر شیعہ کی بہتان طرازی:

''نصاریٰ تین اشیاء کو قدیم مان کر کافر ہو گئے اور اشاعرہ نے قدماء کی تعداد نو تک بڑھا دی۔''

مذکورہ بالا امور کی تردید کئی طریقہ سے کی جا سکتی ہے۔

وجہ اول: یہ اشاعرہ پر بہتان طرازی ہے، اشاعرہ میں سے کوئی بھی یہ نہیں کہتا کہ اللہ تعالیٰ بذات خود کامل نہیں اور وہ اپنے کمال میں دوسروں کا محتاج ہے، امام رازی نے بھی یہ بات کہیں نہیں لکھی، بخلاف ازیں امام رازی نے کسی کا یہ قول نقل کر کے اس کی مذمت بیان کی ہے، یہ صفات کی نفی کرنے والے جہمیہ کا پرانا اعتراض ہے، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے جہمیہ کی تردید کرتے ہوئے اس پر روشنی ڈالی ہے۔

امام احمد فرماتے ہیں:

''ہم یوں نہیں کہتے کہ باری تعالیٰ ازلی ہے، اور اس کا نور و قدرت بھی ازلی ہے، بلکہ یوں کہتے ہیں کہ وہ اپنے نور و قدرت کے ساتھ ازلی ہے، ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ قدرت کی صفت اس میں کب آئی اور کیسے آئی؟ جہمیہ کہتے ہیں تم اس وقت تک موحد نہیں ہو سکتے، جب تک یہ نہ کہو کہ اللہ تعالیٰ ازل سے تھا اور دوسری کوئی چیز نہ تھی، ہم جواباً کہتے ہیں کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ازل سے تھا اور دوسری کوئی چیز نہ تھی، جب ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ازل ہی سے اپنی صفات کے ساتھ متصف تھا تو ہم جمیع صفات کے ساتھ ایک ہی معبود کو موصوف قرار دیتے ہیں، ہم نے ایک مثال بیان کر کے جہمیہ پر اپنا مقصد واضح کیا ہے، دیکھئے یہ کھجور کا درخت ہے، یہ متعدد اشیاء سے مل کر بنا ہے، اس کے تنے

ہیں، ٹہنیوں کی موٹی چوڑیاں ہیں، اس کی چھال ہے، شاخیں ہیں، پتے اور گوند ہے۔

ان سب کو بحیثیت مجموعی ''نخلہ'' (کھجور کا درخت) کہا جاتا ہے، بعینہٖ اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنی جملہ صفات سے متصف ہو کر معبود برحق قرار پاتا ہے، ہم یہ نہیں کہتے کہ باری تعالیٰ کسی وقت قدرت و علم سے عاری تھا، بعدازاں اس نے علم وقدرت کو پیدا کیا، اور وہ ان سے متصف ہوا، حالانکہ جو علم و قدرت سے بہرہ ور نہ ہو وہ عاجز و جاہل ہوتا ہے، بخلاف ازیں ہم یہ کہتے ہیں کہ وہ ہمیشہ عالم و قادر اور مالک رہا ہے، کب اور کیوں کر کا سوال لغو ہے۔''

وجہ ثانی: دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ سب اشاعرہ کا قول نہیں، بلکہ صرف وہ اشاعرہ اس کے قائل ہیں جو حال کا اثبات کرتے اور کہتے ہیں: ''عالمیت'' ایک حال ہے، جو معلل بالعلم ہے، ان کے نزدیک علم ایسے حال کا موجب ہے جو علم نہیں، بلکہ عالم ہوتا ہے امام باقلانی اور قاضی ابویعلیٰ یہی نظریہ رکھتے ہیں، امام ابوالمعالی کا بھی ایک قول یہی ہے۔

قائلین صفات کے دلائل:

بخلاف ازیں جمہور مثبتین صفات کہتے ہیں:

''علم سے مراد عالم ہونا ہے، عالم وہی شخص ہوتا ہے، جو علم سے بہرہ ور ہو اور قادر وہی ہے جو قدرت رکھتا ہو، مقصود یہ ہے کہ بلا علم کوئی شخص عالم نہیں کہلا سکتا، جو قدرت سے بہرہ ور نہ ہو وہ قادر نہیں اور جو حیات سے محروم ہو وہ حی نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ اسم فاعل کا وجود مصدر کے بغیر ممتنع ہے، مثلاً صلوۃ کے بغیر کوئی شخص مصلّی (نمازی) نہیں کہلا سکتا، روزہ کے بغیر صائم نہیں ہو سکتا اور نطق کے بغیر اسے ناطق نہیں کہہ سکتے، جب یہ کہا جائے کہ نماز کے بغیر کسی کو نمازی نہیں کہہ سکتے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہاں دو چیزیں ہیں ایک نماز اور دوسرا حال معلل بالصلوۃ، بخلاف ازیں نمازی وہی ہوگا، جو نماز سے موصوف ہو۔''

منکرین صفات کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حی ہے، مگر حیات سے بہرہ ور نہیں، اسی طرح وہ بلا قدرت قادر اور بلا علم عالم ہے، جو شخص باری تعالیٰ کو حی اور علیم وقدیر بالذات قرار دیتا ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی ذات حیات اور علم وقدرت کو مستلزم ہے تو وہ دیگر کسی چیز کا محتاج نہیں، جو شخص منکرین صفات کے افکار و آراء پر زحمت غور و فکر گوارا کرتا ہے، اس پر یہ حقیقت آشکار ہو جاتی ہے کہ وہ اپنے

آپ کواثبات صفات کے لیے مجبور پاتے ہیں اور اپنے اور قائلین صفات کے اقوال ومعتقدات میں کوئی نمایاں فرق ثابت نہیں کر سکتے، اس لیے کہ منکرین صفات بھی اللہ تعالیٰ کو حی، قادر اور عالم تسلیم کرتے ہیں، اور یہ نہیں کہتے کہ صفات عین ذات ہیں، اس کا مطلب یہ ہوا کہ انہوں نے ذات الٰہی پر ان زائد صفات کا اضافہ کر دیا۔

شیعہ مصنف کا یہ قول کہ: ''اہل سنت بہت سی چیزوں کو قدیم مانتے ہیں۔''

یہ ایک مبہم قول ہے جس کا مقصود واضح نہیں، اس سے متوہم ہوتا ہے کہ اہل سنت ازل ہی میں ذات باری کے علاوہ متعدد معبود مانتے ہیں، یہ اہل سنت پر عظیم بہتان ہے، اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ صفات قدیمہ سے موصوف ہے، جس طرح اس کی ذات قدیم ہے، اسی طرح اس کی صفات بھی قدیم ہیں، اس کا انکار ایک غلط کار اور ذلیل آدمی ہی کر سکتا ہے، لفظ ''اللہ'' خداوند تعالیٰ کی ذات وصفات ہر دو کو شامل ہے، صرف ذات مجرد کا نام نہیں ہے۔

شیعہ مصنف لکھتا ہے، کہ: ''اہل سنت کے نزدیک اللہ کا عالم ہونا صفت علم کے اثبات کا محتاج ہے۔

یہ اعتراض مثبتین حال پر وارد ہوتا ہے، جمہور کی رائے میں ذات باری کا عالم ہونا ہی علم ہے اور بس! اگر یوں کہا جائے کہ اس کا عالم ہونا اس علم کا محتاج ہے جو لازم لذاتہ ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اپنی ذات کے سوا کسی اور کا محتاج ہے، اس لیے کہ اس کی ذات علم کو مستلزم ہے اور علم اس کے عالم ہونے کو مستلزم ہے، گویا اس کی ذات اس کی موجب ہے، بنا بریں علم بھی کمال ہے اور اس کا عالم ہونا بھی کمال، جب اس کی ذات ان دونوں کی موجب ہے، تو ایسے ہوا جیسے وہ حیات وقدرت کی موجب ہے۔

شیعہ مصنف کی غلط بیانی:

بقول شیعہ مصنف اہل سنت اللہ تعالیٰ کو عالم و قادر لذاتہٖ تسلیم نہیں کرتے۔

اگر شیعہ مصنف کا مطلب یہ ہے کہ اہل سنت اللہ تعالیٰ کو منکرین صفات کی طرح علم وقدرت سے مجرد نہیں مانتے تو یہ درست ہے، اس لیے کہ علم وقدرت سے مجرد ذات کا خارج میں کوئی وجود ہی نہیں اور اگر یہ مراد لیتا ہے، کہ اہل سنت اللہ کو عالم و قادر لذاتہٖ نہیں مانتے جو علم وقدرت کو مستلزم ہے تو یہ اہل سنت پر عظیم بہتان ہے کیونکہ اس کی ذات جو موجب علم وقدرت ہے یہی اس کے عالم و قادر

ہونے اوراس کے علم وقدرت کو واجب ٹھہراتی ہے، اس لیے کہ یہ امور باہم لازم وملزوم ہیں۔

شیعہ مصنف کہتا ہے، کہ اہل سنت اللہ کو محتاج ، ناقص فی ذاتہٖ اور کامل بغیرہ مانتے ہیں۔

شیعہ مصنف کا یہ قول سراسر بے بنیاد ہے، اس لیے کہ ذات خداوندی صفات لازمہ سے موصوف ہے اور خارج میں کوئی ذات مجرد عن الصفات موجود ہی نہیں، علاوہ ازیں صفات ذات اللہ کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔

شیعہ مصنف لکھتا ہے، نصاریٰ تین قدیم مان کر کافر ٹھہرے ، مگر اشاعرہ کے نزدیک قدماء کی تعداد (نو) ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نصاری کو اس لیے کافر قرار نہیں دیا کہ وہ تین قدماء تسلیم کرتے ہیں، بخلاف ازیں ''ثالث ثلاثۃ'' کہنے کی بنا پر انہیں کافر ٹھہرایا، قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ ﴾ (المائدہ: ۵/۷۳)

''اللہ تعالیٰ تین میں سے تیسرا ہے۔''

اس آیت سے مستفاد ہوتا ہے کہ نصاری کا جرم خداوند لایزال کو'' ثالث ثلاثۃ'' قرار دینا تھا، اور اسی جرم کی پاداش میں انہیں کافر کہا گیا اب اللہ تعالیٰ نے یوں نہیں فرمایا:

''وَمَا مِنْ قَدِيْمٍ اِلَّا قَدِيْمٌ وَّاحِدٌ۔''

''صرف ایک ہی قدیم ہے اور کوئی قدیم نہیں۔''

اس پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا:

''مسیح ابن مریم تو بس ایک رسول تھے، بہت سے رسول آپ سے پہلے گزر چکے ہیں، آپ کی والدہ ایک راست باز خاتون تھیں وہ دونوں کھانا کھایا کرتے تھے۔ (المائدہ: ۵/۷۵)

نیز فرمایا:

''اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا، کہ مجھے اور میری والدہ دونوں کو اللہ کے سوا معبود بنا لو، عیسیٰ نے کہا تو اس سے پاک ہے۔'' (المائدہ: ۱۱۶)

المختصر! کتاب وسنت میں یہ کہیں مذکور نہیں کہ قدیم بھی اللہ کا نام ہے، اگرچہ معنوی اعتبار سے یہ لفظ درست ہے، مزید برآں نصاریٰ خود اس بات کے معترف ہیں، کہ سیدنا مریم وعیسیٰ دونوں اس کائنات ارضی پر پیدا ہوئے تھے، لہٰذا حادث تھے، پھر وہ ان کو قدیم کیوں کر قرار دے سکتے تھے......؟

اشاعرہ پر اعتراض اور اس کا جواب:

مزید برآں صفات الٰہی کا اثبات کرنے والے یہ نہیں کہتے کہ اللہ تعالیٰ ۹ قدماء میں سے ایک ہے، بخلاف ازیں ان کے نزدیک لفظ ''اللہ'' ذات وصفات دونوں کا جامع ہے، وہ صفات باری کو بھی غیر ذات قرار نہیں دیتے۔

سرور کائنات ﷺ فرماتے ہیں: ''جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے شرک کا ارتکاب کیا۔''[1]

حدیث صحیح میں عزت[2] وحیات خداوندی کے حلف اٹھانے کا ذکر بھی کیا گیا ہے،[3] اس سے معلوم ہوا کہ خداوندی عزت وحیات کی قسم حلف بغیر اللہ میں شامل نہیں ہے، حقیقت یہ ہے کہ صفات خداوندی آٹھ میں معدود ومحصور نہیں جیسا کہ بعض اشاعرہ کا قول ہے، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ وہ کسی عدد میں بھی محدود نہیں ہے۔

نصاریٰ تین اقانیم کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تین جواہر ایک جوہر میں جمع ہیں، اقانیم ثلاثہ میں سے ہر اقنوم الٰہ ہے جو پیدا کرتا اور رزق عطا کرتا ہے، کلمہ اور علم کے اقانیم مسیح کے ساتھ متحد ہیں، نصاریٰ کا یہ قول متناقض ہے، اس لیے کہ متحد اگر صفت ہو تو صفت نہ پیدا کرتی نہ رزق عطا کرتی ہے ورنہ اپنے موصوف سے الگ ہوتی ہے، اور اگر صفت کا نام ہی موصوف ہے تو وہ جوہر واحد ہے اور وہی باپ ہے، اس سے مسیح کا باپ ہونا لازم آئے گا حالانکہ نصاریٰ اس کے قائل نہیں، اب نصاریٰ کے عقیدہ کو ذہن میں رکھیے اور اہل سنت کے نقطۂ نظر پر غور کیجیے جو کہتے ہیں کہ:

''اللہ تعالیٰ ایک ہے، اس کے اسماء حسنیٰ اس کی صفات عالیہ پر دلالت کرتے ہیں اس کے سوا

---

[1] سنن ابی داؤد۔ کتاب الایمان والنذور۔ باب فی کراهية الحلف بالآباء (حدیث: ۳۲۵۱)، سنن ترمذی۔ کتاب النذور والأیمان۔ باب ما جاء فی کراهية الحلف بغیر اللّٰه (حدیث:۱۵۳۵)

[2] صحیح بخاری۔ کتاب الأیمان والنذور۔ باب الحلف بعزة الله و صفاته و کلامه، تعلیقاً فی ترجمة الباب و(حدیث:۶۶۶۱، ۷۳۸۳)

[3] سنن ابی داؤد، کتاب الایمان والنذور، باب ما جاء فی یمین النبی ﷺ ما کانت حدیث:۳۲۶۶۔

کوئی خالق ہے نہ کوئی معبود۔‘‘

ابن کلاب [1] نے جب جہمیہ کی تردید میں کتاب تحریر کی تو انہوں نے ان کی بہن کے بارے میں ایک کہانی تصنیف کر ڈالی، کہانی کا خلاصہ یہ ہے کہ ابن کلاب کی بہن نصرانی تھی، جب ابن کلاب مشرف باسلام ہوا تو بہن نے اس سے قطع تعلق کر لیا، ابن کلاب نے کہا کہ میں تو مسلمانوں کے دین میں فساد پیدا کرنے کے لیے مسلمان ہوا ہوں، یہ سن کر وہ راضی ہوگئی۔

یہ کہانی گھڑنے والے کا مقصد یہ تھا کہ صفات باری کا اثبات نصاری کا عقیدہ ہے، حالانکہ اہل سنت اور نصاری کے نظریات کے مابین اتنا ہی فرق ہے جتنا سر اور چوٹی میں۔

شیعہ مصنف رقم طراز ہے:

ذات خداوندی کو مخلوقات کے مماثل قرار دینے والے حشویہ [2] کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ طول اور

---

[1] ابن کلاب پر حاشیہ قبل ازیں گزر چکا ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ منہاج السنۃ (۱/ ۸۵) پر ابن کلاب سے متعلق ارقام فرماتے ہیں:

’’ابو محمد عبد اللہ بن سعید بن کُلّاب بصری نے جہمیہ و معتزلہ کی تردید میں متعدد کتب تصنیف کیں اور ان کے معائب کی قلعی کھول کر رکھ دی۔‘‘ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہ شخصیت نہیں جس کا ذکر ابن الندیم نے الفہرست میں کیا ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ ابن الندیم بھی ابن کلاب پر بلا وجہ افتراء پردازی کرنے والوں کی صف میں شامل ہو گیا ہو ابن السبکی نے امام فخر الدین رازی کے والد سے ذکر کیا ہے کہ عبد اللہ بن سعید یحییٰ بن سعید القطان کا بھائی ہے مگر یہ بھی تحقیق طلب ہے۔

[2] شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ منہاج السنۃ جلد اول صفحہ ۲۴۱ پر ارقام فرماتے ہیں:

عمرو بن عبید معتزلی نے سب سے پہلے حشویہ کا لفظ استعمال کیا اور کہا کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ حشوی تھے آغاز کار میں حشویہ سے عامۃ الناس مراد لیے جاتے تھے، کیونکہ حشو بھرتی کو کہتے ہیں، یعنی بھرتی کے لوگ، پھر دین میں عقلی ڈھکوسلوں کی پیروی کرنے والے متبعین سنت کو حشوی کا طعن دینے لگے، زیادہ تر معتزلہ ان کے پیرو روافض، شعوبیہ اور اہل الاہواء یہ لفظ استعمال کرتے تھے، ان کی رائے میں امام احمد بن حنبل اور ہر شخص جو حدیث صحیح سے استناد کرتا اور قیاس و رائے، کو نظر انداز کر دیتا ہو، حشوی ہے، جب اولین حشوی سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور حشویہ میں سے اوسط سیدنا امام احمد بن حنبل تھے تو ہر سنی کی یہ دلی آرزو ہے کہ ان کا بستہ فتراک رہے اور آخرت میں انہی کے ساتھ اٹھایا جائے۔‘‘

عرض وعمق رکھتا ہے۔

وہ مصافحہ بھی کرتا ہے، صلحاء دنیا میں زیارت خداوندی سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ [1] داؤد کے متعلق منقول ہے کہ اس نے کہا: ''مجھ سے اللہ کی شرم گاہ اور داڑھی سے متعلق نہ پوچھو اور جو چاہو، دریافت کرو۔'' وہ یہاں تک کہتا ہے کہ میرا معبود جسم، گوشت اور خون رکھتا ہے، اس کے اعضا بھی ہیں، حشویہ کہتے ہیں، کہ اللہ کی آنکھیں رکھنے لگیں اور فرشتوں نے اس کی عیادت کی، طوفان آنے پر اللہ تعالیٰ اس قدر رویا کہ اس کی آنکھیں دکھنے لگیں۔

بقول شیعہ مصنف اہل سنت مجسمہ ہیں:

ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں، کہ ہشام بن حکم رافضی بھی تجسیم کا عقیدہ رکھتا تھا: متعدد ناقلین نے یہ نظریہ اس سے نقل کیا ہے، مثلاً ابو عیسیٰ الوراق [2] زرقان [3]،

---

[1] یہ داؤد الجواربی کہلاتا تھا، امام ابوالحسن اشعری نے مقالات الاسلامیین (۱/ ۲۵۸) میں اسے قائلین تجسیم میں شمار کیا ہے، علامہ سمعانی نے کتاب الانساب میں ہشام بن سالم جوالیقی کے بعد اس کا ذکر کیا ہے، اور بعینہ ابن المطہر شیعہ کا ذکر کردہ فقرہ اس سے نقل کیا ہے۔

[2] ابو عیسیٰ الوراق شیعہ ہے، اس پر حاشیہ گزر چکا ہے، ہشام کے متعلق اس کی شہادت ایک شیعہ کی شہادت دوسرے شیعہ کے حق میں ہے۔

[3] زرقان متعدد اشخاص کا نام ولقب ہے،

۱۔ محمد بن آدم مدائنی شیعہ

۲۔ محمد بن عبداللہ بن سفیان زیات بغدادی محدث

۳۔ سیدنا ذوالنون مصری کے معاصر کا نام بھی زرقان بن محمد صوفی تھا

۴۔ اصمعی کے استاد کا نام ابوعمیر بن زرقان تھا، اس نے محمد بن سائب کلبی سے روایت کی ہے،

ممکن ہے یہاں زرقان سے محمد بن آدم شیعہ مراد ہو، بشرطیکہ اس نے اسلامی فرقوں سے متعلق کوئی کتاب تصنیف کی ہو، تنقیح المقال میں اس کا ذکر کرتے ہوئے مصنف نے یہ بات ذکر نہیں کی اس نے فرقہ جات پر کوئی کتاب لکھی ہے، ابوالحسن اشعری کی مقالات الاسلامیین میں اہل بدعت کے متعدد اقوال اس سے نقل کیے گئے ہیں، کتاب الفرق بین الفرق طبع ۱۳۶۷ھ (ص: ۴۲ و ۱۲۵) پر زرقان کا ذکر موجود ہے۔

ابن نوبختی ❶ ، ابوالحسن اشعری، ابن حزم ❷ ، شہرستانی ❸ اور علماء کی ایک جماعت نے یہ عقیدہ

---

❶ ابن نوبختی ایک مجوسی خاندان سے تھا، جس نے شیعہ مذہب اختیار کر لیا تھا، حسن بن موسیٰ جو تیسری صدی میں ہوا ہے، اسی خاندان کی جانب منسوب ہے، فرق الشیعہ نامی کتاب اسی کی طرف منسوب ہے، یہ کتاب جرمنی مستشرق ریڑ نے ۱۹۳۱ء میں قسطنطنیہ سے شائع کی، یہ کتاب ۱۳۵۵ء میں دوبارہ نجف میں چھپی شیخ الاسلام کا اشارہ اسی کتاب کی طرف ہے۔

❷ نام ونسب علی بن احمد بن سعید بن حزم ظاہری اندلسی اور کنیت ابومحمد المتوفی (۳۸۴۔۴۵۶) ہے، یہ بہت بڑے امام، حافظ حدیث، فقیہ اور کتاب وسنت سے احکام کا استنباط کرنے والے تھے، متعدد علوم میں ماہرانہ بصیرت رکھتے تھے، ابن حزم اور ان کے والد بہت بڑے رئیس اور حکومت وسلطنت سے بہرہ ور تھے، تاہم وہ بڑے عابد اور زاہد تھے، ان کی تصانیف اتنی زیادہ ہیں کہ ان سے ایک مستقل لائبریری قائم کی جاسکتی ہے، ابن بشکوال ان کے بارے میں ارقام فرماتے ہیں۔

''ابن حزم اندلس بھر میں علوم اسلامیہ کے ممتاز عالم تھے، یہ لسانیات، بلاغت وشعر وسیر واخبار میں مہارت تامہ رکھتے تھے، ان کی ذاتی لائبریری میں ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی چار سو مجلدات موجود تھیں، جو اسی ہزار اوراق پر مشتمل تھیں۔'' حافظ محمد بن فتوح الحمیدی لکھتے ہیں۔

ذہانت وفطانت، سرعت حفظ جود وسخا اور تدین وتشرع میں ہم نے ابن حزم سے بڑھ کر کوئی شخص نہیں دیکھا، فی البدیہ اشعار کہنے میں کوئی شخص ابن حزم کا مقابلہ نہیں کرسکتا تھا، ابن حزم پر یہ حرف گیری کی گئی ہے، کہ آپ اپنے مخالف علماء کے مقابلہ میں خواہ وہ معاصر ہوں یا متقدم متشدد تھے۔

❸ ابوالفتح محمد بن عبدالکریم شہرستانی المتوفی (۴۷۹۔۵۴۸) مؤلف کتاب الملل والنحل شافعی المذہب تھا، وفیات الاعیان طبقات الشافعیہ لابن السبکی اور شذرات الذہب میں اس کے حالات مذکور ہیں، حافظ ذہبی تاریخ الاسلام میں شہرستانی کے شاگرد ابن سمعانی سے نقل کرتے ہیں کہ شہرستانی اسماعیلیہ کی جانب میلان ورجحان اور ان کے خرافات کی نصرت وحمایت سے متہم تھا ''الغیر'' میں مذکور ہے۔

شہرستانی اسماعیلیہ کی جانب میلان رکھتا تھا اور یہ غالی شیعہ تھا۔ ابن السبکی الطبقات (۴/ ۷۹) پر اپنے معاصر محمد بن عباس خوارزمی صاحب الکافی کا قول نقل کرتے ہیں:

''اگر شہرستانی کا عقیدہ خراب نہ ہوتا اور وہ ملاحدہ کی جانب مائل نہ ہوتا، تو اسلام میں اسے ایک عظیم امام کا مرتبہ حاصل ہوتا۔'' صاحب شذرات الذہب (۴/ ۱۴۹) پر کتاب العبر سے نقل کرتے ہیں کہ شہرستانی باطنی مذہب سے متہم تھا۔

اس سے نقل کیا ہے۔

ان علماء کا بیان ہے کہ سب سے پہلے جس شخص نے ذات باری پر جسم کا اطلاق کیا وہ ہشام بن حکم شیعہ تھا، سابق الذکر علماء نے بیان [1] بن سمعان تمیمی......ایک غالی شیعہ...... سے نقل کیا ہے کہ

---

[1] بیان بن سمعان اموی عہد خلافت میں ایک خبیث اور فریب کار شخص ہوا ہے، اس دور میں ''الوصفا نامی ایک جماعت پیدا ہوئی تھی، جس کا سرغنہ مغیرہ بن سعید تھا یہ ان سے ساز باز رکھتا تھا، یہ اعداء دین شعوبیہ کی ایک جماعت تھی، جو بزعم خود اسلام کے استیصال کے لیے عالم وجود میں آئی تھی، مالک بن سعید اور چند ذہین شعوبیہ اس کے ممبر تھے، ان کی جانب چند عقاید و افکار منسوب ہیں، جو انہوں نے جاہل مسلمانوں کو پھنسانے اور دین اسلام سے منحرف کرنے کے لیے گھڑ رکھے تھے، دراصل یہ ان عقائد پر ایمان نہیں رکھتے تھے، بیان کے مخصوص افکار و معتقدات جن کا وہ داعی تھا وہ یہ تھے:

ا۔ سیدنا علی الہٰ ہیں

۲۔ الوہیت کا ایک جز اس میں حلول کر آیا اور اس کے جسم کے ساتھ متحد ہو گیا ہے

۳۔ وہ کہا کرتا تھا، کہ بعض اوقات میں ذات خداوندی کو دیکھا بھی کرتا ہوں۔

بیان بن سمعان آیت:

﴿ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ ﴾ (البقرہ)

کی تفسیر کرتے ہوئے کہا کرتا تھا کہ سیدنا علی بادل کے سایہ میں آئیں گے، بجلی کی کڑک ان کی آواز ہوگی اور اس کی چمک ان کی مسکراہٹ۔ بیان کا قول ہے، کہ سیدنا علی کے اسرار پہلے ان کے فرزند محمد بن حنفیہ کی جانب منتقل ہوئے، اور پھر ان کے پوتے ابو ہاشم کی طرف، کچھ عرصہ کے بعد بیان نے یہ دعویٰ کر دیا کہ ابو ہاشم کی روح اس میں حلول کر آئی ہے، اور اس طرح بطریق تناسخ اس میں الوہیت سما گئی ہے، اسی اثنا میں بیان نے عمر بن ابی عفیف نامی قاصد کو محمد باقر کی طرف بھیج کر انہیں اپنی پیروی کی دعوت دی، محمد باقر نے قاصد کو حکم دیا کہ وہ دعوت نامہ نگل لے، چنانچہ اس نے حکم کی تعمیل کر دی، خالد بن عبداللہ قسری ان دنوں خلیفہ ہشام بن عبدالملک کی جانب کوفہ کے گورنر تھے جب ان کو بیان بن سمعان اور وصفاء کی جماعت کے حالات موصول ہوئے تو ۱۱۹ھ میں ان سب کو کوفہ کی جامع مسجد میں قتل کر دیا، وصفاء کی جماعت میں شامل ہونے والے نہ تو وہ کیسانیہ تھے جو محمد بن حنفیہ کے نام سے لوگوں کو دھوکہ دیا کرتے تھے اور نہ سیدنا حسین اور ان کی آل کا نام لے کر فریب دینے والے امامیہ، بخلاف ازیں یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ و تابعین کے خلاف حقد و عداوت کا داعیہ لے کر اٹھے تھے اور یہی چیز ان کو ایک پلیٹ فارم پر لانے کا موجب بنی۔

اللہ تعالیٰ کی صورت انسان جیسی ہے، اس کا صرف چہرہ محفوظ رہے گا باقی جسم فنا ہو جائے گا، خالد بن عبداللہ قسری نے اسے قتل کر دیا تھا، مغیرہ بن سعید سے منقول ہے کہ اس کا معبود نور سے بنا ہوا ایک شخص ہے اس کے سر پر نور کا تاج رکھا ہے، اس کے اعضاء انسانوں جیسے ہیں وہ شکم اور دل بھی رکھتا ہے ابجد کے حروف اس کے اعضاء کی تعداد کے مطابق ہیں، وہ مردوں کو زندہ کرنے کے دعوے دار تھا اور لوگوں کو شعبدہ بازی کے کرتب دکھایا کرتا تھا، چنانچہ لوگوں نے اس کی نبوت کا دعوی کر دیا۔

خالد بن عبداللہ نے (اپنے عہد امارت میں) اسے قتل کر دیا، ابو منصور[1] کے متبعین جن کو منصوریہ کہا جاتا ہے، اس سے نقل کرتا ہیں کہ اس نے کہا: ''آل محمد آسمان ہیں، اور شیعہ زمین ہیں، اس کا دعویٰ تھا کہ مجھے آسمان پر لے جایا گیا، میرے معبود نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا'' جا کر

[1] ابو منصور عجلی کوفہ کا رہنے والا تھا وہاں اس کا ایک مکان بھی تھا، کہا جاتا ہے کہ یہ عبدالقیس کے موالی میں سے تھا، یہ امام باقر المتوفی (۵۹۔ ۱۱۶) کا معاصر تھا، اور آپ سے ملا کرتا تھا، اس کے خلاف اسلام عقائد سے متنفر ہو کر امام باقر اس سے بیزار ہو گئے تھے، امام باقر کی وفات کے بعد ۱۱۶ھ میں اس نے امام باقر کے وصی ہونے کا دعویٰ کر دیا، اور کہنے لگا، سیدنا علی، حسن و حسین، علی بن حسین اور محمد باقر سب انبیاء تھے اور وہ بھی نبی و رسول ہے، اس کی چھٹی پشت تک نبوت جاری رہے گی، ان میں سے آخری شخص ''القائم'' ہوگا، جیسا کہ شیعہ علماء میں سے الکشی نے اعتراف سب سے پہلے ابن سبا نے الوصی کا لفظ اختراع کیا، اسی طرح شیعہ فضلاء میں سے نوبختی کے بیان کے مطابق ''القائم'' کا لفظ اختراع کرنے والا ابو منصور تھا، گویا شیعہ حضرت علی کو وصی قرار دینے میں ابن سبا کے شاگرد ہیں اور تہ خانے میں چھپ رہنے والے مشکوک الولادت کو القائم کا لقب عطا کرنے میں ابو منصور کے تلمیذ رشید ہیں، ابو منصور کہا کرتا تھا، کہ مجھے آسمان پر لے جایا گیا، اللہ تعالیٰ نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور سریانی زبان میں میرے ساتھ بات چیت کی پھر مجھے زمین پر اتارا گیا، آیت ذیل میں:

﴿ وَاِنْ يَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَاءِ ﴾ (الطور: ٤٤)

جو کسف کا لفظ وارد ہے، اس سے میری ذات مراد ہے، بعد ازاں کہا کرتا تھا، کہ کسف سے ذات الٰہی (یعنی خود ابو منصور) مراد ہے، وہ اپنے اتباع کو کہا کرتا تھا کہ مخالفین کا گلا گھونٹ کر انہیں قتل کر دیا کرو، جب یوسف بن عمر ثقفی خلیفہ ہشام بن عبدالملک کی جانب سے کوفہ کا گورنر مقرر ہوا تو اس نے ابو منصور کو پکڑ کر سولی پر چڑھا دیا، یہ واقعہ ۱۲۰ھ اور ۱۲۶ھ کے درمیان وقوع پذیر ہوا، ان دنوں یوسف بن عمر عراق پر حکمران تھا۔

میرے دین کی تبلیغ کیجئے۔'' منصوریہ ان الفاظ کے ساتھ حلف اٹھایا کرتے تھے: ''لَا وَالْکَلِمَةَ ''ابو منصور کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے سیدنا عیسیٰ کو پیدا کیا، پھر سیدنا علی کو، اس کا قول ہے کہ رسالت بند نہیں ہوئی، اس کی رائے میں جنت ایک آدمی کا نام ہے، اور جہنم بھی۔

وہ محرمات، خون، مردار اور شراب کو حلال قرار دیتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ یہ قوموں کے نام ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کی دوستی کو حرام ٹھہرایا ہے، وہ فرائض کو بھی ضروری تصور نہیں کرتا تھا اور کہتا تھا کہ یہ آدمیوں کے نام ہیں، جن سے دوستی لگانا واجب ہے، یوسف بن عمر نے اسے قتل کر دیا تھا، فرقہ نصیریہ [1] والے منصوریہ سے ملتے جلتے تھے۔

---

[1] نصیریہ محمد بن نصیر کے پیرو ہیں، محمد بن نصیر بنی نمیر کے موالی سے تھا، اور گیارہویں امام حسن عسکری المتوفی (۲۳۲۔۲۶۰) کی سکونت گاہ سامرا میں ان کے یہاں جایا کرتا تھا، جب ربیع الاول: ۲۶۰ھ میں امام عسکری لاولد فوت ہوگئے، تو آپ کے عقیدت مند اور ملاقاتی اس حقیقت کا اعتراف کر کے اپنے اپنے کاموں میں لگ گئے اور خانہ نشین ہوگئے، امام حسن عسکری کے بھائی سید جعفران کی تدفین و تکفین میں مشغول ہوگئے، اور اس اساس پر اس کا ترکہ الگ کیا کہ کوئی اولاد نہیں، آپ کا کنبہ اور سب علوی اس حقیقت سے آشنا تھے، کہ امام عسکری بے اولاد ہیں، اس وقت ایک افسر بھی وہاں موجود تھا جس کے پاس ایک رجسٹر تھا، اس میں علویہ کی تاریخ ولادت مذکور تھی، اس وقت یہ ایک طے شدہ حقیقت تھی کہ امام عسکری لاولد تھے۔

تاہم نام نہاد ائمہ اہل بیت کے اردگرد گھومنے والے غالی شیعہ کو اس سے بڑا دکھ ہوا اور انہوں نے سمجھا کہ جس امر کی بنا پر وہ اہل اسلام کے خلاف جھوٹی روایات وضع کیا کرتے تھے اب وہ باقی نہیں رہا، بڑی سوچ بچار کے بعد انہوں نے اس کا ایک حل تلاش کیا، اور وہ تھا امام غائب کا نظریہ......!

انہوں نے یہ نظریہ اختراع کیا کہ امام حسن عسکری کے یہاں ان کی وفات سے پانچ سال پہلے ایک لڑکا تولد ہوا تھا اور وہ بمقام سامرا آپ کے گھر کے تہ خانہ میں پوشیدہ ہے، اس نظریہ کا موجد یا مشیر محمد بن نصیر تھا، محمد بن نصیر چاہتا تھا کہ وہ بارھویں من گھڑت امام اور ان کے اتباع و انصار کے مابین ایک واسطہ قرار پائے، اس واسطہ کو شیعہ اپنی اصطلاح میں ''الباب'' (دروازہ) کہتے تھے، امام حسن عسکری اور ان کے والد کا ایک خادم تھا جو اس کے گھر کے قریب ایک دکان میں گھی اور زیت فروخت کیا کرتا تھا، اس کا نام عثمان بن سعید تھا، اس کا ایک بیٹا بھی امام کی خدمت میں اپنے باپ کا ہاتھ بٹایا کرتا تھا اس کا نام محمد عثمان تھا۔

محمد بن نصیر کے رفقاء نے محسوس کیا کہ اگر محمد بن نصیر جیسے نو وارد کو ''الباب'' کے منصب پر فائز کیا گیا تو ہو سکتا ہے کہ دوسرے رفقاء اس پر رشک کرنے لگیں، خصوصاً جب کہ پروگرام میں یہ بات بھی شامل تھی کہ

فرضی امام کے لیے ان کے اتباع سے صدقہ فراہم کیا جائے، بریں بنا یہ بہتر ہوگا کہ گھی فروش اور اس کے لڑکے کو یہ منصب تفویض کیا جائے، انہوں نے سوچا کہ یہ امانت محمد بن نصیر ایسے با اثر آدمی کی بجائے گھی فروش اور اس کے لڑکے کے پاس رہے، شیعہ اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھے کہ گھی فروش امام غائب کے والد اور دادا کی خدمت میں رہ چکا ہے اور اس طرح یہ راز محفوظ رہے گا اور لوگ اسے زائل کرنے کی کوشش نہیں کریں گے، اس کے عین برخلاف محمد بن نصیر ''الباب'' کا منصب اختیار کرنے پر تلا ہوا تھا، مگر اس کے شرکاء مشورہ ہر قیمت پر اسے اس منصب سے محروم کرنا چاہتے تھے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ محمد بن نصیر نے ناراض ہو کر امام غائب ہی سے انکار کر دیا، حالانکہ وہ خود اس عقیدہ کا تصنیف کنندہ تھا، چنانچہ اس نے شیعہ کا ایک جدید فرقہ تیار کرنے کی بنا ڈالی جن کے افکار و معتقدات بڑے عجیب وغریب ہیں، محمد بن نصیر کی جانب منسوب کر کے اس فرقہ کو نصیریہ کہتے ہیں۔

مشہور شیعہ عالم نوبختی اور دیگر متقدمین شیعہ بہت سی رسوا کن باتوں کو محمد بن نصیر کی جانب منسوب کرتے ہیں، محمد بن نصیر بذات خود اپنے رفقاء و معاصرین سے متعلق ایسی باتوں کی تشہیر کیا کرتا تھا، اس کی تفصیلات ان کتب میں موجود ہیں جو اسلامی فرقہ جات اور ان کے عقائد و افکار کے بارے میں تحریر کی گئی ہیں۔

شیعہ کا فرقہ نصیریہ مختلف مراحل و ادوار سے گزرا ہے، یہاں تک کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ المتوفی (۶۶۱ ۔ ۷۲۸) کا زمانہ آیا، شیخ الاسلام کا تلمیذ رشید شیخ شہاب الدین احمد بن محمود بن لہری شافعی نصیریہ کے بارہ میں لکھتا ہے:

نصیریہ کہتے ہیں کہ سیدنا علی رب ہیں، محمد حجاب اور سلمان فارسی ''الباب'' (دروازہ)، جس الٰہ نے زمین و آسمان کو پیدا کیا تھا وہ سیدنا علی ہیں، آپ ارض و سما کے امام ہیں، اللہ (سیدنا علی) کے اس عالم ارضی پر ظاہر ہونے کا مقصد یہ تھا کہ مخلوقات اس سے مانوس ہوں، وہ بندوں کو اپنی معرفت وعبادت کا طریقہ بتائے، فرقہ نصیریہ کے ہر فرد پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ مختلف انوار و ادوار میں ایسے امام اور رب کو پہچانے اور ہر زمانہ میں اس کے اسم و معنی میں جو تبدیلی ہوتی ہے اسے پہچانتا رہے، سب سے پہلے فرد کا نام آدم اور مفہوم شیث تھا، بعد ازاں اسم یعقوب اور معنی یوسف۔ پھر اسم موسیٰ اور معنی یوشع پھر نام سلیمان اور مفہوم آصف پھر نام عیسیٰ مسیح اور مفہوم شمعون تھا پھر نام محمد اور مقصود علی تھے، ایک شیعہ شاعر کہتا ہے:

ہابیل، شیث، یوسف و یوشع

آصف شمعون الصفا حیدر

نصیریہ قدامت عالم اور تناسخ کا عقیدہ رکھتے ہیں، یہ جی اٹھنے کے منکر ہیں، اور جنت وجہنم کو ایک دنیوی رمز قرار دیتے ہیں، نصیریہ کے نزدیک پانچ نمازوں سے پنجتن یعنی سیدنا علی، حسن وحسین محسن اور فاطمہ رضی اللہ عنہم مراد ہیں، ان کا خیال ہے کہ پنجتن کا نام ذکر کرنے کے بعد غسل جنابت وضو اور نماز کے باقی شروط واجبات کی ضرورت باقی نہیں رہتی، ان کے نزدیک روزہ سے تیس مرد اور تیس عورتوں کے اسماء مراد ہیں۔

ان کے نزدیک شراب حلال ہے، بقول ان کے (نعوذ باللہ من ذلک) سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ (خاکش بدہن) سب سے بڑے ابلیس تھے، پھر سیدنا ابوبکر، پھر سیدنا عثمان، نصیریہ کی اصطلاح ہے، پانچ یتیم اور بارہ نقیب۔

آٹھویں اور نویں صدی ہجری میں مصری حکومت کے یہاں نصیریہ سے متعلق سرکاری معلومات موجود تھیں، جن کو ابو العباس احمد علی قلقشندی المتوفی ۸۲۱ھ نے اپنی کتاب صبح الاعشیٰ (۱۳/ ۲۴۹۔۲۵۱) پر جمع کیا تھا، نصیریہ کے عقاید سے اخذ کر کے قانون بنایا گیا تھا کہ عدالتوں میں جب حلف دینے کی ضرورت لاحق ہو تو انہیں کس طرح حلف دیا جائے، نصیریہ کے متعلق سرکاری معلومات کا خلاصہ یہ ہے کہ

۱۔ سیدنا علی کی سکونت گاہ بادل ہے۔

۲۔ بادل دیکھ کر نصیریہ کہا کرتے تھے: ''السلام علیک یا ابا الحسن''

۳۔ بادل کی گرج سیدنا علی کی آواز ہے اور بجلی کی چمک آپ کی ہنسی ہے، اسی بنا پر وہ بادل کی تعظیم بجالاتے تھے۔

سیدنا سلمان فارسی بھی رسول تھے۔

۴۔ نصیریہ سیدنا علی کے قاتل ابن ملجم کو بنظر استحسان دیکھتے ہیں، بقول ان کے ابن ملجم نے لاہوت (سیدنا علی) کو ناسوت (عالم ارضی) سے چھڑایا، ابن ملجم پر لعنت کرنے والوں کو وہ خطا کار قرار دیتے ہیں۔

۵۔ ابن فضل اللہ العمری المتوفی (۷۰۰۔۷۴۹) اپنی تصنیف ''التعریف بالمصطلح الشریف'' میں لکھتے ہیں کہ نصیریہ شراب کی تعظیم بجالاتے اور اسے نور تصور فرماتے ہیں۔

۶۔ نصیریہ کی رائے میں انگور کی بیل قابل تعظیم ہے اور اس کا اکھاڑنا گناہ ہے، کیونکہ اس سے شراب تیار کی جاتی ہے۔

میں نے نصیریہ کے افکار ومعتقدات اور سیر وسوانح میں خاصی طوالت سے کام لیا ہے کیوں کر اس فرقہ کے افراد ہنوز دیار شام کے علاقہ لاذقیہ میں پائے جاتے ہیں، تازہ ترین مردم شماری کے مطابق ان کی تعداد ۲۸۹۰۰۰ (دو لاکھ نواسی ہزار) ہے، فرانسیسی استعمار کے زمانہ میں اہل فرانس نے اس فرقہ کے

ابوالخطاب ❶ کے اتباع خطابیہ سے متعلق مذکور ہے کہ ان کی رائے میں ائمہ، انبیاء ورسل کا درجہ رکھتے ہیں، ان میں دو رسول ہر وقت موجود رہتے ہیں، ایک ناطق اور دوسرا ساکت، رسول ناطق محمد ﷺ ہیں، اور رسول صامت سیدنا علی رضی اللہ عنہ، اس فرقہ کے لوگ ابوالخطاب کی عبادت کیا کرتے تھے، ابوالخطاب نے جب خلیفہ منصور کے خلاف خروج کیا تو عیسیٰ بن موسیٰ نے اسے کوفہ میں قتل کر دیا، خطابیہ کے نزدیک اپنے اعوان وانصار کے لیے جھوٹی شہادت دینا جائز ہے۔

شیعہ کے فرقے اوران کے عقائد وافکار:

شیعہ کے فرقہ بزیعیہ ❷ سے متعلق منقول ہے کہ ان کی رائے میں جعفر بن محمد اللہ تھے، نیز یہ کہ

مغرب رہنے والے بربر کے سے حالات پیدا کر دیئے تھے، جن کی تفصیل یہاں خارج از بحث ہے، نصیریہ نے سرزمین شام میں بود و باش رکھتے ہوئے، تاریخ میں پہلی مرتبہ اپنا نام تبدیل کر کے ''علویہ'' رکھ لیا، نصیریہ میں سے صالح العلی نے انقلاب فرانس کے زمانہ میں بڑا کام کیا تھا، ان میں سے ایک شخص سلمان المرشد نامی نے تقیہ کے عقیدہ کے عین برعکس علانیہ رب ہونے کا دعویٰ کیا تھا، زمانہ نے نصیریہ میں ایسے ذہین آدمی پیدا کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ مرور زمانہ کے باوصف نصیریہ کے قدیم افسانے تاحال پوری طرح صفحہ ارضی سے محو نہیں ہوئے۔

❶ ابوالخطاب بن ابی زینب سے متعلق دیکھئے ہمارا مقالہ: '' مَنْ هُمُ الْعُبَيْدِيُّوْنَ ''مجلّہ الازہر: ۶۱۶، ۶۱۸ (م ۲۵ ج ۵ جمادی الاولی ۱۳۷۳ھ)

❷ یہ بزیع بن یونس بافندہ کے پیرو تھے، جو امام جعفر صادق المتوفی (۸۳۔۱۴۸) کا معاصر تھا، یہ اکثر امام موصوف کے گھر کے اردگرد گھوما کرتا تھا، جس سے اس کا مقصد اپنے غالی شیعہ کے لیے ان کا تعاون حاصل کرنا تھا، چونکہ یہ واشگاف الفاظ میں اپنا مقصد بیان کر دیا کرتا تھا، اس لیے امام جعفر نے اسے اپنی خصوصی لعنت کی آماج گاہ قرار دیا، اس کے رفقاء دین اسلام کی تخریب وتغییر کے لیے کوشاں رہتے تھے، مزید برآں وہ امام جعفر کی صحبت ورفاقت اور الفت ومودت کے مدعی تھے، وہ امام جعفر اوران کے آباء کے پرستار بھی تھے۔
بزیع امام جعفر کی الوہیت کے عقیدہ کے ساتھ ساتھ اپنے اور دوسروں کے لیے نزول وحی کا بھی دعوے دار تھا، وہ کہا کرتا تھا، جب شہد کی مکھی پر وحی نازل ہوسکتی ہے، تو ہم پر بالاولیٰ جائز ہوگی، جب بزیع کو قتل کیا گیا تو امام جعفر صادق نے فرمایا:
''الحمدللہ! ان مغیریہ کے حق میں سب سے بہتر چیز قتل ہے، اس لئے کہ یہ صرف حب اہل بیت پر ہی

ہر مومن پر وحی اتاری جاسکتی ہے، امام ابوالحسن اشعری فرماتے ہیں۔
(دیکھئے مقالات الاسلامیین: ۱/ ۸۰)

بعض لوگ سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی الوہیت کا عقیدہ رکھتے ہیں، نیز صوفیہ میں سے بعض زہاد کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں میں حلول کرآتا ہے، وہ جب کوئی اچھی چیز دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ اس میں ذات خداوندی حلول کرآئی ہے۔ [1] ان کا خیال ہے کہ بندہ جب اپنے معبود تک رسائی حاصل کرلیتا ہے، تو اس سے واجبات ساقط ہوجاتے ہیں، بعض غالی روح القدس کو اللہ تصور کرتے ہیں یہ روح پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تھی، پھر سیدنا علی اور پھر سیدنا حسن میں منتقل ہوگئی۔

رفتہ رفتہ یہ امام منتظر [2] تک پہنچی، یہ سب ائمہ شیعہ کی نگاہ میں عقیدہ تناسخ کی بنا پر الوہیت کے مقام پر فائز ہیں، بعض شیعہ سرور کائنات کو برا بھلا کہتے ہیں اور سیدنا علی کو الہٰ قرار دیتے ہیں، ان کا

اکتفاء نہیں کرتے بلکہ ان کی دلی آرزو یہ ہوتی ہے کہ لوگ دین اسلام سے منحرف ہوجائیں۔'' مغیریہ مغیرہ بن سعید کے پیرو تھے، ان کا ذکر قبل ازیں کیا جاچکا ہے۔

[1] صوفیہ کا نظریہ حلول ایک خطرناک مرض ہے، اعداء اسلام نے جس کے جراثیم کو دین اسلام کے جسم میں پھیلا دیا تھا، اگر اسلام کے اصول ومبادی دیگر مذاہب وادیان کے مقابلہ میں اقوی واکمل نہ ہوتے تو وہ ان عظیم مصائب کے سامنے ٹھہر نہ سکتا اور تشیع وفلسفیانہ تصوف کا سیلاب اسے خس وخاشاک کی طرح بہالے جاتا، امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''جو شخص علی الصبح تصوف کا مسلک اختیار کرے اور چاشت کے وقت تک صوفی رہے اس کے احمق ہونے میں شبہ نہیں۔'' (دیکھئے حلیة الاولیاء ابو نعیم نیز مقدمة صفة الصفوة لا بن الجوزی)
صوفیہ فلسفۂ غیب کے مسئلہ میں اس قدر منہمک ہوئے کہ اس ضمن میں وارد شدہ نصوص صریحہ وصحیحہ کو بھی نظر انداز کردیا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اپنے اوہام وظنون میں ڈوب کر اس دھوئیں کی طرح ضائع ہوگئے جو فضا میں منتشر ہوجاتا ہے، ان کی حالت اس تنکا جیسی ہے جس سے آدمی لٹک جاتا ہے، مگر اس کا انجام کچھ نہیں ہوتا۔

[2] یہ شیعہ کا فرضی امام ہے جو ان کے زعم کے مطابق امام حسن عسکری کا بیٹا ہے، بقول شیعہ وہ تاہنوز بقید حیات ہے اس کی موت سے قبل سیدنا ابوبکر وعمر اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین دوبارہ زندہ کیے جائیں گے وہ ان سے انتقام لے گا، ان کے انصار واعوان کو سخت سزائیں دے کر صفحہ ہستی سے مٹا ڈالے گا، پھر شیعہ کی دولت عظمی قائم کرے گا اور مرجائے گا۔

عقیدہ یہ ہے کہ سیدنا علی نے محمد ﷺ کو اپنی الوہیت کی توضیح واشاعت کے لیے بھیجا تھا مگر آپ رسول بن بیٹھے۔

بعض شیعہ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی ﷺ، حضرت علی، حسن وحسین اور فاطمہ میں حلول کر آیا ہے (مقالات اسلامیین: ۱/۸۲) مندرجہ ذیل پانچ حضرات ان کی ضد ہیں۔ حضرت ابوبکر، عمر، عثمان، معاویہ، اور عمرو بن عاص۔

شیعہ کا ایک فرقہ السبیئۃ کہلاتا ہے یہ عبداللہ بن سبا کے پیرو ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ حضرت علی فوت نہیں ہوئے وہ دنیا میں لوٹ کر آئیں گے اور کرۂ ارضی کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے۔

السید الحمیری کا نقطہ نگاہ یہ تھا کہ مردے لوٹ کر دنیا میں آئیں گے۔ اس کا شعر ہے:

اِلٰی یَوْمٍ یَؤُبُ النَّاسُ فِیْهِ
اِلٰی دُنْیَاهُمْ قَبْلَ الْحِسَابِ

اس دن تک جب کہ لوگ حساب سے پہلے دنیا کی طرف لوٹ آئیں گے۔''

بعض شیعہ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جملہ امور حضرت محمد ﷺ کو تفویض کر دیے تھے چنانچہ آپ نے دنیا کو پیدا کیا اور اس کا نظام قائم کیا۔

شیعہ اس زعم میں مبتلا ہیں، کہ ائمہ شرعی احکام کو منسوخ کر سکتے ہیں اور فرشتے وحی لے کر ان پر نازل ہوتے ہیں، بعض شیعہ بادل کو سلام کہتے اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان میں سیدنا علی قیام پذیر ہیں، امام اشعری نے اس کے علاوہ کچھ اور باتیں بھی ذکر کی ہیں، اس وقت تک نصیریہ اور اسماعیلیہ عالم وجود میں نہیں، آئے تھے۔ ❶

❶ مطلب یہ ہے کہ ابھی تک نصیریہ اور اسماعیلیہ نے علانیہ اپنی دعوت کا آغاز نہیں کیا تھا، ورنہ نصیریہ کا داعی محمد بن نصیر نمیری امام حسن عسکری کی زندگی میں بڑی مستعدی سے اپنا کام کر رہا تھا، امام ابوالحسن اشعری نے ''نمیریہ'' کے نام کے تحت مقالات کی (۱/۸۴، ۸۵) پر نصیریہ کا ذکر کیا ہے مگر ان دنوں اس فرقہ کے پیرو بہت تھے، فرقہ اسماعیلیہ کا اولین موسس امام جعفر صادق کے اصحاب میں سے ابوالخطاب بن ابی زینب تھا، یہ وہی شیطان ہے جس نے امام موصوف کے بیٹے اسماعیل کو بگاڑ دیا تھا، پھر میمون القداح اور اس کا بیٹا علی امام جعفر صادق کے پوتے محمد بن اسماعیل بن جعفر پر چھا گئے، جب سعید بن احمد بن حسن بن محمد بن عبداللہ بن میمون القداح کا زمانہ آیا تو اس نے اپنا نام عبیداللہ مہدی رکھ لیا اور یہ دعویٰ کیا کہ وہ اسماعیل کی نسل میں سے ہے، حالانکہ وہ آپ کے کسی پوتے کا روحانی متبنّیٰ تھا، اسماعیلیہ کے ہاں یہ بات

شیعہ نصیریہ کے اشعار ہیں:

شیعہ کے عجیب وغریب عقائد:

اَشْهَدُ ❶ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا حَيْدَرَةَ الْاَنْزَعُ الْبَطِيْنُ
وَلَا حِجَابَ عَلَيْهِ اِلَّا مُحَمَّدُ الصَّادِقُ الْاَمِيْنُ
وَلَا طَرِيْقَ اِلَيْهِ اِلَّا سَلْمَانُ ذُوالْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ

''میں گواہی دیتا ہوں کہ (سیدنا علی) حیدر گنجے اور بڑے پیٹ والے کے سوا کوئی معبود نہیں، نیز یہ کہ صادق وامین محمد کے سوا سیدنا علی پر اور کوئی حجاب حائل نہیں ہے، سیدنا علی کی طرف جانے کا راستہ صرف سیدنا سلمان (فارسی) ہیں جو بڑے طاقت ور اور مضبوط تھے۔''

شیعہ کے نزدیک رمضان کا مقدس مہینہ تیس آدمیوں کے ناموں سے عبارت ہے مندرجہ بالا معائب (غلط عقائد) کے اولیں بانی وموسس شیعہ ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ شیعہ مصنف کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''جو بات تم نے نقل کی ہے، وہ ائمہ سنت، فقہاء حفاظ حدیث اور مشائخ طریقت میں سے کسی نے بھی نہیں کہی، ہم کسی شخص کو نہیں جانتے جو اللہ کے جسم اور اس کے طول وعمق کا عقیدہ رکھتا ہو، اس ضمن میں سب علماء یک زبان ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو آخرت میں دیکھا جا سکے گا، دنیا میں نہیں، احادیث

عام طور سے رائج ہے کہ جو شخص کفر والحاد میں ان کا ہم نوا ہو اور کفریات کی تبلیغ واشاعت کے لیے جان تک دینے کے لیے تیار ہو وہ اسے بیٹا قرار دیتے ہیں۔ (مجلۃ الازہر: ۲۵، ج ۵ ص ۶۱۶) اسماعیلیہ نے چوتھی صدی ہجری میں شمالی افریقہ میں اپنی سلطنت قائم کر لی تھی، قبل ازیں مختلف دیار وامصار مثلاً عراق، شام، یمن اور شمالی افریقہ میں وہ الحاد کی خفیہ دعوت دیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ادیان وملل کی تاریخ لکھنے والے قدیم مصنفین مثلاً امام اشعری وغیرہ نے ان کا ذکر نہیں کیا۔

❶ شیخ شہاب الدین احمد بن محمد بن مری نے جو فتویٰ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے فرقہ نصیریہ سے متعلق دریافت کیا تھا۔ اس میں ذکر کیا ہے کہ ۷۰۰ھ میں اکابر شیعہ میں سے ایک نے یہ اشعار پڑھ کر سنائے تھے۔ یہ فتویٰ امام موصوف کے رسائل تسعہ میں بمقام قاہرہ ۱۳۲۳ھ میں چھپ چکا ہے۔ دیکھیے مذکورہ رسائل (ص: ۹۴۔۱۰۲) غلطی سے اس میں سلمان کی بجائے سلیمان لکھا گیا ہے۔

صحیحہ میں وارد ہے، کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا: ''خوب جان لو کہ تم میں سے کوئی شخص موت سے قبل اپنے رب کو نہیں دیکھ سکتا۔''[1]

شیعہ مصنف کو چاہیے تھا کہ وہ اس قائل کا نام ذکر کرتا، ورنہ دروغ گوئی ہر کسی کے لیے ممکن ہے، تم نے حشویہ کا ذکر کیا ہے مگر کسی متعین شخص کا نام نہیں لیا، نہ جانے وہ کون ہیں؟ اور اگر حشویہ سے تم اہل حدیث مراد لیتے ہو تو وہ خالص سنت کے پیرو ہیں، اور ان میں ایک شخص بھی تمہاری ذکر کردہ بات کا معتقد نہیں خلاصہ کلام! اس بات میں بھی تمہاری کذب بیانی الم نشرح ہوئی اور دوسرے اقوال میں بھی۔

جہاں تک مشبہہ کے لفظ کا تعلق ہے اس میں شبہ نہیں کہ جمیع اہل سنت ذات باری کو مخلوقات کی مماثلث سے منزہ قرار دینے میں یک زبان ہیں، مشبہہ وہ لوگ ہیں جو صفات باری کو صفات مخلوق کے مماثل قرار دیتے ہیں، اہل سنت ذات خداوندی کو انہی صفات سے متصف قرار دیتے ہیں جو خود اللہ تعالیٰ یا نبی کریم ﷺ نے بیان کی ہیں وہ صفات خداوندی کو بلا تحریف و تعطیل اور بدون تکییف و تمثیل تسلیم کرتے ہیں، وہ صفات الٰہی کا اثبات کرتے ہیں مگر ان کی مثل کسی کو قرار نہیں دیتے، اسی طرح وہ ذات خداوندی کو عیوب و نقائص سے منزہ مانتے ہیں مگر صفات سے معطل قرار نہیں دیتے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ﴾ (الشوریٰ:۴۲/۱۱)

''اس کی مثل کوئی چیز نہیں۔''

اس آیت سے ان لوگوں کی تردید مقصود ہے جو صفات الٰہی کو صفات مخلوق کی مثل قرار دیتے ہیں، قرآن میں فرمایا:

﴿هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾

''وہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔''

یہ آیت ان لوگوں کی تردید میں وارد ہوئی ہے جو اللہ تعالیٰ کو صفات سے معطل ٹھہراتے ہیں۔

منکرین صفات کے اوہام وخیالات:

اہل سنت اللہ تعالیٰ کو صفات نقص مثلاً نیند، اونگھ، نسیان اور عجز و جہل سے منزہ مانتے اور ان صفات کمال کے ساتھ موصوف قرار دیتے ہیں جو کتاب و سنت میں وارد ہوئی ہیں، بخلاف ازیں

[1] صحیح مسلم ۔ کتاب الفتن۔ باب ذکر ابن صیاد (حدیث:۷۳۵۶)

منکرین صفات ذات الٰہی کی صفات کا اثبات کرنے والے ہر شخص کو مشبہہ ٹھہراتے ہیں، باطنیہ یہاں تک کہتے ہیں کہ:

''جو شخص اللہ تعالیٰ کو اسماء حسنیٰ سے موسوم کرتا ہے وہ مشبہہ میں سے ہے اور جو ذات باری کو حي اور علیم قرار دیتا ہے، وہ اس کو زندہ اور صاحب علم لوگوں کی مثل ٹھہراتا ہے، جو اللہ تعالیٰ کو سمیع و بصیر کہتا ہے وہ اسے آدمی کی مانند تصور کرتا ہے، اور جو اللہ کو رؤف و رحیم تسلیم کرتا ہے وہ اسے رسول اللہ ﷺ کا مماثل ٹھہراتا ہے، ہم ذات خداوندی کو موجود بھی نہیں کہتے اس لئے کہ اس طرح باقی موجودات صفت وجود میں اس کی شریک ٹھہریں گی، بعینہ ہم اسے معدوم، حی اور میت بھی نہیں کہتے۔

ہم باطنیہ کے ان نظریات کے جواب میں کہتے ہیں کہ اس سے ذات خداوندی کا ممتنع الوجود ہونا لازم آتا ہے، اس لیے کہ جس طرح نقیضین کا اجتماع ممکن نہیں اسی طرح ان کا ارتفاع بھی ممنوع ہے، نظر بریں واجب الوجود کی نفی کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ ممتنع الوجود ہے، باطنیہ کا یہ قول کہ ذات باری یہ نہیں اور وہ نہیں، ظاہر ہے کہ اس سے حقائق کی نفی نہیں ہوتی بلکہ یہ فریب دہی کی ایک بد ترین قسم ہے، جو شخص ذات باری کو ''لاموجود و لامعدوم'' قرار دیتا ہے، وہ عدم وثوق پر یقین رکھتا ہے، یاد رہے کہ مغالطہ بازی کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ حقائق کا انکار کرنا

۲۔ حقائق میں توقف کرنا اور کوئی فیصلہ صادر نہ کرنا۔

۳۔ حقائق کو ظنون و اوہام کے تابع کر دینا۔

بعض علماء کے نزدیک سفسطہ کی ایک چوتھی قسم بھی ہے، اور وہ یہ ہے کہ

۴۔ یہ کائنات ارضی جاری و ساری ہے اور اسے کہیں قرار نہیں۔

باطنیہ کی بے راہ روی کا راز اس امر میں مضمر ہے کہ لفظ تشبہّ میں اجمال و ابہام پایا جاتا ہے، دنیا کی ہر دو اشیاء کے مابین ایک قدر مشترک موجود ہے، جس کی بنا پر ذہن میں وہ دونوں چیزیں ہم آہنگ نظر آتی ہے، تاہم یہ ضروری نہیں کہ وہ دونوں اس قدر مشترک میں برابر ہوں بخلاف ازیں اکثر اوقات اشیاء کے درمیان قدر مشترل میں تفاضل پایا جاتا ہے، مثلاً جب کہا جاتا ہے کہ فلاں فلاں زندہ ہیں اور فلاں فلاں صاحب علم ہیں تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ علم و حیات میں ایک دوسرے کی مثل ہوں، اور نہ یہ کہ ایک شخص کی حیات و علم بعینہٖ دوسرے کی حیات و علم ہے۔ مزید برآں اس سے

یہ نتیجہ بھی برآمد نہیں ہوتا کہ وہ دونوں کسی موجود فی الخارج میں باہم سہیم و شریک ہیں، جہم بن صفوان اللہ تعالیٰ کو ان اسماء سے موسوم نہیں کیا کرتا تھا، جس سے مخلوقات کو موصوف کیا جاتا ہے، البتہ وہ ذات باری کو قادر و خالق کہا کرتا تھا، اس کی وجہ یہ ہے کہ جہم جبر کا عقیدہ رکھتا تھا، اس کے نزدیک بندے میں قدرت نہیں پائی جاتی، وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ: ''اللہ تعالیٰ باقی اشیاء کی طرح شے نہیں ہے۔'' اس سے ان کا یہ مقصود ثابت کرنا ہے کہ تشبیہ کی حقیقت اس سے منتفی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے کتاب عزیز کے متعدد مقامات پر تمثیل کی نفی کی ہے، اس ضمن میں مندرجہ ذیل آیات قابل ملاحظہ ہیں۔

﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ﴾ (الشوریٰ:۴۲/۱۱)

''اس کی مانند کوئی چیز نہیں۔''

﴿ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ﴾ (مریم:۱۹/۶۵)

''کیا اللہ کا کوئی ہم نام تجھے معلوم ہے۔''

﴿ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ﴾ (اخلاص:۱۱۲/۴)

''اس کا کوئی ثانی نہیں۔''

﴿ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا ﴾ (البقرہ: ۲/۲۲)

''اللہ کے لیے شریک نہ ٹھہراؤ۔''

﴿ فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ﴾ (النحل:۱۶/۷۴)

''اللہ کے لیے مثالیں نہ بیان کرو۔''

جہاں تک جسم و جوہر اور تحیز و جہت کے الفاظ کا تعلق ہے کتاب و سنت میں نفیاً و اثباتاً ان کا کوئی ذکر نہیں پایا جاتا، آثار صحابہ و تابعین میں بھی اس کا کوئی نشان موجود نہیں، سب سے پہلے ان کی نفی و اثبات کے سلسلہ میں گفتگو کرنے والے جہمیہ، معتزلہ، اہل بدعت اور شیعہ کے مجسمہ تھے، منکرین صفات نے ان امور کی نفی کی اور اس میں اس حد تک غلو سے کام لیا کہ کتاب و سنت میں ثابت شدہ صفات مثلاً علم و قدرت، مشیت محبت، رضا و غضب اور علو کی بھی نفی کر ڈالی، انہوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ نہ وہ دیکھتا ہے اور نہ کلام کرتا ہے، خواہ قرآن ہو یا کچھ اور۔

مثبتین صفات کے افکار و آراء:

اس کے عین برخلاف صفات الٰہی کا اثبات کرنے والے نے ان صفات کا بھی اقرار کرلیا اللہ و رسول نے جن کی نفی کی تھی، مثلاً ان کی رائے میں اللہ تعالیٰ کو دنیا میں ان مادی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں، بقول ان کے اللہ تعالیٰ مصافحہ و معانقہ کرتا ہے، اور عرفہ کی شام اونٹ پر سوار ہو کر نازل ہوتا ہے، بعض کے نزدیک وہ نادم ہوتا، روتا اور اظہار رنج و الم بھی کرتا ہے، ظاہر ہے کہ یہ وہ صفات ہیں جو بنی نوع انسان کے ساتھ مختص ہیں، ہر ایسی صفت جو انسانوں کا خاصہ ہو وہ صفت نقص ہے اور ذات باری نقص سے منزہ ہے، اللہ تعالیٰ احد و صمد ہے، احد سے یہ حقیقت واضح ہوئی کہ کوئی اس کا نظیر و مثیل نہیں، ''صمد'' جمیع صفات کمال کو شامل ہے۔

مشہور لغوی اصمعی اور ابو زید کے قول کے مطابق جسم جسد یعنی بدن کو کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

﴿ وَاِذَا رَاَیْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ﴾ (المنافقون:٦٣/ ٤)

''جب تو انہیں دیکھے تو ان کے جسم تجھے پسند آتے ہیں۔''

نیز فرمایا:

﴿ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِی الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ﴾ (البقرہ: ٢/ ٢٤٧)

''اسے علم اور جسم میں فراخی عطا کی۔''

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

﴿ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ﴾ (الاعراف:٧/ ١٤٨)

''ایک جسم دار بچھڑا تھا جس کی آواز تھی۔''

جسم کے لفظ سے بعض اوقات کثافت مراد لی جاتی ہے، مثلاً کہا جاتا ہے: ''هٰذَا اَجْسَمُ مِنْ هٰذَا'' (یہ اس سے زیادہ کثیف ہے) متکلمین کے یہاں لفظ جسم بعد ازاں عام ترمعنی میں استعمال ہونے لگا چنانچہ انہوں نے ہوا کو بھی جسم قرار دیا، حالانکہ عرب اسے جسم نہیں کہتے، متکلمین اس امر میں مختلف الخیال ہیں کہ جسم کسے کہتے ہیں، چنانچہ اس ضمن میں ان کے یہاں حسب ذیل مذاہب پائے جاتے ہیں۔

١۔ جو ہر فرد کا عقیدہ رکھنے والوں کے نزدیک جسم جواہر منفردہ متناہیہ سے مرکب ہے، نظام جسم کو

جواہر متناہیہ سے مرکب قرار دیتا ہے، وہ'' طفرہ'' کا قائل ہے، جو اس کی معروف اصطلاح ہے۔

۲۔ بعض فلاسفہ کی رائے میں جسم مادہ وصورت سے مرکب ہے۔

۳۔ ہشامیہ، کلابیہ، تجاریہ، ضراریہ اور بہت سے کرامیہ کے نزدیک جسم کسی چیز سے بھی مرکب نہیں اکثر کتب میں یہ تیسرا مذہب مذکور نہیں۔

ان میں صحیح مسلک یہ ہے کہ جسم کسی چیز سے بھی مرکب نہیں، اسی بنا پر جو ہر فرد کی نفی کرنے والے کہتے ہیں، کہ حیوانات، نباتات اور معدنیات سب اعیان مخلوقہ ہیں، جوہر فرد کا اثبات کرنے والے کہتے ہیں، کہ اللہ تعالیٰ اعراض وصفات کو پیدا کرتے ہیں، جواہر باقی رہتے ہیں اور ان کی ترکیب بدل جاتی ہے، وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ایک حقیقت دوسری حقیقت میں تبدیل نہیں ہوتی، جنس بھی تبدیل نہیں ہوتی، بخلاف ازیں جواہر باقی رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کی ترکیب کو تبدیل کر دیتے ہیں۔

اکثر فلاسفہ کے نزدیک ایک جسم دوسرے جسم میں اور ایک جنس دوسری جنس میں تبدیل نہیں ہوتی، جس طرح نطفہ پہلے منجمد خون میں تبدیل ہوتا ہے، پھر گوشت کے ٹکڑے کی صورت اختیار کرتا ہے اور پھر اس میں ہڈیاں پیدا ہوتی ہے، یہ فقہاء اور اطبا کا قول ہے، میرے علم کی حد تک تمام اہل مناظرہ اس بات پر متفق ہیں، کہ جسم کی طرف اشارہ کیا جا سکتا ہے، اگرچہ یہ رائے ان کے یہاں متنازع فیہ ہے کہ آیا جسم اجزائے منفردہ سے مرکب ہے یا مادہ وصورت سے یا کسی سے بھی مرکب نہیں۔

عقلاء کے تین اقوال:

عقلاء اس مسئلہ میں مختلف الرائے ہیں کہ کیا کوئی ایسی چیز موجود ہوسکتی ہے، جو قائم بنفسہ ہو، مگر اس کی طرف اشارہ نہ کیا جاسکتا ہو، نہ اسے دیکھا جا سکتا ہو، اس میں تین اقوال ہیں:

پہلا قول: یہ ممکن نہیں بلکہ ممتنع ہے۔

دوسرا قول: یہ ان محدثات ممکنہ میں ممتنع ہے، جو وجود وعدم دونوں کو قبول کرتی ہیں۔

تیسرا قول: تیسرا قول یہ ہے کہ یہ ممکن و واجب دونوں میں ممکن ہے، یہ بعض فلاسفہ کا قول ہے، اہل مذہب میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں، یہ ایسی چیزوں کو مجردات و مفارقات سے موسوم

کرتے ہیں۔

اکثر عقلاء کا زاویہ نگاہ یہ ہے کہ ایسا صرف ذہنی اشیاء میں ممکن ہے، خارجی موجودات میں نہیں اس کا ثبوت اس روح سے ملتا ہے، جو عندالموت بدن انسانی سے الگ ہوتی ہے، جہاں تک ملائکہ کا تعلق ہے، فلاسفہ ان کو عقول نفوس مجردہ اور جواہر عقلیہ سے تعبیر کرتے ہیں، اہل اسلام اور دیگر اہل ادیان و مذاہب ملائکہ کا اثبات کرتے اور کہتے ہیں کہ وہ نور سے مخلوق ہیں، جیسا کہ حدیث صحیح میں وارد ہے۔ [1]

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحَانَهٗ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ﴾

(الانبیاء: ۲۱/ ۲۶)

''انھوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے (فرشتوں کو) اولاد بنالیا ہے، وہ (اولاد سے) پاک ہے، فرشتے تو اس کے باعزت بندے ہیں۔''

ملائکہ کا ذکر کتاب عزیز کے متعدد مقامات پر ملتا ہے، اس کے عین برخلاف فلاسفہ جبریل امین کو عقل فعال یا ان خیالی صورتوں اور کلام الٰہی سے تعبیر کرتے ہیں، جن کا گزر سرور کائنات ﷺ کے قلب و دماغ پر ہوا کرتا تھا، جیسے سویا ہوا آدمی خواب میں طرح طرح کی چیزیں دیکھتا ہے، جو شخص رسول اللہ ﷺ کے ارشادات عالیہ سے کلیۃً آگاہ ہے، وہ فلاسفہ کی ضلالت و جہالت سے آشنا ہے، اور بخوبی جانتا ہے کہ وہ مشرکین کی نسبت ایمان سے بعید تر ہیں۔

جب جسم کی حقیقت کے بارے میں اہل مناظرہ کا اختلاف واضح ہوگیا تو اب اس میں مجال شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نہ اجزائے منفردہ سے مرکب ہے، اور نہ مادہ وصورت سے، نہ وہ قابل انقسام ہے اور نہ تفریق و انفصال کو قبول کرتا ہے، ایسا بھی نہیں کہ پہلے وہ جدا جدا تھا پھر یک جا ہوگیا، بخلاف ازیں وہ احد وصمد ہے، اور وہ تمام معانی اس سے منتفی ہیں جن کی ترکیب کا مفہوم سمجھ میں آتا ہے، مگر فلاسفہ اور ان کے ہم نوا اس سے ایک قدم آگے بڑھ کر کہتے ہیں کہ جب وہ صفات سے موصوف ہے تو وہ مرکب ہوگا اور جب اس کی حقیقت ایسی ہے جو فقط وجود نہیں تو وہ مرکب ٹھہرے گا۔

اس کے جواب میں صفات کا اثبات کرنے والے مسلمان کہتے ہیں، نزاع لفظ ''مرکب'' میں

---

[1] صحیح مسلم۔ کتاب الزهد۔ باب فی احادیث متفرقة(حدیث:۲۹۹۶)

نہیں، اس لفظ سے مفہوم ہوتا ہے کہ غیر نے اسے ترکیب عطا کی اور کوئی عاقل نہیں کہتا کہ اللہ تعالیٰ اس لحاظ سے مرکب ہے، ذات خداوندی کے جامع صفات کمال ہونے مثلاً علم، قدرت اور حیات سے موصوف ہونے کا یہ مطلب نہیں، کہ وہ مرکب ہے، لغت سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی، بخلاف ازیں مرکب وہ ہے جس کے اجزاء الگ الگ ہوں، اور پھر اسے اختلاط یا غیر اختلاط کے طریقہ سے یک جا کر دیا جائے، جس طرح ماکولات، مشروبات، ادویات، تعمیرات، لباس اور زیور کو ترکیب دے کر بنایا جاتا ہے، مزید برآں تمام عقلاء ذات باری کے لیے متعدد صفات کا اثبات کرنے میں یک زبان ہیں، مثلاً معتزلہ تسلیم کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حی، عالم اور قادر ہے، اس کا حی ہونا اور ہے اور قادر ہونا چیزے دیگر، فلاسفہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عقل بھی ہے اور عاقل و معقول بھی، وہ لذت بھی ہے، لذیذ و متلذّذ بھی۔

ذات باری کے مرکب ہونے میں اختلاف آراء:

محقق طوسی شرح اشارات میں رقم طراز ہے: ''علم عین معلوم ہے۔''

طوسی کا یہ قول صریح عقل کے منافی ہے، فلاسفہ صرف ترکیب کے مفہوم سے فرار اختیار کرنا چاہتے ہیں، حالانکہ ترکیب کی نفی کے لیے ان کے یہاں کوئی دلیل موجود نہیں، وہ سب سے بڑی دلیل اس ضمن میں یہ پیش کرتے ہیں کہ مرکب اپنے اجزا کا محتاج ہوتا ہے، اور اس کے اجزا اس کے غیر ہیں، اور جو غیر کا محتاج ہو وہ واجب بنفسہ نہیں ہوسکتا بلکہ وہ محلول ہوگا، اس دلیل کے سب الفاظ کمزور ہیں، مثلاً واجب بنفسہ وہ ہے جس کا کوئی فاعل نہ ہو اور نہ علت فاعلہ، وہ کسی ایسی چیز کا محتاج نہ ہو جو اس سے مبائن ہو، وہ قائم بنفسہٖ ہو اور کسی مباین چیز کا محتاج نہ ہو، پہلی اور دوسری تعریف کی بنا پر صفات کا واجب الوجود ہونا لازم آتا ہے، تیسری تعریف کی بنا پر جو ذات ان صفات سے موصوف ہے، وہی واجب ٹھہرے گی، صرف صفات کو واجب الوجود نہیں کہہ سکتے مگر وہ ذات سے جدا بھی نہیں۔

باقی رہا فلاسفہ کا یہ قول کہ جب اللہ کی ذات و صفات ہیں تو وہ مرکب ہوگا، اور مرکب اجزا کا محتاج ہوتا ہے، اور اجزا اس کے غیر ہوتے ہیں، اس میں غیر کا لفظ مبہم اور قابل توضیح ہے، اس سے مبائن مراد ہے، باہم غیر وہ دو چیزیں ہیں، جو زمان و مکان یا وجود کے اعتبار سے جدا ہوسکیں اور ایک دوسرے کا عین نہ ہوں یا وہ دو چیزیں کہ ان دونوں میں سے ایک کو جانتے ہوئے دوسری سے لاعلم رہنا جائز ہو یہ اکثر معتزلہ اور ان کے اعوان و انصار کی رائے ہے، ائمہ سلف مثلاً امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے

نزدیک لفظ غیر کا اطلاق اس پر بھی ہوتا ہے، اور اس پر بھی یہی وجہ ہے کہ وہ علم الٰہی کو اس کا غیر نہیں کہتے اور نہ یہ کہتے ہیں کہ وہ غیر نہیں۔

نظر بریں سلف صالحین یوں نہیں کہتے کہ علم الٰہی عین ذات ہے اور یہ بھی نہیں کہتے کہ وہ غیر ذات ہے۔

جہمیہ کا یہ قول ہے کہ اللہ کے سوا جو کچھ بھی ہے، اس کا پیدا کردہ ہے، ماسوی اللہ میں کلام خداوندی بھی داخل ہے، لہٰذا وہ بھی مخلوق ہے، بخلاف ازیں احادیث نبویہ سے صفات الٰہی مثلاً عزت وعظمت خداوندی کی قسم کھانے کا جواز ثابت ہوتا ہے، [1] حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ''جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے شرک کا ارتکاب کیا۔'' [2] اس سے یہ حقیقت اجاگر ہوئی کہ صفات باری کو عند الاطلاق غیر نہیں کہہ سکتے، جب غیر سے مراد یہ ہے کہ وہ بذات خود نہیں، تو بلاشبہ علم اور ہے اور عالم، اور اسی طرح کلام ومتکلم بھی ایک دوسرے سے جداگانہ حیثیت رکھتے ہیں، احتیاج سے تلازم مراد ہے یعنی وہ ایک دوسرے کے بغیر پائے نہیں جاسکتے، یہ مطلب نہیں کہ وہ ایک دوسرے میں مؤثر بھی ہوں، مثلاً باپ ہونا اور بیٹا ہونا کہ ایک کا تعقل دوسرے کے بغیر ممکن نہیں اس لیے کہ جہاں ابوت (باپ ہونا) ہوگی وہاں بنوّت (بیٹا ہونا) بھی ہوگی، مرکب میں جو اشتراک پایا جاتا ہے، وہ معلوم ہو چکا، جب یوں کہا جائے کہ اگر وہ عالم ہے تو ذات اور علم سے مل کر بنا ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ ذات اور علم پہلے الگ الگ تھے اور پھر جمع ہو کر مرکب ہوگئے یہ بھی مراد نہیں کہ یہ ایک دوسرے سے الگ ہو سکتے ہیں، بخلاف ازیں مقصود یہ ہے کہ عالم ہونے کی صورت میں ایک ذات ہے اور ایک علم جو اس کے ساتھ قائم و وابستہ ہے۔

فلاسفہ کی تردید:

فلاسفہ کا یہ قول کہ: ''مرکب اپنے اجزاء کا محتاج ہوتا ہے۔'' ظاہر ہے کہ مجموع و مرکب کے محتاج

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الأیمان والنذور۔ باب الحلف بعزة الله وصفاته، تعلیقاً فی ترجمة الباب و(حدیث: ۶۶۶۱، ۷۳۸۳)

[2] سنن ابی داؤد: کتاب الأیمان والنذور۔ باب فی کراهیة الحلف بالآباء (حدیث: ۳۲۵۱)، سنن ترمذی، کتاب النذور والأیمان باب ما جاء فی کراهیة الحلف بغیر الله، (حدیث: ۱۵۳۵)

اجزا ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ اجزا نے اسے جنم دیا یا اجزا اس کے بغیر بھی موجود تھے، یا یہ کہ اجزا اس میں موثر ہیں، بخلاف ازیں مقصود یہ ہے کہ وہ مجموعہ کے بغیر پایا نہیں جاتا، جب یہ کہا جائے، ''ایک چیز اپنے آپ کی محتاج ہے'' اور اس کا مطلب یہی لیا جائے جو ہم نے بیان کیا تو یہ ممتنع نہیں بلکہ تقاضائے حق وصواب ہے اس لیے کہ نفس واجب اپنے آپ سے بے نیاز نہیں ہوسکتا، جب کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ واجب بنفسہٖ ہے، تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کے نفس نے اس کے وجوب کو جنم دیا، بلکہ مقصود ومراد یہ ہے کہ وہ بذات خود موجود ہے اور غیر کا دست نگر نہیں، جب کہا جائے، ''دس دس کے محتاج ہیں'' تو اس میں غیر کا ہرگز احتیاج نہیں، جب کہا جائے کہ دس ایک کے محتاج ہیں جو ان کا ایک جزو ہے تو اجزا کی جانب یہ احتیاج وانتقار اس احتیاج سے بڑھ کر نہیں جو اسے مجموعہ کی جانب حاصل ہے، نظر بریں خالق ومبدع کا مستلزم صفات ہونا کسی حجت کی نفی نہیں کرتا، اور ظاہر ہے کہ اس تلازم کو فقر واحتیاج سے تعبیر نہیں کر سکتے۔

صفات قائمہ بالموصوف اس کا جزو نہیں:

مزید برآں صفات قائمہ بالموصوف کو جزو قرار دینا لغت کے خلاف ہے۔

یہ صرف فلاسفہ کی وضع کردہ اصطلاح ہے، تاہم اگر ہم فلاسفہ کے اس مفروضہ کو تسلیم کر لیں تو بھی اس میں کوئی حرج نہیں، فلاسفہ اور ان کے اتباع کی تخویف وتہویل اس ضمن میں ناقابل التفات ہے، اللہ تعالیٰ کے علم بالاشیا کی نفی کرنے والے کہتے ہیں کہ اس سے ''تکثیر'' لازم آتی ہے، اس کے پہلو بہ پہلو جو لوگ اللہ تعالیٰ کے عالم جزئیات ہونے کی نفی کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اس سے اللہ کا تغیر پذیر ہونا لازم آتا ہے، گویا وہ تکثیر وتغیر کے بھاری بھرکم الفاظ سے دوسروں کو ڈرانا چاہتے ہیں حالانکہ یہ دونوں الفاظ حد درجہ مبہم ہیں اور ان کا مطلب واضح نہیں، اس سے وہ دوسروں کو یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں، کہ صفات کا اثبات کرنے سے الہٰ کا تعدد وتکثر لازم آتا ہے، نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ انسان کی طرح تغیر پذیر ہے اور وہ اس طرح بدلتا رہتا ہے، جیسے زرد ہوکر آفتاب کا رنگ بدل جاتا ہے، ان اقوال کا مخاطب اس حقیقت سے یکسر ناآشنا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی حادث چیز کو پیدا کرتا ہے، اپنے بندوں کی دعا سنتا ہے، یا اپنی مخلوقات کو دیکھتا ہے تو فلاسفہ اسے تغیر سے موسوم کرتے ہیں، ان کی نگاہ میں حضرت موسیٰ سے ہم کلام ہونا اور اطاعت شعار سے راضی ہونا بھی تغیر ہے، مزید برآں یہ نفی وانکار کسی دلیل پر مبنی نہیں اور لطف یہ ہے کہ وہ خود ہی اس کا اعتراف کرتے ہیں۔

علاوہ ازیں شرعی و عقلی دلائل و براہین سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، خلاصہ کلام! مدعی کا یہ دعویٰ کہ جس چیز کی طرف اشارہ کیا جائے، وہ جسم مرکب ہے قطعی طور سے بے بنیاد ہے۔

جمہور اہل اسلام جو اللہ تعالیٰ کو مجسم قرار نہیں دیتے، کہتے ہیں کہ جو شخص اللہ کو جسم کہتا ہے، اور اس سے یہ مراد لیتا ہے، کہ وہ موجود ہے یا قائم بنفسہٖ ہے یا اسے جوہر کہہ کر یہ مراد لیتا ہے کہ وہ قائم بنفسہٖ ہے تو وہ الفاظ میں خطا کار ہے معنی میں نہیں، جب وہ یہ کہے کہ ذات خداوندی جواہر منفردہ سے مرکب ہے تو اس کے کفر میں شبہ نہیں۔

جسم کو جواہر سے مرکب قرار دینے والوں کے یہاں اختلاف پایا جاتا ہے، کہ جسم کا مسمّٰی کیا ہے؟

۱۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ جب جوہر واحد کے ساتھ کسی اور چیز کو ملایا جائے تو اسے جسم کہتے ہیں، ابن الباقلانی، ابو یعلی اور دیگر علماء کا نقطۂ نظر یہی ہے۔
۲۔ دوسرا مذہب یہ ہے کہ دو یا زیادہ جوہر جب مل جاتے ہیں تو جسم تشکیل پاتا ہے۔
۳۔ تیسرا مذہب یہ ہے کہ چار یا چار سے زیادہ جواہر کے ملنے سے جسم قرار پاتا ہے۔
۴۔ چوتھے مذہب کے مطابق چھ یا چھ سے زیادہ جواہر کا ہونا ضروری ہے۔
۵۔ جسم کی تشکیل کے لیے آٹھ جواہر کا وجود ناگزیر ہے۔
۶۔ چھٹا مذہب یہ ہے کہ جسم کی ساخت کے لیے سولہ جواہر مطلوب ہیں۔
۷۔ ساتویں مذہب کے مطابق جسم کم از کم بتیس جواہر سے مرکب ہوتا ہے۔

اس سے یہ حقیقت واشگاف ہوتی ہے کہ لفظ جسم میں بے شمار لغوی، اصطلاحی، عقلی اور شرعی تنازعات پائے جاتے ہیں، جن کا تقاضا ہے کہ اس ضمن میں باقی مباحث کو چھوڑ کر صرف کتاب و سنت کی پیروی کی جائے، قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا﴾ (آل عمران:۳/۱۰۳)

''سب کے سب اللہ کی رسی کو تھام لو اور فرقے نہ بنو۔''

نیز فرمایا:

﴿اِتَّبِعُوْا مَا اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ (الاعراف:۷/۳)

''جو (کتاب) تمہاری جانب تمہارے رب کی طرف سے اتاری گئی ہے اس کی

پیروی کرو۔‘‘

دوسری جگہ ارشاد ہوا:

﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا﴾ (النساء: ٤/ ٦١)

’’جب انہیں کہا جاتا ہے کہ رسول کی طرف آؤ اور اس (کتاب) کی طرف جو اللہ نے اتاری ہے تو تو دیکھتا ہے کہ منافقین تجھ سے روگردانی اختیار کرتے ہیں۔‘‘

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

’’جو شخص قرآن کریم پڑھتا اور اس پر عمل پیرا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا ضامن ہے کہ وہ دنیا میں گمراہ ہوگا نہ آخرت میں اجر وثواب سے محروم رہے گا، پھر یہ آیت پڑھ کر سنائی:

﴿وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا﴾ (طه: ٢٠/ ١٢٤)

’’جو میرے ذکر سے منہ موڑتا ہے، اس کی معیشت تنگ ہو جاتی ہے۔‘‘[1]

جسم، جوہر اور جہت کے الفاظ سے احتراز:

بہر کیف اللہ و رسول نے جس بات کا اثبات کیا ہے ہم اس کا اثبات کرتے ہیں اور جس کی نفی کی ہے اس کی نفی کرتے ہیں، ہم اثبات ونفی میں لفظاً و معناً نصوص کے پیرو ہیں، جہاں تک ان الفاظ کا تعلق ہے جو ان کے مخترعین کے یہاں مختلف فیہا ہیں، مثلاً جسم، جوہر، تحیز، جہت، ترکب اور تعین وغیرہا ہم نفیاً واثباتاً اس وقت تک ان کا اطلاق نہیں کریں گے، جب تک یہ معلوم نہ کر لیں کہ ان کے قائل کا مقصود کیا ہے، اگر وہ نفی واثبات میں صحیح اور موافق نصوص معنے مراد لیتا ہو تو ہم اس معنی کو صحیح قرار دیں گے اور اس من گھڑت اور مجمل لفظ کو استعمال کرنے کی اجازت نہیں دیں گے، تاہم عندالحاجت فریق مقابل کی اصطلاح کے مطابق ہم اس کو استعمال کریں گے بشرطیکہ قرائن کی مدد سے مفہوم صاف سمجھ میں آتا ہو۔

مثلاً مخاطب ایسا شخص ہو جو صرف اسی لفظ سے مفہوم کو سمجھ سکتا ہو، تاہم ان الفاظ کو غلط معانی پہنانا صریح قسم کی بے راہ روی ہے، اگر مخاطب ایسے الفاظ سے حق و باطل دونوں قسم کے معانی مراد لیتا

[1] تفسیر ابن ابی حاتم(٧/ ٢٤٣٨، ٣٩ ٢٤)، تفسیر درمنثور(٥/ ٦٠٧)، مستدرک حاکم (٢/ ٣٨١)

ہوتو اس کے سامنے حق کو باطل سے نکھار دیا جائے ، اگر دو شخص ایک معنی میں متحد الخیال ہوں اور دلائل میں اختلاف ہوتو اقرب الی الصواب وہ ہے جس کی تائید لغت سے ہوتی ہو۔

متحیز لغت میں اس چیز کو کہتے ہیں جسے کسی چیز نے گھیر رکھا ہو، قرآن کریم میں ہے: ﴿مُتَحَيِّزًا اِلٰی فِئَةٍ﴾ (الانفال: ۱۶/۸) متحیز لازماً وہ چیز ہے جس پر کسی وجودی چیز نے احاطہ کر رکھا ہو، چونکہ مخلوقات میں سے کوئی چیز ذات باری کا احاطہ نہیں کر سکتی، لہٰذا لغوی اعتبار سے خداوند تعالیٰ کو متحیز نہیں کہہ سکتے۔

متکلمین کی اصطلاح میں متحیز اعم ہے، وہ ہر جسم کو متحیز کہتے ہیں اور جسم ان کی اصطلاح میں وہ ہے جس کی طرف اشارہ کیا جا سکے بنا بریں ان کے نزدیک زمین و آسمان اور ان کے درمیان جو کچھ ہے وہ متحیز ہے، مگر لغت سے اس کی تائید نہیں ہوتی، وہ حیّز سے امر معدوم مراد لیتے ہیں اور مکان سے امر موجود جو حیز عدمی کے خلاف ہو لہٰذا جملہ اجسام جو کسی موجود چیز میں واقع نہیں، وہ کسی مکان میں نہیں، امام فخر الدین رازی حیّز کو کبھی موجود قرار دیتے تھے اور کبھی معدوم۔

کیا اللہ تعالیٰ متحیز ہے:

عقل و نقل سے یہ حقیقت واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات سے جدا ہے اس لیے کہ وہ مخلوقات سے قبل بھی موجود تھا، پیدا کرنے کے بعد یا تو وہ ان مخلوقات میں داخل ہو گیا ہوگا یا مخلوقات اس میں سما گئی ہوگی، یہ دونوں باتیں ممتنع ہیں، لہٰذا ثابت ہوا کہ وہ مخلوقات سے جدا ہے، اس کی نفی کرنے والے کہتے ہیں کہ وہ مخلوقات میں داخل ہے نہ ان سے جدا ہے، یہ بات خلاف عقل ہے، ان کا دعویٰ ہے کہ یہ عقلاً ممتنع نہیں، بلکہ اس کو ممنوع قرار دینا قوت وہمیہ کی کرشمہ سازی ہے، بایں ہمہ ان کے افکار و آراء میں تناقض پایا جاتا ہے، ان کا قول ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ عرش پر ہے تو وہ جسم ہوگا کیوں کر اس کا آس پاس سے متحیز ہونا ضروری ہے، اس کے جواب میں کہا جائے گا، یہ بات عقل سے ثابت ہے کہ فوق العالم ایک ایسے موجود کا اثبات جو جسم نہیں ہے اقرب الی العقل ہے بہ نسبت اس کے کہ ایک ایسے قائم بنفسہٖ کا اثبات کیا جائے جو نہ اس کائنات ارضی سے جدا ہے اور نہ اس میں داخل ہے۔

اسی طرح لفظ جہت سے امر موجود بھی مراد ہوتا ہے، جیسے فلک اعلیٰ اور امر معدوم بھی، جیسے ماوراء العالم، دوسرے معنی مراد لیے جائیں تو یوں کہہ سکتے ہیں کہ ہر جسم ایک جہت میں ہے، جب پہلے

معنی مراد لیے جائیں تو ایک جسم کا دوسرے جسم میں ہونا ممتنع ہے، جو شخص یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ جہت میں ہے اور اس سے امر موجود مراد لے اس لیے کہ اللہ کے سوا جو کچھ بھی ہے، اس کی مخلوق ہے تو ایسا شخص یقیناً غلطی پر ہوگا اور اگر جہت سے امر معدوم یعنی مافوق العالم مراد لے، اور یوں کہے کہ اللہ تعالیٰ فوق العالم ہے، تو یہ قول درست ہوگا، چونکہ فوق العالم اس کے سوا دوسری کوئی چیز موجود نہیں بنا بریں اللہ تعالیٰ موجودات میں سے کسی چیز میں حائل نہ ہوگا۔

مشبہہ کون ہیں؟

مذکورۃ الصدر بیانات اس بات کے شاہد عدل ہیں کہ شیعہ مصنف اور اس کے ہم نوا اگر مشبہہ سے وہ لوگ مراد لیتے ہیں جو اللہ کے لیے ایسے اسماء کا اثبات کرتے ہیں جن سے بندوں کو بھی موسوم کر سکتے ہیں تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ نہ صرف باقی اسلامی فرقے بلکہ خود شیعہ بھی مشبہہ ہونے سے بچ نہیں سکتے اور اگر مشبہہ سے اس کی مراد وہ لوگ ہیں جو صفات باری کو انسانی صفات کی مثل قرار دیتے ہیں تو ان کے گمراہ ہونے میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں اور یہ حقیقت ہے کہ ایسے لوگ شیعہ میں باقی فرقوں کی نسبت کچھ زیادہ ہی پائے جاتے ہیں۔

شیعہ مصنف کی یہ ستم ظریفی موجب حیرت واستعجاب ہے کہ وہ بعض الفاظ کو استعمال تو کرتا ہے مگر ان کے معنی اور موارد استعمال سے قطعی نابلد ہوتا ہے، وہ خود ہی ایک اساس قائم کرتا ہے، اور پھر اسی مفروضہ اساس پر اپنے مزعومات کی عمارت استوار کرنا شروع کر دیتا ہے۔

شیعہ مصنف جہاں حشویہ مشبہہ کا ذکر کرتا ہے، وہاں اس کی مراد عراق وبغداد کے حنابلہ ہوتے ہیں، یہ اس کی جہالت کا بین ثبوت ہے، اس لیے کہ حنابلہ باقی اہل سنت سے کسی قول میں بھی منفرد نہیں ہیں، اور وہی عقائد رکھتے ہیں جو باقی اہل سنت کے ہیں، یہ حقیقت اپنی جگہ پر واضح ہے کہ اہل سنت والجماعت کا مذہب قدیم بھی ہے اور معروف ومشہور بھی، یہ اس وقت بھی معروف تھا، جب امام ابوحنیفہ، مالک، شافعی اور احمد بن حنبل رحمہم اللہ ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے تھے، یہ صحابہ کرام کا مذہب ہے، جنہوں نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھا، جو اس کی خلاف ورزی کرے گا وہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک بدعتی ٹھہرے گا، اس لیے کہ اجماع صحابہ کی حجیت میں سب اہل سنت متحد الخیال ہیں اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں، البتہ علماء اس امر میں مختلف الخیال ہیں کہ آیا صحابہ کے بعد آنے والے حضرات (تابعین وتبع تابعین) کا اجماع حجت ہے یا نہیں؟

سیدنا امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا دور ابتلاء:

سیدنا امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو امام اہل سنت اور امام الصابرین قرار دینے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آپ کسی مسئلہ میں باقی ائمہ سے منفرد تھے یا آپ نے بذات خود کوئی قول گھڑ لیتا تھا بخلاف ازیں اس کی وجہ یہ تھی کہ سنت آپ سے پہلے موجود تھی اور لوگ اس سے آشنا چلے آتے تھے، آپ نے صرف یہ کیا کہ سنت کی نشر واشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، ترک سنت پر مجبور کیا گیا تو اس ابتلاء میں صبر و استقامت کا دامن تھامے رکھا، باقی ائمہ دور ابتلاء سے قبل وفات پا چکے تھے، جب تیسری صدی ہجری کے اوائل اور خلیفہ مامون اس کے بھائی معتصم اور واثق باللہ کے عہد خلافت میں صفات الٰہی کا انکار کرنے والے جہمیہ نے انکار صفات کا بیڑا اٹھایا...... جسے متاخرین شیعہ نے بھی تسلیم کر لیا تھا...... بہت سے امراء و حکام بھی اس ضمن میں جہمیہ کے ہم نوا بن گئے، تو اہل سنت نے اس نظریہ کو تسلیم کرنے سے صاف انکار کر دیا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ارباب اقتدار نے بعض علماء کو قتل کی دھمکی دی، بعض کو قید و بند کی صعوبتوں میں ڈالا اور طرح طرح سے ڈرایا دھمکایا اور لالچ دلا کر اس نظریہ سے باز رکھنا چاہا، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اپنے عقیدہ پر ڈٹے رہے جس کے نتیجہ میں انہیں عرصہ دراز تک محبوس رکھا گیا۔

آخر مناظرہ کی ٹھانی اور اس مقصد کے لیے معتزلی علماء کو بلایا مگر سب نے منہ کی کھائی، امام اہل سنت کے سامنے لاجواب ہو گئے اور آپ کو دلائل کے ساتھ قائل نہ کر سکے، دوسری جانب امام موصوف نے ان کی ایک ایک غلطی کی قلعی کھول کر رکھ دی، اور ان کے دلائل کی دھجیاں فضائے آسمانی میں بکھیر دیں، مخالفین نے مناظرہ کے لیے بصرہ اور دیگر اسلامی بلاد و امصار کے بڑے بڑے ماہرین علم الکلام کو بلایا تھا، جن میں حسین نجار کے تلمیذ ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ کا نام خاص طور سے قابل ذکر ہے۔

یہ مناظرہ صرف فرقہ معتزلہ ہی کے خلاف نہ تھا، بلکہ جہمیہ کے سب فرقے مثلاً معتزلہ، نجاریہ، ضراریہ اور اسی طرح مرجیۂ کے سب فرقے امام کے خلاف امنڈ آئے تھے، جہمیہ و معتزلہ کے مابین نسبت یہ ہے کہ ہر جہمی کا معتزلی ہونا ضروری نہیں، اور ہر معتزلی، جہمی ضرور ہوتا ہے، البتہ جہم کا قدم نفی صفات میں معتزلہ سے آگے ہے اس لیے کہ وہ اسماء و صفات الٰہی دونوں کی نفی کرتا ہے، بخلاف ازیں معتزلہ صرف صفات کے منکر ہیں، بشر مریسی کبار جہمیہ میں سے تھا اور مرجیہ کا ہم نوا تھا، وہ معتزلی نہ تھا، حامی سنت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے مبتلائے مصائب ہونے کی وجہ سے مذکورۃ الصدر مسائل میں

بڑے زور کے معرکے بپا ہونے لگے، انہی حوادث میں مبتلا ہونے کی بنا پر امام احمد اور ان کے اتباع کرام بارگاہ ربانی میں بڑے اونچے مرتبہ پر فائز ہوئے۔

روافض نے اپنی ڈفلی الگ بجانا شروع کی، ہر زاویہ نگاہ کے مسلمانوں کو تنقید شدید کا نشانہ بنایا اور کہنے لگے کہ وہ اصول و فروع دونوں کو ترک کر چکے ہیں، اور صرف شیعہ ہی ایک ایسا فرقہ ہے جو جرح و قدح سے بالا ہے، حالانکہ کرۂ ارضی کے تمام سلیم العقل مسلمان اس امر میں اتفاق رائے رکھتے ہیں کہ اہل قبلہ کے تمام فرقوں میں شیعہ کا گردہ جہالت و ضلالت اور کذب و بدعت میں سب پر فوقیت رکھتا ہے، یہ ہر شر سے قریب تر اور ہر خیر سے بعید تر ہے، یہی وجہ ہے کہ امام ابوالحسن اشعری نے جب مختلف فرقوں کے عقائد و افکار پر: ''مقالات الاسلامیین'' کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی تو سب سے پہلے شیعہ کے عقائد کا ذکر کیا اور اسے اہل سنت والحدیث کے افکار و آراء پر ختم کیا اور ساتھ ہی یہ بھی تحریر کیا کہ وہ خود بھی اہل السنّت والحدیث کے عقائد رکھتے ہیں اور اسی مسلک پر گامزن ہیں۔

مذکورۃ الصدر بیانات اس حقیقت کو اجاگر کرتے ہیں کہ شیعہ مصنف کا اہل الآثار [1] ولاثبات کو مشبہہ کے نام سے موسوم کرنا بعینہ اسی طرح ہے جیسے شیعہ خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی خلافت کے قائل کو اس لیے ناصبی کہتے ہیں کہ ان کی رائے میں سیدنا علی کی خلافت کا عقیدہ اسی صورت میں درست تسلیم کیا جا سکتا ہے، جب خلفاء ثلاثہ سے براءت کے اظہار کیا جائے [2] حالانکہ ناصبی دراصل وہ ہے جو اہل

---

[1] اہل الآثار وہ ہیں جو خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول احادیث و آثار کی پیروی کرتے ہیں، اس لیے کہ آپ نیکی کی تعلیم دیتے اور اللہ کی طرف سے ہدایت اور دین حق دے کر مبعوث کیے گئے تھے، اہل الاثبات وہ ہیں جو اللہ و رسول کے ثابت کردہ غیبی امور کا اثبات کرتے ہیں، صفات الٰہی بھی غیبی امور میں سے ہیں، اور وہ ان پر ﴿لیس کمثله شیء﴾ کی شرط کے مطابق ایمان رکھتے ہیں، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ وہ صفات کی تاویل کرتے ہیں نہ ان میں تبدیلی کا ارتکاب کرتے ہیں، اس لیے کہ مخلوقات میں غیبی امور کا علم رکھنے والا اللہ و رسول سے زیادہ اور کوئی نہیں۔

[2] جیسا کہ ہم قبل ازیں علامہ ما مقانی شیعہ عالم کی کتاب تنقیح المقال: ۱/ ۲۰۷ کے حوالہ سے ذکر کر چکے ہیں۔

بیت سے بغض و عناد رکھتا ہو، ❶ اسی طرح مشبہہ وہ ہیں جو صفات الٰہی کو بندوں کی صفات کی طرح خیال کرتے ہیں۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ جو کسی کی مدح یا مذمت کرنا چاہتا ہے، اس پر لازم ہے کہ ممدوح و مذموم کا ان اسماء و القاب میں داخل ہونا ثابت کرے جن پر مدح و ذم کا انحصار ہے، جب وہ اسم و لقب ہی شرعاً ثابت نہ ہو اور ممدوح و مذموم کا اس میں داخل ہونا بھی متنازع ہو تو مدح و ذم دونوں باطل ٹھہرے۔

یہ امر پیش نظر رہے کہ کتاب و سنت میں ناصبہ، حشویہ، مشبہہ اور رافضہ کے الفاظ مذکور نہیں جب ہم رافضہ کا لفظ بولتے ہیں تو ہماری مراد اس سے شیعہ فرقہ کے لوگ ہوتے ہیں، ان کے سب فرقے اس میں داخل ہیں گویا رافضہ کا لفظ جہلاء اور محروم صدق و یقین لوگوں کے لیے علم و لقب کی حیثیت رکھتا ہے۔

شیعہ مصنف کی کم سوادی:

شیعہ مصنف کا ''داؤد طائی'' کہنا جہالت کی کرشمہ سازی ہے، صحیح ''داؤد جواربی ❷ ہے''
امام اشعری نے بھی اس کا یہی نام ذکر کیا ہے، امام موصوف فرماتے ہیں:

---

❶ اہل بیت کے ساتھ عظیم ترین بغض یہ ہے کہ ان پر جھوٹ کا طوفان باندھا جائے اور دین میں ایک ایسے فرقہ کی طرح ڈالی جائے جو ان کے جد امجد ﷺ کی رسالت سے ٹکراتا ہو، اور پھر اس سے بڑھ کر ظلم و بہتان اور کیا ہوگا کہ امت محمدی کے ان چیدہ و برگزیدہ اصحاب کو مورد طعن بنایا جائے، جو سیدنا علی کے بھائی اور نبی اکرم ﷺ کے نزدیک عزت و وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، اہل بیت کے ساتھ یہی وہ بدترین بغض ہے، شیعہ جس کا عرصہ دراز سے ارتکاب کرتے چلے آرہے ہیں اور جونہی زمانہ گزرتا ہے، ان کا یہ بغض بڑھتا ہی جاتا ہے، چنانچہ آپ اس کتاب میں آگے چل کر ملاحظہ فرمائیں گے، یہی وجہ ہے کہ نہج البلاغۃ کے اوراق مذمت صحابہ سے پر ہیں اور کوئی شیعہ عالم ایسا نہیں جس نے صحابہ کی مذمت نہ کی ہو اور ان سے براءت کا اظہار نہ کیا ہو۔

❷ قبل ازیں امام اشعری کی مقالات الاسلامیین اور الانساب سمعانی کے حوالہ سے جواربی کا ترجمہ مذکور ہو چکا ہے، امام ذہبی کے اختصار میں جواربی کا لفظ آیا ہے، جو صحیح ہے البتہ منہاج السنہ کے اصل نسخہ میں غلطی سے یہ لفظ ''الجوامری'' لکھا گیا تھا۔

''داؤد جواربی اور مقاتل بن سلیمان کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ مجسم ہے، اور اس کے انسان جیسے اعضاء ہیں، وہ گوشت پوست، خون، بال، ہڈیاں اور اعضاء و جوارح بھی رکھتا ہے، مگر بایں ہمہ کوئی چیز اس جیسی نہیں۔''

ہشام بن سالم جوالیقی [1] کہتا ہے:

''اللہ تعالیٰ انسانی شکل وصورت رکھتا ہے، مگر وہ گوشت پوست کا بنا ہوا نہیں، وہ ایک درخشندہ نور ہے، اس کے حواس خمسہ ایک دوسرے سے جدا جدا ہیں، بنا بریں اس کی سمع اور ہے اور بصر اور، وہ ہاتھ، پاؤں، آنکھ، منہ، ناک اور سیاہ بال رکھتا ہے۔''

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''امام اشعری نے یہ اقوال معتزلہ کی تصانیف سے اخذ کیے ہیں [2]، اس لیے ان میں مقاتل بن سلیمان کے اصلی نظریات کی ترجمانی نہیں کی گئی، بلکہ انہیں بڑھا چڑھا کر بیان کیا گیا ہے، ورنہ مقاتل سے ایسے افکار و آراء کی توقع نہیں کی جا سکتی، امام شافعی مقاتل کے بارے میں فرماتے ہیں، ''جو شخص علم تفسیر کا طالب ہو وہ مقاتل کا بستہ فراک ہو کر رہے اور جو فقہ حاصل کرنا چاہتا ہے، وہ امام ابوحنیفہ کا دامن تھام لے۔'' جہاں تک داؤد طائی [3] کا تعلق ہے وہ ایک فقیہ اور عابد و زاہد شخص تھے، انہوں نے کوئی ایسی غلط بات نہیں کہی اور نہ کسی طرح سے اس میں دخل دیا۔''

---

1. جوالیقی شیعہ کا مشہور امام ہے اور ان کے یہاں اسے قطب کا مقام حاصل ہے، قبل ازیں اس کا ترجمہ تفصیلاً مذکور ہو چکا ہے۔
2. امام اشعری کا ماخذ فرقہ جات کے بارے میں ابوعیسیٰ ورّاق شیعہ عالم کی تحریر کردہ ایک کتاب ہے، ورّاق کا ترجمہ قبل ازیں لکھا جا چکا ہے، شیعہ کے یہاں مقاتل بن سلیمان جیسے بزرگوں پر افترا پردازی کچھ بھی محل تعجب نہیں، بلکہ وہ اسے عبادت شمار کرتے ہیں۔
3. ابوسلیمان داؤد بن نصیر المتوفی ۱۶۰ھ داؤد طائی کے نام سے مشہور تھے، یہ بڑے فقیہ اور عابد شب زندہ دار تھے، یہ امام ابوحنیفہ، ثوری، شریک اور ابن ابی لیلیٰ کے معاصر تھے اور ان سے استفادہ کر چکے تھے، داؤد طائی کے بارے میں یہ مقولہ مشہور ہے کہ ''اگر وہ زمانہ ماضی میں ہوتے تو اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ضرور ان کا ذکر فرماتے۔'' شیعہ مصنف کی جہالت کا اندازہ لگائیے کہ داؤد طائی اور داؤد جواربی کے مابین فرق نہ کر سکا۔

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''بعض اہل سنت کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ جمعہ کی رات کو ایک بے ریش لڑکے کی شکل میں ایک گدھے پر سوار ہو کر اترتے ہیں، بغداد کے بعض آدمی شب جمعہ اپنے مکان کی چھت پر ایک برتن میں کچھ جو ڈال دیتے اور منتظر رہتے کہ اللہ تعالیٰ اس کی چھت پر نازل ہوں گے اس کا گدھا جو کھانے میں مشغول رہے گا اور اللہ تعالیٰ یہ پکارتے رہیں گے کہ آیا کوئی توبہ کرنے والا ہے؟''

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اس قسم کی باتیں یا تو سفید جھوٹ ہیں یا جہالت کی کرشمہ سازی، کسی عالم یا معروف آدمی نے ایسی کوئی بات نہیں کہی، اہل سنت کے علماء تو کیا عوام بلکہ بچے بھی ایسی بے ہودہ باتیں نہیں کہہ سکتے، اس ضمن میں کوئی جھوٹی اور ضعیف روایت بھی نقل نہیں کی گئی، کسی شخص نے یہ بات نہیں کہی کہ اللہ تعالیٰ شب جمعہ ایک بے ریش لڑکے کی صورت میں نازل ہوتا ہے، یہ بے بنیاد بات ''جمل اورق'' (خاکستری رنگ کا اونٹ) والی حدیث کی مانند ہے یا اس حدیث کی طرح جس میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ عرفہ کی شام نازل ہوتا ہے، راہ چلنے والوں سے معانقہ کرتا اور سوار ہونے والوں سے مصافحہ کرتا ہے، اللہ یہ حدیث گھڑنے والے کو غارت کرے۔

شیعہ مذہب جھوٹ کا پلندہ:

یوں تو دنیا میں جھوٹ کی کمی نہیں، مگر یہ حقیقت ہے کہ جھوٹ کے نو حصے یا اس سے کم وبیش شیعہ میں پائے جاتے ہیں، اور ایک حصہ باقی دنیا میں [1]، اس میں شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے پہلے آسمان پر نازل ہونے کی احادیث متواتر ہیں، عرفہ کی شام قریب آنے کی حدیث صحیح مسلم میں روایت کی گئی

---

[1] جو شخص شیعہ کے ان اکاذیب سے آگاہ ہو جو انہوں نے مختلف ادوار و ازمنہ میں اختراع کیے اور انہیں تاریخ اسلامی میں مناسب جگہ پر فٹ کر دیا یا ان کو نبی کریم ﷺ، سیدنا علی اور ان کے اہل بیت کرام کی جانب منسوب کیا اور علاوہ ازیں وہ شیعہ کے طرز فکر و نظر سے بھی آشنا ہو مثلاً اکابر شیعہ کا گدھوں سمیت تہ خانے کے دروازہ پر کھڑے ہو کر امام غائب کے نکلنے کا انتظار کرنا وہ اس میں ذرہ بھر شک نہیں کرے گا، کہ مذکورۃ الصدر جھوٹ بھی شیعہ کا اختراع کردہ ہے کیونکہ اس کے تمام اجزا و عناصر شیعہ طرز فکر کے ساتھ میل کھاتے ہیں اور ایسی یگانگت کے پیش نظر شیعہ مصنف ابن المطہر نے اسے اپنی تصنیف میں جگہ دی۔

ہے ❶ مگر ہمیں اس کے نزول یا استواء کی کیفیت معلوم نہیں۔

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''فرقہ کرامیہ والے اللہ تعالیٰ کو بالائی جانب قرار دیتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ جو چیز کسی جہت میں ہو، وہ اس جہت کی محتاج ہوگی، اور اس کے ساتھ ساتھ حادث بھی ہوگی۔''

اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ یہ صرف کرامیہ کا ہی مذہب نہیں بلکہ متقدمین شیعہ بھی یہی عقیدہ رکھتے ہیں اور اس کے ابطال پر تم کوئی دلیل بھی نہیں لا سکتے، جملہ مخلوقات کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فوق العالم ہے، اگرچہ وہ جہت کا لفظ بولنے سے احتراز کرتے ہیں، تاہم اللہ تعالیٰ کو فوق العالم تسلیم کرنا ان کی فطرت میں داخل ہو چکا ہے، جیسا کہ ابوجعفر ہمدانی ❷ نے امام ابوالمعالی سے کہا تھا۔

---

❶ صحیح مسلم کتاب الحج، باب فضل یوم عرفة، (حدیث:١٣٤٨)

❷ نام محمد بن حسن بن محمد کنیت ابوجعفر اور نسبت ہمدانی ہے، یہ بہت بڑے حافظ حدیث اور صادق القول تھے، خراسان، عراق اور حجاز کے حفاظ حدیث سے علم حدیث حاصل کیا ابن السمعانی کہتے ہیں: یہ اپنے عصر وعہد میں سب سے بڑے حافظ حدیث تھے، ذی قعد ۵۳۱ھ میں وفات پائی، امام ذہبی نے جو اختصار کیا ہے، اس میں ابوالمعالی کا نام مذکور ہے، مگر منہاج السنہ کی اصل عبارت میں نام مذکور نہیں، ہمارے خیال میں ابوالمعالی سے امام الحرمین الجوینی مراد نہیں لیے جا سکتے اس لئے کہ امام الحرمین اپنی کتاب الرسالہ النظامیہ میں لکھتے ہیں...... جیسا کہ شذرات الذہب (۳/ ۳۶۰۔۳۶۱) پر منقول ہے......امام الحرمین فرماتے ہیں:

ظواہر نصوص کے بارے میں علماء کے یہاں اختلاف پایا جاتا ہے، علماء کی ایک جماعت آیات واحادیث نبویہ میں تاویل کی قائل ہے، ائمہ سلف تاویل نہیں کرتے، بلکہ نصوص کو ان کے ظاہری مفہوم پر محمول کرتے ہیں وہ ان کے مفاہیم ومعانی علم اللہ کو تفویض کرتے ہیں ہمارا ذاتی زاویہ نگاہ اس ضمن میں یہ ہے کہ ہم سلف صالحین کی پیروی کرتے ہیں، اس مسئلہ میں قطعی دلیل یہ ہے کہ امت کا اجماع ایک لائق اتباع حجت ہے جس کی تائید شریعت حقہ سے ہوتی ہے۔ یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ اصحاب رسول ﷺ ظواہر نصوص کے فہم وادراک کے درپے نہیں ہوتے تھے، اس کے باوصف کہ وہ اسلام کے چیدہ وبرگزیدہ بزرگ تھے اور عظیم ذمہ داریوں کے حامل تھے، قواعد علت وضبط وحفظ اور ضروریات دین کی تعلیم وتلقین میں وہ جہد وسعی کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے تھے، اگر ظواہر نصوص کی تاویل مشروع یا حتمی وقطعی ہوتی تو شرعی فروعات سے زیادہ وہ اس کا اہتمام کرتے اور جب وہ اپنے عصر وعہد

ابوجعفر ہمدانی کے قول کا خلاصہ یہ ہے:

''استواء کا علم ہمیں نقلی دلائل سے حاصل ہوا، ان کی عدم موجودگی میں ہم اسے معلوم نہ کر سکتے

میں تاویلات سے باز رہے تو یہی طرز فکر قابل اتباع ہوگا، مندرجہ دلائل کے پیش نظر ہر دین دار شخص پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے، کہ وہ اللہ تعالیٰ کو مخلوقات کی صفات سے منزہ قرار دے اور متشابہات کی تاویل میں کوشاں نہ رہے، بنابریں مندرجہ ذیل آیات وحدیث کی تاویل نہ کی جائے اور ان کا مطلوب ومفہوم اللہ کو تفویض کیا جائے۔

۱۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى

۲۔ جَاءَ رَبُّكَ

۳۔ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ

۴۔ وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُوالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ

۵۔ تَجْرِىْ بِاَعْيُنِنَا

۶۔ وہ حدیث جس میں اللہ تعالیٰ کے نازل ہونے کا ذکر ہے۔ امام الحرمین ابوالمعالی کا یہ شعر ؂

نِهَايَةُ اَقْدَامِ الْعُقُوْلِ عِقَالُ
وَغَايَةُ اٰدَآءِ الرِّجَالِ ضَلَالُ

عقلی ترقی کی انتہا عجز وتقصیر ہے اور انسانی آراء کا نتیجہ ضلالت ہے۔

علامہ المناوی الجامع الصغیر کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ سمعانی نے ابوجعفر ہمدانی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ میں نے امام الحرمین ابو المعالی کو سنا فرماتے تھے: ''میں نے لاکھوں اوراق کا مطالعہ کیا اور پھر بغور اس بات کا جائزہ لیا کہ مسلمان اسلامی عقائد اور ظاہری علوم پر کہاں تک اعتماد رکھتے ہیں، میں بحر مواج میں سوار ہوا اور ان چیزوں میں سوار ہوا جس سے اسلام نے منع کیا ہے (یعنی فلسفہ وعلم الکلام کا مطالعہ کیا) یہ سب کچھ حق کی تلاش میں کیا، میں اب ان تمام باتوں سے منہ موڑ کر کلمہ حق کی طرف لوٹ آیا ہوں۔

اور وہ یہ ہے کہ انہی عقائد پر قائم رہو جن پر بڑھیا عورتیں یقین رکھتی ہیں، اسی پر میری موت واقع ہوگی اور میرا خاتمہ حق وصداقت اور کلمہ اخلاص پر ہوگا، اور اگر خدانخواستہ ایسا نہ ہو تو ابن الجوینی کے لیے تباہی و بربادی کے سوا اور کچھ نہیں۔

شذرات الذہب میں لکھا ہے کہ:

یہ امام الحرمین کے اصلی الفاظ ہیں۔

تھے۔ اب اسے چھوڑ یئے اور ہمیں ایک بدیہی بات کا پتہ بتلایئے جس کا احساس ہمارے دل میں جاگزیں رہتا ہے، وہ بات یہ ہے کہ جب بھی کوئی عارف زبان سے ''یااللہ'' کہتا ہے، تو قبل اس کے کہ اس کی زبان پر یہ کلمہ جاری ہو، علو (بلندی) کا مفہوم پیدا ہو جاتا ہے، (یعنی فوراً اس کا ذہن اس طرف مائل ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فوق العالم ہے) وہ دائیں بائیں متوجہ نہیں ہوتا، کیا آپ کسی حیلہ سے اس بدیہی بات کو ہمارے دل سے محو کر سکتے ہیں؟

مذکورۃ الصدر عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی فوقیت کی نفی کے لیے جو دلیل پیش کی جاتی ہے وہ نظری کسبی ہے اور وہ کسی طرح ایک بدیہی وفطری دلیل کا مقابلہ نہیں کر سکتی، خصوصاً جب کہ باری تعالیٰ کا فوق العالم ہونا، نصوص متواترہ سے ثابت ہے، یہ بات ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ بدیہیات کا نظری دلائل سے رد کرنا ناممکن ہے، اگر بدیہیات کو بھی ہدف تنقید بنایا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اساسی نظریات پر جرح وقدح کا دروازہ کھول دیا جائے اور اس طرح فروعات کی بجائے اصول کو تنقید کے تیروں سے چھلنی کیا جائے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بدیہیات ونظریات دونوں ہی باطل ہو کر رہ جائیں گے۔

تاہم اللہ تعالیٰ کے فوق العالم ہونے کی نفی کرنے والوں نے اپنے زاویہ نگاہ کو عقلی دلائل کے بل بوتے پر ثابت کرنے کی سعی لاحاصل کی ہے، جس طرح وہ یہ کہتے ہیں کہ دو چیزیں جو موجود ہوں گی وہ باہم یا تو متابین ہوں گی یا متداخل، ان کے زعم میں یہ ایک بدیہی بات ہے، وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ایسے موجود کا اثبات جس کی جانب اشارہ نہ کیا جا سکتا ہو حس وعقل کے منافی ہے، حالانکہ قرآن کریم کے بیشتر مقامات پر اللہ تعالیٰ کا فوق العالم ہونا مذکور ہے، بعض علماء کا قول ہے کہ قرآن کریم میں ۳۰۰ جگہ اس کا ذکر آیا ہے، احادیث نبویہ اس سے پر ہیں، علماء سلف بھی اس میں متحد الخیال تھے جو لوگوں پر تنقید کرنا چاہتا ہو اور اس کی انجام دہی میں دلائل قاطعہ کو بھی رد کر دے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے نظریات کو دلائل کی روشنی میں ثابت کرے۔

جہت سے کیا مراد ہے؟:

شیعہ مصنف کا یہ قول کہ ''جو چیز کسی جہت میں محدود ہو وہ حادث ہوگی اور اس جہت کی محتاج ہوگی۔'' یہ اسی صورت میں درست ہوگا جب وہ جہت ایک وجودی اور مثبت حیثیت کی حامل ہو اور اس چیز کے لیے لازم ہو، اس میں شبہ نہیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کو اس طرح قائم بالمحل مانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ

اس محل سے بے نیاز نہیں ہوسکتا وہ ذات خداوندی کو محتاج قرار دیتا ہے، حالانکہ کوئی شخص یہ عقیدہ نہیں رکھتا اور نہ ہی ہمارے علم کی حد تک کوئی شخص اللہ کو مخلوقات کا محتاج تسلیم کرتا ہے، اس لئے کہ اللہ نے عرش کو پیدا کیا، عرش کی تخلیق اس حقیقت کو واضح کرتی ہے، کہ وہ عرش کو پیدا کرنے سے پہلے بھی اس سے بے نیاز تھا اور اس کے بعد بھی بے نیاز رہا، اللہ تعالیٰ کے فوق العرش ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ عرش کا محتاج ہے، دیکھئے اللہ تعالیٰ نے عالم ارضی کو پیدا کیا اس میں سے بعض حصے بالا ہیں اور بعض پست۔ ظاہر ہے کہ بلند حصے پست کے ہرگز محتاج نہیں، مزید غور کیجئے کہ پہلے زمین ہے پھر اس کے اوپر ہوا اور بادل ہیں، پھر آسمان پھر عرش تو کیا یہ ایک دوسرے کے محتاج ہیں؟

ہم جانتے ہیں کہ قوت و طاقت سب اللہ کے ہاتھ میں ہے، ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ حاملین عرش جس قوت سے بہرہ ور ہیں وہ اللہ کی پیدا کردہ ہے، اگر تمہارے شیعہ اسلاف میں سے کوئی مثلاً علی بن یونس القمی (مشہور شیعہ عالم) یہ کہے کہ عرش نے اللہ تعالیٰ کو اٹھا رکھا ہے، (جیسا کہ اس کا عقیدہ ہے) تو تم اس کے حق میں کوئی دلیل پیش کرنے سے قاصر رہو گے، جو لوگ اللہ تعالیٰ کو فوق العرش قرار دیتے ہیں وہ یہ نہیں کہتے کہ اللہ تعالیٰ عرش کا محتاج ہے، بلکہ صرف یہ کہتے ہیں کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے، جب ہم نے ذات خداوندی کو ایک ایسی چیز پیدا کرنے پر قادر تسلیم کر لیا جس نے اسے اٹھا رکھا ہے، تو اس سے اس کی قدرت کاملہ کا اظہار ہوتا ہے، نہ کہ عجز و درماندگی کا۔

ہم قبل ازیں بیان کر چکے ہیں، کہ جہت سے امر موجود بھی مراد لیا جا سکتا ہے، اور امر معدوم بھی، جو شخص اللہ تعالیٰ کو فوق العالم تسلیم کرتا ہے، وہ یہ نہیں کہتا کہ وہ ایک ایسی جہت میں ہے جو موجود ہے، البتہ یہ ممکن ہے کہ جہت سے عرش مراد لیا جائے، اور باری تعالیٰ کے اس میں ہونے کا مطلب یہ سمجھا جائے کہ وہ اس کے اوپر ہے، جیسے روایات میں آیا ہے کہ: " اِنَّهُ فِی السَّمَآءِ "[1] (وہ آسمان میں ہے) یعنی وہ آسمان کے اوپر ہے مگر یہ لوگ جہت کو ایک مشترک لفظ قرار دیتے ہیں اور اس زعم فاسد میں مبتلا ہیں کہ کسی جہت میں ہونے کا مطلب کسی جگہ میں ہونا ہے، جیسے آدمی اپنے گھر میں ہوتا

---

[1] صحیح بخاری کتاب المغازی، باب بعث علی بن ابی طالب و خالد بن الولید رضی الله عنهما، (حدیث:٤٣٥١) عن ابی سعیدؓ، و صحیح مسلم۔ کتاب المساجد، باب تحریم الکلام فی الصلاة(حدیث:٥٣٧)، عن معاویة بن الحکمؓ و سنن ابی داود۔ کتاب الأدب باب فی الرحمة(حدیث:٤٩٤١) عن عبد اللّٰه بن عمر رضی الله عنهما)

ہے جس سے اللہ تعالیٰ کا محتاج الی الغیر ہونا لازم آتا ہے۔

یہ سب مقدمات باطل ہیں، مثلاً ان کا یہ قول کہ ''اللہ تعالیٰ اگر کسی جہت میں ہوگا تو وہ مجسم ٹھہرے گا، اور جو چیز جسم دار ہو وہ حادث ہوتی ہے، کیونکہ جسم حوادث سے خالی نہیں، لہٰذا اس سے اللہ تعالیٰ کا حادث ہونا لازم آئے گا، یہ سب مقدمات متنازع فیہا ہیں، اس لیے کہ بعض لوگوں کے نزدیک یہ ضروری نہیں کہ جہت میں قیام پذیر ہونے والی چیز جسم دار ہو، بلکہ غیر مجسم اشیاء کا قیام بھی جہت میں ممکن ہے، جب اس کے جواب میں کہا جاتا ہے، کہ یہ خلاف عقل ہے تو وہ کہتا ہے کہ کسی موجود چیز کے متعلق یہ کہنا کہ وہ عالم میں داخل ہے اور نہ خارج اس سے بھی زیادہ خلاف عقل ہے۔

بعض لوگ یہ بھی تسلیم نہیں کرتے کہ ہر جسم حادث ہوتا ہے، مثلاً کرامیہ اور متقدمین شیعہ، اسی طرح بعض لوگ اس نظریہ کو نہیں مانتے کہ جسم حوادث سے خالی نہیں ہوتا، بعینہ اسی طرح بہت سے اہل الحدیث متکلمین اور فلاسفہ کے نزدیک یہ بات درست نہیں کہ جو چیز حوادث سے خالی نہ ہو وہ خود بھی حادث ہوتی ہے۔

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

> ''اکثر اہل سنت یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بذات خود افعال قبیحہ اور کفر کا مرتکب ہوتا ہے، اور یہ سب کچھ اس کی قضا و قدر کے مطابق وقوع پذیر ہوتا ہے، بندے کا اس میں کچھ دخل نہیں اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ کافر معاصی کا مرتکب ہوتا رہے اور وہ کافر سے اطاعت نہیں چاہتے۔''

ہم اس کے جواب میں یہ کہیں گے......اور قبل ازیں اس پر روشنی ڈال چکے ہیں...... کہ تقدیر اور عدل و جور کے مسائل کا امامت و خلافت کے مسائل سے کوئی تعلق نہیں، مگر شیعہ مصنف با ایں ہمہ وہی مسائل دہرائے جا رہا ہے، اس میں شبہ نہیں کہ سیدنا صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما کی خلافت کا اقرار کرنے والے بعض لوگ تقدیر کا انکار کرتے ہیں، اس کے برعکس بعض روافض تقدیر کے قائل ہیں، اس سے واضح ہوتا ہے، کہ یہ دونوں مسئلے ایک دوسرے سے یکسر جداگانہ حیثیت رکھتے ہیں اور یہ باہم لازم و ملزوم نہیں ہیں۔

یہ حقیقت اپنی جگہ پر واضح ہے کہ مسئلہ تقدیر اور صفات الٰہی کے اثبات میں اہل بیت سے ان گنت روایات منقول ہیں، مگر متاخرین شیعہ نے تشیع کے عقائد کے ساتھ ساتھ جہمیہ اور قدریہ کے

افکار ومعتقدات کا ضمیمہ بھی لگا لیا تھا، اور وہ صرف شیعہ عقائد ہی کے حامل نہ تھے، یہ شیعہ مصنف بھی اسی زمرہ میں داخل ہے۔

بندوں کے افعال کا فاعل کون ہے؟:

شیعہ مصنف کا یہ قول کہ: ''اہل سنت کے نزدیک بندہ کفر و معاصی کے ارتکاب میں بے قصور ہے۔'' قطعی طور سے بے بنیاد ہے، تقدیر کا عقیدہ رکھنے والے جمہور اہل سنت کا زاویہ نگاہ یہ ہے کہ بندہ اپنے افعال کا حقیقی فاعل ہے اور وہ قدرت واستطاعت سے بہرہ ور ہے، وہ طبعی اسباب کی تاثیر کا انکار نہیں کرتے، بلکہ عقلی ونقلی دلائل کی بنا پر اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہواؤں کے ذریعہ بادل کو پیدا کرتے پھر بادل سے پانی اتارتے اور پانی سے فصلیں پیدا کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ سبب اور مسبب دونوں کا خالق ہے، باوجود یہ کہ باری تعالیٰ خالق اسباب ہیں اس کے باوصف ایک اور سبب کا وجود ناگزیر ہے جو اس کا شریک ہو اور اس کے دوش بدوش ایک معارض کی بھی ضرورت ہے جو اسے روک دے اور اللہ کے پیدا کرنے کے باوجود اس کے اثر کو تکمیل پذیر نہ ہونے دے، الا یہ کہ اللہ تعالیٰ دوسرے سبب کو پیدا کر کے موانع کا ازالہ کر دے۔

شیعہ مصنف نے جو قول نقل کیا ہے اس کے قائل امام اشعری اور ان کے ہم نوا ہیں، اشاعرہ مخلوقات میں قُو ی وطبائع کو تسلیم نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان قوی کے ساتھ فعل کو انجام نہیں دیتے البتہ ان قوی کے ہوتے ہوئے وہ فعل انجام پذیر ہوتا ہے، اشاعرہ کہتے ہیں کہ بندے کی قوت افعال میں مؤثر نہیں ہے۔

امام اشعری اس سے بڑھ کر یہ کہتے ہیں کہ بندہ اپنے فعل کا فاعل نہیں، بلکہ اس کا فاعل حقیقی اللہ تعالیٰ ہے، البتہ بندہ اپنے فعل کا کاسب ہے، اہل سنت اور جمہور کا نقطۂ نگاہ یہ ہے کہ بندہ اپنے افعال کا حقیقی فاعل ہے۔

شیعہ مصنف کا یہ قول کہ ''اہل سنت کے نزدیک اللہ تعالیٰ کافر سے معاصی کا ارادہ کرتا ہے'' اہل سنت کا صرف ایک گروہ یہ عقیدہ رکھتا ہے، یہ وہ لوگ ہیں جو ''ارادہ'' کی صرف ایک قسم قرار دیتے ہیں اور محبت ورضا اور غضب کو ارادہ کا مترادف تصور کرتے ہیں، امام اشعری کے دونوں اقوال میں سے مشہور تر قول یہی ہے، ان کے اکثر اصحاب واتباع بھی اسی کے قائل ہیں۔

بخلاف ازیں جمہور اہل سنت ارادہ، محبت اور رضا میں فرق کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ

معاصی کا ارادہ تو کرتا ہے، مگر انہیں چاہتا نہیں اور ان سے راضی بھی نہیں ہوتا، بلکہ ناراض ہوتا ہے، محققین کا قول ہے کہ ارادہ کا لفظ قرآن کریم میں دو معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

۱۔ ارادہ قدریہ کونیہ

۲۔ ارادہ شرعیہ دینیہ

ارادہ قدریہ جملہ حوادث کو شامل ہے جب کہ ارادہ شرعیہ محبت و رضا پر مشتمل ہے۔

ارادہ کی دو قسمیں:

قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے۔

﴿ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ﴾

''اللہ تعالیٰ جس کو ہدایت دینا چاہتے ہیں اس کے سینہ کو اسلام کے لیے کھول دیتے ہیں۔'' (الانعام: ۶/ ۱۲۵)

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

﴿ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ ﴾ (ھود: ۱۱/ ۳۴)

''اگر اللہ تعالیٰ تمہیں گمراہ کرنے کا ارادہ کرتا ہو۔''

اس ارادہ کا تعلق اضلال و اغواء کے ساتھ ہے، ارادہ شرعیہ کی مثال مندرجہ ذیل آیات ہیں قرآن کریم میں فرمایا:

﴿ يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ ﴾

(النساء: ۴/ ۲۶)

''اللہ تعالیٰ تمہارے لیے واضح کرنا اور ان لوگوں کا راستہ دکھانا چاہتے ہیں جو تم سے پہلے تھے۔''

نیز فرمایا:

﴿ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ ﴾ (المائدہ: ۵/ ۶)

''اللہ تعالیٰ تمہیں تنگی میں مبتلا نہیں کرنا چاہتے۔''

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

﴿ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ ﴾

(الاحزاب: ۳۳/ ۳۴)

''اے نبی کے گھر والو! اللہ تعالیٰ تم سے ناپاکی کو دور کرنا چاہتے ہیں۔''

ظاہر ہے کہ ان آیات میں ارادہ کے وہ معنی نہیں جو سابقہ آیات میں ہیں، شیعہ مصنف لکھتا ہے:

اہل سنت کا یہ قول چند قبائح پر مشتمل ہے، ان میں سے ایک قباحت یہ ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کا سب ظالموں سے بڑا ظالم ہونا لازم آتا ہے، اس لیے کہ وہ کافر کو کفر کے جرم کی سزا دیتا ہے، حالانکہ اس نے خود ہی اسے کفر کی قدرت عطا کی، اور اسے ایمان کی قدرت سے محروم رکھا، جس طرح کسی کو طویل القامت یا قصیر القامت ہونے پر سزا دینا ظلم ہے، اسی طرح اس معصیت کی سزا دینا بھی ظلم ہے جو خود اللہ تعالیٰ نے اس میں پیدا کی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ظلم کی تفسیر میں جمہور کے دو قول ہیں۔

پہلا قول یہ ہے کہ ظلم ممتنع لذاتہٖ ہے اور اللہ تعالیٰ ظلم کرنے پر قادر نہیں، امام اشعری، قاضی ابوبکر، ابوالمعالی، قاضی ابویعلیٰ اور ابن الزاغونی کی یہی رائے ہے، ان کا زاویہ نگاہ یہ ہے کہ ذات باری دروغ گوئی، ظلم اور افعال قبیحہ پر قادر نہیں اور نہ اسے ان کے ساتھ موصوف کیا جا سکتا ہے، ذات باری سے ان افعال کا صدور اس لیے محال ہے کہ ظلم و قبح کا فاعل شرعاً مذموم ہے اور قابل مذمت وہی فاعل ہوتا ہے، جو ناروا کام کرے اور ایسے فعل کا مرتکب ہو جس کا حق اسے حاصل نہ ہو، یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب فاعل اس چیز میں تصرف کرے جس میں تصرف کرنے کا حق اس کی نسبت کسی اور کو حاصل ہو، بنا بریں ظلم کا صدور اللہ سے محال ہے، کیوں کہ اس کے تصرفات کا مالک کوئی دوسرا شخص نہیں ہو سکتا، اس تقریر سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے، کہ اللہ کے حق میں ظلم کا تصور بھی محال ہے۔

مذکورہ بالا قول کی حقیقت یہ ہے کہ قابل مذمت وہ فاعل ہے، جو غیر کی مملوکہ چیز میں دراز دستی کا ارتکاب کرتا اور حکم کی نافرمانی کرتا ہو، ظاہر ہے کہ کوئی شخص اللہ کو اپنے احکام کا مامور و مکلّف نہیں بنا سکتا اور نہ ہی اللہ تعالیٰ غیر کی ملکیت میں تصرف کرتا ہے، اس لیے کہ وہ سب چیزوں کا مالک ہے۔

یہ قول ایاس بن معاویہ سے منقول ہے، فرماتے ہیں۔

''میں نے اپنی پوری عقل سے کام لے کر قدریہ فرقہ سے مناظرہ کیا اور دریافت کیا کہ ظلم کیا ہوتا ہے؟ انہوں نے کہا کسی دوسرے کی ملکیت میں تصرف کرنے کو ظلم کہتے ہیں، میں نے کہا جب ہر چیز اللہ کی مملوک ہے تو وہ غیر کی ملکیت میں تصرف کیسے کرے گا؟''

مگر یہ لوگ تو کسی جرم کا ارتکاب کیے بغیر بھی سزا دینے کو جائز تصور کرتے ہیں، لہٰذا قصیر

القامت کو چھوٹے ہونے اور سیاہ فام کو سیاہ ہونے کی بنا پر سزا دینے سے ان پر معارضہ نہیں کیا جا سکتا ان کا خیال ہے کہ سزا دینا مشیت ایزدی کے تابع ہے۔

اللہ تعالیٰ ظلم پر قادر مگر اس سے منزہ ہے:

دوسرا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ظلم پر قادر مگر اس سے منزہ ہے، جیسے کسی انسان کو کسی دوسرے شخص کے جرم کی سزا دینا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخَافُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا ﴾ (طه: ۲۰/ ۱۱۲)

''جو ایمان دار ہونے کے باوصف نیک اعمال انجام دے گا تو وہ کسی ظلم یا کمی سے نہیں ڈرے گا۔''

ان لوگوں کا زاویہ نگاہ یہ ہے کہ انسان کو اختیاری یا غیر اختیاری افعال کی بنا پر سزا دینے کا فرق انسانی فطرت میں جاگزیں ہے، وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ تقدیر سے گناہوں پر استدلال کرنا عقلاً باطل ہے اس لئے کہ دوسروں پر ظلم وستم ڈھانے والا اگر تقدیر سے استدلال کرے گا (کہ میری تقدیر میں یوں ہی لکھا تھا) تو جو شخص اس کو ظلم کا نشانہ بناتا ہے، وہ بھی یہ دلیل پیش کر سکتا ہے، اس سے یہ حقیقت ابھر کر سامنے آتی ہے کہ معاصی کے ارتکاب پر تقدیر سے استدلال کرنا باتفاق ادیان وعقلاء باطل ہے، اور اس سے وہی شخص احتجاج کرتا ہے، جو اپنی خواہش کا پیرو ہو، جیسے یہ مقولہ مشہور ہے، کہ ''تم اطاعت کے وقت قدری اور معصیت کے وقت جبری بن جاتے ہو۔'' مقولہ کا مطلب یہ ہے کہ تم ہوائے نفس کی پیروی کرتے ہو جو مذہب اپنی خواہش کے موافق ہوا بس اسی کے ہو رہے۔

اگر قبائح کے مرتکب کے لیے تقدیر حجت ہوتی تو کوئی شخص دوسرے کو ملامت نہ کر سکتا اور نہ اسے سزا دے سکتا (کیونکہ مجرم آسانی سے کہہ سکتا تھا، کہ میری تقدیر میں یونہی لکھا تھا) حقیقت کے بلند بانگ دعاوی کرنے والوں مثلاً فقراء اور صوفیہ کو اکثر اس سے سابقہ پڑتا ہے وہ تقدیر کا بہانہ کر کے خداوندی اوامر ونواہی سے انحراف کرتے ہیں، یہ کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ تقدیر کے بل بوتے پر کوئی شخص اوامر کو ترک کر سکتا ہے نہ محرمات کا ارتکاب کر سکتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر حجت تمام کر دی ہے۔

جو لوگ تقدیر سے معاصی کے ارتکاب کے جواز پر استدلال کرتے ہیں وہ فرقہ قدریہ سے بھی

بدتر ہیں، جو سرے سے تقدیر کو تسلیم ہی نہیں کرتے، یہی وجہ ہے کہ علماء کی ایک جماعت کو قدریہ کہا گیا حالانکہ وہ تقدیر کے منکر نہ تھے، قدریہ کے نام سے موسوم کرنے کی وجہ یہ تھی، کہ وہ تقدیر سے معاصی کے جواز پر احتجاج نہیں کرتے تھے، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے جب کہا گیا کہ ابن ابی ذئب منکر تقدیر تھے تو انہوں نے فرمایا، جو شخص بھی معاصی کی بنا پر لوگوں کو تنگ کرتا تو لوگ اسے قدری کہہ کر پکارتے تھے، یہی وجہ ہے کہ قائلین تقدیر فواحش و منکرات پر تنقید کرنے والے کو نفرت و حقارت کی نگاہ سے دیکھتے اور کہتے ہیں یہ بات ان کی تقدیر میں لکھی تھی، اس کے جواب میں کہا جا سکتا ہے، کہ منکرات پر رد و قدح بھی تقدیر خداوندی کے عین موافق ہے، گویا اس نے اپنے قول سے ہی اپنی دلیل کو توڑ دیا، بعض جاہل مشائخ کا قول ہے ''میں اس رب کو ماننے کے لیے تیار نہیں جس کی نافرمانی کی جاتی ہو اور اگر میں ستر انبیاء کو قتل کر دوں تو میں گناہ گار نہ ہوں گا۔'' ایک اور جاہل شیخ کا قول ہے۔

''میں وہی کام کرتا ہوں جو وہ مجھ سے کروانا چاہتا ہے، لہٰذا میرے سب کام عبادت میں داخل ہیں۔''

مسئلہ تقدیر میں احتجاج آدم و موسیٰ علیہما السلام:

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ سیدنا آدم کا سیدنا موسیٰ پر تقدیر کی بنا پر احتجاج اسی سلسلہ کی کڑی ہے، یہ کھلی ہوئی جہالت ہے، اس لیئے کہ انبیاء سب لوگوں سے زیادہ خداوندی اوامر و نواہی کی اطاعت کرتے ہیں پھر تقدیر کی بنا پر وہ اس کی نافرمانی کیوں کر کر سکتے ہیں، مزید برآں سیدنا آدم نے بارگاہ ازدی میں اپنے گناہ سے توبہ کر لی تھی اور ان کی توبہ قبول کر لی گئی تھی، اور اگر تقدیر سے احتجاج کرنا درست ہوتا تو ابلیس، فرعون اور ان کے ہم نوا اس سے ضرور استدلال کرتے، سیدنا موسیٰ نے سیدنا آدم کو جو ملامت کی تھی، اس کی وجہ وہ مصیبت تھی جو سیدنا آدم کے شجرہ ممنوعہ کا پھل کھانے کی وجہ سے سیدنا موسیٰ کو پہنچی اسی لیے سیدنا موسیٰ نے سیدنا آدم کو مخاطب کر کے فرمایا:

''آپ نے ہمیں اور اپنے بیٹوں کو جنت سے کیوں نکالا؟۔''[1]

حقیقت یہ ہے کہ بندہ عیب و گناہ کی بجائے مصائب و آلام کے وقت تقدیر کی جانب رجوع

[1] صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب وفاۃ موسیٰ و ذکرہ بعد (حدیث: ۳۴۰۹، ۷۵۱۵) صحیح مسلم، کتاب القدر، باب حجاج آدم و موسیٰ صلی اللہ علیہما وسلم (حدیث:۲۶۵۲)

کرنے کے لیے مامور ہے، لہٰذا چاہیے کہ وہ مصائب و آلام میں صبر وسکون کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے اور گناہوں سے توبہ کرتا رہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ﴾ (غافر: ٤٠/٥٥)

''صبر کیجئے، بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے اور اپنے گناہ کی مغفرت طلب کیجئے۔''

یہ بات محتاج بیان نہیں کہ افعال اختیاریہ کی بنا پر انسان صفات محمودہ اور صفات مذمومہ دونوں حاصل کر سکتا ہے، بخلاف ازیں قصیر القامت ہونے یا کالے گورے ہونے کی بنا پر ان کا حصول ممکن نہیں۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''نیکی دل کا نور، چہرے کی رونق، وسعت رزق، قوت بدن اور مخلوقات کے دل میں محبت کی باعث ہے، اللہ تعالیٰ نے بندوں کے افعال کو ان جملہ امور کا سبب بنایا ہے جس طرح زہر کھانے کو بیماری اور موت کا سبب قرار دیا ہے، تاہم تریاق سے اس کا ازالہ ممکن ہے، جس طرح برائیوں کو توبہ، اعمال صالحہ اور گناہ کو دور کرنے والے مصائب و آلام کے ذریعہ دور کیا جاتا ہے۔

باقی رہی یہ بات کہ فعل کو پیدا کر کے خود ہی اس پر سزا دینا ظلم ہے تو یہ اسی طرح ہے جیسے کہا جائے زہر کو پیدا کر کے اسے موجب ہلاکت بنانا ظلم ہے، یقینی دلائل کی بنا پر یہ حقیقت ثابت ہو چکی ہے، کہ جو چیز بھی حادث ہے وہ اللہ کی پیدا کردہ ہے۔ ظاہر ہے کہ بندے کے افعال بھی حوادث کے زمرہ میں شامل ہیں، لہٰذا وہ بھی اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ ہیں بنابریں جو اللہ نے چاہا ہوا اور جو نہ چاہا وہ نہ ہوا۔

جب یہ کہا جاتا ہے، کہ فعل بندے کے ارادہ سے حادث ہوا تو ہم کہیں گے کہ ارادہ بھی حادث ہے، لہٰذا اس کے لیے بھی کسی سبب کی ضرورت ہے اور یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ فعل ممکن ہے، (یعنی اس کا وجود و عدم برابر ہے) لہٰذا اس کے وجود کو عدم پر ترجیح دینے کے لیے کسی مرجح کی ضرورت ہے، اسی طرح بندے کا فاعل ہونا بھی ممکن ہے، لہٰذا اس کے لیے بھی کسی محدث و مرجح کا وجود ناگزیر ہے، اس میں سب حوادث مساوی ہیں اور ان میں کوئی فرق نہیں پایا جاتا۔

بارگاہ ایزدی میں تقدیر کا عذر مسموع نہیں:

مخلوقات میں سے بعض چیزیں ایسی ہیں جو بعض لوگوں کے لیے موجب ضرر ہیں، جیسے بیماریاں اور مصائب و آلام، یہ حکمت ایزدی کا تقاضا ہے، جب بندے کو اس کے افعال اختیاری پر سزا دینا ظلم

نہیں تو حوادث کو بارگاہ ربانی کی جانب منسوب کرنے میں بھی ایک ایسی حکمت مضمر ہے، جس کی بنا پر وہ حوادث مستحسن ٹھہرتے ہیں، جب بندے کی جانب اس کی نسبت کی جائے تو یہ عدل ہے، کیونکہ اسے جو سزا ملی ہے وہ اس کے جرم کی بنا پر ملی ہے، لہٰذا اللہ نے اس پر ظلم نہیں کیا بلکہ اس نے خود ہی اپنی جان پر ستم ڈھایا، جب کوئی حاکم چور کو سزا دے، اس کا ہاتھ کاٹ ڈالے اور مسروقہ مال اس کے اصلی مالک کو واپس کر دے تو وہ منصف حاکم کہلائے گا، اور اگر چور اسے کہے کہ میری تقدیر میں یونہی لکھا تھا، پھر تم مجھے سزا کیوں دیتے ہو......؟ تو یہ بات چور کے حق میں مفید نہ ہوگی اور حاکم اسے سزا دیئے بغیر نہیں رہے گا، اسی طرح جب روز قیامت اللہ تعالیٰ ظالم سے قصاص لے گا تو اس کا یہ فعل عدل و انصاف کا آئینہ دار ہوگا اور اگر ظالم یوں کہے کہ تو نے میری تقدیر میں اسی طرح لکھا تھا تو یہ بات اس کے حق میں کچھ بھی مفید نہ ہوگی اور تقدیر کا عذر درست نہیں مانا جائے گا، چونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے، لہٰذا اس کی تخلیق خالی از حکمت نہیں اور اسی حکمت و مصلحت کے اعتبار سے تخلیق کا فعل مستحسن ہے۔

جو شخص یہ کہتا ہے، کہ: '' **جَبرَ اللّٰهُ الْعِبَادَ** '' (اللہ کے بندوں کو مجبور محض بنایا ہے) ائمہ حدیث مثلاً امام ثوری، اوزاعی، زبیدی، اور احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اس پر بڑی جرح قدح کی ہے، ان کا قول ہے کہ جبر کرنا، عاجز کا کام ہے، جیسے والد اپنی بیٹی کو اس کی مرضی کے خلاف مجبور کرتا ہے، اللہ تعالیٰ ارادہ اور مراد دونوں کا خالق ہے، البتہ حدیث نبوی کے اتباع میں '' **جَبَلَ اللّٰهُ الْعِبَادَ** ''(اللہ نے بندوں کو پیدا کیا) کہہ سکتے ہیں، مگر '' **جَبَلَ** ''کی بجائے '' **جَبَر** ''کا لفظ نہیں بولا جا سکتا، نبی کریم ﷺ نے قبیلہ عبدالقیس کے ایک شخص کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تمہاری دو باتیں اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں:

۱۔ تحمل و بردباری

۲۔ سکون و وقار

اس نے عرض کیا: '' یہ فرمائیے کہ کیا یہ دونوں باتیں میرے اخلاق و عادات میں داخل ہیں یا میری خلقت ہی ان پر ہوئی ہے......؟ فرمایا: '' یہ دونوں باتیں خلقۃً تمہیں ودیعت ہوئی ہیں۔'' اس نے عرض کیا اللہ کا شکر ہے جس نے دو ایسی باتیں مجھے عطا کیں جو اسے پسند ہیں؟[1]

---

[1] صحیح مسلم۔ کتاب الایمان ، باب الامر بالایمان باللہ تعالیٰ و رسوله (حدیث: ۱۸،۱۷/۲۵) مختصراً۔ مسند احمد(۴/۲۰۵۔۲۰۶) واللفظ له۔ سنن ابی داؤد۔ کتاب الأدب۔ باب قبلة الرجل(حدیث:۵۲۲۵)، من طریق آخر و سنده ضعیف۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ خلق و تقدیر اور امر و تشریع کی جہتیں ایک دوسرے سے مختلف ہیں، شرعی اوامر و احکام کا مقصد اس چیز کا اظہار و بیان ہے جو بندوں کے لیے نفع یا ضرر کی موجب ہو، جس طرح طبیب مریض کو فائدہ مند چیزوں کے استعمال کا حکم دیتا اور ضرر رساں اشیاء سے پرہیز کرنے کی ہدایت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے ذریعہ صلحاء و اشقیاء دونوں کے انجام سے آگاہ کر دیا، سعادت کی موجب اشیاء کا حکم دیا اور شقاوت کے موجبات سے روک دیا۔

باقی رہا اللہ کے خلق و تقدیر کا معاملہ تو اس کا تعلق ذات باری اور جملہ مخلوقات کے ساتھ ہے چنانچہ جس چیز میں عام مخلوقات کا فائدہ ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ وہ کام کرتے ہیں، اگرچہ اس سے بعض کو نقصان پہنچنے کا بھی احتمال ہو، مثال کے طور پر بارش کو لیجئے کہ اس کا نزول رحمت و حکمت کے پیش نظر ہوتا ہے، تاہم بعض اوقات اس سے نقصان بھی پہنچ جاتا ہے، مثلاً کسی کا مکان گر جاتا ہے، کوئی سفر سے رک جاتا ہے اور کسی کا کاروبار معطل ہو کر رہ جاتا ہے، اسی طرح رسل و انبیاء کی بعثت بھی عین عنایت ربانی ہے، اگرچہ بعض قوموں کو اس سے الم و رنج پہنچتا ہے، اور ان کی قیادت و سیادت روبزوال ہو جاتی ہے۔

افعال اللہ و افعال العباد کے مابین فرق و امتیاز:

جب کسی شخص کو خدا کے علم میں کافر مقدر کیا جاتا ہے تو یہ گہری مصلحت پر مبنی ہوتا ہے اور کافر کو اس کے افعال اختیاری کی بنا پر سزا دی جاتی ہے، یہ سزا بھی حکمت و مصلحت سے خالی نہیں ہوتی۔

اللہ تعالیٰ کے افعال کو افعال العباد پر قیاس کرنا بہت بڑی غلطی ہے، اس لیے کہ آقا جب غلام کو کسی بات کا حکم دیتا ہے تو وہ غلام کا محتاج ہوتا ہے، اور وہ کسی غرض کے تحت ایسا کرتا ہے جب آقا غلام کو اس محنت و کاوش کا بدل عطا کرتا ہے تو یہ اس کا معاوضہ کہلاتا ہے، اندریں صورت آقا کو فعل مامور کا خالق نہیں کہہ سکتے، اللہ تعالیٰ بندوں سے بے نیاز ہے اس نے بندوں کو انہی باتوں کا حکم دیا ہے جو ان کے لیے نفع رساں ہیں اور انہی باتوں سے روکا ہے جو ان کے لیے موجب ضرر ہیں، اللہ تعالیٰ کے یہ احکام ارشاد و تعلیم کی حیثیت رکھتے ہیں، اگر اللہ تعالیٰ مامور کے بجالانے میں انسان کی مدد کرے تو اس کا احسان عظیم ہے اور اگر مدد نہ کرے اور بندے کو تنہا چھوڑ دے یہاں تک کہ وہ گناہ کا مرتکب ہو تو یہ کسی اور حکمت پر مبنی ہوگا اور اگر وہ افعال بندے کے لیے موجب الم و رنج ہوں تو وہ ان افعال کی وجہ سے دکھ پائے گا، جو آرام و راحت کے موجب ہوتے ہیں اور سبب الم و رنج بھی، یہ سب کچھ تقدیر

ربانی کے تحت ہوگا، اوران دونوں میں کوئی منافات بھی نہیں پائی جاتی۔

اب یہ بات باقی رہی کہ آخر وہ کلی حکمت کیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس حکمت کی معرفت حاصل کرنا بنی نوع انسان کے لیے ضروری نہیں، بلکہ خداوندی حکمت ورحمت کے آگے سر نیاز خم کر دینا ہی کافی ہے، بعض علوم ایسے بھی ہیں جن کا حاصل کرنا، بہت سے لوگوں کے لیے ضرر رساں ہے، عقل انسانی اس کی حکمت و مصلحت کا احاطہ کرنے سے قاصر ہے۔

قرآن کریم میں فرمایا:

﴿لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَلَكُمْ تَسُؤْكُمْ﴾ (المائدہ: ۵/۱۰۱)

''ایسے امور کے متعلق مت پوچھو کہ اگران کا اظہار کر دیا جائے تو تم پر ناگوار گزرے۔''

یہ مسئلہ افعال خداوندی کی غایات و مقاصد کے نام سے موسوم ہے اور غالباً حکمت الٰہیہ کے تمام مسائل سے عظیم تر ہے، فرقہ قدریہ کی ضلالت و کج روی کی وجہ تھی کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو مخلوقات کے عدل وظلم پر قیاس کیا، اسی طرح جبریہ بھی یہ جادۂ مستقیم سے بھٹک گئے، کیونکہ وہ افعال خداوندی کو مصالح پر مبنی قرار نہیں دیتے اور نہ اسے ظلم و جور سے منزہ کرتے ہیں، ظاہر ہے کہ اللہ کا دین افراط و تفریط کے بین بین ہے۔

شیعہ مصنف کا اہل سنت کے بارے میں یہ کہنا کہ ''اس میں ایمان کی قدرت پیدا نہ کی۔'' یہ اس شخص کا قول ہے جو قدرت مع الفعل کا قائل ہے، اس کی رائے میں جو شخص کوئی فعل انجام نہیں دیتا تو وہ اس پر قادر نہیں تاہم اسے عاجز بھی نہیں کہہ سکتے، یہ جمہور اہل سنت کا قول نہیں، بخلاف ازیں اہل سنت بندے کے لیے اس قدرت کا اثبات کرتے ہیں، جس پر امر و نہی کا مدار وانحصار ہے اور وہ قدرت مقارن للفعل نہیں ہوتی، بلکہ فعل سے پہلے پائی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا﴾

(آل عمران: ۳/۹۷)

''اور اللہ کے لیے لوگوں پر خانہ کعبہ کا حج فرض ہے جو وہاں پہنچنے کی طاقت رکھتا ہو۔''

اس آیت میں صاحب استطاعت پر حج کو فرض قرار دیا گیا ہے، اگرصرف حج سے فارغ ہونے والے کو صاحب استطاعت تصور کیا جائے تو حج اسی شخص پر فرض سمجھا جائے گا جو فریضہ حج ادا کر لے،

اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ترک حج کے جرم میں کسی کو بھی سزا نہیں دی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ﴾ (التغابن: ١٦/٦٤)

''جس قدر ہو سکے اللہ سے ڈرو۔''

اس میں حسب استطاعت تقویٰ کو واجب قرار دیا اگر اللہ نہ ڈرنے والا تقویٰ کی استطاعت سے محروم ہوتا تو تقویٰ اسی شخص پر واجب ہوتا جو تقویٰ کی صفت سے بہرہ ور ہوتا، اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ کفار کو چھوڑ کر ایک اطاعت شعار شخص پر اللہ کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ اسے اطاعت کی توفیق عطا کی۔

قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ ﴾ (الحجرات: ٧/٤٩)

''اللہ تعالیٰ نے ایمان کو تمہاری نگاہ میں محبوب بنا دیا، تمہارے دلوں میں اسے مزین کر دیا اور کفر کو ناپسندیدہ بنا دیا۔''

قدریہ کے نزدیک ایمان کا آراستہ پیراستہ ہونا سب مخلوقات کے لیے عام ہے مگر آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مومنین کی خصوصیت ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ﴾

''اللہ تعالیٰ جس کو ہدایت دینا چاہتے ہیں اس کے سینہ کو اسلام کے لیے کھول دیتے ہیں۔'' (الانعام: ١٢٥/٦)

نیز فرمایا:

﴿ اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا ﴾ (الانعام: ١٢٢/٦)

''کیا جو شخص معدوم تھا پھر ہم نے اسے زندہ کیا اور اسے ایک نور عطا کیا۔''

مزید فرمایا:

﴿ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدَاكُمْ لِلْاِيْمَانِ ﴾ (الحجرات: ١٧/٤٩)

’’بلکہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنا احسان جتلاتے ہیں کہ اس نے تمہیں ایمان کا راستہ بتایا۔‘‘

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ دعا کرنے کی ہدایت فرمائی ہے:

﴿ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴾ (الفاتحہ)

دعا سے زمانہ مستقبل میں ایسی چیز کا حصول مقصود ہوتا ہے جو قبل ازیں حاصل نہ ہو، اس دعا میں جس ہدایت کا ذکر کیا گیا ہے، وہ رسول اللہ ﷺ کی دعوت و تبلیغ سے ایک جداگانہ چیز ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

﴿ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِنْ اَحَدٍ اَبَدًا ﴾ (سورۂ نور: ٢٤/ ٢١)

’’اگر فضل ربانی تمہارے شامل حال نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی بھی پاک نہ ہوتا۔‘‘

نیز فرمایا:

﴿ وَجَعَلْنَا هُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا ﴾ (سورہ انبیاء: ٢١/ ٧٣)

’’ہم نے ان کو ایسے امام بنایا تھا جو ہمارے حکم کے مطابق لوگوں کی رہنمائی کرتے تھے۔‘‘

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَجَعَلْنَا هُمْ اَئِمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ﴾ (القصص: ٢٨/ ٤١)

’’ہم نے ان کو ایسے پیشوا بنایا تھا جو لوگوں کو جہنم کی جانب دعوت دیتے تھے۔‘‘

اس ضمن میں بڑی کثرت سے آیات وارد ہوئی ہیں، استطاعت کے بارے میں حسب ذیل آیات قابل ملاحظہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ ﴾ (سورۂ نساء: ٤/ ٢٥)

’’جو تم میں سے آزاد مومن عورتوں سے نکاح کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو۔‘‘

ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِاسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ﴾ (توبہ: ٩/ ٤٢)

’’وہ اللہ کی قسم کھا کر کہیں گے اگر ہمارے بس میں ہوتا تو ہم تمہارے ساتھ نکلتے۔‘‘

قرآن میں فرمایا:

﴿فَمَنۡ لَّمۡ يَسۡتَطِعۡ فَاِطۡعَامُ سِتِّيۡنَ مِسۡكِيۡنًا﴾ (مجادلة:٥٨/٤)

''جو اس کی طاقت نہ رکھے، وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔

سرور کائنات ﷺ نے سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا:

''کھڑے ہو کر نماز پڑھیے، اگر کھڑا ہونا ممکن نہ ہو تو بیٹھ کر اور اگر بیٹھنے پر قادر نہ ہو تو پہلو کے بل۔''[1]

اس حدیث میں آپ نے ایسی استطاعت کی نفی فرمائی جس کے ساتھ فعل نہ پایا جاتا ہو، اس سے یہ حقیقت آشکار ہوئی کہ شریعت میں جو استطاعت مشروط ہے، وہ اس استطاعت سے خاص تر ہے جو عقل سے معلوم کی جاتی ہے، اس لیے کہ شارع کا مقصد دین میں آسانی پیدا کرنا ہے، مثلاً مریض جو کھڑا ہونے پر قادر ہو مگر یہ خطرہ دامن گیر ہو کر کھڑا ہونے سے وہ بتاخیر صحت یاب ہوگا، ایسے شخص کو حصول ضرر کی بنا پر شرعاً غیر مستطیع تصور کیا جائے گا، اگرچہ اسے مستطیع کے نام سے موسوم کیا جائے۔

استطاعت کی تعریف:

خلاصہ کلام! یہ کہ شارع کی نگاہ شرعی استطاعت میں صرف امکان ہی پر نہیں ہوتی بلکہ وہ اس کے لوازم کو بھی ملحوظ خاطر رکھتا ہے، جب شارع امکان کے ساتھ ساتھ اس بات کو بھی پیش نظر رکھتا ہے کہ فساد کا غلبہ نہ ہو تو وہ کسی عاجز کو کیوں کر مکلّف و مامور کر سکتا ہے، تاہم یہ استطاعت وجود فعل تک باقی رہنے کے باوصف فعل کے پائے جانے کے لیے کافی نہیں، اگر ایسی استطاعت کافی ہوتی تو تارک و فاعل مساوی ہو کر رہ جاتے، اور دونوں میں فرق و امتیاز مشکل ہو جاتا بخلاف ازیں مذکورہ استطاعت کے ساتھ ایک دوسری اعانت کا وجود ناگزیر ہے، جو اس کے مقارن ہو، مثلاً فاعل کا بااردہ ہونا اس لیے کہ قدرت و ارادہ کے بغیر فعل کا تکمیل پذیر ہونا ممکن نہیں، وہ ارادہ جس میں عزم و استقلال پایا جاتا ہو استطاعت مقارنہ للفعل میں داخل ہے، البتہ جو استطاعت احکام کا مکلّف بنانے کے لیے شرط ہے اس میں ارادہ کا پایا جانا ضروری نہیں۔

---

[1] صحیح بخاری کتاب تقصیر الصلاة ، باب اذا لم یطق قاعداً صلی علی جنب (حدیث: ١١١٧)

مذکورہ بالا بیان سے یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ارادہ نہ کرنے والے کو کسی فعل کا مامور و مکلّف تو بناتے ہیں البتہ جو شخص کسی فعل کو انجام دینے سے عاجز ہو اس کو مامور نہیں کرتے، جیسے آقا اپنے غلام کو ایسے کام کا حکم تو دیتا ہے، جس کو انجام دینے کا وہ ارادہ نہیں رکھتا البتہ اسے ایسے کام تفویض نہیں کرتا جس سے وہ عاجز ہو، جب عزم راسخ اور قوت تامہ دونوں یک جا ہوتے ہیں، تو فعل کا وجود پذیر ہونا ناگزیر ہو جاتا ہے، جن لوگوں کے نزدیک قدرت کا مع الفعل ہونا ضروری ہے، وہ کہتے ہیں، کہ ہر کافر و فاسق کو تکلیف ما لا یطاق دی گئی ہے، مگر جمہور اہل سنت اس کے قائل نہیں، وہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ہر صاحب استطاعت پر حج فرض کیا ہے، خواہ وہ یہ فریضہ انجام دے یا اس کی تکمیل سے قاصر رہے، اسی طرح کفارہ میں دو ماہ کے روزے فرض کیے، خواہ وہ کفارہ دے یا نہ دے، بعینہ اسی طرح صاحب قدرت پر عبادت کو فرض قرار دیا، یہ دوسری بات ہے کہ وہ اس فریضہ کو انجام دے یا اس کی انجام دہی سے قاصر رہے۔

تکلیف مالا یطاق کی تفسیر دو طرح سے کی جا سکتی ہے۔

۱۔ کسی شخص کو اس بات کا مکلّف کیا جائے جس سے وہ عاجز ہے، ظاہر ہے کہ ایسی تکلیف کسی کو بھی نہیں دی گئی۔

۲۔ کسی شخص کو اس بات کا مکلّف کیا جائے جس کو انجام دینے سے وہ اس لیے قاصر ہے کہ وہ اس کی ضد میں مشغول و منہمک ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ بندوں کو اس قسم کی تکلیف دی گئی ہے، اور وہ باہم ایک دوسرے کو بھی ایسی ہی تکلیف دیتے ہیں، آقا سبھی غلاموں کو یکساں تصور نہیں کرتا، بلکہ ان میں فرق و امتیاز روا رکھتا ہے، مثلاً وہ اندھے غلام کو یہ حکم نہیں دیتا کہ وہ قرآن کریم پر نقطے لگائے اور نہ ہی اپاہج غلام کو کھڑا ہونے کے لیے مامور کرتا ہے، دونوں کا فرق واضح ہے۔

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

> ''اس سے انبیاء کا لاجواب ہونا اور ان کے دلائل کا انقطاع بھی لازم آتا ہے، کوئی نبی جب کافر سے یوں مخاطب ہوگا: ''مجھ پر ایمان لایئے اور میرے دعویٰ نبوت کی تصدیق کیجئے۔'' تو کافر اس کے جواب میں کہے گا۔

''اپنے رب سے التجا کیجئے کہ وہ مجھ میں ایمان اور قوت موثرہ پیدا کرے تا کہ میں ایسا کرسکوں،

بجز اس کے میرے لیے ایمان لانا کیوں کر ممکن ہے، جب کہ سرے سے مجھ میں ایمان لانے کی قدرت ہی نہیں پائی جاتی، بلکہ مجھ میں کفر کو جاگزیں کر دیا ہے اور میں اسے مغلوب نہیں کر سکتا۔''

نبی کافر کی یہ گفتگو سن کر لاجواب ہو جائے گا، اور کچھ کہہ نہ سکے گا۔

مسئلہ تقدیر پر شیعہ مصنف کا اعتراض اور اس کا جواب:

اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ اس مسئلہ میں بہت لے دے کی جاتی ہے بہت سے باطل پرستوں کی تو یہ حالت ہے کہ جب انہیں کسی واجب کا مامور ٹھہرایا جاتا ہے، تو وہ تقدیر کا بہانہ پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ ہمارے لیے یہ کام مقدر کرے گا تو ہم اسے انجام دیں گے، اسی طرح جب کسی کو بری بات سے روکا جاتا ہے، تو وہ کہتا ہے، میری تقدیر میں یونہی لکھا تھا، یہ حقیقت محتاج بیان نہیں کہ تقدیر سے احتجاج کرنا ایک باطل دلیل ہے، جس کی بنا پر بندہ کو معذور قرار نہیں دیا جا سکتا، یہی وجہ ہے کہ جب مشرکین نے کہا:

﴿ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا ﴾ (الانعام:۶/۱۴۸)

''اگر اللہ چاہتا تو ہم اور ہمارے آباء شرک نہ کرتے۔''

تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ﴾ (الانعام:۶/۱۴۸)

''ان سے فرما دیں کہ اگر تمہارے پاس اس کے ثبوت میں کوئی علم ہے تو اسے ہمارے لیے ظاہر کیجئے۔''

مشرکین تک اس بات سے آگاہ تھے کہ تقدیر سے استدلال کرنا بے کار ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر کوئی کافر کسی کا مال چھینے، یا کسی کی بیوی سے زنا کا مرتکب ہو، یا کسی کے لڑکے کو موت کے گھاٹ اتار دے، یا دوسروں پر لگاتار مظالم ڈھاتا رہے اور لوگ اسے ان افعال قبیحہ سے روکنے کی کوشش کریں، اور وہ ان کے جواب میں کہے کہ اگر اللہ چاہتا تو میں یہ کام انجام نہ دیتا۔'' تو کوئی شخص اس کا عذر قبول کرنے کے لیے تیار نہ ہوگا، اور وہ نہ خود ہی کسی شخص سے ایسا عذر تسلیم کرے گا، بلکہ وہ سزا کا مستحق ہوگا، ایسی دلیل وہ شخص پیش کرے گا، جو بلا وجہ اپنے سے ملامت کا داغ دھونا چاہتا ہو، اگر تقدیر سے استدلال کرنا صحیح ہوتا تو اطاعت کیش اور نافرمان میں فرق کرنا دشوار ہو جاتا، اللہ تعالیٰ نے یہ فرما کر ایسے لوگوں پر حجت تمام کر دی ہے۔

﴿ قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ﴾

''فرما دیجئے کہ اللہ ہی کے لیے حجت بالغہ ہے۔''

پھر یہ کہہ کر تقدیر کا اثبات کیا:

﴿ فَلَوْ شَاءَ لَهَدٰكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴾

''اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت عطا کر دیتا۔''

یہ دونوں باتیں اپنی جگہ پر درست ہیں۔

شیعہ مصنف رقم طراز ہے:

''اہل سنت کے بیان کے مطابق اللہ تعالیٰ سید الرسل ﷺ کو اطاعت شعاری کے باوصف عذاب دے سکتے ہیں، اور ابلیس اپنی معصیت کاری کے باوجود اجر وثواب حاصل کر سکتا ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کسی مقصد کے پیش نظر کوئی فعل انجام نہیں دیتا۔'' علاوہ ازیں طاعات وعبادات کو انجام دینے والا حد درجہ احمق ہوگا، اس لیے کہ وہ یونہی عبادت میں منہمک رہ کر اپنے آپ کو محنت ومشقت میں ڈالتا، مسجدیں اور مہمان خانے بنانے کے لیے اپنے مال پانی کی طرح بہاتا ہے، مگر اس سے اسے کچھ فائدہ حاصل نہیں ہوتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ بایں ہمہ بعض اوقات اسے عذاب میں مبتلا کرتا ہے، اس کے عین برعکس اگر وہ گناہوں کا ارتکاب کرے اور لذت گیر ہوتا، تاہم اللہ تعالیٰ اسے اجر وثواب عطا کر سکتا ہے، ظاہر ہے کہ ان نظریات وافکار کا نتیجہ دنیا کی ہلاکت و بربادی اور دین میں ہلچل پیدا ہونے کی صورت میں ظہور پذیر سکتا ہے۔''

تعذیب انبیاء کے جواز کا ابطال:

اس کا جواب یہ ہے کہ شیعہ مصنف کا یہ قول قطعی طور پر بے بنیاد ہے، اہل سنت میں سے کسی نے یہ نہیں کہا کہ اللہ تعالیٰ انبیاء کو عذاب میں مبتلا کرتا ہے، بخلاف ازیں وہ ان کے اجر وثواب پانے کے بارے میں ہم نوا ہیں، اس لیے کہ وہ اس بات کا وعدہ کر چکا ہے اور وہ اپنے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کرتا، بعض علماء کے نزدیک انبیاء کا حامل اجر وثواب ہونا دلیل سمعی اور بعض کے نزدیک عقلی دلیل سے ثابت ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السَّیِّئَاتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِیْنَ آمَنُوْا﴾ (جاثیه: ۲۱/۴۵)

''کیا جن لوگوں نے گناہوں کا ارتکاب کیا ہے وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم انہیں ایمان داروں کی طرح کر دیں گے۔''

یہ استفہام انکاری ہے اور اس سے ان لوگوں کی تردید مقصود ہے جو اس زعم فاسد میں مبتلا تھے، اس سے واضح ہوا اہل طاعت اور اہل کفر کی مساوات کا نظریہ ظاہر البطلان ہے اور اللہ تعالیٰ ایسا حکم صادر کرنے سے منزہ ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے۔

﴿ اَمْ نَجْعَلُ الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصَّالِحَاتِ كَالْمُفْسِدِیْنَ فِی الْاَرْضِ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِیْنَ كَالْفُجَّارِ﴾ (سوره ص: ۲۸/۳۸)

''کیا ہم اہل ایمان اور نیک اعمال انجام دینے والوں کو فساد بپا کرنے والوں کی طرح کر دیں اور اہل تقویٰ کو فاسق و فاجر لوگوں کی طرح بنا دیں؟۔''

نیز ارشاد فرمایا:

﴿ اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِیْنَ كَالْمُجْرِمِیْنَ﴾ (قلم: ۳۵/۶۸)

''کیا ہم مسلمانوں کو مجرموں کی طرح بنا دیں؟۔''

شیعہ مصنف کا یہ قول کہ اہل سنت کے نزدیک انبیاء کو عذاب میں مبتلا کرنا جائز ہے۔ اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ اہل سنت کے نزدیک اللہ تعالیٰ انبیاء کو عذاب دینے پر قادر ہے تو بلا شبہ اس کے قادر ہونے میں کوئی کلام نہیں، اور شیعہ کو بھی اس سے مفر نہیں اور اگر اس کی مراد یہ ہے کہ اہل سنت شک میں مبتلا ہیں کہ آیا اللہ تعالیٰ انبیاء کو عذاب میں گرفتار کر سکتا ہے، یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم ہرگز شک میں مبتلا نہیں، بلکہ ہمارے نزدیک سب انبیاء و اولیاء قطعی جنتی اور ابلیس اور اس کے ہم نوا قطعی جہنمی ہیں بخلاف ازیں اگر شیعہ مصنف کا مقصد یہ ہے کہ اہل سنت میں سے جو لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ باری تعالیٰ کے بعض افعال حکمت سے عاری ہوتے ہیں، اس سے تعذیب انبیاء کا جواز ثابت ہوتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بعض متکلمین کی رائے ہے اور اکثر اہل سنت یہ عقیدہ نہیں رکھتے، بلکہ وہ اس سے مسئلہ میں متحد الخیال ہیں کہ اطاعت نفع رساں ہے اور عدم اطاعت موجب ضرر ہے۔

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''اہل سنت کے نظریہ کے مطابق کوئی شخص نبی کی تصدیق نہ کرسکے گا، اس کی وجہ ہے کہ نبی کی تصدیق دو مقدمات پر مبنی ہے۔''

۱۔ پہلا مقدمہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کے ہاتھوں پر معجزہ کا اظہار اس لیے کیا کہ اس کی تصدیق کی جاسکے۔''

۲۔ دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ جس کی تصدیق کی جاتی ہے وہ صادق ہوتا ہے۔''

اہل سنت کے قول کے مطابق یہ دونوں مقدمات تشنہ تکمیل ہیں، اس لئے کہ جب اللہ تعالیٰ کے افعال اغراض کے تابع نہیں ہوتے، تو نبی کی تصدیق کے لیے معجزات کا ظہور پذیر ہونا بھی محال ہوگا، بقول اہل سنت جب اللہ تعالیٰ افعال قبیحہ، معاصی، کذب اور ضلال کا مرتکب ہوسکتا ہے تو یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ جھوٹے نبی کی تصدیق کردے (نعوذ باللہ من ہذہ الخرافات) بنا بریں معجزات کے ظہور سے کسی نبی کی صداقت پر استدلال نہیں کیا جاسکتا۔''

اس کا جواب یہ ہے کہ تقدیر کا اثبات کرنے والے اکثر اہل سنت کے نزدیک افعال خداوندی حکمت و مصلحت کے آئینہ دار ہوتے ہیں، لہٰذا یہ قول اور اس کی ضد اہل سنت کے اقوال سے باہر نہیں، علاوہ ازیں یہ ضروری نہیں کہ نبی کی صداقت صرف معجزات ہی کے ذریعہ ظاہر کی جاسکتی ہے بلکہ اس کی صداقت کا اظہار مختلف طرق و وجوہ سے ممکن ہے جس شخص کے نزدیک صرف معجزات ہی سے نبی کی صداقت کا اظہار ہوسکتا ہے اس پر لازم ہے کہ وہ اس کی دلیل پیش کرے، اس پر مزید یہ کہ کسی نبی کے صادق ہونے پر معجزات کی دلالت ایک بدیہی امر ہے جو محتاج فکر و نظر نہیں، اس لیے کہ دعویٰ نبوت کے ساتھ معجزہ کا اقتران اس امر کی بدیہی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وہ معجزہ نبی کی صداقت کے لیے ظاہر کیا، اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص جب بادشاہ سے کہے کہ اگر آپ نے مجھے فلاں جانب ایلچی بنا کر بھیجا ہے تو خلاف معمول تین مرتبہ اٹھیے بیٹھئے اور بادشاہ اس کی تعمیل کردے تو بادشاہ کا یہ فعل اس امر کی دلیل ہوگا کہ قاصد کی تصدیق کے لیے اس نے یہ فعل انجام دیا۔

کیا باری تعالیٰ سے افعال قبیحہ کا صدور ممکن ہے؟

باقی رہا شیعہ مصنف کا یہ دعویٰ کہ اہل سنت کے نزدیک جب اللہ تعالیٰ افعال قبیحہ کا مرتکب ہو سکتا ہے، تو وہ جھوٹے نبی کی تصدیق بھی کرسکتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ مسلمانوں میں سے کوئی بھی

اللہ تعالیٰ کو قبائح کا مرتکب قرار نہیں دیتا، اس کی حد یہ ہے کہ جو لوگ باری تعالیٰ کو افعال العباد کا خالق مانتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ افعال قبیحہ کی قباحت کی ذمہ داری بندوں پر عائد ہوتی ہے، اللہ پر نہیں، اسی طرح ان کا ضرر بھی بندوں کو لاحق ہوتا ہے، نہ کہ اللہ تعالیٰ کو، دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ یہ فعل اللہ کا پیدا کردہ ہے تاہم بندے کا فعل ہے اللہ کا نہیں، جہاں تک معجزات کا تعلق ہے، یہ بندوں کے افعال نہیں ہوتے کہ ان کو بندوں کے افعال قبیحہ میں شمار کیا جائے، باقی رہا کذاب کی تصدیق کرنا تو اس کی صورت یہ ہے کہ اس کے صادق ہونے کی خبر دی جائے خواہ قول کے ذریعہ ہو یا ایسے فعل سے جو قول کا قائم مقام ہو ظاہر ہے کہ ذات باری سے اس کا صدور محال ہے اس لیے کہ یہ (کذب بیانی) ایک مذموم وصف ہے، اور اللہ کی ذات اس سے منزہ ہے۔

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''اہل سنت کے بقول یہ لازم آتا ہے، کہ ذات حق کو غفور و حلیم اور عفو کے صفات سے متصف نہ کیا جائے'' اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ان صفات سے اس صورت میں موصوف ہوسکتا ہے، جب وہ فساق و فجار کو سزا دینے کا مستحق ہو اور جب وہ یہ سزا معاف کر دے تو اسے غفور و حلیم کے اسماء حسنیٰ سے ملقب کیا جائے، ظاہر ہے کہ وہ فساق کو سزا دینے کا مستحق جبھی ہوگا کہ گناہ بندے سے سرزد ہوں نہ کہ اللہ تعالیٰ سے۔''

اس کا جواب کئی طریق سے ممکن ہے۔

پہلا جواب: بہت سے اہل سنت کہتے ہیں ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ غفور و حلیم کے القاب سے اللہ تعالیٰ کو اسی وقت ملقب کیا جا سکتا ہے، جب وہ فساق کو سزا دینے کا استحقاق رکھتا ہو بخلاف ازیں استحقاق سے قطع نظر وہ اس صورت میں بھی غفور و حلیم ہے، جب وہ سزا دینے کی قدرت رکھتا ہو اس لیے کہ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، اور جو حکم دینا چاہتا ہے دیتا ہے۔

دوسرا جواب: قائل کا یہ قول کہ اگر ''اللہ تعالیٰ انسان کو سزا دینے کا استحقاق رکھتا ہو'' اس سے اس کی مراد یا تو یہ ہے کہ گناہ گاروں کو سزا دینا اس کا عدل ہے یا یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کا محتاج ہے، پہلی بات طرپر سب کا اتفاق ہے، اس سے ظاہر ہوا کہ عفو و مغفرت اس کے فضل و احسان کی آئینہ دار ہے، جو لوگ اللہ تعالیٰ کو افعال العباد کا خالق قرار دیتے ہیں، ان کا یہی زاویہ نگاہ ہے جو لوگ افعال العباد کے متعلق یہ نظریہ رکھتے ہیں، کہ یہ اللہ کے افعال ہیں اور بندہ صرف کاسب ہے،

وہ اس بات میں متحد الخیال ہیں کہ سزا اس کے عدل پر مبنی ہے۔

تیسرا جواب: اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت کے متعلق دو صورتیں ممکن ہیں:

۱۔ پہلی صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ رحمت و مغفرت کے ساتھ موصوف ہے اور سزا دینا اس کے لیے قبیح ہے۔

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ رحمت و مغفرت سے جبھی موصوف ہوسکتا ہے، جب کہ سزا دینا اس کے لیے جائز ہو۔

پہلی صورت کے مطابق لازم آئے گا کہ وہ اہل ایمان اور نیک اعمال انجام دینے والوں کے لیے غفار نہیں، اس لیے کہ ان کو سزا دینا قبیح ہے اور ان کی مغفرت واجب ہے، مزید برآں اس سے یہ بھی لازم آئے گا کہ ذات باری انبیاء کے لیے غفور و رحیم نہیں اور ان لوگوں کے لیے بھی رحیم و کریم نہیں جو گناہ کر کے ان سے تائب ہو جائیں اور نیک کام کرنے لگیں، حالانکہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کے لیے غفار اور مومنوں پر رحم کرنے والا ہے، مندرجہ بالا بیان اس حقیقت کا آئینہ دار ہے کہ اللہ تعالیٰ علی الاطلاق مغفرت و رحمت سے متصف ہے۔

بندہ معصیت کا فاعل ہے یا کاسب:

بندے سے جو معصیت صادر ہوتی ہے اکثر علماء کے نزدیک وہ اس کا فاعل ہے اور بعض کے نزدیک کاسب، اس قول کی روشنی میں یہ حقیقت ثابت ہوتی ہے کہ آدمی ظالم کو سزا دینے کا استحقاق رکھتا ہے، پس اللہ تعالیٰ ظالموں کو سزا دینے کا اس سے بھی زیادہ مستحق ہے، جہاں تک اللہ تعالیٰ کے معصیت کو پیدا کرنے کا تعلق ہے، وہ اس کی حکمت و مصلحت پر مبنی ہے، یہ جمہور کا نظریہ ہے جو افعال خداوندی کو مبنی بر حکمت قرار دیتے ہیں، یا معصیت کی تخلیق اس کی مشیت کے تابع ہے، یہ ان لوگوں کا نقطۂ نظر ہے جو افعال باری تعالیٰ کو معلل بالحکمت نہیں سمجھتے۔

شیعہ مصنف کا قول ہے۔

اہل سنت کے نزدیک کافر ایمان لانے کے لیے مکلّف و مامور ہے حالانکہ بقول ان کے اس میں یہ قدرت ہی موجود نہیں، اس سے تکلیف مالا یطاق لازم آتی ہے، جو شرعاً وعقلاً قابل مذمت ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ (بقرة: ۲/۲۸۶)

''اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے۔''

اس کا جواب یہ ہے کہ قائلین تقدیر کے بندہ کی قدرت کے بارے میں دو قول ہیں:

پہلا قول: یہ ہے کہ قدرت مع الفعل ہوتی ہے بنا بریں جس کافر کے متعلق علم الٰہی میں لکھا ہے کہ وہ ایمان نہیں لائے گا وہ کبھی ایمان لانے پر قادر نہیں ہوگا۔

دوسرا قول: یہ ہے کہ جو قدرت احکام کے مکلّف بنانے میں شرط ہے وہ قبل از فعل اور تا وقوع فعل ہوتی ہے، اور جو قدرت فعل کو مستلزم ہوتی ہے وہ لازماً مع الفعل ہوتی ہے۔ ان کے قول کی اصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومن پر اپنا فضل خصوصی فرمایا ہے جس کی بنا پر وہ راہ ہدایت اختیار کرتا ہے، کافر اس سے محروم ہے، نیز یہ کہ عند الفعل بندے کا قادر ہونا ضروری ہے، اس کے برخلاف بعض لوگوں کا خیال ہے کہ بندہ صرف قبل الفعل قدرت سے بہرہ ور ہوتا ہے، علاوہ ازیں وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ مورد فضل وعنایت ربانی ہونے کے اعتبار سے مومن وکافر مساوی ہیں۔

شیخ الاسلام مزید فرماتے ہیں:

جمہور اہل سنت کا زاویہ نگاہ یہ ہے کہ کافر ایمان لانے کی قدرت سے بہرہ ور ہے اور ان کے نزدیک سابقہ اعتراض قطعی طور سے بے بنیاد ہے، یہ اعتراض صرف دوسرے لوگوں کے اقوال کے پیش نظر وارد ہوتا ہے، سابقہ ذکر کردہ دونوں اقوال میں سے جو قول بھی قرین صدق وصواب ہو وہ قول اہل سنت سے خارج نہ ہوگا۔

علاوہ ازیں تکلیف ما لا یطاق...... مثلاً معذور کو چلنے کی تکلیف دینا اور آدمی کو اڑنے کا حکم دینا...... جمہور اہل سنت کے نزدیک جو تقدیر پر ایمان رکھتے ہیں شرعاً ناروا ہے، مگر شیعہ مصنف نے جس تکلیف مالایطاق کا ذکر کیا ہے وہ صحیح نہیں، جہاں تک ان امور کا تعلق ہے، جن کو آدمی اس لیے انجام نہیں دے سکتا کہ وہ ان کی ضد میں مشغول ہوتا ہے، مثلاً کافر کا کفر میں منہمک ہونے کی بنا پر ایمان لانے سے قاصر رہنا، یا ایک شخص مثال کے پور پر بیٹھا ہو تو ظاہر ہے کہ وہ بعینہ اسی حالت میں کھڑا ہونے پر قادر نہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ایک ضد کو انجام دینے کا عزم مصمم کر لیا جائے تو دوسری ضد کا ارادہ نہیں کیا جا سکتا، کافر کو ایمان کا مکلّف کرنا اسی قبیل سے ہے، ظاہر ہے کہ یہ عقلاً قبیح نہیں، بخلاف ازیں سب عقلاء اس ضمن میں متفق الرائے ہیں کہ کسی شخص کو کسی بات کا حکم دینا یا منع کرنا جب کہ وہ حالت امر و نہی میں اس پر عمل پیرا ہونے سے اس لئے قاصر ہو کہ وہ اس کی ضد میں

مشغول ہے، مگر وہ اس ضد کو چھوڑ کر مامور بہ کو انجام دینے پر قدرت رکھتا ہے، بالکل جائز اور روا ہے۔

تکلیف مالا یطاق کا پانچواں جواب:

جب تکلیف مالا یطاق کی تفسیر بایں طور کی جائے کہ وہ ایسا فعل ہے جس کو انجام دینے پر فاعل کو قدرت حاصل نہ ہو تو اس تفسیر کے مطابق امتناع کا دعویٰ مورد نزاع ہوگا اور اس کی نفی محتاج دلیل ہوگی۔

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''اہل سنت کے نقطۂ نگاہ کے مطابق یہ لازم آتا ہے کہ ہمارے وہ افعال اختیاری جو قصد و ارادہ کے تحت ہم سے صادر ہوتے ہیں، جیسے دائیں بائیں حرکت کرنا وغیرہ ان اضطراری افعال کی مانند ہو کر رہ جائیں جو بلا ارادہ ظہور پذیر ہوتے ہیں، مثلاً نبض کی حرکت یا کسی اونچی جگہ سے گرنے والا جو حرکت کرتا ہے، ظاہر ہے کہ افعال اختیاری و اضطراری کے مابین فرق و امتیاز ضروری ہے۔''

ہم کہتے ہیں یہ اس شخص کے نزدیک لازم آتا ہے، جس کا قول ہے کہ بندے کو اپنے افعال اختیاری پر قدرت حاصل نہیں یہ کسی معروف امام کا قول نہیں اور تقدیر کے قائلین اہل سنت میں سے کوئی بھی یہ عقیدہ نہیں رکھتا، البتہ جہم بن صفوان اور اس کے غالی ہم نوا کہتے ہیں کہ بندہ ہرگز قدرت سے بہرہ ور نہیں، وہ کہتے ہیں بندہ اسی طرح حرکت کرتا ہے، جیسے درخت ہلانے سے ہلنے لگے، اسلامی فرقوں میں سے امام اشعری کا نقطۂ نظر ان سے قریب تر ہے، تاہم وہ بندہ کے لیے قدرت محدثہ کا اثبات کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فعل بندے کا کسب ہے، مگر اس کے پہلو بہ پہلو وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ بندے کی قدرت کو ایجاد مقدور سے کوئی واسطہ نہیں، ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ وہ بندے میں جس کسب کا اثبات کرتے ہیں اس کی حقیقت کیا ہے۔

ہم اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں، کہ اہل سنت سے بعض اوقات خطا سرزد ہوتی ہے مگر سب اہل سنت خطا کاری کے مرتکب نہیں، ہوتے، بخلاف ازیں امامیہ خطا کے ارتکاب میں ایک دوسرے سے ہم نوا ہوتے ہیں اور اجماعی حیثیت سے اس کا ارتکاب کرتے ہیں، یہ ایک مسلمہ حقیقت صداقت ہے کہ جن جن مسائل میں امامیہ نے اہل سنت سے اختلاف کیا ہے، ان میں اہل سنت کا مسلک قرین حق وصواب ہے، مسئلہ زیر نظر میں جمہور کا زاویہ نگاہ یہ ہے کہ بندہ میں حقیقی قدرت پائی جاتی ہے، لہٰذا وہ فاعل حقیقی ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے افعال کا خالق ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سورۂ انعام آیت: ۱۰۲، سورۂ رعد آیت: ۱۶ سورۂ غافر آیت: ۶۲ اور سورہ زمر آیت ۶۲ میں فرمایا:

﴿ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ﴾

''وہ ہر چیز کا خالق ہے۔''

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ ﴾ (البقرہ: ۲/ ۱۲۸)

''اے ہمارے رب ہم دونوں کو اپنا فرمانبردار بنالے۔''

نیز فرمایا:

﴿ رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلٰوةِ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِي ﴾ (ابرھیم: ۱۴/ ۴۰)

''اے میرے رب مجھے نماز کا پابند بنالے اور میری اولاد کو بھی۔''

﴿ وَجَعَلْنَا هُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا ﴾ (انبیاء: ۲۱/ ۷۳)

''ہم نے ان کو ایسے پیشوا بنایا تھا جو ہمارے حکم کے مطابق لوگوں کی رہنمائی کرتے تھے۔''

قرآن میں فرمایا:

﴿ وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا اَيْنَمَا كُنْتُ ﴾ (مریم: ۱۹/ ۳۱)

''اور مجھے بابرکت بنایا میں جہاں بھی ہوں۔''

مزید فرمایا:

﴿ وَجَعَلْنَا هُمْ اَئِمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ﴾ (قصص: ۲۸/ ۴۱)

''اور ہم نے ان کو ایسے پیشوا بنایا تھا جو دوزخ کی طرف دعوت دیتے تھے۔''

ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَمَا تَشَاؤُنَ اِلَّا اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ﴾ (تکویر: ۸۱/ ۲۹)

''اور تم نہیں چاہتے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔''

اس آیت سے بندے کی مشیت ثابت ہوتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ ہر کام اللہ کی مشیت کے تابع ہے، قرآن کریم کے متعدد مقامات میں بتایا گیا ہے کہ بندے مختلف کام انجام دیتے، ایمان لاتے، کفر کرتے، سچ بولتے اور دروغ گوئی کے مرتکب ہوتے ہیں، نیز یہ کہ وہ

قوت واستطاعت سے بہرہ ور ہیں۔

شیعہ مصنف نے جن اعتراضات کا ذکر کیا ہے، یہ اس شخص پر وارد ہوتے ہیں، جو رب کے فعل اور مفعول کے مابین فرق و امتیاز نہیں کرتا یا افعال العباد کو افعال خداوندی قرار دیتا ہے، یا یہ کہتا ہے کہ مخلوقات میں قوی و طبائع سرے سے موجود ہی نہیں، حالانکہ نصوص و عقول دونوں سے ان کی شہادت ملتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ سُقْنَاهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ﴾ (اعراف: ۵۷/۷)

''ہم اسے مردہ شہر کی طرف ہانک لے جاتے اس کے ساتھ بارش اتارتے اور بارش سے ہر طرح کے پھل پیدا کرتے ہیں۔''

نیز فرمایا:

﴿ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ﴾(بقرہ:۱۶۴/۲، نحل:۶۵/۱۶، جاثیۃ:۵/۴۵)

''اس (بارش) کے ساتھ زمین کو مردہ ہونے کے بعد زندہ کر دیا۔''

مسئلہ متنازعہ پر قرآنی آیات سے استشہاد:

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں:

﴿ يَهْدِي بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ﴾ (مائدہ:۱۶/۵)

''اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ اس شخص کو ہدایت کرتے ہیں جو اس کی رضا مندی کی پیروی کرتا ہے۔''

مزید ارشاد ہوتا ہے۔

﴿ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا﴾ (بقرہ: ۲۶/۲)

''اس (قرآن) کے ساتھ بہت سے لوگوں کو گمراہ کرتا اور بہت سے لوگوں کو ہدایت عطا کرتا ہے۔''

مزید فرمایا:

﴿ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً﴾

''کیا ان کو معلوم نہیں کہ جس اللہ نے ان کو پیدا کیا ہے وہ ان سے زیادہ طاقت ور ہے۔'' (صافات: ۱۵/۳۷)

ارشادفرمایا:

﴿خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً﴾

''اس نے تمہیں کمزور پیدا کیا اور پھر طاقت ور بنا دیا۔'' (روم: ۵۴/۳۰)

نبی کریم ﷺ نے قبیلہ عبدالقیس کے ایک شخص کو مخاطب کر کے فرمایا تھا:

''تم میں دو باتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں:

۱۔ بردباری

۲۔ نرم روی و تدریج [1]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

مندرجہ بالا بیان اس حقیقت کی غمازی کرتا ہے، کہ بندوں کے افعال معدوم ہونے کے بعد عالم وجود میں آئے، لہٰذا ان کا حکم بھی وہی ہے جو باقی حوادث کا اور یہ بھی دیگر ممکنات کے زمرہ میں داخل ہیں، بنا بریں جس دلیل سے بھی حوادث و ممکنات کے مخلوق ہونے پر استدلال کیا جائے گا اس سے یہ بھی عیاں ہوگا کہ افعال العباد اللہ کے پیدا کردہ ہیں۔

یہ حقیقت محتاج بیان نہیں کہ ہر محدث (حادث شدہ چیز) اپنے وجود میں محدث (وجود میں لانے والے) کا محتاج ہے، یہ مقدمہ جمہور کے نزدیک ایک مسلمہ حقیقت ہے، بعینہ اسی طرح ہر ممکن مرجّح تام کا محتاج ہے، جب بندے کے افعال حادث ہیں تو ان کے لیے ایک محدث کا وجود ناگزیر ہے، جب بندے کو اپنے افعال کا محدث قرار دیا جائے تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ بندہ آغاز کار میں محدث نہ تھا، یہ منصب اسے بعد میں ملا ہے، لہٰذا یہ ایک امر حادث ہے اور اسے بھی کسی محدث کی ضرورت ہوگی، اس لیے کہ اگر بندہ شروع ہی سے محدث ہوتا تو یہ فعل حادث بھی دائمی ہوتا۔

اور جب بندے کا محدث ہونا حادث ہے تو اس کے لیے کسی اور محدث کی ضرورت ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ بندے کا ارادہ محدث ہے تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ بنا بریں ارادہ حادث

---

[1] صحیح مسلم ـ کتاب الایمان باب الامر بالایمان باللہ تعالیٰ و رسولہ (حدیث: ۱۷/۲۵، ۱۸)

ہے اوراس کے لیے کسی اور محدث کا وجود ناگزیر ہے، اور اگر کہا جائے کہ یہ ارادہ بندے کا ارادہ سے عالم وجود میں آیا تو کہا جائے گا کہ اس ارادہ کے لیے بھی محدث کی ضرورت ہے، خلاصہ کلام یہ کہ بندے میں جس محدث کوبھی آپ فرض کریں گے تو اس میں اسی قسم کی گفتگو کی جا سکتی ہے، جیسے حادث اول میں بیان ہوئی، اگر بندہ کے افعال کو قدیم اور ازلی قرار دو گے تو یہ محال ہے اس لیے کہ جو فعل بندہ سے وابستہ ہو وہ قدیم نہیں ہوسکتا، اور اگر کہو کہ فعل بندے کا وصف ہے اور اس کی قدرت اس میں پیدا کی گئی ہے اور اس میں اسی طرح گفتگو کا امکان ہے جس طرح ارادہ میں تو اس صورت میں بھی مرجّح تام کا وجود ضروری ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس مقام پر انتہائی دقت نظر اور ہمہ گیری سے کام لے کر حوادث کا تسلسل ثابت کیا ہے۔

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''اہل سنت کے نقطۂ نظر کو ماننے سے یہ لازم آتا ہے کہ جو آدمی ساری عمر اعمال صالحہ انجام دینے میں کھپا دے اور جو عمر بھر افعال قبیحہ کا ارتکاب کرتا رہے دونوں مساوی ہیں اور ان میں کوئی فرق نہیں پایا جاتا، نہ ہم اول کی مدح کر سکتے ہیں اور نہ ثانی کی قدح اس لئے کہ ایک کی نیکی اور دوسرے کی برائی دونوں کا فاعل حقیقی اللہ تعالیٰ ہے۔''

صالح وطالح کی عدم مساوات:

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات قطعی طور سے بے بنیاد ہے اس لیے کہ نیکی و بدی کے مشترکہ طور پر اللہ کے پیدا کردہ ہونے سے ہرگز یہ لازم نہیں آتا کہ دونوں کا حکم بھی ایک ہے، اس میں شبہ نہیں کہ اللہ کے سوا ہر چیز اسی کی پیدا کردہ ہے اور اس کی مخلوق ہونے میں سب مشترک ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمٰى وَالْبَصِيرُ﴾ (فاطر: ۱۹/۳۵)

''اندھا اور بینا برابر نہیں ہوتے۔''

یہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت وجہنم، عالم و جاہل، شہد و زہر، راحت و رنج اور آدم و ابلیس سب چیزوں کو پیدا کیا ہے، جب شرع وعقل دونوں اس امر میں ایک دوسرے کے ہم نوا ہیں کہ جس چیز میں منفعت و مصلحت پائی جاتی ہو، وہ واجب المدح ہے اگرچہ جمادات ہی سے کیوں نہ ہو تو جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے مخلوقات سے انتہائی احسان کرنے والا بنایا ہو وہ کیوں کر مدح کیے جانے کا زیادہ

مستحق نہ ہوگا، برائی کے بارے میں بھی یونہی کہا جا سکتا ہے۔

بخلاف ازیں منکرین تقدیر کہتے ہیں کہ احسان کی بنا پر کوئی شخص قابل مدح ہوسکتا ہے اور نہ ایذا رسانی کے باعث قابل قدح، وہ مدح وستائش کا مستحق اسی صورت میں ہوسکتا ہے، جب اللہ نے اسے محسن نہ بنایا ہو، اس نے نیک کام کر کے ہم پر احسان نہیں کیا اور نہ برائی کر کے ہمیں آزمائش میں ڈالا، ان کے قول کی حقیقت یہ ہے کہ جہاں بندے کا شکر ادا کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، وہاں اللہ کا شکر ادا نہیں کیا جا سکتا اور جہاں شکر خداوندی مطلوب ہوتا ہے وہاں بندے کا شکریہ ادا کرنا بے سود ہے، وہ یہاں تک کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے رسول علیہ السلام کے ذریعہ ہمیں جو تعلیم وتبلیغ بہم پہنچائی ہے یہ اس کا احسان نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا﴾ (آل عمران:۳/۱۶۴)

''اللہ تعالیٰ نے مومنوں میں اپنا رسول بھیج کر ان پر بڑا احسان کیا ہے۔''

منکرین تقدیر کہتے ہیں:

فرشتوں کا بندوں کے لیے طلب مغفرت کرنا، علماء کا لوگوں کو علم وفضل سے بہرہ ور کرنا اور حکام کا عدل وانصاف کے ساتھ معاملات طے کرنا خداوندی انعامات میں شامل نہیں ہے، ان کی رائے میں اللہ تعالیٰ ملوک وسلاطین کو عادل یا ظالم بنانے پر قادر نہیں ہے، بعینہ اسی طرح اللہ تعالیٰ کسی کو نفع رساں بنا سکتا ہے، نہ ضرر رساں۔''

منکرین تقدیر کے مذکورہ بالا اقوال کا نتیجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی حال میں بھی مدح وستائش کا مستحق نہیں، اس لئے کہ شکر اخروی انعامات پر ادا کیا جا سکتا ہے، یا دنیوی پر، جہاں تک دنیوی انعامات کا تعلق ہے، وہ منکرین تقدیر کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے واجب ہیں، باقی رہا اخروی فضل و احسان تو بقول منکرین تقدیر اللہ نے وہ بندوں پر کیا ہی نہیں تا کہ اس کا شکر ادا کیا جائے بلکہ ان کی رائے میں اللہ تعالیٰ کسی کو مومن متقی اور صالح نہیں بنا سکتا اور نہ ہدایت عطا کر سکتا ہے، جہاں تک اخروی انعامات کا تعلق ہے ان کی جزا واجب ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ قائلین تقدیر محسن کی تعریف کرتے اور نقصان پہنچانے والے کو نفرت وحقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اس کے ساتھ ساتھ وہ اس امر میں متحد الخیال ہیں کہ دونوں فعل اللہ کے پیدا

کردہ ہیں، اس سے واضح ہوا کہ منکر تقدیر کا یہ دعویٰ کہ تقدیر کا عقیدہ رکھنے والے اچھائی اور برائی میں تمیز نہیں کر سکتے قطعی طور پر بے بنیاد ہے، مزید برآں یہ حقیقت واضح ہوئی کہ نیکی کرنے والا مدح و ثواب کا مستحق ہے اور برائی کا ارتکاب کرنے والا ذم و عقاب کا سزاوار ہے۔

روافض کی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ پر دروغ گوئی:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''امام موسیٰ کاظم رحمہ اللہ صغیر السن تھے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے ان سے دریافت کیا، معصیت کس سے صادر ہوتی ہے؟ امام موسیٰ نے جواباً فرمایا:

۱۔ بندے سے

۲۔ اللہ تعالیٰ سے

۳۔ یا دونوں سے

اگر معصیت کا مصدر و منبع ذات خداوندی ہے تو اللہ تعالیٰ بندے پر کیوں کر ظلم کر سکتا ہے، اور اسے ناکردہ گناہ کی سزا دے سکتا ہے......؟ اور اگر دونوں سے صادر ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اور بندہ گناہ کے ارتکاب میں برابر کے شریک ہوئے، اللہ تعالیٰ قوی ہے اور اس لائق ہے کہ اپنے ضعیف بندے سے منصفانہ برتاؤ کرے گا۔

اور اگر بندہ گناہ کا مرتکب ہونے میں منفرد ہے تو مذمت و ملامت کا سزاوار بھی وہی ہوگا، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے یہ سن کر فرمایا: ''یہ ایسی نسل ہے کہ اس کے بعض افراد کا دوسروں سے گہرا رابطہ ہے۔''

اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ جو بات سنداً مذکور ہو ہم اس کی صحت سے آگاہ ہیں، جو بات شیعہ مصنف نے بیان کی ہے وہ قطعی طور پر جھوٹ ہے، اس لیے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تقدیر کے قائل ہیں اور انہوں نے فقہ اکبر میں منکرین تقدیر کی تردید کی ہے، لہٰذا وہ اس شخص کی تائید نہیں کر سکتے، جو یہ کہتا ہو کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے افعال کو پیدا نہیں کیا، مزید برآں امام موسیٰ بن جعفر، متقدمین شیعہ اور دیگر علماء اہل بیت تقدیر کے قائل تھے، انکار تقدیر شیعہ میں اس وقت ہوا جب وہ بنو بویہ [1] کے دور

[1] بنو بویہ نے ایران اور بلاد مشرق کو تشیع کے جہنم میں جھونک دیا، یہ شیعہ کا پہلا دور تھا، دوسرے دور کا آغاز اللہ بندہ نامی سلطان کے عہد حکومت سے ہوتا ہے، اسی بادشاہ کے لیے اس شیعہ مصنف نے یہ کتاب تصنیف کی جس کی تردید کے لیے شیخ الاسلام ابن تیمیہ کو قلم اٹھانا پڑا، شیعہ کا تیسرا دور ایران کے سلاطین صفویہ سے شروع ہوتا ہے۔

حکومت میں معتزلہ سے مل جل گئے، شیعہ مصنف نے امام موسیٰ بن جعفر سے جو قول نقل کیا ہے اس کے بیان کرنے والے زیادہ تر منکرین تقدیر کے کم سن لوگ اور بچے ہیں، یہ نظریہ قدریہ کے آغاز ظہور اور امام موسیٰ کی ولادت سے بھی پہلے لوگوں میں معروف تھا، یہ امر محتاج بیان نہیں کہ قدریہ نے اموی دور میں سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور عبدالملک بن مروان کے عہد خلافت میں پر پرزے نکالنے شروع کیئے۔

قائل کا یہ قول کہ: ''اَلْمَعْصِيَةُ مِمَّنْ ''ایک مجمل ومبہم لفظ ہے جو محتاج تشریح ہے ظاہر ہے کہ معصیت ہو یا طاعت وعبادت ایک عرض (وہ چیز جو اپنے وجود میں کسی دوسری چیز کی محتاج ہو) ہے جو قائم بالغیر ہے اور اپنے قیام میں کسی محل کی محتاج ہے، یہ بات بھی پوشیدہ نہیں کہ اس کا قیام بندے کے ساتھ ہے، اللہ کے ساتھ نہیں، اور جو چیز بھی اللہ کی پیدا کردہ ہے اس کے متعلق یہ کہنا درست ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے، بایں معنی کہ وہ اس کی پیدا کردہ ہے، مگر اس سے الگ ہے، یہ مطلب نہیں کہ وہ اللہ کے ساتھ قائم ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ مصوف ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ﴾

(جاثية:٤٥/ ١٣)

''جو چیز بھی آسمان وزمین میں ہے اللہ نے اسے تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے۔''

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

﴿ وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ﴾ (سورة النحل: ١٦/ ٥٣)

''تمہارے جو بھی نعمت ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے۔''

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''اہل سنت کے افکار و آراء سے لازم آتا ہے، کہ کافر اپنے کفر کے باوصف اطاعت شعار ہو اس لیے کہ اس نے جو کچھ بھی کیا ہے، خداوندی ارادہ کے مطابق کیا ہے۔''

شیعہ مصنف کا یہ خیال اس امر پر مبنی ہے، کہ آیا اطاعت خداوندی امر کے مطابق ہے یا ارادہ کے؟ نیز یہ کہ کیا امر ارادہ کو مستلزم ہے یا نہیں؟ ہم قبل ازیں یہ حقیقت الم نشرح کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے افعال کو اپنے ارادہ سے پیدا کیا، بعض اوقات وہ ایسی چیز کو پیدا کرتا ہے، جس کا وہ حکم

نہیں دیتا، اس بات پر سب علماء کا اجماع منعقد ہو چکا ہے، کہ اگر کوئی شخص حلف اٹھا کر یہ کہے کہ کل وہ اس کا حق ادا کر دے گا، ان شاء اللہ۔کل کا روز گزر جائے اور وہ قدرت کے باوجود اس کی تعمیل سے قاصر رہے تو وہ حانث نہیں ہوگا، اور اگر ان شاء اللہ کے الفاظ میں مشیت کا لفظ امر کے معنی میں ہوتا تو وہ حانث ٹھہرتا، کیونکہ وہ اس کا مامور ہوتا، علی ہذا القیاس جب کسی فعل مامور پر حلف اٹھا کر اسے مشیت باری تعالیٰ سے معلق کر دیا جائے تو قسم اٹھانے والا اس میں حانث نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآمَنَ مَنْ فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا ﴾ (یونس: ۱۰/۹۹)

''اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو کرۂ ارضی پر بسنے والے سب ایمان لے آتے۔''

اس آیت سے مستفاد ہوتا ہے کہ امر اور مشیت میں فرق ہے۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

﴿ وَمَنْ يُرِدْ أَنْ يُضِلَّهُ يَجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقًا ﴾ (الانعام: ۶/۱۲۵)

''اور جس کو گمراہ کرنا چاہتا ہے، اس کے سینہ کو تنگ کر دیتا ہے۔''

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ گمراہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے، مگر ضلالت کا حکم نہیں دیتا، ہم قبل ازیں بیان کر چکے ہیں کہ لفظ ارادہ کا اطلاق دو معنوں پر کیا جاتا ہے:

۱۔ ارادہ قدریہ

۲۔ ارادہ شرعیہ

یہ دوسرا مفہوم محبت و رضا کو شامل ہے، پہلا نہیں۔

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''اہل سنت کے نظریہ کو تسلیم کرنے سے اللہ تعالیٰ کا سفیہ (کم عقل) ہونا لازم آتا ہے اس لیے کہ وہ کافر کو ایمان لانے کا حکم دیتا ہے، مگر اس کا ارادہ نہیں کرتا۔''

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم قبل ازیں واضح کر چکے ہیں کہ ارادہ کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ ارادة الخلق

۲۔ ارادة الامر

شیعہ مضمون نگار مزید لکھتا ہے:

اہل سنت کے بقول یہ لازم آتا ہے، کہ ہم اللہ کی گرفت سے ڈر کر ابلیس لعین کی پناہ میں آئیں، جب کہ یہ آیت قرآنی: " فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ "کے صریح منافی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل سنت کفار و ابلیس کو گناہوں سے منزہ قرار دے کر انہیں اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں، بنا بریں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے حق میں ابلیس سے بھی بدتر ہے۔ تعالیٰ اللہ عن ذلک۔"

ابلیس سے پناہ جوئی:

جواباً عرض ہے کہ یہ کلام ساقط عن الاحتجاج ہے، دو ہی صورتیں ممکن ہیں:

۱۔ پہلی صورت یہ ہے کہ ابلیس نے کچھ افعال انجام دیے ہوں گے۔

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس نے کوئی کام نہیں کیا۔

بصورت ثانی اس کی پناہ حاصل نہیں کی جا سکتی اس لیے کہ جب ابلیس سرے سے کوئی کام ہی انجام نہیں دیتا تو وہ کسی کو پناہ بھی نہیں دے سکتا اور اگر بصورت اول وہ بعض افعال کا مرتکب ہو چکا ہے، تو وہ گناہوں سے منزہ نہیں ہو سکتا، لہٰذا اعتراض دونوں صورتوں میں باطل ہے خواہ تقدیر کا اثبات کیا جائے یا نفی۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ ابلیس سے پناہ جوئی اس صورت میں مستحسن ہے جب وہ پناہ دینے پر قادر ہو، خواہ اللہ تعالیٰ کو افعال العباد کا خالق قرار دیا جائے یا نہیں۔

یہ امر قابل غور ہے کہ شیعہ مصنف اور اس کے ہم نوا منکرین تقدیر یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ابلیس وہ کام انجام دیتا ہے، جو اللہ تعالیٰ نے اس کی تقدیر میں نہیں لکھے، نیز یہ کہ ابلیس بلا ارادہ خداوندی بھی بعض افعال کا مرتکب ہوتا ہے، وہ یہاں تک کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو نیک عمل سے ہٹا کر برے کام پر نہیں لگا سکتا اور نہ یہ قدرت رکھتا ہے کہ افعال قبیحہ سے ہٹا کر نیک اعمال پر لگا دے، احادیث صحیحہ میں وارد ہوا ہے کہ سرور کائنات ﷺ یہ دعا فرمایا کرتے تھے:

((اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ وَبِكَ مِنْكَ)) [1]

اس حدیث سے مستفاد ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کی بعض صفات و افعال کے ساتھ اس کے بعض افعال سے پناہ طلب کیا کرتے تھے، گویا اللہ تعالیٰ کے عقاب و عتاب سے خود اسی کی پناہ

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب ما یقال فی الرکوع والسجود، (حدیث:۴۸۶)

طلب کرتے تھے، پھر یہ کیوں کر منع ہوا کہ اس کی بعض مخلوقات کی ایذا سے اس کی پناہ طلب کی جائے، اہل سنت کے یہاں اس بات میں کوئی قباحت نہیں پائی جاتی کہ بندہ اپنے رب کی پناہ طلب کرکے اور اسے پکار کر اپنی حاجات وضروریات کا ازالہ کرے، چونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے کہیں زیادہ مہربان ہے جتنی کہ والدہ اپنی اولاد پر ہوتی ہے، لہٰذا اسباب شر سے اس کی پناہ طلب کرنا عین قرین عقل و دانش ہے۔

ارباب علت وحکمت کا قول ہے کہ:

''اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو اسی طرح پیدا کیا جس طرح سانپوں، بچھوؤں اور آگ جیسی موذی اشیاء کو، کیونکہ ان کی تخلیق گہری مصلحت پر مبنی ہے، اس کے پہلو بہ پہلو اس نے حکم دیا ہے کہ ہم امکانی حد تک اپنے سے ضرر وایذا کو دور کریں جس کا سب سے بڑا ذریعہ یہ ہے کہ اس کے دامن حکمت و رحمت میں پناہ لی جائے۔''

جو لوگ علت وحکمت کے قائل نہیں ان کا قول ہے کہ:

''اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو خلق فرمایا باوجودیکہ وہ بنی نوع انسان کے لیے ضرر رساں ہے، اس کے ضرر کا ازالہ یوں ہوسکتا ہے کہ ہم باری تعالیٰ کے دامن عافیت میں پناہ لیں جس طرح آگ کے ضرر سے بچنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ اسے بجھا دیا جائے اور زہر کے ضرر سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ تریاق استعمال کیا جائے، اللہ تعالیٰ نے نافع وضار دونوں قسم کی چیزیں پیدا کی ہیں، اور ہمیں ان باتوں کا مامور فرمایا جو ہمارے لیے سود مند ہیں، اگر وہ ہماری امداد فرمائے تو یہ اس کا احسان ہے ورنہ وہ جیسے چاہے کرے۔

اہل سنت پر شیعہ مصنف کا افتراء:

شیعہ مضمون نگار کا یہ قول کہ اہل سنت کے یہاں کافر و ابلیس گناہوں سے پاک ہیں، یہ صریح قسم کا بہتان ہے، بخلاف ازیں اہل سنت بالاتفاق یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ معصیت کا ارتکاب کرنے والا عاصی اور قابل مذمت ہے، نیز یہ کہ افعال کے ساتھ اس شخص کو موصوف کر سکتے ہیں جو ان کو انجام دیتا ہو، پیدا کرنے والے کو نہیں، وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ صفت کا انتساب اس موصوف کی جانب جس کے ساتھ اس کا قیام ہے، اضافۃ المخلوق الی الخالق کے قبیل سے ہے۔

منکر تقدیر شیعہ انتہائی طوالت سے کام لیتے ہوئے لکھتا ہے:

''اہل سنت کے نقطۂ نظر کے مطابق اللہ تعالیٰ کے وعدہ اور وعید پر سے اعتماد اٹھ جائے گا، اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل سنت کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی جانب دروغ گوئی کی نسبت درست ہے، بنا بریں اس کی دی ہوئی خبریں بھی جھوٹ ہوں گی جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ انبیاء کی بعثت عبث ہوگی اور کسی فائدہ کی موجب نہیں ہوگی۔''

اس کا جواب یہ ہے کہ خالق و فاعل کے مابین فرق و امتیاز سب عقلاء کے نزدیک مسلم ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ جب کسی چیز میں حرکت پیدا کرے گا تو ذات باری کو متحرک قرار نہیں دے سکیں گے، جب وہ بادل میں گرج پیدا کرتا ہے، تو گرج کو اس کی آواز نہیں کہہ سکتے، بعینہ اسی طرح جب وہ حیوانات و نباتات میں مختلف قسم کے رنگ پیدا کرتا ہے، تو اسے ان رنگوں سے موصوف قرار نہیں دے سکتے، جب وہ کسی چیز میں علم اور حیات و قدرت کی صفات پیدا کرتا ہے تو یہ اس کی صفات نہیں کہلا سکتیں، علی ہذا القیاس جب وہ کسی چیز میں اندھاپن اور بہرہ پن پیدا کرتا ہے، تو یہ اس کی صفت نہیں کہلاتی جب اللہ تعالیٰ کسی میں روزہ، طواف اور خشوع و خضوع پیدا کرتا ہے تو اسے روزہ دار، طواف کنندہ اور خاشع کے ناموں سے یاد نہیں کیا جا سکتا، باقی رہی قرآن حکیم کی مذکورہ ذیل آیت کریمہ:

﴿ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ﴾ (انفال:۸/۱۷)

''جب آپ نے تیر پھینکا تو وہ آپ نے نہیں بلکہ اللہ نے پھینکا ہے۔''

تو اس کا مطلب یہ ہے کہ بلاشبہ وہ تیر آپ نے پھینکا ہے، مگر اسے نشانہ پر لگانا آپ کا فعل نہیں بلکہ فضل خداوندی کے فضل و کرم کی کرشمہ سازی ہے، آیت کا حاصل یہ ہے کہ تیر اندازی سرور کائنات ﷺ کا فعل ہے اور اسے دشمنوں تک پہنچانا اللہ کا کام، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ چونکہ تیر انداز اور تیر اندازی دونوں اللہ کے پیدا کردہ ہیں، لہٰذا حقیقی تیر انداز اللہ تعالیٰ کی ذات ہے یہ خیال قطعی طور پر بے بنیاد ہے اگر کسی چیز کے پیدا کرنے کی بنا پر اس کی نسبت ذات باری کی جانب کی جا سکتی تو ہر فعل کو اللہ کی جانب منسوب کر دیا جاتا، حالانکہ یہ بداہتہً غلط ہے، روایات میں مذکور ہے کہ جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ محضور ہوئے تو بلوائی آپ پر پتھر پھینکنے لگے، سیدنا عثمان نے پوچھا تم پتھر کیوں پھینکتے ہو......؟ وہ کہنے لگے ہم پتھر نہیں پھینک رہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ پھینکتا ہے، آپ نے فرمایا، تم جھوٹ کہتے ہو اگر اللہ تعالیٰ پتھر پھینکتا تو اس کا نشانہ ہرگز نہ چوکتا مگر تمہارے سب نشانے بیکار ثابت ہو رہے ہیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ان کی رائے میں اللہ تعالیٰ یہ جانتے ہوئے دروغ گوئی کی قدرت پیدا کرتا ہے کہ وہ شخص جھوٹ بولے گا، اسی طرح وہ اس علم کے باوصف ظلم وفحش کی قدرت عطا کرتا ہے، کہ یہ آدمی ظلم وفحش کا مرتکب ہوگا۔

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ ہم میں سے جو شخص افعال قبیحہ کے انجام دینے میں کسی کی مدد کرتا ہے، وہ گویا بذات خود ان افعال کا ارتکاب کرتا ہے، بنا بریں ظلم وکذب کی مدد کرنے والے کو ظالم و کاذب قرار دیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ (مائدہ: ۵/ ۲)

''ظلم وتعدی میں کسی کی مدد نہ کرو۔''

صفات خداوندی کا اثبات:

اگر سوال کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے بندے کو قدرت اطاعت کے لیے عطا کی ہے نافرمانی کے لیے نہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب اسے معلوم تھا کہ قدرت ملنے پر نافرمانی کرے گا تو یہ اسی طرح ہوا جیسے کسی کو کفار سے جہاد کرنے کے لیے تلوار دی جائے جب کہ یہ معلوم ہو کہ وہ اسی تلوار سے کسی نبی کو قتل کر دے گا، ظاہر ہے کہ جب یہ باتیں بندوں کے بھی مناسب حال نہیں ہیں تو اللہ کی ذات اس سے کہیں بلند ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ جو چیز ممکن الوقوع ہو اور اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہو تو یہ ضروری نہیں کہ وہ چیز وقوع پذیر بھی ہو جائے، بخلاف ازیں ہم قطعی طور پر جانتے ہیں کہ قدرت کے باوصف وہ بہت سے کام انجام نہیں دیتا، مثلاً وہ سمندر کو پارے میں تبدیل نہیں کرتا، پہاڑوں کو یاقوت کی شکل میں متشکل نہیں کرتا، ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کذب سے منزہ ہے اور کذب کا صدور اس سے محال ہے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ صفات کمال سے موصوف ہے، موجودات عالم میں جو کمال بھی پایا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کا زیادہ حق دار ہے، وہ ہر نقص وعیب سے منزہ ہے، ہم جانتے ہیں کہ حیات اور علم وقدرت صفات کمال ہیں لہٰذا وہ ان کا زیادہ مستحق ہے، راست بازی وصداقت بھی اس کا خاص وصف ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ﴾ (نساء: ۴/ ۸۷)

''اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچی بات کہنے والا اور کون ہے؟''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اِنَّ اَصْدَقَ الْکَلَامِ کَلَامُ اللّٰہِ)) [1]

''سب سے سچا کلام اللہ کا ہے۔''

پانچویں بات یہ ہے کہ اہل سنت کی رائے میں اللہ کا کلام قائم اور غیر مخلوق ہے، اس میں شبہ نہیں کہ کلام ایک صفت کمال ہے، لہٰذا خداوند تعالیٰ کا اس سے متصف ہونا ناگزیر ہے، خواہ کلام کی کوئی صورت بھی ہو، اس ضمن میں ان کے متعدد اقوال ہیں۔

پہلا قول یہ ہے کہ صفت کلام اللہ کی قدرت و مشیت سے وابستہ نہیں یہ ایک صفت ہے جو قائم بالنفس ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ کلام حروف یا اصوات قدیمہ کا نام ہے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ کلام مشیت ایزدی سے متعلق ہے۔

چوتھا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پہلے متکلم نہ تھا یہ صفت بعد ازاں اس میں پیدا ہوئی۔

پانچواں قول یہ ہے کہ وہ ازل ہی سے متکلم تھا۔

دروغ گوئی، بہرے پن اور گونگے پن کی طرح ایک عیب ہے، اللہ تعالیٰ بلاشبہ گونگے اور بہرے لوگوں کو پیدا تو کرتا ہے، مگر بذات خود اس میں یہ عیب نہیں پایا جاتا، بعینہ اسی طرح وہ کاذب میں کذب کو جنم تو دیتا ہے، مگر خود دروغ گوئی کا ارتکاب نہیں کرتا۔

چھٹی بات یہ ہے کہ یہ سوال شیعہ پر وارد ہوتا ہے، شیعہ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ دوسروں میں کلام پیدا کرتا ہے، اندریں صورت کلام کا قیام اگرچہ دوسروں کے ساتھ ہوتا ہے مگر اسے اللہ کا پیدا کردہ قرار دیں گے اس کے ساتھ ساتھ شیعہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جو کلام بندوں سے صادر ہوتا ہے وہ خدا کا کلام نہیں، اور اس کا پیدا کردہ بھی نہیں، جب ان کے نزدیک یہ دونوں باتیں درست ہیں تو اس

---

[1] سنن نسائی۔ کتاب صلاۃ العیدین۔ باب کیف الخطبۃ(حدیث:۱۵۷۹)،بلفظ " ان اصدق الحدیث کتاب اللہ" و کتاب السھو۔ باب نوع آخر من الذکر بعد التشھد (حدیث: ۱۳۱۲) بلفظ" احسن الکلام کلام اللہ" المطالب العالیۃ (۳۱۰۵) بلفظ " ان اصدق الحدیث کلام اللہ"

بات کا اعتراف کرنا ان کے لیے ناگزیر ہے کہ یہ اس کا کلام ہے اور وہ اس کا کلام نہیں۔

شیعہ مصنف کہتا ہے:

''اہل سنت کے قول کے مطابق یہ لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ جھوٹے نبی بھیجتا ہے۔''

ہم جواباً کہیں گے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ جھوٹے نبی بھیجتا ہے، قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ اَلَمْ تَرَ اَنَّآ اَرْسَلْنَا الشَّيَاطِيْنَ عَلَى الْكَافِرِيْنَ ﴾ (مریم: ۸۳/۱۹)

کیا آپ کو معلوم نہیں کہ ہم شیطانوں کو کافروں کے پاس بھیجتے ہیں۔''

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

﴿ بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَا ﴾ (اسراء: ۵/۱۷)

''ہم نے اپنے بندے تمہارے پاس بھیجے۔''

مگر اللہ تعالیٰ ان کے جھوٹ کو فوری طور پر آشکار کر دیتے ہیں، مثلاً مسیلمہ اور اسود عنسی جھوٹے نبی تھے اللہ تعالیٰ نے ان کا کاذب ہونا رسول اللہ ﷺ کے ذریعے واضح کر دیا تھا، بنا بریں ان کا صدق و کذب کسی پر مخفی نہیں رہا، اگر وہ کہیں کہ جب اللہ تعالیٰ جھوٹے انبیاء کو پیدا کر سکتا ہے، تو ان پر صدق کے علامات ظاہر کرنا بھی اس سے کچھ بعید نہیں تو یہ سراسر باطل ہے اور اگر کہیں کہ صدق کے علامات کا اظہار محال ہے تو ظاہر ہے کہ علامات صدق کے بغیر ادعائے نبوت بے سود ہے، جیسے کوئی شخص طبیب ہونے کا مدعی تو ہو مگر اس کے پاس اپنے دعویٰ کے اثبات میں کوئی دلیل نہ ہو۔

جھوٹے نبیوں کے ہاتھوں معجزات کا ظہور:

اگر یہ کہا جائے کہ جب اللہ تعالیٰ کاذب کی ذات میں کذب کو پیدا کر سکتا ہو تو اس کے ہاتھوں ایسے معجزات کیوں ظاہر نہیں کر سکتا جو اس کی صداقت کی دلیل ہوں......؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا ممکن نہیں، اس لیے کہ صدق کے دلائل صداقت کو مستلزم ہیں، کیونکہ دلیل مدلول کو مستلزم ہوتی ہے، ظاہر ہے کہ کذاب پر علائم صدق کا اظہار ممتنع لذاتہ ہے، اگر وہ کہیں کہ کذاب کے ہاتھوں خوارق کا ظہور جائز ہے، تو ہم کہیں گے کہ مدعی الوہیت مثلاً دجال کے حق میں یہ جائز ہے، مدعی نبوت سے خوارق کا ظہور صرف اس صورت میں ممکن ہے، جب ان خوارق سے اس کی صداقت واضح نہ ہوتی ہو جس طرح ساحر و کاہن سے ایسے خوارق کا ظہور جائز نہیں جو اس کے صدق کی دلیل ہوں۔

ساتویں بات یہ ہے کہ نبوت کے دلائل و براہین کا دائرہ صرف خوارق ہی میں نہیں بلکہ ان کی کئی

قسمیں ہیں جس طرح جھوٹ کی پہچان حاصل کرنے کے متعدد طریقے ہیں۔

شیعہ مضمون نگار لکھتا ہے:

''اگر اہل سنت کی بات تسلیم کر لی جائے تو اس سے شرعی حدود کا بے کار ہونا لازم آتا ہے، مثلاً زنا اور سرقہ جیسے جرائم کا صدور جب اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے مطابق ہوا اور اس کا ارادہ ان افعال کی انجام دہی میں مؤثر ہو تو کسی بادشاہ کو اس پر گرفت کرنے کا حق حاصل نہ ہوگا، اس لیے کہ جو شخص ایسا کرتا ہے وہ سارق و زانی کے اللہ کے ارادہ سے باز رکھنے کے لیے کوشاں ہوتا ہے، ظاہر کہ اگر کوئی شخص ہمیں اپنے ارادہ کی تکمیل سے باز رکھنے کی کوشش کرے تو ہمیں اس سے کوفت ہوگی، تو پھر اللہ کو یہ بات کیوں کر پسند ہوگی؟ اس سے یہ بھی لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ نقیضین کو عملی جامہ پہنانا چاہتا ہے، ایک طرف تو وہ معصیت کا ارادہ کرتا ہے اور پھر اس سے روکتا بھی ہے۔''

ہم جواباً کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف ان امور کو مقدر کیا تھا جو ظہور پذیر ہو چکے، جو امور تا ہنوز عالم وجود میں نہیں آئے، وہ اللہ کے علم میں مقدر بھی نہیں ہیں، جو امور وقوع پذیر ہو چکے ہیں، کوئی شخص ان کے روکنے پر قادر نہ تھا، شرعی حدود و زواجر سے ان امور کو روکا جاتا ہے، جو ابھی وقوع میں نہیں آئے، شیعہ مصنف کا یہ قول کہ: ''وہ شخص سارق کو اللہ کے ارادہ سے باز رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔'' صریح جھوٹ ہے اس لیے کہ وہ شخص تو سارق کو اس کام سے روکنا چاہتا ہے جو اس نے ابھی سرانجام نہیں دیا، اور جو کام ابھی وقوع پذیر نہیں ہوا، اس کا اللہ نے بھی نہیں کیا، یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص حلف اٹھا کر کہے کہ انشاء اللہ وہ اس مال کو چرا لے گا اور پھر اسے نہ چرائے تو وہ اجماعاً حانث نہیں ہوگا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں چاہا کہ وہ سرقہ کا مرتکب ہو۔

ارادہ اور امر میں فرق و امتیاز:

بخلاف ازیں قدریہ (منکرین تقدیر) ارادہ کو امر کے معنی میں لیتے ہیں بنا بریں وہ اس زعم باطل میں مبتلا ہیں کہ سرقہ جب اللہ تعالیٰ کے ارادے سے وقوع میں آتا ہے، تو وہ مراد کے ساتھ ساتھ مامور بھی ہے حالانکہ ہمیں یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سرقہ کا حکم نہیں دیا، جو شخص اس کا قائل ہے اس کا کفر کسی شک وشبہ سے بالا ہے، علاوہ ازیں بالاتفاق بندہ کی تقدیر میں بعض باتیں ایسی مقدر ہوتی ہیں جن کا دور کرنا ایک امر مستحسن ہوتا ہے، مثال کے طور پر بیماری انسان کی تقدیر میں لکھی ہوتی ہے، مگر

علاج معالجہ اور اس کے اسباب سے پرہیز کر کے اس سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے تو یہ بھی اللہ کے ارادہ کو دور کرنا ہوا، اسی طرح آگ کا بجھانا اور گرنے والی دیوار کی مرمت کرنا، لحاف اوڑھ کر سردی کا مداوا کرنا حرارت سے بچنے کے لیے سایہ میں آنا یہ سب اسی قبیل سے ہیں، ان میں اللہ کی مراد و مقدر تکلیف کا ازالہ اسی کے پیدا کردہ راحت و آرام سے کیا جاتا ہے، یہ سب امور اللہ کے پیدہ کردہ اور بندہ کی تقدیر میں لکھے ہوئے ہیں۔

سالار انبیاء ﷺ سے دریافت کیا گیا تھا کہ ادویہ سے علاج کرنے، دم جھاڑ اور دوران مرض مضر اشیاء سے پرہیز کرنے کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے اور کیا یہ چیزیں اللہ کی تقدیر کو ٹال سکتی ہیں؟ حضور نے فرمایا: ''یہ بھی تقدیر میں شامل ہیں۔''[1]

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لَهُ مُعَقِّبَاتٌ مِّنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ يَحْفَظُونَهُ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ﴾

(الرعد: ۱۳/۱۱)

''اس کے سامنے اور پیچھے باری باری آنے والے فرشتے ہیں، جو اسے امر الٰہی سے محفوظ رکھتے ہیں۔''

شیعہ مصنف کا یہ قول کہ ''اس سے اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ لازم آتا ہے، کہ وہ نقیضین کا ارادہ کرنے والا ہے۔'' ساقط عن الاعتبار ہے، اس لیے کہ ان دو چیزوں کو باہم نقیض قرار دیتے ہیں جن کا اجتماع اور ارتفاع محال ہو یا وہ دو چیزیں جن کا باہم جمع ہونا ممکن نہ ہو ان کو ایک دوسرے کی ضد بھی کہتے ہیں، ظاہر ہے کہ زجر و عتاب اس امر کے بارے میں نہیں ہوتا، جو وقوع پذیر ہو چکا ہو، اور اس کا ارادہ بھی کر لیا گیا ہو، بخلاف ازیں زجر کی حیثیت ماضی کے اعتبار سے سزا کی ہوتی ہے اور مستقبل کے لحاظ سے زجر و توبیخ کی، جو زجر اس کے حسب ارادہ ہوتا ہے، اگر اس سے امر مقصود حاصل ہو جائے تو اس سے صرف زجر مراد ہوتا ہے، اور اگر مقصود حاصل نہ ہو تو یہ زجر کامل نہیں، جس طرح کسی کو تلوار مارنے کا ارادہ کیا جاتا ہے اور کسی کو زندہ رکھنے کا، اور جس طرح اس مہلک مرض کا ارادہ کیا جاتا ہے جو بعض اوقات موت کا باعث بنتا ہے اور اس سے زندگی کا ارادہ بھی کیا جاتا ہے۔

---

[1] سنن ترمذی، کتاب الطب، باب ما جاء فی الرقی والادویة (حدیث: ۲۰٦٥، ۲۱٤۸)، سنن ابن ماجة، کتاب الطب۔ باب ما انزل الله داءِ الا انزل له شفاء (حدیث: ۳٤۳۷)

شیعہ مصنف رقم طراز ہے۔

’’یہ بات قبل ازیں بیان کی جا چکی ہے کہ ہمارے افعال ہماری جانب منسوب کیے جاتے، اور ہمارے ارادے کے مطابق وقوع پذیر ہوتے ہیں، چنانچہ جب ہم دائیں جانب حرکت کرنا چاہتے ہیں تو وہ بائیں جانب واقع نہیں ہوتی اور اگر بائیں جانب حرکت کرنا مقصود ہوتو دائیں طرف حرکت نہیں کرتے، یہ ایسی مسلمہ حقیقت ہے کہ اس میں کسی شک وریب کی گنجائش نہیں۔‘‘

اس کا جواب یہ ہے کہ بلاشبہ جمہور اہل سنت یہی عقیدہ رکھتے ہیں، ہمارے افعال کی نسبت ہماری طرف کی جاتی ہے، اور ہم ہی ان کو عالم وجود میں لاتے ہیں، قرآن کی نصوص کثیرہ سے یہ حقیقت الم نشرح ہوتی ہے، اس ضمن میں یہ امر محتاج غور وفکر ہے کہ بندہ پہلے فاعل اور ارادہ کنندہ نہ تھا بعد میں اس وصف سے بہرہ ور ہوا، بنابریں اس کا ایک امر حادث ہونا اظہر من الشّمس ہے، اب دو ہی صورتیں ہیں:

۱۔ اس کا کوئی محدث ہوگا۔

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی اس کا محدث نہیں۔

بصورت ثانی حوادث کا ظہور بلاکسی محدث کے لازم آتا ہے، بصورت اول وہ محدث یا تو بندہ خود ہوگا، یا ذات باری تعالیٰ، اگر بندہ کو محدث قرار دیا جائے تو پھر اس کا اور بھی کوئی محدث ہوگا، جس کا نتیجہ تسلسل کی صورت میں رونما ہوگا، جو کہ باطل ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ بندہ نیست سے ہست ہوا ہے، لہٰذا اس کے ساتھ ایسے حوادث کا قیام ممکن نہیں جن کا نقطۂ آغاز معلوم نہ ہو، مندرجہ بالا بیان سے یہ حقیقت اجاگر ہوتی ہے کہ بندے کا مرید و فاعل ہونا ذات باری تعالیٰ کا رہین منت ہے، اسی لیے اہل سنت کہتے ہیں، کہ بندہ فاعل ہے اور اللہ نے اسے فاعل بنایا ہے، بندہ صاحب ارادہ ہے اور اللہ نے اسے صاحب ارادہ بنایا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّا اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ﴾ (تکویر: ۸۱/۲۹)

’’اور تم نہیں چاہتے، مگر یہ کہ اللہ چاہے۔‘‘

نیز ارشاد فرمایا:

﴿ رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوةِ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ ﴾ (ابرھیم: ۱۴/ ۴۰)

’’اے میرے رب مجھے نماز کا پابند بنالے اور میری اولاد کو بھی۔‘‘

بندے کا ارادہ مشیت ایزدی کے تابع ہے:

سابق الذکر بیانات اس حقیقت کے آئینہ دار ہیں کہ بندے کا ارادہ اپنی جگہ پر درست ہے مگر مشیت ایزدی کے بغیر وقوع پذیر نہیں ہوتا، جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ بندے کا ارادہ کسی علت کا محتاج نہیں اس کا قول بے حقیقت ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ارادہ ایک حادث چیز ہے، لہٰذا اس کے لیے ایک محدث کا وجود از بس ناگزیر ہے جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بلا سبب اور کسی محل کے بغیر ارادہ کو عالم وجود میں لاتا ہے، وہ تین محالات کا ارتکاب کرتے ہیں۔

۱۔ حادث کا خداوندی ارادہ کے بغیر وجود میں آنا۔

۲۔ کسی سبب کے بغیر حادث کا ظہور پذیر ہونا۔

۳۔ صفت کا قیام بلا محل۔

اگر سوال کیا جائے کہ جب بندہ اپنے ارادہ کی تکمیل خود کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کا محدث کیوں کر ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارادہ کو جنم دیا، بایں وہ اس کا محدث ہے، بندہ ارادے کا فاعل ہے کیونکہ اس نے اللہ کی ودیعت کردہ قدرت و مشیت سے اس ارادہ کی تکمیل کی، یہ دونوں احداث ایک دوسرے کو مستلزم ہیں، اللہ تعالیٰ کا بندے کے فعل کو پیدا کرنا وجود فعل کو مستلزم ہے اور بندے کا فاعل ہونا اس امر کو مستلزم ہے کہ رب تعالیٰ اس کا خالق ہے۔

شیعہ مصنف لکھتا ہے۔

قرآن کریم میں اکثر افعال انسانی کو بنی نوع انسان کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴾ (النحل: ۱۶/ ۳۲)

’’جنت میں داخل ہو کیونکہ تم نیک کام کیا کرتے تھے۔‘‘

نیز ارشاد فرمایا:

﴿ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ﴾ (جاثیة: ۴۵/ ۱۵)

’’جو شخص نیک کام کرے گا وہ اپنے لیے کرے گا اور جو کوئی برائی کرے گا اس کا وبال

اسی پر ہوگا۔‘‘

اس ضمن میں شیعہ مصنف نے متعدد آیات نقل کی ہیں۔

انسانی افعال اور مشیت ایزدی:

ہم جواباً کہیں گے کہ قرآن حکیم میں یہ ٹھیک ہے کہ انسانی افعال کی نسبت بنی نوع آدم کی طرف کی گئی ہے، مگر قرآن میں ایسی آیات کی بھی کمی نہیں جن سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ انسانی افعال مشیت ایزدی سے وجود میں آتے ہیں، حسب ذیل آیات ملاحظہ فرمائیں:

﴿ وَلَوْشَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا﴾ (البقرة: ٢/٢٥٣)

’’اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو وہ نہ لڑتے۔‘‘

﴿ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اَشْرَكُوْا﴾ (الانعام: ٦/١٧٠)

’’اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو وہ شرک نہ کرتے۔‘‘

﴿ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ﴾ (انعام: ٦/١٢٥)

’’اللہ تعالیٰ جس کو ہدایت دینا چاہتا ہے اس کے سینے کو کھول دیتا ہے۔‘‘

﴿ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا﴾ (البقرة: ٢/٢٦)

’’وہ اس (قرآن) کے ساتھ بہت سے لوگوں کو گمراہ کرتا اور بہت سے لوگوں کو ہدایت دیتا ہے۔‘‘

﴿ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ﴾ (الانفال: ٨/٢٤)

’’خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ آدمی اور اس کے دل میں حائل ہو جاتا ہے۔‘‘

شیعہ مضمون نگار لکھتا ہے:

’’ہمارے مخالفین کا قول ہے کہ صاحب قدرت کے ہر دو مقدور میں سے بلا مرجّح کسی کو ترجیح نہیں دی جاسکتی، ظاہر ہے کہ ترجیح دینے کی صورت میں فعل واجب ہو جاتا ہے، اور قدرت باقی نہیں رہتی، علاوہ ازیں اس سے لازم آتا ہے، کہ بندہ اللہ کا شریک ہو۔‘‘

پہلے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ یہ خدائے قادر سے مقابلہ کرنے والی بات ہے، اگر قدرت مرجّح کی محتاج ہو اور مرجّح سے نتیجہ کا ظہور وقوع واجب ہو جاتا ہو تو اس سے اللہ تعالیٰ کا مختار نہیں بلکہ موجب ہونا لازم آتا ہے، جس کا نتیجہ کفر کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ بندے کو مقہور و معدوم کرنے پر قادر ہے تو اس کے شریک ہونے کا احتمال کیوں کر پیدا ہو گیا؟

آیت قرآنی ’’ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ‘‘ کا جواب یہ ہے کہ اس میں ان بتوں کی جانب اشارہ کیا گیا ہے جن کو وہ خود ہی گھڑا کرتے تھے، ان بتوں کی مذمت میں فرمایا:

﴿ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ﴾

(صافات: ۳۷/۹۵۔ ۹۶)

’’کیا تم ان کو پوجتے ہو جن کو خود ہی گھڑ لیتے ہو، حالانکہ تم کو اور تمہارے اعمال کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔‘‘

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

شیعہ مصنف نے قائلین تقدیر کے صرف چند دلائل بیان کیے ہیں، بایں ہمہ تین دلائل کا شیعہ کے پاس کوئی صحیح جواب نہیں۔

پہلی دلیل کے معقول ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جو شخص یہ دلیل پیش کرتا ہے، وہ یہ نہیں کہتا کہ جب فعل واجب ہو جاتا ہے تو قدرت باقی نہیں رہتی، اس کے برخلاف عام اہل سنت کا قول ہے کہ بندے میں قدرت پائی جاتی ہے، اس کی حد یہ ہے کہ جبریہ بھی اسے تسلیم کرتے ہیں، البتہ جبریہ کہتے ہیں کہ یہ قدرت موثر نہیں ہوتی، ہم قبل ازیں واضح کر چکے ہیں کہ قدرت اسی طرح مؤثر ہوتی ہے جیسے اسباب اپنے مسببات پر اثر انداز ہوتے ہیں، البتہ قدرت میں خلق و ابداع کی تاثیر نہیں ہوتی۔

علاوہ ازیں اس امر سے بھی مذکورہ بالا دلیل کی تائید ہوتی ہے، کہ صاحب قدرت کا مقدور کسی مرجّح کے بغیر ترجیح نہیں پا سکتا، یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ یہ مرجّح بندے میں نہیں پایا جاتا، لہٰذا اس کا من جانب اللہ ہونا متعین ہوا، یہ بھی ظاہر ہے کہ مرجّح تام کے موجود ہونے کی صورت میں فعل کا پایا جانا ضروری اور اس کا عدم وجود ممتنع ہوتا ہے، اس لیے کہ اگر مرجّح کے پائے جانے کے بعد بھی فعل کا وجود و عدم مساوی ہو جیسا کہ وجود مرجح سے قبل تھا تو وہ فعل ممکن ٹھہرے گا اور ممکن کے وجود اسی صورت میں عدم کے مقابلہ میں راجح ہوتا ہے جب کوئی مرجّح تام پایا جاتا ہو۔

شیعہ مصنف کا یہ قول کہ اس سے فعل خداوندی کے ساتھ معارضہ لازم آتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ عقلی و یقینی دلیل ہے اور یقینیات کا معارضہ ممکن نہیں، مزید برآں قدرت ربانی مرجّح کی محتاج

ہے، ظاہر ہے کہ مرجح صرف اللہ کا ارادہ ہی ہوسکتا ہے، یہ امر بھی مسلم ہے کہ ارادہ الٰہی کا صدور غیر سے ممکن نہیں بخلاف بندے کے ارادہ کے کہ وہ غیر سے صادر ہوسکتا ہے، جب ارادہ الٰہی مرجّح ہوا تو فاعل بالاختیار ہوگا، نہ کہ موجب بالذات بلا اختیار۔ اندریں صورت کفر بھی لازم نہیں آئے گا۔

کیا اللہ تعالیٰ موجب بذاتہٖ ہے......؟:

شیعہ مصنف کا یہ قول کہ ’’اس سے اللہ تعالیٰ کا موجب بالذات ہونا لازم آتا ہے، ہم پوچھتے ہیں کہ اس سے تمہاری کیا مراد ہے؟ کیا تمہارا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بلا قدرت وارادہ تاثیر پیدا کر دیتا ہے؟ یا تمہارا مقصد یہ ہے کہ مرجّح یعنی ارادہ مع القدرت کے ساتھ تاثیر کا پیدا ہوجانا ناگزیز ہوجاتا ہے، بصورت اول ہم تلازم کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں، اس لیے کہ ہم فرض کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ صاحب قدرت اور ترجیح دینے والا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ یہاں دو چیزیں ہیں:

۱۔ قدرت

۲۔ دوسری چیز کو ہم ارادہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

پھر یہ کہنا کیوں کر درست ہے کہ اللہ تعالیٰ قدرت وارادہ کے بغیر ترجیح دینے والا ہے؟

اور اگر شیعہ مضمون نگار کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ ارادہ مع القدرت کے پائے جانے کی صورت میں نتیجہ کا ظہور ایک لابدی امر ہے تو یہ ایک حق بات ہے اور سب اہل اسلام اس کے قائل ہیں، اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ اللہ تعالیٰ جس چیز کو عالم وجود میں لانا چاہتے ہیں وہ اس کی قدرت ومشیت کے مطابق ظہور پذیر ہوجاتی ہے، بعینہٖ اسی طرح جس چیز کا وجود ذات باری کو پسند نہیں ہوتا وہ اس کی مشیت وقدرت کے نہ ہونے کی بنا پر عالم وجود میں نہیں آتی، پہلی قسم مشیت ایزدی کے باعث واجب اور دوسری عدم مشیت کی وجہ سے ممتنع ہوتی ہے۔

قدریہ (منکرین تقدیر) کا یہ قول کہ اللہ تعالیٰ بعض اشیاء کو چاہتے ہیں مگر وہ وجود پذیر نہیں ہوتیں اور بعض اشیاء اس کے مشیت کے بغیر ظہور میں آجاتی ہیں، صریح ضلالت کا آئینہ دار ہے، اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کو پیدا کرنا چاہتے ہیں تو وہ دو حال سے خالی نہیں:

۱۔ اس کا وجود میں آنا واجب ہو۔

۲۔ دوسرا یہ کہ اس کا ظہور پذیر ہونا ضروری نہ ہو۔

بصورت اول مطلوب حاصل ہوگیا اور مرجّح کے ہوتے ہوئے اثر ونتیجہ بھی رونما ہوگیا، خواہ اس

کا نام موجب بالذات رکھا جائے، یا کچھ اور، بصورت ثانی اس چیز کا وجود واجب نہیں لہٰذا وہ ممکن ہوئی جس کا وجود وعدم مساوی ہے اور جس کے لیے کسی مرجّح کا ہونا ازبس ضروری ہے، علی ہذا القیاس۔

مزید برآں ہم شیعہ قلمکار سے کہیں گے کہ تم نے جو عقلی دلیل بایں طور پیش کی ہے کہ بندہ کے اختیاری افعال اسی کی جانب منسوب کیے جاتے ہیں، اور اسی کے حسب اختیار وقوع میں آتے ہیں ان افعال سے چکنا چور ہو جاتی ہے، جن کو بندہ انجام نہیں دیتا، مثلاً انسان اپنی صواب دید کے مطابق اپنے کپڑے کو رنگتا ہے، اور اس کو انسان کی صنعت شمار کیا جاتا ہے حالانکہ رنگ اس کا پیدا کردہ نہیں اسی طرح کھیتی باڑی اور درخت بعض اوقات انسان اپنی مرضی سے بوتا ہے اور اس فعل کو انسان کی جانب منسوب کیا جاتا ہے، حالانکہ اگانا اس کا کام نہیں ہے، اس بیان سے یہ حقیقت منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوتی ہے، کہ جو چیز انسان کی طرح منسوب ہو اور اس کے حسب مرضی وقوع پذیر ہو یہ ضروری نہیں کہ اس کی پیدا کردہ ہو، یہ عقلی معارضہ ہے۔

باقی رہا شیعہ مضمون نگار کا یہ قول کہ ''اس میں شرک کیسے پیدا ہو گیا'' تو اس کا جواب یہ ہے کہ حوادث کا بلا قدرت خداوندی پیدا ہو جانا ہی بہت بڑا شرک ہے، یہی وجہ ہے کہ منکرین تقدیر کو مجوس کے مماثل قرار دیا گیا ہے، جو خیر وشر کے دو الگ الگ خالق تسلیم کر کے شرک کے مرتکب ہوتے ہیں، سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

''توحید کی شیرازہ بندی عقیدہ تقدیر سے ہوتی ہے۔''[1]

قدریہ کا نقطۂ نگاہ نہ صرف شرک بلکہ صفات الٰہی کے انکار کو بھی مستلزم ہے، اس عقیدہ کو تسلیم کرنے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ بعض حوادث کسی خالق کے بغیر از خود پیدا ہو جاتے ہیں۔

نیز یہ کہ اللہ کے سوا کوئی اور فاعل مستقل بھی موجود ہے، یہ دونوں کفر کی شاخیں ہیں، اس لیے کہ ہر کفر کی جڑ تعطیل وشرک کے تخم سے جنم لیتی ہے، فلاسفہ بھی اسی زعم فاسد میں مبتلا ہیں کہ افلاک فاعل مستقل ہیں اور وہ حوادث ارضی کو جنم دیتے ہیں مگر تعجب ہے کہ وہ قدریہ کے اس قول کو تسلیم نہیں کرتے کہ ''اللہ تعالیٰ اس عالم ارضی کو پیدا کرنے سے قبل بیکار تھا'' فلاسفہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پہلے بھی افعال سے معلل رہا ہے اور بدستور اسی حالت پر قائم ہے، جو چیزیں لوازم ذات میں داخل ہیں،

---

[1] السنة لعبد اللّٰه بن احمد (٩٢٥)، الشريعة للآجری(ص:٢٢٦،ح:٤٥٦،٤٥٧)، وسنده ضعيف لجهالة الراوی

مثلاً عقل و فلک یہ اس کا فعل نہیں، کیونکہ فعل کا ظہور تدریجی طور پر ہوتا ہے، جو چیز ذات کے لوازم میں سے ہو وہ صفات کے قبیل سے ہوتی ہے، مثلاً انسان کا رنگ اور درازی قد ظاہر ہے کہ یہ اس کا فعل نہیں، بخلاف ازیں اس کی حرکات کو اس کا فعل قرار دے سکتے ہیں، اگرچہ یہ حرکات بھی اس کے لیے مقدر تھیں۔

نفس انسانی کے بارے میں بھی یہی کہا جاتا ہے، کہ اس میں مختلف تبدیلیاں رونما ہوتی رہی ہیں، دل میں جو تغیرات رونما ہوتے ہیں، وہ ہنڈیا کی اس حالت سے بھی بڑھ کر ہوتے ہیں جب وہ جوش و خروش کا پیکر بنی ہوئی ہوتی ہے۔

فاعل کی تعریف:

خلاصہ کلام! فاعل دراصل وہ ہے جس کے ساتھ کوئی فعل وابستہ ہو اور اس فعل کا ظہور اس سے تدریجاً ہو، بخلاف ازیں جس کے ساتھ کوئی وصف ازل ہی سے مقارن چلا آ رہا ہو وہ وصف اس کا فعل نہیں، اس سے یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے، کہ فلاسفہ اصلاً اللہ کے لیے کسی فعل کا اثبات کرتے ہی نہیں اور بایں طور پر وہ اصلی معطلہ ہیں، ارسطو اور اس کے اتباع صرف علت اولیٰ کے قائل ہیں، اور وہ بھی اس لیے کہ وہ حرکت افلاک کی علت غائی ہے، ان کا زاویہ نگاہ یہ ہے کہ حرکت فلک انسانی حرکت کی طرح اختیاری ہے، لہٰذا اس کے لیے کسی مراد و مطلوب کا وجود ناگزیر ہے، وہ کہتے ہیں کہ افلاک کی حرکت علت اولیٰ کے ساتھ تماثل و تشابہ کی رہین احسان ہے، ان کے استدلال کی انتہا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ وجود عالم کی شرط ہے اور وہ عالم کو اسی طرح متحرک رکھتا ہے، جیسے معشوق عاشق کو، اس کو ایک مثال کے ذریعہ ذہن نشین کر سکتے ہیں، مثلاً ایک شخص لذیذ کھانے کو دیکھ کر اس کی طرف ہاتھ بڑھائے یا محبّ محبوب کو دیکھ اس کی طرف حرکت کرے، ظاہر ہے کہ دونوں مثالوں میں حرکت کی علت لذیذ کھانا اور محبوب کا وجود ہے۔

مندرجہ بالا بیان اس حقیقت کی غمازی کرتا ہے کہ فلاسفہ کے نزدیک حرکت افلاک کا محدث و خالق فلک کے سوا اور کوئی نہیں، جس طرح قدریہ کے نزدیک حیوان کے افعال کا خالق بھی حیوان ہی ہے، بنا بریں فلاسفہ کے نزدیک فلک ایک بڑے حیوان کی حیثیت رکھتا ہے، اس سے واضح ہوا کہ فلاسفہ جملہ حوادث عالم کے بارے میں قدریہ کے ہم نوا ہیں اور بنا بریں شر و فساد کی جڑ ہیں، فلاسفہ قدریہ کی طرح حوادث کو جسمانی طبائع کی جانب منسوب کرتے ہیں اور ان کے خالق و موجد کو تسلیم

نہیں کرتے، زیادہ سے زیادہ وہ خلاق کائنات کو وجود عالم کی شرط قرار دیتے ہیں۔

فلاسفہ کی جہالت وضلالت:

بعض فلاسفہ فلک کو واجب الوجود ٹھہراتے مگر اس کے لیے ایک علت غائی یا علت فاعلی کا اثبات کرتے ہیں جس کی عند التحقیق کوئی حقیقت نہیں، اس سے یہ حقیقت ابھر کر سامنے آتی ہے، کہ فلاسفہ ذات باری کے متعلق جاہل مطلق ہیں اور انہیں اللہ کی ہستی کا کچھ علم نہیں، فلاسفہ میں سے کچھ لوگ بعض مذاہب کی طرف منسوب ہیں مثلاً فارابی، ابن سینا، موسیٰ بن میمون یہودی اور یحییٰ بن عدی عیسائی یہ الحاد و دہریت کے ساتھ ساتھ فہم وفراست سے بیگانہ اور ارسطو کے اتباع سے بھی گئے گزرے ہیں، لطف یہ ہے کہ بعض متکلمین ان کے زمرہ میں شامل ہو کر توحید باری اور اسماء وصفات الٰہی کے اثبات جیسے اسلامی عقائد کو چھوڑ بیٹھے یہ لوگ صرف توحید ربوبیت کو تسلیم کرتے ہیں، توحید ربوبیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ورب ہے ظاہر ہے کہ مشرکین بھی اس توحید کے قائل تھے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ﴾ (زخرف: ۴۳/۸۷)

''اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ انھیں کس نے پیدا کیا ہے تو وہ کہیں گے کہ اللہ نے۔''

ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ﴾

''ان میں سے اکثر بحالت شرک اللہ پر ایمان لاتے ہیں۔'' (یوسف: ۱۲/ ۱۰۶)

جو توحید بندوں سے مطلوب ہے دراصل وہ توحید الوہیت ہے جس میں توحید ربوبیت بھی داخل ہے، توحید خداوندی کا مطلب یہ ہے کہ صرف اسی کی عبادت کی جائے، اسی سے ڈرا جائے اور اسی کو پکارا جائے، عبادت کے معنی ہیں انتہائی عجز و نیاز، ذات ربانی کے لیے صفات کمال کا اثبات اور اس کے لیے اخلاص نیت توحید میں داخل ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَمَا اُمِرُوْا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ﴾

(البینة: ۹۸/ ۵)

''انہیں تو صرف اس بات کا حکم دیا گیا تھا کہ خلوص نیت سے اس کی عبادت بجا لائیں۔''

دو چیزیں شرک کی اصل و اساس ہیں:

۱۔ تعطیل (باری تعالیٰ کو صفات کمال سے عاری قرار دینا) فرعون اور نمرود تعطیل کا عقیدہ رکھتے تھے۔
۲۔ صفات باری میں دوسروں کو شریک قرار دینا، یہ عقیدہ امم و اقوام میں تعطیل کی نسبت زیادہ پایا جاتا ہے، اہل شرک ہمیشہ انبیاء کے خلاف برسر پیکار رہے ہیں، سیدنا محمد ﷺ اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے مخالفین میں دونوں فریق پائے جاتے تھے، معطلہ بھی اور مشرکین بھی، تعطیل ذات کا عقیدہ تعطیل صفات کی نسبت کم رائج ہوا، تعطیل صفات کا نظریہ تعطیل ذات کو مستلزم ہے، تعطیل صفات کے قائل واجب الوجود کو ان صفات سے متصف کرتے ہیں جو ممتنع الوجود کا خاصہ ہیں۔

یہ امر قابل غور ہے کہ سلف صالحین میں سے جو شخص رسول اللہ ﷺ صحابہ و تابعین کرام سے جتنا بھی زیادہ قریب تھا، وہ اسی قدر توحید و ایمان، اور عقل و عرفان سے قریب تر تھا، اور جو شخص ان سے جتنا بھی زیادہ دور تھا وہ اسی قدر ان اوصاف سے بعید تر تھا، بنا بریں متکلمین میں سے جو لوگ متاخر تھے، اور جنھوں نے علم الکلام کو فلسفہ سے گڈ مڈ کر دیا، مثلاً امام رازی، علامہ آمدی اور ان کے نظائر و امثال یہ لوگ اثبات توحید و صفات کمال میں امام جوینی سے کم درجہ کے تھے، علی ہذا القیاس اس ضمن میں امام جوینی، قاضی ابوبکر، ابن الطیب اور ان کے معاصرین سے فروتر درجہ کے تھے، اور یہ لوگ کسی طرح بھی امام ابوالحسن اشعری کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتے۔ [1]

---

[1] متکلمین کے احوال و کوائف سے واقفیت رکھنے والا ہر شخص دو حقیقتوں سے کلیۃً آگاہ ہے:

۱۔ پہلی بات یہ ہے کہ متکلمین اسلامی حقائق کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھنے والوں کے مقابلہ میں کلامی فلسفہ کے اسالیب کو ایک شرعی ضرورت تصور کیا کرتے تھے، البتہ عرصہ دراز تک اسے جاری رکھنے کی بنا پر وہ ان اسالیب و اطوار کے خوگر ہو گئے تھے۔

۲۔ دوسری حقیقت یہ ہے کہ آگے چل کر جب ان میں پختگی کے آثار پیدا ہوئے تو نور الٰہی کی بدولت ان پر یہ حقیقت آشکار ہوئی کہ ان کلامی مباحث سے فائدہ کم اور نقصان زیادہ لاحق ہو رہا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں ان اسالیب کو ترک کرنے کا میلان پیدا ہوا، اور وہ عقائد میں سلف صالحین کی پیروی کرنے لگے۔

ہم قبل ازیں امام جوینی کی کتاب ''الرسالۃ النظامیۃ'' کے حوالہ سے بیان کر چکے ہیں، کہ جب ابو جعفر ہمدانی نے علو کے موضوع پر آپ سے تبادلہ افکار کیا تو امام جوینی طریق سلف کی جانب لوٹ آئے تھے، اس سے بھی عمدہ ترین واقعہ یہ ہے جو امام اشعری کو ان کی زندگی کے دور ثالث میں پیش آیا اور اسی پر ان کی زندگی کا خاتمہ ہو گیا، یہ واقعہ ان کی تصنیف ''کتاب الابانۃ'' میں مذکور ہے جو ان کی آخری کتاب ہے۔ (شذرات الذہب: ۲/ ۳۰۳ نیز مجلۃ الازہر، م: ۲۶/ ۳۱۔ ۳۳)

جب کہ امام اشعری کا درجہ ابومحمد بن کلاب سے نیچے ہے اور ابن کلاب اس ضمن میں ائمہ سلف کی ہم سری کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ متکلمین میں سے جو لوگ تقدیر کے قائل ہیں وہ منکرین تقدیر معتزلہ و شیعہ کی نسبت اثبات توحید وصفات کمال میں ان سے کہیں بہتر ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ قائلین تقدیر باری تعالیٰ کے لیے کمال قدرت، کمال مشیت، کمال خلق اور اس کے منفرد ہونے کا اثبات کرتے اور کہتے ہیں کہ وہ تنہا تمام اعیان و اعراض کا خالق ہے، یہی وجہ ہے کہ ان کی رائے میں قوت اختراع اللہ تعالیٰ کی خصوصی صفت ہے، حقیقت یہ ہے کہ قدرت اختراع اللہ تعالیٰ کے جملہ خصائص میں سے ایک ہے اور صرف یہی صفت اس کی خصوصی صفت نہیں، بخلاف ازیں تقدیر کا انکار کرنے والے شیعہ و معتزلہ حیوان کے احوال کو اللہ کی مخلوق قرار نہیں دیتے، دراصل ان کے نزدیک ان حوادث کا کوئی بھی خالق نہیں، بلکہ ان کو انجام دینے والے اللہ کے شریک ہیں، متاخرین قدریہ میں سے بہت سے لوگ بندوں کو ان کا خالق قرار دیتے ہیں، البتہ متقدمین قدریہ اس سے احتراز کرتے تھے۔

شیخ الاسلام نے اس مقام پر بڑی طویل بحث کی ہے اور منطقیانہ انداز میں بڑے دقیق مباحث چھیڑ دیے ہیں۔قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ لَوْ كَانَ فِيهِمَا اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ﴾ (انبیاء: ۲۱/ ۲۲)

''اگر زمین و آسمان میں اللہ کے سوا اور بھی معبود ہوتے ہیں تو ان میں فساد پیدا ہو جاتا۔''

برہان تمانع:

شیخ الاسلام نے آیت نقل کر کے اس میں برہان تمانع کا ذکر کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اس عالم ارضی کے دو صانع ہوتے تو ان میں سے ایک کسی بات کا ارادہ کرتا تو دوسرا اس کی مخالفت کرتا، مثلاً ایک چاہتا کہ آفتاب مشرق سے طلوع ہو اور دوسرا چاہتا کہ مغرب سے، ظاہر ہے کہ دونوں کا ارادہ پورا نہیں ہوسکتا، اس لیے کہ یہ جمع بین الضدین ہے، بنا بریں جس کی بات پوری نہ ہوگی، وہ رب نہیں ہوسکتا، بعینہ اسی طرح دونوں خداؤں میں سے ایک جب کسی چیز کو حرکت دینا چاہے اور دوسرا اسی چیز کو ساکن کرنا چاہے تو بھی یہی صورت ہوگی۔

اگر سوال کیا جائے کہ دونوں خداؤں کے ارادے باہم متحد بھی ہو سکتے ہیں، تو ہم اس کے

جواب میں کہیں گے کہ دو رب فرض کرنے کی صورت میں یا تو ان میں سے ہر ایک بذات خود قادر ہوگا یا دوسرے کے ساتھ ملے بغیر قدرت سے بہرہ ور نہ ہوگا، بصورت ثانی وہ ممتنع لذاتہٖ ہوگا، نیز اس سے علت و فاعل دونوں میں دور لازم آئے گا، اس کی وجہ اس امر کا امکان ہے کہ دونوں میں سے ہر ایک نے دوسرے کو قادر بنایا ہو، یہ بات مسلم ہے کہ دونوں خداؤں میں سے ہر ایک اسی صورت فاعل ہوسکتا ہے جب وہ قدرت سے بہرہ ور ہو، جب دونوں میں سے ہر ایک نے دوسرے کو قادر بنایا ہو تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہر ایک نے دوسرے کو فاعل بھی بنایا یعنی رب ہونے میں اس کی مدد کی، ظاہر ہے کہ جب دونوں رب واجب وقدیم تھے تو وہ ایک دوسرے کے محتاج کیوں کر ہوئے، یہ بداہۃً ممتنع ہے۔

کیا رؤیت باری تعالیٰ ممکن ہے؟:

شیعہ مضمون نگار لکھتا ہے۔

''اشاعرہ کا زاویہ نگاہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مجرد عن الجہات ہونے کے باوصف آنکھوں سے دیکھا جاسکتا ہے، حالانکہ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ ﴾ (الانعام: ۱۰۳/۶)

''آنکھیں اس کا ادراک نہیں کرسکتیں۔''

اشاعرہ اس بدیہی بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ آنکھ سے صرف اس چیز کا ادراک کرنا ممکن ہوتا ہے جو بالکل سامنے ہو یا اس کے حکم میں ہو۔

اشاعرہ کہتے ہیں ممکن ہے کہ ہمارے سامنے رنگا رنگ کے بلند پہاڑ کھڑے ہوں اور ہم انہیں دیکھ نہ سکیں، ہر طرف سے مہیب آوازیں آرہی ہوں، اور ہم انہیں سن نہ سکیں یا کثیر التعداد عساکر برسر پیکار ہوں مگر ہم ان کی صور و حرکات کو دیکھنے سے قاصر رہیں اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ ہم دور افتادہ مغرب میں اقامت پذیر ہونے کے باوصف مشرق کے ایک ذرہ تک کو ملاحظہ کرسکیں، یہ ایک زبردست مغالطہ ہے۔''

اس کا جواب یہ ہے کہ ائمہ سلف آخرت میں رؤیت خداوندی کے قائل ہیں، احادیث متواترہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، جمہور قائلین رویت کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بروز قیامت اسی طرح دیکھیں گے جیسے آمنے سامنے کسی چیز کا مشاہدہ کیا جاتا ہے اور جس طرح دیکھنا عقلاً معروف ہے۔

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''تم بروز قیامت اسی طرح دیدار الٰہی سے مشرف ہوگے جس طرح تم آفتاب کو دیکھتے ہو اور لوگوں کی بھیڑ دیکھنے سے مانع نہیں ہوتی'' [1] ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ جیسے تم مطلع صاف ہونے کی صورت میں شمس وقمر کو دیکھتے ہو۔''

دوسری روایت میں فرمایا:

جب مطلع صاف ہو تو آفتاب و ماہتاب کو دیکھتے وقت کیا لوگوں کی بھیڑ مانع ہوتی ہے؟
لوگوں نے کہا: نہیں فرمایا'' تم اپنے رب کو اسی طرح دیکھو گے جس طرح شمس وقمر کو دیکھتے ہو۔'' [2]

جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ روبرو ہونے کے بغیر بھی اللہ تعالیٰ کو دیکھ سکتے ہیں ان کا نقطۂ نگاہ یہ ہے کہ ذات باری فوق العالم نہیں، چونکہ وہ ذات باری کے لیے رؤیت کا اثبات اور علو کی نفی کرتے ہیں، بنا بریں اس امر کی ضرورت لاحق ہوئی کہ دونوں مسئلوں میں تطبیق دے کر یہ ثابت کریں کہ ان میں تضاد نہیں ہے، اشاعرہ کی ایک جماعت بھی یہی نظریہ رکھتی ہے، اشاعرہ کے ائمہ اللہ تعالیٰ کو فوق العرش تسلیم کرتے ہیں، بخلاف ازیں معتزلہ فوقیت و رؤیت کسی کو بھی نہیں مانتے، جب ہم ذات باری کا تذکرہ کرتے ہوئے معتزلہ سے یہ کہتے ہیں کہ نہ اس کی جانب اشارہ کیا جا سکتا ہے، نہ اس کی طرف کوئی چیز چڑھتی اور نہ اس کی جانب سے کوئی چیز اترتی ہے، نہ وہ عالم ارضی کے اندر داخل ہے اور نہ اس سے خارج، اس کی طرف ہاتھ بھی نہیں اٹھائے جا سکتے تو معتزلہ ان سب باتوں سے انکار کر دیتے ہیں، اس کے عین برخلاف اشاعرہ یہاں تک کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے سامنے ایسے اجسام واصوات پیدا کرنے پر بھی قدرت رکھتا ہے جن کو دیکھنے سے ہم قاصر ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ ہمیں دور افتادہ ذرات دکھانے پر بھی قادر ہے، اشاعرہ یہ نہیں کہتے کہ ایسا وقوع پذیر بھی ہوتا ہے، یا

---

[1] صحیح بخاری۔ کتاب التوحید۔ باب قول الله تعالیٰ ﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ......﴾ (حدیث:۷۴۳۴) لیکن اس میں سورج کے بجائے قمر کا ذکر ہے۔ واللہ اعلم

[2] صحیح بخاری کتاب التوحید باب قول الله تعالیٰ ﴿وُجُوه يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَة......﴾ (حدیث:۷۴۳۹) واللفظ له۔ صحیح مسلم۔ کتاب الایمان۔ باب معرفة طریق الرؤیة (حدیث:۱۸۳)

نہیں صرف قدرت باری کا اعتراف کرتے ہیں کہ کسی چیز کے وقوع کا جواز اس کے ظہور پذیر ہونے میں شکوک وشبہات کا اظہار کرنے سے ایک جداگانہ چیز ہے۔

شیعہ مصنف لکھتا ہے۔

اشاعرہ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی ازل سے وابستہ ہیں، یہ احکام اس نے جب صادر فرمائے تو مخلوقات میں سے کوئی بھی موجود نہ تھا چنانچہ:

﴿ يَا اَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ﴾

نیز:

﴿ يَا اَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ ﴾

وغیرہ سب احکام اسی زمانہ کے دیے ہوئے ہیں، اگر کوئی شخص تنہا بیٹھا ہو، کوئی غلام اس کے پاس نہ ہو اور وہ یوں کہے کہ ''اے فلاں اٹھ'' یا ''اے فلاں کھاؤ'' تو جو شخص یہ الفاظ سنے گا، حیرانی کے عالم میں اس سے پوچھے گا کہ تم کس سے مخاطب ہو، اور اگر وہ اس کے جواب میں کہے کہ میں یہ حکم ان خادموں کو دے رہا ہوں جو ایک سال کے بعد خریدوں گا۔تو ہر شخص اسے احمق تصور کرے گا۔''

فرقہ کلّابیہ کا زاویہ نگاہ:

ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ یہ فرقہ کلابیہ کا نظریہ ہے جو معتزلہ کی طرح قرآن کو مخلوق قرار دیتے ہیں، جو لوگ قرآن کو غیر مخلوق قرار دیتے ہیں، مثلاً کرامیہ، سالمیہ ائمہ سلف اور مذاہب اربعہ کے اہل الحدیث وہ اس نظریہ کے قائل نہیں جس کا تذکرہ شیعہ مضمون نگار نے کیا ہے، اس پر طرہ یہ کہ اکثر شیعہ اور ائمہ اہل بیت بھی یہی عقیدہ رکھتے ہیں، فرقہ کلابیہ اور اشاعرہ نے یہ نظریہ اس لیے اختیار کیا کہ اس مسئلہ کی اصل واساس میں وہ معتزلہ کے ہم نوا ہیں، یہ سب حدوث اجسام کی دلیل کو صحیح تسلیم کرنے میں یک زبان ہیں، یہی وجہ ہے کہ یہ اس چیز کو بھی حادث قرار دیتے ہیں جو حوادث سے خالی نہ ہو، وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جس چیز کے ساتھ حوادث کا قیام ہو وہ حوادث سے خالی نہ ہوگی، جب کہا جاتا ہے، کہ جسم حرکت وسکون سے خالی نہیں ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ازلی سکون ممتنع الزوال ہوتا ہے، اس لیے کہ وہ ازل سے موجود ہے اور جو چیز ازل سے موجود ہو اس کا زوال محال ہوتا ہے، علی ہذا القیاس جو چیز حرکت کو قبول کرسکتی ہے، اور وہ ازلی بھی ہو تو اس کی حرکت بھی ازلی اور ممتنع الزوال ہوگی، ازلی حرکت کو تسلیم کرنے سے یہ لازم آئے گا کہ کچھ ایسے حوادث بھی ہوں جو ازلی ہوں اور ان

کا نقطۂ آغاز معلوم نہ ہو، حالانکہ یہ ممتنع ہے، اس سے یہ لازم آیا کہ ذات باری کے ساتھ حوادث کا قیام ممکن نہیں، علاوہ ازیں انہیں بخوبی معلوم ہے کہ کلام متکلم کے ساتھ اسی طرح وابستہ ہوتا ہے، جس طرح صفت علم کا قیام عالم کے ساتھ ہوتا ہے، اور حرکت کا متحرک کے ساتھ، یہ بھی مسلم ہے کہ جو کلام اللہ تعالیٰ کسی دوسری چیز میں پیدا کر دیتے ہیں وہ اس کا کلام نہیں ہوتا بلکہ وہ اس چیز کا کلام کہلائے گا جس کے ساتھ وہ قائم ہے، جب ان کے نزدیک یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ کلام کا قیام صرف متکلم کے ساتھ ہوتا ہے، اور وہ معتزلہ کی ہم نوائی میں یہ بھی کہتے ہیں کہ حوادث ذات قدیم کے ساتھ قائم نہیں ہو سکتے، تو ان ہر دو قواعد سے کلام کا قدیم ہونا ثابت ہو گیا۔

کیا اصوات قدیم ہیں؟:

اشاعرہ کے نزدیک اصوات کی قدامت ممتنع ہے، وہ اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ صوت (چونکہ عرض ہے اس لیے وہ) زمانوں تک باقی نہیں رہ سکتی، بنا بریں یہ بات متعین ہو گئی ہے، کہ کلام قدیم ایک معنوی چیز ہے اور حرف وصوت سے عبارت نہیں، اندریں صورت وہ ایک ہی صفت سے متصف ہو گا اگر وہ ایک سے بڑھ جائے تو اسے غیر محدود ماننا پڑے گا اور ظاہر ہے کہ غیر متناہی معانی کا وجود ممتنع ہوتا ہے، وہ کہتے ہیں ہم اس بات میں تمہارے ہم خیال ہیں کہ جو چیز اللہ تعالیٰ کی مراد و مقدور ہو وہ اس کی ذات کے ساتھ قائم نہیں ہو سکتی، تاہم ہم یہ بات تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں کہ کلام خداوندی اس کی پیدا کردہ مگر اس سے منفصل ہے، اس سے مناقضہ لازم آیا، اگر کسی طرح جمع و تطبیق ممکن ہو تو تناقض رفع ہو جائے گا، تطبیق ممکن نہ ہونے کی صورت میں دونوں مسئلوں میں سے ایک کو مبنی بر خطا تسلیم کرنا پڑے گا، یہ ضروری نہیں کہ وہی مسئلہ غلط ہو جس میں ہم نے تمہاری مخالفت کی ہے، بخلاف ازیں یہ احتمال بھی موجود ہے کہ جس مسئلہ میں ہم متحد الخیال ہیں وہی درست نہ ہو وہ مسئلہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مشیت وقدرت کے مطابق وہ کلام نہیں کرتا جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہوتا ہے، حالانکہ جمہور اہل الحدیث، متکلمین کرامیہ اور شیعہ سب یہی عقیدہ رکھتے ہیں بالفاظ صحیح تر یوں کہنا چاہیے کہ اکثر اسلامی فرقے اس کے قائل ہیں، جب مجبوراً ہمیں دونوں فرقوں میں سے کسی ایک کے ساتھ ہم آہنگ ہونا پڑا تو ہم اس فرقہ کی موافقت کو پسند کریں گے جس کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے تو بولتا ہے، جو فرقہ یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی اور چیز میں اپنا کلام پیدا کر دیتا ہے، ہم اس کے ہم نوا بننا پسند نہیں کریں گے، اس لیے کہ یہ نظریہ شرعاً وعقلاً فاسد ہے۔

ایک اور طریقہ سے یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ ابھی تک کسی معدوم چیز کو خطاب کا اہل نہیں سمجھا گیا اور کسی چیز سے بشرط وجود مخاطب ہونا اس متکلم کے وجود کو تسلیم کرنے کی نسبت اقرب الی العقل ہے جس کا کلام اس کے ساتھ قائم نہ ہو اور رب ہونے کے باوصف جس سے صفات کمال مسلوب ہوں، اللہ تعالیٰ نے جس عرض کو بھی کسی جسم میں پیدا کیا ہے وہ اس جسم کی صفت ہے خالق کی نہیں، باقی رہا اس چیز سے مخاطب ہونا جو سر دست اگرچہ معدوم ہے تاہم اس کا وجود متوقع ہے تو اس میں شبہ نہیں کہ وصیت کنندہ بعض اوقات کہتا ہے، کہ میری موت کے بعد ایسا کریں ویسا کریں اور جب میرا فلاں بچہ بالغ ہو جائے تو میرا یہ حکم اسے پہنچا دیا جائے، بعض اوقات وہ اپنی جائیداد وقف کرنے کی وصیت کرتا ہے جو عرصہ دراز تک باقی رہتی ہے اور اس نگران کے نام وصیت کر جاتا ہے، جو وصیت کے وقت پیدا بھی نہیں ہوا ہوتا۔

شیعہ مصنف کا یہ قول کہ ''غیر موجود غلام کا نام لے کر پکارنا حماقت کی دلیل ہے۔'' اس کا جواب یہ ہو کہ اگر مالک اسے موجود سمجھ کر پکارے تو اس کی قباحت میں کلام نہیں اور اگر اس کا مقصد یہ ہے کہ وہ اس غلام کو پکار رہا ہے جس کا وجود متوقع ہے، مثلاً وہ یوں کہے کہ مجھے ایک صادق القول شخص نے بتایا ہے کہ میری لونڈی غانم نامی ایک بچہ جنے گی جب وہ بچہ پیدا ہو تو وہ آزاد ہے، میں اپنی اولاد کو بھی اس بات کی وصیت کر جاتا ہوں اور اس پیدا ہونے والے بچے کو فلاں فلاں بات کی وصیت کرتا ہوں یہ وصیت بالکل درست ہے، اس لیے کہ یہ خطاب ایک ایسے بچہ سے ہے جو حاضر فی العلم مگر مشاہدہ کے اعتبار سے غائب ہے۔

انسان بسا اوقات ان لوگوں سے خطاب کرنے کا خوگر ہے جو اس کے حاشیہ خیال میں موجود ہوں اور خارج میں موجود نہ ہوں، تخیل کے اسی عالم میں وہ ذہنی اشخاص سے خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے۔ ''اے فلاں! کیا میں نے تجھ سے فلاں بات نہیں کہی تھی......؟''

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب آپ کا گزر صحرائے کربلا میں ہوا تو آپ نے فرمایا: ''اے ابوعبداللہ (سیدنا حسین رضی اللہ عنہ) صبر کیجئے۔''

اسی طرح سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے خروج دجال کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ''اللہ کے بندو ثابت قدم رہو۔''[1] حالانکہ وہ لوگ ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے تھے، قرآن کریم میں بھی ایسی مثالیں کثرت

---

[1] صحیح مسلم۔ کتاب الفتن۔ باب ذکر الدجال، (حدیث:۲۹۳۷) مطولاً

سے پائی جاتی ہیں، مثلاً اپنی ذات اور ملائکہ کے بارے میں بعض باتیں بصیغۂ ماضی بیان کی ہیں حالانکہ وہ ظہور قیامت کے بعد وقوع پذیر ہوں گے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَنَادٰی اَصْحَابُ الْجَنَّةِ اَصْحَابَ النَّارِ﴾ (اعراف: ۷/ ۴۴)

''اور جنت والے دوزخ والوں کو پکاریں گے۔''

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَقَالُوْا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ﴾ (فاطر: ۳۵/ ۳۴)

''اور وہ کہیں گے اللہ کا شکر ہے جس نے ہم سے غم دور کر دیا۔''

نیز فرمایا:

﴿ وَقَالَ الَّذِیْنَ فِی النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ﴾ (غافر: ۴۰/ ۴۹)

''دوزخ والے جہنم کے خازنوں سے کہیں گے۔''

مسئلہ عصمت انبیاء:

رافضی مضمون نگار لکھتا ہے۔

امامیہ و اسماعیلیہ کے علاوہ دیگر اسلامی فرقوں کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ انبیاء و ائمہ غیر معصوم ہیں، بنا بریں ان کے خیال میں ایک نبی کاذب و سارق اور سہو و نسیان کا مرتکب ہوسکتا ہے۔ (نعوذ باللہ من ذلک)

ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ یہ مسلک جمہور پر عظیم افترا ہے، خوارج کے سوا مسلمانوں کے تمام فرقے اس بات پر متفق ہیں کہ انبیاء خداوندی احکام کے پہنچانے میں معصوم تھے اور ان کی اطاعت واجب ہے جمہور کے نزدیک انبیاء سے صغائر کا صدور ممکن ہے تاہم وہ صغائر پر قائم نہیں رہتے۔

البتہ عصمت ائمہ کے بارے میں شیعہ مضمون نگار کا بیان درست ہے، ہم اس کے قائل نہیں، امامیہ و اسماعیلیہ کے سوا مسلمانوں کا کوئی فرقہ بھی ائمہ کو معصوم قرار نہیں دیتا اس لیے کہ یہ دعویٰ بلا دلیل ہے، روافض کا یہ قول کہ ''یہ عالم ارضی ائمہ کے وجود سے کبھی خالی نہیں رہتا، کیونکہ کائنات ارضی کی بھلائی اسی میں مضمر ہے۔'' ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ شیعہ جس امام منتظر کے لیے زحمت کشِ انتظار ہیں ان کے وجود سے دنیا کو کیا فائدہ پہنچا؟ خواہ ہماری طرح انہیں مردہ تصور کیا جائے یا شیعہ کی طرح انہیں زندہ قرار دیں، اسی طرح امام غائب کے اجداد کے وجود سے بھی دنیا کو کوئی فائدہ حاصل

نہیں ہوا، جس طرح یہ خاک دان ارضی سرور کائنات ﷺ کے وجود مسعود سے نفع اندوز ہوا تھا۔

سرور کائنات ﷺ کے عہد سعادت مہد کے بعد بارہ ائمہ میں سے حکومت و سلطنت کی باگ ڈور صرف سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئی، یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں مسلمانوں کو جو سکون و آرام نصیب ہوا سیدنا علی کے پر آشوب دور خلافت کو اس سے کوئی نسبت ہی نہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ جب تنازع پیدا ہو تو اللہ و رسول کی طرف رجوع کیا جائے اگر مسلمانوں میں رسول علیہ السلام کے سوا کوئی اور بھی معصوم ہوتا تو اس کی طرف مراجعت کرنے کا حکم صادر کیا جانا ضروری تھا۔

سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے میرے محبّ مکرم آں حضور ﷺ نے وصیت فرمائی تھی کہ ''امیر کی اطاعت کرتے رہو اگرچہ وہ مقطوع الاعضاء حبشی غلام ہو۔''[1] ام الحصین رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ''اطاعت کرتے رہو، اگرچہ تم پر ایک سیاہ فام کان کٹے حبشی غلام کو امیر کیوں نہ مقرر کر دیا جائے، بشرطیکہ وہ کتاب اللہ کی روشنی میں تمہاری قیادت کر رہا ہو۔[2]

بخاری میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے اسی طرح مروی ہے۔[3]

امام کے نائب غیر معصوم ہو سکتے ہیں:

امامیہ اور دیگر شیعہ فرقوں کے نزدیک امام کے نائب غیر معصوم ہو سکتے ہیں، ان کی رائے میں یہ بھی جائز ہے کہ امام ان کی عصمت سے نا آشنا ہو، اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ولید بن عقبہ کو حاکم مقرر کیا تھا، پھر آپ کو پتہ چلا کہ جن لوگوں کی طرف آپ نے انہیں بھیجا تھا وہ ان کے خلاف نبرد آزما ہیں[4] سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے اکثر نائبین خیانت کار تھے اور بعض آپ سے بھاگ بھی گئے تھے یہ بیانات اس حقیقت کے آئینہ دار ہیں کہ ائمہ میں عصمت کی شرط شریعت سے ثابت نہیں اور

---

1. صحیح مسلم۔ کتاب الامارة۔ باب وجوب طاعة الامراء فی غیر معصیة (حدیث: ۱۸۳۷)
2. صحیح مسلم۔ کتاب الامارة، باب وجوب طاعة الامراء فی غیر معصیة (حدیث: ۱۸۳۸)
3. صحیح بخاری کتاب الاحکام، باب السمع والطاعة الامام...... (حدیث:۷۱۴۲)
4. تفسیر ابن ابی حاتم(۳۳۰۳/۱۰)، تفسیر طبری(۱۲۴/۲۶)

مزید برآں بے فائدہ بھی ہے۔

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

اہل سنت نے رائے و قیاس کو اختیار کر کے اس چیز کو دین کا جزو قرار دیا ہے جو اس میں سے نہیں، علاوہ ازیں احکام شریعت کی تحریف کا ارتکاب کیا، مذاہب اربعہ ایجاد کیے، جو رسول اللہ کے زمانہ میں موجود نہ تھے، اور اقوال صحابہ کو ترک کیا۔

ہم جواباً شیعہ سے کہیں گے۔

این گناہے ست کہ در شہر شما نیز کنند

خود زیدیہ شیعہ قیاس کے قائل ہیں اس سے بڑھ کر یہ قیاس ان لوگوں کی تقلید کرنے سے کہیں بہتر ہے جن کا پایہ امام مالک، ثوری، شافعی، احمد اور ابوعبید جیسے عظیم القدر مجتہدین سے کہیں فروتر تھا اور وہ امام حسن عسکری کے اتباع اور ان کے نظائر و امثال ہیں۔

باقی رہا شیعہ مصنف کا یہ قول کہ ''اہل سنت نے دین میں وہ باتیں داخل کر دیں جو اس میں شامل نہ تھیں، اور تحریف کا ارتکاب کیا۔'' تو یہ بات شیعہ میں سب فرقوں کی نسبت زیادہ پائی جاتی ہے، شیعہ نے رسول علیہ السلام تک کو جھوٹ کا نشانہ بنانے سے گریز نہ کیا جب کہ دوسرا کوئی اسلامی فرقہ یہ جسارت نہ کر سکا، لاتعداد صداقتوں کو تسلیم نہ کیا، شیعہ کی تحریف کا اندازہ ان کے مندرجہ ذیل تفسیری اقوال سے لگائیے۔

۱۔ ''مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ'' اس سے بقول شیعہ علی و فاطمہ رضی اللہ عنہما ہیں۔

۲۔ ''یَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ'' لؤلؤ و مرجان سے سیدنا حسن و حسین رضی اللہ عنہما مراد ہیں۔

۳۔ ''فِیْ اِمَامٍ مُّبِیْنٍ'' یعنی سیدنا علی رضی اللہ عنہ۔

۴۔ وَاٰلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِیْنَ'' آل عمران سے آل ابی طالب مراد ہے ابو طالب کو عمران سے تعبیر کیا گیا ہے۔

۵۔ ''وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ'' یعنی بنو امیہ۔

۶۔ ''اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً'' بقرہ (گائے) سے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مراد ہیں۔

۷۔ ''لَئِنْ اَشْرَکْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُکَ یعنی اگر تو نے ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو شریک کیا۔

شیعہ مذہب کی کتابوں میں ایسی لاتعداد تحریفات پائی جاتی ہیں، شیعہ کے فرقہ اسماعیلیہ والوں

نے واجبات و محرمات تک میں تحریف کرنے سے اجتناب نہ کیا، بنابریں اگر ان کو ائمہ تحریف کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

شیعہ مضمون نویس کا یہ قول کہ ''اہل سنت نے مذاہب اربعہ ایجاد کیے اور اقوال صحابہ کو ترک کر دیا۔'' ہم رافضی مصنف سے پوچھتے ہیں کہ تمہارے یہاں صحابہ کی مخالفت کب سے مذموم قرار پائی؟ کیا ہم اجماع صحابہ کے مخالف ہیں یا تم؟ پھر اس سے بڑھ کر یہ کہ صحابہ کی تکفیر و تضلیل کون کرتا ہے؟ اس بات کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ اہل سنت اجماع صحابہ کے خلاف متفق ہو جائیں۔

یہ ایک مسلمہ صداقت ہے کہ شیعہ امامیہ عزت نبوی اور حضرات صحابہ دونوں کے متفق اجماع کی خلاف ورزی کرتے ہیں، سرور کائنات ﷺ اور خلفائے راشدین کے عہد سعادت مہد میں بنی ہاشم کا کوئی فرد اس بات کا مدعی نہ تھا، کہ بارہ امام معصوم [1] ہوں گے یا یہ کہ سالار رسل ﷺ کے بعد کوئی شخص معصوم بھی ہوسکتا ہے، بخلاف ازیں کوئی شخص خلفائے ثلاثہ کے کفر کا قائل تھا نہ ان کی امامت پر طعن و تشنیع کرتا تھا اور نہ ہی صفات خداوندی کا کوئی منکر تھا اور نہ تقدیر کا، اس سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے، کہ امامیہ اہل بیت و صحابہ دونوں کی مخالفت کرنے میں متحد الخیال ہیں، پھر انہیں لوگوں پر معترض ہونے کا کیا حق ہے، جو اہل بیت و صحابہ دونوں کے اجماع کو حجت مانتے ہیں اور اس کی مخالفت سے اجتناب کرتے ہیں۔ [2]

مذاہب اربعہ پر شیعہ مصنف کے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اگر اس کے خیال میں اہل سنت نے حضرات صحابہ کے عین برخلاف جمع ہو کر باتفاق رائے یہ مذاہب ایجاد کر لیے تھے تو یہ عظیم افترا ہے، اس لیے کہ یہ چاروں مذاہب ایک ہی زمانہ میں نہ تھے، مزید برآں ان میں سے کوئی بھی

---

[1] ائمہ اہل بیت سے فرداً فرداً ایسی ادعیہ ماثورہ منقول ہیں، جن میں وہ کامل عجز انکسار سے درگاہ ربانی میں اپنی تقصیرات اور لغزشوں کی معافی طلب کیا کرتے تھے، یہ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ وہ اپنی ذات کو گناہوں سے معصوم تصور نہیں کرتے تھے، اور اس بات کے معترف تھے کہ گناہ ان سے سرزد ہو سکتے ہیں، اب کیا ہم ان کی تکذیب کر کے شیعہ کی بات مانیں جو ہر بات سے محروم ہیں۔

[2] شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے قیاس صحیح اور قیاس فاسد سے متعلق ایک قیمتی رسالہ تصنیف کیا ہے، امام کے تلمیذ رشید حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کی تحقیقات اس باب میں قابل تحسین ہیں، دور حاضر کے مشہور محدث اور سلفی محبّ الدین الخطیب نے استاد و تلمیذ دونوں کے ارشادات کو ''القیاس فی الشرع الاسلامی'' کے نام سے ایک کتاب میں جمع کر دیا ہے۔

دوسرے کی تقلید نہیں کرتا تھا اور نہ دوسروں کو اپنی پیروی کا حکم دیتا تھا، بخلاف ازیں یہ سب ائمہ اتباع کتاب وسنت کی دعوت دیتے اور دوسروں پر تنقید کیا کرتے تھے، باقی رہا یہ امر کہ لوگ ائمہ اربعہ کی اطاعت کرتے تھے تو یہ ایک اتفاقی بات تھی۔

مذاہب اربعہ پر شیعہ کا اعتراض:

جہاں تک شیعہ کا تعلق ہے انہوں نے جن جن مسائل میں جمہور سے اختلاف کیا ہے ان سب میں وہ خطا کار ہیں، یہ بات غلط ہے کہ ائمہ اربعہ نے کوئی علم اختراع کیا تھا بخلاف ازیں انہوں نے علم کی جمع وتدوین کا اہتمام کیا بعد میں وہ علم انہیں کی جانب منسوب ہوا جس طرح کتب حدیث کو ان کے جامعین مثلاً امام بخاری ومسلم اور ابوداؤد کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، بعینہ اسی طرح مختلف قراء توں کو ان ائمہ کی جانب منسوب کیا جاتا ہے جنھوں نے وہ اختیار کی تھیں۔

اس پر مزید یہ کہ اہل سنت نے یہ کبھی نہیں کہا کہ ائمہ اربعہ کا اجماع ایک بے خطا دلیل ہے اور حق ان کے اقوال کے دائرہ میں محدود ومحصور ہو کر رہ گیا ہے، جو بات ان سے خارج ہے وہ باطل ہے، مجتہدین کے یہاں جو نزاع واختلاف پایا جاتا ہے، وہ صرف کلام رسول کے فہم وادراک کے بارے میں ہے اور بس! صحابہ سے قیاس ورائے کے موافق ومخالف دونوں قسم کے اقوال منقول ہیں، قیاس مذموم وہ ہے جو نص کا معارض ہو اور جس میں فرع مدار حکم میں اصل کی شریک نہ ہو، ایسے قیاس کا فاسد ہونا کسی شک وشبہ سے بالا ہے مگر اس کا مطلب یہ نہ سمجھا جائے کہ قیاس کوئی بھی ہو فاسد ہوتا ہے، جس طرح موضوع احادیث کے پائے جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ تمام احادیث نبویہ کو تسلیم نہ کیا جائے۔

رافضی مضمون نگار رقم طراز ہے:

قیاس کی وجہ سے اہل سنت لاتعداد امور قبیحہ میں گرفتار ہو گئے، چنانچہ حسب ذیل مسائل قیاس کی پیداوار ہیں:

۱۔ جو لڑکی زنا سے پیدا ہوئی ہو وہ زانی کے لیے حلال ہے۔

۲۔ جو شخص اپنی ماں اور بہن سے یہ جانتے ہوئے نکاح کر لے کہ محرمات میں سے ہیں اس پر حد شرعی نہیں۔

۳۔ اگر کسی شخص کی بیٹی مشرق میں سکونت پذیر ہو اور خود مغرب میں رہتا ہو، پھر وہ مغرب ہی میں

غائبانہ طور پر کسی آدمی سے اپنی لڑکی کا نکاح کر دے، چھ ماہ کے بعد اس لڑکی یہاں بچہ پیدا ہو تو وہ بچہ اسی خاوند کا قرار دیا جائے۔

۴۔ لواطت کا ارتکاب کرنے والے پر حد شرعی نہیں۔

۵۔ نبیذ مباح ہے۔

۶۔ نبیذ اگرچہ نشہ آور ہو اس کے ساتھ وضو جائز ہے۔

۷۔ کتے کی کھال پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے۔

۸۔ گندگی جب خشک ہو جائے تو اس پر نماز پڑھ سکتے ہیں۔

۹۔ غصب مباح ہے۔

۱۰۔ اگر چور کسی چکی پر پہنچ کر آٹا پیس لے تو وہ آٹے کا مالک قرار پائے گا، اگر مالک آ کر اس سے جھگڑنے لگے تو ظالم ہوگا، اگر وہ دونوں لڑنے لگیں اور چور مارا جائے تو وہ شہید تصور کیا جائے گا، اگر چور مالک کو مار ڈالے تو چور پر قصاص یا دیت نہیں آئے گی۔

۱۱۔ اگر زانی گواہوں کو جھٹلا دے، تو اس پر حد لگائی جائے گی اور اگر ان کی تصدیق کر دے تو حد ساقط ہو جائے گی گویا مجرم کے اقرار جرم اور گواہوں کی گواہی کے باوجود اس پر حد نہیں لگائی جائے گی۔

۱۲۔ کتے کا گوشت کھانا مباح ہے۔

۱۳۔ غلام کے ساتھ لواطت مباح ہے۔

۱۴۔ باجے گاجے اور ساز وغیرہ مباح ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جمہور اہل سنت ان مسائل کے خلاف ہیں، اور کسی کو بھی درست تسلیم نہیں کرتے۔[1]

---

[1] جاہل شیعہ...... جو روافض کے مشہور علماء میں شمار ہوتا ہے،...... اور اس کے نظائر و امثال کی افترا پردازیوں نے علامہ ہند سیدنا شاہ عبدالعزیز دہلوی ابن شاہ ولی اللہ دہلوی کو مجبور کیا کہ آپ شیعی فقہ کے رسوائے عالم مسائل و احکام کا راز طشت از بام کریں، چنانچہ آپ نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف تحفہ اثنا عشریہ کے ساتویں باب میں از صفحہ ۱۰۸ تا ۲۲۷ (طبع سلفیہ) اس قسم کے سب مسائل جمع کر دیئے ہیں، ان سطور کے قاری سے گذارش کی جاتی ہے کہ امام ابن تیمیہ کی تنقیدات کا مطالعہ کرنے کے بعد تحفہ اثنا عشریہ میں شیعی فقہ کے اعجوبۂ روزگار اور حیران کن مسائل ملاحظہ کرے اور پھر شیخ الاسلام کے بیان کردہ حقائق سے ان کا موازنہ کرے۔

ہم اس کے جواب میں کہہ سکتے ہیں کہ خود رافضی فقہ میں بھی ایسے مسائل کی کمی نہیں، ان میں سے بعض مسائل شیعہ کے یہاں متفق علیہا ہیں اور بعض متنازع فیہا ہیں۔

ان میں سے چند مسائل ملاحظہ ہوں۔

رافضی فقہ کے مسائل عجیبہ:

۱۔ شیعہ جمعہ و جماعت کے تارک ہوتے ہیں۔

۲۔ روافض مساجد کو ویران رکھتے اور مقبروں کو رونق بخشتے ہیں۔ [1]

اس کا زندہ ثبوت یہ ہے کہ رافضی عالم شیخ مفید نے 'مناسک حج المشاہد'' (حج قبور کے احکام) کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی ہے جو کذب و شرک کا پلندہ ہے۔

۳۔ شیعہ مغرب کی نماز میں تاخیر کرتے ہیں۔

۴۔ اہل کتاب کا ذبیحہ روافض کے نزدیک حلال نہیں۔

۵۔ شیعہ کے نزدیک ایک مخصوص مچھلی حرام ہے۔

۶۔ بعض شیعہ کے نزدیک اونٹ کا گوشت حرام ہے۔

۷۔ شیعہ کے نزدیک سب ورثہ بیٹی کو ملے گا، اور میت کے چچا کو کچھ نہیں ملے گا۔

۸۔ بعض شیعہ کے نزدیک روزوں کا انحصار دنوں کی تعداد پر ہے چاند پر نہیں۔

۹۔ روافض کے نزدیک متعہ حلال ہے۔

۱۰۔ طلاق معلق بالشرط قصد و ارادہ کے باوجود واقع نہیں ہوتی۔

۱۱۔ جو طلاق لکھ کر دی جائے وہ واقع نہیں ہوتی اور اس میں گواہ بنانا شرط ہے۔

شیعی اعتراضات کے جوابات:

زنا سے پیدا شدہ بیٹی کی حلت میں امام شافعی منفرد ہیں، امام احمد بالاتفاق اس کو حرام قرار دیتے

---

[1] عجیب بات یہ ہے کہ بعض قبروں میں وہ لوگ سرے سے مدفون ہی نہیں جن کے نام سے وہ مشہور ہیں مثلاً نجف میں سیدنا علی کی قبر اور کربلا میں سیدنا حسین کا مزار صرف اسی امکان کی بنا پر بنا دیا گیا کہ یہ دونوں حضرات وہاں مدفون ہیں، یہ تاریخی حقائق ہیں شیعہ کا ان سے انکار ایک جداگانہ امر ہے، لطف یہ ہے کہ مقبرے تعمیر کرتے وقت شیعہ اس حقیقت سے کلیۃً آگاہ تھے کہ وہ حضرات یقیناً ان میں مدفون نہیں اس کے باوجود وہ مزار تعمیر کرنے اور انہیں ان کے نام سے مشہور کرنے پر مصر تھے۔

اوراس کے مرتکب کوواجب القتل تصور کرتے ہیں۔

محرمات سے نکاح کرنے کی صورت میں امام ابوحنیفہ حد شرعی کے قائل نہ تھے ان کی رائے میں شبہ کی بنا پر حد ساقط ہو جاتی ہے۔

اکثر ائمہ لواطت کنندہ کے قتل کے قائل ہیں، بعض کے نزدیک اس پر اجماع منعقد ہو چکا ہے، امام مالک کا مسلک بھی یہی ہے امام احمد و شافعی سے بھی ایک روایت اسی کے مطابق منقول ہے امام شافعی کا دوسرا قول یہ ہے کہ لواطت کی حد وہی ہے جو زنا کی ہے، امام ابو یوسف و محمد کا قول بھی یہی ہے۔

حد شرعی کے اسقاط میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ منفرد ہیں اوراس مسئلہ میں دوسرا کوئی امام آپ کا ہم خیال نہیں۔

اسی طرح مشرق میں سکونت رکھنے والی عورت کے بچے کا مغربی آدمی کے ساتھ الحاق بھی امام موصوف کا مسلک ہے اور دوسرے ائمہ اس کی تائید نہیں کرتے ، دراصل امام صاحب کا نقطہ نظر یہ ہے کہ نسب کا اثبات صرف میراث حاصل کرنے کے لیے کیا جاتا ہے، یہ مطلب نہیں کہ وہ اس کا صلبی بچہ ہے، خلاصہ یہ ہے کہ اگر یہ فقہی مسائل غلط ہیں تو اس میں شبہ نہیں کہ جمہور ائمہ ان کے خلاف ہیں اوراگر درست ہیں تو اقوال اہل سنت سے خارج نہ ہوں گے۔

شیعہ مضمون نگار کی بوالعجبی ملاحظہ کیجئے کہ ابھی وہ قیاس سے انکار کر رہا تھا اورابھی قیاس کی مدد سے نبیذ کے بارے میں امام ابوحنیفہ کے خلاف احتجاج کرنے لگا، ہم پوچھتے ہیں کہ تم نے حدیث: ’’ **كُلُّ مُسْكِرٍ خَمْرٍ وَكُلُّ خَمْرٍ حَرَامٌ** ‘‘[1] سے کیوں نہ استدلال کیا۔

کیا کتے کا چمڑا دباغت سے پاک ہو جاتا ہے:

علماء کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ حدیث نبوی: ’’ **اَيُّمَا إِهَابٍ دُبِغَ فَقَدْ طَهُرَ** ‘‘[2] (جو چمڑا بھی رنگا جائے وہ پاک ہو جاتا ہے) کے عموم کے پیش نظر کتے کا چمڑا بھی دباغت سے پاک ہو جاتا ہے، اگر شیعہ سے اس کی حرمت کی دلیل طلب کی جائے تو بتا نہ سکے گا۔ غاصب و مالک کے بارے

---

[1] صحیح مسلم کتاب الاشربة۔ باب بیان ان کل مسکر خمر، (حدیث:۷۵/۲۰۰۳)

[2] صحیح مسلم۔ کتاب الحیض۔ باب طهارة جلود المیتة بالدباغ(حدیث:۳۶٦) سنن ترمذی۔ کتاب اللباس ۔ باب ما جاء فی جلود المیتة اذا دبغت،(حدیث:۱۷۲۷) واللفظ له......

میں شیعہ مصنف نے جو کچھ کہا ہے وہ دروغ بے فروغ ہے بلکہ تنازع کی صورت میں ان کا معاملہ حاکم کی عدالت میں پیش کیا جائے گا۔

گواہوں کے ہوتے ہوئے حد شرعی لگانے میں امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ جب مجرم اقرار کرلے گا تو شہادت کا حکم ساقط ہو جائے گا بشرطیکہ وہ چار مرتبہ اقرار کرلے بخلاف ازیں جمہور کہتے ہیں کہ مجرم کے اقرار سے شہادت میں مزید پختگی پیدا ہو جاتی ہے۔ غلاموں سے لواطت کے جواز کے بارے میں شیعہ کا بیان صریح جھوٹ ہے، یہ کسی امام کا قول نہیں، البتہ بعض جہلاء نے امام مالک سے ایک ایسی روایت بیان کی ہے، حالانکہ امام مالک اور دیگر ائمہ بالاتفاق کہتے ہیں کہ غلاموں سے لواطت کو حلال قرار دینے والا کافر ہے۔

شیعہ مصنف لکھتا ہے۔

''شیعہ امامیہ کے مذہب کے واجب الاتباع ہونے کی دوسری وجہ ہمارے استاد محترم خواجہ نصیر الدین طوسی [1] کا وہ قول ہے جو انہوں نے مذاہب کے بارے میں سوال کرنے پر ارشاد فرمایا: کہ ہم نے اس حدیث پر غور کیا ہے کہ ''میری امت ۷۳ فرقوں میں بٹ جائے گی۔'' غور وفکر کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ امامیہ کا فرقہ ہی ناجی ہے کیونکہ یہ باقی سب فرقوں سے الگ تھلگ ہے۔''

ہم اس کے جواب میں رافضی سے کہیں گے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کو موجب بالذات تسلیم کرتا ہے تم اس کی تکفیر کر چکے ہو، تمہارا استاد طوسی قدامت عالم کا قائل ہے اور اپنی شرح اشارات میں اللہ تعالیٰ کو موجب بالذات تسلیم کرتا ہے طوسی الموت کے قلعہ میں ملحد اسماعیلیہ کا وزیر تھا، پھر ہلاکو کا نجومی بن گیا، ہلاکو نے اسے خلیفہ وقت اور علماء کو قتل کرنے کا اشارہ کیا، بہر کیف خواجہ طوسی اور اس کے اتباع کا معاملہ کچھ ڈھکا چھپا نہیں سب مسلمان اس کی بدکرداریوں سے آگاہ ہیں۔

---

[1] یہ وہی خواجہ نصیر الدین طوسی ہے، جو اعداء اسلام ابن العلقمی اور ابن ابی الحدید کے ساتھ اس عدیم المثال مسلم کشی وخونریزی میں برابر کا شریک ہے جو ہلاکو نے ۶۵۵ھ میں دارالاسلام بغداد کے عظیم شہر میں بپا کی طوسی کے الحاد وفساد اور اسلام اور مسلمانوں سے اس کی خیانت کاری سے متعلق قبل ازیں حاشیہ تحریر کیا جا چکا ہے، امام ابن تیمیہ جس کتاب کی تردید کر رہے ہیں اس کا مصنف ابن المطہر اور اس کے ہم نوا عداوت صحابہ میں طوسی اور اس کے نظائر وامثال ہی کے مقلد اور زلہ ربا ہیں۔

بعض لوگوں کا قول ہے کہ نصیر الدین طوسی اپنی زندگی کے آخری دور میں بہت بدل گیا تھا اور پابندی سے نماز پڑھنے لگا تھا، وہ مشہور محدث وفقیہ امام بغوی کی تفسیر قرآن اور فقہ کا مطالعہ بھی کیا کرتا تھا۔ ❶

طوسی کا یہ قول کہ ''شیعہ باقی فرقوں سے الگ تھلگ ہیں۔'' محض ژاژ خائی ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ اسی طرح خوارج و معتزلہ بھی باقی فرقوں سے منفرد ہیں اس میں شیعہ کی کیا خصوصیت ہے، اور اگر اس کا مقصد یہ ہے کہ شیعہ اپنے افکار و آراء میں منفرد ہیں تو یہ غلط ہے اس لیے کہ وہ مسئلہ تقدیر و توحید میں معتزلہ اور جہمیہ کے ہم نوا ہیں، پھر شیعہ کا باہمی جدل و نزاع سب اسلامی فرقوں پر سبقت لے گیا ہے اور ہم اس کی تفصیل بیان کرنے سے قاصر ہیں۔

ابن المطہر رافضی کی رائے میں نصیر الدین طوسی کافر ہے:

مقام حیرت و استعجاب ہے کہ یہ کذاب رافضی (ابن المطہر) جب سابقین اولین خلفاء راشدین، تابعین کرام اور دیگر ائمہ مسلمین کا ذکر کرتا ہے تو ان کے خلاف کذب و دروغ کا طوفان کھڑا کر دیتا ہے، اور جب اللہ و رسول کے خلاف اعلان جنگ کرنے والے طوسی کا تذکرہ چھیڑتا ہے، تو اسے ''شَیْخُنَا الْاَعْظَمُ'' اور قَدَّسَ اللّٰہُ رُوْحَہٗ '' کے الفاظ سے یاد کرتا ہے، اور اس پر طرہ یہ کہ پھر اسی شیخ الاعظم پر کفر کا فتوی بھی لگاتا ہے، یہ لوگ دراصل مذکورہ ذیل آیت قرآنی کے مصداق ہیں:

﴿ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ﴾ (نساء: ٤/ ٥١)

'' (منافق) کافروں کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ مسلمانوں کی نسبت ہدایت یافتہ ہیں۔''

---

❶ اگر طوسی کی زندگی میں انقلاب و اصلاح کی یہ خبر درست ہے تو اسے چاہئے تھا کہ وہ ان کفریات سے علانیہ توبہ کرتا جن سے اس کی کتاب زندگی لبریز ہے اس نے تا زیست علانیہ جس کفر اور اللہ و رسول نیز مسلمانوں کے خلاف جس خیانت کاری کا ارتکاب کیا اس سے خاموشی کے ساتھ تائب ہو جانا کمال توبہ کی دلیل نہیں اور اگر اس کے سوا اس کا اور کوئی گناہ نہ ہوتا کہ اس نے ابن المطہر جیسے غالی شیعہ کے دلوں کو عداوت و بغض صحابہ سے بھر دیا تو لازم تھا کہ وہ علانیہ اپنی توبہ کا اس طرح اظہار کرتا جو ابن المطہر جیسے لوگوں پر ایک واضح حجت ہوتا۔

شیعہ کی دیگر اسلامی فرقوں سے علیحدگی ان کے عقائد کی صحت کی بجائے ان کے افکار و معتقدات کے فساد و بطلان پر دلالت کرتی ہے، اس لیے کہ دیگر فرق وطوائف سے کسی فرقہ کی انفرادیت کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ وہ راہ حق پر گامزن ہیں۔

شیعہ مصنف لکھتا ہے۔

''فرقہ امامیہ کے ناجی ہونے کی تیسری دلیل یہ ہے کہ انہیں اپنی اور اپنے ائمہ کی نجات کا قطعی یقین ہے، لہٰذا ان کی اطاعت اولیٰ ہے بخلاف ازیں اہل سنت میں یہ بات نہیں پائی جاتی۔''

ہم جواباً کہیں گے کہ اگر ان ائمہ کی پیروی حق وصواب ہے جن کی اطاعت کا دم تم بھرتے اور اس کو موجب نجات تصور کرتے ہو تو پھر اموی خلفاء کے اتباع جو اپنے ائمہ کی اطاعت کو واجب اور موجب نجات سمجھتے تھے حامل صدق وصواب تھے، ان کا نقطہ نگاہ یہ تھا کہ ہر بات میں ائمہ کی اطاعت واجب ہے، نیز یہ کہ ائمہ خداوندی احتساب سے بالا ہیں اور جو کام وہ اطاعت امام کے ہے انجام دیں، اس میں ان پر کوئی گناہ نہیں، بلکہ دلیل کے اعتبار سے ان کا مسلک شیعہ کی نسبت قوی تر تھا، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ان ائمہ کی پیروی کرتے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے مقرر و موید کیا، اور حکومت و سلطنت سے نوازا تھا، جب کہ منکرین تقدیر (جن میں شیعہ بھی شامل ہیں) کا نظریہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ وہی کام کرتے ہیں جن میں بندوں کی کوئی مصلحت مضمر ہوتی ہے، تو ان کو سلطنت وحکومت وتفویض کرنے میں بھی بندوں کی مصلحت ملحوظ رکھی ہوگی۔ یہ امر محتاج بیان نہیں کہ اموی خلفاء سے امت کو جو فوائد حاصل ہوئے وہ ان مصالح کی نسبت عظیم تر تھے جو ایک عاجز و معدوم امام (یعنی شیعہ کا امام غائب) کے ذریعہ معرض ظہور میں آئے، بنابریں اموی خلفاء کے متبعین کو جو دینی و دنیوی فوائد حاصل ہوئے امام منتظر کے اتباع کو اس کا عشر عشیر بھی حاصل نہیں ہوا۔

شیعہ کا کوئی امام ایسا نہ تھا جو انہیں نیکی کا حکم دیتا، منکرات سے باز رکھتا اور دینی و دنیوی مصالح میں ان کی مدد کرتا، اس کے عین برخلاف اموی خلفاء کے اتباع نے ان سے لاتعداد دینی و دنیوی فوائد و منافع حاصل کیے، خلاصہ کلام! یہ کہ اگر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ان نام نہاد معاونین کی دلیل قرین صحت وصواب ہے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے انصار واعوان کی دلیل اقرب الی الصواب ہوگی، اور اگر پہلی دلیل باطل ہے تو دوسری اس سے باطل تر ہے، جب شیعہ اس بات میں اہل سنت کے ہم نوا ہیں

کہ اموی خلفاء کی نجات پر یقین کامل رکھنا خطا وضلال ہے تو ائمہ معصومین اور ان کے نائبین کی یقینی نجات اور ان کی اطاعت مطلقہ کا عقیدہ سابق الذکر ضلالت سے بھی عظیم تر گمراہی ہے، حقیقت یہ ہے کہ شیعہ کا سرے سے کوئی امام ہے ہی نہیں، ماسوا ان شیوخ کے جو ناجائز ذرائع سے ان کا مال بٹورتے اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔

شیعہ مصنف کا یہ قول کہ ''شیعہ اپنے ائمہ کے ناجی ہونے پر یقین رکھتے ہیں، جب کہ اہل سنت میں یہ بات نہیں پائی جاتی۔''

اگر شیعہ مصنف کی مراد اس سے یہ ہے کہ ایسا اعتقاد رکھنے والا ضرور جنت میں جائے گا، خواہ وہ شرعی اوامر کا تارک ہو اور منہیات سے کنارہ کش نہ رہتا ہو تو بلاشبہ یہ امامیہ کا قول نہیں بلکہ کوئی ذی عقل اسے تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں۔

اور اگر اس کا مقصد یہ ہے کہ حب علی رضی اللہ عنہ ایک عظیم نیکی ہے جس کی موجودگی میں کوئی ضرر لاحق نہیں ہوتا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ایسے شخص کو نمازوں کے ترک کرنے، زنا کاری کا ارتکاب کرنے اور بنی ہاشم کا خون بہانے سے بھی کوئی نقصان نہیں پہنچے گا، بشرطیکہ وہ حب علی رضی اللہ عنہ کا دعویٰ دار ہو۔

اگر شیعہ یہ کہیں کہ سچی محبت تبھی ہوسکتی ہے، جب محبّ دیگر اعمال میں بھی سیدنا علی کے نقش قدم پر چلتا ہو تو انہوں نے از خود اداء واجبات اور ترک منکرات کی ضرورت کو تسلیم کرلیا۔

اگر شیعہ مصنف یہ کہنے کے درپے ہے کہ جو شخص عقائد صحیحہ رکھتا واجبات کو ادا کرتا اور منکرات سے باز رہتا ہو وہ جنت میں جائے گا تو بلاشبہ اہل سنت بھی یہی کہتے ہیں، قرآن کریم کے تتبع میں اہل سنت کا زاویہ نگاہ یہ ہے ہر متقی کے لیے نجات یقینی ہے، البتہ وہ کسی متعین شخص کے بارے میں وثوق کے ساتھ یہ نہیں کہتے کہ وہ جنت میں جائے گا، اس لیے کہ اس کا زمرہ متقین میں شامل ہونا قطعیت کے ساتھ تو معلوم نہیں، جب کسی ذریعہ سے یہ معلوم ہوجائے کہ اس کی موت تقویٰ پر ہوئی ہے تو اس کا جنتی ہونا بھی معلوم ہوجائے گا، بنابریں اہل سنت ان لوگوں کو جنتی قرار دیتے ہیں جن کے جنتی ہونے کی بشارت آنسیدنا صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔ [1]

---

[1] مثلاً صحابہ کرام میں سے دس حضرات کے بارے میں سالار رسل صلی اللہ علیہ وسلم نے جنتی ہونے کا مژدہ سنایا، مگر شیعہ رسول اللہ کی بشارت سے صرف نظر کر کے سیدنا علی کے سوا ان سب اصحاب کو جہنمی قرار دیتے ہیں، ان کی دریدہ دہنی کا یہ عالم ہے کہ اس سے بڑھ کر وہ افضل الصحابہ سیدنا ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کو ''جبت وطاغوت'' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

جو شخص لوگوں میں اپنے اوصاف حمیدہ کی بنا پر معروف ہو اور لوگ اس کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان رہتے ہوں، تو اس کے بارے میں اہل سنت کے دو قول ہیں۔

مذکورۃ الصدر بیانات اس حقیقت کے آئینہ دار ہیں کہ شیعہ کے یہاں کوئی ایسا جزم و وثوق نہیں پایا جاتا جو اہل سنت میں موجود نہ ہوں، اگر شیعہ کہیں کہ ہم جس آدمی کو بھی شرعی واجبات پر عمل پیرا اور منہیات سے باز رہنے والا دیکھتے ہیں اسے قطعی جنتی قرار دیتے ہیں خواہ اس کے باطن کا حال ہمیں معلوم ہو یا نہ ہو، ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ اس مسئلہ کا امامیہ سے کوئی تعلق نہیں، اگر اس کی جانب کوئی صحیح راستہ جاتا ہے تو بالاتفاق اہل سنت کا راستہ ہے اور کوئی راستہ موجود نہیں تو یہ قول بلا علم ہے جو کسی فضیلت کا موجب نہیں، بلکہ اس کا نہ ہونا فضیلت کا باعث ہے۔

بہر حال شیعہ جس علم صحیح کے بھی دعویٰ دار ہوں اہل سنت ان کی نسبت اس کے زیادہ حق دار ہوں گے اور اگر وہ جہالت کے مدعی ہوں تو جہالت ایک نقص ہے اور اہل سنت اس سے بعید تر ہیں، کسی مخصوص آدمی کے جنتی ہونے کی گارنٹی یا تو معصوم [1] (نبی ﷺ) کے قول کی بنا پر دی جا سکتی ہے یا مومنین کے متفق علیہ قول کی وجہ سے، اس لیے کہ اہل ایمان اس خطہ ارضی پر اللہ کے گواہ ہیں، حدیث صحیح میں وارد ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے نزدیک سے ایک جنازہ گزرا، لوگوں نے مرنے والے کی مدح و ستائش کی، یہ سن کر آپ نے فرمایا: '' وَجَبَتْ '' (واجب ہوگئی) پھر ایک اور جنازہ گزرا اور لوگوں نے اس کی مذمت کی تو آپ نے وہی الفاظ دہرائے، صحابہ نے جب ارشاد حضور کا مفہوم دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: ''جس جنازہ کی تم نے تعریف کی اس کے لیے جنت واجب ہوگئی اور جس کی مذمت کی اس کے لیے جہنم، تم زمین پر اللہ کے گواہ ہو۔ [2]

---

[1] معصوم سے مراد رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ہے، ان کے سوا اس امت میں دوسرا کوئی معصوم نہیں، آپ نے دس صحابہ کے متعلق جنت کا مژدہ سنایا ہے، شیعہ اس بشارت کو تسلیم نہیں کرتے۔

[2] صحابہ کی شان میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد کہ ''تم کائنات ارضی پر اللہ کے گواہ ہو'' صحابہ کی عظیم مدح و منقبت پر مشتمل ہے، بنی اسرائیل کے کسی نبی نے اگر ان کی مدح میں ایسا کوئی جملہ کہا ہوتا تو اسرائیلی اس دن کو ایک بڑا مذہبی تہوار بنا لیتے اور ایسے کلمات کو بڑی اہمیت کا حامل سمجھتے، مگر شیعہ صحابہ کی شان میں وارد شدہ مدحیہ کلمات کو چنداں وقعت نہیں دیتے، رسول اللہ کا ارشاد گرامی '' انتم شھداء اللہ فی

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ اہل سنت اپنے ائمہ کی فلاح ونجات پر جس پختگی کے ساتھ یقین رکھتے ہیں، شیعہ اس سے محروم ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد اہل سنت کے ائمہ سابقین اولین مہاجرین وانصار ہیں، جو ان کے نزدیک قطعی جنتی ہیں، اہل سنت کے یہاں یہ امر مسلم ہے کہ عشرہ مبشرہ یقیناً جنتی ہیں، وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بدری صحابہ کو مخاطب کر کے فرمایا تھا۔

﴿ اِعۡمَلُوۡا مَا شِئۡتُمۡ فَقَدۡ غَفَرۡتُ لَکُمۡ ﴾ [1]

''تم جو چاہو کرو میں نے تمہیں معاف کر دیا ہے۔''

اہل سنت اس سے بڑھ کر یہ کہتے ہیں کہ جن صحابہ نے درخت کے نیچے رسول اللہ ﷺ کی بیعت کی تھی ان میں سے کوئی بھی جہنم میں نہیں جائے گا، جیسا کہ حدیث صحیح سے ثابت ہے، [2] اس سے یہ حقیقت اجاگر ہوتی ہے کہ بیعت الشجرہ میں شرکت کرنے والے چودہ صد سے زائد صحابہ اہل سنت کے امام ہیں، اور یہ قطعی جنتی ہیں، اور یہ دعوی کتاب وسنت پر مبنی ہے۔

اہل سنت جن لوگوں کے حق میں جنتی ہونے کی شہادت دیتے ہیں، خواہ مطلقاً ہو یا معیناً ان کی شہادت علم ودلیل پر مبنی ہے، اس کے عین برخلاف روافض کی شہادت جھوٹ کا پلندہ ہے اسی بنا پر امام شافعی رحمہ اللہ کو کہنا پڑا:

'' مَا رَاَیۡتُ قَوۡمًا اَشۡهَدَ بِالزُّوۡرِ مِنَ الرَّافِضَةِ ''

''میں نے شیعہ سے زیادہ جھوٹی شہادت دینے والا کسی قوم کو نہیں دیکھا۔''

یہ امر قابل غور ہے کہ شیعہ جس امام کے جنتی ہونے کی شہادت دیتے ہیں یا تو وہ ہر چیز میں واجب الاطاعت ہوگا، یہ الگ بات ہے کہ دوسرے لوگ اس ضمن میں اس سے جھگڑتے ہیں، یا اس

الارض ''دراصل سورہ بقرہ کی آیت ''لتکونوا شهداء علی الناس ''کی جانب مشیر ہے، ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد مبارک سے صریح انکار غضب خداوندی کو دعوت دینے کے سوا اور کیا ہے؟

صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب ثناء الناس علی المیت،(حدیث:۱۳۶۷)، صحیح مسلم: کتاب الجنائز، باب فیمن یثنی علیه خیر او شر من الموتی، (حدیث:۹۴۹)

[1] صحیح بخاری، کتاب المغازی۔ باب فضل من شهد بدراً(حدیث:۳۹۸۳،۳۰۰۷) صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة۔ باب من فضائل حاطب بن ابی بلتعة (حدیث: ۲۴۹۴)

[2] صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل اصحاب الشجرة (حدیث: ۲۴۹۶)

کی اطاعت صرف انہی امور میں کی جائے گی جو اللہ و رسول کے بیان کردہ یا اس کے اجتہاد پر مبنی ہوں، بصورت اول اہل سنت کے یہاں ایسا کوئی امام ہی نہیں، جس کی ہر بات میں اطاعت کی جاتی ہو سوائے رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی کے۔

امام مالک، مجاہد اور حکم فرمایا کرتے تھے:

''ہر شخص کی بات کو (بشرط صحت) تسلیم بھی کیا جا سکتا ہے اور (غلط ہونے کی صورت میں) رد بھی کیا جا سکتا ہے، مگر سرور کائنات ﷺ کی ہر بات قابل تسلیم ہے۔''

اہل سنت اپنے امام (سالار رسل ﷺ) کو خیر الخلائق قرار دیتے اور اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ آپ کی پیروی کرنے والا ہر شخص جنت میں جائے گا، یہ شہادت شیعہ کی اس یقین دہانی سے اتم واکمل ہے، کہ امام عسکری کے متبعین جنتی ہیں اس سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اہل سنت کا امام اور ان کی شہادت دونوں شیعہ کی شہادت کی نسبت زیادہ مکمل اور قابل اعتماد ہیں۔

اور اگر شیعہ کی مراد امام سے محدود امام ہے تو اہل سنت کے نزدیک ایسا امام اس وقت تک واجب الاطاعت نہیں جب تک اس کے اوامر امام مطلق یعنی سرور کائنات کے ارشادات سے ہم آہنگ نہ ہوں، اہل سنت جب شرعی حکم کے مطابق خداوندی احکام میں ایسے امام کی اطاعت کرتے ہیں تو انہیں اس بات کی مطلقا پروا نہیں ہوتی کہ آیا وہ جنت میں جائے گا یا نہیں، اس لیے کہ وہ دراصل اللہ و رسول کے احکام کی اطاعت کر رہے ہوتے ہیں، جس طرح امام معصوم کے اتباع بعض اوقات اس کے نائبین کی اطاعت کرتے ہیں، حالانکہ وہ دوزخی ہوتے ہیں، اس سے بڑھ کر یہ کہ بعض اوقات امام کے نائب یہ بھی نہیں جانتے کہ امام نے کیا حکم دیا ہے، بخلاف ازیں رسول اللہ ﷺ کے ارشادات گرامی کسی سے ڈھکے چھپے نہیں اور یہ بات فوراً معلوم ہو جاتی ہے کہ کون ان کے موافق حکم دے رہا ہے، اور کون مخالف، اختلافی ارشادات کا فیصلہ اجتہاد سے کر لیا جاتا ہے، ظاہر ہے کہ حدیث نبوی پر عمل پیرا ہونا امام کے نائبوں کی اطاعت کرنے سے بدر جہا افضل ہے۔

خصوصاً جب کہ یہ پتہ بھی نہ ہو کہ امام غائب نے کیا حکم دیا، اور نہ اس کی کچھ خبر ہو کہ نائب آیا امام کے موافق ہے یا مخالف، اگر شیعہ یہ دعویٰ کریں کہ نائبین اپنے پیش کردہ علماء کے اقوال پر عمل پیرا ہوتے ہیں تو اس سے یہ حقیقت ظاہر ہوتی ہے کہ اہل سنت کے علماء کو حدیث نبوی کے بارے میں جو علم حاصل ہے وہ ان کے علم سے بدر جہا اتم واکمل ہے، اگر کسی شیعہ سے یہ مطالبہ کیا

جائے کہ وہ اس ضمن میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کوئی روایت صحیح بتلا دے تو وہ ایسا کرنے پر ہرگز قادر نہ ہوگا، اس کی وجہ یہ ہے کہ شیعہ کا درجہ احادیث کی اسناد اور اسماء الرجال کے فن میں اہل سنت کے علماء کی نسبت فروتر ہے۔

شیعہ مصنف لکھتا ہے۔

''شیعہ مذہب کی صداقت کی چوتھی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے یہ مذہب ائمہ معصومین سے اخذ کیا ہے، سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی کثرت عبادت کا یہ عالم تھا کہ آپ جنگوں میں مشغول رہنے کے باوجود شب و روز میں ایک ہزار رکعات نوافل پڑھا کرتے تھے، اسی طرح امام زین العابدین اور امام باقر بھی بڑے عابد شب زندہ دار تھے۔''

یہاں مصنف نے ائمہ کی مدح سرائی میں بعض جھوٹے [1] مناقب بھی درج کر دیئے ہیں۔

ہم شیعہ کے اس دعویٰ کو تسلیم نہیں کرتے، کہ انہوں نے یہ مذہب اہل بیت سے اخذ کیا، اس لیے کہ شیعہ اصول وفروع میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور ائمہ اہل بیت کی مخالفت کرتے ہیں، ائمہ اہل بیت صفات الٰہی اور تقدیر کا اثبات کرتے اور خلفاء ثلاثہ کی خلافت وفضیلت کے قائل ہیں، اس پر مزید یہ کہ شیعہ کے یہاں اسانید متصلہ نہیں ہیں جن کو تنقید کی کسوٹی پر رکھ کر کسا جا سکے، البتہ شیعہ کے یہاں دروغ گوئی کی فراوانی ہے، اگر وہ ان نصوص کے تواتر کا دعویٰ کریں تو کوئی چیز مخالفین کو بھی ایسے دعویٰ سے باز نہیں رکھ سکتی، جب دوسرے لوگ بھی اسی قسم کا دعویٰ کھڑا کر دیں گے تو فریقین کے دعاوی میں

---

[1] مناقب کاذبہ میں امام زین العابدین کی مدح میں ایک قصیدہ بھی شامل ہے جو فرزدق شاعر کی جانب منسوب ہے، صحیح یہ ہے کہ فرزدق کے اس قصیدہ میں صرف چھ اشعار ہیں، قصیدہ کا باقی حصہ حزین کنانی کے اشعار پر مشتمل ہے جو اس نے عبداللہ بن عبدالملک بن مروان کی مدح میں کہے، یہ قصیدہ دیوان حماسہ ابوتمام اور اس کا کچھ حصہ قدامہ بن جعفر کی نقد الشعر ص: ۱۹، ۲۷ پر موجود ہے، اس قصیدہ کے کچھ حصہ میں بنی مروان کی مدح وستائش کی گئی ہے، مشہور ادیب جاحظ نے کتاب الحیوان: ۱۵۲/۳ اور البیان والتبیین کی تیسری جلد کے شروع میں یہ قصیدہ نقل کیا ہے، کتاب الاغانی: ۱۴/ ۷۶۔۷۹ طبع بولاق میں بھی یہ قصیدہ نقل کیا گیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ امام زین العابدین اور دیگر ائمہ اہل بیت کا پایہ اس سے کہیں بلند ہے کہ ان کی شان میں جھوٹے مناقب بیان کیے جائیں، مگر شیعہ کی تاریخ سے یہ حقیقت اجاگر ہوتی ہے، کہ دروغ گوئی سے کنارہ کش ہو کر کوئی شیعہ شیعہ رہ ہی نہیں سکتا۔

کچھ فرق و امتیاز باقی نہیں رہے گا۔

شیعہ اپنے مذہب کی صداقت کے اثبات میں دو باتوں کے محتاج ہیں:

۱۔ ائمہ کی عصمت کا دعویٰ جن کی طرف ان کا مذہب منسوب ہے۔

۲۔ دلائل و براہین سے اس نقل کو ثابت کرنا۔

شیعہ کے پاس مذکورہ بالا دونوں امور کو ثابت کرنے کے لیے کوئی دلیل موجود نہیں۔

سیدنا علی اور ان کیا بناء و احفاد کے حق میں جو مناقب ہیں، شیعہ مصنف نے ان کا ذکر تک نہیں کیا، البتہ کچھ جھوٹے مناقب تحریر کر دیے ہیں، جو اس کی جہالت کی کرشمہ سازی ہے۔

شیعہ مصنف کے ذکر کردہ حسب ذیل مناقب و فضائل قابل ملاحظہ ہیں:

۱۔ شیعہ مصنف لکھتا ہے کہ آیت ''هَلْ اَتٰی'' اہل بیت کے بارے میں نازل ہوئی، حالانکہ یہ سورت بالاتفاق مکی ہے اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا غزوۂ بدر کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے گھر میں آباد ہوئیں، سیدنا حسن رضی اللہ عنہ ہجرت کے دوسرے سال اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ چوتھے سال پیدا ہوئے، یہ سورت اس سے کئی سال پہلے نازل ہو چکی تھی، نظر بریں شیعہ مصنف کا یہ کہنا کہ سورہ مذکور اہل بیت کے بارے میں نازل ہوئی صریح کذب ہے اور اس سے ہر وہ شخص آشنا ہے جو علم نزول قرآن اور اہل بیت کے کوائف و احوال سے معمولی واقفیت بھی رکھتا ہے۔

۲۔ جہاں تک آیت قرآنی '' وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا'' (سورہ احزاب: ۳۳) کا تعلق ہے اس میں نجاست کو دور کرنے کی خبر نہیں دی گئی، بلکہ پاکیزگی اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے جیسے درج ذیل آیت میں:

﴿ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ وَلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ ﴾ (مائدة: ٥ / ٦)

''اللہ تعالیٰ تمھیں تکلیف میں مبتلا نہیں کرنا چاہتا بلکہ پاک کرنا چاہتا ہے۔''

نیز فرمایا:

﴿ يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ ﴾ (نساء: ٤ / ٢٨)

''اللہ تعالیٰ تمہارے لیے بیان کرنا اور تمھیں ہدایت دینا چاہتے ہیں۔''

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿ يُرِيۡدُ اللّٰهُ اَنۡ يَّخَفِّفَ عَنۡكُمۡ ﴾ (نساء: ٤/ ٣١)

''اللہ تعالیٰ تمہارے بوجھ کو ہلکا کرنا چاہتے ہیں۔''

مذکورۃ الصدر آیات میں ارادہ کا لفظ حکم دینے اور محبت و رضا کے معنوں میں استعمال اس کا ہوا ہے، یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جس بات کا ارادہ کیا تھا اسے عملی جامہ پہنا دیا، اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ جس کی تطہیر کا ارادہ کرتے وہ پاک و صاف ہو جاتا، ہمارے معاصر شیعہ کے قول کے مطابق آیت کا مطلب بالکل واضح ہے ہمارے زمانہ کے شیعہ معتزلہ کے ہم خیال ہیں اور ان کی ہم نوائی میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایسی باتوں کا ارادہ بھی کرتا ہے، جو عالم وجود میں نہیں آتیں، ان کے خیال میں آیت قرآنی:

﴿ يُرِيۡدُ اللّٰهُ لِيُذۡهِبَ عَنۡكُمُ الرِّجۡسَ ﴾ (سورہ احزاب: ٣٣/ ٣٣)

آیت تطہیر: کا مطلب یہ ہے کہ اگر اہل بیت شرعی اوامر و احکام پر عمل پیرا ہوں گے اور محرمات سے باز رہیں گے تو ان کو پاک کر دیا جائے گا، گویا ان کی تطہیر ان کے اپنے ارادوں اور افعال سے وابستہ ہے، وہ دلیل جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا آیت امر ہے خبر نہیں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ہے کہ آپ نے سیدنا علی، فاطمہ، اور حسن و حسین رضی اللہ عنہم کو چادر میں چھپا لیا، اور فرمایا: اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں تو ان سے نجاست کو دور کر کے ان کو پاک کر دے۔''[1]

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نجاست کو دور کرنے اور پاک و صاف کرنے پر قادر ہے نیز معتزلہ کے عین برخلاف یہ بھی ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ افعال العباد کا خالق ہے، مندرجہ ذیل آیت سے یہ بھی امر مستفاد ہوتا ہے، کہ مذکورۃ الصدر آیت میں حکم دیا گیا ہے، خبر نہیں بیان کی گئی۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَاَقِمۡنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيۡنَ الزَّكٰوةَ وَ اَطِعۡنَ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ ﴾

(احزاب: ٣٣/......)

---

[1] صحیح مسلم۔ کتاب فضائل الصحابة۔ باب فضائل اهل بیت النبی صلی اللّٰه علیه(حدیث: ٢٤٢٤) عن عائشه، رضی اللّٰه عنها، و مسند احمد (٦/ ٢٩٢) سنن ترمذی۔ کتاب المناقب۔ باب ما جاء فی فضل فاطمة رضی الله عنها (حدیث: ٣٨٦٧)و عن ام سلمةؓ ۔ کتاب تفسیر القران۔ باب و من سورة الاحزاب(حدیث: ٣٢٠٥، ٣٧٨٧) عن عمر بن ابی سلمة رضی الله عنه)

''اور نماز کی پابندی کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ و رسول کی فرمانبرداری کرتی رہو۔''

سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں امر و نہی پر روشنی ڈالی گئی ہے یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات اہل بیت میں شامل ہیں، کیونکہ یہ خطاب ان سے ہو رہا ہے:'' عَنْکُمْ '' کی ضمیر مذکر سے معلوم ہوا کہ ازواج مطہرات کے علاوہ اس میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ و فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان کے ابناء واحفاد بھی شامل ہیں، جس طرح مسجد نبوی اور مسجد قبا دونوں کی اساس خلوص وتقویٰ پر رکھی گئی تھی، بلکہ مسجد نبوی اس وصف میں افضل واکمل تھی، جب آیت قرآنی:

﴿ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَی التَّقْوٰی﴾ (سورہ توبہ: ۹/ ۱۰۸)

نازل ہوئی تو مسجد کے لفظ سے مذکورہ دونوں مساجد کو مراد لیا جانے لگا، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے بروایت صحیح تر منقول ہے، کہ ازواج مطہرات ازواج میں شامل ہیں، نبی کریم ﷺ فرمایا کرتے تھے۔

((اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اَزْوَاجِہٖ وَذُرِّیَّاتِہٖ))[1]

جہاں تک رسول اللہ ﷺ کے اقارب کی محبت کا تعلق ہے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انھوں نے فرمایا قریش کے ہر قبیلہ سے نبی ﷺ کے قرابت دارانہ تعلقات تھے[2] بنا بریں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، جس کا مفہوم یہ ہے کہ (اے نبی) آپ فرمائیں کہ میں اس کے سوا تم سے کچھ اجر طلب نہیں کرتا کہ ان قرابت دارانہ تعلقات کی بنا پر جو میرے اور تمہارے درمیان پائے جاتے ہیں تو مجھ سے الفت ومحبت کا سلوک روا رکھو، قابل غور بات یہ ہے کہ مذکورہ آیت میں '' اِلَّا الْمَوَدَّۃَ لِذِی الْقُرْبٰی ''کے الفاظ نہیں فرمائے بلکہ یوں فرمایا'' فِی الْقُرْبٰی ''، حالانکہ جہاں اقارب مراد لینا مقصود ہوتا ہے، وہاں لِذِی الْقُرْبٰی ''کی تصریح ہوتی ہے، جیسے آیت کریمہ:

﴿ فَاَنَّ لِلّٰہِ خُمُسَہٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی﴾ (انفال:۸/ ۴۱)

---

[1] صحیح بخاری کتاب أحادیث الانبیاء باب (۱۰)، (حدیث:۳۳۶۹) ، صحیح مسلم۔ کتاب الصلاۃ۔ باب الصلاۃ علی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم بعد التشھد(حدیث:۴۰۷)

[2] صحیح بخاری کتاب التفسیر۔ سورۃ الشوری۔ باب قولہ﴿الا المودّۃ فی القربیٰ﴾ (حدیث:۴۸۱۸)

میں صراحۃً یہ الفاظ موجود ہیں۔

اہل بیت کے ساتھ ہماری دوستی رسول اللہ ﷺ کے اجر میں داخل نہیں اس لیے آپ کہ اجر سے بے نیاز تھے اور صرف اللہ تعالیٰ سے اجر طلب کیا کرتے تھے۔

قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ قُلۡ مَاۤ اَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَيۡهِ مِنۡ اَجۡرٍ ﴾ (فرقان:۲۵/۵۷)

''فرما دیں کہ اس پر میں آپ سے کچھ اجر طلب نہیں کرتا۔''

یہ مضمون قرن کریم کی حسب ذیل آیات میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

سورۃ الشعراء کی آیات: ۱۲۷، ۱۴۵، ۱۶۴، ۱۸۰، سورہ انعام: ۹۰، سورہ ہود: ۵۱۔

مزید برآں آیت کریمہ ''اِلَّا الۡمَوَدَّةَ فِي الۡقُرۡبٰى'' مکی ہے اور اس وقت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا نکاح سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نہیں ہوا تھا اور نہ ہی اولاد پیدا ہوئی تھی۔

سیدنا علی ایک ہزار رکعات پڑھا کرتے تھے:

شیعہ مصنف کا یہ دعویٰ کہ سیدنا علی شب و روز میں ایک ہزار رکعات پڑھا کرتے تھے درست نہیں، اس کے عین برخلاف سرور کائنات ﷺ رات بھر میں ۱۳ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھا کرتے تھے، [1] ساری رات کے قیام کو ناپسند فرماتے تھے، ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص سے یوں مخاطب ہوئے:

((اِنَّ لِجَسَدِكَ عَلَيۡكَ حَقًّا)) [2]

''تیرے جسم کا تجھ پر حق ہے۔''

آپ شب و روز میں تقریباً چالیس رکعات پڑھا کرتے تھے، سیدنا علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے طریق کار سے بخوبی آگاہ تھے، پھر اس حد تک وہ آپ کی مخالفت کیوں کر کر سکتے تھے، بشرطیکہ ایک

---

[1] صحیح بخاری۔ کتاب التهجد۔ باب کیف صلاة النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم (حدیث:۱۱۳۸، ۱۱۴۰)، صحیح مسلم۔ کتاب صلاة المسافرین۔ باب صلاة اللیل (حدیث:۷۳۷، ۷۳۸، ۷۶۴)

[2] صحیح بخاری کتاب الصوم۔ باب حق الجسم فی الصوم، (حدیث:۱۹۷۵) صحیح مسلم۔ کتاب الصیام، باب النهی عن صوم الدهر، (حدیث:۱۱۵۹)

ہزار رکعات ادا کرنا ممکن بھی ہو، حقیقت یہ ہے کہ دیگر واجبات کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ ایک ہزار رکعات پڑھنا ممکن ہی نہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان مختلف قسم کے مشاغل میں گھرا رہتا ہے، جسم کا راحت و آرام سونا، کھانا پینا، وضو کرنا، وظیفہ زوجیت ادا کرنا، اہل و عیال کی دیکھ بھال کرنا، رعیت کے امور سے عہدہ بر آ ہونا، غرض یہ کہ دسیوں قسم کے لوازمات ہیں جن پر بلا مبالغہ انسان کا نصف وقت صرف ہو جاتا ہے، ایک گھنٹہ میں اسی رکعات ادا نہیں کی جا سکتیں، بجز اس کے کہ صرف سورہ فاتحہ پڑھی جائے اور وہ بھی بلا سکون و اطمینان، ہمارے نزدیک سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا مرتبہ اس سے کہیں بلند ہے کہ آپ نماز میں منافقوں کی طرح ٹھونگے مارنے لگیں اور اللہ کو بہت کم یاد کریں، جیسا کہ بخاری و مسلم کی روایت میں مذکور ہے۔

شیعہ مصنف کا یہ قول کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی کو بھائی بنا لیا، سند کے اعتبار سے موضوع ہے، اس لیے کہ آپ نے کسی کو بھائی نہیں بنایا، مزید برآں مواخات کا رابطہ آپ نے مہاجرین کے درمیان استوار نہیں تھا بلکہ مہاجرین و انصار کے درمیان [1]

شیعہ مصنف کا یہ کہنا کہ سورہ آل عمران کی آیت ﴿ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ﴾ (آل عمران: ۳/ ۶۱) میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو نفس رسول قرار دیا گیا ہے بالکل غلط ہے، اس آیت میں انفس کا لفظ اسی طرح استعمال کیا گیا ہے کہ جس طرح مندرجہ ذیل آیات میں۔

قرآن میں فرمایا:

﴿ لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا ﴾ (نور: ۲۴/ ۱۲)

﴿ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ﴾ (بقرہ: ۲/ ۵۴)

---

[1] سیرت صحابہ کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت اجاگر ہوتی ہے کہ سیدنا عثمان و علی باہم جس قدر قریب تھے یہ تعلق خاطر سیدنا ابوبکر و عمر کو ان سے نہ تھا، بلکہ یوں کہئے کہ صحابہ میں سے کسی کے ساتھ بھی ان کے اس قدر گہرے روابط نہ تھے، جتنے آپس میں ان دونوں اکابر کے تھے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان دونوں کا تعلق بنی عبد مناف سے تھا، بنا بریں اگر سیدنا علی کے اگر کسی سے برادرانہ تعلقات تھے بھی تو سیدنا عثمان کے ساتھ تھے، جو بات بھی اس حقیقت ثابت کے خلاف ہوگی خود ساختہ اور بے دلیل ہوگی۔

﴿ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ ﴾ (بقرہ:۲/ ۸۴)

انفس سے کیا مراد ہے؟:

ان آیات میں انفس سے نسبی یا دینی بھائی مراد ہیں، سرور کائنات ﷺ نے سیدنا علی کو مخاطب کر کے فرمایا: "اَنْتَ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْکَ" [1]

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کسی غزوہ کے دوران جب قبیلہ اشعر کے لوگوں کا توشہ ختم ہو جاتا ہے تو وہ اپنے باقی ماندہ توشہ کو ایک چادر میں جمع کر کے اسے برابر برابر تقسیم کر لیتے ہیں اس لیے یہ میرے ہیں اور میں ان کا ہوں۔" [2]

سرور کائنات ﷺ نے سیدنا جلیبیب رضی اللہ عنہ [3] کے بارے میں فرمایا:
"هٰذَا مِنِّیْ وَاَنَا مِنْهُ" یہ [4] دونوں روایتیں صحیح ہیں۔

اس میں شبہ نہیں کہ سیدنا علی کا نکاح سیدہ فاطمہ کے ساتھ ان کی عظمت وفضیلت کا موجب ہے، جس طرح سیدنا عثمان کی شادی سیدہ فاطمہ کی دونوں بہنوں کے ساتھ (یکے بعد دیگرے) سیدنا عثمان کے لیے باعث فضیلت ہے، اور نبی کا عقد مبارک سیدنا ابوبکر وعمر کی بیٹیوں کے ساتھ ان دونوں کی عزت افزائی کا موجب ہے، خلاصہ کلام یہ کہ چاروں خلفاء رضی اللہ عنہم رسول اللہ کے ساتھ رشتہ مصاہرت

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الصلح، باب کیف یکتب هذا ما صالح فلان (حدیث: ۲۶۹۹)، مطولاً

[2] صحیح بخاری، کتاب الشرکة۔ باب الشرکة فی الطعام والنهد(حدیث:۲۴۸۶) صحیح مسلم۔کتاب فضائل الصحابة۔ باب من فضائل الاشعریین رضی الله عنهم(حدیث: ۲۵۰۰)

[3] حضور کے ارشاد گرامی کی وجہ یہ تھی کہ صحابی موصوف ایک غزوہ میں گم ہو گئے اور آپ نے ان کو تلاش کرنے کا حکم دیا، تلاش کرنے پر آپ کی نعش ملی، سات مشرکین آپ کے اردگرد مقتول پڑے تھے، ان کو ٹھکانے لگانے کے بعد آپ نے جام شہادت نوش کیا، یہ منظر دیکھ کر آپ نے ان کے حق میں دعائے خیر کی، نیز فرمایا: "هٰذَا مِنِّی وَاَنَا مِنْهُ"

[4] صحیح مسلم۔ کتاب فضائل الصحابة ۔ باب من فضائل جلیبیب رضی الله عنه (حدیث: ۲۴۷۲)

میں جکڑے ہوئے تھے۔

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے بہت سے معجزات صادر ہوئے۔''

اگر معجزات کے لفظ سے شیعہ مصنف کرامات مراد لیتا ہے، تو اس میں شبہ نہیں کہ سیدنا علی بہت سے صاحب کرامات اولیاء سے افضل تھے، شیعہ مصنف کا یہ قول کہ

''بہت سے لوگوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی ربوبیت کا دعویٰ کیا اور آپ نے انہیں قتل کروا دیا۔''

ہم اس کے جواب میں کہیں گے، کہ سالار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات بہر حال اکثر و اعظم تھے اور اللہ کا شکر ہے کہ کسی نے آپ کو رب قرار نہ دیا، اس پر طرہ یہ کہ ربوبیت علی کے مدعی بہت تھوڑے لوگ تھے اور آپ نے انہیں نذر آتش کر دیا، مگر آپ کو کافر قرار دینے والے ہزاروں خوارج تھے، پھر یہ بات بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں کہ آپ کی تکفیر کرنے والے خوارج پابند اسلام اور عبادت گزار تھے، بخلاف ازیں آپ کے پرستار زنادقہ تھے۔

رافضی مضمون نگار رقم طراز ہے:

''ایک روز سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا ہاتھ تھامے ہوئے تھے آپ کا لخت جگر ابراہیم رضی اللہ عنہ گود میں تھا، اسی اثناء میں سیدنا جبریل تشریف لائے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ حسین و ابراہیم کو جمع نہیں ہونے دے گا، اس لیے آپ جس کو چاہیں پسند فرمائیں، آپ نے فرمایا: حسین رضی اللہ عنہ کی موت کی صورت میں علی و فاطمہ اور میں تینوں روئیں گے اور اگر ابراہیم موت سے ہم کنار ہوا تو میں اکیلا آہ و بکا میں مبتلا ہوں گا، اس لیے میں ابراہیم کی موت کو ترجیح دیتا ہوں۔'' چنانچہ تین دن کے بعد ابراہیم فوت ہو گئے۔''

ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ یہ ایک بے سند بات اور بہت گھٹیا قسم کا جھوٹ ہے، اس قسم کی باتیں جاہل لوگ کیا کرتے ہیں، بھلا ابراہیم و حسین کو جمع کرنے میں کونسا نقصان ہے جو حسن و حسین کو جمع کرنے میں نہیں۔

شیعہ مضمون نگار یہ بھی کہتا ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے علی بن حسین کا نام ''زین العابدین'' تجویز کیا، یہ بے اصل بات ہے اور کسی عالم نے ایسی روایت بیان نہیں کی۔

شیعہ مذکور کا یہ قول کہ ''ابو جعفر اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم تھے۔'' دعویٰ بلا دلیل ہے، امام زہری اسی زمانہ میں بقید حیات تھے اور وہ لوگوں کے نزدیک ابو جعفر رحمہ اللہ کی نسبت بڑے عالم تھے، یہ صریح جھوٹ ہے کہ آن سیدنا صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو جعفر کا نام باقر تجویز کیا تھا۔

جعفر بن محمد کی مدح وستائش:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''جعفر بن محمد نے امامیہ کی فقہ اور عقائد و معارف کو خوب پھیلایا۔''

اس کا مطلب یا تو یہ ہے کہ جعفر بن محمد نے وہ مسائل اختراع کیے جو متقدمین کو معلوم نہ تھے یا یہ کہ اس کے پیش رو کوتاہی کا ارتکاب کرتے رہتے تھے، اصل حقیقت یہ ہے کہ جعفر رحمہ اللہ سے متعلق جھوٹ کا طومار باندھنے والے اس آفت کے ذمہ دار ہیں، انہوں نے جھوٹ موٹ کتاب البطاقہ، کتاب الجفر، کتاب الھفت، اختلاج الاعضاء اور دیگر کتب کو ان کی طرف منسوب کر دیا تھا، دروغ بانی کی حد یہ ہے کہ رسائل اخوان الصفا بعض لوگوں کے نزدیک امام جعفر سے ماخوذ ہیں، حالانکہ یہ رسائل ان کے دو صد سال بعد اس زمانہ میں تصنیف کیے گئے تھے، جب باطنیہ نے مصر کی حکومت پر قبضہ جمایا اور یہ دعویٰ کیا کہ وہ شریعت کے پیرو ہیں اور شریعت کا ایک ظاہر ہوتا ہے اور ایک باطن، دراصل وہ فلسفہ زدہ لوگ تھے اور اسی اساس پر انہوں نے وہ رسائل تصنیف کیے تھے، نصاریٰ نے ملک شام کے جس علاقے پر قبضہ کر لیا تھا اس کا ذکر ان رسائل میں ملتا ہے۔

محدث ابو حاتم موسیٰ بن جعفر کے متعلق لکھتا ہے۔

''وہ ثقہ ہے اور مسلمان اماموں میں سے ایک امام ہے۔''[1]

ابن سعد نے لکھا ہے۔

''موسیٰ بن جعفر کثیر الروایت نہیں ہے۔''

جہاں تک موسیٰ بن جعفر کے بعد میں آنے والے ائمہ کا تعلق ہے ان سے علوم وفنون اور فتاویٰ کے اخذ و استفادہ کے بارے میں شیعہ نے جو روایات ذکر کی ہیں ان میں سے ایک بھی درست نہیں، البتہ اس میں شبہ نہیں کہ وہ فضائل ومحاسن کے حامل ضرور تھے، شیعہ کی یہ روایت کہ سیدنا بشر حافی رحمہ اللہ نے موسیٰ بن جعفر کے ہاتھ پر بیعت کی تھی صاف جھوٹ ہے، اور وہی شخص اس کو تسلیم کر سکتا ہے جو

[1] الجرح والتعدیل (۱۳۹/۸)

تاریخی حقائق سے نابلد ہو، اصل قصہ یہ ہے کہ ہارون الرشید عباسی نے موسیٰ بن جعفر کو عراق بلا کر قید کر دیا تھا اور بس!

شیعہ مصنف لکھتا ہے:۔

''علی بن موسیٰ اپنے زمانے میں سب سے بڑے عالم وزاہد تھے۔''

واقعہ یہ ہے کہ جب سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور آپ کے متعلقین مصائب و آلام میں مبتلا ہوئے شیعہ نے ان کی مدح وستائش میں حد درجہ مبالغہ آمیزی سے کام لینا شروع کر دیا، یہ درست ہے کہ علی بن موسیٰ عظیم المرتبت بزرگ تھے، مگر ان کے زمانہ میں امام شافعی رحمہ اللہ بقید حیات تھے جو ان کی نسبت بہت بڑے عالم تھے اور معروف کرخی و ابوسلیمان دارانی بھی تھے جو علی بن موسیٰ سے کہیں زیادہ زہد و تقویٰ رکھتے تھے، شیعہ مصنف کا یہ کہنا کہ ''جمہور فقہاء نے علی بن موسیٰ سے بہت کچھ اخذ کیا'' بہتان عظیم ہے، البتہ یہ درست ہے کہ چند افراد مثلاً ابوالصلت ہروی وغیرہ نے ان سے استفادہ کیا تھا۔

سیدہ فاطمہ کی شان میں مبالغہ آمیزی:

رافضی مضمون نویس کا یہ قول کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عفت وعصمت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کی اولاد پر دوزخ کو حرام کر دیا۔ یہ جھوٹ ہے، معصوم وعفیف عورتیں لا تعداد ہیں اور ان کی اولاد میں اچھے اور برے سبھی قسم کے لوگ ہیں، بنا بریں سیدہ فاطمہ کو صرف عفت و عصمت کی وجہ سے یہ فضیلت نہیں حاصل ہو سکتی، پھر اس پر طرہ یہ کہ خود شیعہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اہل سنت اولاد پر کفر وفسق کا فتویٰ لگاتے ہیں، مثلاً سیدنا زید بن علی کو وہ صرف اسی وجہ سے کافر قرار دیتے ہیں کہ آپ شیعہ مذہب نہیں رکھتے تھے۔

آگے چل کر شیعہ مضمون نگار نے مہدی کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ وہی مہدی منتظر ہے، ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ مفسر ابن جریر نیز ابن قانع [1] اور دیگر علماء نے ذکر کیا ہے کہ امام حسن

---

[1] ابن قانع کا نام ونسب عبدالباقی بن قانع بن مرزوق کنیت ابوالحسن نسبت بغدادی اور لقب الحافظ ہے، یہ ماہ شوال ۳۵۱ھ میں بعمر ۸۶ سال فوت ہوا، اس نے حارث بن ابی اسامہ اور ابراہیم بن ہیثم بلدی اور ان کے طبقہ کے دیگر علماء سے حدیث روایت کی، اس نے متعدد کتب تصنیف کیں، حسن عسکری کی وفات ابن قانع کی ولادت کے قریب زمانہ میں ہوئی، ابن قانع کے اقارب واساتذہ امام حسن عسکری کے زمانہ کے چشم دید گواہ تھے۔

بن علی عسکری کے یہاں کوئی اولاد نہ تھی۔

امام اس زعم میں مبتلا ہیں کہ حسن عسکری کا نوعمر بیٹا دو یا تین یا پانچ سال کی عمر میں سامرا کے تہ خانہ میں داخل ہو گیا تھا، اگر اسے درست بھی تسلیم کر لیا جائے تو ایسے نوخیز بچے کا اپنی والدہ [1] یا کسی

[1] اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ حسن عسکری کا نوزائیدہ فرزند اس وقت پانچ برس کا تھا جیسا کہ امامیہ کا دعویٰ ہے تو اسے اپنے چچا جعفر کے زیر سرتربیت ہونا چاہیے تھا، علاوہ ازیں یہ بھی ضروری تھا کہ حسن عسکری کا جو ورثہ ان کے بھائی جعفر کی زیر سرپرستی تقسیم کیا گیا تھا، اس میں سے ان کے نوعمر فرزند کا حصہ بھی الگ کیا جاتا، جیسا کہ احتیاط کا تقاضا ہے، جعفر نے اپنے بھائی کی بیویوں اور لونڈیوں کو آدمیوں کے ساتھ اتصال واختلاط سے بدیں وجہ روکے رکھا کہ مبادا ان میں سے کوئی حاملہ ہو مگر کسی کا حاملہ ہونا ظاہر نہ ہوا اور کسی لونڈی نے بھی...... خواہ وہ نرگس نامی باندی ہو یا کوئی اور...... یہ دعویٰ نہ کیا کہ حسن عسکری سے اس کے یہاں کوئی بچہ ہے، علاوہ ازیں کوئی سیاسی امر بھی اس بات کا متقاضی نہ تھا کہ نومولود کو اس حد تک مخفی رکھا جائے کہ علویہ کے نقیب کو جو بڑے اہتمام کے ساتھ ایک مخصوص رجسٹر میں اس کنبہ کے افراد کی تاریخ ولادت تحریر کیا کرتا تھا پتہ نہ چل سکا، اس پر مزید یہ کہ اس مزعوم نومولود کے والد حسن عسکری اپنے زمانہ میں بڑی عزت ووقعت کی نگاہ سے دیکھتے جاتے تھے اور کوئی حاکم یا غیر حاکم ان کی حریت و کرامت میں دخل انداز نہیں ہو سکتا تھا، پھر ایسے بچے کو پوشیدہ رکھنے کی کیا ضرورت تھی جو نہ تو حکام وقت کا اقتدار غصب کرنا چاہتا تھا، نہ انقلاب بپا کرنے کا خواہاں تھا اور نہ کسی کے خلاف نبرد آزما ہونا چاہتا تھا۔

روافض کا عقیدہ ہے کہ حسن عسکری کا یہ کم سن لڑکا اس وقت تک موت سے نہیں ہوگا جب تک شیعہ کو چھوڑ کر سب مخالفین کو تہ تیغ نہ کر لے، اب قابل غور بات یہ ہے کہ جب اسے موت کا اندیشہ لاحق نہ تھا تو پوشیدہ رہنے کا کیا مطلب؟ تہ خانہ جس کے متعلق شیعہ کا گمان ہے کہ وہ لڑکا وہاں پوشیدہ ہے ایک سراب ہے، جس کی حقیقت کچھ بھی نہیں، جس گھر میں بقول شیعہ یہ تہ خانہ موجود تھا، حسن عسکری کے بھائی جعفر کی ملکیت میں آ چکا ہے، ظاہر ہے کہ گھر کا مالک اس امر سے بخوبی آگاہ ہے کہ گھر میں کیا کچھ پوشیدہ ہے، جن لوگوں نے یہ گپ ہانکی تھی کہ اس گھر کے تہ خانہ میں حسن عسکری کا بیٹا پوشیدہ ہے، ان کا رابطہ اس گھر سے کٹ گیا تھا اور وہ اس کے قریب بھی نہیں پھٹک سکتے تھے، تیل فروش یا گھی فروش کا بیٹا (ابن الزیات اَوالسمّان) جس کی دوکان مذکورہ گھر کے قریب تھی حسن عسکری کی وفات کے بعد ان کے بھائی جعفر سے نہ کبھی اور نہ اسے کبھی اس گھر میں داخل ہونے کا اتفاق ہوا جس میں وہ سرد خانہ تھا واقعہ یہ تھا

اور قریبی رشتہ دار کے زیر تربیت ہونا ضرور تھا، نیز یہ بھی ضروری تھا کہ کوئی دوسرا شخص اس کے مال و متاع کی دیکھ بھال کرتا، مقام حیرت ہے کہ ایسا بچہ جو تصرفات کے اختیار سے محروم اور دوسروں کے زیر تربیت ہو پوری امت مسلمہ کا امام ہو۔

مزید برآں اگر ایسے امام کے وجود کو فرض بھی کر لیا جائے تو اس سے کوئی دینی یا دنیوی مصلحت حاصل نہیں ہوسکتی۔

اگر سوال کیا جائے کہ وہ لوگوں کے ظلم کے خوف سے چھپ گیا تھا، تو ہم جواباً کہیں گے کہ ظلم تو اس کے آباؤ اجداد کے زمانہ میں بھی ہو رہا تھا، مگر انہوں نے چھپنے کو مناسب خیال نہ کیا۔ [1]

کہ گھی فروش کے بیٹے کی دوکان کے قریب ایک درخت تھا، شیعہ عوام جن کو کوئی مسئلہ دریافت کرنا ہوتا تھا شام کے وقت آتے اور اپنے استفتا اس درخت کے سوراخ میں رکھ جایا کرتے تھے، ان کے چلے جانے کے بعد گھی فروش کا بیٹا آ کر یہ کاغذ نکال لیتا اور کسی رافضی فقیہ سے ان کا جواب لکھوا کر پھر اسی سوراخ میں رکھ دیتا، نادان شیعہ اس زعم فاسد میں مبتلا تھے کہ ان کا بارہواں امام جو ہنوز پیدا نہ ہوا اور نہ اس نے کسی سے تعلیم پائی...... یہ جوابات لکھ رہا ہے شیعہ اور ابن الزیات (زیت فروش کا بیٹا) کا رابطہ اس تہ خانہ یا درخت کے ساتھ بس اتنا ہی تھا دگر ہیچ۔

[1] سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب اکابر شیعہ نے جن کے سرغنہ نصیر الدین طوسی، ابن العلقمی اور ابن ابی الحدرد تھے...... مسلمانوں کے خلاف سازش کر کے ان کو موت کے گھاٹ اتارا، یاجوج ماجوج (تاتار) کی تلواروں سے اسلامی سلطنت کا چراغ گل کر دیا اور علوم اسلامیہ کی لاکھوں کتب دریائے دجلہ میں پھینک دیں، جن کی وجہ سے اس کا پانی کئی دن تک سیاہ رہا تو ایسے آڑے وقت میں بقول شیعہ تہ خانہ کا یہ مکین کس لیے تہ خانہ سے باہر نہ نکلا نہ ان کے سامنے اپنی موجودگی کا اعلان کیا؟ حالانکہ شیعہ مذہب کے مطابق وہ اس وقت بقید حیات تھا اور اب بھی زندہ ہے اور شیعہ اس کے عاجلانہ ظہور کے لیے دست بدعا بھی رہتے تھے اس وقت سے موزوں تر وقت اور کون سا ہوسکتا تھا......؟

علاوہ ازیں یہ سوال بھی ذہن میں ابھرتا ہے کہ آج کل اطراف عالم میں شیعہ کی کثرت ہے، دجلہ و فرات کے دونوں کنارے اور ایران شیعہ سے بھرپور ہیں، پھر دور حاضر میں کون سا ظلم امام غائب کے خروج سے مانع ہے......؟

اس پر مزید یہ کہ اللہ تعالیٰ نے امام غائب کی حفاظت اور اس کے تحفظ و بقا کی ذمہ داری اپنی ذات پر عائد کی ہے، ظاہر ہے کہ تحفظ و بقا کی اس گارنٹی کی موجودگی میں ان کی زندگی کو کیا خطرہ لاحق ہوسکتا ہے؟

مزید برآں اس کے عقیدت مند ہر جگہ کرۂ ارضی پر موجود ہیں تو وہ ایسی جگہ ظہور پذیر کیوں نہ ہو گیا، جہاں اس کے ارادت مند بکثرت ہوں، اب بتائیے اس معدوم وموہوم امام سے انتظار طویل اور حسرت والم کے سوا کیا فائدہ پہنچا؟ یہ کس قدر ستم ظریفی ہے کہ شیعہ ساڑھے چار سو (۴۵۰) سال سے اس کے خروج وظہور کی دعائیں کرتے چلے آرہے ہیں مگر ان کی دعائیں قبولیت سے ہم کنار نہیں ہوتیں۔ [1]

آگے چل کر شیعہ مصنف نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث بیان کی ہے کہ "آخری زمانہ میں میری اولاد میں سے ایک شخص نکلے گا، پھر پوری حدیث نقل کی۔"

ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ یہ حدیث شیعہ پر حجت ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں کہ "اس کا نام میرا نام اور اس کے والد کا نام میرے والد کے نام کے مطابق ہوگا، مطلب یہ ہے کہ اس کا نام محمد بن عبداللہ ہوگا نہ کہ محمد بن حسن۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ وہ سیدنا حسن کی اولاد میں سے ہوگا سیدنا حسین کی اولاد میں سے نہیں۔ [2]

آخرتہ خانہ کی تاریکیوں میں دفن رہنے اور دریائے دجلہ وفرات کے جاذب نظر مناظر سے ممتنع نہ ہونے میں کیا مصلحت پائی جاتی ہے، خداوند کریم ہمیں اصلاح عقائد کی توفیق عطا فرمائیں آمین۔ "برحمتك يا ارحم الراحمين"

[1] یہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے زمانہ کی بات ہے اور اب تو مزید ۶۶۴ برس گزر چکے ہیں، اور اس طرح امام کی غیوبت پر بقول شیعہ گیارہ صدیاں بیت چکی ہیں، شیعہ ابھی تک بعجز وانکسار مصروف دعا ہیں، کیا اتنی طویل مدت میں ایک بھی مستجاب الدعوات شیعہ نہ تھا جس کی دعا قبولیت سے آراستہ ہوتی، اور امام غائب منصۂ شہود پر جلوہ گر ہو جاتے۔

[2] سنن ابی داود، کتاب المھدی، حدیث: (۴۲۹۰) اموی خلافت کے آخری دور میں بنو ہاشم قبیلہ قریش کے محمد نفس زکیہ بن عبداللہ بن حسن المثنیٰ بن حسن السبط کو مہدی خیال کرتے تھے، ایک مرتبہ مکہ کو جاتے ہوئے، ابواء کے مقام پر یہ واقعہ پیش آیا کہ وہاں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ وحسین رضی اللہ عنہ کی نسل کے چند لوگ جمع ہوگئے، عباسی خاندان کے ابراہیم وسفاح، منصور اور صالح بن علی بھی موجود تھے، عبداللہ بن حسن المثنیٰ اور ان کے دونوں بیٹے محمد اور ابراہیم ان سب کے سردار تھے، ابوجعفر منصور کے ایماء پر ان سب

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''یہ تھے معصوم ائمہ جو فضل و کمال کی آخری حد تک پہنچ گئے اور دوسرے اماموں کی طرح حکومت وسلطنت ،فواحش ومنکرات،لغویات اور شراب نوشی میں منہمک نہ ہوئے ،اسی بنا پر امامیہ کہتے ہیں کہ اللہ کریم ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ کرے گا اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے،کسی شاعر نے کیا خوب کہا:

(۱) اِذَا شِئْتَ اَنْ تَرْضیٰ لِنَفْسِکَ مَذْھَبًا
وَتَعْلَمَ اَنَّ النَّاسَ فِیْ نَقْلِ اَخْبَارٖ

(۲) فَدَعْ عَنْکَ قَوْلَ الشَّافِعِیِّ وَ مَالِکٍ
وَاَحْمَدَ وَالْمَرْوِیِّ عَنْ کَعْبِ اَحْبَارٖ

(۳) وَوَالِ اُنَاسًا قَوْلُھُمْ وَحَدِیْثُھُمْ
رَوٰی جَدُّنَا عَنْ جِبْرِیْلَ عَنِ الْبَارِیْ

۱۔ جب تو اپنے لیے کوئی مذہب پسند کرنا چاہے اور یہ معلوم کرنا چاہے کہ روایات کے نقل کرنے

لوگوں نے محمد بن عبداللہ بن حسن بن حسن کی بیعت کر لی،منصور نے سب سے پہلے بیعت کی، جب عباسی خاندان برسر اقتدار آیا اور منصور خلیفہ قرار پایا،تو اس کی سب سے پہلی آرزو یہ تھی کہ کسی طرح اپنے مرشد وہادی محمد بن عبداللہ کی بیعت سے آزاد ہو اور ان کے ساتھ ان کے بھائی ابراہیم کو بھی تہ تیغ کر دے،اس ضمن میں خاص بات یہ ہے کہ بنی ہاشم کے عقیدہ کے مطابق مہدی امام حسین کی اولاد سے نہیں ، بلکہ سیدنا حسن کی نسل سے ہوگا ، چونکہ محمد بن عبداللہ بن حسن حدیث نبوی میں مندرج شرائط کے مطابق تھے اور سیدنا علی کی روایت کے مطابق آپ سیدنا حسن کی اولاد سے تھے ، بنا بریں بنی ہاشم نے مہدی سمجھ کر ان کی بیعت کر لی ،خواہ ان کا یہ اقدام صحیح ہو یا غلط، اس لیے کہ حدیث سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ مہدی کا نام رسول اللہ کا نام اور ان کے والد کا نام رسول اللہ کے والد کا نام ہوگا ، چونکہ شیعہ اس بات کے مدعی تھے کہ حسن عسکری کا ایک بیٹا موجود ہے مگر وہ حسن کے نام کو عبداللہ کی صورت میں تبدیل کرنے پر قادر نہ تھے لہٰذا انھوں نے صرف اسی پر اکتفا کیا کہ بارہویں امام کا نام محمد ہوگا ، مگر حدیث نبوی نے انہیں رسوا کر دیا (کیونکہ ان کے والد کا نام عبداللہ نہیں، بلکہ حسن ہے) بہر کیف مہدی سے متعلق احادیث کی چھان بین اور ان کا دقیق وعمیق مطالعہ ضروری ہے۔

میں لوگوں کی کیا حالت ہے۔
۲۔ تو شافعی، مالک اور احمد کے اقوال اور کعب احبار کی روایات ترک کر دو۔
۳۔ اور ان لوگوں سے دوستانہ مراسم استوار کر جن کا قول اور حدیث یہ ہے کہ ہمارے نانا نے جبریل سے اور جبریل نے باری تعالیٰ سے روایت کی۔''
شیعہ مصنف کی ذکر کردہ دلیل کا جواب کئی طرح پر ہے۔''

اہل سنت کے جوابات:

پہلا جواب: اماموں کے معصوم ہونے کی شیعہ کے پاس اس کے سوا کوئی دلیل نہیں کہ ہر زمانہ میں امام معصوم کا وجود لوگوں کے لیے لطف و مصلحت کا باعث ہوتا ہے، لہٰذا ایسے امام کا وجود از بس ناگزیر ہے، ہم قبل ازیں اس دلیل کا بطلان وفساد واضح کر چکے ہیں کہ یہ لطف و مصلحت موجود نہیں مفقود ہے، اس لیے کہ یہ امام ہنوز مفقود ہے اور شیعہ بے تابی سے اس کا انتظار کر رہے ہیں ایسے امام کی نفی کے لیے یہی دلیل کافی ہے کہ امام کا وجود صریح عقل کے منافی ہے اور کسی شخص نے امام منتظر سے کوئی دینی یا دنیوی فائدہ نہیں اٹھایا اور نہ کسی مکلّف کو کوئی مصلحت حاصل ہوئی، تاہم اس کے علاوہ دیگر دلائل و براہین بھی موجود ہیں۔

دوسرا جواب: شیعہ مصنف کا یہ قول کہ ''ہر امام فضل و کمال کی انتہا کو پہنچ گیا۔'' دعویٰ بلا دلیل ہے اور ہر شخص ایسا دعویٰ کر سکتا ہے، خصوصاً جب کہ یہ دعویٰ صحابہ و تابعین کے بارے میں کیا جائے جو علم و فضل اور تدین و تشرع میں امام عسکری اور ان کے اتباع سے افضل و اشہر تھے تو یہ دعویٰ اولیٰ بالقبول ہوگا، تاریخ کا مطالعہ کرنے والا ہر شخص اس حقیقت سے آگاہ ہے کہ ائمہ دین علمی و دینی فضائل میں امام عسکری اور ان کے متعلقین کی نسبت بہت آگے تھے۔

تیسرا جواب: اگر شیعہ مصنف کا مقصود یہ ہے کہ ان کے ائمہ معصومین قوت و شوکت اور سیف و سنان سے بہرہ ور تھے تو یہ صریح کذب ہے، خصوصاً جب کہ وہ خود بھی اس کے مدعی نہیں، بلکہ سیدنا علی کے سوا سب امام اپنے آپ کو عاجز و مغلوب قرار دیتے تھے، سیدنا علی اگرچہ خلافت و سلطنت سے بہرہ ور تھے، تاہم متعدد امور میں آپ کو سخت تکالیف کا سامنا ہوا۔ [1] اس پر مزید

[1] سیدنا علی کی مشکلات کا دائرہ کافی وسیع ہے، مثلاً یہ کہ آپ کے رفقاء کما حقہ آپ کی اطاعت نہیں کرتے تھے، جس کا بین ثبوت یہ ہے کہ آپ صدق دل سے قاتلین سیدنا عثمان سے قصاص لینا چاہتے تھے، مگر

یہ کہ آدھی امت مسلمہ یا اس سے کم وبیش نے سرے سے آپ کی بیعت ہی نہیں کی، بلکہ آپ کے خلاف نبرد آزما ہوئے، بہت سے لوگوں نے نہ آپ کی مخالفت کی نہ معاونت بلکہ غیر جانب دار رہے اوران میں ایسے اصحاب علم وفضل بھی تھے جو سیدنا علی کے ساتھ نہ تھے۔

یہ حقیقت ہے کہ جن لوگوں نے حرب و پیکار میں سیدنا علی کا ساتھ نہ دیا وہ آپ کے احباب و انصار کی نسبت افضل تھے۔

اوراگر شیعہ قلمکار کی مراد یہ ہے کہ شیعہ کے اکابر علم ودین کے بل بوتے پر امام قرار دیئے جانے کا استحقاق رکھتے تھے تو اس دعوی سے ان کا واجب الاطاعت امام ہونا لازم نہیں آتا،جس طرح کسی شخص کے مستحق امامت یا قاضی بننے کی صلاحیت سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ فی الواقع امام یا قاضی ہو بھی یا امارت حرب کی صلاحیت سے بہرہ ور ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ درحقیقت اس منصب پر فائز ہو۔

نماز اس شخص کی اقتداء میں جائز ہے جو بالفعل امام ہو نہ کہ مستحق امامت کے پیچھے، بعینہ اسی طرح لوگوں کے متنازع امور میں فیصلہ وہی شخص صادر کرے گا جو صاحب سلطنت وقدرت ہو نہ کہ وہ شخص جو قضا کا استحقاق رکھتا ہو، لشکر اس شخص کے زیر فرمان لڑے گا جو ان کا امیر حرب ہو نہ کہ مستحق امارت کے زیر اثر، خلاصہ کلام! ہر فعل قدرت کے ساتھ مشروط ہوتا ہے، لہٰذا قدرت وسلطنت سے محروم شخص ولایت وامارت پر فائز نہیں ہوسکتا، استحقاق ایک جداگانہ شے ہے اوراس منصب پر بہرہ ور ہونے کے ہم پلہ ہرگز نہیں، خلیفہ وامام دراصل وہ ہوتا ہے، جو شوکت وقدرت کی صفات سے موصوف ہو، حقیقت یہ ہے کہ شیعہ کے ائمہ میں سے سیدنا علی کے سوا ایک امام بھی ایسا نہیں جو ان صفات سے بہرہ ور ہو۔

چوتھا جواب: ہم شیعہ سے پوچھتے ہیں کہ استحقاق سے تمہاری مراد کیا ہے،؟ کیا تمہارا مطلب یہ ہے

آپ کے شیعہ اس میں روڑے اٹکاتے رہتے تھے، علاوہ ازیں ابن سبا کی، دسیسہ کاریوں سے متاثر ہو کر آپ کے ارادت مندوں میں کفر والحاد کے آثار ظاہر ہونے لگے تھے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ نے ان میں سے ایک فریق کو نظر آتش کر دیا، اور دوسرے کو جلاوطن کیا، نیز آپ کے شیعہ میں سے کچھ لوگ آپ کے مخالف بن گئے تھے، اس کے علاوہ بھی بہت سی تکالیف تھیں جن کا شکوہ سیدنا علی خود فرمایا کرتے تھے۔

کہ قریش کو چھوڑ کر ائمہ شیعہ میں سے کسی ایک کا خلیفہ ہونا ضروری تھا یا یہ مطلب کہ ائمہ میں سے ہر ایک ان لوگوں میں سے ہے جو خلافت کی صلاحیت رکھتے ہیں، پہلی بات اس لیے غلط ہے کہ احادیث نبویہ سے صراحۃً امامت قریش کا ثبوت ملتا ہے، اور اگر دوسری بات تسلیم کی جائے تو اس میں قریش کے دوسرے لوگ مساوی طور پر شریک ہیں۔

پانچواں جواب: امام وہ ہے جس کی اقتدا کی جائے اس کے دو طریقے ہیں

۱۔ پہلا یہ کہ علم و دین میں اس کی طرف رجوع کیا جائے اور اطاعت کنندہ اس بنا پر اس کی اطاعت اختیار کرے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اوامر و احکام اس کے بندوں تک پہنچاتا ہے تاہم اس میں ایسی کوئی قوت نہیں ہوتی کہ کسی کو اپنی اطاعت پر مجبور کر سکے۔

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ وہ صاحب قوت و شوکت اور مالک سیف و سنان ہو، اور لوگوں کو طوعاً و کرہاً اس کی اطاعت کرنی پڑے، آیت کریمہ "وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ" میں "اولی الامر" سے اصحاب قدرت مثلاً امراء حرب اور علماء دونوں مراد لیے گئے ہیں، یہ اوصاف یوں تو چاروں خلفائے راشدین میں مکمل طور پر پائے جاتے ہیں، وہ علم و عدل اور سیف و سنان دونوں کے دھنی تھے، تاہم ان میں بھی تفاوت درجات موجود ہے، مثلاً سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما، سیدنا عثمان و علی رضی اللہ عنہما کی نسبت اکمل و افضل تھے، ان کے بعد سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے سوا دوسرا کوئی خلیفہ ان اوصاف کا جامع نہ تھا، بعض اشخاص خلفاء و سلاطین کی نسبت علم و فضل و دین داری میں آگے تھے، بعض حکومت و سلطنت میں کامل تھے، مگر علم و فضل اور تدین میں ان کو وہ مقام حاصل نہ تھا۔

اگر شیعہ کے ائمہ کے متعلق یہ کہا جائے کہ وہ با اقتدار بھی تھے، تو یہ غلط ہے اور وہ خود بھی اس کے مدعی نہیں تھے، اور اگر اقتدار سے محرومی کے باوصف علم و دین میں ان کی امامت کو تسلیم کیا جائے تو دوسرے علماء بھی اس وصف میں ان کے شریک تھے، بلکہ ان کے معاصرین میں سے بہت سے علماء، علم و تقویٰ میں ان سے بہت آگے تھے اس کا ثبوت یہ ہے کہ ان کے معاصرین سے جو علمی آثار نقل ہو کر ہم تک پہنچے وہ ائمہ شیعہ کی علمی خدمات سے بہت زیادہ ہیں، شیعہ کے متقدمین ائمہ مثلاً علی بن حسین ان کے بیٹے ابوجعفر اور ان کے بیٹے جعفر بن محمد سے کچھ علمی آثار نقل ہو کر ہم تک پہنچے ہیں، مگر اس میں شبہ نہیں کہ ان کے معاصرین کی علمی خدمات ان پر بدرجہا فائق ہیں۔

متاخرین ائمہ شیعہ کی علمی خدمات کا دائرہ بے حد محدود ہے، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ وہ اس دور کے مشاہیر اصحاب علم وحدیث وفتویٰ کے زمرہ میں شمار ہی نہیں کیے جاتے ،ان کی شان میں جو مناقب ومحاسن ذکر کیے جاتے ہیں اس سے زیادہ فضائل ان کے ہم عصر علماء کے بیان کیے جاتے ہیں، اس سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ ان کو علم دین میں افضل الامت قرار دینا خلاف واقع ہے۔

دونوں صورتوں میں ائمہ شیعہ کی امامت اہل سنت کے نزدیک مسلم ہے،اس کی وجہ اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جو شخص بھی اللہ و رسول کی اطاعت کی دعوت دیتا اور اعمال صالحہ کی تلقین کرتا ہو تو اس کی بات مان لینی چاہیے، بنا بریں اہل سنت اعمال صالحہ کی جانب دعوت وتبلیغ میں ائمہ شیعہ کی اطاعت کرنے سے گریز نہیں کریں گے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا ﴾ (سجدة: ۲۴/۳۲)

''ہم نے ان میں ایسے امام مقرر کیے تھے جو ہمارے حکم کے مطابق ان کو ہدایت کرتے تھے۔''

اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرمایا:

﴿ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ﴾ (البقرة:۲/ ۱۲۴)

''میں تجھے لوگوں کا امام بناؤں گا۔''

سیدنا ابراہیم کی امامت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آپ شمشیر بکف لوگوں سے لڑیں گے، بلکہ مقصود یہ ہے کہ آپ واجب الاطاعت ہوں گے، یہ دوسری بات ہے کہ لوگ آپ کی اطاعت کریں یا اس سے منحرف ہو جائیں۔

شیعہ کے امام، اہل سنت ائمہ کی طرح عز وشرف کے حامل ہیں اور اہل سنت ان باتوں میں ان کی اطاعت کرتے ہیں جن امور میں شرعاً ان کی فرمانبرداری روا ہے،شیعہ کے ائمہ کا اجلال واکرام اہل سنت کے یہاں اسی طرح ضروری ہے جس طرح ان کے مسلم ائمہ کی عزت وافزائی مثلاً ابوبکر وعمر ،ابن مسعود، ابی بن کعب، معاذ، ابو الدرداء رضی اللہ عنہم اور تابعین و تبع تابعین میں سے سلیمان بن یسار، عبید اللہ بن عبد اللہ، عروہ بن زبیر، قاسم بن محمد، ابوبکر بن عبد الرحمٰن، خارجہ بن زید، علقمہ، اسود بن زید، اسامہ بن زید، محمد بن سیرین، حسن بصری، سالم بن عبد اللہ، ہشام بن عروہ، عبد الرحمٰن بن قاسم،

زہری، یحییٰ بن سعید انصاری، ابوالزناد۔

علاوہ ازیں امام مالک، اوزاعی، لیث بن سعد، ابوحنیفہ، شافعی، احمد بن حنبل، اسحاق بن ابراہیم وغیرہم۔

مذکورہ بالا اصحاب کی علمی حیثیت ہرگز مساوی نہیں، بلکہ ان میں بعض اکابر کا علمی پایہ دوسروں کی نسبت بلند تر ہے، اور ان کی شہرت کثرت علم، قوت دلیل یا دوسرے اوصاف کی رہین منت ہے، بنابریں اہل سنت یہ نہیں کہتے کہ یحییٰ بن سعید، ہشام بن عروہ اور ابوالزناد، جعفر بن محمد کی نسبت اولیٰ بالاتباع ہیں۔

علی ہذا القیاس وہ یہ بھی نہیں کہتے کہ امام زہری، یحییٰ بن ابی کثیر، حماد بن ابی سلمہ، سلیمان بن یسار اور منصور بن معتمر کی اطاعت جعفر بن محمد کے والد ابوجعفر الباقر کی نسبت واجب تر ہے، نہ یہ کہ قاسم بن محمد، عروہ بن زبیر اور سالم بن عبداللہ کی فرمانبرداری علی بن حسین کی اطاعت سے زیادہ ضروری ہے۔

اس کے عین برخلاف اہل سنت یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان میں سے ہر امام کی مرویات و منقولات وثوق و اعتماد کے قابل ہیں [1] اور کتاب و سنت کی روشنی میں ان کا ہر ارشاد واجب الاتباع

[1] بشرطیکہ امام سے روایت کرنے والے صادق الروایت وثقہ ہوں بعض شیعہ نے امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاری رحمہ اللہ کی شان میں اس دعویٰ کے ساتھ سوء ادبی کی جسارت کی ہے کہ آپ نے اہل بیت کی روایات نقل کرنے میں بخل سے کام لیا ہے، یہ ایک عظیم جسارت و سفاہت ہے، واقعہ یہ ہے کہ امام موصوف نے اس ضمن میں تساہل سے کام نہیں لیا، بخلاف ازیں ان کے یہاں روایت حدیث کے شرائط ان راویوں میں سرے سے مفقود ہیں جو اہل بیت سے روایات نقل کرتے ہیں بلکہ ایسی روایات جھوٹ کا طومار ہیں اور انہوں نے اپنی کتاب کو روایات کاذبہ سے پاک رکھنے کے التزام کو قائم رکھا ہے، صدر کتاب میں ہم امام مالک، شافعی، یزید بن ہارون، اور اعمش کے اقوال درج کر چکے ہیں کہ شیعہ وضاع و کذاب ہوتے ہیں، بے شک صدق شعار مبتدع کی روایت اس شرط کے ساتھ مقبول ہے کہ وہ اپنی بدعت کا داعی نہ ہو، مگر شیعہ اس سے مستثنیٰ ہیں، شیعہ کی روایت اہل بیت و غیر اہل بیت کسی سے بھی مقبول نہیں اس لیے کہ وہ احادیث کو وضع کر کے ان کو دین و مذہب کا درجہ دیتے ہیں، مسلمانوں کے لئے شیعہ کی جھوٹی روایات اور ان کا تاریخی اختلاف ہی کافی ہے، کیا امام بخاری سے انہیں اس بات کی توقع تھی، کہ وہ ان کی دروغ گوئی کے دھوکہ میں آ جائیں گے۔

ہے، جب کوئی امام ایسا فتویٰ دے جو دوسرے علماء وائمہ کے خلاف ہو تو امر متنازع کو بفحوائے قرآن کریم اللہ و رسول کی طرف لوٹایا جائے گا، یہ حکم سب ائمہ کے لیے عام ہے، کوئی امام استثنائی حیثیت کا حامل نہیں، عہد رسالت اور خلفاء راشدین کے زریں دور میں بھی مسلمان اسی پر عمل پیرا تھے۔

چھٹا جواب: شیعہ مصنف کی یہ بات غلط ہے، اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ اہل سنت کے نزدیک سلاطین وملوک کی ہر جائز و ناجائز بات قابل اطاعت ہے تو یہ ان پر صریح بہتان ہے، اہل سنت کے معروف بالعلم علماء کا قول ہے، کہ اللہ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت نہ کی جائے، اور نہ ایسے شخص کو امام مقرر کیا جائے، اور اگر اس کا مقصد یہ ہے کہ طاعات وعبادات کے انجام دینے میں اہل سنت سلاطین سے طلب امداد کرتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر انہیں اس اعتبار سے امام بنانا ناروا ہے، تو خود روافض بھی اس جرم کے مرتکب ہوتے ہیں، اس لیے کہ وہ ہمیشہ کفار و فجار سے طالب امداد ہوتے اور بہت سی باتوں میں خود بھی ان کی امداد کرتے ہیں۔ [1] یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہر زمان و مکان میں اس کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے، سب سے بڑھ کر یہ کہ خود شیعہ مصنف اور اس کے ہم نوا بھی اس الزام سے بچ نہیں سکتے اس لئے کہ تاتاری کافر اور دیگر فساق و جہال ان کے اماموں کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔

ساتواں جواب: شیعہ مصنف نے اپنی کتاب میں جن ائمہ کا ذکر کر کے ان کے معصوم ہونے کا دعویٰ کیا ہے وہ اس قوت وشوکت سے بہرہ ور نہ تھے جس کے ساتھ امامت وخلافت کے مقاصد حاصل ہوتے ہیں، اور نہ ہی ان کی اقتداء عبادت خداوندی اور اس کے ضروری معاونات کے

---

[1] شیعہ مصنف ابن المطہر کا استاد نصیر الدین طوسی اس امر کی بہترین مثال ہے کہ شیعہ علماء کس حد تک کفار و فجار سے طلب امداد کرتے اور ان کی خدمت وخوشامد کو اپنے لیے سرمایہ افتخار خیال کیا کرتے تھے، ہم قبل ازیں شیعہ کی معتبر کتاب ''روضات الجنات، ص: ۵۷۸'' طبع ثانی سے نقل کر چکے ہیں کہ طوسی نے جس عظیم خیانت کا ارتکاب کیا تھا شیعہ اسے اپنے لیے باعث فخر سمجھتے ہیں، ہلاکو خاں تاتاری سے لے کر سلطان اللہ بندہ ......جس کے لیے ابن المطہر رافضی نے یہ رسوائے عالم کتاب لکھی......تک جتنے بت پرست بادشاہ ہوئے ہیں شیعہ علماء ان کی خدمت واستعانت کو اپنے لیے سرمایہ افتخار تصور فرمایا کرتے تھے، سلطان اللہ بندہ شیعہ مذہب اختیار کرنے سے قبل بت پرست تھا، موجب حیرت ہے کہ ابن المطہر رافضی کے نزدیک اس مشرک بادشاہ کا پایہ سیدنا ابوبکر وعمر......جن سے بلند تر حاکم انبیاء کے بعد اس کرۂ ارضی پر پیدا ہی نہیں ہوا...... سے بڑھ کر تھا۔

حصول میں کافی تھی، ملک وسلطنت سے محروم ہونے کی بنا پر نہ ہم ان کے پیچھے نماز ادا کر سکتے ہیں نہ حج و جہاد میں ان کو امیر مقرر کر سکتے ہیں نہ وہ شرعی حدود قائم کرنے پر قادر ہیں اور نہ فصل خصومات کی قدرت سے بہرہ ور ہیں، ان کی مدد سے کوئی شخص لوگوں سے یا بیت المال سے اپنے حقوق وصول نہیں کر سکتا نہ ان کی بدولت راستے محفوظ رہ سکتے ہیں، یہ جملہ امور ایک صاحب اقتدار خلیفہ کے محتاج ہیں اور صاحب اقتدار وہی ہوگا جو احباب واعوان رکھتا ہو، شیعہ کے یہ ائمہ ان سب اوصاف سے محروم تھے بخلاف ازیں ان کے مخالفین اس قدرت سے بہرہ ور تھے، ظاہر ہے کہ جو شخص ایک عاجز امام سے یہ جملہ امور طلب کرے گا وہ حد درجہ جاہل وظالم شخص ہے، اور جو صاحب قدرت سے کرے گا وہ راہ حق وصواب پر گامزن ہوگا اور دین و دنیا کی مصلحتوں کو حاصل کر لے گا، اس کے عین برخلاف پہلا شخص دونوں قسم کے مصالح سے محروم رہے گا۔

آٹھواں جواب: آٹھواں جواب یہ ہے کہ جملہ خلفاء سے متعلق یہ دعویٰ جھوٹ ہے کہ وہ خمور و فجور میں محو رہا کرتے تھے، اس ضمن میں جو حکایات بیان کی جاتی ہیں وہ سب جھوٹ کا پلندہ ہیں [1] یہ امر محتاج بیان نہیں کہ ان میں سیدنا عمر بن عبدالعزیز اور خلیفہ مہتدی [2] باللہ جیسے عادل و زاہد

---

[1] یزید بن معاویہ کے بارے میں جو کچھ کہا جاتا ہے، وہ بھی اس بہتان طرازی میں شامل ہے حالانکہ محمد بن علی بن ابی طالب ......جن کو ابن الحنفیہ کہا جاتا ہے...... کے نزدیک یزید کا دامن ان معائب و نقائص سے پاک تھا۔ (البدایہ والنہایہ، ابن کثیر: ۸/ ۲۳۳)۔ محبّ الدین الخطیب نے العواصم من القواصم: ۲۲۷۔۲۲۸ کے حاشیہ پر اس کی تفصیلات بیان کی ہیں اور بتایا ہے کہ یزید نے اپنے ننہیال کے قبیلہ قضاعہ میں پرورش پائی تھی اور اس کی والدہ میسون بنت بجدل نے یزید کو مردانہ کمالات واوصاف سے آراستہ و پیراستہ کرنے میں سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ بٹایا تھا، شیعہ مذہب کی کتب یزید کی قباحت و مذمت سے پر ہیں یہ سب کذب و بہتان اور ظلم کے مترادف ہے اور شیعہ اس کے لیے اللہ کے حضور جواب دہ ہوں گے۔

[2] خلیفہ مہتدی باللہ عباسی (۲۲۲۔۲۵۶) کی تاریخ فضائل وفواضل سے لبریز ہے، میں نے دور حاضر کے جس مورخ وادیب سے بھی خلیفہ مذکور کے محاسن ومناقب کا ذکر کیا تو اس نے لاعلمی کا اظہار کیا، حالانکہ تاریخ اسلام کا حق یہ تھا کہ ایسے پاک باز خلیفہ کی سیرت وسوانح سے متعلق لوگوں کے ہاتھوں میں دسیوں تصانیف ہوتیں۔

بھی تھے، مزید برآں بنوامیہ و بنوعباس کے اکثر خلفاء کا دامن فواحش ومنکرات سے پاک تھا۔

بعض خلفاء [1] اگر کسی گناہ میں ملوث ہو بھی جاتے تو فوراً اس سے تائب ہو جاتے ، بعض اوقات اس کی نیکیوں سے اس کی برائیاں مٹ جاتیں یا مصائب و آلام میں مبتلا ہو کر اس کے گناہ معاف کر دیئے جاتے۔ [2]

خلاصہ کلام! سلاطین وملوک اعمال صالحہ انجام دیتے اور برائیوں کے بھی مرتکب ہوتے تھے اگر ان میں سے کوئی لاتعداد برائیوں کا ارتکاب کرتا جس کی حد یہ ہے کہ امت کا کوئی فرد اس ضمن میں اس کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا تو بلا شبہ اس کی نیکیاں بھی اتنی زیادہ ہوا کرتی تھیں، کہ کوئی شخص ان کا حریف نہ ہو سکتا، ان کے اعمال صالحہ کا دائرہ خاصا وسیع تھا، مثلاً امر بالمعروف، نہی عن المنکر ، اقامتِ حدود، جہاد فی سبیل اللہ، اداءِ حقوق، دفع ظلم اور اقامت عدل وغیرہ۔

ہم خلفاء کو گناہوں سے مبرا قرار نہیں دیتے، البتہ یہ کہتے ہیں کہ خلفاء یا عوام سے ظلم و معاصی کے صدور کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ان کا دامن نیکیوں سے بالکل خالی ہوتا ہے، اہل سنت یہ بھی نہیں کہتے کہ جملہ امور میں خلفاء کی موافقت ضروری ہے، بلکہ اطاعت صرف نیک اعمال میں ضروری ہے،

---

[1] بنوامیہ و بنوعباس کی تاریخ قلم بند کرنے اور ان کی روایات و اخبار کی تشہیر کرنے والے مصنفین شیعہ یا شعوبیہ تھے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے امت مسلمہ کی تاریخ کو بگاڑ کر اس کے محاسن کو معائب میں بدل دیا، ذہین طبقہ اگر اسلامی تاریخ کے درس و مطالعہ کی طرف متوجہ ہو کر اس کی اصلاح کے لیے کوشاں ہو تو تھوڑی سی مدت میں ان کثیر تحریفات کی اصلاح ہو سکتی ہے۔

[2] میں مسلم فضلاء و مصنفین کی توجہات سامیہ کو اس حقیقت کی جانب مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ شیعہ بشر کو بشر نہیں سمجھتے، ان کی رائے میں یا تو انسان فرشتوں کی طرح معصوم ہوتا ہے، بلکہ ان سے بھی بالاتر یا ابلیس کی طرح ملعون بلکہ اس سے بھی گیا گزرا ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ انہوں نے بعض انسانوں کو جو نبی بھی نہ تھے معصوم قرار دیا اور مسلمانوں کے خلفاء و حکام اور داعیان حق کے خلاف از راہ بغض و عداوت کذب و دروغ کا طومار جمع کر دیا، ان اصحاب خیر و برکت کا سلسلہ سیدنا ابوبکر و عمر سے شروع ہو کر راقم السطور محبّ الدین الخطیب تک پہنچ جاتا ہے، اگر وہ ایسا نہ کرتے تو وہ شیعہ نہ ہوتے اور اس لقب کو ہمیشہ کے لیے کھو دیتے، اس لئے کہ تشیع نام ہے تخریب وتعصب کا اور بس! ونعوذ باللہ من التعصب ’’آمین یا رب العالمین‘‘

معصیت میں نہیں، جو شخص طاعات وعبادات میں کسی دوسرے کے ساتھ شریک ہو اور اعمال قبیحہ میں اس سے کنارہ کش رہے تو اسے کوئی ضرر لاحق نہیں ہوتا، مثلاً کوئی شخص لوگوں کے ساتھ فریضہ حج ادا کرنے کے لیے جائے اور ان کے ساتھ وقوف وطواف انجام دے تو کسی حاجی کے گناہ گار ہونے سے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا، بعینہ اسی طرح اگر کوئی شخص جمعہ و جماعت یا کسی علمی مجلس یا غزوہ میں شریک ہو اور اس کے رفقاء میں سے کوئی شخص متعدد گناہ کر چکا ہو تو اسے اس کے گناہوں کی وجہ سے کوئی ضرر لاحق نہیں ہوگا، حاصل کلام یہ کہ خلفاء اس ضمن میں دوسروں لوگوں کے ساتھ مساوی ہیں کہ طاعات میں ان کی موافقت کی جائے، اور معصیت میں ان کے ساتھ اشتراک کرنے سے اجتناب کیا جائے، اہل بیت کا برتاؤ بھی دوسرے کے ساتھ اسی قسم کا تھا، جو نیک کاموں میں ان کی اطاعت کرے گا وہ ان کا پیرو کہلائے گا اور جو سابقین اولین و جمہور اہل علم سے اظہار براءت کر کے کفار و منافقین کا ساتھ دے گا۔ جیسا کہ شیعہ کا طرز عمل ہے......تو وہ اپنے کیے کی سزا پائے گا۔

نو واں جواب: خلیفہ و امام ایسا ہونا چاہیے جو قدرت وشوکت سے بہرہ ور ہو اور جس سے لوگوں کی بہبود و مصلحت کی شیرازہ بندی ہو جائے، مزید برآں خلیفہ میں درج ذیل اوصاف کا پایا جانا بے حد ناگزیر ہے۔

۱۔ خلیفہ کی وجہ سے راستوں میں امن وامان کا دور دورہ ہو۔

۲۔ شرعی حدود قائم کرنے پر قادر ہو۔

۳۔ ظلم کا ازالہ کر سکے۔

۴۔ دشمن کے خلاف جہاد کر سکتا ہو۔

۵۔ دوسروں کے حقوق حاصل کرنے پر قادر ہو۔

مقام حیرت و استعجاب ہے کہ شیعہ جس امام معصوم کے دعوے دار ہیں وہ سرے سے اس دنیا میں موجود ہی نہیں، گویا شیعہ باطن میں جس امام کے دعوے دار ہیں وہ معدوم ہے اور بظاہر جن کو امام مانتے ہیں وہ کافر وظالم ہیں (مثلاً تاتاری کافر) اس کے عین برخلاف اہل سنت کے امام ظلم و گناہ کے مرتکب ہونے کے باوصف شیعہ کے ان ظاہری ائمہ سے بدرجہا بہتر ہیں جن پر وہ اعتماد کرتے ہیں اور اس امام سے بھی بڑھ کر ہیں جو بے حقیقت اور معدوم ہے، جہاں تک باقی ائمہ کا تعلق ہے وہ فریقین میں موجود ہیں اور وہ اپنے اپنے اکابر کی اطاعت کرتے ہیں، ظاہر ہے کہ فریقین کے ائمہ کی اطاعت

کرنے والا اس شخص سے بہتر ہے جو صرف ایک ہی فریق کے اماموں کا اطاعت گزار ہو، اس لیے کہ روایت ودرایت کا نام علم ہے اور اس میں جس قدر بھی علماء ہوں گے اور ان میں باہم اتفاق واتحاد پایا جائے گا تو وہ اولیٰ بالاتباع ہوگا، شیعہ کے یہاں جو خیر بھی موجود ہے اہل سنت اس میں برابر کے شریک ہیں، مگر جو خیر اہل سنت کے یہاں پائی جاتی ہو شیعہ اسے حاصل کرنے کے لیے تیار نہیں۔

دسواں جواب: یہ ہے کہ رافضی نے جو دلیل پیش کی ہے اہل سنت اس پر شدید معارضہ کر سکتے ہیں اور کہہ سکتے ہیں کہ سعید بن مسیّب، علقمہ، اسود، حسن بصری، عطا بن ابی رباح، محمد بن سیرین، مطرف، مکحول، قاسم بن محمد، عروہ بن زبیر، سالم بن عبداللہ اور دیگر تابعین و تبع تابعین (رحمۃ اللہ علیہم) سب ائمہ دین میں شمار ہوتے ہیں، ان کے ساتھ ساتھ علی بن حسین اور ان کا فرزند نیز جعفر بن محمد وغیرہم بھی یکساں طور پر اہل سنت کے اماموں میں شامل ہیں، قصہ مختصر! شیعہ علم و زہد سے بہرہ ور جس امام کی بھی اطاعت کرتے ہیں اہل سنت اس میں ان کے ساتھ برابر کے شریک ہیں، اور اس کے پہلو بہ پہلو اپنے ائمہ کے بھی تابع فرمان ہیں جو علم و زہد میں شیعہ کے اماموں سے بڑھ کر تھے، بفرض محال اگر اہل سنت نے معاصی کا ارتکاب کرنے والے کسی شخص کو امام بنانے کی غلطی کا ارتکاب کیا تو شیعہ نے اس سے بھی بدتر شخص کو امام مقرر کر لیا، اس سے یہ حقیقت واضح ہوئی کہ اہل سنت نے ظالم خلفاء کی اطاعت صرف ان باتوں میں کی تھی، جو ظلم و معصیت نہ تھیں، بنابریں اہل سنت بہرکیف روافض سے افضل ہوئے۔

گیارہواں جواب: شیعہ مصنف کا یہ قول کہ ''اللہ تعالیٰ ہمارے اور اہل سنت کے درمیان فیصلہ فرمائے گا۔''

ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ دلائل و براہین کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ دنیا ہی میں کر دیا ہے، مزید برآں اہل سنت قوت وشوکت کے اعتبار سے بھی ہمیشہ شیعہ پر غالب رہتے ہیں گویا اہل سنت کا یہ غلبہ دوگونہ ہے:

۱۔ حجت و برہان کے اعتبار سے

۲۔ سیف وسنان کے بل بوتے پر، جس طرح رسول اللہ کا دین باقی ادیان کے مقابلہ میں غالب ہوا تھا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی

الدِّيۡنِ كُلِّهٖ﴾ (سورۂ توبة: ۹/ ۳۳، صف: ۶۱/ ۹، فتح: ۴۸/ ۲۸)

''وہ اللہ کی ذات ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت دے کر مبعوث کیا تا کہ اسے تمام ادیان پر غالب کر دے۔''

یہ نا قابل انکار صداقت ہے کہ اہل سنت کے عقائد وافکار کا حامل شخص دلیل و برہان کی بنا پر شیعہ پر غالب آئے گا جس طرح دین اسلام باقی ادیان و مذاہب کے مقابلہ میں غالب رہا، یہ امر محتاج بیان نہیں کہ دیگر ادیان و مذاہب پر دین اسلام کو جو غلبہ حاصل ہوا وہ اہل سنت کی وجہ سے ہوا، دین اسلام کو جو غلبہ کامل خلفاء ثلاثہ کے عہد سعادت مہد میں حاصل ہوا، وہ دوسرے کسی دین کو نصیب نہ ہو سکا [1] سیدنا علی رضی اللہ عنہ اگر چہ خلفائے راشدین میں شامل ہیں اور سابقین اولین میں شمار ہوتے ہیں مگر آپ کے عہد خلافت میں اسلام کو یہ غلبہ حاصل نہ ہو سکا۔ [2]

بخلاف ازیں فتنہ پردازی کی وجہ سے اہل اسلام کا شیرازہ بکھر گیا اور اعداء دین مثلاً کفار، نصاریٰ و مجوس مختلف دیار و امصار میں اسلامی ممالک کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگ گئے، سیدنا علی کے بعد اہل سنت کے سوا نہ کوئی اہل علم باقی رہا اور نہ غازی و مجاہد جن کی بدولت اسلام کو غلبہ نصیب ہوتا، روافض کا یہ حال تھا کہ یا تو اعداء [3] اسلام کا ساتھ دیتے یا غیر جانب دار رہتے [4] اس میں شبہ

---

1. یہ حقیقت ہے کہ خلفاء ثلاثہ کے بعد اموی خلافت کے زمانہ میں شرق وغرب اور یورپ میں اسلامی دعوت کو جو فروغ حاصل ہوا وہ اموی خلفا کی مساعی جمیلہ کا رہین منت ہے۔
2. سیدنا علی کی خلافت میں اسلامی دعوت کے ناکام ہونے کے ذمہ دار وہ شیعہ تھے، جو آخر کار کئی حصوں میں بٹ گئے، ان میں سے بعض آپ کے موافق اور بعض مخالف ہو گئے، آپ کے معاصر شیعہ پر مقابلۃً متاخرین شیعہ کی نسبت کم ذمہ داری عائد ہوتی ہے، متاخرین شیعہ نے اسلام کو ایک نئے سانچہ میں ڈھالنے کی مذموم سعی کی تھی اور اس کی ظاہری صورت کو اس طرح مسخ کر کے رکھ دیا تھا کہ وہ اسلام کے سوا کچھ اور معلوم دیتا تھا۔
3. چنانچہ جب ہلاکو خاں نے یاجوج ماجوج (تاتاری فوج) کی مدد سے بغداد پر حملہ کیا تو شیعہ نے نصیر الدین طوسی اور ابن العلقمی کی قیادت میں کفار کا ساتھ دیا۔
4. اس کی دلیل یہ ہے کہ تاتاریوں نے جب بلاد اسلامیہ پر حملہ کیا تو شیعہ اس میں غیر جانب دار رہے، پھر صلیبی جنگوں کے زمانہ میں بھی روافض نے یہی کردار ادا کیا اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ان واقعات کے عینی شاہد تھے۔

نہیں کہ اللہ تعالیٰ بروز قیامت سابقین اولین مہاجرین و انصار اور ان کے اعداء کے درمیان اسی طرح فیصلہ فرمائے گا جس طرح اہل اسلام اور کفار کے مابین فیصلہ صادر کرے گا۔

بارھواں جواب: ہم شیعہ سے پوچھتے ہیں کہ آخر کس کے ظلم سے تم آہ و فریاد کر رہے ہو......؟ اگر شیعہ کہیں کہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر مظالم ڈھائے تھے اور ہم ان کے ظلم سے فریاد کے خواہاں ہیں، تو ہم جواباً کہیں گے کہ اس دعویٰ کا حق سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو پہنچتا تھا، اور آپ سیدنا ابوبکر و عمر کی طرح وفات پا چکے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ معاملہ اہل سنت و شیعہ سے متعلق نہیں سوائے اس کے کہ حق کی وضاحت کر کے اہل حق کی امداد کی جائے۔

ہم دلائل قاہرہ کی روشنی میں یہ صداقت واضح کر سکتے ہیں کہ اس امت میں سیدنا ابوبکر و عمر سے بڑھ کر نہ کوئی عدل و انصاف کے تقاضوں پر عمل کر سکا اور نہ ظلم سے کنارہ [1] کش رہا، ہم آگے چل کر یہ حقیقت واضح کریں گے کہ سیدنا علی کا یہ عقیدہ نہ تھا کہ صرف آپ ہی امامت و خلافت کے منصب پر فائز ہیں اور سیدنا ابوبکر و عمر کو یہ مرتبہ حاصل نہ تھا۔

اگر شیعہ کہیں کہ ہم ان ملوک و سلاطین کے ظلم سے داد رسی چاہتے ہیں جنہوں نے ائمہ شیعہ کو امامت و خلافت کے حقوق سے محروم رکھا تو ہم ان سے دریافت کریں گے کہ کیا ائمہ شیعہ نے خلافت کا مطالبہ کیا تھا؟ یا وہ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ وہ معصوم امام ہیں؟ یہ ان پر صریح بہتان ہے، بہر کیف! سچ

[1] بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ تا ہنوز اور تا قیام قیامت ایسا شخص پیدا ہی نہیں ہوگا، مزید یہ کہ سب سے بڑا ظالم تو وہ ہے جو ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے ظلم و تعدی کا شاکی ہے، بلکہ بالفاظ صحیح تر وہ حد درجہ کوتاہ فہم اور انسانیت کے اوصاف کمال سے بیگانہ ہے، ابوبکر و عمر کے خلاف بغض و عداوت رکھنے والا ان کی ذات میں اس دین کے سوا اور کوئی نقص و عیب نہیں پائے گا، جس نے انہیں انسانی کمالات کی آخری منزل تک پہنچا دیا، ایسا شخص دراصل اس دین کا دشمن ہے جس کی پیروی کا فخر ابوبکر و عمر کو حاصل تھا، اور جس کی امانتوں کے وہ اس کرۂ ارضی پر سب سے بڑے امین تھے، تاہم ہم ان کو معصوم قرار نہیں دیتے، معصوم ہونا خاصہ انبیاء ہے، البتہ یہ کہنے میں ہمیں کوئی باک نہیں کہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اللہ کی مخلوقات میں افضل و اکمل تھے، سیدنا علی نے جو کلمات کوفہ کے منبر پر ارشاد فرمائے تھے تاریخی اسلام انہیں فراموش نہیں کر سکتی، آپ نے فرمایا تھا، ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امت میں سب سے افضل ابوبکر اور پھر عمر فاروق ہیں۔'' آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ ''جو شخص مجھے ابوبکر و عمر کے مقابلہ میں افضل قرار دے گا میں اس پر مفتری کی حد لگاؤں گا۔''

ہو یا جھوٹ اللہ تعالیٰ بروز قیامت اس کا فیصلہ فرمائیں گے۔

قرآن کریم میں فرمایا:

﴿اَنۡتَ تَحۡكُمُ بَيۡنَ عِبَادِكَ فِيۡمَا كَانُوۡا فِيۡهِ يَخۡتَلِفُوۡنَ﴾

(زمر:۳۹/ ٤٦)

''تو اپنے بندوں کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کرے گا جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔''

اور اگر وہ ان ملوک وسلاطین کے ظلم سے دادرسی چاہتے ہیں جن کے ساتھ وہ کسی ولایت یا مال کے بارے میں برسر جدل ونزاع تھے تو اس میں شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ بروز قیامت سب متنازع فریقین کے مابین فیصلہ فرمائے گا، ان میں شیعہ کی کیا خصوصیت ہے۔

خود شیعہ کے مختلف فرقوں میں جو تنازعات پائے جاتے ہیں وہ اہل سنت کے باہمی اختلافات سے کہیں زیادہ ہیں، بنو ہاشم بھی باہم برسر پیکار رہ چکے ہیں، بنو حسن و بنو حسین کے مابین اسی قسم کی لڑائیاں ہو چکی ہیں، جو آج کل ان جیسے دوسرے لوگوں میں بپا ہیں، پچھلے زمانوں میں بعض بنی ہاشم اور دوسرے لوگوں کے درمیان جو معرکے بپا ہوئے وہ ان لڑائیوں کی نسبت بہت زیادہ تھے، جو ابتدائی ایام میں بنو امیہ اور بنو ہاشم کے مابین ہوئیں۔ [1]

---

[1] بنو امیہ و بنو ہاشم کے مابین جس طرح اختلافات پائے جاتے تھے بعینہ اسی طرح محبت و مؤدت اور قرابت داری کے روابط بھی موجود تھے، اگر کوئی مورخ ایسے تاریخ حقائق جمع کرنے کی زحمت گوارا کرے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں خاندانوں میں کس حد تک الفت ومحبت کے علائق موجود تھے، اوران سے کیا ثمرات ظہور میں آئے اور پھر ان واقعات کو اسانید سمیت کسی کتاب میں جمع کرنے کا التزام کرے تو یہ حقیقت منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوگی کہ فریقین میں محبت کے جذبات واحساسات اصلی و پائیدار تھے اور اختلافات ہنگامی وعارضی۔

خالد بن یزید بن معاویہ نے ایک مرتبہ حجاج بن یوسف کی ایک غلطی کی تصحیح کرتے ہوئے لکھا تھا:

''قریش باہم لڑتے جھگڑتے ہیں جب اللہ تعالیٰ صاحب حق کو حق عطا کر دیں گے تو ان کے تعلقات اور لاتعلقی، عقل و دانش اور شرافت وفضیلت کی بنا پر ہوگی۔''

خالد بن یزید کا مطلب یہ ہے کہ قریش میں سے جو لوگ باہم خاندانی علائق و روابط کو قائم رکھیں گے وہ ان مراسم کو توڑنے والوں کی نسبت فہم وفراست اور فضل وشرف میں بڑھ کر ہوں گے بنو ہاشم و بنو امیہ

اس کی وجہ نسبی شرافت نہیں بلکہ اس لیے کہ سب سے بہتر زمانہ وہ تھا جس میں رسول اللہ ﷺ مبعوث کیے گئے تھے، پھر صحابہ کا زمانہ پھر تابعین کا [1] بہر کیف آپ کے زمانہ میں خیر کا دور دورہ تھا

دونوں اس حقیقت سے آگاہ تھے اور اس کے قدر شناس تھے، بخلاف ازیں شیعہ اس سے نابلد محض ہیں اور ان کی راہ بنو ہاشم و بنو امیہ دونوں سے الگ ہے۔

شیعہ کا مقصد وحید فتنہ پروری اور اسلامی حقائق کے خلاف بغض و عناد کی آگ کو ہوا دینا ہے اور بس۔

راقم السطور نے جمادی الاولیٰ ۱۳۶۵ھ میں مجلّہ الفتح کے شمارہ: ۸۳۴ص: ۶، ۷ میں قریش کی اس قدیم عادت کا ذکر کیا تھا کہ بعض اوقات وہ عداوت کے باوجود بھی الفت و محبت کا اظہار کرنے سے نہیں ہچکچاتے، اس مضمون کا محرک یہ ہوا کہ جب امام ضحیانی فوت ہوگئے تو یمن کے امام یحییٰ بن حمید الدین نے ان کی وفات پر ایک دلدوز مرثیہ لکھا، حالانکہ عثمانی حکومت کے عہد میں یہ دونوں مدعی امامت ہونے کی بنا پر عرصہ دراز تک ایک دوسرے کے خلاف برسر پیکار رہے تھے، قریش کے علماء میں بھی اظہار مودت کی یہ رسم جاری رہی، جب تک کرۂ ارضی پر قریش کے ایسے علماء بقید حیات ہیں جو اسلامی اخلاق و آداب سے بہرہ ور ہیں الفت و محبت کے یہ مراسم باقی رہیں گے، اگرچہ فتنہ پرور لوگ ان باتوں کو پسند نہیں کرتے۔

[1] عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا: ''سب سے بہتر زمانہ میرا ہے، (جس میں صحابہ تھے) پھر وہ زمانہ جو اس کے قریب ہے (عہد تابعین) پھر وہ زمانہ جو اس کے قریب ہے (تبع تابعین کا عہد مبارک) (صحیح بخاری، کتاب الشھادات، باب لا یشھد علی شھادۃ جور اذا اشھد (حدیث: ۲۶۵۱)، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب فضل الصحابة ثم الذین یلونھم...... (حدیث: ۲۵۳۵) آخری زمانہ اموی خلافت کے آخری دور پر ختم ہوتا ہے، عباسی خلافت کا ابتدائی زمانہ بھی اس میں شامل ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں۔ ''اس بات پر محدثین کا اتفاق ہے کہ تبع تابعین میں سے آخری مقبول القول شخص وہ ہے جو ۲۲۰ھ تک بقید حیات رہا، اسی زمانہ میں بدعات نے پر پرزے نکالنے شروع کیے معتزلہ نے اپنی زبانیں کھول دیں، فلاسفہ نے سر اٹھایا، اور خلق قرآن کے مسئلہ میں علماء کو شدید امتحان میں ڈالا گیا اس دور میں حالات سخت بدل گئے اور آئندہ زمانوں میں تنزل و انحطاط کی یہ رو حافظ ابن حجر کے زمانہ یعنی (۷۷۳۔۸۵۲) ہجری تک جاری رہی، رسول اللہ کے ارشاد مبارک کے مطابق اقوال و افعال سے لے کر افکار و معتقدات تک جھوٹ سے ملوث ہوگئے۔ (فتح الباری: ۷/۴)

اس کے برعکس آئندہ زمانوں میں شر کا غلبہ ہوگیا۔

اگر شیعہ ان دین دار اور بے ضرر علماء دین کے ہاتھوں فریاد کناں ہیں، جنھوں نے کسی پر ظلم کیا نہ ظالم کی امداد کے مرتکب ہوئے، بجز اس کے کہ وہ حق بات کو بدلائل قاہرہ واضح کر دیتے ہیں تو یہ بڑی غلط بات ہے، کوئی احمق شخص ہی اس بات میں شک و شبہ کا اظہار کرے گا کہ امام مالک، اوزاعی، ثوری، ابوحنیفہ، لیث بن سعد، شافعی، احمد، اسحٰق (رحمہم اللہ) اور دیگر محدثین کو ہشام بن حکم و ہشام بن سالم اور ان کے ہم نوا روافض کے ہم پلہ ہیں، یہ انتہائی ظلم ہے، اسی طرح جو شخص یہ کہے کہ مسئلہ تقدیر کا انکار کرنے والے شیعہ مثلاً النعمی، کراجکی اور ان کے نظائر و امثال معتزلی علماء مثلاً ابوعلی، ابو ہاشم، قاضی عبدالجبار اور ابوحسین بصری کے ہم رتبہ ہیں اس کا ظالم ہونا کسی شک و شبہ سے بالا ہے، یہ معتزلہ کے اکابر علماء ہیں، اس ضمن میں اہل سنت علماء کا تو نام لینا ہی مناسب نہیں، مثلاً متکلمین اہل اثبات میں سے محمد بن ہیضم اور قاضی ابوبکر بن الطیب اور حدیث و فقہ اور تصوف کے علماء مثلاً ابو حامد اسفرائنی، ابوزید مروزی، ابوعبداللہ بن بطہ، ابوبکر، عبدالعزیز، ابوبکر رازی، ابوالحسین قزوینی، ابومحمد بن ابوزید، ابوبکر ابہری، ابوالحسین دارقطنی ابوعبداللہ بن مندہ، ابوالحسن بن میمون، ابو طالب مکی، ابوعبدالرحمٰن السلمی وغیرہم۔

تحقیق کرنے پر یہ حقیقت آشکارا ہوتی ہے کہ اہل سنت کے مختلف و متعدد فرقوں میں سے ہر فرقہ شیعہ کی نسبت علم و عدل سے قریب تر اور ظلم و جہل سے بعید تر ہے، بفرض محال اگر اہل سنت کے کسی فرقہ نے ظالم کی اعانت کا ارتکاب کیا ہے تو شیعہ اس جرم کے ارتکاب میں ان سے دو قدم آگے ہی ہوں گے اور اگر شیعہ نے کبھی ظلم و تعدی سے اجتناب کیا ہے تو اہل سنت اس میدان میں بھی کئی قدم آگے ہوں گے، یہ بات تجربہ و مشاہدہ پر مبنی ہے اور اس میں ذرہ بھر مبالغہ نہیں، یہ حقیقت ہے کہ اسلامی فرقوں میں شیعہ سے زیادہ جھوٹا[1] اور زیادہ ظالم و جاہل دوسرا کوئی فرقہ نہیں، لطف یہ ہے کہ شیعہ کے

[1] پہلی جنگ عظیم سے قبل ایک شیعہ عالم شیخ محمد حسین کاشف الغطا، نامی قاہرہ وارد ہوئے، وہ ان دنوں میری طرح بالکل نوجوان تھے، ہمارا مکتب ان دنوں عبدالعزیز روڈ پر واقع تھا، شیخ موصوف روزانہ ہمارے مدرسہ میں آتے اور عثمانی ترکوں کی مذمت میں جو اشعار کہتے وہ مجھے سنایا کرتے تھے، اس ضمن میں شیخ موصوف نے ایک طویل قصید نظم کیا تھا اسی دوران وہ ہمارے اساتذہ شیخ طاہر الجزائری اور احمد تیمور پاشا سے بھی متعارف ہوگئے، استاذ محترم شیخ احمد پاشا نے ہمیں ایک روز اپنے گھر بلایا، دوران گفتگو شیخ

شیوخ وعلماء نے خود اس بات کا اعتراف کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

''اے گروہ اہل سنت! تم میں جوان مردی کے آثار پائے جاتے ہیں، تم پر قابو پانے کی صورت میں ہم تم سے ہرگز وہ سلوک نہیں کر سکتے جو تم عندالقدرت ہم سے روا رکھتے ہو۔''

تیرھواں جواب: شیعہ نے جس شعر کو پسند کیا اور اس سے استشہاد کیا ہے وہ اس کے ناظم کی جہالت کا مظہر ہے، اہل سنت اس بات کو تسلیم کرتے ہیں:'' رَوٰی جَدُّھُمْ عَنْ جِبْرِیْلَ عَنِ الْبَارِی''اس سے بڑھ کر اہل سنت اقوال رسول پر بلا توقف عمل پیرا ہوتے ہیں اور یہ دریافت کرنے کی مطلقاً ضرورت نہیں سمجھتے کہ رسول اللہ نے وہ قول کہاں سے اخذ کیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل سنت رسول اللہ کو معصوم سمجھتے ہیں۔

کاشف الغطاء نے شیعہ ادباء، شعراء اور مورخین کی مدح وتوصیف پر کھل کر بات چیت کی اور اس پر فخر کا اظہار کیا کہ شیعہ ادباء کی تعداد اہل سنت کے علماء وادباء کی نسبت بہت زیادہ ہے۔

اس کے جواب میں شیخ طاہر نے فرمایا:

''فخر کا انحصار مورخین وادباء کی اکثریت پر نہیں، بلکہ اس بات پر ہے کہ کون کس حد تک خلوص دل سے حق کا ساتھ دیتا ہے، اور اس صورت میں بھی حق کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتا، جب وہ اس کے اپنے فرقہ کے خلاف ہو، ہم نے مختلف فرقوں کے علماء کی سیرت وسوانح کا بغور مطالعہ کیا ہے اور اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ بنا بر تعصب حق کی مخالفت کرنے والے زیادہ تر شیعہ فرقہ کے لوگ ہیں، ذاتی تجربہ کی بنا پر میں نے محسوس کیا ہے کہ ہر شیعہ ادیب ومورخ کے لیے یہ بات ایک فریضہ کی حد تک ضروری ہے کہ وہ ایک ایسی موضوع حدیث یا مصنوعی واقعہ اختراع کرے جو اس کے پیش رو علماء میں سے کسی نے بھی وضع نہ کیا ہو، جب ہم متقدمین کی تصانیف دیکھتے ہیں تو اس واقعہ کا کوئی نشان ان میں نہیں پاتے سابقین اولین اور سلف صالحین سے متعلق ایسے واقعات گھڑنا جن سے ان کی پاکیزہ زندگی داغ دار ہوتی ہو اور ایسے واقعات گھڑنے والے کی موت کے بعد بھی جہلاء ان کو صحیح سمجھ کر نقل وبیان کرتے رہیں، روافض کے نزدیک یہ شیعہ مذہب اختیار کرنے کی زکوۃ ہے، تاریخ کے ہر دور میں انبیاء وحکماء اور مصلحین صرف اسی بات کی دعوت دیتے رہے کہ فضیلت کا انحصار حق کی طلب وتحقیق اور تنازعات میں اس کی طرف رجوع کرنے میں ہے اور بس! مقام افسوس ہے کہ شیعہ میں ایک شخص بھی ایسا نہیں جو ان اوصاف سے موصوف ہو۔'' (محبّ الدین الخطیب)

قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ﴾

(سورہ النجم:۵۳/ ۳، ۴)

''وہ اپنی مرضی سے نہیں بولتا، بلکہ وہ تو وحی ہے جو آپ کی جانب بھیجی جاتی ہے۔''

اہل سنت کو اہل سنت کہا ہی اس لیے جاتا ہے کہ وہ سنت کی پیروی کرتے ہیں، یہ بات ضرور ہے کہ سنت کے اثبات کے لیے ثقہ راویوں کی ضرورت ہے قطع نظر اس سے کہ روایت کرنے والا سیدنا علی کی اولاد میں سے ہو یا کوئی اور شخص صرف اتنی بات ہرگز کافی نہیں کہ کوئی روایت محض '' عَنْ جِبْرِيْلَ عَنِ الْبَارِی ''کے بل بوتے پر بلا تحقیق مان لی جائے۔

یہ بات محتاج بیان نہیں کہ امام مالک، شافعی اور احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم کی بات صرف اس لیے حجت مانی جاتی ہے کہ وہ اپنے اقوال کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب کرتے ہیں ورنہ ان کے اپنے اقوال کسی درجہ میں بھی حجت نہیں، حالانکہ یہ ائمہ احادیث نبویہ سے بخوبی آگاہ تھے اور ان کی معرفت و اتباع میں ان کا اجتہاد حق وصواب پر مبنی ہے، ورنہ ائمہ کی اتباع کی کوئی ضرورت نہ تھی، جس طرح مذکورہ ائمہ احادیث کی روایت کرتے ہیں، اسی طرح دوسرے لوگ بھی اس ضمن میں ان سے پیچھے نہیں اور اگر ائمہ مسائل کا جواب دیتے ہیں تو دوسروں کو بھی یہ شرف حاصل ہے، بایں ہمہ اہل سنت کے نزدیک ان میں سے کوئی بھی معصوم نہیں، اور کسی کا قول بھی واجب الاتباع نہیں۔

بخلاف ازیں ائمہ کے مابین جب بھی کسی بات میں تنازع بپا ہوگا تو اہل سنت اسے اللہ ورسول کے احکام کی جانب لوٹائیں گے، اگر بچشم خود اس کا مشاہدہ کرنا چاہیں تو اپنے زمانہ کے محدثین وفقہاء کو دیکھ لیں، یہ بات تجربہ سے ثابت ہے کہ شیعہ علماء کی اکثریت حافظ قرآن نہیں ہوتی، اور حدیث نبوی سے بھی انہیں بے حد معمولی لگاؤ ہوتا ہے، کتاب وسنت کے مفہوم ومعنی سے وہ بالکل بے گانہ ہوتے ہیں۔ [1]

---

[1] مجھے دور حاضر کے سب سے بڑے ہاشمی بادشاہ کی معیت و رفاقت میں کچھ عرصہ بسر کرنے کی سعادت حاصل ہوچکی ہے، چنانچہ میں شوال ۱۳۳۴ھ تا شعبان ۱۳۳۷ھ اس کی صحبت میں رہا اور مجلّہ الزہراء مورخہ ۱۵ ربیع الاول ۱۳۴۳ھ (۱۹۰۔۲۰۰) میں سلطان مذکور کے فضائل ونقائص سے متعلق ایک بھرپور مضمون لکھا رسالہ مذکور کے صفحہ ۱۹۹ پر لکھا ہے۔

''ہاشمی بادشاہ نے ایک مرتبہ وہابیہ کی مذمت کرتے ہوئے ان پر یہ اتہام لگایا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرتے ہیں، اس کی قباحت واضح کرنے کے لیے اس نے قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت کی: '' لَقَدْ جَاءَ

باقی رہا شیعہ شاعر کا یہ قول کہ ’’ روٰی جَدُّنَا عَنْ جِبْرِیْلَ عَنِ الْبَارِیْ‘‘

ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ ائمہ اربعہ تمہارے نانا کی روایات کو شیعہ سے بہتر جانتے ہیں، اور شیعہ بھی احادیث کے بارے میں ان کی طرف رجوع کرتے ہیں جب متقدمین ومتاخرین بنی ہاشم، احادیث رسول بنی ہاشم کے علاوہ دوسرے لوگوں سے حاصل کرتے ہیں تو یہ اس بات کی کھلی علامت ہے کہ بنی ہاشم دوسروں سے زیادہ علم نہیں رکھتے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ لوگ کس کی اقتدا کریں اور کس سے استفادہ کریں؟ آیا ان لوگوں سے اخذ واستفادہ کریں جو علم سے آگاہ ہیں یا ان لوگوں سے جو اس سے قطعی نابلد ہیں؟ اس میں شبہ نہیں کہ علماء ہی انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء نے درہم و دینار کا ورثہ نہیں چھوڑا بلکہ اپنے پیچھے علم

کُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ‘‘

سلطان نے ’’عزیز‘‘ کے لفظ پر وقف کیا اور بتایا کہ ’’علیہ‘‘ کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے، عزیز کے معنی یہ بیان کیا کہ نبی ﷺ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عالی مرتبت ہیں، کتاب وسنت کے فہم وادراک سے متعلق ہاشمی بادشاہ کا مبلغ علم صرف اس حد تک تھا، یہ میرا ذاتی مشاہدہ ہے، اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے بیان کا مؤید ہے۔

تاہم شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہر ہاشمی فہم قرآن وسنت سے بے گانہ ہوتا ہے صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ محض ہاشمی ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ قرآن وحدیث کا علم اس کی ذات یا اس کے اقارب میں محصور ہو کر رہ گیا ہے، لہٰذا اس کی خاطر ائمہ اربعہ کے اقوال کو نظر انداز کر دینا چاہئے، جیسا کہ جاہل رافضی شاعر نے کہا، اس کے عین برخلاف علم وتحقیق کا دروازہ ہر اس شخص کے لیے کھلا ہے جو اس کا طلب گار ہے، بروز قیامت انسان کی قدر وقیمت کا اندازہ اس کے علم وفضل اور اعمال سے کیا جائے گا نہ کہ حسب ونسب سے، اس لیے کہ رسول اللہ کی بعثت کرۂ ارضی پر بسنے والے تمام انسانوں کے لئے عمل میں آئی تھی، اور سب اقوام وقبائل کے علماء وائمہ نے یکساں طور پر آپ سے کسب فیض کیا تھا، تحدیث نعمت کے طور پر عرض پرداز ہوں کہ احقر ایک معروف حسنی وعلوی خاندان سے وابستہ ہے، تحریری شجرہ نسب اس صداقت کا ہر زمانہ میں شاہد عدل رہا ہے جو شخص اہل بیت کے نام سے حق پر ظلم ڈھانے کا ارتکاب کرتا ہے، اس پر واجب ہے کہ اس ظلم کا ازالہ اور داعیان ستم کار پر اس کی مذمت واضح کرے۔

(محبّ الدین الخطیب)

کا ورثہ باقی رکھا ہے، جس نے یہ ورثہ حاصل کر لیا، اس نے بہت بڑا حصہ پایا۔

اور اگر شیعہ مصنف کہے کہ ''میری مراد اس سے بارہ امام ہیں۔'' تو ہم کہیں گے کہ علی بن حسین ابو جعفر اور دیگر اہل بیت اپنے جد امجد (نبی اکرم ﷺ) سے جو روایات نقل کرتے ہیں وہ اسی طرح قابل قبول ہیں جس طرح دیگر راویان حدیث کی مرویات، اور اگر لوگ امام مالک شافعی اور احمد بن حنبل کے نزدیک موسیٰ بن جعفر، علی بن موسیٰ اور محمد بن علی کی نسبت زیادہ روایات نہ پاتے تو اہل بیت کے علماء کو چھوڑ کر کبھی ان ائمہ دین کی بارگاہ میں حاضر نہ ہوتے۔

یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ آخر لوگوں کو کیا پڑی تھی کہ وہ موسیٰ بن جعفر سے ہٹ کر امام مالک بن انس کی خدمت میں حاضر ہوتے، حالانکہ یہ دونوں اکابر بہ یک وقت ایک ہی شہر میں بود و باش رکھتے تھے، بشرطیکہ موسیٰ بن جعفر کے ہاں سے بھی انہیں علمی تشنگی کو دور کرنے کا وہی سامان میسر آتا جو امام مالک کے ہاں دستیاب تھا، خصوصاً جب کہ اس زمانہ کے لوگ حدیث رسول کے شیدائی تھے، اس پر مزید یہ کہ خود بنی ہاشم اپنے چچا زاد موسیٰ بن جعفر کی بجائے امام مالک سے کسب فیض کیا کرتے تھے۔

امام مالک کے بعد امام شافعی منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئے، آپ نے بہت سے مسائل میں اپنے استاد محترم امام مالک سے اختلاف کر کے ان کی تردید کی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ امام مالک کے اصحاب و تلامذہ اور امام شافعی کے مابین شدید تنازعات بپا ہو گئے، امام شافعی، امام مالک کی نسبت بلحاظ نسب بنی ہاشم سے قریب تر تھے، آپ احادیث نبویہ کے سچے عاشق تھے اور جہاں سے بھی حصول علم کی توقع ہوتی اس میں ذرہ بھر تغافل و تکاسل کو راہ نہ دیتے، خواہ یہ علم بنی ہاشم کے یہاں سے حاصل ہو رہا ہو یا کسی اور جگہ سے، اگر آپ امام مالک کی نسبت کسی ہاشمی کے یہاں علم پاتے تو آستانہ مالک کی بجائے بنی ہاشم کی بارگاہ علم پر دستک دیتے، امام شافعی خود اس امر کے معترف ہیں کہ انھوں نے کسی ایسے شخص سے استفادہ نہیں کیا جو امام مالک اور سفیان بن عیینہ سے بڑا عالم ہو، مزید برآں امام شافعی کی تصانیف ان دونوں اکابر سے ماخوذ معلومات سے لبریز ہیں اور ان میں کوئی بات بھی موسیٰ بن جعفر اور دیگر بنی ہاشم سے مستفاد نہیں، یہ اس بات کا کھلا ہوا ثبوت ہے کہ آپ جو علم حاصل کرنے کے در پے تھے بنی ہاشم کی نسبت امام مالک کے یہاں اس کی فراوانی تھی۔

اسی طرح امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا عشق رسول حدیث نبوی کے ساتھ والہانہ شغف، رسول اللہ کے اقوال و افعال سے ماہرانہ واقفیت و آگاہی، رسول اللہ کے احباب و انصار کے ساتھ گہری محبت و

مؤدت اور اعداء رسول کے ساتھ شدید عداوت کسی سے ڈھکی چھپی نہیں، بنی ہاشم کے ساتھ آپ کی عقیدت و ارادت کا یہ عالم تھا کہ فضائل صحابہ کے ساتھ ساتھ سیدنا علی اور حسن و حسین کے فضائل و مناقب پر کتابیں تصنیف کیں، بایں ہمہ آپ کی تصانیف امام مالک، ثوری، اوزاعی، لیث بن سعد، وکیع بن جراح، یحییٰ بن سعید القطان، ہشیم بن بشیر، عبدالرحمٰن بن مہدی وغیرہم کی روایات سے لبریز ہیں اور ان میں کوئی روایت موسیٰ بن جعفر، علی بن موسیٰ اور محمد بن علی کے نظائر و امثال سے ماخوذ نہیں، یہ حقیقت ہے کہ اگر امام احمد بن حنبل ان علماء بنی ہاشم کے یہاں اپنا علمی مطلوب پا سکتے تو اس میں انتہائی دلچسپی لیتے۔

اور اگر کوئی شخص یہ کہے ہاشمی علماء گنجینۂ معلومات تھے، ان کے مقابلہ میں دیگر علماء ان علوم سے بے بہرہ تھے، البتہ وہ اپنے علم کا اظہار نہیں کیا کرتے تھے، ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ پوشیدہ علم سے فائدہ؟ جس علم کا اظہار نہ کیا جائے وہ اس خزانہ کی مانند ہے جسے خرچ نہ کیا جائے، جو شخص اپنے علم کا اظہار نہیں کرتا، لوگ اس کی پیروی کیوں کر کریں گے؟ پوشیدہ علم (شیعہ کے) امام معدوم کی طرح بیکار ہے اور دونوں سے کوئی نفع حاصل نہیں کیا جا سکتا۔

اگر شیعہ کہیں کہ ہاشمی علماء اپنے علوم کا کشف و اظہار صرف خواص پر کرتے تھے تو ہم کہیں گے کہ یہ ان پر بہتان ہے، جعفر بن محمد بے نظیر عالم تھے اور ان کے بعد ایسا شخص پیدا نہیں ہوا، تاہم وہ تحصیل علم میں امام مالک، ابن عیینہ، شعبہ، ثوری، ابن جریج، یحییٰ بن سعید وغیرہ علماء و مشاہیر کے مرہون احسان تھے، جو شخص اس زعم باطل میں مبتلا ہے کہ ہاشمی علماء مذکورہ ائمہ سے علم کو پوشیدہ رکھتے اور مجہول الحال لوگوں پر اس کا اظہار کرتے تھے، وہ ان اکابر کے بارے میں بدظنی کا ارتکاب کرتا ہے، یہ ایک ناقابل انکار صداقت ہے، کہ ائمہ مذکورین میں اللہ و رسول کی محبت، جذبہ تبلیغ دین، احباب رسول سے محبت اور اعداء رسول سے بغض و عداوت کا جو جذبہ پایا جاتا ہے، شیعہ کے شیوخ میں اس کا عشر عشیر بھی موجود نہیں، جو شخص ائمہ اہل سنت اور شیعہ کے ائمہ و شیوخ دونوں سے آشنا ہے وہ اس حقیقت کا اعتراف کرنے پر مجبور ہے کہ ہر زمانہ کے شیوخ اہل سنت و روافض میں تقابل کر کے اس حقیقت کو دیکھا اور پرکھا جا سکتا ہے۔ [1]

---

[1] الفاظ کے لغوی و اصطلاحی مفہوم میں اہل سنت اور شیعہ کے یہاں جو بین اختلاف پایا جاتا ہے، اس پر غور کرنے سے یہ حقیقت معلوم ہوتی ہے کہ فریقین کے مابین اختلافات کی ایک زبردست خلیج حائل ہے،

مثال ❶ کے طور پر اسی شیعہ مصنف (ابن المطہر جس کی تردید میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ

شیعہ جب حب الٰہی کا دعویٰ کرتے ہیں تو یہ محبت وجوب علی اللہ کے عقیدہ سے مقید ہوتی ہے، جب شیعہ حب رسول کا دعویٰ لے کر اٹھتے ہیں تو اس کے پہلو بہ پہلو وہ عصمت ائمہ کا دعوی کر کے شریعت کا مصدر و ماخوذ ہونے میں ان کو رسول اللہ ﷺ کا شریک ٹھہراتے ہیں، جس سے حب رسول میں بلاشبہ خلل اندازی ہوتی ہے، علاوہ ازیں یہ اکابر شیعہ کے اس فعل پر اس لیے رضا مند نہیں کہ مصدر شریعت ہونے کے اعتبار سے رسول اللہ کا شریک ہونا ایک غیر شرعی بات ہے، وہ اس سے اظہار براءت کرتے اور اسے ایک افترا قرار دیتے ہیں۔

تحفظ دین سے متعلق بھی شیعہ کا دعویٰ ایک انوکھی چیز ہے، دین کا جو تصور ان کے ذہن میں ہے وہ کتاب وسنت سے بالکل الگ ایک جداگانہ نوعیت کی چیز ہے اس کا انحصار ان روایات کاذبہ کی تشہیر و ترویج پر ہے، جو رسول اللہ ﷺ اور اہل بیت سے منقول ہیں، اس طرح حب وبغض کا مفہوم بھی اہل سنت اور شیعہ کے یہاں یکساں نہیں تاکہ دونوں میں تقابل کر کے اہل سنت کی موالات کو درست اور شیعہ کی موالات کو ناروا قرار دیا جا سکے، اس میں شبہ نہیں کہ اہل سنت امت محمدی کے تمام صالحین سے یکساں طور پر محبت رکھتے ہیں، ظاہر ہے کہ آل محمد کے صالحین اسی طرح ان میں شامل ہیں جس طرح رسول اللہ کے اصحاب اور آپ کی ازواج مطہرات، بخلاف ازیں شیعہ عصمت کے دعویٰ کی اساس پر بعض اہل بیت سے محبت رکھتے ہیں، حالانکہ خود اہل بیت عصمت کے دعویٰ کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں، شیعہ سرور کائنات ﷺ کی دختر نیک اختر رقیہ اور ام کلثوم کے وجود تک میں صرف اس لیے شبہ کا اظہار کرتے ہیں کہ وہ ان کے دشمن ہیں، چند افراد کو چھوڑ کر شیعہ اصحاب رسول کے جانی دشمن ہیں، خلاصہ یہ کہ اہل سنت اور شیعہ کا اختلاف مقدار محبت میں نہیں، بلکہ محبت کے لغوی، اصطلاحی اور دینی مدلول ومفہوم میں ہے، علی ہذا القیاس فہم قرآن، روایان حدیث کی روایات صحیحہ کا قبول وعدم قبول اور جھوٹے راویوں کی بیان کردہ روایات کاذبہ سے عدم احتجاج، یہ جملہ مسائل فریقین کے مابین متنازع فیہا ہیں۔

❶ اہل سنت وشیعہ کے مابین فرق وامتیاز کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اہل سنت کے نزدیک دینی حقائق تبدیل نہیں ہوتے، بلکہ ہر دور میں یکساں رہتے ہیں، وہ حدیث صحیح جو عہد صحابہ وتابعین میں رسول اللہ سے روایت کی گئی ہو، وہ اہل سنت اور ان کے ائمہ کے نزدیک ایک ابدی حجت اور واجب الاتباع دلیل کی حیثیت رکھتی ہے، اس کے عین برخلاف شیعہ کی رائے میں دین کا تصور ہر عصر وعہد میں بدلتا رہتا ہے، ہم

نے مناج السنۃ تصنیف فرمائی) کو لیجئے۔

شیعہ کے نزدیک یہ یگانہ روزگار عالم تھا،بعض شیعہ کا قول ہے کہ علوم اسلامیہ کے اعتبار سے بلاد مشرق میں یہ عدیم المثال فاضل تھا۔ [1] بایں ہمہ اس کے رشحات قلم سے اندازہ ہوتا ہے کہ سرور کائنات ﷺ کے احوال واقوال واعمال میں اس کرۂ ارضی پر شاید ہی کوئی دوسرا آدمی اس سے زیادہ جاہل ہو، وہ ایسی جھوٹی باتیں بیان کرتا ہے،جن کا جھوٹا ہونا مختلف وجوہ واسباب سے ظاہر ہوتا ہے، دو ہی صورتیں ممکن ہیں:

کئی دفعہ بیان کر چکے ہیں کہ شیعہ عالم المامقانی نے اپنی کتاب ''تنقیح المقال'' میں جہاں غالی شیعہ علماء کی سیرت وسوانح پر روشنی ڈالی ہے۔جن کی روایات شیعہ علماء کے نزدیک ان کے غلو کی وجہ سے ناقابل قبول تصور کی جاتی تھیں...... وہاں یہ بھی بیان کیا ہے کہ ازمنہ سابقہ میں جو باتیں مبالغہ پر محمول کی جاتی تھیں اب وہ ضروریات مذہب میں شمار ہوتی ہیں یہ بات شیعہ مذکور نے رافضی جرح وتعدیل کی ایک بہت بڑی اور جدید ترین کتاب میں تحریر کی ہے اوراس بات کا اعتراف کیا ہے کہ اب شیعہ مذہب وہ نہیں رہا جو پہلے تھا، چنانچہ قدیم زمانہ میں جو بات غلو ہونے کی بنا پر ناقابل قبول تھی، اب ضروریات مذہب میں تصور کی جانے لگی ہے، خلاصہ کلام! شیعہ کا موجودہ مذہب وہ نہیں جو ایران کے سلاطین صفویہ سے پہلے تھا۔

اسی طرح صفویہ سے پہلے جو مذہب تھا، وہ شیعہ مصنف ابن المطہر سے پہلے نہ تھا اور ابن المطہر سے پہلے کا مذہب خاندان بنی بویہ سے قبل موجود نہ تھا، علی ہذا القیاس بنی بویہ سے پہلے کا شیعہ مذہب وہ نہ تھا جو شیطان الطاق سے پہلے تھا اور شیطان الطاق سے پہلے کا مذہب سیدنا علی، حسن وحسین اور علی بن حسین رضی اللہ عنہم کے زمانہ کے مذہب سے قطعی مختلف تھا۔

[1] چنانچہ شیعہ جب ''علامہ'' کا لفظ علی الاطلاق بولتے ہیں تو اس سے مراد ابن المطہر لیتے ہیں، شیعہ ابن المطہر کو آیت اللہ فی العالمین، نور اللہ، استاذ الخلائق، مرکز اسلام وغیرہ القاب سے یاد کرتے اور عجمی طرز و انداز کی یہ مبالغہ آمیزی کرتے ہوئے اللہ سے نہیں ڈرتے، کتاب ہذا کا قاری اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہے کہ ابن المطہر حد درجہ جاہل اور فریب کار شخص ہے اور اس کا دل رسول اللہ کے اقوال واعمال کے حامل صحابہ وتابعین کی عداوت سے لبریز ہے، مقام حیرت ہے کہ کرۂ ارضی میں اللہ کے آخری پیغام کو پھیلانے والے صحابہ کے بارے میں شیعہ جس دریدہ دہنی کا ارتکاب کرتے ہیں شائد کوئی غیر مسلم مستشرق بلکہ عیسائی مشنری بھی ایسا نہ کر سکتے۔

۱۔ اگر وہ دانستہ جھوٹی روایات بیان کرتا ہے تو اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے، کہ جو میری طرف سے کوئی حدیث بیان کرے اور وہ جانتا ہو کہ یہ جھوٹی ہے تو وہ جھوٹوں میں سے ہے۔[1]

۲۔ اور اگر اس کے جھوٹا ہونے سے آگاہ نہیں تو وہ رسول اللہ کے بارے میں اجہل الناس ہے۔

کسی شاعر نے کہا ہے۔

فَاِنْ كُنْتَ لَا تَدْرِیْ فَتِلْكَ مُصِيْبَةٌ
وَاِنْ كُنْتَ تَدْرِیْ فَالْمُصِيْبَةُ اَعْظَمُ

''اگر تو جانتا نہیں تو یہ مصیبت کا باعث ہے اور اگر جانتا ہے تو یہ اس سے بھی بڑی آفت ہے۔''

شیعہ ناظم کے جو اشعار ازیں تحریر کیے جا چکے ہیں ان کے جواب میں مندرجہ ذیل اشعار کہے گئے ہیں:

(۱) اِذَا شِئْتَ اَنْ تَرْضٰى لِنَفْسِكَ مَذْهَبًا
تَنَالُ بِهِ الزُّلْفٰى وَتَنْجُوْ مِنَ النَّارِ

(۲) فَدِنْ بِكِتَابِ اللّٰهِ وَالسُّنَّةِ الَّتِیْ
اَتَتْ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ مِنْ نَقْلِ اَخْيَارِ

(۳) فَدَعْ عَنْكَ دَاعِیَ الرَّفْضِ وَالْبِدْعِ الَّتِیْ
يَقُوْدُكَ دَاعِيْهَا اِلَى النَّارِ وَالْعَارِ

(٤) وَ سِرْ خَلْفَ اَصْحَابِ الرَّسُوْلِ فَاِنَّهُمْ
نَجُوْمُ هُدًى فِیْ ضَوْئِهَا يَهْتَدِیْءَ السَّارِیْ

(٥) وَعُجْ عَنْ طَرِيْقِ الرَّفْضِ فَهُوَ مُوَسَّسٌ
عَلَى الْكُفْرِ تَاسِيْسًا عَلٰى جُرُفٍ هَارِ

(٦) هُمَا خُطَّتَانِ اِمَّا هُدًى وَسَعَادَةٌ
وَاَمَّا شَقَآءٌ مَعَ ضَلَالَةِ كُفَّارِ

---

[1] صحيح مسلم۔ المقدمة باب وجوب الرواية عن الثقات (حديث:......)

(۷) فَاَیُّ فَرِیْقَیْنَا اَحَقُّ بِاَمْنِہٖ
وَاَھْدٰی سَبِیْلًا عِنْدَ مَا یَحْکُمُ الْبَارِیُ

(۸) اَمَنْ سَبَّ اَصْحَابَ الرَّسُوْلِ وَخَالَفَ
الْکِتَابَ وَلَمْ یَعْبَاْ بِثَابِتِ اَخْبَارِ

(۹) اَمِ الْمُقْتَدِیُ بِالْوَحْیِ یَسْلُکُ
مَنْھَجَ الصَّحَابَةِ مَعَ حُبِّ الْقَرَابَةِ الْاَطْھَارِ

۱۔ جب تو اپنے لیے ایسا مذہب پسند کرنا چاہے جس سے اللہ کا قرب حاصل کر سکے اور دوزخ سے نجات پائے۔

۲۔ تو کتاب خداوندی اور ان احادیث نبویہ کی اطاعت کیجئے جو نیک لوگوں کی روایت سے ہم تک پہنچیں۔

۳۔ رفض و بدعات کے داعی کو چھوڑیے کہ یہ شخص نار و عار کی جانب لے جاتا ہے۔

۴۔ اصحاب رسول کے نقش قدم پر چل اس لیے کہ وہ ہدایت کے ستارے ہیں جن کی روشنی میں چل کر سالک راہ ہدایت پا سکتا ہے۔

۵۔ رفض اور تشیع کی راہ سے منحرف ہو جا۔ اس لیے کہ اس کی اساس کفر اور ایک گر پڑنے والے گڑھے پر رکھی گئی ہے۔

۶۔ (دنیا میں) دو ہی باتیں ہیں یا تو ہدایت وسعادت ہے اور یا ضلالت کفار کے ساتھ ملی ہوئی بدبختی ہے۔

۷۔ ذرا غور فرمایئے اہل سنت و شیعہ کے دونوں فریقوں میں سے کون سا فریق اس وقت امن کا زیادہ حق دار اور راہ رست پر ہوگا۔ جب اللہ تعالیٰ اپنا فیصلہ صادر فرمائیں گے۔

۸۔ کیا وہ شخص (حق پر ہوگا) جو اصحاب رسول کو گالیاں بکے، کتاب خداوندی کی خلاف ورزی کرے اور احادیث صحیحہ کی پرواہ نہ کرے۔

۹۔ یا وہ شخص (راہ حق کا سالک ہے) جو وحی کی پیروی کرتا، راہ صحابہ پر گامزن ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اہل بیت اطہار کے ساتھ بھی محبت رکھتا ہے۔

شیعہ مصنف لکھتا ہے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ [1] کو رسول اللہ کا ورثہ دینے سے انکار کر دیا اور ایک منفرد روایت سے احتجاج کیا۔

جواباً گزارش ہے کہ شیعہ مصنف کا اس کو منفرد روایت قرار دینا صاف جھوٹ ہے یہ حدیث خلفاء اربعہ، سیدنا طلحہ، زبیر، سعید، عبدالرحمٰن بن عوف، عباس، ابوہریرہ (رضی اللہ عنہم) اور آپ کی ازواج مطہرات (رضی اللہ عنہن) نے روایت کی ہے۔

شیعہ مصنف کا یہ قول کہ سیدنا ابوبکر، فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مقروض تھے صریح کذب ہے، کیونکہ سیدنا ابوبکر رسول اللہ کے ترکہ کے دعویٰ دار نہ تھے، بلکہ آپ کا ترک کردہ مال صدقہ ہے اور وہ ان کو ملنا چاہیے جو اس کے مستحق ہیں، نیز یہ کہ صحابہ اس بات پر یقین رکھتے تھے۔۔اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ اس ضمن میں پیش پیش تھے...... کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا وارث کوئی نہیں، یہی وجہ ہے کہ سیدنا علی جب منصب خلافت پر فائز ہوئے، تو انہوں نے آپ کے ترکہ کو تقسیم کیا نہ اس کے مصرف میں کوئی تبدیلی پیدا کی۔

آیت میراث کے عموم سے آپ کی وراثت پر استدلال کرنا اس لیے صحیح نہیں کہ انبیاء کی وراثت اس سے مستثنیٰ ہے، جس طرح یہ مسائل استثنائی حیثیت رکھتے ہیں، کہ کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوسکتا اور قتل عمد کا مرتکب ورثہ سے محروم رہتا ہے، نیز یہ کہ غلام وارث نہیں ہوتا۔

یہ امر قابل غور ہے کہ سیدنا ابوبکر وعمر نے سیدنا علی اور ان کے متعلقین کو رسول اللہ کے ترکہ سے کئی گنا زائد مال دے دیا تھا، اس کے پہلو بہ پہلو یہ بات بھی فراموش کرنے کے قابل نہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ کا متروکہ مال سیدنا علی رضی اللہ عنہ وعباس رضی اللہ عنہ کو اس مقصد کے پیش نظر دے دیا تھا، کہ

---

[1] اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی ترکہ چھوڑا تھا تو سیدہ فاطمہ اس کی تنہا وارث نہ تھیں، بلکہ آپ کی ازواج مطہرات اس میں برابر کی شریک تھیں، مزید یہ کہ سیدہ عائشہ صدیقہ بنت ابی بکر اس ضمن میں سرفہرست تھیں جن کے گھر میں آپ نے وفات پائی اور وہیں دفن کیے گئے، سیدنا حفصہ رضی اللہ عنہا بنت عمر رضی اللہ عنہ بھی برابر کی وارث تھیں اگر سیدہ فاطمہ ورثہ نہ پاسکیں تو آپ کی ازواج مطہرات اور آپ کے چچا عباس بھی ورثہ سے محروم رہے، مگر شیعہ سیدہ فاطمہ کے سوا دیگر اقارب کا ذکر تک نہیں کرتے، علاوہ ازیں باغ فدک اور خیبر کا خمس اہل بیت کے لیے مباح تھا اور وہ ان سے اپنی ضروریات اسی طرح پوری کرتے تھے جس طرح آپ کی زندگی میں، جو بچ جاتا وہ ان مصارف میں صرف کیا جاتا، جہاں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے۔

وہ اسے انہی مصارف میں خرچ کریں جن میں رسول اللہ کیا کرتے تھے،① اس سے اس تہمت کا ازالہ ہوجاتا ہے جو ان دونوں اکابر پر عائد کی جاتی ہے۔

اگر شیعہ کا یہ مفروضہ تسلیم کرلیا جائے کہ سیدنا ابوبکر و عمر ظالم و غاصب تھے، اور انہوں نے جبراً خلافت پر قبضہ جمالیا تھا تو اس کا تقاضا تھا کہ وہ ان ورثاء سے مزاحم نہ ہوتے جو خلافت و امامت کا استحقاق رکھتے تھے، بلکہ خلافت کے دعوی سے دور رکھنے کے لیے انہیں من مانی دولت عطا کر دیتے۔

انبیاء کی میراث:

شیعہ قرآن کریم کی آیت: '' وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ '' سے انبیاء کی وراثت پر استدلال کرتے ہیں، حالانکہ ان کا دعوی اس آیت سے ثابت نہیں ہوتا اس لیے کہ '' ورثہ'' اسم جنس ہے اور اس کے تحت متعدد انواع ہیں اور ایک عام چیز کا ذکر کرنے سے کسی خاص چیز کا ذکر لازم نہیں آتا، مثلاً اگر کہا جائے کہ یہاں حیوان موجود ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہاں انسان یا گھوڑا موجود ہے، بعینہ اسی طرح ورثہ کا لفظ علمی میراث اور مادی وراثت دونوں پر بولا جاتا ہے، مندرجہ ذیل آیات ملاحظہ ہوں:

﴿ ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا ﴾ (فاطر: ۳۲/۳۵)

''پھر ہم برگزیدہ لوگوں کو کتاب کا وارث بنایا۔''

﴿ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا ﴾ (سورہ زخرف:۴۳/۷۲)

''یہ وہ جنت ہے جس کے وارث تمہیں بنایا گیا ہے۔''

﴿ وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ ﴾ (احزاب: ۳۳/۲۷)

''اور تمہیں ان کی زمینوں کا وارث بنایا۔''

﴿ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ ﴾ (اعراف:۷/ ۱۲۸)

''بے شک زمین اللہ کی ہے جسے چاہے اس کا وارث بنائے۔''

﴿ وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ ﴾ (اعراف:۷/ ۱۳۷)

''ہم نے اس قوم کو وارث بنایا جس کو ضعیف سمجھا جاتا تھا۔''

محدث ابوداؤد نے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

---

① صحیح بخاری ۳۰۹۴، صحیحمسلم:۱۷۵۷/۴۹۔

''انبیاء کسی کو درہم و دینار کا وارث نہیں بناتے، بلکہ علمی ورثہ عطا کرتے ہیں۔'' ❶

ہم ان نصوص صریحہ کی روشنی میں کہتے ہیں کہ زیر تبصرہ آیت میں مالی ورثہ مراد نہیں، بلکہ علم و نبوت کی میراث مقصود ہے، یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ سیدنا سلیمان کے سوا سیدنا داؤد کے متعدد بیٹے اور بھی تھے، اگر مالی ورثہ مراد ہوتا تو وہ تنہا سیدنا سلیمان کو ملتا، علاوہ ازیں سیدنا سلیمان کے مالی ورثہ پانے میں کسی کی مدح وستائش نہیں کی جارہی نہ سیدنا سلیمان کی اور نہ سیدنا داؤد کی، اس لیے کہ نیک و بد سبھی اپنے والد کا مالی ورثہ پاتے ہیں اس میں سیدنا سلیمان کی کیا خصوصیت ہے، حالانکہ آیت کا سیاق سیدنا سلیمان کی مدح اوران کی خصوصیات کا متقاضی ہے، ظاہر ہے کہ مالی میراث ایک عام چیز ہے اور سب لوگوں کے یہاں مشترک ہے لہٰذا اس کا ذکر و بیان عبث اور کسی فائدہ سے خالی ہے۔

اسی طرح آیت قرآنی: ﴿ یَرِثُنِیۡ وَیَرِثُ مِنۡ اٰلِ یَعۡقُوۡبَ ﴾ (سورہ مریم:۱۹/ ۶) میں بھی مالی ورثہ مراد نہیں، اس لیے کہ سیدنا یحییٰ نے آل یعقوب سے مالی میراث حاصل نہیں کی تھی، بلکہ یہ میراث ان کی اولاد نے پائی تھی، اس سے بڑھ کر یہ کہ سیدنا زکریا مال دار نہ تھے، جن کا ورثہ حاصل کیا جاتا، بخلاف ازیں وہ بڑھئی کا کام کرتے تھے اور سیدنا یحییٰ دنیوی مال ومتاع سے بے نیاز تھے، لہٰذا سیدنا یحییٰ کا مالی میراث حاصل کرنا خارج از بحث ہے۔

شیعہ مصنف رقم طراز ہے:

فدک کا معاملہ:

''جب فاطمہ رضی اللہ عنہا نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ''میرے والد محترم نے مجھے فدک ❷ کی جاگیر عطا کی تھی۔'' تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواباً کہا کہ ''کوئی گواہ پیش کیجیے۔''

---

❶ سنن ابی داود۔ کتاب العلم۔ باب الحث علی طلب العلم،(حدیث:۳۶۴۱) سنن ترمذی۔ کتاب العلم۔ باب ما جاء فی فضل الفقه علی العبادة(حدیث:۲۶۸۲)، سنن ابن ماجة، المقدمة ۔ باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم(حدیث:۲۲۳)

❷ فدک حجاز میں ایک بستی کا نام ہے جو مدینہ منورہ سے دو دن کی مسافت پر واقع ہے، یہ بستی ۷ھ میں غزوہ خیبر کے بعد مصالحت کے طور سے کسی جنگ وقتال کے بغیر رسول اللہ کے قبضہ میں آئی، اس میں پانی کا چشمہ اور کچھ کھجوروں کے درخت تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی آمدنی صدقات وخیرات اور رفاہ عام کے کاموں میں صرف فرمایا کرتے تھے، سیدنا صدیق بھی اپنی خلافت کے زمانہ میں اسوۂ نبوی پر

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ام ایمن کو گواہ کے طور پر پیش کیا تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ کہہ کر اسے واپس کر دیا کہ ''یہ عورت ہے لہٰذا اس کی شہادت مقبول نہیں۔'' حالانکہ روایات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے کہ ''ام ایمن ایک جنتی عورت ہے۔'' پھر حضرت علی نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے حق میں شہادت دی تو سیدنا ابوبکر نے کہا کہ ''یہ آپ کے خاوند ہیں لہٰذا ان کی شہادت بھی مقبول نہیں۔'' روایات میں منقول ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''علی حق پر ہے اور علی اور حق لازم وملزوم ہیں کبھی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے یہاں تک کہ بروز قیامت میرے حضور حوض کوثر پر وارد ہوں۔'' سیدہ فاطمہ یہ سن کر ناراض ہوگئیں اور حلف اٹھایا کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بات چیت نہیں کریں گی اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور حاضر ہوں گی (بعد از وفات) تو سیدنا ابوبکر کا شکوہ کریں گی، سب روایات میں مذکور ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا فاطمہ! تیری رضا رضائے الٰہی کے موجب ہے اور تیری ناراضگی اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہے حدیث میں یہ بھی مذکور ہے کہ ''فاطمہ میرا جگر پارہ ہے۔'' اگر حدیث نبوی ''لَا نُوْرِثُ'' صحیح ہوتی تو سیدنا ابوبکر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار عمامہ اور خچر سیدنا علی کو

گامزن رہے، سیدنا فاروق جب منصب خلافت پر فائز ہوئے تو آپ نے سیدنا علی وعباس کے ذمہ یہ خدمت تفویض فرمائی کہ رسول اللہ کی طرح اس بستی کی آمدنی کو رفاہ عام کے کاموں میں صرف کرتے رہیں، بعض اوقات سیدنا علی وعباس کے مابین اختلاف رونما ہوتا اور عقدہ کشائی کے لیے بارگاہ فاروقی پر حاضر ہوتے، سیدنا عمران کے مابین فیصلہ صادر کرنے سے گریز فرمایا کرتے تھے، جب اموی خلافت کا زمانہ آیا تو فدک کی بستی پہلے مروان پھر اس کے بیٹوں اور پھر سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی تحویل میں آئی، خلیفہ عمر بن عبدالعزیز فدک کا مال اپنے پیش رو خلفاء اربعہ کے مطابق رفاہ عام کے کاموں پر صرف کیا کرتے تھے، ۲۱۰ ھ میں خلیفہ ماموں کے حکم سے یہ بستی اولاد فاطمہ کے زیر تصرف آئی، چنانچہ محمد بن یحییٰ بن حسین بن زید اور محمد بن عبداللہ بن حسین بن علی اس کے متولی قرار پائے، خلیفہ متوکل عباسی کے عہد خلافت میں جب فدک کے بارے میں اولاد فاطمہ کے مابین نزاع بپا ہوا تو اس نے حکم دیا کہ فدک کی آمدنی حسب سابق رفاہی کاموں پر خرچ کی جائے جیسا کہ خلافت صدیقی سے لے کر سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے زمانہ تک ہوتا رہا تھا، یہ طے پایا کہ حکومت اس کی آمدنی اصلاحی کاموں پر صرف کرے گی اور دوسرا کوئی شخص خواہ وہ اولاد فاطمہ میں سے ہو یا کوئی اور اس کا متولی نہیں ہوگا۔

نہ دیتے اور سیدنا عباس کے دعوی کے مقابلہ میں سیدنا علی کا مطالبہ قابل ترجیح نہ ہوتا،
اس کے بعد سیدنا ابوبکر کے پاس بحرین کا مال آیا تو سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کے یہ کہنے پر کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کچھ مال دینے کا وعدہ کیا تھا وہ مال ان کو دے دیا اور گواہ بھی
طلب نہ کیا۔

شیعہ مصنف کے اعتراضات کا جواب یہ ہے کہ مذکورۃ الصدر واقعہ روافض کا پہلا بہتان نہیں
ہے بلکہ وہ ایسے لاتعداد جھوٹ تصنیف کر چکے ہیں، یہ معاملہ دو حال سے خالی نہیں۔

۱۔ اگر سیدہ فاطمہ فدک کی جاگیر ورثہ کی بنا پر طلب کرتی تھیں، تو یہ ہبہ نہیں ہوسکتا۔

۲۔ اور اگر یہ جاگیر آپ نے سیدہ فاطمہ کو ہبہ کر دی تھی تو ورثہ باطل ہوا۔

اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت میں یہ جاگیر سیدہ فاطمہ کو ہبہ کر دی تھی
اور اس کے ساتھ یہ بھی فرض کر لیا جائے، کہ دوسروں کی طرح آپ کا ترکہ ورثاء کے مابین تقسیم کیا
گیا تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ آپ نے سیدہ فاطمہ کے حق میں وصیت کی حالانکہ آپ وارث تھیں
،اور وارث کے حق میں وصیت کرنا ناروا ہے یا حالت مرض میں سیدہ فاطمہ کو ان کے حق سے زیادہ مال
عطا کیا۔

اور اگر حالت صحت میں آپ نے فدک کی جاگیر سیدہ فاطمہ کو عطا کی تھی، تو وہ ہبہ یا قبضہ ہونا
چاہیے تھا، اس لیے کہ واہب اگر کوئی چیز ہبہ کرے اور جس کو ہبہ کیا گیا ہے، وہ اس پر قابض نہ ہو،
یہاں تک کہ واہب کی موت واقع ہو جائے تو ایسا ہبہ جمہور علماء کے نزدیک باطل ہے یہ امر موجب
حیرت واستعجاب ہے کہ آپ نے فدک کی جاگیر سیدہ فاطمہ کو عطا کی اور ام ایمن اور سیدنا علی کے سوا
جملہ صحابہ میں سے کسی کو بھی پتہ نہ چل سکا، یہ سیدہ فاطمہ پر بہتان ہے، کہ انہوں نے ایسا دعویٰ کیا تھا،
اگر اس مفروضہ کی صحت تسلیم کر لی جائے کہ دوسروں کی طرح انبیاء کا ترکہ بھی تقسیم کیا جاتا ہے تو سیدہ
فاطمہ کے دعویٰ کے خلاف رسول اللہ کی ازواج مطہرات اور آپ کے چچا سیدنا عباس آپ کے حریف
ہوتے اور ظاہر ہے کہ ان کے خلاف صرف ایک عورت یا صرف ایک مرد اور ایک عورت کی شہادت
جمہور مسلمین کے نزدیک قابل قبول نہیں۔ البتہ ایسے واقعات میں فقہاء حجاز اور محدثین کے نزدیک مدعی
کے حق میں ایک گواہ کے ساتھ اس کی حلف کو شامل کر کے فیصلہ صادر کیا جا سکتا ہے۔

بیوی کے حق میں خاوند کی شہادت کے بارے میں علماء کے دو مشہور اقوال ہیں، امام احمد سے بھی

اس ضمن میں دو روایتیں منقول ہیں۔

۱۔ پہلی روایت یہ ہے کہ مقبول نہیں، امام ابوحنیفہ، مالک، لیث بن سعد، اوزاعی، اسحاق رحمۃ اللہ علیہم اور دیگر ائمہ کا مذہب بھی یہی ہے۔

۲۔ امام احمد کا دوسرا قول یہ ہے کہ خاوند کی شہادت بیوی کے حق میں مقبول ہے، امام شافعی، ابوثور اور ابن المنذر کی بھی یہی رائے ہے۔

بنا بریں اگر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے اس واقعہ کی صحت کو تسلیم بھی کیا جائے، تو حاکم وقت ایک مرد یا ایک عورت کی شہادت کی بنا پر فیصلہ صادر نہیں کر سکتا، خصوصاً جب کہ اکثر علماء کے نزدیک خاوند کی شہادت بیوی کے حق میں مقبول ہی نہیں۔

شیعہ مصنف کا یہ قول کہ ''سب محدثین نے روایت کیا ہے کہ ام ایمن ایک جنتی خاتون ہیں۔''

ایک جاہلانہ بات ہے، جو اس کے حق میں مفید ہونے کی بجائے مضر ہے، سیدنا ابوبکر کا یہ فرمان کہ ''اس کی بات مقبول نہیں'' ایک ایسی بات ہے کہ اگر حجاج بن یوسف یا مختار بن ابی عبید جیسے ظالم لوگوں کے منہ سے بھی نکلتی تو اس کی صداقت میں ذرہ بھر بھی شبہ نہ ہوتا اس کی وجہ یہ ہے کہ مالی معاملات میں ایک عورت کی شہادت کی بنا پر فیصلہ صادر نہیں کیا جا سکتا خصوصاً جب کہ مدعی ایک ایسی چیز کی ملکیت کا دعویٰ کر رہا ہو جو کسی اور کے زیر تصرف ہو مگر یہاں تو اس کے قائل سیدنا ابوبکر جیسے صادق القول بزرگ ہیں۔

شیعہ مضمون نگار نے کہا ہے کہ حدیث ''ام ایمن ایک جنتی عورت ہے۔'' سب محدثین نے روایت کی ہے۔'' یہ صریح کذب ہے یہ روایت کتب حدیث میں مذکور نہیں اور نہ ہی کسی محدث نے اسے روایت کیا ہے، ام ایمن اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی والدہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انارہ چکی تھیں، یہ ہجرت کر کے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ پہنچی تھیں اور صحابیات میں بڑی احترام کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھیں، بایں ہمہ روایت حدیث میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل علم پر افترا پردازی کر کے کوئی روایت بیان نہیں کی جا سکتی۔

باقی رہی یہ بات کہ بقول شیعہ مصنف ''یہ روایت سب نے ذکر کی ہے۔'' بالکل غلط ہے، ایسا دعویٰ صرف حدیث متواتر کے بارے میں کیا جا سکتا ہے، جو شخص اکابر صحابہ کی بیان کردہ حدیث ''لَا نورث'' کا منکر ہو اور ام ایمن کے بارے میں ذکر کردہ حدیث کو متواتر قرار دیتا ہو اس کے اجہل

الناس اور منکر حق و صداقت ہونے کے بارے میں کیا شبہ ہوسکتا ہے، اگر سرور کائنات ﷺ نے بشرط صحت ام ایمن کے بارے میں جنت کی بشارت دی ہے تو ایسا مژدہ آپ نے دیگر صحابہ کے بارے میں بھی سنایا ہے، آپ نے دس صحابہ کے بارے میں جنت کی بشارت سنائی ہے، نیز یہ بھی فرمایا کہ بیعت الشجرہ میں شمولیت کرنے والوں میں سے کوئی بھی دوزخ میں نہیں جائے گا، [1] یہ حدیث سنداً صحیح اور محدثین کرام کے نزدیک مسلم ہے، وہ حدیث جس میں آپ نے صحابہ کے بارے میں جنت کی شہادت دی ہے، اہل سنن نے متعدد طرق سے بروایت عبدالرحمٰن بن عوف، سعید بن زید نقل کی ہے، [2] یہ روایات محدثین کے نزدیک عام طور سے معروف ہیں۔

جن احادیث میں صحابہ کے جنتی ہونے کی بشارت دی گئی ہے، شیعہ ان کی تکذیب کرتے ہیں اور صحابہ پر یہ کہہ کر معترض ہوتے ہیں کہ وہ اس حدیث کو تسلیم نہیں کرتے جس میں ام ایمن کے جنتی ہونے کی بشارت دی گئی ہے، کیا اس سے بڑا جہل و عناد اور بھی ہوسکتا ہے؟

علاوہ ازیں یہ ضروری نہیں کہ جو شخص جنتی ہو وہ مقبول الشہادۃ بھی ہو، بخلاف ازیں اس امر کا احتمال ہے کہ وہ شہادت دینے میں غلطی کا ارتکاب کرتا ہو، یہی وجہ ہے کہ اگر سیدنا خدیجہ، فاطمہ و عائشہ رضی اللہ عنہن جیسی جنتی عورتیں شہادت دیں تو قرآن کے مطابق ان کی شہادت کو مرد کی شہادت کے مقابلہ میں نصف شہادت قرار دیا جائے گا، جس طرح عورت آدمی کے مقابلے میں نصف میراث حاصل کرتی ہے اور اس کی دیت بھی مرد سے آدھی ہے اس میں کسی کا اختلاف مذکور نہیں، بنا بریں کسی عورت کے جنتی ہونے سے اس کا مقبول الشہادۃ ہونا لازم نہیں آتا، ہوسکتا ہے کہ وہ غلط شہادت دے رہی ہو، یہ بھی ممکن ہے کہ ایک جھوٹا شخص دروغ گوئی سے تائب ہو کر جنت میں جا سکے۔

شیعہ مصنف کا یہ قول کہ ''سیدنا علی کی شہادت اس لیے قبول نہ کی کہ وہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے

---

[1] صحیح مسلم۔ کتاب فضائل الصحابة۔ باب من فضائل اصحاب الشجرة رضی الله عنهم(حدیث:٢٤٩٦)

[2] سنن ابی داؤد۔ کتاب السنة۔ باب فی الخلفاء(حدیث:٤٦٤٩،٤٦٥٠) و سنن ترمذی کتاب المناقب۔ باب مناقب سعید بن زید بن عمرو بن نفیل رضی الله عنه(حدیث:٣٧٥٧) عن سعید بن زید رضی الله عنه و (حدیث:٣٧٤٧) عن عبد الرحمن بن عوف رضی الله عنه۔

خاوند تھے۔'' یہ صریح کذب ہے، اگر اس کی صحت کو تسلیم کر لیا جائے تو بھی ہمارے حق میں مضر نہیں، اس لے کہ بیوی کے حق میں خاوند کی شہادت اکثر علماء کے نزدیک نا قابل قبول ہے، جو علماء اس کی قبولیت کے قائل ہیں وہ اس شرط کے ساتھ قبول کرتے ہیں کہ شہادت کا نصاب پورا ہو جائے، مثلاً خاوند کے ساتھ ایک مرد گواہ اور بھی ہو یا دو عورتیں ہوں، ایک آدمی اور ایک عورت کی شہادت کی بنا پر فیصلہ صادر کرنا جب کہ مدعی سے حلف بھی نہ لیں ناروا ہے۔

شیعہ مصنف کا یہ کہنا، یہ روایت کہ'' علی حق پر ہیں اور حق آپ کے ساتھ لگا لپٹا رہتا ہے، سب علماء نے بیان کی ہے۔'' کذب وجہل کی انتہا ہے، یہ روایت بسند صحیح یا ضعیف کسی نے بھی نقل نہیں کی، پھر یہ کہنا کس حد تک صحیح ہے کہ'' یہ روایت سب محدثین نے بیان کی ہے۔'' اس شخص سے زیادہ جھوٹا اور کون ہو سکتا ہے، جو کسی روایت سے متعلق کہے کہ صحابہ وعلماء نے یہ روایت بیان کی ہے، حالانکہ وہ حدیث اصلاً کسی سے بھی منقول نہ ہو یہ کھلا ہوا کذب وافترا ہے۔

البتہ اگر یوں کہا جائے کہ بعض علماء نے یہ روایت بیان کی ہے تو بھی یہ بات کسی حد تک دائرہ امکان کے اندر ہے۔

مذکورۃ الصدر حدیث درج ذیل وجوہ واسباب کی بنا پر معنوی اعتبار سے بھی نا قابل قبول ہے۔

۱۔ اس حدیث میں ایک جملہ یہ بھی ہے کہ'' حق حوض کوثر پر آ کر مجھ سے ملے گا۔'' یہ غلط ہے اس لیے کہ ملاقات کرنا اشخاص کی صفت ہے ظاہر ہے کہ حق کوئی مجسم چیز نہیں جو حوض پر وارد ہونے کے قابل ہو۔

۲۔ اس حدیث میں یہ بھی مذکور ہے کہ'' حق سیدنا علی کے ساتھ گھومتا ہے۔'' حالانکہ حق صرف آن سیدنا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گردش کرتا ہے، اور دوسرا کوئی انسان اس خصوصیت کا حامل نہیں، اگر سیدنا علی میں یہ وصف تسلیم کیا جائے تو اس سے سیدنا علی کا رسول اللہ کی طرح معصوم ہونا لازم آتا ہے، شیعہ جہالت کی بنا پر عصمت علی کا دعویٰ کرتے ہیں، جو شخص اس حقیقت سے آگاہ ہے کہ علی، ابوبکر، وعمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کی نسبت معصوم تر نہ تھے، بلکہ یوں کہیے کہ ان میں سے کوئی بھی معصوم نہیں، وہ شیعہ کی دروغ گوئی سے بخوبی واقف ہے، سیدنا علی کے مسائل وفتاویٰ بالکل اسی طرح ہیں، جس طرح ابوبکر وعمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے فتاویٰ، ایسا ہرگز نہیں کہ سیدنا علی کے فتاویٰ خلفاء ثلاثہ کے فتاویٰ کی نسبت اولیٰ بالصواب ہوں، یہ بات بھی غلط ہے کہ خلفاء

ثلاثہ کے اقوال سیدنا علی کے ارشادات کی نسبت ضعیف و مرجوح ہیں، یہ بھی درست نہیں کہ آپ دیگر خلفاء کی نسبت سیدنا علی سے زیادہ خوش اوران کے زیادہ ثنا خواں تھے بخلاف ازیں اگر کوئی شخص کہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ عمر بھر میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے کبھی ناراض نہیں ہوئے اور سیدنا علی کو متعدد مرتبہ زجر و عتاب فرمایا تو اس میں ذرہ بھر مبالغہ نہیں ہوگا۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جب ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کرنے کا ارادہ کیا اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بارگاہ نبوی میں یہ شکوہ پہنچایا اور کہا، ''لوگ کہتے ہیں کہ آپ اپنی بیٹیوں کی حمایت نہیں فرماتے۔'' تو آپ نے مسجد نبوی میں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

''بنی ہشام بن مغیرہ نے مجھ سے اپنی بیٹی کو سیدنا علی کے نکاح میں دینے کی اجازت طلب کی ہے۔''

واضح رہے کہ میں اس کی اجازت نہیں دیتا، آپ نے تین مرتبہ یہ الفاظ دہرائے، البتہ علی اگر میری بیٹی کو طلاق دے دیں تو ان کی بیٹی کے ساتھ نکاح کر سکتے ہیں، فاطمہ! میرا جگر پارہ ہے جو اس کو شک میں ڈالتا ہے، وہ مجھے شک میں مبتلا کرتا ہے اور جو چیز اس کو ایذا دیتی ہے وہ مجھے ایذا دیتی ہے، پھر آپ نے اپنے ایک داماد [1] کا ذکر کیا جو بنی عبد شمس کے قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔

---

[1] ان کا نام ابوالعاص بن ربیع بن عبدالعزی بن عبدشمس بن عبدمناف ہے، یہ رسول اللہ کے سب سے پہلے داماد اور آپ کی سب سے بڑی دختر فرخندہ اختر سیدنا زینب رضی اللہ عنہا کے خاوند تھے، ان کی بیٹی کا نام امامہ تھا جن کو حالت نماز میں آپ کندھے پر اٹھا لیا کرتے تھے، جب سجدہ کو جاتے تو زمین پر رکھ دیتے اور جب کھڑے ہوتے اٹھا لیا کرتے تھے، (صحیح بخاری۔ کتاب الصلاۃ ، باب اذا حمل جاریة صغیرة علی عنقه فی الصلاۃ (حدیث: ٥١٦)، صحیح مسلم۔ کتاب المساجد، باب جواز حمل الصبیان فی الصلاۃ (حدیث: ٥٤٣) یہ وہی امامہ بنت ابوالعاص ہیں کہ جب ان کی خالہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوگیا تو سیدنا علی نے ان سے نکاح کر لیا تھا، ابوالعاص متاخر الاسلام ہیں، غزوۂ بدر میں یہ قریش کے ساتھ مل کر مسلمانوں سے لڑنے کے لیے گئے تھے، اور قید کر لئے گئے، جب اہل مکہ نے اپنے قیدیوں کو چھڑانے کے لیے فدیہ بھیجا تو سیدنا زینب نے وہ ہار مدینہ روانہ فرمایا، جو رخصتی کے وقت ان کی والدہ سیدنا خدیجہ نے ان کو پہنایا تھا، رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ نے یہ ہار پہچان لیا اور آبدیدہ ہو کر فرمایا۔

''اگر تم مصلحت دیکھو تو زینب کے قیدی کو رہا کر دو اور ہار اسے واپس دے دو۔'' (سنن ابی داؤد۔ کتاب الجهاد، باب فی فداء الاسیر بالمال، (حدیث: ٢٦٩٢)

آپ نے فرمایا: اس (آپ کے داماد ابوالعاص) نے جب بات کی تو سچ بولا اور جب وعدہ کیا تو اسے پورا کیا۔ [1]

صحابہ نے تعمیل ارشاد کر دی، بعد ازاں سیدنا زینب نے ابوالعاص سے ہجرت کی اجازت طلب کی جو اس نے دے دی، ابوالعاص ایک تجارتی قافلہ کو لے کر ملک شام گئے، ساحل سمندر پر مسلمانوں کی ایک جماعت آباد تھی جس میں ابوجندل اور ابوبصیر بھی شامل تھے، انہوں نے آگے بڑھ کر ابوالعاص کو قید کر لیا اور مدینہ پہنچے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ زینب نے ابوالعاص کو مال و متاع سمیت پناہ دی ہے، قید کرنے والوں نے ابوالعاص کو اسلام لانے کی ترغیب دلائی اور ابو العاص کو مخاطب کر کے کہا ''ابوالعاص! آپ اشراف قریش میں شمار ہوتے ہیں اور اس کے علاوہ آپ رسول اللہ کے چچا زاد اور داماد بھی ہیں اگر آپ مشرف باسلام ہو جائیں تو اہل مکہ کا سب مال آپ کو غنیمت میں مل جائے گا۔
ابوالعاص نے جواباً کہا ''تم نے یہ بہت بری بات کہی ہے، کہ میں مکر و فریب کے ساتھ اپنے مذہب کو چھوڑوں۔'' جب آپ نے ابوالعاص کو رہا کیا تو پہلے مکہ گئے اور حق داروں کی ایک ایک پائی ادا کی، پھر کھڑے ہو کر اہل مکہ کو مخاطب کر کے کہا ''مکہ والو! بتائیے کیا میں نے واجب الاداء حقوق ادا کیے یا نہیں۔''؟ انہوں نے کہا 'اللہ کی قسم! ضرور۔''
تب ابوالعاص نے کلمہ شہادت پڑھا اور عازم مدینہ ہوئے، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا زینب کو ابوالعاص کے یہاں بھیج دیا، اور نکاح جدید کی ضرورت نہ سمجھی۔ (مستدرك حاكم(٣/٢٣٦-٢٣٧) سيرة ابن هشام(ص:٣١٢، ٣١٤) بطوله سنن ابى داؤد۔ كتاب النكاح۔ باب الى متى ترد عليه امراته(حديث: ٢٢٤٠) بذكر النكاح فقط
ابوالعاص اموی اور ان کے اشباہ و امثال جن بلند اخلاق اور اوصاف کے حامل تھے، ان کا ذکر و بیان یہاں ممکن نہیں۔
ظہور اسلام سے قبل وہ جس طرح عرب بھر میں ممتاز تھے، اسلام لانے کے بعد تاریخ اسلام میں بھی انہیں بلند مقام حاصل ہوا، وہ عربوں کے اخلاق جلیلہ اور ان کی بلند پایہ عربی فطرت ہی ہے جس کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے اس عظیم قوم کو اسلامی انقلاب برپا کرنے کے لیے منتخب فرمایا۔

[1] صحيح بخاری، كتاب فضائل اصحاب النبی صلى الله عليه وسلم۔ باب ذكر اصهار النبی صلى الله عليه وسلم(حديث:٣٧٢٩، ٥٢٣٠)۔ صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة۔ باب من فضائل فاطمة رضى الله عنها، (حديث:٢٤٤٩) اس کے سیاق و سباق میں اختلاف ہے۔

ایک مرتبہ سرور کائنات ﷺ نے سیدنا علی کے دروازہ پر دستک دے کر دریافت فرمایا۔
''کیا تم نماز (تہجد) نہیں پڑھ رہے۔''؟
سیدنا علی نے عرض کیا، ہماری جانیں اللہ کے قبضہ میں ہیں جب چاہتا ہے جگا دیتا ہے، رسول اللہ یہ سن کر افسوس کے عالم میں اپنی ران پر ہاتھ مارتے ہوئے چل دیئے، زبان مبارک پر بے ساختہ یہ الفاظ جاری تھے۔

﴿ وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَیْءٍ جَدَلًا ﴾

''انسان جھگڑا کرنے میں سب چیزوں سے بڑھا ہوا ہے۔''❶

جہاں تک سیدنا علی کے مسائل و فتاویٰ کا تعلق ہے، آپ نے فتوی دیا تھا کہ جب کسی عورت کا خاوند فوت ہو جائے اور وہ حاملہ ہو تو اس کی عدت '' اَبْعَدُ الاَجَلَیْنِ '' (عدت وفات اور وضع حمل ہر دو میں سے جو بعید تر ہو) ہے، عہد نبوت میں جب ابو سنابل بن بعلک نے یہی فتوی دیا، تو رسول اللہ نے فرمایا، ابو سنابل جھوٹ کہتا ہے،❷ اس کے نظائر و امثال بہت ہیں۔

بہر کیف سیدنا علی کی شہادت کی بنا پر فیصلہ صادر نہیں کیا جا سکتا تھا۔

شیعہ مضمون نگار نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا جو واقعہ ذکر کیا ہے وہ ان کے شایان شان نہیں، شیعہ مصنف اس زعم باطل میں مبتلا ہے کہ اس سے سیدہ فاطمہ کی مدح و ستائش ہو رہی ہے، حالانکہ یہی واقعہ ان کے حق میں تنقیص شان کا موجب ہے، بشرط صحت اس واقعہ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ سیدنا ابوبکر نے جب سیدہ فاطمہ کے حق میں فیصلہ صادر نہ کیا تو آپ کس لیے ناراض ہو گئیں......؟ اس لیے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ حق و صداقت پر مبنی تھا، جس کی خلاف ورزی کسی کے لیے بھی درست نہیں، لہٰذا اس میں ناراض ہونے کی کوئی بات نہ تھی، جو شخص یہ چاہتا ہو کہ اللہ و رسول کے حکم کے برخلاف

---

❶ صحیح بخاری، کتاب التہجد۔ باب تحریض النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی قیام اللیل،(حدیث:۱۱۲۷) صحیح مسلم ۔ کتاب صلاۃ المسافرین۔ باب الحث علی صلاۃ اللیل و ان قلت۔(حدیث:۷۷۵)

❷ صحیح بخاری۔ کتاب المغازی۔ باب فضل من شھد بدراً(حدیث:۳۹۹۱) صحیح مسلم۔ کتاب الطلاق ، باب انقضاء عدۃ المتوفی عنھا زوجھا، (حدیث:۱۴۸۴) مسند احمد(۱/۴۴۷)

اس کے حق میں فیصلہ صادر کیا جائے اور جب حاکم ایسا نہ کر سکے تو وہ اس سے ناراض ہو جائے، اور بات چیت ترک کرنے کی قسم کھالے تو یہ بات اس شخص کے لئے نہ موجب مدح ہے اور نہ حاکم کے حق میں سبب جرح وقدح، بخلاف ازیں یہ بات ایسا تقاضا کرنے والے کے لیے جرح وقدح سے قریب تر ہے۔

ہم اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہیں کہ سیدہ فاطمہ و دیگر صحابہ سے اس قسم کے جو واقعات منقول ہیں ان میں سے اکثر صریح کذب اور بعض تاویل پر مبنی ہیں اور اگر ان میں سے بعض گناہ کے موجب بھی ہوں تو ہمیں کب اس سے انکار ہے، کیونکہ ہم صحابہ کو معصوم نہیں مانتے، ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ صحابہ اولیاء اور اہل جنت میں سے ہونے کے باوصف گناہوں سے بری نہ تھے، ہم پر امید ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کی مغفرت فرمائے گا۔

رافضی مصنف نے جو ذکر کیا ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے سیدنا صدیق سے گفتگو نہ کرنے کی قسم کھالی، اور کہا کہ اپنے والد محترم (صلی اللہ علیہ وسلم) سے مل کر اس کا شکوہ کریں گی، یہ بات شان فاطمہ رضی اللہ عنہا کے منافی ہے، شکوہ صرف بارگاہ ربانی میں کیا جا سکتا ہے اور بس!

قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ اِنَّمَآ اَشْكُوْ بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ﴾ (یوسف: ۱۲/ ۸۶)

''میں بارگاہ ایزدی میں اپنے حزن وملال کا شکوہ کرتا ہوں۔''

موسیٰ علیہ السلام دعا فرمایا کرتے تھے:

''بار خدایا! مدح وستائش صرف تیرے لیے ہے، تیرے حضور ہی میں شکایت کی جاتی ہے تجھی سے مدد چاہی جاتی ہے اور تجھی سے فریاد رسی کی جاتی ہے، ہمارا تکیہ صرف تیری ہی ذات پر ہے۔''

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عبداللہ بن عباس کو مخاطب کر کے فرمایا تھا: ''سوال کرنا ہو تو صرف اللہ سے کیجئے، [1] اور اگر مدد طلب کرنا ہو تو اللہ سے کیجئے۔'' آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ مجھ سے سوال کیجئے یا مجھ سے طلب امداد کیجئے، قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:

---

[1] مسند احمد (۱/ ۲۹۳، ۳۰۷) سنن ترمذی۔ کتاب صفۃ القیامۃ۔ باب (۵۹) (حدیث: ۲۵۱۶)

﴿فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ﴾ (سورہ الم نشرح: ۹۴/ ۷، ۸)

یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ جب کوئی شخص حاکم سے مال طلب کرے اور غیر مستحق ہونے کی بنا پر حاکم اس کا مطالبہ پورا نہ کرے اس پر مزید یہ کہ حاکم اس مال کو اپنے عزیز و [1] اقارب پر صرف نہ کر رہا ہو بلکہ حسب موقع و مقام سب مستحق مسلمانوں کو دیتا ہو، پھر کہا جائے کہ وہ طالب حاکم سے بگڑ گیا تو ظاہر ہے کہ اس کی ناراضگی کا موجب صرف یہ امر ہے، کہ حاکم نے اس کو مال نہ دیا اور یہ کہہ دیا کہ دوسرے لوگ اس کی نسبت اس مال کے زیادہ مستحق ہیں، اس ناراضگی میں طالب کے لیے مدح و ستائش کا کوئی پہلو باقی نہیں رہتا اور اگر طالب مظلوم بھی ہوتا ہم اس کی ناراضگی صرف دنیوی مال کی خاطر ہے، اس صورت میں طالب کو متہم کرنا حاکم کو مطعون قرار دینے کی نسبت اقرب الی الصحت ہے، خصوصاً جب کہ حاکم یہ مال خود نہیں لے رہا اور طالب اسے خود ہڑپ کرنے کے درپے ہے، حاکم واشگاف الفاظ میں کہہ سکتا ہے کہ حکم خداوندی مجھے مال دینے سے مانع ہے، میرے لیے یہ کیوں کر روا ہے کہ مستحق سے مال لے کر غیر مستحق کو دے دوں، طالب اس کے سوا آخر کیا کہہ سکتا ہے کہ میری ناراضگی کا باعث صرف قلیل مال ہے دگر ہیچ۔

جو شخص سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے متعلق ایسا واقعہ بیان کر کے اسے ان کی مدح پر محمول کرتا ہے، اس کا جاہل ہونا کسی شک و شبہ سے بالا ہے، اللہ تعالیٰ منافقین کی مذمت ان الفاظ میں فرماتے ہیں۔

''بعض منافق صدقات کے بارے میں آپ پر طعن کرتے ہیں، اگر صدقات مل گئے تو خوش، ورنہ ناخوش اور اگر وہ اللہ کے عطا کردہ مال پر رضا مندی کا اظہار کرتے، اور یوں

---

[1] اگر حدیث نبوی ''لانورث'' سے صرف نظر کر لیا جائے تو اس میں شبہ نہیں کہ سیدہ عائشہ بنت ابی بکر اور حفصہ بن عمر دونوں ورثاء میں شامل تھیں، سیدنا صدیق نے مذکورۃ الصدر حدیث کی تعمیل میں دونوں کو ورثہ سے محروم کر کے آپ کے صدقہ کو عام صدقات میں جمع کر دیا تھا، تاہم آپ نے رسول اللہ کی پیروی کرتے ہوئے، اہل بیت کو بیت المال سے اپنی ضروریات پوری کرنے کی اجازت دے دی تھی، سیدنا ابوبکر نے جملہ امور میں رسول اللہ کے نقش قدم پر چلنے کے التزام کو قائم رکھا اور ہر صورت میں اسے نباہنے کی کوشش کی، آپ نے بدعات سے کنارہ کش رہنے کی قسم کھائی تھی، ظاہر ہے کہ اس سے بڑی بدعت اور کیا ہوتی کہ آپ حدیث ''لانورث'' کی خلاف ورزی کرتے، حالانکہ یہ روایت کثیر صحابہ سے مروی ہے، اور خود سیدنا علی نے بھی یہ روایت بیان کی ہے۔

کہتے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے لیے کافی ہے اور وہ ہمیں اپنے فضل و کرم سے دیتا رہے گا، ہماری رغبت صرف بارگاہ ربانی کی جانب ہے اور بس تو یہ بات ان کے لیے فائدہ مند ثابت ہوتی۔'' (توبہ: ۵۸۔۵۹)

اس آیت میں منافقین کی یہ خصوصیت بیان کی کہ وہ دیے جانے کی صورت میں خوش ہوتے ہیں اور اگر نہ دیا جائے تو غیظ وغضب کا اظہار کرنے لگتے ہیں، منافقین کی زندگی کا یہی پہلو ان کی مذمت کا موجب ہوا۔

یہ امر قابل غور ہے کہ جو شخص اسی خصوصیت کی بنا پر سیدہ فاطمہ کی مدح سرائی کرتا ہے، جس کی مذمت بیان کی گئی ہے تو وہ بلاشبہ سیدہ فاطمہ کی شان میں گستاخی کا مرتکب ہوتا ہے، اس سے یہ حقیقت اجاگر ہوتی ہے کہ روافض نے اہل بیت کی شان میں جو گستاخیاں کی ہیں اور جس طرح ان کی زندگیوں کو داغ دار کرنے کی کوشش کی ہے، اہل بیت کی جانب سے اللہ تعالیٰ ہی اس کا انتقام لے گا۔

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ سیدہ فاطمہ اپنا حق طلب کرنے آئی تھیں اور حق کا مطالبہ کرنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ سیدنا ابوبکر تو یہود و نصاریٰ تک کے حقوق ادا کرنے میں تامل نہیں کرتے تھے، بھلا آپ سیدۃ النساء سیدہ فاطمہ کا حق ادا کرنے سے کیوں کر انکار کر سکتے تھے، مزید برآں اللہ و رسول نے اس بات کی شہادت دی ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنا مال اللہ کی راہ میں صرف کیا کرتے تھے، پھر آپ لوگوں کے حقوق ادا کرنے سے کیوں کر باز رہ سکتے تھے۔ [1]

---

[1] سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے ایک عزیز مسطح بن اثاثہ کی مالی امداد فرمایا کرتے تھے، اس ضمن میں سورہ نور کی یہ آیت نازل ہوئی: ﴿ وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْٓا اُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ (نور: ۲۲)

(صحیح بخاری کتاب المغازی، باب حدیث الافك،(حدیث: ٤١٤١) صحیح مسلم، کتاب التوبة، باب فی حدیث الافك(حدیث: ٢٧٧٠)

اگر یہ آیت کریمہ کسی انسان کے بارے میں انبیاء میں سے کسی نبی پر نازل ہوتی تو اس نبی کی امت کا سخت بے شرم آدمی بھی اس شخص کی شان میں گستاخی کرنے سے شرم محسوس کرتا، جس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی مگر سیدنا صدیق کی شان میں گستاخی کرنے والے جذبہ حیاء سے عاری ہیں، اس لیے کہ حیا ایمان کا جزء ہے، اور انہیں ایمان سے کوئی سروکار نہیں۔ (محبّ الدین الخطیب)

سیدہ فاطمہ نے بعض اوقات نبی کریم ﷺ سے مال کا مطالبہ کیا اور آپ اسے پورا نہ کر سکے، بخاری و مسلم میں سیدنا علی سے مروی ہے، کہ سیدہ فاطمہ بارگاہ نبوت میں خادم طلب کرنے آئیں اور آپ نے خادم عطا کرنے کی بجائے ان کو چند کلمات پڑھتے رہنے کی تلقین فرمائی۔ [1]

جب یہ روا ہے کہ سیدہ فاطمہ رسول اللہ سے کوئی چیز طلب کریں اور آپ یہ مطالبہ پورا نہ کریں اور اس کا پورا کرنا آپ پر واجب بھی نہ ہو تو اسی طرح یہ بھی درست ہے کہ وہ خلیفہ رسول سے کوئی چیز طلب کریں اور آپ اس مطالبہ کی تکمیل سے قاصر رہیں، خصوصاً جب کہ ہم اس حقیقت سے آشنا ہیں کہ سیدہ فاطمہ معصوم نہیں اور ممکن ہے آپ ایسا مطالبہ کریں جس کی تکمیل ضروری نہ ہو، جب مطالبہ کا پورا کرنا سیدنا ابوبکر پر واجب نہ ہوا تو ایک غیر واجب امر کے ترک کرنے پر آپ ہرگز قابل مذمت نہیں، یہ امر مباح ہی کیوں نہ ہو، جب ہم یہ فرض کر لیں کہ اس مطالبہ کا پورا کرنا سیدنا ابوبکر کے لیے مباح بھی نہ تھا تو اس کی عدم تکمیل پر آپ مدح کے قابل ہوئے نہ کہ مذمت کے مستحق، سیدنا ابوبکر نے رسول اللہ کی زندگی میں اور آپ کے بعد کسی کا حق ادا کرنے سے کبھی انکار نہ کیا۔

شیعہ مصنف کا یہ قول کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے وصیت فرمائی تھی کہ انھیں رات کو دفن کیا جائے اور ان کا جنازہ نہ پڑھا جائے۔'' صرف وہی شخص اس کو سیدہ فاطمہ سے روایت کرتا ہے اور اس سے احتجاج کرتا ہے جو علم حدیث سے قطعی نابلد ہو اور آپ کی شان میں ایسے کلمات کہے جو آپ کی عزت وعظمت کے منافی ہوں۔ بشرط صحت یہ بات چنداں مفید نہیں۔ اس لیے کہ جنازہ پڑھنے سے میت کو فائدہ ہی پہنچتا ہے کسی ضرر کا اندیشہ نہیں۔ نیز یہ کہ اگر ایک کم درجہ کا شخص افضل الخلق کا جنازہ پڑھے تو اسے کچھ نقصان نہیں پہنچتا۔ سرور کائنات ﷺ کو ہی لیجیے کہ سب ابرار واشرار اور منافقین آپ پر درود وسلام بھیجتے ہیں، بفرض محال اگر اس سے آپ کو نفع نہیں پہنچتا تو ضرر بھی لاحق نہیں ہوتا۔ رسول اللہ ﷺ اس حقیقت سے آگاہ تھے۔ کہ آپ کی امت میں منافقین بھی ہیں اس کے باوصف آپ نے کسی کو بھی درود وسلام سے نہ روکا، بلکہ مومن ومنافق سب کو درود وسلام کا حکم دیا۔

مذکورۃ الصدر حقائق اس امر کی غمازی کرتے ہیں کہ قبل ازیں ذکر کردہ واقعہ صرف فاطمہ رضی اللہ عنہا کی مدح وستائش پر دلالت نہیں کرتا اور اس سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت پر وہی شخص استناد کرتا ہے

---

[1] صحیح بخاری کتاب الدعوات، باب التکبیر والتسبیح عند المنام(حدیث:٦٣١٨) ،صحیح مسلم کتاب الذکر والدعاء باب التسبیح اوّل النهار و عند النوم (حدیث:٢٧٢٧)

جو جاہل مطلق ہو۔ مزید برآں یہ مسئلہ اپنی جگہ پر ثابت ہے کہ اگر کوئی شخص وصیت کرے کہ مسلمان اس کا جنازہ نہ پڑھیں تو اس کی وصیت نافذ نہیں کی جائے گی اس لیے کہ نماز جنازہ اُس کے لیے ہر حال میں مفید ہے [1] یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ اگر کسی انسان پر کسی نے ظلم کیا ہو اور مظلوم وصیت کر جائے کہ ظالم اس کے جنازہ میں شریک نہ ہو تو اس کا یہ فعل ایسی نیکی نہیں ہے جو اس کے لیے قابل ستائش ہو۔ اللہ و رسول نے بھی اس کا حکم نہیں دیا۔ مقام تعجب ہے کہ حضرت فاطمہ کی تعریف و توصیف کرنے والے ایسے واقعات کس لیے بیان کرتے ہیں جو ان کے لیے موجب مدح ہونے کی بجائے ان کی شان میں قدح وارد کرتے ہیں جیسا کہ کتاب وسنت اور اجماع سے مستفاد ہوتا ہے۔

شیعہ مصنف کا یہ قول سب لوگوں نے روا کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: ''اے فاطمہ! تیرے ناراض ہونے سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے اور تیرے راضی ہونے سے وہ راضی ہوتا ہے۔''

یہ صریح کذب ہے۔ یہ روایت آپ سے منقول نہیں اور کتب حدیث میں اس کا کوئی نشان نہیں ملتا۔ علاوہ ازیں اس کی کوئی سند صحیح یا حسن رسول اللہ ﷺ تک نہیں پہنچتی۔ اس پر مزید یہ کہ جنتی ہونے کی شہادت اگر سیدہ فاطمہ کی شان میں ملتی ہے تو یہی شہادت صحابہ کبار، سیدنا ابوبکر، عمر، عثمان، طلحہ، زبیر، سعید اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم کے بارے میں بھی موجود ہے۔ قرآن کریم کے متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اپنی رضا مندی کا اظہار فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ﴾ (التوبة: ۹/ ۱۰۰)

''سابقین اوّلین مہاجرین و انصار اور وہ لوگ جو ان کے بعد آئے اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گئے اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو گئے۔''

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

---

[1] امام ابن عبدالبر نے الاستیعاب میں سیدہ فاطمہ کا ذکر کرتے ہوئے آپ کی اس وصیت کا ذکر کیا ہے کہ سیدنا ابوبکر کی بیوی اسماء بنت عمیس اور سیدنا علی آپ کو غسل دیں۔ سیدنا ابوبکر کی بیوی ہی نے آپ کے لیے نعش کا انتخاب کیا تھا جیسا کہ وہ ملک حبشہ بچشم خود ملاحظہ کر چکی تھیں۔ دیکھئے حلیة الاولیاء، ابونعیم: ۲/ ۴۲، نیز السنن الکبریٰ امام بیہقی: ۴/ ۳۴، نیز ۳/ ۹۶

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ﴾

(الفتح:۴۸/۱۸)

''جب مومن درخت کے نیچے آپ کی بیعت کررہے تھے تو اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوگیا۔''

احادیث نبویہ سے یہ بات ثابت ہے کہ رسول اللہ نے جب وفات پائی تو آپ صحابہ سے رضا مند تھے۔ یہ حقیقت ہے کہ اللہ و رسول جس سے راضی ہوں۔ دنیا میں سے کسی شخص کی ناراضگی بھی اسے ضرر نہیں پہنچا سکتی۔ خواہ وہ کوئی بھی ہو۔ نیز اس لیے کہ اللہ تعالیٰ جس شخص سے راضی ہوگیا وہ بھی اللہ تعالیٰ سے راضی ہوگا۔ اور جانبین کی رضا مندی و خوشنودی میں کامل یگانگت و مطابقت ہوگی۔ گویا ایسا شخص حکم خداوندی پر راضی ہوگا اور حکم خداوندی اس کی رضا کے موافق ہوگا۔ ظاہر ہے کہ جو شخص حکم خداوندی پر راضی ہے وہ اس کے ناراض ہونے سے ناراض بھی ہوگا۔ اس لیے کہ جو شخص کسی دوسرے کے ناراض ہونے پر راضی ہوتا ہے وہ اس کے غضب آلود ہونے پر غضب آلود بھی ہوگا۔

شیعہ کی پیش کردہ حدیث پر تنقید:

شیعہ مصنف کا یہ قول کہ ''فاطمہ میرا جگر پارہ ہے۔'' یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ روایت نہیں کی گئی۔ احادیث میں جو الفاظ مذکور ہیں وہ اس سے مختلف ہیں، جس حدیث میں یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ جب سیدنا علی نے ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کرنا چاہا تو نبی کریم ﷺ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

''بنو ہشام بن مغیرہ نے مجھ سے علی کے ساتھ اپنی بیٹی کا نکاح کرنے کی اجازت طلب کی ہے، میں ہرگز اس کی اجازت نہ دوں گا۔'' یہ الفاظ آپ نے تین مرتبہ دہرائے۔ پھر فرمایا: ''فاطمہ میرا جگر پارہ ہے، جو چیز اسے ایذا دیتی ہے اس سے مجھے بھی دکھ پہنچتا ہے۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ علی میری بیٹی کو طلاق دے کر ابوجہل کی بیٹی کے ساتھ نکاح کرلے۔'' ایک روایت میں یوں ہے: ''مجھے ڈر ہے کہ فاطمہ کہیں دینی ابتلاء میں نہ پڑ جائے۔'' پھر آپ نے اپنے ایک داماد (ابوالعاص) کا ذکر کرکے اس کی تعریف فرمائی اور کہا: ''اس نے جب بھی بات کی سچ بولا۔ اور جب وعدہ کیا تو اسے پورا کر دکھایا۔ میں حلال کو حرام اور حرام کو حلال تو نہیں کرتا۔ مگر اللہ کی قسم! جگر گوشۂ رسول اور اللہ کے دشمن کی بیٹی ایک شخص کے گھر میں جمع نہیں ہوسکتیں۔''[1]

---

[1] صحیح بخاری۔ کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، باب ذکر اصهار النبی صلی اللہ علیہ وسلم(حدیث:۳۷۲۹، ۵۲۳۰) و صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة۔ باب من فضائل فاطمة رضی اللہ عنها(حدیث ۲۴۴۹) تاہم اس کے سیاق وسباق میں اختلاف ہے۔

حدیث بیان کرنے کا سبب خود روایت میں موجود ہے۔ کہ سیدنا علی ابوجہل کی بیٹی کو اپنے نکاح میں لانا چاہتے تھے۔ بنا بریں بیان کردہ سبب کو حدیث سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ حدیث کے الفاظ واضح ہیں:

''جو چیز فاطمہ کو شک میں مبتلا کرتی ہے وہ مجھے بھی شبہ میں ڈالتی ہے اور جس بات سے فاطمہ کو دکھ پہنچے وہ میرے لیے بھی رنج والم کی موجب ہے۔''

یہ بات قطعی طور پر معلوم ہے کہ نبی کریم کو یہ تکلیف محض اس لیے پہنچی کہ سیدنا علی نے ابوجہل کی بیٹی کے ساتھ نکاح کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا۔ اگر یہ وعید ایذا دینے والے کو لاحق ہوسکتی ہے تو سیدنا علی کا اس وعید کی لپیٹ میں آنا ضروری ہے اور اگر اس کا احتمال نہیں ہے تو سیدنا ابوبکر سیدنا علی کی نسبت اس وعید سے بعید تر ہوں گے۔ اگر شیعہ کہیں کہ سیدنا علی نے ابوجہل کی بیٹی کے ساتھ نکاح کرنے کا ارادہ ترک کر دیا تھا اور اس سے توبہ کر لی تھی۔ تو ہم کہیں گے کہ اس سے سیدنا علی کا غیر معصوم ہونا لازم آتا ہے۔ نیز یہ کہ اگر سیدہ فاطمہ کی ایذاء کا ازالہ توبہ سے ہوسکتا ہے تو اس کے علاوہ دیگر اعمال بھی یقیناً اس کو محو کر سکتے ہیں۔ اس لیے کہ اعمال صالحہ مصائب و آلام اور توبہ سے تو اسے بھی بڑے گناہ دور ہو سکتے ہیں۔ مزید براں یہ گناہ کفر نہیں ہے کہ بلا توبہ معاف نہ ہوسکتا ہو۔ اگر ایسا ہوتا تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ آں حضور کی زندگی ہی میں مرتد ہو چکے ہوتے۔ (العیاذ باللہ) حالانکہ آپ کا مومن و مسلم ہونا ایک یقینی امر ہے۔ خوارج جنھوں نے آپ کے مرتد ہونے کا دعویٰ کیا تھا وہ بھی یہی کہتے تھے کہ سیدنا علی نبی کریم کی وفات کے بعد اسلام سے منحرف ہو گئے، اس کی وجہ یہ ہے کہ عہد نبوی میں مرتد ہونے والے کو یا قتل کر دیا جاتا تھا یا وہ پھر دین اسلام کی طرف لوٹ آتا تھا۔ مگر سیدنا علی کا دامن اس سے پاک رہا۔ شرک کے ماسوا دوسرے گناہوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ (سورہ نساء: ٤/١١٦)

''اللہ تعالیٰ اس بات کو معاف نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے اور اس کے سوا جس کو چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے۔''

سیدنا ابوبکر کا کفر ثابت کرنے کے لیے اگر شیعہ سیدہ فاطمہ کی ایذا کو کفر قرار دیں تو اس سے سیدنا علی کا بھی کافر ہونا لازم آئے گا اور جب لازم باطل ہے تو ملزوم کے بطلان میں کوئی شبہ باقی

نہیں رہتا۔شیعہ کی یہ پرانی عادت ہے کہ وہ سیدنا ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم کی عیب چینی کرتے اور ایسے امور کی بنا پران کی تکفیر کرتے ہیں جن کی مثل بلکہ اس سے بھی قبیح تر افعال سیدنا علی سے صادر ہو چکے ہیں۔اب سوال یہ ہے کہ ان افعال میں اگر سیدنا علی ماجور یا معذور ہیں تو خلفاء ثلاثہ بالا ولیٰ اجر یا عذر کے مستحق ہوں گے اور اگر کسی معمولی امر کی بناء پر خلفاء ثلاثہ فاسق یا کافر قرار پائیں گے تو کیا وجہ ہے کہ سیدنا علی اس سے شنیع تر فعل کے مرتکب ہونے پر بھی کفر وفسق سے بچ جائیں؟

سیدہ فاطمہ کو ستانا اس لیے بڑا گناہ ہے کہ اس سے ان کے والد محترم کو دکھ پہنچتا ہے، کسی معاملہ میں جب یہ سوال پیدا ہو جائے کہ آیا سیدہ فاطمہ کو ایذا دینے سے احتراز کیا جائے یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ستم رانی کرنے سے۔تو ظاہر ہے کہ اندریں صورت نبی کریم کی ایذاء سے دست کشی سیدہ فاطمہ کی اذیت کی نسبت واجب تر ہو گی۔سیدنا ابوبکر وعمر کے ساتھ بھی یہی معاملہ پیش آیا۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (انبیاء کی عدم توریث) ایک حکم دیا تھا اور یہ دونوں اصحاب اس کی خلاف ورزی کرکے آپ کو ایذا پہنچانے سے امکانی حد تک کنارہ کش رہنا چاہتے تھے۔ہر سلیم العقل آدمی اس بات سے اتفاق کرے گا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی بات کا حکم دیں اور سیدہ فاطمہ اس کے برخلاف مطالبہ کریں تو حکم رسول کی مراعات اولیٰ ہو گی ۔اس لیے کہ آپ کی اطاعت واجب اور معصیت حرام ہے۔اگر آپ کی اطاعت کرنے سے کسی کو دکھ پہنچتا ہے تو وہ غلطی پر ہے اور آپ کی اطاعت کرنے والا مصیب ہے۔یہ اس صورت سے مختلف ہے جب کوئی شخص اللہ ورسول کی اطاعت کے لیے بلکہ کسی اور مقصد کے لیے سیدہ فاطمہ کو ستائے۔

جو شخص اس بات پر غور کرے گا کہ مذکورہ واقعہ میں سیدنا ابوبکر کا مقصد صرف نبی کریم کی اطاعت تھی اور اس کے سوا کوئی بات آپ کے پیش نظر نہ تھی تو وہ اس حقیقت کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو گا کہ سیدنا ابوبکر کا یہ فعل سیدنا علی کے اقدام کے مقابلہ میں اکمل وافضل ہے۔تاہم دونوں کی عظمت وفضیلت میں کلام نہیں، آپ دونوں اکابر اولیاء اللہ سابقین اولین اور اللہ کے مقربین سے تھے۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

''اللہ کی قسم! نبی کریم کی قرابت ذاتی قرابت کی نسبت مجھے عزیز تر ہے۔''[1]

---

[1] صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم۔ باب مناقب قرابة رسول الله صلی اللّٰہ علیہ و سلم (حدیث:۳۷۱۲) صحیح مسلم۔ کتاب الجهاد، باب قول النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم" لا نورث ما ترکنا فهو صدقة" (حدیث:۱۷۵۹) مطولاً

آپ کا قول ہے:

''نبی کریم کے اہل بیت کا خیال رکھیے۔'' ❶

اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ کو رنج والم پہنچایا تھا تو یہ ماننا پڑے گا کہ آپ نے کسی ذاتی غرض کے تحت ایسا نہیں کیا تھا، اس کی اصل وجہ اللہ ورسول کی اطاعت، نیز یہ جذبہ اس کا محرک تھا کہ حق دار کو حق مل کر رہے۔ ❷ سیدنا علی کا معاملہ اس کے بالکل برعکس تھا۔ وہ ابوجہل کی بیٹی کے ساتھ شادی کر کے آپ کو دکھ پہنچانا چاہتے تھے۔ ظاہر ہے کہ سیدنا علی کا یہ اقدام ذاتی غرض پر مبنی تھا۔

سیدنا ابوبکر ❸ کا معاملہ اس سے یکسر مختلف ہے۔ مذکورہ بالا واقعات اس بات کے زندہ گواہ

---

❶ صحیح بخاری ،حوالہ سابق (حدیث:۳۷۱۳)

❷ یعنی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق یہ آمدنی رفاہ عام کے کاموں پر صرف کی جائے۔

❸ اہل سنت کی بلند اخلاقی مجھے ورطۂ حیرت میں ڈال دیتی ہے جب میں اس بات پر غور کرتا ہوں کہ وہ ابوجہل کی بیٹی کے ساتھ سیدنا علی کے عزم نکاح اور اس سے نبی کریم وسیدہ فاطمہ کی شدید ناراضگی کا واقعہ شاذونادر ہی ذکر کرتے ہیں۔ حالانکہ اس ضمن میں نبی کریم نے مسجد نبوی کے منبر پر جو شہرۂ آفاق خطبہ دیا وہ قرآن کریم کے بعد صحیح ترین کتب حدیث کے اوراق میں محفوظ ہے۔ دوسری جانب شیعہ کا یہ حال ہے کہ تمام تاریخی ادوار میں انھوں نے سیدنا ابوبکر کے خلاف شور وشغب بپا کیے رکھا۔ سیدنا ابوبکر کا جرم اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ انھوں نے نبی کریم کے ایک ایسے حکم کو نافذ کرنے کی غلطی کی جو انھوں نے بذات خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا۔ علاوہ ازیں کثیر صحابہ اور خود سیدنا علی بھی براہ راست اسے نبی کریم سے سن چکے تھے۔ سیدنا ابوبکر نے نہایت موزوں طریقہ سے امر نبوی کی تکمیل فرمائی۔ سیدہ فاطمہ اور دیگر اہل بیت کو اس جاگیر سے اپنی ضروریات پوری کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ اور جو باقی رہ جاتا تھا اس کو اسوۂ نبوی کے مطابق رفاہ عام کے کاموں پر صرف کرنے کی ہدایت کی۔ شیعہ کے شور وشغب اور دروغ گوئی کا نتیجہ ہے کہ لوگ مسئلہ فدک کی تفصیلات سے آگاہ ہیں، اور کسی کو کانوں کان خبر نہیں کہ سیدنا علی کے عزم نکاح سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدہ فاطمہ کس حد تک برہم ہوئے تھے، یہ دونوں واقعات (مسئلہ فدک اور ابوجہل کی بیٹی سے سیدنا علی کا عزم نکاح) جملہ اختلافی مسائل میں اہل سنت وشیعہ کے مابین ایک عمدہ معیار کی حیثیت رکھتے ہیں اور اس سے عیاں ہوتا ہے کہ صحابہ واہل بیت کے بارے میں فریقین کا موقف کیا ہے۔ یہ دونوں واقعات اس بات کے شاہد عدل ہیں کہ اہل سنت صحابہ واہل بیت دونوں کو عزّ و وقار کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ بخلاف ازیں شیعہ کے دل بغض صحابہ سے لبریز ہیں اور اہل بیت کی محبت کے

ہیں کہ سیدہ فاطمہ کی ایذا سے متعلق سیدنا ابوبکر کی نسبت سیدنا علی کا فعل مذمت کا زیادہ استحقاق رکھتا ہے، اس لیے کہ سیدنا ابوبکر نے اللہ و رسول کی اطاعت کے لیے ایسا کیا تھا اور سیدنا علی نے ذاتی غرض کی بنا پر۔ ابوبکر صدیق کا شمار ان بزرگوں میں ہوتا ہے جنھوں نے اللہ و رسول کے لیے ہجرت کی تھی۔ ظاہر ہے کہ کسی عورت سے نکاح کرنے کی نیت سے ہجرت کرنے والا، ان کا ہم پلہ کیسے ہوسکتا ہے۔

بے شک سیدہ فاطمہ کی ایذا نبی کریم ﷺ کے لیے باعث رنج و ملال ہے، بشرطیکہ وہ بات حکم الٰہی کے خلاف نہ ہو۔ جب کسی بات میں حکم الٰہی موجود ہو تو اس کی انجام دہی ضروری ہے، قطع نظر اس سے کہ یہ امر کسی کے لیے موجب اذیت ہو۔ اللہ کی اطاعت کرتے ہوئے باعث اذیت وہ بات ہوگی جو اللہ و رسول کے حکم کے منافی ہو۔ اس کی مثال مندرجہ ذیل حدیث نبوی ہے:

''جس شخص نے میری اطاعت کی، اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میرے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی، جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی حکم عدولی کی، اور جس نے میرے امیر کے حکم سے سرتابی کی اس نے میری نافرمانی کی۔''[1]

پھر آپ نے ان الفاظ میں اس حدیث کی توضیح فرمائی:

''کسی کی اطاعت صرف نیکی کے کاموں میں ہے۔''[2]

نبی کریم کا یہ ارشاد کہ ''جس نے فاطمہ کو ایذا دی اس نے مجھے تکلیف دی۔'' بالاولیٰ اذی فی المعروف پر محمول ہوگا۔ اس لیے کہ نبی کریم کے امراء کی اطاعت فرض ہے اور ان کی نافرمانی کبیرہ گناہ

بارے میں ان کے سب دعاویٰ بے بنیاد ہیں، اہل بیت کی محبت شیعہ میں صرف اس حد تک پائی جاتی ہے کہ ان کی قبروں کو بت بنا کر ان کی پرستش کرتے رہیں اور اس طرح صنم پرستی کے دور کی یاد تازہ کر دیں۔

دیگر اخوات کو چھوڑ کر صرف سیدہ فاطمہ سے اظہار محبت کذب و دروغ پر مبنی ہے۔ علاوہ ازیں شیعہ، بعض بنی فاطمہ رضی اللہ عنہا سے محبت کرتے ہیں اور بعض سے بغض و عناد رکھتے ہیں۔ مگر حق و صداقت کسی کے چھپائے چھپتی نہیں اور اس کا نور ظاہر ہو کر رہتا ہے۔ ﴿وَاللّٰهُ يُحِقُّ الْحَقَّ وَ هُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ﴾

[1] صحیح بخاری، کتاب الجهاد، باب یقاتل من وراء الامام و یتقی به،(حدیث:۲۹۵۷) ، صحیح مسلم۔ کتاب الامارة۔ باب وجوب طاعة الامراء فی غیر معصیة (حدیث: ۱۸۳۵) باختلاف

[2] صحیح بخاری، کتاب الاحکام۔ باب السمع والطاعة للامام ما لم تکن معصیة (حدیث: ۷۱۴۵)،صحیح مسلم۔ کتاب الامارة۔ باب وجوب طاعة الامراء فی غیر معصیة (حدیث: ۱۸۴۰)

ہے، مگر سیدہ فاطمہ کو ایذا پہنچانے کا فعل نبی کریم کی نافرمانی کے مساوی نہیں، ورنہ لازم آئے گا کہ سیدنا علی نے اللہ و رسول کی نافرمانی کا ارتکاب کیا تھا۔ کیوں کہ نبی کریم کے امراء کی نافرمانی آپ کی نافرمانی ہے، اور آپ کے حکم سے سرتابی معصیت الٰہی ہے۔

شیعہ مصنف کا قول: ''اگر حدیث ''لا نُورث'' صحیح ہوتی تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نبی کریم کی تلوار، خچر اور عمامہ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے دعویٰ کی موجودگی میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو تفویض نہ فرماتے۔''

ہم پوچھتے ہیں کہ سیدنا ابوبکر و عمر نے یہ فیصلہ کب فرمایا تھا اور کس نے یہ واقعہ نقل کیا ہے؟ یہ ان پر صریح بہتان ہے، زیادہ سے زیادہ یہ ہوسکتا ہے کہ یہ اشیاء جہاں تھیں وہاں پڑی رہتیں اور کوئی ان کا مالک قرار نہ پاتا، جس طرح ان دونوں حضرات نے نبی کریم کے صدقہ کو سیدنا علی و عباس رضی اللہ عنہما کی تحویل میں دے دیا تھا کہ وہ اسے شرعی مصارف میں صرف کردیں۔

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''ورنہ اہل بیت جن کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں پاکیزہ قرار دیا ہے ناروا امور کے مرتکب ٹھہریں گے۔''

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب اہل بیت کو پاک و صاف نہیں کیا، اور ایسا دعویٰ کرنا خداوند تعالیٰ پر افتراء پردازی کرنے کے مترادف ہے۔ یہ ادّعا کیوں کر صحیح ہوسکتا ہے، جب کہ ہمیں معلوم ہے کہ بعض بنی ہاشم گناہ و نجاست سے پاکیزہ نہیں ہیں۔ اس کی حد یہ ہے کہ خود روافض کو بھی اس کا اعتراف ہے۔ شیعہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ بنی ہاشم میں سے جو شخص ابوبکر و عمر سے محبت رکھتا ہے وہ پاک نہیں ہے۔

قرآن کریم میں فرمایا:

﴿اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ﴾

(الاحزاب:۳۳/......)

''اے اہل بیت! اللہ تعالیٰ تم سے نجاست کو دور کرنا چاہتے ہیں۔''

مندرجہ بالا آیت سورہ مائدہ کی حسب ذیل آیت کی مانند ہے:

﴿مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ﴾ (المائدہ: ۵/۶)

''اللہ تعالیٰ تمھیں تنگی میں مبتلا نہیں کرنا چاہتا بلکہ پاک کرنا چاہتا ہے۔''
سورہ نساء کی حسب ذیل آیت بھی اسی قبیل سے ہے:
﴿یُرِیۡدُ اللّٰهُ لِیُبَیِّنَ لَكُمۡ وَ یَهۡدِیَكُمۡ﴾ (النساء: ٤/٢٦)
اللہ تعالیٰ تم پر واضح کرنا اور تمھیں ہدایت دینا چاہتے ہیں۔''

علاوہ ازیں اس نوع کی وہ آیات جن میں یہ مضمون بیان ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمھارے لیے فلاں چیز کو پسند کرتے اور اس کا حکم دیتے ہیں جو شخص یہ کام کرے گا وہ مقصود کو پالے گا اور جو ایسا نہیں کرے گا وہ اپنے مقصد سے دور رہے گا۔ دوسرے موقع پر اس کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں اور بتایا گیا ہے کہ یہ بات منکرین تقدیر روافض پر چسپاں ہوتی ہے۔ شیعہ اس بات کے قائل ہیں کہ ارادۂ الٰہی سے اس کا حکم مراد ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ وہی کام کرتا ہے جس کا وہ ارادہ کرتا ہے۔

بنا بریں یہ ثابت ہوا کہ تطہیر کا ارادہ کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ شخص فی الواقع پاک بھی ہو جائے۔ شیعہ کے نزدیک یہ جائز نہیں کہ کوئی کسی کو پاک کرے بلکہ اللہ تعالیٰ جس کو پاک کرنا چاہتے ہیں اگر وہ چاہے تو اپنے آپ کو پاک کرے اور چاہے تو نہ کرے۔ شیعہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کسی کی تطہیر پر قادر نہیں ہے۔

شیعہ مصنف کا یہ قول: ''بنی ہاشم پر صدقہ حرام ہے۔'' ہم کہتے ہیں کہ صرف فرض صدقات بنی ہاشم پر حرام ہیں۔ نفلی صدقات مباح ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ بنی ہاشم وہ خیراتی پانی پی لیا کرتے تھے جو مکہ و مدینہ کے مابین تقسیم کیا جاتا تھا اور کہا کرتے تھے کہ فرضی صدقات ہم پر حرام ہیں نفلی صدقات نہیں۔ ظاہر ہے کہ جب بنی ہاشم اجنبی لوگوں کے نفلی صدقات سے متمتع ہو سکتے تھے تو نبی کریم کے صدقات سے نفع اندوز ہونا ان کے لیے بالاولیٰ روا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ یہ مال زکوٰۃ نہ تھا جسے لوگوں کی میل کچیل کہا گیا ہے، اور جو بنی ہاشم پر حرام ہے، بلکہ یہ وہ مال تھا جو کسی جہاد و قتال کے بغیر صلحاً نبی کریم کو ملا تھا۔ یہ بنی ہاشم کے لیے حلال تھا اور نبی ﷺ یہ سب مال صدقہ کر دیا کرتے تھے۔ اس کے بارے میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ آپ کی ملکیت تھا اور آپ صدقہ کے طور سے اسے مسلمانوں میں تقسیم فرما دیا کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ آپ کے اقارب صدقہ کے زیادہ مستحق تھے کیوں کہ صدقہ مسلمانوں کے حق میں صرف صدقہ ہے

اور اقارب کے حق میں صدقہ بھی ہے اور صلہ رحمی بھی۔ ❶

شیعہ قلم کار نے سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی روایت پر جو معارضہ کیا ہے ہم اس کے جواب میں کہہ سکتے ہیں کہ سیدنا جابر نے کسی غیر کے حق کا دعویٰ نہیں کیا تھا جو اس سے چھین کر ان کو دیا جائے۔ ان کا مطالبہ بیت المال سے تھا جو حاکم بآسانی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدہ کے بغیر بھی پورا کر سکتا ہے۔ نبی کریم کے وعدہ کرنے کی صورت میں حاکم کے لیے اس مطالبہ کی تکمیل اولیٰ بالجواز ہو گی۔ یہی وجہ ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس میں گواہ کی ضرورت محسوس نہ کی اور اسی لیے سیدنا ابوبکر وعمر سیدنا علی وعباس اور دیگر بنی ہاشم کو بیت المال سے دے دیا کرتے تھے۔ جیسے سیدنا جابر کو دیا۔

رافضی مضمون نگار لکھتا ہے:

اہل سنت ابوبکر کو خلیفہ رسول کہتے ہیں، حالانکہ آپ نے اپنی زندگی میں بعد از وفات آپ کو اپنا خلیفہ (نائب وقائم مقام) مقرر نہیں کیا تھا۔ اس کے برعکس اہل سنت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ رسول نہیں کہتے حالانکہ آپ نے ان کو اپنی عدم موجودگی میں مدینہ کا حاکم مقرر کیا تھا اور فرمایا: میرے اور آپ کے سوا کوئی شخص حاکم مدینہ بننے کا اہل نہیں ہے۔'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا اسامہ کو سالار لشکر مقرر فرمایا۔ اس لشکر میں ابوبکر وعمر بھی تھے۔ تاہم اہل سنت اسامہ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ کے لقب سے یاد نہیں کرتے۔ جب ابوبکر مسند خلافت پر فائز ہوئے تو اسامہ نے بگڑ کر کہا: '' مجھے آپ پر امیر بنایا گیا تھا۔ بتایئے! آپ کو کس نے میرا حاکم بنایا؟ ابوبکر وعمر دونوں پا پیادہ اسامہ کے یہاں پہنچے اور ان کو راضی کیا۔

خلیفہ کی تعریف:

اس کا جواب یہ ہے کہ خلیفہ کا لفظ دو معنوں پر بولا جاتا ہے۔

۱۔ جو کسی کا قائم مقام ہو، اس کو خلیفہ کہتے ہیں، جیسا کہ لغت میں معروف ہے۔

۲۔ خلیفہ وہ ہے جس کو کوئی شخص اپنا نائب مقرر کرے۔ یہ روافض اور بعض ظاہریہ کا مسلک و

---

❶ سنن ترمذی۔ کتاب الزکاۃ۔ باب ما جاء فی الصدقة علی ذی القرابة(حدیث:۶۵۸) ، سنن نسائی۔ کتاب الزکاۃ باب الصدقة علی الاقارب(حدیث:۲۵۸۳)، سنن ابن ماجه، کتاب الزکاۃ، باب فضل الصدقة(حدیث:۱۸۴٤)

مذہب ہے۔ ❶

پہلے معنی کی بناء پر سیدنا ابوبکر خلیفہ رسول تھے، کیوں کہ سرور کائنات ﷺ کی وفات کے بعد آپ ان کے قائم مقام ہوئے اور آپ دوسروں کی نسبت اس منصب کے لیے موزوں تر تھے۔ لہٰذا آپ خلیفہ قرار پائے اور دوسرا کوئی شخص یہ مقام حاصل نہ کر سکا۔ شیعہ اور دیگر فرقوں میں سے کوئی بھی اس مسلمہ صداقت کا منکر نہیں ہے کہ نبی کریم کی وفات کے بعد سیدنا ابوبکر خلیفہ قرار پائے تھے۔ آپ نماز پڑھاتے ❷ شرعی حدود قائم کرتے اور صلح کی بنا پر حاصل کردہ مال مسلمانوں میں تقسیم کیا کرتے تھے، علاوہ ازیں آپ کفار سے جہاد کرتے، عمّال و امراء مقرر کرتے اور دیگر سیاسی امور انجام دیا کرتے تھے۔ آن سیدنا ﷺ کی وفات کے بعد بالاتفاق سیدنا ابوبکر یہ جملہ امور انجام دیا کرتے تھے۔ لہٰذا بلانزاع آپ خلیفہ رسول تھے اور اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

بعض اہل سنت دوسرے معنی کی بناء پر کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے نص جلی یا خفی کے مطابق سیدنا ابوبکر کو خلیفہ مقرر فرمایا تھا۔ سیدنا ابوبکر کی خلافت کے بارے میں نص جلی یا خفی کا یہ دعویٰ شیعہ کے اس دعویٰ سے اقوی و اظہر ہے جو وہ خلافت علی سے متعلق نصوص کے بارے میں کرتے ہیں، اسی لیے کہ سیدنا ابوبکر کی خلافت کے بارے میں کثیر التعداد نصوص وارد ہوئی ہیں۔ بخلاف ازیں سیدنا علی کی خلافت کے بارے میں واردشدہ نصوص یا تو جھوٹی ہیں یا ان سے یہ دعویٰ ثابت نہیں ہوتا۔ بنا بریں یہ مسلمہ صداقت ہے کہ نبی کریم نے اپنی موت کے بعد صرف سیدنا ابوبکر ہی کو خلیفہ مقرر فرمایا تھا۔ لہٰذا نبی کریم کی وفات کے بعد صرف آپ ہی خلیفہ برحق تھے۔ ❸ خلیفہ مطلق وہ ہے جو آپ کی وفات کے بعد خلیفہ بنے یا آپ اپنی موت کے بعد اس کو خلیفہ مقرر کریں۔ ظاہر ہے کہ یہ دونوں وصف

---

❶ محدث ابن حزم اپنی کتاب ''الامامة والمفاضلة'' میں جو ان کی شہرہ آفاق تصنیف کتاب الفصل کی جلد چہارم میں شامل ہے۔ صفحہ: ۱۰۷، پر رقم طراز ہیں: ''اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کے صادق القول ہونے کی شہادت دی ہے اور ان کے ساتھ ساتھ ان کے انصاری بھائی اس امر میں متفق اللسان ہیں کہ سیدنا ابوبکر خلیفۂ رسول تھے۔ اور کسی شخص کا خلیفہ (قائم مقام) وہ ہوتا ہے جس کو وہ خود اپنا نائب مقرر کرے نہ وہ جو کہ ازخود کسی کا قائم مقام بن جائے۔

❷ سیدنا علی دیگر لوگوں کی طرح سیدنا ابوبکر کی اقتداء میں نماز پڑھا کرتے تھے۔

❸ سيرة ابن هشام (ص:٤٥٦) جوامع السيرة لابن حزم (ص:١٨٥)

سیدنا ابوبکر کے علاوہ کسی اور میں موجود نہ تھے اور اسی بنا پر آپ خلیفہ برحق تھے۔

جہاں تک سیدنا علی کو حاکم مدینہ مقرر کرنے کا تعلق ہے وہ اس بات میں منفرد نہ تھے۔ بلکہ مختلف اوقات میں دیگر صحابہ بھی اس منصب پر فائز ہوئے تھے۔ یہ واقعات ملاحظہ ہوں:

۱۔ جب نبی کریم ﷺ بنی نضیر سے لڑنے کے لیے مدینہ سے باہر نکلے تو عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو حاکم مدینہ مقرر کیا۔ [1]

۲۔ غزوۂ ذات الرقاع کے لیے جاتے وقت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ حاکمِ مدینہ قرار پائے۔ [2]

۳۔ غزوۂ بدر کے لیے تشریف لے گئے تو ابولبابہ بن عبدالمنذر کو حاکم مدینہ مقرر کیا [3] ظاہر ہے کہ یہ استخلاف مطلق نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان اصحاب میں سے کسی کو بھی خلیفہ نہیں کہا گیا۔ سیدنا علی کو ہارون [4] سے تشبیہ صرف اصل استخلاف میں دی گئی ہے۔ کمال استخلاف میں نہیں۔ ورنہ

---

[1] خلافت صدیقی میں جو مال بنا بر مصالحت بلاقتال وجدال بیت المال میں آتا تھا اس میں سے بنی حنیفہ کے قبیلہ کی ایک لونڈی بھی تھی۔ سیدنا علی نے شرعی حکم کے مطابق حق ملکیت حاصل کر کے اسے اپنی لونڈی بنا لیا اور اس کے بطن سے ایک عالم باعمل اور صالح بیٹا محمد بن علی بن ابی طالب تولّد ہوا جو بعد میں محمد بن حنفیہ کے نام سے مشہور ہوا۔ اگر سیدنا علی کی رائے میں سیدنا ابوبکر کی خلافت غیر شرعی ہوتی تو وہ لونڈی کو اپنے لیے حلال نہ سمجھتے۔ حرام وحلال عورتوں کے مابین فرق وامتیاز ایک طے شدہ بات ہے، جس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ ایک مشہور ترین شیعہ عالم سید عبداللہ بن حسن سُویدی نے ماہ شوال ۱۱۵۶ھ میں جب اکابر علماء شیعہ کی موجودگی میں اس سے احتجاج کیا تھا تو سب خاموش ہو گئے اور کوئی بھی جواب نہ دے سکا۔ (دیکھیے۔ رسالہ مؤتمر النجف، ص:۳۱۔۳۲) اگر شیعہ حق کے طالب ہوتے اور فتنہ پردازی ان کا مقصد نہ ہوتا تو مذکورہ دلیل اور دیگر سینکڑوں دلائل و براہین ان کے لیے وجہ اطمینان ہوتے۔ مگر شیعہ کا مقصد وحید مسلم معاشرہ میں شور وشر پیدا کرنا، افکار باطلہ کی تشہیر دین حنیف کی تحریف وتغییر اور شریعت کے مآخذ ومصادر کی تبدیلی کے سوا اور کچھ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شیعہ کا وجود انسانیت کے لیے ایک عظیم آفت سے کم نہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ وہ باطل کے پرستار ہیں اور باطل فنا پذیر ہوتا ہے بلکہ جو چیز بھی کذب وافترا پر مبنی ہو وہ بے کار اور عبث ہے۔

[2] سیرۃ ابن ہشام(ص:٤٥٤)، جوامع السیرۃ لابن حزم(ص:١٨٢،١٨٣)

[3] سیرۃ ابن ہشام(ص:٢٩٢) ، جوامع السیرۃ لابن حزم(ص:١٠٧،١٠٨)

[4] سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی موت کے بعد سیدنا یوشع آپ کے قائم مقام قرار پائے تھے نہ کہ سیدنا ہارون، مزید براں یہ امر قابل غور ہے کہ ہارون نبی تھے اور علی نبی نہ تھے۔ ہارون سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے بھائی تھے اور علی

سیدنا ہارون، سیدنا موسیٰ کی عدم موجودگی میں بنی اسرائیل کے حاکم بنائے گئے تھے۔اس کے برخلاف سیدنا علی جب مدینہ میں نبی کریم کے قائم مقام قرار پائے تو اکثر لوگ وہاں سے نبی کریم کو رفاقت میں جا چکے تھے اور سیدنا علی کی خلافت محض عورتوں، بچوں اور ضعیف لوگوں کے لیے باقی رہ گئی تھی۔

شیعہ مصنف کا قول ''اِنَّ الْمَدِیْنَۃَ لَا تَصْلُحُ اِلَّا بِیْ اَوْ بِکَ'' صریح کذب اور موضوع ❶

ان کے بھائی نہ تھے۔ مذکورہ فرق و امتیاز کے علاوہ اب یہ بات باقی رہی کہ غزوۂ تبوک پر جاتے وقت آپ نے سیدنا علی کو مدینہ کا حاکم مقرر کیا تھا جس طرح سیدنا موسیٰ نے کوہِ طور کو جاتے وقت سیدنا ہارون کو اپنا قائم مقام مقرر کیا۔ اصل وجہ مشابہت و مماثلت صرف یہی امر ہے، خاص مدینہ پر استخلاف کا شرف دوسرے لوگوں کو بھی حاصل ہوا مگر کسی نے بھی ان کو نبی کریم کا خلیفہ عام تصور نہ کیا۔ لطف یہ ہے کہ سیدنا علی بھی اس غلطی میں کبھی مبتلا نہ ہوئے۔ علاوہ ازیں حدیث نبوی ''اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ ھَارُوْن'' محدثین کے نزدیک متنازع فیہ ہے، بعض اسے صحیح کہتے ہیں اور بعض ضعیف (۱) امام ابو الفرج ابن الجوزی اس کو موضوع قرار دیتے ہیں۔ نیز یہ کہ نبی کریم ﷺ نے سیدنا علی کو حاکم مدینہ مقرر کیا تو انھوں نے اس پر برہمی کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا'' کیا آپ مجھے عورتوں، بچوں اور بوڑھوں میں چھوڑ کر جا رہے ہیں۔'' یہ سن کر نبی کریم ﷺ نے سیدنا علی کو مطمئن کرنے کے لیے فرمایا: ''اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ ھَارُوْن'' اگر سیدنا علی کا یہ استخلاف ان کے لیے موجب مدح و منقبت ہوتا تو جیسے کہ شیعہ کا خیال ہے تو اس بات پر اظہار ناراضگی کرنے کی بجائے ان کو خوش ہونا چاہئے تھا، حالانکہ یہ بات سیدنا علی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی، اہل سنت و شیعہ کے مابین جملہ اختلافی مسائل میں شیعہ کا طرز فکر ہمیشہ سیدنا علی اور ابنا علی سے مختلف ہوتا ہے، اگر کوئی شخص سعی کامل کو کام میں لا کر ایسے مسائل تلاش کرنا چاہے، جن میں شیعہ نے علماء اہل بیت کی مخالفت کی ہے تو ان سے ایک بڑی کتاب مرتب کی جا سکتی ہے۔

صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ تبوك(حدیث:٤٤١٦)، صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابة۔ باب من فضائل علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ (حدیث: ٢٤٠٤)

❶ شیعہ نے سرکار دو عالم ﷺ اور مشاہیر اسلام پر افتراء پردازی کے جو طریقے رائج کر رکھے ہیں، ان میں سے ایک طریقہ یہ ہے کہ وہ کسی معروف حدیث کے اصل الفاظ میں بقدر ضرورت اضافہ کر لیتے ہیں، اس کی مثال مذکورۃ الصدر حدیث ہے۔ بعض اوقات شیعہ یوں کرتے ہیں کہ حدیث کا جو حصہ مفید مطلب ہوتا ہے لے لیتے ہیں اور جو جزو ان کے خلاف پڑتا ہے، اسے نظر انداز کر دیتے ہیں، اس کی مثال قبل ازیں بیان کی جا چکی ہے کہ جب سیدنا علی نے ابو جہل کی بیٹی سے نکاح کرنے کا ارادہ کیا تو نبی

روایت ہے۔سیدنا علی نبی کریم کے ساتھ بدر و خیبر اور حنین کے غزوات میں شریک رہ چکے تھے اور ان دنوں آپ کی عدم موجودگی میں دیگر صحابہ مدینہ میں آپ کے قائم مقام تھے۔

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جیش اسامہ میں شامل ہی نہ تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آغاز مرض ہی سے ان کو امامتِ نماز کا منصب تفویض فرمایا تھا۔ مزید براں امراء لشکر مثلاً سیدنا اسامہ وغیرہ کو خلیفہ [1]

کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی کے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا:

''فاطمہ میرا جگر پارا ہے جو اسے ایذا دیتا ہے وہ مجھے دکھ پہنچاتا ہے، البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ علی میری بیٹی کو طلاق دے کر ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کرلے۔'' صحیح بخاری۔ کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم ، باب ذکر اصهار النبی صلی اللّٰہ علیه سلم(حدیث: ۳۷۲۹، ۵۲۳۰)، صحیح مسلم۔ کتاب فضائل الصحابة۔ باب من فضائل فاطمة رضی الله عنها حدیث:۲٤٤۹، باختلاف)

اس حدیث سے سیدنا علی کے غیر معصوم ہونے پر استدلال کیا جا سکتا ہے اور یہ بات شیعہ کے خلاف ہے۔اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ سیدنا علی سے ایسی خطا سرزد ہوسکتی ہے جس پر نبی کریم اس پر اظہار ناراضگی فرمائیں،شیعہ تجاہل عارفانہ سے کام لے کر حدیث کے اس ٹکڑے کو چھپانے کی کوشش کرتے اور اس حدیث کے دوسرے حصہ '' اِنَّمَا فَاطِمَةُ بُضْعَةٌ مِّنِّیْ''کو امکانی حد تک اچھالنے کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔ ستم بالائے ستم یہ کہ شیعہ حدیث کے اس ٹکڑے کو باقی حدیث سے الگ کر کے بیان کرتے اور بے محل و مقام اس کو بڑھا چڑھا کر ذکر کرتے رہتے ہیں،شیعہ کی دروغ گوئی و تحریف کی مثالیں کوئی کہاں تک گِنائے، یہ ایک جداگانہ تصنیف کی متقاضی ہیں، اسلامی تاریخ اور مشاہیر اسلام پر شیعہ نے جو مظالم ڈھائے ہیں اس کا دائرہ اس سے بھی وسیع تر ہے، اس کی حد یہ ہے کہ ہمارا تاریخی ذخیرہ بھی اس وبا سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا اور اس سے امت مسلمہ کو بڑا نقصان پہنچا۔

حال ہی میں مسلم نوجوانوں نے اس جانب توجہ مبذول کر کے ایسے واقعات کو چھانٹ کر الگ کر دیا ہے۔ وللہ الحمد۔

[1] ورنہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ خلیفہ تھے۔اس لیے کہ وہ نبی کریم کی جانب سے سریہ ذات السلاسل میں امیر لشکر مقرر ہوئے تھے۔(صحیح بخاری کتاب المغازی ، باب غزوة ذات السلاسل،(حدیث:٤۳۵۸)، صحیح مسلم ، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل ابی بکر الصدیق رضی الله عنه(حدیث:۲۳۸٤) اور بڑے بڑے صحابہ مثلاً ابوبکر وعمر و ابوعبیدہ رضی اللہ عنہم آپ کے تابع فرماتے۔

کے لقب سے نہیں پکارا جاتا تھا۔ اس لیے کہ وہ نہ نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد آپ کے نائب قرار پائے اور نہ آپ کی زندگی ہی میں ہر چیز میں آپ کے قائم مقام تھے۔

شیعہ کا ایک اور جھوٹ:

سیدنا اسامہ کے ناراض ہونے کا واقعہ بھی صریح کذب ہے، اس لیے کہ اسامہ تفرق و اختلاف کے خوگر نہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ سیدنا علی و معاویہ کی لڑائی میں وہ غیر جانب دار رہے۔ [1] علاوہ ازیں آپ قریشی نہ تھے اور کسی اور وجہ سے بھی خلافت کے لیے موزوں نہ تھے۔ بفرض محال اگر نبی کریم ﷺ نے سیدنا اسامہ کو سیدنا ابوبکر پر حاکم بنایا تھا، پھر آپ نے وفات پائی اور ابوبکر خلیفہ بنائے گئے۔ تو اب لشکر کو بھیجنا نہ بھیجنا اور امراء کا عزل و نصب خلیفہ کے ہاتھ میں [2] تھا۔ یہ ایسی بات ہے کہ ایک جاہل شخص ہی اس سے منکر ہوسکتا ہے۔

افتراء پردازوں کا یہ قول موجب حیرت و استعجاب ہے کہ

''ابوبکر و عمر چل کر گئے اور اسامہ کو راضی کیا۔''

دوسری جانب شیعہ یہ کہتے ہیں کہ ابوبکر و عمر نے سیدنا علی و عباس، بنی ہاشم و بنی عبد مناف کو مغلوب کرلیا تھا اور ان کو راضی نہ کیا۔ مقام حیرت ہے کہ جب ابوبکر و عمر اشراف قریش کو راضی کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے تو کیا پڑی تھی کہ ایک انیس سالہ مفلس و قلاش اور بے یار و مددگار نوجوان کی خوشنودی حاصل کرنے کی سعی کرتے۔ اگر شیعہ کہیں کہ اسامہ نبی کریم ﷺ کے محبّ تھے تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ تم دوسری جانب یہ بھی تو کہتے ہو کہ ابوبکر و عمر نے نبی کریم کے عہد و وصیت کو بدل ڈالا تھا۔ بھلا جو شخص آپ کے عہد و پیمان کو خاطر میں نہیں لاتا وہ آپ کی دوستی کی کیا پروا کرے گا۔

شیعہ قلم کار لکھتا ہے:

''اہل سنت عمر کو فاروق کے نام سے یاد کرتے ہیں، مگر سیدنا علی کو اس لقب سے ملقب

---

[1] صحابہ میں سے سیدنا عبداللہ بن عمر، محمد بن مسلمہ، ابوموسیٰ اشعری، اور ابوبکرہ رضی اللہ عنہم بھی غیر جانب دار رہے تھے۔

[2] اس لیے کہ عالم اسلامی مصالح حالات کے بدل جانے سے تبدیل ہو جاتے ہیں اگر اسلام کو سیدنا اسامہ یا ان کے لشکر کی کسی اور سلسلہ میں ضرورت لاحق ہوتی تو اسلامی مصلحت کو ہر چیز پر مقدم رکھا جاتا۔

نہیں کرتے حالانکہ سرکار دو عالم ﷺ نے علی کی شان میں فرمایا تھا:’’هٰذَا فَارُوْقُ اُمَّتِیْ‘‘

ہم جواباً کہتے ہیں کہ یہ شیعہ کی پہلی جھوٹی حدیث نہیں، بلکہ وہ متعدد جھوٹی حدیثیں وضع کر چکے ہیں،ہمیں اس حدیث کی کوئی سند معلوم نہیں۔سیدنا علی کے ساتھ شیعہ کی محبت اسی نوع کی ہے جیسے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے نصاریٰ کی محبت،جس طرح نصاریٰ سیدنا عیسیٰ کے خداداد مرتبہ پر راضی نہ تھے اور انھوں نے مبالغہ آمیزی سے کام لیا،اسی طرح شیعہ بھی سیدنا علی کی شان میں اغراق وغلوّ سے کام لیتے ہیں،مذکورہ بالا بیان سے اس حدیث کی وضاحت ہو جاتی ہے،جو صحیح مسلم میں سیدنا علی سے مروی ہے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا نبی کریم ﷺ نے مجھ سے عہد کیا کہ صرف مومن ہی تجھ سے محبت کرے گا۔اورصرف منافق ہی تجھ سے بغض وعداوت رکھے گا۔ [1]

روافض صحیح معنی میں سیدنا علی سے دوستی نہیں رکھتے، بلکہ ایک اعتبار سے وہ ان سے بغض و عداوت رکھتے ہیں،جس طرح یہود و نصاریٰ نبی کریم پر ایمان لانے والوں کونفرت وحقارت کی نگاہ سے دیکھا کرتے تھے، حالانکہ موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام آپ کی رسالت ونبوت کے معترف تھے۔اسی طرح سیدنا علی،سیدنا ابوبکر وعمر کے ساتھ الفت ومحبت رکھتے تھے،مگر شیعہ اس کے باوصف ان سے عداوت رکھتے ہیں،بنابریں وہ نبی کریم کے اس قول میں داخل ہیں کہ’’صرف منافق ہی آپ سے بغض رکھے گا۔‘‘علی ہذا القیاس جو شخص بھی کسی بزرگ سے ایسی صفت کی بنا پر محبت رکھتا ہے جو فی الواقع اس میں نہیں پائی جاتی تو گویا وہ اس سے عداوت رکھتا ہے،مثلاً کوئی شخص یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ اس کا مرشد اپنے تمام مریدوں کی سفارش کرے گا۔اسے رزق پہنچائے گا،اس کی مدد کرے گا،اس کی مشکلات کو دور کرے گا یا اس کی حاجات وضروریات پوری کرے گا،یا وہ یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ اس کا شیخ عالم الغیب ہے۔

سرکار دو عالم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

’’جو شخص اللہ تعالیٰ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے، وہ انصار کا دشمن نہیں ہوسکتا۔‘‘ [2]

---

[1] صحیح مسلم۔ کتاب الایمان۔ باب الدلیل علی ان حب الانصار و علی رضی اللہ عنہم من الایمان(حدیث:۷۸)

[2] صحیح مسلم، حوالہ سابق (حدیث:۷۷)

نبی کریم ﷺ نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور ان کی والدہ کے لیے یہ دعا فرمائی تھی کہ اللہ تعالیٰ مومنین کے دلوں میں ان کی محبت پیدا کر دے۔''❶

شیعہ مصنف لکھتا ہے۔عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے کہ ہم منافق کو صرف بغض علی کی بنا پر پہچانا کرتے تھے۔

علامات نفاق:

ہر عالم جانتا ہے کہ یہ صریح کذب ہے،نفاق کی بہت سی نشانیاں ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''انصار سے عداوت رکھنا علامت نفاق ہے۔''❷

آپ نے یہ بھی فرمایا: '' منافق کی تین نشانیاں ہیں۔''❸ یہ طویل حدیث کتب حدیث میں مذکور ہے۔قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَ مِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّلۡمِزُكَ فِى الصَّدَقَاتِ فَاِنۡ اُعۡطُوۡا مِنۡهَا رَضُوۡا﴾

(التوبة: ۹/۵۸)

'' ان (منافقین) میں سے وہ بھی ہیں جو صدقات کے بارے میں آپ کو طعن دیتے ہیں اگر ان کو صدقات دیے جائیں تو وہ راضی ہو جاتے ہیں۔''

نیز فرمایا:

﴿وَ مِنۡهُمُ الَّذِيۡنَ يُؤۡذُوۡنَ النَّبِىَّ﴾ (التوبة: ۹/۵۸)

''منافقین میں سے وہ بھی ہیں جو نبی کو ایذا دیتے ہیں۔''

ارشاد ہوتا ہے:

---

❶ صحیح مسلم۔ کتاب فضائل الصحابة۔ باب من فضائل ابی هریرة رضی الله عنه (حدیث: ۲٤۹۱)

❷ صحیح مسلم، کتاب الإیمان۔ باب الدلیل علی ان حب الانصار و علی رضی الله عنهم......" (حدیث: ۷٤) صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب علامة الایمان حب الانصار (حدیث: ۱۷)

❸ صحیح بخاری، کتاب الایمان۔ باب علامات المنافق (حدیث: ۳۳) صحیح مسلم کتاب الایمان باب خصال المنافق (حدیث: ۵۹)

﴿وَ مِنۡهُمۡ مَّنۡ یَّقُوۡلُ ائۡذَنۡ لِّیۡ﴾ (التوبة: ۹/۴۹)

''منافقین میں سے بعض کہتے ہیں کہ ہمیں اجازت دیجیے۔''

دوسری جگہ فرمایا:

﴿اَیُّکُمۡ زَادَتۡهُ هٰذِهٖۤ اِیۡمَانًا﴾ (التوبة: ۹/۱۲۴)

''اس آیت نے کس کے ایمان میں اضافہ کیا۔''

اللہ کریم نے سورۂ توبہ اور دیگر مقامات پر منافقین کی جو علامات بیان کی ہیں انھیں یہاں تفصیلاً بیان نہیں کیا جا سکتا۔ شیعہ نے جو جھوٹی روایت ذکر کی ہے، اگر اس کے الفاظ یہ ہوتے کہ ہم منافقین کو بغض علی کی بنا پر پہچان لیا کرتے تھے۔ تو بھی ایک بات تھی۔ جس طرح بغض انصار کو علامت نفاق قرار دیا، بلکہ سیدنا ابوبکر و عمر اور دیگر صحابہ کے بغض کو بھی نفاق کی علامت ٹھہرایا گیا ہے۔ اس لیے کہ جو شخص دانستہ اس چیز کو نفرت وحقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے جس کے ساتھ آپ محبت رکھا کرتے تھے اس کا بغض وعناد بلا شبہ علامات نفاق میں سے ایک علامت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سیدنا ابوبکر سے بغض رکھنے والے سب سے بڑے منافق سمجھے جاتے تھے۔ کیوں کہ صحابہ میں سے کوئی شخص بھی نبی کریم کو سیدنا ابوبکر سے عزیز تر نہ تھا اور نہ ہی صحابہ میں کوئی شخص نبی کریم کو سیدنا ابوبکر سے زیادہ چاہنے والا تھا، اس سے واضح ہوا کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بغض وعناد رکھنا نفاق کی عظیم ترین علامت ہے اسی بنا پر سیدنا ابوبکر سے عناد رکھنے والے نصیریہ اور اسمٰعیلیہ سب سے بڑے منافق ہوتے ہیں۔

شیعہ مصنف کا یہ قول ''اہل سنت سیدہ عائشہ کی عظمت وفضیلت کے قائل ہیں حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر سیدہ خدیجہ کو یاد فرمایا کرتے تھے۔'' ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ اہل سنت سیدہ عائشہ کے سب ازواج سے افضل ہونے کے بارے میں متحد الخیال نہیں ہیں۔ جو لوگ سیدہ عائشہ کی افضلیت کے قائل ہیں وہ یہ حدیث نبوی پیش کرتے ہیں۔

''عائشہ باقی عورتوں پر اسی طرح فضیلت رکھتی ہیں جیسے ثرید (گوشت میں بھگوئی ہوئی روٹی) باقی کھانوں سے افضل ہے۔''[1]

---

[1] صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللّٰه علیه وسلم۔ باب فضل عائشة رضی الله عنها۔(حدیث:۳۷۶۹، ۳۷۷۰)،صحیح مسلم ۔ کتاب فضائل الصحابة باب فی فضائل عائشة رضی الله عنها(حدیث:۲۴۴٦)

سیدنا عمرو بن العاص روایت کرتے ہیں کہ میں نے کہا حضور! ازواج مطہرات میں سے آپ کو کون عزیز تر ہے؟ آپ نے جواباً فرمایا: ''عائشہ۔'' میں نے عرض کیا اور مردوں میں سے آپ کس کے ساتھ زیادہ محبت رکھتے ہیں؟ فرمایا: ''ابوبکر کے ساتھ۔'' میں نے عرض کیا ان کے بعد اور کس سے؟ فرمایا: ''عمر کے ساتھ۔'' اس کے بعد عمرو بن العاص دریافت کرتے چلے گئے۔ اور نبی کریم نے درجہ بدرجہ متعدد صحابہ کا ذکر کیا۔ [1]

سیدہ خدیجہ کی شان میں جو وارد ہے کہ:

'' مَا اَبۡدَلَنِیَ اللّٰهُ خَیۡرًا مِّنۡهَا '' [2]

''اللہ تعالیٰ نے خدیجہ کے عوض مجھے ان سے بہتر بیوی عطا نہیں کی۔''

سیدہ عائشہ کی افضلیت کا عقیدہ رکھنے والے بشرط صحت اس کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ آغاز اسلام میں سیدہ خدیجہ کے ذریعہ آپ کو جو فائدہ پہنچا تھا وہ نفع کسی اور سے حاصل نہیں ہوا۔ سیدہ خدیجہ کے افضل ہونے کا پہلو گویا یہ امر ہے کہ آپ نے آڑے وقت میں نبی کریم کی مدد کی۔ اس کے عین برخلاف سیدہ عائشہ کی رفاقت نبوی کی سعادت اس وقت حاصل ہوئی جب نبوت پایہ نبوت کو پہنچ چکی تھی اور دین حق تکمیل کے آخری مدارج طے کر رہا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کو علم و ایمان کی وہ دولت نصیب ہوئی جو آغاز اسلام والوں کے حصہ میں نہیں آئی تھی۔ اس اعتبار سے سیدہ عائشہ، سیدہ خدیجہ سے افضل ٹھہریں۔

امتِ محمدی بڑی حد تک سیدہ عائشہ کے علم و فضل سے متمتع ہوئی اور آپ نے علم و عمر دونوں سے حظ وافر پایا۔ گویا سیدہ خدیجہ کی افضلیت صرف نبی کریم تک محدود ہے نہ آپ کو تبلیغ احکام کا شرف حاصل ہوا اور نہ امت آپ سے نفع اندوز ہو سکی جب کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے امت کو بڑا فائدہ پہنچا تھا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ دین اسلام اس وقت تکمیل کو نہیں پہنچا تھا اور ابھی ان کمالات کی تحصیل کا وقت نہیں آیا تھا جو بعد میں آنے والے لوگوں نے حاصل کیے۔ یہ امر محتاج بیان نہیں کہ جو

---

[1] صحیح بخاری۔ کتاب المغازی۔ باب غزوۃ ذات السلاسل،(حدیث:٤٣٥٨) صحیح مسلم۔ کتاب فضائل الصحابة۔ باب من فضائل ابی بکر الصدیق رضی الله عنه(حدیث:٢٣٨٤)

[2] مسند احمد(١١٧/٦۔١١٨)

شخص اپنی توجہات کو ایک ہی بات پر مرکوز کر دے، وہ اس کی نسبت بہتر ہوگا جس نے مختلف امور و اعمال کو اپنی نظر وفکر کی آماج گاہ بنا رکھا ہو۔ یہ ہے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی افضلیت کی وجہ وجیہ! مگر معاملہ یہ ہے کہ نیکی کے جملہ اقسام افضلیت کے اس پہلو میں محصور ومحدود نہیں ہیں۔ یہ ایک موٹی سی بات ہے کہ صحابہ کرام میں سے جو لوگ ایمان و جہاد میں پیش پیش تھے، مثلاً سیدنا حمزہ، علی، سعد بن مُعاذ، اُسَید [1] بن حُضیر رضوان اللہ علیہم اجمعین وہ ان لوگوں کی نسبت افضل تھے جو نبی کریم کی خدمت ونفع رسانی میں ان سے سبقت لے گئے تھے۔ مثلاً ابورافع اور انس بن مالک رضی اللہ عنہما۔

بہرکیف یہاں سیدہ عائشہ و خدیجہ رضی اللہ عنہا کی افضلیت کی تفصیلات بیان کرنا مقصود نہیں، اصلی مقصد یہ بتانا ہے کہ اہل سنت سیدہ عائشہ کی تعظیم وتکریم کے بارے میں متفق اللسان ہیں۔ نیز یہ کہ جملہ ازواج مطہرات میں سے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ کو عزیز تر تھیں، اور مسلمان بھی جملہ امہات المومنین میں سے ان کا زیادہ اکرام واحترام ملحوظ رکھتے ہیں۔

روایات صحیحہ میں موجود ہے کہ صحابہ دانستہ سیدہ عائشہ کی باری کے دن نبی کریم کی خدمت میں تحائف بھیجا کرتے تھے، کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتے ہیں۔ اس کی حد یہ ہے کہ دیگر ازواج آپ کو رشک کی نگاہ سے دیکھنے لگیں اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بارگاہ نبوی میں بھیجا۔ سیدہ

---

[1] یہ انصار کے قبیلہ بنی عبد الاشہل سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے والد قبیلہ اوس کے مشہور شہسوار اور جنگ بُعاث میں سالار لشکر تھے۔ اسید سابقین اوّلین میں سے تھے۔ یہ سیدنا مصعب بن عمیر کے ہاتھ پر سیدنا سعد بن معاذ سے پہلے حلقہ بگوش اسلام ہوئے یہ لیلۃ العقبہ کے نقباء میں سے ایک تھے۔ یہ زندگی بھر شرافت کا مجسمہ رہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسید کو زید بن حارثہ کا بھائی قرار دیا تھا۔ یہ غزوۂ احد میں ثابت قدم رہے اور ان کے جسد اقدس پر سترہ زخم آئے۔ یہ خلافت فاروقی تک بقید حیات رہے اور سیدنا عمر کے ساتھ بیت المقدس کی فتح کے وقت وہاں موجود تھے۔ سرور کائنات نے ان کی مدح میں فرمایا: ''اسید بہت اچھے آدمی ہیں۔'' (سنن ترمذی۔ کتاب المناقب۔ باب مناقب معاذ بن جبل......رضی الله عنه(حدیث:٣٧٩٥) مطولاً، مستدرك حاكم (٢٨٨/٣)، جس طرح عمرو بن العاص کی مدح میں فرمایا تھا: ''عبد اللہ کے سب گھر والے اچھے ہیں۔ عبد اللہ، ابوعبد اللہ اور ام عبد اللہ سب نیک لوگ ہیں۔'' (مسند احمد (١٦١/١، ١٥٠/٤) اسید فوت ہوئے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نعش اٹھانے میں حصہ لیا اور بقیع میں مدفون ہوئے۔ (مستدرك حاكم(٢٨٧/٣) معجم كبير طبرانی (٢٠٣/١)

فاطمہ نے عرض کیا: آپ کی بیویاں ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی کے بارے میں عدل وانصاف کا تقاضا کرتی ہیں۔''

آپ نے سیدہ فاطمہ کو مخاطب کر کے فرمایا۔

''پیاری بیٹی! جس سے مجھے محبت ہے کیا تو اسے محبت کی نگاہ سے نہیں دیکھتی؟''

سیدہ فاطمہ نے عرض کیا: کیوں نہیں! آپ نے سیدہ عائشہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ''تو اس سے محبت رکھیے۔''[1]

حدیث میں آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ عائشہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: عائشہ!'' جبریل آپ کو سلام کہتے ہیں۔'' سیدہ عائشہ نے کہا: وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ، جو کچھ آپ دیکھتے ہیں، ہم کو نظر نہیں آتا۔''[2]

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سیدنا سودہ[3] بنت زمعہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دینے کا ارادہ کیا تو انھوں

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الھبة، باب من اھدی الی صاحبه(حدیث:۲۵۸۱)، صحیح مسلم۔ کتاب فضائل الصحابة، باب فی فضائل عائشة رضی الله عنها۔ (حدیث: ۲۴۴۱، ۲۴۴۲)

[2] صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم۔ باب فضل عائشة رضی الله عنها۔ (حدیث:۳۷۶۸) ،صحیح مسلم ۔ کتاب فضائل الصحابة۔ باب فی فضائل عائشة رضی الله عنها۔(حدیث:۲۴۴۷)

[3] ام المومنین سیدنا سودہ بنت زمعہ قریش کے قبیلہ بنی عامر سے تعلق رکھتی تھیں۔ یہ اوّلین بیوی ہیں جن کو سیدہ خدیجہ کی وفات کے بعد آپ اپنے نکاح میں لائے۔ سیدہ عائشہ وسودہ کے ساتھ ایک ہی وقت میں عقد باندھا گیا تھا۔ سیدہ عائشہ اس وقت کم سِن تھیں۔ اس لیے سیدنا سودہ ان سے پہلے آپ کے گھر میں آباد ہوئیں۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو طلاق دینے کا ارادہ کیا تو انھوں نے عرض کیا۔ مجھے خاوند کی حاجت نہیں، میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ میں بروز قیامت آپ کی بیوی کی حیثیت سے اٹھائی جاؤں۔ جب انھوں نے اپنی باری کا دن سیدہ عائشہ کو دے دیا۔ تو یہ آیت نازل ہوئی:

﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡهِمَآ اَنۡ يُّصۡلِحَا بَيۡنَهُمَا صُلۡحًا وَالصُّلۡحُ خَيۡرٌ﴾

(سنن ابی داؤد۔ کتاب النکاح، باب فی القسم بین النساء (حدیث:۲۱۳۵) عن عائشة رضی الله عنها سنن ترمذی(۳۰۴۰) عن ابن عباس رضی الله عنها۔ بمعناه۔

سیدہ عائشہ سیدنا سودہ کے بارے میں فرماتی ہیں۔

نے آپ کی اجازت سے اپنی باری کا دن سیدہ عائشہ کو دے دیا۔ ❶ جب نبی کریم ﷺ مرض الموت میں مبتلا تھے، تو سیدہ عائشہ کے باری کے دن کا بے تابانہ انتظار کرتے اور فرمایا کرتے تھے، ''میں آج کا دن کہاں گزاروں گا؟'' پھر سب ازواج مطہرات نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں قیام کی اجازت دے دی۔ آپ آخر دم تک وہاں مقیم رہے۔ ❷

آپ نے اپنے اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے لعاب دہن کو یک جا کیا ❸ اسی دوران سیدہ عائشہ کی آغوش میں عالم آخرت کو سدھارے۔ ❹ سیدہ عائشہ کا وجود مسعودِ امت کے لیے لا تعداد فوائد وبرکات کا موجب ہوا۔ جب سیدہ عائشہ کی وجہ سے آیت تیمّم نازل ہوئی۔ تو سیدنا اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

آل ابی بکر! یہ تمہاری اوّلین برکت نہیں ہے اے عائشہ! تم پر جو مصیبت بھی نازل ہوئی، اسے اللہ تعالیٰ نے خیر وبرکت کا موجب بنایا۔'' ❺

سودہ رضی اللہ عنہا کے سوا دوسری کوئی عورت نہیں جس کے بارے میں میری یہ خواہش ہو کہ میں اس کی کھال میں داخل ہو جاؤں۔ (اپنے آپ کو اس سے تبدیل کرلوں)(صحیح مسلم۔ کتاب الرضاع ، باب جواز هبتها نوبتها لضربها، (حديث: ١٤٦٣)

خلافت فاروقی میں جب بلا جنگ وقتال بہت سا مال آیا تو سیدنا عمر نے سیدنا سودہ کی خدمت میں ایک تھیلا درہموں سے بھر کر بھیجا۔ سیدنا سودہ نے دریافت کیا یہ کیا ہے؟ جواب ملا: درہم، آپ نے فرمایا: یہ تو کھجوروں کے تھیلے کی طرح بھرا ہوا ہے۔ یہ کہہ کر آپ نے وہ سب درہم تقسیم کر دیے۔ (طبقات ابن سعد(٨/٥٦)

❶ سنن ابی داؤد۔ كتاب النكاح، باب فی القسم بين النساء(حديث:٢١٣٥)

❷ صحيح بخاری، كتاب المغازی۔ باب مرض النبی صلی الله عليه وسلم و وفاته (حديث: ٤٤٥٠)، صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب فی فضائل عائشة رضی الله عنها(حديث:٢٤٤٣)،

❸ حوالہ سابق

❹ صحيح بخاری، حوالہ سابق(حديث: ٤٤٥١)، صحيح مسلم، حوالہ سابق۔

❺ صحيح بخاری ۔ كتاب التيمم(حديث:٣٣٦،٣٣٤) صحيح مسلم۔كتاب الحيض۔ باب التيمم(حديث:٣٦٧)،

قبل ازیں آیتِ براءت نازل ہو چکی تھی۔ جب منافقین نے آپ پر تہمت لگا کر آپ کی زندگی کو داغ دار کرنا چاہا تو آسمان سے آپ کی براءت نازل ہوئی، اور آپ کو پاک دامن قرار دیا۔ [1]

رافضی مصنف لکھتا ہے:

''عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم کا وہ راز افشاء کر دیا جس کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے: ﴿وَ اِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِیْثًا﴾ (سورہ تحریم:۶۶/۳) صحیح روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ راز افشاء کرنے والی سیدہ عائشہ وحفصہ رضی اللہ عنہما تھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہ سے کہا تھا کہ تو علی سے لڑے گی اور تو ظالم ہو گی۔''

اللہ تعالیٰ نے ازواج النبی کو حکم دیا تھا۔

﴿وَ قَرْنَ فِیْ بُیُوْتِكُنَّ﴾ (الاحزاب:۳۳/۲۳)

''اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہو۔''

عائشہ رضی اللہ عنہا نے حکم الٰہی کی خلاف ورزی کی اور ایک جماعت کی رفاقت میں سیدنا علی سے لڑنے کے لیے نکلیں۔ اس لیے کہ سب مسلمانوں نے عثمان کے قتل پر اتفاق کر لیا تھا، عائشہ ہمیشہ سیدنا علی کو قتل کرانے کی سازش کرتی رہتی تھیں اور کہا کرتی تھیں کہ ''بوڑھے احمق کو تہ تیغ کر دو۔'' طلحہ، زبیر اور دس ہزار مسلمانوں کو کیوں کر زیب دیتا تھا کہ وہ ان کے زیر اثر حضرت علی کے خلاف نبرد آزما ہوتے۔ بروز قیامت یہ لوگ نبی کریم کو کیا منہ دکھائیں گے۔ ہماری یہ حالت ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کی بیوی کے ساتھ بات چیت کرے۔ اور سفر میں اسے اپنے ہم راہ لے جائے، تو اس عورت کا خاوند اس کا انتہائی دشمن بن جائے گا۔ موجب حیرت تو یہ امر ہے کہ یہ سب لوگ سیدنا علی کے خلاف عائشہ کے ساتھ متحد ہو گئے، مگر جب سیدہ فاطمہ، ابوبکر کے پاس اپنا حق طلب کرنے گئیں تو کسی نے بھی ان کا ساتھ نہ دیا۔''

اس کا جواب یہ ہے کہ اہل سنت کا زاویہ نگاہ مبنی بر عدل و انصاف اور تناقض سے پاک ہے۔ اس کے برخلاف روافض ومبتدعین کے افکار و آراء میں تناقض پایا جاتا ہے۔

---

[1] صحیح بخاری۔ کتاب المغازی۔ باب حدیث الافک (حدیث:۴۱۴۱)، صحیح مسلم، کتاب التوبة، باب فی حدیث الافک(حدیث: ۲۷۷۰)

جنتی ہونے کے لیے معصومیت شرط نہیں:

اہل سنت کے نزدیک بدری صحابہ اور سب امہات المومنین قطعی جنتی ہیں۔ اہل سنت کا زاویہ فکر یہ ہے کہ جنتی ہونے کے لیے گناہ وخطا سے پاکیزہ ہونا ضروری نہیں۔ بلکہ اس امر کا بھی احتمال ہے کہ کوئی شخص صغیرہ یا کبیرہ گناہ کا ارتکاب کر کے توبہ کرلے۔ یہ مسئلہ اہل سنت کے یہاں متفق علیہا ہے۔ اگر توبہ نہ بھی کرے تو صغیرہ گناہ، کبائر سے اجتناب کرنے کی بنا پر بھی معاف کردے جاتے ہیں۔ یہ جمہور کا مذہب ہے۔ اکثر علماء کے نزدیک کبائر، اعمالِ صالحہ بلکہ حوادث و آلام میں گرفتار ہونے کی بنا پر بھی معاف کردیے جاتے ہیں۔

بنابریں اہل سنت کہتے ہیں کہ صحابہ کی جو برائیاں بیان کی جاتی ہیں۔ ان میں سے اکثر جھوٹ ہیں اور اکثر ان کے اجتہاد پر مبنی ہیں، مگر ہمیں وجہ اجتہاد معلوم نہیں۔ صحابہ کے مفروضہ گناہوں میں سے بعض توبہ کی بنا پر اور بعض اعمال صالحہ اور حوادثِ روزگار یا کسی اور وجہ سے معاف کیے جا چکے ہیں، اس کی دلیل وہ احادیث ہیں جن سے ان کا جنتی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ ایسے افعال کا ارتکاب نہیں کرسکتے جو دوزخ میں جانے کے موجب ہوں۔ ظاہر ہے کہ جب انھوں نے موجبات نار سے اپنا دامن بچائے رکھا تھا تو وہ یقیناً جنتی ٹھہریں گے۔

وثوق و یقین سے یہ جاننے کے باوجود کہ صحابہ قطعی جنتی ہیں، ہمیں کسی متعین صحابی کے جنتی ہونے کا علم حاصل نہیں۔ تاہم ہم غیر یقینی امور کی بنا پر صحابہ کے جنتی ہونے کی نفی نہیں کرسکتے، بلکہ عام مومنین کے جنتی ہونے کی نفی کرنا بھی جائز نہیں۔ اسی طرح صرف احتمال کے بل بوتے پر کسی کو دوزخی قرار دینا بھی ناروا ہے۔ خصوصاً صلحاء کے بارے میں ایسی بات کہنا بڑی مذموم حرکت ہے، کسی فرد واحد کے ظاہر و باطن اور اعمالِ صالحہ وسیئہ کی تفصیلات معلوم کرنا بڑا دشوار کام ہے۔ اس لیے اس ضمن میں کوئی فیصلہ صادر کرنا بلاعلم و دلیل ہے اور کلام بلاعلم حرام ہے۔ اسی بنا پر مشاجراتِ صحابہ سے زبان کو روکنا اس ضمن میں اظہار خیال سے افضل ہے، اس لیے کہ یہ کلام بلاعلم ہے جو کہ حرام ہے، خصوصاً جب کہ اس کے ساتھ ساتھ ہوائے نفس اور دفع حق بھی شامل ہو۔

سرور کائنات ﷺ فرماتے ہیں:

’’قاضی تین ہیں، ان میں سے دو قاضی جہنمی اور ایک جنتی ہے۔

۱۔ جو قاضی حق کو معلوم کر کے اس کے مطابق فیصلہ کرے وہ جنتی ہے۔

۲۔ وہ قاضی جو حق سے آگاہ ہو اور دانستہ اس کے خلاف فیصلہ کرے وہ دوزخی ہے۔
۳۔ جو شخص جہالت کی بنا پر فیصلہ کرے وہ جہنمی ہے۔‘‘[1]

جب قلیل و کثیر مالی معاملات میں فیصلہ صادر کرنا اس قدر اہم ہوا تو مشاجراتِ صحابہ میں زبان کھولنا کس قدر نازک کام ہوگا۔

نظر بریں جو شخص جہالت کی بنا پر اپنے علم کے خلاف اس موضوع پر زبان سخن دراز کرتا ہے تو وہ سخت وعید کا مستوجب ہے۔ اور اگر کوئی شخص ہوائے نفس یا معارضۂ حق کے لیے سچی بات کہتا ہے وہ بھی ذمّ وعِقاب کا مستحق ہے۔

جو شخص کتاب و سنت کی روشنی میں صحابہ کے فضائل و مناقب، ان کے جنتی ہونے نیز اس بات سے آگاہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام سے رضا مندی کا اظہار کیا اور ان کو خیر الامۃ قرار دیا ہے وہ ان یقینی امور کو ترک کر کے درج ذیل مشتبہ امور کو خاطر میں نہیں لائے گا، یہ مشتبہ امور حسب ذیل کیفیت کے حامل ہیں:

۱۔ صحابہ سے متعلق بعض شبہات کی صحت معلوم نہیں۔
۲۔ بعض شبہات صریح کذب ہیں:
۳۔ بعض کا وقوع پذیر ہونا سرے سے معلوم ہی نہیں۔
۴۔ بعض شبہات کا عذر سب کے نزدیک مسلم ہے۔
۵۔ بعض امور ایسے ہیں کہ صحابہ کا ان سے تائب ہونا سب کو معلوم ہے۔
۶۔ صحابہ کی بعض برائیوں کو ان کی نیکیوں نے ڈھانپ رکھا ہے۔

نتیجہ ظاہر ہے کہ جو شخص اہل سنت کی راہ پر گامزن ہوگا وہ مسلک استقامت و اعتدال کا سالک ہوگا، ورنہ شیعہ کی طرح قعر جہالت وضلالت میں جا گرے گا۔

شیعہ مصنف کا یہ قول کہ سیدہ عائشہ نے نبی کریم کا راز منکشف کر دیا تھا۔

پہلا جواب: یہ ہے کہ جن نصوص قرآنیہ میں صحابہ کی بعض لغزشوں کا ذکر ہے۔ شیعہ ان کی تاویلات کر کے ان کو نمایاں کرنا چاہتے تھے۔ اہل سنت ان کے جواب میں کہتے ہیں کہ صحابہ نے ان

---

[1] سنن ابی داؤد ۔ کتاب الاقضیة۔ باب فی القاضی یخطئ (حدیث:۳۵۷۳)، سنن ابن ماجة۔ کتاب الاحکام۔ باب الحاکم یجتهد فیصیب الحق،(حدیث:۲۳۱۵)

سے توبہ کر لی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کر کے ان کے درجات بلند کر دیئے۔ شیعہ نے افشائے راز کے بارے میں جو آیت ذکر کی ہے وہ اس نوع کی پہلی آیت نہیں ہے اور دیگر آیات کی طرح اس کی تاویل بھی ممکن ہے۔

دوسرا جواب: یہ ہے کہ بفرض محال اگر سیدہ عائشہ وحفصہ رضی اللہ عنہما نے کوئی لغزش کی بھی تھی تو حسب ذیل آیت کریمہ کے مطابق اس سے تائب ہوگئی تھیں۔ قرآن میں فرمایا:

﴿اِنْ تَتُوْبَآ اِلَی اللّٰہِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُکُمَا﴾ (تحریم:٦٦/٤)

مذکورۃ الصدر آیت میں ان کو توبہ کی دعوت دی گئی ہے۔ سیدہ عائشہ وحفصہ رضی اللہ عنہما کی عظمت شان کے پیش نظر یہ بدگمانی درست نہیں کہ انھوں نے توبہ نہیں کی ہوگی۔ مزید برآں ان کو یہ خصوصیت بھی حاصل ہے کہ آپ جنت میں بھی آپ کی زوجیت سے مشرف ہوں گی۔ نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اختیار دیا تھا کہ دنیا کی زیب وزینت یا اللہ و رسول اور دار آخرت میں سے جس کو چاہیں منتخب کریں۔ انھوں نے اللہ و رسول اور دار آخرت کو دنیا کے مقابلہ میں ترجیح دی۔ انھی خصوصیات کا تقاضا تھا کہ ان کے عوض دوسری ازواج سے نکاح کرنے کو حرام قرار دیا گیا تھا اور ان کے علاوہ دیگر مستورات کو نکاح میں لانے کی بھی ممانعت کردی گئی تھی۔ جب آپ کا انتقال ہوا تو آپ کی ازواج بنص قرآنی امہات المومنین کا درجہ رکھتی تھیں۔ ہم قبل ازیں بیان کر چکے ہیں کہ توبہ نیز اعمالِ صالحہ اور مصائب مکفّرہ سے بھی گناہوں کا ازالہ ہو جاتا ہے۔

تیسرا جواب: یہ ہے کہ ازواج مطہرات کے بارے میں جن گناہوں کی نشان دہی کی جاتی ہے وہ اسی طرح ہیں جیسے اہل بیت وصحابہ میں سے **مشھود لھم بالجنۃ** کی جانب بعض گناہوں کی نسبت کی جاتی ہے۔ سیدنا علی نے جب ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کرنا چاہا تو آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

''بنو ہشام بن مغیرہ نے مجھ سے علی کے ساتھ اپنی بیٹی کا نکاح کرنے کی اجازت طلب کی ہے۔ واضح ہو کہ میں اس کی اجازت نہیں دیتا۔ آپ نے تین مرتبہ یہ الفاظ دہرائے البتہ اگر علی چاہے تو میری بیٹی کو طلاق دے کر ان کی لڑکی سے نکاح باندھ لے۔ فاطمہ میرا جگر پارہ ہے، جو چیز اسے ایذا دیتی ہے اس سے مجھے دکھ پہنچتا ہے۔''[1]

---

[1] صحیح بخاری۔ کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ باب ذکر اصھار النبی صلی اللہ علیہ سلم (حدیث:۳۷۲۹، ۵۲۳۰) ، صحیح مسلم۔ کتاب فضائل الصحابۃ۔ باب من فضائل فاطمۃ رضی اللہ عنھا (حدیث:۲۴۴۹)

یہ سوءِ ظن بے بنیاد ہے کہ سیدنا علی نے ظاہری طور پر بنت ابی جہل سے نکاح کرنے کا ارادہ ترک کر دیا تھا، حق یہ ہے کہ آپ نے خلوص دل سے توبہ کی تھی۔ اسی طرح جب سرور کائنات ﷺ نے صلح حدیبیہ میں کفار کے ساتھ مصالحت کی تو صحابہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

''اونٹوں کو نحر کیجیے اور سر منڈائیے۔''

یہ حکم سن کر جب کوئی صحابی نہ اٹھا اور آپ ناراض ہو کر ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے۔ تو انھوں نے کہا: جس نے آپ کو ناراض کیا اللہ اسے ناراض کرے۔ آپ نے فرمایا:

''میں کیوں کر ناراض نہ ہوں میں ایک حکم صادر کرتا ہوں اور کوئی شخص اس کی اطاعت نہیں کرتا۔''

سیدنا ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا، حضور اپنی قربانی منگوا کر نحر کیجیے، اور حجام کو طلب کر کے سر منڈوایے۔

اسی دوران آپ نے سیدنا علی کو دستاویز سے اپنا نام محو کرنے کا حکم دیا تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا:

''اللہ کی قسم! میں آپ کا نام نہیں مٹاؤں گا۔''

چنانچہ نبی کریم ﷺ نے دستاویز لے کر اپنا نام مٹا دیا۔ [1]

ظاہر ہے کہ مذکورہ واقعات میں ارشاد حضور کی تعمیل سے سیدنا علی اور دیگر صحابہ کا اس حد تک پس و پیش کرنا کہ نبی کریم ناراض ہو گئے۔ اگر کسی کے نزدیک گناہ ہو تو جو جواب اس کا ہے وہی سیدہ عائشہ کے واقعہ کا جواب ہے۔ بعض لوگ تاویل کی پناہ لے کر کہتے ہیں کہ صحابہ نے تعمیل ارشاد میں اس لیے دیر لگائی کہ ان کو مکہ میں داخل ہونے کی امید تھی۔ دوسرے لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر اس میں تاویل کی گنجائش ہوتی تو آپ کے برہم ہونے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ بخلاف ازیں صحابہ نے بارگاہ ایزدی سے اس تاخیر کی معافی طلب کی تھی۔ حالانکہ بلا توبہ، اعمال صالحہ سے بھی ایسے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ مزے کی بات یہ ہے کہ خود سیدنا علی بھی تاخیر کرنے والوں میں شامل تھے۔ (رضی اللہ عنہم اجمعین)

شیعہ مصنف کا قول ''عائشہ سیدنا علی سے لڑنے گئی تھیں۔'' صریح کذب ہے، سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سیدنا علی کے خلاف نبرد آزما ہونے کے لیے نہیں، بلکہ مسلمانوں کے مابین صلح کرانے کے

[1] صحیح بخاری، کتاب الشروط۔ باب الشروط فی الجهاد (حدیث: ۲۷۳۱، ۲۷۳۲)

جذبہ سے باہر نکلی تھیں۔ ❶

❶ مورخہ ۲۵/ ذوالحجہ ۳۵ھ بروز جمعہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ منصب خلافت پر فائز ہوئے اسی وقت سے اہالیان مدینہ متوقع تھے کہ سیدنا علی سابقہ خلفاء ثلاثہ کی طرح مدینہ طیبہ کو اپنا دارالخلافہ قرار دے کر قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ پر حد شرعی قائم کریں گے۔ کامل تین ماہ گزرنے کے بعد ربیع الاوّل ۳۶ ہجری میں سیدنا علی عازِم عراق ہوئے تاکہ ملک شام سے زیادہ دور نہ رہیں۔ سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی دلی تمنا یہ تھی کہ ان کے والدان کے پیش رو خلفاء ثلاثہ کی طرح مدینہ ہی کو اپنا مستقر قرار دیں۔ (دیکھیے تاریخ طبری: ۵/ ۱۷۱)، قاتلین عثمان زیادہ تر کوفہ و بصرہ کے رہنے والے تھے اور وہ آپ کے لشکر میں شامل تھے، کوفہ و بصرہ پہنچ کر ان کی قوت اور بڑھ گئی اور ان کے قبائل ان کی امداد کے لیے تیار ہو گئے۔ تاریخ اسلام کے اوراق اس امر کے زندہ گواہ ہیں کہ سیدنا علی قاتلین سیدنا عثمان سے براءت کا اظہار فرماتے تھے۔ سیدہ عائشہ اور ان کے رفقاء قاتلین عثمان سے قصاص لینے کی اساس پر سیدنا علی سے مفاہمت کے خواہاں تھے۔ سیدنا علی اور سیدہ عائشہ کے رفقاء کے مابین مشہور صحابی قعقاع بن عمرو تمیمی صلح کی سعی کر رہے تھے۔ مصالحت سے متعلق مساعی بار آور ہو رہی تھیں۔ اندریں اثناء سیدنا علی نے سیدنا طلحہ بن زبیر کے نام پیغام بھیجا جس میں کہا:

قعقاع بن عمرو کے ساتھ آپ نے جو گفتگو کی تھی اگر اس پر قائم رہو تو ذرا انتظار کیجیے تاکہ ہم اتر کر اس معاملہ پر غور کر لیں۔

اس کے جواب میں ہر دو اصحاب نے یہ پیغام بھیجا۔

ہم نے قعقاع بن عمرو کے ساتھ مصالحت کی جو گفتگو کی تھی ہنوز اس کے پابند ہیں۔''

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

سیدنا علی و عائشہ رضی اللہ عنہما کے رفقاء ہر طرح مطمئن اور پرسکون تھے۔ جب رات ہوئی تو سیدنا علی نے عبداللہ بن عباس کو سیدہ عائشہ کے رفقاء سے بات چیت کرنے کے لیے بھیجا۔ ادھر سیدہ عائشہ نے محمد بن طلحہ سجاد کو قاصد بنا کر سیدنا علی کی خدمت میں روانہ کیا۔ فریقین صلح کی امید لگائے بیٹھے تھے۔ یہ رات سب راتوں کی نسبت زیادہ اطمینان و عافیت سے گزری۔

دوسری جانب قاتلین عثمان رات بھر جاگتے اور لڑائی کی تدبیریں کرتے رہے، آخر یہ طے کیا کہ منہ اندھیرے لڑائی چھیڑ دی جائے۔ چنانچہ رات کی تاریکی میں نکلے اور چپکے سے سیدنا علی اور ان کے برادران طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما کے مابین جنگ چھیڑ دی۔ سیدہ عائشہ کے رفقاء اس زعم میں مبتلا تھے کہ سیدنا علی نے دھوکا دیا۔ دوسری جانب سیدنا علی بھی اسی غلط فہمی میں مبتلا تھے۔ فریقین میں سے ہر ایک کا دامن اس

ان کا خیال تھا کہ مسلمانوں کی بہبود و مصلحت کا تقاضا یہی ہے۔ بعد ازاں معلوم ہوا کہ مدینہ سے نکلنا ان کے لیے موزوں نہ تھا۔ چنانچہ ان کی یہ حالت تھی کہ جب بھی مدینہ سے نکلنے کا واقعہ یاد آتا تو اس قدر روتیں کہ دوپٹہ تر ہو جاتا۔ ❶ سابقین اوّلین صحابہ مثلاً سیدنا طلحہ ❷ زبیر اور علی رضی اللہ عنہم نے بھی اس پر اظہار افسوس کیا تھا۔ جمل کا واقعہ قصداً نہیں بلکہ غیر اختیاری طور پر پیش آیا تھا۔

سے پاک تھا کہ وہ ظہور اسلام سے قبل بھی ایسی بد اخلاقی کا مظاہرہ کرتے پھر یہ کیوں کر ممکن تھا کہ قرآنی اخلاق سے آراستہ و پیراستہ ہونے کے بعد بھی وہ ایسے افعال شنیعہ کے مرتکب ہوتے، اللہ و رسول اور دین حق کے ساتھ یہ خیانت کرنے والے قاتلین عثمان تھے، جو شیعہ کے اسلاف میں سے ہیں۔ شیعہ ان کی امداد کا دم بھرتے اور ان کی پشت پناہی کرتے تھے۔ دوسری جانب سیدنا عثمان سے وہ بغض و عداوت رکھتے اور اس بات کو سرے سے تسلیم ہی نہ کرتے تھے کہ سیدنا عثمان کی ازواج مطہرات سیدنا رقیہ و ام کلثوم رضی اللہ عنہما سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی دختر نیک اختر تھیں۔ خلاصہ یہ کہ امت محمدی کے صلحاء اس طرح منافقین و اشرار کی بھینٹ چڑھے۔ اب ان کے درمیان اللہ تعالیٰ ہی اپنا فیصلہ صادر فرمائے گا۔ (البدایہ والنہایۃ: ۷/ ۲۳۹)

❶ طبقات ابن سعد (۸/ ۵۸، ۵۹)

❷ حافظ ابن عساکر نے طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کے ترجمہ میں امام شعبی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ سیدنا علی نے ایک وادی میں سیدنا طلحہ کو پڑے ہوئے دیکھا تو ان کے چہرے سے مٹی پونچھی اور کہا اے ابو محمد! اس بے کسی کی حالت میں آپ کا مردہ پڑا ہوا ہونا مجھ پر بڑا شاق گزر رہا ہے میں اللہ کے حضور ہی میں اس کا شکوہ عرض کرتا ہوں۔'' نیز کہا: '' اے کاش! میں آج سے بیس سال پہلے فوت ہو جاتا۔'' مستدرك حاکم (۳/ ۳۷۲، ۳۷۳)، معجم کبیر طبرانی (۲۰۲، ۲۰۳) واقعہ جمل کے بعد سیدنا طلحہ کا بیٹا عمران سیدنا علی کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے اسے خوش آمدید کہا اور اپنے قریب بٹھا کر فرمایا مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کے والد کو ان لوگوں میں شامل کرے گا جن کا ذکر اس آیت میں ہے: ﴿وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِنْ غِلٍّ﴾ (مستدرك حاکم (۳/ ۳۷۷، ۲/ ۳۵۳) حارث بن عبداللہ اعور سیدنا علی کے زبردست حامیوں میں سے تھا۔ وہ ایک کونے میں بیٹھا تھا۔ حارث کہنے لگا۔ یہ بات عدل باری تعالیٰ کے منافی ہے کہ ہم عائشہ رضی اللہ عنہا کے رفقاء کو قتل کریں اور وہ جنت میں ہمارے رفیق بھی ہوں۔ سیدنا علی نے فرمایا: دفع ہو جاؤ اگر میں اور طلحہ جنت میں نہیں جائیں گے تو اور کون جائے گا؟ یہ کہہ کر آپ نے ایک دوات اعور پر کھینچ ماری مگر وار خطا گیا اور وہ دوات اسے نہ لگی۔

شیعہ مصنف کا قول کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے حکم الٰہی ﴿وَ قَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ﴾ کی مخالفت کی تھی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ کسی مصلحت کے لیے گھر سے نکلنا استقرار فی البیوت کے منافی نہیں۔ مثلاً حج وعمرہ کے لیے جانا یا اپنے خاوند کی معیت میں سفر پر روانہ ہونا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ سالار رسل کی زندگی میں یہ آیت نازل ہوئی اور آپ اس کے نزول کے بعد ازواج کے ساتھ حجۃ الوداع کے سفر پر روانہ ہوئے، اس سفر میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ دیگر امہات المومنین بھی شریک تھیں۔ سیدہ عائشہ کے ساتھ نبی کریم نے ان کے بھائی عبدالرحمٰن کو بھیجا تھا۔ آپ ان کے پیچھے ایک ہی اونٹ پر سوار تھیں۔ عبدالرحمٰن نے مقام تنعیم سے آپ کو عمرہ کرایا۔ [1] حجۃ الوداع کا واقعہ اس آیت کے نزول کے بعد اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے تین ماہ سے بھی کم عرصہ پہلے وقوع پذیر ہوا۔ اسی بنا پر خلافتِ فاروقی میں بھی ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم حج کے لیے جایا کرتی تھیں۔ سیدنا فاروق رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ سیدنا عثمان یا عبدالرحمٰن بن عوف کو بھیجا کرتے تھے۔ جب امہات المومنین کو کسی مصلحت کی بنا پر سفر کی اجازت تھی تو سیدہ عائشہ واقعہ جمل کے لیے اپنے خروج کو بھی مصلحتِ عامہ پر محمول کرتی تھیں۔

اس کی مثال یہ ہے کہ مندرجہ ذیل آیات و احادیث میں باہمی جنگ وجدال سے منع کیا گیا ہے، لہٰذا معترض کہہ سکتا ہے کہ سیدنا علی ان میں وارد شدہ وعید کے مستحق ہیں کیوں کہ آپ مسلمانوں کے خلاف نبرد آزما ہوئے اور آپ نے ان کو مباح الدم قرار دیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ﴾

(النساء:٤/ ٢٩)

''ایمان والو! اپنا مال ناروا طریقے سے نہ کھاؤ۔''

﴿وَ لَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَکُمْ﴾ (النساء: ٤/٢٩)

''ایک دوسرے کو قتل نہ کرو۔''

﴿وَ لَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَکُمْ﴾ (الحجرات: ٤٩/١١)

''ایک دوسرے کو طعن نہ دو۔''

---

[1] صحیح بخاری، کتاب العمرة، باب عمرة التنعیم، (حدیث:١٧٨٤، ١٧٨٥)، صحیح مسلم۔ کتاب الحج۔ باب بیان وجوه الاحرام (حدیث:١٢١٢، ١٢١٣)

﴿لَوْ لَا إِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا﴾

(النور: ١٢/٢٤)

''جب تم نے یہ (واقعہ) سنا تو مومن مرد اور عورتوں نے کیوں نہ نیک گمان کیا۔''

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''تمہارے خون تمہارے مال اور تمہاری آبرو تم پر اسی طرح حرام ہے جیسے اس دن کی حرمت اس مہینہ میں اور اس شہر میں۔''[1]

آپ ارشاد فرماتے ہیں:

''جب قاتل و مقتول تلواریں لے کر لڑنے لگیں تو وہ دونوں جہنمی ہیں۔'' دریافت کیا گیا کہ حضور! قاتل تو جہنمی ہوا مقتول کیوں کہ دوزخ میں جائے گا؟ فرمایا: ''وہ بھی تو اپنے حریف کو قتل کرنا چاہتا تھا۔''[2]

ان آیات و احادیث کی روشنی میں ایک معترض کہہ سکتا ہے کہ حضرت علی ان میں بیان شدہ وعید کے مصداق ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ تاویل کرنے والا مجتہد اس وعید کا مصداق نہیں ٹھہرے گا۔ یہ دوسری بات ہے کہ وہ اپنے اجتہاد میں غلطی پر ہو۔ اللہ تعالیٰ مومنوں کی دعا کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿رَبَّنَا لَا تُوَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا﴾ (البقرة: ٢٨٦/٢)

''اے ہمارے رب! اگر ہم سے بھول یا چوک ہو جائے تو ہم پر مواخذہ نہ کر۔''

اللہ تعالیٰ نے مومنین کے نسیان و خطا کو معاف کر دیا ہے، خطا کار مجتہد کی خطا بھی معاف ہے، جب مومنین سے برسرپیکار ہونے کے بارے میں ان کی خطا معاف ہے تو اجتہاد کی بنا پر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا مدینہ سے خروج بالاولیٰ مغفرت کا مستحق ہوگا۔

اگر معترض مذکورہ ذیل احادیث کو پیش کر کے کہے کہ چونکہ سیدنا علی نے ان کی خلاف ورزی کی

---

[1] صحيح بخارى، كتاب العلم، باب قول النبى صلى اللّٰه عليه وسلم ''رب مبلغ اوعى من سامع'' (حديث: ٦٧)، صحيح مسلم، كتاب القسامة، باب القسامة (حديث: ١٦٧٩)

[2] صحيح بخارى، كتاب الايمان باب ﴿وَ إِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (حديث: ٣١) صحيح مسلم، كتاب الفتن، باب اذا تواجه المسلمان بسيفهما، (حديث: ٢٨٨٨)

تھی، اس لیے آپ کی خلافت پر مسلمانوں کا اجماع قائم نہ ہوسکا، تو ہم اس کا جواب یہ دیں گے کہ جب دوسرا مجتہد حدیث میں ذکر کردہ وعید کا مصداق نہیں ہوسکتا تو سیدنا علی بالاولیٰ اس کا مصداق نہیں ہوسکتے وہ احادیث نبویہ یہ ہیں۔

۱۔ ''مدینہ طیبہ پاک و ناپاک کو چھانٹ دیتا ہے۔''❶

۲۔ ''جو شخص بے اعتنائی سے مدینہ منورہ کو چھوڑ کر چلا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے عوض اس سے بہتر آدمی کو مدینہ میں آباد ہونے کی سعادت عطا کرتے تھے۔''❷

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے خروج کا بھی یہی جواب ہے کہ وہ مبنی بر اجتہاد ہے اور اجتہادی غلطی ازروئے کتاب و سنت معاف ہے۔

شیعہ مضمون نگار کا یہ کہنا کہ ''سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے لڑنے کے لیے نکلی تھیں حالانکہ آپ بے قصور تھے۔''

یہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر عظیم افتراء ہے، اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ دونوں گروہ لڑنے کے لیے نکلے تھے تو یہ وہی قتال تھا جس کا ذکر مذکورہ ذیل آیت میں کیا گیا ہے اور اس خطا کو معاف کردیا گیا ہے۔

﴿وَ اِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا﴾

(الحجرات: ۹/۴۹)

''اگر مومنوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرادیجیے۔''

اس آیت سے مستفاد ہوتا ہے کہ مومن باہم لڑنے جھگڑنے کے باوصف مومن ہی رہتے ہیں۔

شیعہ مصنف کا یہ قول کہ ''قتل عثمان پر سب لوگوں کا اجماع قائم ہوگیا تھا۔''

بڑا گھناؤنا جھوٹ ہے اس لیے کہ جمہور نے قتل کا حکم دیا نہ وہ اس پر راضی تھے، علاوہ ازیں اکثر مسلمان مدینہ میں اقامت گزیں نہ تھے، بلکہ مختلف دیار و امصار میں بلاد مغرب سے لے کر خراسان

---

❶ صحیح بخاری، کتاب فضائل المدینة۔ باب المدینة تنفی الخبث (حدیث: ۱۸۸۳)، صحیح مسلم۔ کتاب الحج۔ باب المدینة تنفی خبثها (حدیث:۱۳۸۳، ۱۳۸۲)

❷ صحیح مسلم، کتاب الحج، باب المدینة تنفی خبثها (حدیث:۱۳۸۱) مطولاً عن ابی هریرة رضی الله عنه، موطا امام مالك(۸۸۷/۲)، کتاب الجامع(ح:٦) عن عروة مرسلاً

تک آباد تھے۔ مزید یہ کہ چند شریر آدمی اس فعلِ شنیع کے مرتکب ہوئے تھے، صلحائے امت اس میں شریک نہ تھے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے۔

''اے اللہ! تو قاتلین عثمان پر بحر و برّ اور کوہ ومیدان میں لعنت بھیج۔''

اس [1] باب میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ چونکہ لوگوں کا خیال تھا کہ معاملہ آپ کے

---

[1] سیدنا علی رضی اللہ عنہما نے متعدد مواقع پر قاتلین عثمان سے براءت کا اعلان کیا اور ان پر لعنت بھیجی، حافظ ابن عساکر (۷/ ۸۵) کی روایت کے مطابق آپ نے آخری اعلان واقعہ جمل کے موقع پر کیا۔ مورخ مذکور لکھتے ہیں:

جب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا جنگ جمل کے لیے تشریف لے گئیں تو کعب بن سُور ازدی اونٹ کی مہار پکڑے آگے آگے چل رہا تھا۔ سیدہ عائشہ نے کعب کو مخاطب کر کے کہا: ''مہار کو چھوڑیے اور آگے بڑھ کر لوگوں کو قرآن کی طرف بلایے۔'' یہ کہہ کر آپ نے کعب کو قرآن کریم کا ایک نسخہ دیا۔ دوسری جانب سیدنا علی کے لشکر میں سبائی پیش پیش تھے۔ انھیں خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں فریقین میں صلح نہ ہو جائے، کعب قرآن لے کر آگے بڑھے۔ سیدنا علی اپنی فوج کو پیچھے دھکیل رہے تھے مگر وہ بزور آگے بڑھتے جاتے تھے۔ سبائیوں نے آگے بڑھ کر کعب پر بیک وقت اتنے تیر چلائے کہ وہ موقع پر ہی جان بحق ہو گئے۔ سبائی پھر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف بڑھے تو آپ نے پہلی مرتبہ ان الفاظ میں ان کو خطاب فرمایا: ارے لوگو! قاتلین عثمان اور ان کے انصار و اعوان پر لعنت بھیجیے''

سیدہ عائشہ نے پھر دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیئے۔ بصرہ والے چیخ چیخ کر دعا کرنے لگے۔ سیدنا علی نے پوچھا یہ آہ و بکا کیسی ہے؟ جواب ملا کہ سیدہ عائشہ قاتلین عثمان کے حق میں بد دعا کر رہی ہیں، سیدنا علی بھی دعا کرنے لگے۔ آپ نے فرمایا:

''اے اللہ! قاتلین عثمان اور ان کے ہم نواؤں پر لعنت بھیج۔''

جب باغیوں نے سیدنا عثمان کے گھر کا محاصرہ کیا تھا تو سیدنا علی نے سیدنا حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو آپ کی حفاظت کا حکم دیا اور فرمایا کہ ہر قیمت پر ان کی حفاظت کرنا خواہ تمہاری جان کیوں نہ چلی جائے۔ مگر سیدنا عثمان برابر ان کی مدافعت سے منع کرتے رہے۔ سیدنا حسن آخری شخص تھے جو سانحہ شہادت کے دن آپ کے گھر سے نکلے۔ سیدنا حسن و حسین کے علاوہ عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر اور مروان بن حکم بھی آپ کی حفاظت کے سلسلہ میں حاضر ہوئے تھے۔ مگر سیدنا عثمان نے بتاکید ان سے کہا کہ ہتھیار رکھ

قتل تک نہیں پہنچے ❶ گا۔اس لیے انھوں نے آپ کی عملی مدد کرنے میں سہل انگاری سے کام لیا۔ یہ

کر اپنے گھروں کو چلے جائیں۔ (دیکھئے: العواصم من القواصم:۱۳۴)
مؤرخ بلاذری اپنی کتاب ''انساب الاشراف'' (۱۰۳/۵) پر سیدنا حسن سے روایت کرتے ہیں کہ ایک روز سیدنا علی اپنے گھر آئے تو دیکھا کہ آپ کی بیٹیاں رو رہی ہیں۔آپ نے وجہ پوچھی تو بتایا کہ ہم عثمان کے غم میں رو رہی ہیں، یہ دیکھ کر سیدنا علی رو پڑے،اور فرمایا کہ ''روتی رہو۔''
مقام افسوس ہے کہ حب علی کا دعویٰ کرنے والے آپ پر جھوٹ باندھتے ہیں، اور پھر بھی اپنے آپ کو شیعہ قرار دیتے ہیں، حالانکہ سیدنا علی اور اہل بیت کے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہیں۔اصل معاملہ یہ ہے کہ سیدنا علی اور ان کے اہل بیت رحمٰن کی دنیا میں بستے ہیں اور تشیع کے دعویٰ دار شیطان کی دنیا میں بودو باش رکھتے ہیں۔

❶ حافظ ابن عساکر صدر اوّل کے مؤرخ موسیٰ بن عقبہ اسدی......جن کے بارے میں امام مالک نے فرمایا: ابن عقبہ سے مغازی سیکھو اس لیے کہ وہ ثقہ راوی ہیں۔''......سے نقل کرتے ہیں کہ ابوحبیبہ طائی......جن سے ابوداؤد، نسائی اور ترمذی نے بھی روایت کیا ہے۔......نے کہا کہ جب سیدنا عثمان کے گھر کا محاصرہ کیا گیا تو بنوعمرو بن عوف نے سیدنا زبیر کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا: ''ابوعبداللہ! ہم آپ کی خدمت میں سیدنا عثمان کی مدافعت کے لیے حاضر ہوئے ہیں۔''
ابوحبیبہ کہتے ہیں۔سیدنا زبیر نے یہ پیغام دے کر مجھے سیدنا عثمان کے پاس بھیجا۔'' بعد از سلام ان سے عرض کیجیے کہ تمہارا بھائی زبیر عرض کرتا ہے کہ بنوعمرو بن عوف نے آپ کی مدافعت کے لیے اپنی خدمات کی پیش کش کی ہے۔اگر آپ اجازت دیں تو میں بھی آپ کے یہاں چلا آؤں تاکہ جو تکلیف آپ کو پہنچے وہ مجھے بھی پہنچے۔ یا بنوعمرو بن عوف کے ذریعہ آپ کی مدافعت کروں جیسے آپ کا ارشاد ہو۔''
ابوحبیبہ کا بیان ہے کہ میں سیدنا عثمان کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ کو ایک کرسی پر بیٹھے ہوئے پایا جس کے پیچھے ایک تکیہ لگا تھا۔فرش پر چادریں بچھی تھیں۔ ایک طرف پانی کے ٹب رکھے تھے۔آپ کے یہاں سیدنا حسن بن علی، عبداللہ بن عمر، ابوہریرہ، سعید بن العاص، مروان بن حکم اور عبداللہ بن زبیر بھی موجود تھے، میں نے سیدنا زبیر کا پیغام پہنچایا تو فرمانے لگے: اللہ اکبر! اللہ کا شکر ہے جس نے میرے بھائی زبیر کو محفوظ رکھا۔میری جانب سے انھیں کہیے۔ کہ اگر آپ میرے گھر میں تشریف لائیں گے تو آپ کی وہی حیثیت ہوگی جو ایک مہاجر کی ہوتی ہے۔بہتر یہ ہے کہ مدافعت کے لیے بنوعمرو بن عوف کا انتظار کریں۔'' ابوحبیبہ کہتے ہیں کہ یہ سن کر سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اٹھے اور لوگوں کو مخاطب کر کے کہا:
میرے ان دو کانوں نے آں حضور کو یہ فرماتے سنا تھا کہ میرے بعد فتن و حوادث ظہور پذیر ہوں گے۔

ایک مسلمہ بات ہے کہ اجماع سیدنا عثمان کے قتل پر نہیں بلکہ آپ کی بیعت خلافت پر منعقد ہوا تھا۔

ہم شیعہ سے پوچھتے ہیں کہ ایسا اجماع سیدنا علی کی بیعت خلافت پر کیوں نہ ہوا؟ مزید برآں سیدنا ابوبکر کی خلافت پر جو اجماع منعقد ہوا ایسا اتفاق سیدنا علی کی بیعت خلافت اور قتل عثمان پر نہیں ہوا تھا۔ سیدنا ابوبکر کی بیعت خلافت سے صرف چند اشخاص پیچھے رہے تھے۔ جن میں سے ایک سعد بن عبادہ بھی تھے۔ (واللہ یغفرلہٗ)، ہم قبل ازیں بیان کر چکے ہیں کہ جس آدمی کے لیے جنت کی شہادت دی گئی ہو وہ بعض اوقات گناہ کا مرتکب بھی ہوتا ہے اس لیے کہ وہ معصوم نہیں۔

شیعہ مصنف کا یہ قول اس کی جہالت کا آئینہ دار ہے کہ سیدنا عثمان کے قتل پر اجماع منعقد ہوا تھا۔ یہ تو بعینہٖ اسی طرح ہے جیسے ناصبی کہتے ہیں کہ سیدنا حسین مسلمانوں کے اجماع کے مطابق قتل کیے گئے تھے۔ وہ اس کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ لڑنے والوں اور آپ کو قتل کرنے والوں میں سے کسی نے بھی آپ کی مدافعت نہیں کی تھی [1] اس قول میں ناصبی اتنے ہی جھوٹے ہیں جیسے شیعہ اپنے اس

میں نے عرض کیا: حضور! ان سے نجات کی کیا صورت ہو گی؟ آپ نے سیدنا عثمان کی طرف اشارہ کرکے فرمایا: ''امیر (عثمان) اور اس کی جماعت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیے۔'' (مسند احمد(۲/۳۴۵) و فضائل الصحابة، (۷۲۳) مستدرك حاكم(۳/۹۹،۴/۴۳۳۔۴۳۴) و صححه و وافقه الذهبی) لوگوں نے عرض کیا ہمیں لڑنے کی اجازت دیجیے، سیدنا عثمان نے فرمایا: میں اپنے اطاعت شعاروں کو بتاکید لڑائی سے روکتا ہوں۔ ابوحبیبہ کا بیان ہے کہ بنوعمرو بن عوف کے آنے سے پہلے ہی فتنہ پردازوں نے سیدنا عثمان کو شہید کر دیا بنوعمرو بن عوف قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے تھے جو انصار کے دو مشہور قبائل (اوس وخزرج) میں سے ایک ہے جب نبی کریم ﷺ نے مکہ سے مدینہ ہجرت فرمائی تھی تو پہلے تین دن بنوعمرو بن عوف کے یہاں ٹھہرے تھے، پھر بنی نجار کی طرف منتقل ہو گئے۔ (سیرة ابن هشام(ص:۲۲۷۔۲۲۹)، صحیح بخاری کتاب الصلاة۔ باب هل تنبش قبور مشرکی الجاهلیة(حدیث:۴۲۸)، صحیح مسلم۔ کتاب الصلاة۔ باب ابتناء مسجد النبی صلی الله علیه وسلم(حدیث:۵۲٤)

[1] حالانکہ آپ کو شیعی ماحول (عراق) میں قتل کیا گیا تھا۔ وہ شیعہ جو کرۂ ارضی کے دور افتادہ گوشوں سے چل کر آپ کے مقتل پر جمع ہوتے ہیں یہی آپ کو دھوکہ دینے والے تھے۔ پہلے بڑے زور وشور سے خط لکھ کر بلایا۔ جب آپ تشریف لے آئے تو آپ کا ساتھ چھوڑ کر صفِ اعداء میں شریک ہو گئے۔ استاد موسیٰ یعقوبی نجفی ایک معاصر شیعہ ادیب لکھتا ہے۔

دعویٰ میں کہ قتل عثمان پر اجماع منعقد ہوا تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ قتل عثمان کی مذمت قتل حسین سے زیادہ کی گئی ہے۔ علاوہ ازیں سیدنا عثمان کی تائید ونصرت اوران کے قصاص کا مطالبہ ❶ کرنے والے لوگوں کی تعداد حامیانِ حسین سے بہت زیادہ تھی۔ ❷ قتل عثمان سے امت میں جو شروفساد پھیلا۔ قتل

قَدْ کَاتَبَتْهُ اُولُوا الْخِیَانَةِ اَنَّهَا
جُنْدٌ وَّلَیْسَ لَهَا سِوَاهُ اِمَامٌ

خیانت کار لوگوں نے آپ (سیدنا حسین) کو لکھا تھا کہ ہم آپ کے مددگار ہیں اور آپ کے سوا ہمارا کوئی امام نہیں۔''

لٰکِنَّهُمْ خَانُوْا الذِّمَامَ وَلَمْ یَفُوْا
اَنّٰی وَ مَا لِلْخَائِنِیْنَ ذِمَام

''مگر انھوں نے اپنے عہد میں خیانت کی اور اسے پورا نہ کیا اور خیانت پیشہ لوگ عہد کے پابند ہی کب ہوتے ہیں۔''

اگر شیعہ خود فریبی کا شکار نہ ہوتے تو وہ اپنے گھروں میں مقیم رہتے اور خط لکھ کر سیدنا امام حسین کو دعوت نہ دیتے تو لوگوں کا خون ضائع ہونے سے بچ جاتا اور امت اس عظیم فتنہ میں مبتلا نہ ہوتی۔ اپنی قدر نہ جاننے کا یہ ثمرہ برآمد ہوا کہ شیعہ تا قیامِ قیامت یہ داغ دور نہ کرسکیں گے۔ سیدنا زینب بنت علی رضی اللہ عنہما جب عاشوراء کے بعد کوفہ میں داخل ہوئیں اور اہالیان کوفہ سیدنا زینب اور ان کے بھائی کو خوشامدانہ الفاظ میں استقبال کرنے نکلے تو انھوں نے اس وقت یہی الفاظ کہے تھے۔ مزید براں سیدنا حسین سے خیانت کرنے والے شیعہ بعد میں آنے والے شیعہ سے بہر حال بہتر تھے۔

❶ سیدہ عائشہ کی فوج میں طلحہ وزبیر جیسے گرامی قدر صحابہ شامل تھے، جو عشرہ مبشرہ میں شمار ہوتے ہیں، اور جن کا مقصد وحید قاتلین عثمان سے قصاص لینا اور سیدنا علی کے ساتھ مصالحت کرنا تھا۔ جنگ صفین انھی مقاصد کی تکمیل کے لیے وقوع میں آئی تھی۔

❷ قاتلین عثمان سے سب سے پہلے ذاتِ باری تعالیٰ نے انتقام لیا۔ تفصیلات ملاحظہ فرمائیے۔

ا۔ جہجاہ بن سعید غفاری: یہ وہ بدبخت ہے کہ جب سیدنا عثمان مسجد نبوی کے منبر پر خطبہ دے رہے تھے تو اس نے عصائے نبوی آپ کے ہاتھ سے چھین لیا اور اس زور سے آپ کے دائیں گھٹنے پر مارا کہ عصا ٹوٹ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے بہت جلد اس سے انتقام لیا۔ عصائے نبوی کا ایک ٹکڑا اس کے زانو میں گڑ گیا اور اس میں کیڑے پڑ گئے پھر پتہ نہ چل سکا کہ اس کا کیا انجام ہوا۔ ظن غالب ہے کہ وہ اسی تکلیف سے جہنم رسید ہوا۔

۲۔ حرقوص بن زہیر سعدی: سیدنا عثمان کی مخالفت کے بعد اس نے جب سیدنا علی پر خروج کیا تو آپ نے یوم النہروان ۳۹ ہجری میں اسے مروا ڈالا۔

۳۔ حکیم بن جبلہ عبدی: جنگ جمل میں اس کا ایک پاؤں کٹ گیا تھا۔ قریب الموت تھا کہ کسی نے ان الفاظ میں پکارا امام مظلوم پر مظالم ڈھانے کی بنا پر جب اللہ کی گرفت میں آئے ہو تو اے خبیث! اب چلا رہے ہو، تم نے مسلمانوں کے شیرازہ کو منتشر کیا اور ناحق ان کے خون بہائے۔ اب انتقام الٰہی کا مزہ چکھو۔''

۴۔ ذریح بن عباد عبدی: یہ حکیم بن جبلہ عبدی کا رفیق کار تھا جنگ جمل میں مارا گیا۔

بصرہ کے قاتلین عثمان میں سے جو جنگ جمل میں زندہ بچ گئے تھے ان کے قبیلہ والے پکڑ کر ان کو کتوں کی طرح طلحہ و زبیر کی خدمت میں لائے اور وہ سب تہ تیغ کر دیے گئے۔ بصرہ والوں میں سے صرف حرقوس بن زہیر بچا تھا۔ سیدنا علی نے اسے یوم النہروان میں قتل کیا۔

۵۔ جندب بن زہیر غادری: یہ جنگ صفین تک بقید حیات رہا۔ معرکہ صفین میں اس نے قبیلہ ازد کے ایک شہسوار کو للکارا تو ازدی نے اسے قتل کر دیا۔ اس کا خالہ زاد بھائی مخنف بن سُلَیم کہا کرتا تھا کہ جندب بچپن میں بھی اور بڑا ہو کر بھی دونوں حالتوں میں منحوس تھا۔ جاہلیت و اسلام دونوں اَدوار میں جندب ہمیشہ بری چیز کا انتخاب کیا کرتا تھا۔

۶۔ ابوزینب بن عوف: یہ ۳۷ ہجری میں معرکہ صفین میں مارا گیا۔

۷۔ شریح بن اوفی عَبَسی: اس نے سیدنا علی کے خلاف خروج کیا تھا۔ پہلے اس کا پاؤں کاٹا گیا اور پھر اسے قتل کیا گیا۔ حالت قتل میں اس نے یہ اشعار پڑھے۔

اَضْرِبُہُمْ وَلَوْ اَرٰی اَبَا حَسَنٍ
ضَرَبْتُہٗ بِالسَّیْفِ حَتّٰی یَطْمَئِنَّ
اَضْرِبُہُمْ وَ لَوْ اَرٰی عَلِیًّا
اَلْبَسْتُہٗ اَبْیَضَ مُشْرِقِیًّا

''میں ان کو مارتا رہوں گا اور اگر کہیں علی کو دیکھ پایا تو اس کو ضرور تلوار ماروں گا۔ یہاں تک کہ وہ ٹھنڈا ہو جائے۔

میں ان کو مارتا جاؤں گا اور اگر علی کو دیکھ لیا تو میں اس کو صیقل شدہ مشرقی تلوار کا لباس پہناؤں گا۔''

۸۔ علباء بن ہُشَیم سدوسی: عمرو بن یثربی قاضی بصرہ نے اسے جنگ جمل میں قتل کیا۔

حسین کے فتنہ کو اس سے کوئی نسبت ہی نہیں اس پر مزید یہ کہ قتل عثمان قباحت و شناعت کے اعتبار سے اللہ، رسول اور مومنین کے نزدیک قتل حسین سے بڑھ چڑھ کر تھا۔ اس لیے کہ سیدنا عثمان سابقین اوّلین اور سیدنا علی، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم کے طبقہ سے تعلق رکھتے تھے۔

آپ خلیفۂ برحق تھے اور آپ کی خلافت پر مسلمانوں کا اجماع منعقد ہوا تھا۔ آپ نے کسی مسلمان پر تلوار اٹھائی نہ کسی کو موت کے گھاٹ اتارا، آپ کی ساری عمر جہاد کفار میں بسر

۹۔ عمرو بن حمق خزاعی: ۵۱ ہجری تک زندہ رہا پھر موصل میں اسے نیزے کی اتنی ہی ضربیں لگیں جتنی اس نے سیدنا عثمان کو لگائی تھیں۔

۱۰۔ عمیر بن ضابی: یہ وہ بدبخت ہے جس نے سیدنا عثمان کی شہادت کے بعد ان کی پسلی توڑ دی تھی۔ جب حجاج عراق کا حاکم قرار پایا تو یہ اس کی خدمت میں حاضر ہو کر رحم و کرم کا طالب ہوا۔ اس کا خیال تھا کہ حجاج اس سے واقف نہیں۔ حجاج نے کہا کیا تو وہی شخص نہیں جس نے یہ شعر کہا تھا:

هَمَمْتُ وَ لَمْ اَفْعَلْ وَ كِدْتُّ وَلَيْتَنِي
تُرِكْتُ عَلَى عُثْمَانَ تَبْكِيْ حَلَائِلُهُ

''میں نے (قتل عثمان کا) ارادہ کیا تھا مگر یہ کام نہ کر سکا اے کاش! مجھے اس معاملہ میں کھلی چھٹی ملتی تو عثمان کی بیویاں ان پر رونے لگتیں۔''

پھر حجاج کے حکم سے اس کو قتل کر دیا گیا۔

۱۱۔ کعب بن ذی الحبکہ نہدی: بسر بن ابی ارطاۃ نے اس کو قتل کیا۔

۱۲۔ کنانہ بن بشر تُجیبی: سیدنا عمرو بن عاص نے مصر میں اسے قتل کیا۔ یہ سیدنا عثمان کا شدید مخالف تھا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس نے سیدنا عثمان کو قتل کیا تھا۔ سیدنا عثمان کے گھر میں جو لوگ قتل کیے گئے تھے۔ یہ ان کو دفن کرنے سے روکتا تھا۔

۱۳۔ ابن الکوّاء یشکری: اس نے سیدنا عثمان کے علاوہ سیدنا علی کے خلاف بھی خروج کیا تھا اور قتل ہوا۔

۱۴۔ محمد بن ابی حذیفہ: اس نے سیدنا عثمان کے احسانات کی ناشکری کی۔ سزا کے طور سے یہ ۳۶ ہجری میں بمقام عریش مقتول ہوا۔

علی ہذا القیاس قاتلین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے آخرت سے پہلے دنیا میں ہی اپنے کیے کی سزا پالی تھی۔ قاتلین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ میں سے جو لوگ پیش پیش تھے ان کے انجام سے بچے بھی آگاہ ہیں۔

ہوئی ❶۔ خلافت صدیقی و فاروقی کی طرح خلافت عثمانی میں بھی مسلمانوں کی تلوار اہل قبلہ سے الگ تھلگ اور کفار کے سر پر آویزاں رہی۔ حالت خلافت میں شرپسندوں نے آپ کو قتل کرنا چاہا تو آپ نے صبر سے ❷ کام لیا۔ اور مزاحمت نہ کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ نے جام شہادت نوش فرمایا۔ اس میں شبہ نہیں کہ سیدنا عثمان، سیدنا حسین کی نسبت زیادہ اجر و ثواب کے مستحق ہیں۔ اسی نسبت سے قاتلین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ، سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے والوں کی نسبت بڑے مجرم ہیں۔ اور ان کا گناہ زیادہ گھناؤنا ہے۔ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا معاملہ اس سے یکسر مختلف ہے۔ آپ اقتدار سے محروم تھے اور طلب اقتدار کی خاطر گھر سے نکلے تھے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو لوگ برسر اقتدار تھے ان کے اعوان

---

❶ جب باغیوں نے مدینہ طیبہ کا رخ کیا تو اس وقت عساکر اسلامی مختلف بلاد شرق و غرب میں کفار کے خلاف مصروف جہاد تھیں۔ اسلامی لشکر زیادہ تر ان ممالک میں برسرپیکار تھے۔ جو آج کل روس کے زیر تسلط ہیں۔

❷ محبّ الدین الخطیب ''العواصم من القواصم'' ص: ۱۳۲ کے حاشیہ پر لکھتے ہیں کہ:

''اخبار و آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ باغیوں کی مدافعت کرنے یا تقدیر ربانی کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے بارے میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ وارضاہ کا موقف یہ تھا کہ آپ فتنہ پردازی اور خون ریزی سے ڈرتے تھے۔ آخر کار آپ اس نتیجہ پر پہنچے تھے کہ اگر آپ ایسی قوت سے بہرہ ور ہوں جس کے سامنے باغیوں کو لامحالہ جھکنا پڑے اور جدال و قتال کی نوبت نہ آئے تو یہ بڑی اچھی بات ہے۔ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ملک شام سے ایک ایسی فوج بھیجنے کی پیش کش کی تھی جو آپ کے اشارہ کی منتظر رہے، لیکن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ پیش کش ٹھکرا دی تھی کہ میں مدینہ میں ایسی فوج نہیں رکھنا چاہتا جو یہاں مقیم رہے۔ (تاریخ طبری: ۵/۱۰۱)

سیدنا عثمان اس غلط فہمی میں مبتلا تھے کہ مسلمان اس حد تک جرأت نہیں کر سکتے کہ دین اسلام کے اوّلین مہاجر (سیدنا عثمان) کا خون تک بہانے سے گریز نہ کریں۔ جب باغی اکٹھے ہو کر آ گئے اور آپ نے سمجھا کہ مدافعت کرنے میں ناحق خون ریزی ہوگی، تو آپ نے اپنے حامیوں کو بہ تاکید تشدد سے روک دیا۔ اہل سنت و شیعہ سب کی تصانیف ایسے اخبار و آثار سے پُر ہیں، تاہم اگر ایسی منظّم قوت و شوکت بروئے کار آتی جو باغیوں کی شرارت و جہالت کو بزور روک دیتی تو یہ بات سیدنا عثمان کے لیے راحت و مسرت کی موجب ہوتی۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں کہ آپ شہادت کے متمنی تھے اور اس کے سوا کوئی چیز آپ کے لیے موجب سکون واطمینان نہ تھی۔

وانصار آپ کے خلاف نبرد آزما ہوئے اور آپ نے ان کی مدافعت کرتے ہوئے شہادت پائی۔ یہ ایک مسلمہ بات ہے کہ جو شخص اپنی خلافت و ولایت کا دفاع کرنا چاہتا ہے وہ اس شخص کی نسبت لڑنے کا زیادہ حق دار ہے جو دوسروں سے اقتدار کو چھیننے کا خواہاں ہے۔ اس پر مزید یہ کہ سیدنا عثمان نے اپنی خلافت سے دفاع بھی نہیں کیا تھا۔ بنا بریں آپ سیدنا حسین سے ہر حال میں افضل ہیں اور آپ کا قتل قتلِ حسین سے شنیع تر ہے۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے اقتدار کے لیے جنگ نہیں لڑی تھی بلکہ جدال و قتال سے کنارہ کش رہ کر امت میں صلح کرائی تھی۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح جوئی کے اس اقدام پر سیدنا حسن کی مدح وستائش کرتے ہوئے فرمایا۔

''میرا یہ بیٹا سردار ہے، اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کرائے گا۔''[1]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے حامی سیدنا معاویہ اور اہل شام تھے [2] اور سیدنا حسین کے قاتلوں سے قصاص لینے والے مختار بن ابی عبید ثقفی اور اس کے اعوان و انصار تھے۔ کوئی سلیم العقل آدمی یہ بات

---

[1] صحیح بخاری ۔ کتاب الصلح۔ باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم للحسن بن علی رضی اللہ عنهما(حدیث:٢٧٠٤)

[2] سیدنا طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنتی ہونے کی بشارت دی تھی (سنن ابی داؤد۔ کتاب السنة باب فی الخلفاء(حدیث:٤٦٤٩)، سنن ترمذی، کتاب المناقب ، باب مناقب ابی الاعور سعید بن زید رضی اللہ عنه (حدیث:٣٧٥٧) یہ اور آپ کی محبوب ترین بیوی سیدہ عائشہ، سیدنا عثمان کے معاونین میں شامل تھے۔ مؤرخ طبری نے ۱۹۳ ہجری کے واقعات میں اپنی تاریخ (۱۰/ ۱۱۷) میں مصعب بن عبداللہ ہی سے نقل کیا ہے کہ اس کے والد عبداللہ بن مصعب نے اسے بتایا کہ ایک مرتبہ خلیفہ ہارون رشید نے اس سے دریافت کیا کہ تم سیدنا عثمان کو مطعون کرنے والوں کے بارے میں کیا کہتے ہو۔'' عبداللہ بن مصعب نے جواباً کہا:

''امیر المومنین ! کچھ لوگ سیدنا عثمان پر طعن کرتے تھے اور کچھ ان کی حمایت کرتے تھے، ان پر طعن کرنے والے مختلف فرقوں میں بٹ گئے۔ شیعہ، خوارج اور اہل بدعت، سب مخالفین عثمان میں سے ہیں۔ جو لوگ آپ کے طرف دار تھے وہ موجودہ اہل السنّت وہی ہیں جو آج بھی ان سے تعلق رکھتے ہیں۔''

یہ سن کر ہارون الرشید نے کہا: ''اس کے بعد مجھے یہ مسئلہ دریافت کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔''

کہنے میں تامل نہیں کرے گا کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ، مختار ثقفی ❶ سے افضل تھے، مختار کذاب تھا اور اس

❶ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شیعہ کے جواب میں یہ بات الزاماً کہی گئی ہے ورنہ مختار کو سیدنا معاویہ سے کیا نسبت؟ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ خلفاء راشدین کے بعد پہلے قابل فخر خلیفہ تھے۔ حافظ ابن کثیر البدایۃ والنہایۃ: ۸/۱۳۳) پر مصر کے مشہور امام اور عالم لیث بن سعد المتوفی ۱۷۵ ہجری سے روایت کرتے ہیں کہ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے سیدنا عثمان کے بعد اس گھر والے (سیدنا معاویہ) سے زیادہ کسی کو حقوق کا پورا کرنے والا نہیں دیکھا۔''

حافظ ابن کثیر کتاب مذکورہ (۸/ ۱۳۵) پر عبد الرزاق بن ہمام صنعانی سے جو بڑے عالم و حافظ تھے روایت کرتے ہیں، انھوں نے معمر بن راشد سے اور معمر نے ہم بن منبہ صنعانی سے جو ثقات تابعین میں سے تھے، سنا انھوں نے کہا کہ میں نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ:

''میں نے سیدنا معاویہ سے بڑھ کر کسی شخص کو حکومت و سلطنت کا اہل نہیں دیکھا۔''

ظاہر ہے کہ سلطنت کی اہلیت و صلاحیت اسی شخص میں ہوتی ہے جو حکیم، حلیم اور عادل ہو۔ ملک کا دفاع کرتا اور دین اسلام کی نشر و اشاعت کے لیے کوشاں رہتا ہو اور اس کے ساتھ ساتھ جو امانت اللہ نے اس کو تفویض کی ہے، اس میں خیانت کو راہ نہ دیتا ہو۔

امام ترمذی ابو ادریس خولانی سے روایت کرتے ہیں جو کبار علمائے تابعین اور سیدنا ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کے بعد شام کے سب سے بڑے عالم تھے کہ جب عمر رضی اللہ عنہ نے عمیر بن سعد انصاری کو حمص کی ولایت سے معزول کر کے ان کی جگہ سیدنا معاویہ کو مقرر کیا تو لوگوں نے ازراہِ تعجب یہ کہنا شروع کیا۔ ''عمیر جیسے آدمی کو معزول کر کے معاویہ کو مقرر کیا۔'' (سنن ترمذی، کتاب المناقب، باب مناقب معاویة بن ابی سفیان رضی الله عنه (حدیث: ۳۸۴۳)

بغوی معجم الصحابہ میں لکھتے ہیں کہ عمیر کو لوگ ''نَسِیجُ وَحْدِہٖ'' (اپنی مثال آپ) کہا کرتے تھے۔ ابن سیرین کا قول ہے کہ سیدنا عمر نے کثرت زہد کی وجہ سے عمیر کو یہ نام دیا تھا۔ عمیر نے لوگوں کی یہ گفتگو سن کر کہا: ''معاویہ کا ذکر اچھے انداز میں کیجیے میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ اے اللہ معاویہ کے ذریعہ لوگوں کو ہدایت عطا فرما۔'' (سنن ترمذی، کتاب المناقب، باب مناقب معاویة بن ابی سفیان رضی الله عنه (حدیث: ۳۸۴۳)

بعض روایات میں ہے کہ سیدنا معاویہ کے حق میں یہ شہادت خود سیدنا عمر نے دی تھی۔ بشرط صحت سیدنا فاروق کی شہادت سے سیدنا معاویہ کی عظمت و فضیلت ثابت ہوتی ہے، تاہم اگر یہ شہادت دینے والے عمیر ہوں...... اس کے باوصف کہ آپ کو معزول کر کے سیدنا معاویہ کو ان کا قائم مقام بنایا گیا تھا...... تو

نے نبوت کو دعویٰ بھی کیا تھا۔

بھی اس شہادت کا درجہ سیدنا عمر کی گواہی سے کم نہیں ہے، اس لیے کہ عمیر اصحاب رسول اور زہاد انصار میں سے تھے۔

امام بخاری نے اپنی صحیح کی کتاب ''مناقب الصحابہ'' میں ابن ابی ملیکہ تمیمی سے روایت کیا ہے کہ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا گیا کہ امیر المومنین معاویہ ایک وتر پڑھتے ہیں۔ یہ سن کر انھوں نے فرمایا: '' معاویہ فقیہ ہیں۔'' (صحیح بخاری۔ کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم ، باب ذکر معاویة رضی الله عنه(حدیث: ۳۷۶۵)

جامع ترمذی کی کتاب ''المناقب'' میں عبدالرحمٰن بن ابی عمیرہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے سیدنا معاویہ کے بارے میں یہ دعا فرمائی: ''اَللّٰھُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا مَّهْدِيًّا وَاهْدِبِهٖ'' (سنن ترمذی۔ کتاب المناقب۔ باب مناقب معاوية بن ابی سفيان رضی الله عنه(حديث: ۳۸٤۲)

محدث طبرانی سعید بن عبدالعزیز تنوخی سے روایت کرتے ہیں جو ملک شام کے امام مالک کہلاتے تھے کہ انھوں نے ربیعہ بن یزید ایادی سے سنا، انھوں نے عبد الرحمٰن بن ابی عمیرہ سے کہ نبی ﷺ نے سیدنا معاویہ کے حق میں یہ دعا فرمائی:

''اَللّٰھُمَّ عَلِّمْهُ الْكِتَابَ وَالْحِسَابَ وَقِهِ الْعَذَابَ'' (معجم کبیر طبرانی (۲۵۲/۱۸)

مذکورہ بالا روایت امام بخاری نے اپنی تاریخ میں ابومسہر سے نقل کی ہے۔ (تاریخ کبیر بخاری (۳۲۷/۷)، امام احمد یہی روایت عرباض بن ساریہ سے روایت کرتے ہیں۔ (مسند احمد (۱۲۷/٤)، صحیح ابن حبان (۲۲۷۸ : الموارد) مفسر ابن جریر ابن مہدی سے روایت کرتے ہیں۔

علاوہ ازیں مندرجہ ذیل محدثین نے یہ روایت اپنی تصانیف میں نقل کی ہے:

۱۔ اسد بن موسیٰ المتوفی ۱۳۲۔۲۱۲ ہجری جن کو ''اسد السنہ'' کہا جاتا تھا۔

۲۔ بشر بن السری الافواہ البصری (۱۳۲۔۱۹۵) یہ امام احمد کو استاد تھے ان کی روایت میں ''اَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ'' کے لفظ بھی ہیں۔

۳۔ عبداللہ بن صالح مصری یہ امام لیث بن سعد کے کاتب تھے۔

۴۔ ابن عدی وغیرہ نے یہ روایت ابن عباس سے نقل کی ہے۔

....

۵۔ محمد بن سعد۔صاحب الطبقات یہ روایت مسلمہ بن مخلد فاتح و امام مصر سے بیان کرتے ہیں۔
سیدنا معاویہ کے بارے میں مذکورہ دعائے نبوی کے ناقل لا تعداد صحابہ ہیں۔(دیکھیے البدایة النهایة:۸/۱۲۰۔۱۲۱)نیز ترجمہ معاویہ حرف المیم تاریخ دمشق حافظ ابن عساکر)
مذکورۃ الصدر روایات کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ سیدنا معاویہ ہدایت یافتہ اور لاتعداد فضائل و مناق کے حامل تھے۔ظاہر ہے کہ ان کے مقابلہ میں شیعہ کے مفروض مہدی کی کیا حقیقت جو نہ ابھی پیدا ہوا اور نہ اس سے کوئی اس سے مستفید ہو سکا۔ جو شخص دانستہ ان احادیث کو تسلیم نہ کرے وہ حدیث نبوی کا منکر ہے مقام حیرت ہے کہ بعض شیعہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر لعنت بھیجنے اور ان سے بغض و عداوت رکھنے کے باوصوف اپنے آپ کو مسلمان قرار دیتے ہیں ان کو دراصل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض رکھنا چاہیے کہ آپ نے سیدنا معاویہ کے حق میں ایسی دعا کیوں فرمائی:

''بے حیا باش ہر چہ خواہی کن''

حافظ ابن عساکر امام ابوزرعہ رازی سے نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص نے ان سے کہا:''میں معاویہ سے بغض رکھتا ہوں۔''ابوزرعہ نے کہا:''معاویہ کا رب بڑا رحیم و کریم ہے اور آپ کیحریف (سیدنا علی) بھی بڑے شریف آدمی تھے۔تم دونوں کے درمیان مداخلت کرنے والے کون ہو۔''
امام بخاری اپنی صحیح میں جو قرآن کریم کے بعد اس کرۂ ارضی پر صحیح ترین کتاب ہے نیز امام مسلم اپنی صحیح کی کتاب''الامارۃ'' میں نبی کریم کے خادم سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مقام قباء میں تشریف لے گئے اور انس کی خالہ ام حرام بنت ملحان کے یہاں قیلولہ فرمایا تو آپ ہنستے ہوئے بیدار ہوئے۔آپ نے خواب میں دیکھا کہ آپ کی امت کے کچھ لوگ تاج و تخت سے آراستہ اعداء دین سے بحری جنگ لڑ رہے ہیں آپ پھر سو گئے اور وہی خواب دیکھا ام حرام نے کہا حضور دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان مجاہدین میں شامل کر دے۔آپ نے فرمایا تو پہلے مجاہدین میں شامل ہے۔''
(صحیح بخاری کتاب الاستئذان۔ باب من زار قوماً فقال عنها (حدیث: ۶۲۸۳، ۶۲۸۲)، صحیح مسلم۔ کتاب الامارۃ۔ باب فضل الغزو فی البحر (حدیث:۱۹۱۲) حافظ ابن کثیر''البدایة والنهایة''(۸/۳۲۹) پر لکھتے ہیں:''حدیث میں جس غزوہ کی پیش گوئی کی گئی ہے اس سے مراد وہ بحری لڑائی ہے جو ۲۷ ہجری میں سیدنا عثمان کی خلافت کے زمانہ میں سیدنا معاویہ کے زیر قیادت لڑائی لڑی گئی اور جس میں آپ نے جزیرہ قبرص کو فتح کیا۔امیر معاویہ کے لیے یہ فخر کیا کم ہے کہ

احادیث صحیحہ میں وارد ہے کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا: ثقیف کے قبیلہ میں ایک کذاب اور

آپ اوّلین اسلامی بحری بیڑے کے بانی تھے۔ یہ بات نبی کریم کے معجزات میں شامل ہے کہ ام حرام جس نے مجاہدین کے زمرہ میں شریک ہونے کی خواہش کا اظہار کیا تھا اور آپ نے اس کو پہلے مجاہدین میں شمولیت کی بشارت دی تھی امیر معاویہ کے بحری بیڑہ میں شریک تھیں ان کے خاوند سیدنا عبادہ بن صامت اور دیگر صحابہ میں سے ابودرداء اور ابوذر رضی اللہ عنہم بھی رفیق لشکر تھے۔ ام حرام نے اسی جگہ وفات پائی اور آج تک آپ کی قبر قبرص میں موجود ہے۔ حافظ ابن کثیر مزید فرماتے ہیں:
''غزوہ قسطنطنیہ کے موقع پر دوسرے لشکر کی قیادت کا شرف یزید بن معاویہ کے حصہ میں آیا جس سے نبی کریم کے دوسرے خواب کی تعبیر بروئے کار آئی۔ یہ آپ کی رسالت کی صداقت کے عظیم دلائل میں سے ایک ہے۔''
عباسی خلافت میں تملق وخوشامد کا دور دورہ تھا۔ اور لوگ بنوامیہ کے محاسن کو معائب کا رنگ دے کر عباسی خلفاء کی خوشنودی حاصل کرتے تھے اسی دوران میں چند طالب علم امام الائمہ سلیمان بن مہران الاعمش کوفی کے یہاں جمع ہوکر سیدنا عمر بن عبدالعزیز کے عدل و انصاف کا ذکر کرنے لگے یہ سنکر امام اعمش بولے: ''اگر تم امیر معاویہ کا عہد خلافت دیکھ لیتے تو پھر کیا ہوتا'' طلبہ نے عرض کیا: ''کیا آپ کی مراد سیدنا معاویہ کے حلم اور بردباری سے ہے۔'' فرمایا اللہ کی قسم! نہیں بلکہ آپ عدل وانصاف میں یکتا تھا۔''
امام اعمش مجاہد سے روایت کرتے ہیں کہ اس نے کہا:
''اگر تم سیدنا معاویہ کو دیکھ لیتے تو کہتے کہ یہی مہدی ہیں۔''
یونس بن عبید قتادہ بن دعامہ سدوسی سے روایت کرتے ہیں کہ اس نے کہا:
''اگر تم سیدنا معاویہ جیسے کام کرنے لگو تو اکثر لوگ کہنے لگیں کہ تم ہی مہدی ہو۔''
ابواسحاق السَّبِیعی نے ایک دن سیدنا معاویہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا:
''اگر تم ان کا زمانہ پا لیتے تو کہتے کہ یہی مہدی ہیں۔''
امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اپنی تصنیف کتاب الزہد طبع مکہ میں سیدنا معاویہ کا نام زہد میں ضرب المثل کے طور پر بیان کیا ہے۔ میں نے کتاب ''العواصم من القواصم'' کے حواشی پر اس کا ذکر کیا ہے۔ یہ امر قابل غور ہے کہ ایک طرف امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی یہ اصلی تصویر ہے جو صلحائے امت محمدی سے منقول ہے۔ دوسری جانب شیعہ کی پیش کردہ جعلی تصویر ہے جو فساق و فجار نے اپنی پر از ضلالت کتب میں امت محمدی کے لاتعداد لوگوں کو مبتلائے فریب کرنے کے لیے وضع کی ہے۔ (فَاللّٰهُ حَسِيْبُهُمْ وَ هُوَ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ)

ایک قاتل ہوگا۔ ❶ کذاب سے مختار مراد ہے اور قاتل سے مراد حجاج بن یوسف۔ مختار کا والد ابوعبید ثقفی بڑا نیک آدمی تھا اس نے مجوس سے لڑتے ہوئے شہادت پائی۔ مختار کی بہن صفیہ بنت ابی عبید عبداللہ بن عمر کے نکاح میں تھیں۔ یہ بڑی نیک دل خاتون تھیں۔ مختار بدترین شخص تھا۔

شیعہ کا یہ قول کہ عائشہ عثمان کو قتل کرانا چاہتی تھیں اور اسی سازش میں شریک رہا کرتی تھیں۔ وہ کہا کرتی تھیں: ''بوڑھے احمق کو قتل ❷ کردو۔''

جب عائشہ کو قتل عثمان کی خبر پہنچی تو بہت خوش ہوئیں۔''

۱۔ اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ اس کی دلیل پیش کیجیے۔

۲۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ سیدہ عائشہ سے جو روایات منقول ہیں یہ اس کے خلاف ہے۔ ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ قتل عثمان کو نفرت وحقارت کی نگاہ سے دیکھتیں اور اس میں شرکت کرنے والوں......خواہ ان کا بھائی محمد بن ابوبکر ہو یا کوئی اور مذموم قرار دیتی تھیں۔

۳۔ فرض کیجیے صحابہ میں سے کوئی......سیدہ عائشہ ہوں یا کوئی اور......غصہ کی حالت میں کوئی بات

---

❶ صحیح مسلم۔ کتاب فضائل الصحابة۔ باب ذکر کذاب ثقیف و مبیرھا (حدیث: ۲۵۴۵)

❷ یہ شیعہ کا وضع کردہ جھوٹ ہے۔ نعثل کا لفظ صرف قاتلین عثمان کی زبان پر جاری ہوا۔ قاتلین عثمان میں سے اوّلین شخص جس نے نعثل کا لفظ بولا وہ جبلہ بن عمرو ساعدی تھا۔ اس نے کہا: ''اے نعثل میں آپ کو قتل کرکے ایک خارشی اونٹ پر سوار کروں گا اور اسے شہر سے باہر پتھریلی زمین کی طرف ہانک دوں گا۔ (دیکھیے تاریخ طبری: ۵/۱۱۴، مطبع حسینیہ) بعدازاں یہ لفظ جنگ جمل کے موقع پر ہانی بن خطاب ارجی کی زبان پر جاری ہوا وہ کہتا ہے۔

اَبَتْ شُیُوْخُ مُذْحَجٍ وَّ هَمْدَانَ
اَنْ لَّا یَرُدُّوْا نَعْثَلًا کَمَا کَانَ

تیسری مرتبہ یہ لفظ عبدالرحمٰن بن حنبل جمحی نے جنگ صفین کے موقع پر بولا۔ وہ کہتا ہے:

اِنْ تَقْتُلُوْنِیْ فَاَنَا ابْنُ حَنْبَل
اَنَا الَّذِیْ قَتَلْتُ فِیْکُمْ نَعْثَلًا

جب جبلہ بن عمرو ساعدی نے سیدنا عثمان کے گھر کا محاصرہ کرتے ہوئے پہلی مرتبہ نعثل کا لفظ بولا سیدہ عائشہ اس وقت مکہ مکرمہ میں محو عبادت تھیں۔ جب حج سے واپس لوٹیں تو یہ لفظ آپ کے کانوں تک پہنچا۔

کہے تو اس کی بات کیوں کہ حجت ہو سکتی ہے۔[1]

اس سے نہ کہنے والے کی شان میں کوئی فرق آتا ہے نہ اس کی شان میں جس کے بارے میں وہ لفظ کہا گیا۔ بایں ہمہ وہ دونوں جنتی بھی ہو سکتے ہیں اور اللہ کے ولی بھی۔ حالانکہ ان میں سے ایک دوسرے کو واجب القتل اور کافر تصور کرتا ہے مگر وہ اس ظن میں خطا کار ہے۔

سیدنا علی اور دیگر صحابہ سے حاطب بن ابی بلتعہ کا واقعہ مذکور ہے جو بدر اور حدیبیہ میں شرکت کر چکے تھے۔ سیدنا علی بیان کرتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ نے فتح مکہ کا ارادہ کیا تو حاطب نے مشرکین مکہ کے نام ایک خط لکھا اور اس میں نبی کریم کے تمام راز منکشف کر دیے۔ وحی کے ذریعہ آپ ان تمام حالات سے باخبر ہوئے، سیدنا علی و زبیر کو بلا کر کہا مکہ کی جانب چلتے جاؤ اور جب باغ خاخ آ جائے تو وہاں تمھیں ایک شتر سوار عورت ملے گی اس کے پاس ایک خط ہوگا۔ وہ خط اس سے لے لیجیے۔ جب علی و زبیر وہ خط لے کر واپس لوٹے تو نبی کریم نے حاطب کو بلا کر خط لکھنے کا سبب دریافت کیا۔ حاطب نے کہا: اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! میں نے یہ فعل اس لیے انجام نہیں دیا کہ میں مرتد ہو گیا یا کفر پر راضی ہو گیا تھا۔

اصل معاملہ یہ ہے کہ میں نسباً قریشی نہیں ہوں، بلکہ باہر سے آ کر مکہ میں آباد ہوا تھا۔ مدینہ میں جو لوگ ہجرت کر کے آئے ہیں، مکہ میں ان کے عزیز و اقارب ہیں جو ہر طرح ان کے گھر بار کی حفاظت کرتے ہیں، میں نے چاہا کہ اس طرح قریش کو ممنون کر دوں تا کہ وہ میرے کنبہ کی حفاظت کرتے رہیں۔''

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ حضور! اجازت دیجیے کہ اس منافق کی گردن اڑا دوں۔ آپ نے فرمایا: ''حاطب بدر میں شرکت کر چکا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کے متعلق فرمایا ہے: ﴿اِعۡمَلُوۡا مَا شِئۡتُمۡ فَقَدۡ غَفَرۡتُ لَکُمۡ﴾ (جو اعمال چاہو انجام دو میں نے تمھیں بخش دیا۔'' اسی دوران

---

[1] اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ انسان خطا و نسیان سے مرکب ہے، اور رسولوں کے سوا کوئی بشر معصوم نہیں ہو سکتا۔ صحابہ کرام اور خاص طور پر خلفاء راشدین انسانیت کی اعلیٰ ترین صفات سے بہرہ ور ہیں، تاہم وہ خطا کے مرتکب ہو سکتے ہیں اور وہ ایک دوسرے کی خطا کو درست بھی کرتے ہیں، وہ خطا کا ارتکاب کرنے کے باوصف قلبی طہارت، صفاء نیت، صدق جہاد اور سلامت مقاصد کی بنا پر باقی مسلمانوں سے بلند ترین مقام و مرتبہ پر فائز ہیں۔

میں سورۂ ممتحنہ کی یہ آیت نازل ہوئی۔

''ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ، تم ان کے ساتھ دوستی لگانا چاہتے ہو، حالانکہ جو حق تمہارے پاس آیا ہے وہ اس کے منکر ہیں، وہ رسول کو اور تمھیں صرف اس جرم میں تمہارے وطن عزیز سے نکالتے ہیں کہ تم اللہ پر جو تمہارا رب ہے ایمان رکھتے اور میری خوشنودی حاصل کرنے کے لیے میری راہ میں جہاد کرتے ہو، تم چپکے چپکے ان سے دوستانہ مراسم استوار کرتے ہو، حالانکہ جو کام تم پوشیدہ یا ظاہر کرو میں اس سے آگاہ ہوں، تم میں سے جو ایسا کرے گا وہ سیدھی راہ سے بھٹک گیا۔'' (سورہ ممتحنہ)[1]

حاطب بن ابی بلتعہ:

اہل علم حاطب کے واقعہ کی صحت پر متفق ہیں۔ یہ واقعہ مفسرین، فقہاء اور علماء سیر وتواریخ کے یہاں خبر متواتر کا درجہ رکھتا ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اپنے عہد خلافت میں جب فتنہ پروری کا دور دورہ تھا یہ واقعہ بیان فرمایا کرتے تھے۔ اس کا راوی سیدنا علی کا کاتب عبداللہ بن ابی رافع ہے۔ واقعہ بیان کرنے سے آپ کا مقصد یہ ثابت کرنا تھا کہ سابقین اوّلین صحابہ باہمی مشاجرات و تنازعات کے باوصف خدا تعالیٰ کے نزدیک مغفور ہیں۔

اس بات پر مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ سیدنا عثمان وطلحہ زبیر رضی اللہ عنہم حاطب رضی اللہ عنہ سے بہر حال افضل ہیں۔ نیز یہ کہ مشرکین مکہ کو خط لکھ کر حاطب رضی اللہ عنہ نے جس جرم کا ارتکاب کیا تھا وہ ان لغزشوں کی نسبت عظیم تر تھا جو سابقین اوّلین صحابہ کی جانب منسوب ہیں۔ بایں ہمہ آپ نے اس کو قتل کرنے سے روکا اور اس کے جہنمی ہونے کی تردید کی، جس کی وجہ یہ تھی کہ حاطب بدر و حدیبیہ میں شرکت کر چکا تھا، تاہم سیدنا عمر نے فرمایا تھا: اجازت دیجیے کہ میں اس منافق کی گردن اڑا دوں۔ آپ نے اسے منافق کہا اور مباح الدم قرار دیا۔ اس کے باوجود کسی کے ایمان میں فرق آیا نہ جنتی ہونے میں۔

بخاری و مسلم میں واقعہ افک کی تفصیلات مذکور ہیں۔ جب یہ واقعہ پیش آیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

---

[1] صحیح بخاری۔ کتاب المغازی۔ باب فضل من شهد بدراً (حدیث: ۳۹۸۳، ۴۸۹۰)، صحیح مسلم۔ کتاب فضائل الصحابة۔ باب من فضائل حاطب بن ابی بلتعة (حدیث: ۲۴۹۴)

''مجھے ایسے شخص کی ایذا سے کون نجات دے گا، جس نے میرے اہل کے بارے میں مجھے بڑی تکلیف دی ہے۔ اللہ کی قسم! مجھے اپنے اہل کے بارے میں خیر ہی کی امید ہے اور جس شخص کے ساتھ ان کو متہم کیا جا رہا ہے اس کے بارے میں بھی میں خیر کے سوا اور کچھ نہیں جانتا۔''

یہ سن کر قبیلہ اوس کے سردار سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اٹھے...... یہ وہی سعد بن معاذ ہیں جن کی موت پر عرش الٰہی پر لرزہ طاری ہو گیا تھا۔ احکام الٰہی میں انھیں کسی ملامت گر کی پروا نہیں ہوا کرتی تھی۔ انھوں نے اپنے حلیف بنی قریظہ کے بارے میں فیصلہ صادر کیا تھا کہ لڑنے والوں کو قتل کیا جائے۔ بچوں کو قیدی بنایا جائے اور ان کے مال کو مال غنیمت تصور کیا جائے۔ یہ سن کر نبی کریم نے فرمایا تھا کہ تو نے ان کے بارے میں اللہ کا وہ فیصلہ صادر کیا ہے جو سات آسمانوں کے اوپر سے نازل ہوا تھا......اور کہا اے اللہ کے رسول! ہم اس خدمت کے لیے حاضر ہیں، اگر وہ اوس کے قبیلہ سے تعلق رکھتا ہوگا تو ہم اسے موت کے گھاٹ اتا دیں گے اور اگر خزرج کا آدمی ہوا تو اس کے بارے میں ہم آپ کے حکم کی تعمیل کریں گے۔

یہ سن کر سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اٹھے اور کہا آپ نے جھوٹ بولا، اللہ کی قسم! آپ اسے قتل نہیں کر سکتے۔ اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر کہا۔

آپ جھوٹ بولتے ہیں، اللہ کی قسم! ہم اسے قتل کر کے رہیں گے۔ آپ منافق ہیں اور اسی لیے منافقین کی وکالت کر رہے ہیں۔''

اوس وخزرج آپس میں گتھم گتھا ہونے والے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر سے اتر کر انھیں خاموش کیا۔ [1]

اب ظاہر ہے کہ یہ تینوں اصحاب سابقین اوّلین میں سے تھے اور اس کے باوصف اُسید رضی اللہ عنہ نے سعد رضی اللہ عنہ کو منافق کہا، حالانکہ دونوں کا ولی اللہ اور جنتی ہونا کسی شک وشبہ سے بالا ہے۔ اس سے یہ حقیقت منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوتی ہے کہ بعض اوقات ایک شخص بنا بر تاویل دوسرے شخص کو کافر قرار دیتا ہے، حالانکہ ان میں سے کوئی بھی کافر نہیں ہوتا۔

---

[1] صحیح بخاری، کتاب المغازی۔ باب حدیث الافک(حدیث ٤١٤١)۔ صحیح مسلم کتاب التوبة، باب فی حدیث الافک(حدیث ٢٧٧٠)

باقی رہا، مالک بن دخشم کے بارے میں بعض صحابہ کا یہ قول ''لوگوں کا خیال تھا کہ نبی کریم مالک بن دخشم کے بارے میں بد دعا کرتے اور وہ ہلاک ہو جاتا۔ نبی کریم ﷺ نے صحابہ کی یہ بات سن کر فرمایا: ''کیا وہ اس بات کی شہادت نہیں دیتا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔؟'' ❶

بڑے آدمی کے لیے معصوم ہونا شرط نہیں:

بڑے آدمی کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ معصوم ہو اور اجتہادی غلطی سے بھی پاک ہو، اس سے بڑھ کر ہم سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی معصوم قرار نہیں دیتے۔ البتہ لوگوں کے بارے میں جو گفتگو ہو وہ ظلم و جہل کی بجائے علم و عدل پر مبنی ہونی چاہیے۔ بخلاف ازیں روافض کا یہ حال ہے کہ وہ دو قریب الفضیلت اشخاص میں تقابل کرتے ہوئے ایک کو معصوم قرار دیتے اور دوسرے کو ظلم و گناہ کا مجسمہ قرار دیتے ہیں۔ یہ بات ان کے جہل و تناقض کی آئینہ دار ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی یہودی یا نصرانی جب سیدنا موسیٰ یا عیسیٰ کی نبوت کا اثبات کرنے کے ساتھ ساتھ سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر تنقید کرے گا تو اس کے عجز و جہل اور تناقض کا اظہار ہو گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سیدنا موسیٰ یا عیسیٰ کی رسالت کے اثبات میں وہ جو دلیل پیش کرے گا، اسی دلیل کو بلکہ اس سے بھی قوی تر دلیل و برہان سے نبی کریم ﷺ کی رسالت ثابت ہو گی۔

خلاصہ یہ کہ جو شخص بھی دو مماثل چیزوں میں تفریق پیدا کرے گا یا ایک چیز کی مدح کرے اور بعینہٖ اس جیسی چیز کی مذمت کرے یا بالعکس وہ اسی قسم کے عجز و جہل اور تناقض کا شکار ہو گا۔ علماء و مشائخ کے اتباع کا بھی یہی حال ہے، جب کوئی شخص اپنے ہادی و پیشوا کی مدح میں رطب اللسان ہو اور اس جیسے دوسرے بزرگ کی مذمت کا مرتکب ہو تو وہ بھی تناقض کے مرض میں مبتلا ہو گا۔

شیعہ مصنف کا یہ قول کہ ''عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا خلافت کے منصب پر کون فائز ہوا ہے؟'' لوگوں نے جواب دیا: سیدنا علی خلیفہ قرار پائے ہیں۔ عائشہ، عثمان کا قصاص لینے کے دعویٰ سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے لڑنے کے لیے تیار ہو گئیں۔ حالانکہ ان کا کوئی قصور نہ تھا۔''

ہم کہتے ہیں، شیعہ مصنف کا یہ قول کہ عائشہ، طلحہ اور زبیر نے سیدنا علی کو سیدنا عثمان کا قاتل قرار

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، باب المساجد فی البیوت (حدیث:٤٢٥)، صحیح مسلم ـ کتاب الإیمان ـ باب الدلیل علی ان من مات علی التوحید......(حدیث:٣٣) واللفظ له ـ

دیا تھا۔اس لیے وہ سیدنا علی کے خلاف صف آراء ہوئے۔صریح بہتان ہے ان کا مطالبہ صرف یہ تھا کہ سیدنا علی قاتلین عثمان کو ان کی تحویل میں دے دیں۔وہ اس حقیقت سے کلیتاً آگاہ تھے کہ سیدنا علی کا دامن قتل عثمان سے اتنا ہی پاک تھا جتنا کہ خود ان کا۔ وہ صرف یہ چاہتے تھے کہ جن قاتلوں نے سیدنا علی کے ہاں پناہ لی ہے وہ ان کو تفویض کر دیے جائیں، مگر سیدنا علی اور سیدہ عائشہ دونوں اس پر قادر نہ تھے،اس کی وجہ یہ تھی کہ قاتلین عثمان کے قبائل ان کی پشت پناہی کر رہے تھے۔فتنہ کی حقیقت بھی یہی ہے کہ ایک مرتبہ جب وہ بپا ہو جاتا ہے تو عقلاء اس کو فرو کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاصَّةً ﴾(انفال)

''اس فتنہ سے بچ جاؤ جو صرف ظالموں کو ہی اپنی لپیٹ میں نہیں لے گا۔''

جب فتنہ کا ظہور ہوتا ہے تو وہی شخص اس میں آلودہ ہونے سے محفوظ رہتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ بچالے۔

شیعہ مصنف کا یہ قول کہ ''قتل عثمان کی بنا پر سیدنا علی پر کیا جرم عائد ہوتا ہے'' اس کے تناقض کا آئینہ دار ہے۔رافضی مصنف اس زعم میں مبتلا ہے کہ سیدنا علی، قتل عثمان کو مباح تصور کرتے تھے۔اور یہ قتل آپ کی مساعی کا رہین منت تھا۔ [1]

---

[1] قبل ازیں شیعہ مصنف کا یہ قول بیان کیا جا چکا ہے کہ سب لوگ سیدنا عثمان کو قتل کرنے کے حق میں تھے'' ہم نے وہاں بیان کیا تھا کہ سیدنا علی دیگر صحابہ کرام کی طرح سیدنا عثمان کی حفاظت کرنا چاہتے تھے۔اسی بنا پر آپ نے سیدنا حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو ان کی حفاظت و نگرانی کے لیے مامور فرمایا تھا۔ہم نے یہ واقعہ بھی ذکر کیا تھا کہ ایک مرتبہ جب سیدنا علی اپنے گھر میں داخل ہوئے تو اپنی بیٹیوں کو روتا ہوا پایا اور جب انھوں نے یہ بتایا کہ وہ قتل عثمان پر آنسو بہا رہی ہیں تو آپ نے فرمایا'' روتی رہو''

جنگ جمل میں جب سیدنا علی نے سنا کہ سیدہ عائشہ قاتلین عثمان پر لعنت بھیج رہی ہیں اور فوج کے لوگ آپ کی دعا کو دہرا رہے ہیں تو آپ نے یہ دعا فرمائی:

'' اَللّٰهُمَّ الْعَنْ قَتَلَةَ عُثْمَانَ '' (اے اللہ! قاتلین عثمان پر لعنت بھیج)

یہ دلائل و براہین ذکر کرنے سے ہمارا مقصد یہ ثابت کرنا ہے کہ سیدنا علی،سیدنا عثمان کے بارے میں وہی رائے رکھتے ہیں جو اہل سنت کی ہے اور وہ بھی قاتلین عثمان پر لعنت بھیجتے تھے۔ نیز یہ کہ آپ روافض کی طرح اس غلط فہمی میں مبتلا نہ تھے کہ سیدنا عثمان سے بغض و عناد رکھنا قاتلین عثمان کی مدد کرنا اور ان کے

اکثر شیعان علی وعثمان سیدنا علی کو قاتل عثمان قرار دیتے ہیں۔ یہ دونوں گروہ تعصب کے مریض ہیں ایک فریق سیدنا علی کی بے جا طرف داری کا ارتکاب کرتا ہے اور دوسرا سیدنا عثمان کا حامی اور سیدنا علی کا دشمن ہے، جمہور اہل اسلام ان دونوں فرقوں کو جھوٹا سمجھتے ہیں۔ روافض کا قول ہے کہ سیدنا علی، قتل عثمان بلکہ سیدنا ابوبکر وعمر کے قتل کو مباح سمجھتے اور ان کو قتل کرنے والے کی تائید ونصرت کو اجر وثواب کا موجب قرار دیتے تھے۔ ظاہر ہے کہ جو شخص یہ عقیدہ رکھتا ہو وہ یہ بات کیوں کر کہہ سکتا ہے کہ قتل عثمان میں سیدنا علی پر کیا گناہ ہے؟ البتہ اہل سنت کے قول کے مطابق سیدنا علی کو منزہ قرار دے سکتے ہیں یہ امر اس بات کا آئینہ دار ہے کہ روافض کے یہاں کس قدر تناقض پایا جاتا ہے۔

شیعہ مصنف کا یہ اعتراض کہ ''طلحہ وزبیر کے لیے سیدہ عائشہ کی اعانت ورفاقت کیوں کر جائز ہوئی؟''

ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ یہ شیعہ کے جہل وتناقض کا بین ثبوت ہے اس موقع پر طلحہ و زبیر کو ہدف ملامت بنانے کے لیے وہ سیدہ عائشہ کی مدح وتوصیف میں رطب اللسان نظر آتے ہیں مگر اتنا نہیں سوچتے کہ ان کے اعتراض کی اصل آماج گاہ سیدنا علی ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ سیدنا طلحہ و زبیر سیدہ عائشہ کا بے حد اکرام واحترام کرتے تھے اور ان کے یا سیدہ عائشہ کے بارے میں کسی غلط کاری کے ارتکاب کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اگر شیعہ مصنف طلحہ وزبیر کے بارے میں یہ کہہ سکتا ہے کہ ''وہ نبی کریم کو کیا منہ دکھائیں گے'' تو ایک ناصبی (سیدنا علی کا مخالف) یہ کہنے کا مجاز ہے کہ سیدنا علی نبی کریم کو کیا منہ دکھائیں گے جب کہ وہ آپ کی بیوی (سیدہ عائشہ) کے خلاف نبرد آزما ہوئے اور آپ کو اس حد تک تکلیف پہنچائی کہ ان کے اعوان وانصار نے اس اونٹ کی کونچیں کاٹ ڈالیں

فعل شنیع کو سراہنا ایک مستحسن امر ہے۔

ہم شیعہ مصنف کے اس دعویٰ کا ذکر کر چکے ہیں کہ سیدنا علی سیدنا عثمان کو مباح الدم تصور کرتے تھے۔ اب وہ اس کے عین برعکس یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ سیدہ عائشہ اور ان کے رفقاء نے سیدنا علی پر یہ اتہام لگایا تھا کہ آپ عثمان کو جائز القتل تصور کرتے ہیں اور اسی بنا پر آپ کے خلاف نبرد آزما ہوئے۔ حالانکہ جن و انس اس حقیقت سے آگاہ ہیں کہ سیدنا علی عثمان کے بارے میں شیعہ کے ہم خیال ہرگز نہ تھے۔ بخلاف ازیں وہ آغاز اسلام سے تادم واپسیں سیدنا عثمان کو اپنا بھائی سمجھتے رہے۔ آپ یہ بھی جانتے تھے کہ سیدہ عائشہ اور ان کے اعوان وانصار کا مقصد وحید قاتلین عثمان (لَعَنَهُمُ اللّٰهُ وَ اَعَدَّ لَهُم جَهَنَّم) سے قصاص لینے میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تعاون اور امداد کرنا تھا اور بس!''

جس پر سیدہ عائشہ سوار تھیں۔ نتیجتاً سیدہ عائشہ محمل سے گر پڑیں اور ان کے اعداء ایک قیدی عورت کی طرح آپ کو گھیرے ہوئے تھے۔ ظاہر ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی تذلیل یہ ہے نہ یہ کہ سیدنا طلحہ و زبیر مدینہ سے ایک باعزت ملکہ کی طرح بحفاظت تمام آپ کو لائے، کسی کو آپ کے پاس پھٹکنے کی اجازت نہ تھی۔ طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما بھی آپ کے لیے اجنبی نہ تھے۔ علاوہ ازیں فوج میں بہت سے لوگ آپ کے محرم تھے۔ مثلاً عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کہ آپ کے بھانجے تھے اور ان کی خلوت آپ کے ساتھ کتاب و سنت اور اجماع کی رو سے جائز ہے۔ اسی طرح شرعاً محرم کے ساتھ سفر کرنے کی بھی اجازت ہے۔

جہاں تک اس لشکر کا تعلق ہے جو سیدہ عائشہ کے برخلاف برسرِ پیکار تھا اگر اس میں سیدہ عائشہ کا بھائی محمد بن ابی بکر...... جس نے سیدہ عائشہ کی جانب دست تعدّی دراز کیا تھا...... نہ ہوتا تو اجنبی لوگ آپ پر زیادتی کرنے سے نہ چوکتے۔ سیدہ عائشہ نے دست درازی کرنے والے کے بارے میں دریافت فرمایا: ''یہ کس کا ہاتھ ہے اللہ اسے آگ میں جلائے؟'' محمد بن ابی بکر نے کہا: ''ہمشیرہ! کیا آخرت سے پہلے دنیا میں جلائے؟'' سیدہ عائشہ نے فرمایا: ''ہاں دنیا میں آخرت سے پہلے'' چنانچہ محمد بن ابوبکر کو مصر میں جلا دیا گیا تھا۔

اگر ناصبی شیعہ کو مخاطب کر کے کہے، جب حسین قتل کیے گئے تھے تو تمہارے قول کے مطابق آل حسین کو قیدی بنا لیا گیا تھا۔ حالانکہ ان کے ساتھ وہی کچھ ہوا جو سلوک سیدہ عائشہ سے روا رکھا گیا تھا۔ سیدہ عائشہ کو واپس مدینہ بھیج دیا گیا اور حسب ضرورت نان و نفقہ بھی دیا گیا تھا۔ اسی طرح قابو پا کر آل حسین کو ان کے گھروں میں پہنچا دیا گیا اور نان و نفقہ بھی دیا گیا تھا۔ اگر اس کا نام قیدی بنانا ہے اور یہ حرمت نبوی کے منافی ہے تو بے شک سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھی قیدی بنایا گیا اور حرمت رسول کو پیش خاطر نہیں رکھا گیا تھا۔''

شیعہ اہل سنت پر زبان طعن دراز کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب ایک شامی نے فاطمہ بنت حسین کو قیدی بنانا چاہا تو سیدہ عائشہ نے اس سے روکتے ہوئے کہا: ''اللہ کی قسم! ہم اسی صورت میں ایسا کر سکتے ہیں جب کہ ہم اپنا دین چھوڑ کر پورے کافر ہو جائیں۔''

بفرض محال اگر ایسا ہوا بھی تھا تو جو لوگ سیدنا علی سے اس بات کی اجازت طلب کرتے تھے کہ جنگ جمل و صفین میں جو لوگ ان کے حریف ہیں ان کو قیدی بنایا جائے اور ان کے مال کو مال غنیمت

تصور کیا جائے وہ رفقائے عائشہ کی نسبت بڑے مجرم تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ جن لوگوں کو قیدی بنانا پیش نظر تھا ان میں سیدہ عائشہ اور دیگر خواتین بھی تھیں۔ علاوہ ازیں جو لوگ سیدنا علی سے یہ مطالبہ کر رہے تھے وہ دینی اعتبار سے اسے جائز سمجھتے اور اس پر اصرار کرتے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب سیدنا علی ان کے افکار و آراء سے متفق نہ ہوئے تو انھوں نے سیدنا علی کے خلاف خروج کیا اور آپ ان کے خلاف نبرد آزما ہوئے۔

اس کے عین برخلاف جس شامی نے فاطمہ بنت حسین رضی اللہ عنہا کو قیدی بنانا چاہا تھا وہ ایک محروم اقتدار غیر معروف آدمی تھا۔ نیز یہ کہ وہ شخص دینی حیثیت سے نہیں کرنا چاہتا تھا بلکہ جب حاکم با اختیار نے اس سے روکا تو وہ اس سے باز رہا۔ خلاصہ کلام یہ کہ مسلمانوں کے خون ناموس و آبرو اور حرمت رسول کو حلال قرار دینے والوں کی تعداد اموی فوج کی نسبت سیدنا علی کی فوج میں زیادہ تھی۔ یہ ایک ایسی بات ہے کہ اس پر سب لوگوں کا اتفاق ہے، خوارج ہی کو دیکھئے جو سیدنا علی کی فوج سے الگ ہو گئے تھے۔ یہ عسکر معاویہ کے شریر ترین لوگوں سے بھی شریر تر تھے۔ اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خلاف جنگ لڑنے کا حکم دیا[1] اور سب صحابہ نے ان کے خلاف صف آراء ہونے پر اجماع منعقد کر لیا تھا۔

یہ ایک نا قابل انکار حقیقت ہے کہ روافض خوارج سے بھی زیادہ جھوٹے، ان سے بڑے ظالم اور کفر و نفاق اور جہالت میں بھی ان سے گوئے سبقت لے گئے ہیں۔ علاوہ ازیں روافض کوارج کی نسبت عجز و ذلت میں بڑھے ہوئے ہوتے ہیں اور لطف یہ ہے کہ یہ دونوں فریق سیدنا علی ہی کی فوج سے وابستہ تھے۔ یہی لوگ تھے جو سیدنا علی کی کمزوری کا سبب قرار پائے اور آپ اپنے حریفوں کے مقابلہ سے عاجز رہے۔

ہمارا مقصد یہاں یہ بتانا ہے کہ شیعہ سیدنا طلحہ و زبیر کو جن اعتراضات کا نشانہ بناتے ہیں۔ سیدنا علی پر ان سے بھی زیادہ اہم اعتراضات وارد ہوتے ہیں۔ اگر شیعہ یہ جواب دیں کہ سیدنا علی مجتہد تھے بنا بریں وہ طلحہ و زبیر کی نسبت اقرب الی الحق تھے تو ہم کہیں گے کہ طلحہ و زبیر بھی مجتہد تھے۔ اگرچہ سیدنا علی طلحہ و زبیر سے افضل تھے تاہم اگر سیدہ عائشہ کی امداد کے لیے ان کا مدینہ سے نکلنا گناہ کا کام تھا تو

---

[1] صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوة فی الاسلام(حدیث:۳۶۱۱)، صحیح مسلم۔ کتاب الزکاة۔ باب التحریض علی قتل الخوارج(حدیث:۱۰۶۶)

سیدنا علی کا اقدام اس سے بھی بڑا جرم ہے۔

اگر شیعہ کہیں کہ طلحہ و زبیر چونکہ سیدہ عائشہ کو لے کر لڑنے کے لیے آ گئے تھے اس لیے سیدنا علی کے فعل کی ذمہ داری ان دونوں پر عائد ہوتی ہے تو اہل سنت اس کے جواب میں یہ مثال پیش کر سکتے ہیں کہ جب سیدنا معاویہ سے کہا گیا کہ آپ نے سیدنا عمار بن یاسر کو قتل کرایا حالانکہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا تھا کہ ''اے عمار! تجھے باغی گروہ قتل کرے گا۔'' یہ سن کر سیدنا معاویہ نے کہا: ''کیا ہم نے عمار کو قتل کیا؟ ان کے قتل کے ذمہ دار تو وہ لوگ ہیں جو ان کو ہماری تلواروں کے نیچے لے آئے تھے۔ [1]

اگر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی یہ دلیل قابل تسلیم نہیں تو ان لوگوں کی دلیل و برہان بھی نا قابل قبول ہے، جو کہتے ہیں کہ سیدہ عائشہ کی توہین و تذلیل کے ذمہ دار طلحہ و زبیر ہیں۔ اور اگر یہ دلیل قابل احتجاج ہے تو سیدنا معاویہ کے استدلال سے بھی انحراف کی گنجائش نہیں۔ روافض دیگر ظالم و جاہل لوگوں کی طرح ہمیشہ اسی قسم کے دلائل کا سہارا لینے کے عادی ہیں جن سے ان کے اپنے اقوال کا فساد و تناقض ثابت ہوتا ہے۔ یہ دلائل ایسے ہوتے ہیں کہ اگر ان کے نظائر و امثال سے شیعہ کے خلاف احتجاج کیا جائے تو ان کے اقوال کا تانا بانا ٹوٹ کر رہ جاتا ہے اور اگر ان کے نظائر نا قابل احتجاج ہوں تو اس سے ان دلائل کا بطلان لازم آتا ہے۔ اس لیے کہ متماثلین کے مابین مساوات ضروری ہے، مگر اس کا کیا علاج کہ شیعہ کا منتہائے مقصود صرف خواہش نفس ہے جس کے لیے علم کی چنداں ضرورت نہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰهُ بِغَیْرِ هُدًی مِّنَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ﴾ (القصص: ۲۸/ ۵۰)

شیعہ مضمون نگار لکھتا ہے:

''یہ کیوں کر ممکن ہے کہ جب سیدہ عائشہ سیدنا علی کے خلاف صف آرا ہوئیں تو دس ہزار مسلمان آپ کی تائید و نصرت کے لیے تیار ہو گئے اور جب سیدہ فاطمہ ابوبکر سے اپنا حق طلب کرنے کے لیے گئیں تو کسی نے بھی آپ کے حق میں ایک لفظ تک نہ کہا۔''

واضح رہے کہ یہ دلیل شیعہ کے حق میں مفید ہونے کے بجائے ان کے سخت خلاف ہے۔ کوئی

---

[1] مسند احمد (۴/ ۱۹۹)، مستدرك حاكم (۴/ ۳۸۶، ۳۸۷)

سلیم العقل آدمی اس بات میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں سمجھتا کہ مسلمان نبی کریم اور آپ کے اقارب خصوصاً آپ کی دختر نیک اختر کا ابوبکر و عمر سے زیادہ احترام کرتے تھے۔ یہ امر بھی شک وشبہ سے بالا ہے کہ عرب جاہلیت و اسلام میں نبی کریم کے قبیلہ بنی عبد مناف کے سیدنا ابوبکر کے قبیلہ بنی تیم اور سیدنا عمر کے قبیلہ بنی عدی سے زیادہ مطیع فرمان تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب سیدنا صدیق منصب خلافت پر فائز ہوئے تو ان کے والد ابوقحافہ نے پوچھا۔ کیا بنومخزوم اور بنوعبد شمس رضا مند ہیں؟'' لوگوں نے کہا، ہاں! ابوقحافہ نے کہا: یہ خاص عنایت ایزدی ہے''[1] یہ امر قابل ذکر ہے کہ جب سیدنا ابوبکر کی بیعت خلافت ہوئی تو ابوسفیان سیدنا علی کے یہاں آئے اور کہا: ''تمھیں یہ بات پسند ہے کہ خلافت بنوتیم میں ہو؟'' تو سیدنا علی نے جواباً فرمایا ''ابوسفیان! اسلام کا معاملہ جاہلیت سے مختلف ہے۔''

سیدہ فاطمہ کے واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی مسلمان نے بھی سیدہ فاطمہ کو مظلوم نہیں سمجھا اور نہ ہی ابوبکر کو ظالم تصور کیا تھا۔ بفرض محال اگر مسلمان سیدہ فاطمہ کی امداد سے قاصر تھے تو آخر بات کرنے میں کیا حرج تھا؟

سیدہ فاطمہ مظلوم نہ تھیں:

جب کسی شخص نے سیدہ فاطمہ کی امداد کی نہ آپ کے حق میں ایک لفظ کہا تو یہ اس بات کا روشن ثبوت ہے کہ آپ پر ظلم نہیں ڈھایا گیا تھا۔

اس پر مزید یہ کہ سیدنا ابوبکر اس ضمن میں کسی کی گفتگو پر کان دھرنے سے منکر نہ تھے۔ وہ طبعاً ابر بھی نہ تھے۔ نظر بریں یہ کسی طرح تسلیم نہیں کیا جا سکتا کہ الفت ومودّت کے اسباب کی موجودگی میں سب مسلمان رسول اکرم کی دختر نیک اختر کے دشمن بن گئے تھے۔ سیدنا علی کا بھی یہی حال ہے۔ یہ ناقابل انکار حقیقت ہے کہ دورِ جاہلیت و اسلام میں جمہور قریش و انصار کو خصوصاً اور اہل عرب کو عموماً سیدنا علی سے کوئی شکایت نہ تھی البتہ سیدنا عمر فاروق بدوعربوں کے حق میں بڑے سخت تھے۔ یوں بھی آپ کی شدت وحدّت ضرب المثل کی حد تک معروف تھی۔ مگر بایں ہمہ آپ خلیفہ منتخب ہوئے اور اس قدر مقبول ہوئے کہ جب شہید ہوئے تو کوئی شخص آپ سے ناراض نہ تھا بلکہ سب لوگوں کو آپ کی شہادت کا صدمہ ہوا۔ اس سے یہ حقیقت نکھر کر سامنے آتی ہے کہ سیدنا عمر کے بارے میں شیعہ کے دعاوی بے بنیاد ہیں نیز یہ کہ مسلمان سیدہ فاطمہ کو قطعی طور پر مظلوم تصور نہیں کرتے تھے۔

---

[1] طبقات ابن سعد(۳/۱۸۴)

پھر یہ بات کس قدر حیرت آفریں ہے کہ مسلمان سیدنا عثمان کا قصاص لینے کے لیے تو اپنی جانیں تک قربان کردیں مگر آپ کے اہل بیت کا کوئی یارو مددگار نہ ہو۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ صفین میں بنوعبد مناف کی مخالفت کے باوجود سیدنا معاویہ کی نصرت واعانت کے لیے گردنیں تک کٹوا دیں مگر سیدنا ابوبکر کی بیعت کے بعد ان کو منصب خلافت سے الگ کرنے کے لیے کوئی مسلمان سیدنا علی کا ساتھ نہ دے حالانکہ بنوعبد مناف ان کے ساتھ تھے۔ مثلاً عباس بن عبد المطلب ، بنی ہاشم میں سب سے بڑے تھے اور ابوسفیان بن حرب بنوامیہ میں سب سے بڑے تھے اور یہ دونوں اکابر سیدنا علی کی طرف مائل تھے۔ اب سوال یہ ہے کہ ایسے نازک مرحلہ پر لوگوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر سیدنا ابوبکر کے خلاف صف آرائی کیوں نہ کی؟ حالانکہ صدیقی خلافت کا ابھی آغاز تھا اور سیدنا علی کی نصرت وحمایت کے لیے لڑنا اولیٰ وافضل تھا۔ تاریخ اسلام کے ایسے نازک موڑ پر اگر کچھ لوگ سامنے آ کر یہ کہہ دیتے کہ علی وصی ہیں، لہٰذا ہم کسی اور کی بیعت کرکے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کا ارتکاب نہیں کر سکتے۔ نیز یہ کیوں کر ممکن ہے کہ بنوہاشم سیدنا علی کو چھوڑ کر بنوتیم کے ظالموں اور منافقوں کا ساتھ دیں؟

اگر ایسا ہوتا تو عوام الناس ان کی حمایت کے لیے کھڑے ہو جاتے خصوصاً جب کہ سیدنا ابوبکر کے پاس ترغیب وتخویف کا کوئی سامان موجود نہ تھا۔ فرض کیجیے سیدنا ابوبکر کی امداد کے لیے سیدنا عمر اور لوگوں کی ایک جماعت موجود تھی۔ تو یہ لوگ کسی صورت میں بھی تعداد کے اعتبار سے ان لوگوں سے زیادہ نہیں ہو سکتے جو واقعہ جمل میں طلحہ وزبیر اور واقعہ صفین میں سیدنا معاویہ کے ساتھ تھے اور اس کے باوصف سیدنا علی نے ان سے جنگ کی تھی۔ اب سوال یہ ہے کہ سیدنا علی کو ابوبکر صدیق کے خلاف نبرد آزما ہونے سے کیا چیز مانع تھی؟ یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ اگر سیدنا علی حق پر ہوتے تو ابوبکر وعمر اور سابقین اوّلین صحابہ دنیا کے بدترین لوگوں میں سے ہوتے اور ان کا ظالم وجاہل ہونا کسی شک وشبہ سے بالا ہوتا۔ حالانکہ یہ بات ظاہر البطلان ہے۔

اس سے یہ حقیقت نکھر کر سامنے آتی ہے کہ شیعہ مذہب کا بانی ملحد وزندیق اور دین اسلام واہل اسلام کا دشمن تھا اور وہ تاویل کرنے والے مبتدعین مثلاً خوارج وقدریہ کی طرح نہ تھا۔ اہل ایمان میں شیعہ کے اقوال اس لیے رائج ہو گئے کہ وہ جہالت کی بنا پر کھرے اور کھوٹے میں امتیاز قائم نہ کر سکے۔ [1]

---

[1] شیعہ کے یہاں یہ اصطلاح عام طور سے رائج ہے کہ وہ خواص اہل سنت کو ''غافلین'' اور عوام کو ''مغفلین'' کہہ کر پکارتے ہیں۔ جب کاظمی مصنف نے ان سطور کے راقم کو پریشان کرنے کے لیے اپنی کتاب''

یہ بڑا اہم سوال ہے کہ وہ کون سے محرکات تھے جن کے تحت صحابہ نے جنگ جمل میں سیدنا علی کے خلاف سیدہ عائشہ کا ساتھ دیا، مگر جب سیدہ فاطمہ، سیدنا ابوبکر سے اپنا حق طلب کرنے کے لیے آئیں تو کوئی مدد کے لیے تیار نہ ہوا؟ اگر صحابہ دنیوی مال ومتاع اور سیاسی اقتدار کے بھوکے تھے تو انھیں بنو ہاشم (سیدنا علی) کا ساتھ دینا چاہیے تھا جو عرب بھر میں ممتاز تھے۔ اسی بنا پر صفوان بن اُمیہ جمحی نے غزوہ حنین کے موقع پر کہا تھا۔ اللہ کی قسم! اگر کوئی قریشی مجھے اپنا غلام بنا لے تو یہ بات مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ ثقیف کا کوئی آدمی میرا آقا ہو۔ ❶

جو لوگ فتح مکہ کے موقع پر مشرف بہ اسلام ہوئے تھے، صفوان ان میں سرکردہ آدمی تھا وہ سابقہ مقولہ کی طرح یہ بات کہنے کا حق رکھتا تھا۔ اگر بنی عبد مناف کا کوئی شخص مجھے اپنا غلام بنا لے تو یہ بات مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ ثقیف کا کوئی آدمی میرا آقا ہو۔'' پھر یہ سوال بھی بے جا نہیں کہ جب صحابہ دنیوی اقتدار کے حریص تھے تو اس مقصد کے لیے عباس رضی اللہ عنہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نسبت موزوں تر تھے، پھر ان کو خلیفہ کیوں نہ بنا لیا؟ اس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ صحابہ نے حق پر عمل کیا تھا اور وہ حق و صداقت کا دامن کسی صورت میں چھوڑنے کے لیے تیار نہ تھے۔

ازواج النبی، سب امہات المومنین تھیں:

شیعہ مصنف لکھتا ہے: ''عائشہ کو ام المومنین کہہ کر پکارتے ہیں جب کہ دیگر امہات المومنین کو اس لقب سے ملقب نہیں کرتے۔''

ہم کہتے ہیں کہ یہ کھلا ہوا بہتان ہے اور ہر کس و ناکس اس سے آگاہ ہے۔ علاوہ ازیں یہ شیعہ قلم

نجات المسلمین'' تصنیف کی اور اس کتاب کے صفحہ ۴۰ پر احقر کے بارے میں یہ الفاظ تحریر کیے۔ ''یہ شخص (محبّ الدین الخطیب) غافل ہے نہ مغفل'' یہ تاثر اس نے تب ظاہر کیا جب دیکھا کہ ان سطور کا راقم حقائق سے بخوبی آگاہ ہے۔ اور مجرمین کے جرائم کی نشاندہی کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتا اور اس کے ساتھ ساتھ ان کی یاوہ گوئی کو خاطر میں نہیں لاتا اس لیے کہ اس سے اپنا اور قارئین کرام کا وقت بے مقصد رائیگاں جاتا ہے (محبّ الدین الخطیب)

❶ ایک روایت میں ثقیف کی بجائے ''ہوازن'' کا لفظ ہے۔ ہوازن وثقیف دونوں بھائی بھائی تھے اور بنی منصور بن عکرمہ بن خصفہ بن قیس عیلان بن مضر کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ سیرۃ ابن ہشام (ص: ٥٦٥)

کار کی واضح جہالت کا ثبوت ہے، کسی شخص سے یہ امر پوشیدہ نہیں کہ ازواج النبی کو آیت قرآنی کے اتباع میں امہات المومنین کہہ کر پکارا جاتا تھا۔ البتہ شیعہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ اس سے صرف وہی شخص انکار کرسکتا ہے جو حقائق کا منکر ہو اور یہاں تک کہہ دے کہ سیدنا حسین سیدہ فاطمہ کے بیٹے نہ تھے، جیسا کہ شیعہ کا فرقہ نصیر یہ کہتا ہے کہ حسن وحسین سیدنا علی کے بیٹے نہ تھے، بلکہ ان کے والد سلمان فارسی تھے۔ بعض شیعہ کا قول ہے کہ سیدنا ابوبکر و عمر نبی کریم کے پہلو میں مدفون نہیں، نیز یہ کہ سیدنا رقیہ و ام کلثوم نبی کریم ﷺ کی بیٹیاں نہیں، بلکہ کسی دوسرے خاوند سے سیدہ خدیجہ کی بیٹیاں ہیں۔ [1]

شیعہ مصنف کا قول ہے:

''عائشہ کے بھائی محمد بن ابی بکر کو ''خال المومنین'' (مومنوں کا موموں) نہیں کہتے اور معاویہ کو اس لقب سے نوازتے ہیں۔''

ہم کہتے ہیں کہ یہ جاہل اہل سنت کا قول ہے اور وہ شیعہ کو چڑانے کے لیے اس طرح کہتے ہیں ورنہ دونوں میں کوئی فرق نہیں۔

علماء کے یہاں یہ امر متنازع فیہ ہے کہ آیا ازواج النبی کے بھائیوں کو ''ماموں'' کہا جائے یا نہیں؟ بعض نے اسے جائز ٹھہرایا ہے [1] جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مومنوں کے بہت سے ماموں اور خالہ ہوں گی۔ پھر اسی رشتہ سے ابوبکر و عمر نانا ٹھہریں گے۔ نیز یہ کہ جتنی خالہ ہوں گی ان سے نکاح حرام ہوگا، حالانکہ کوئی بھی اس کا قائل نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ازواج النبی کے لیے نسب کے احکام

---

1. آخری شخص جس نے سیدنا رقیہ وام کلثوم کے دختر رسول ہونے سے انکار کیا ہے دشمن اللہ محمد مہدی کاظمی قزوینی ہے۔ موصوف شیعہ مصنف نے اپنی کتاب ''منہاج: ۲/۲۹۱ میں نہ صرف دونوں کے دختر رسول ہونے سے انکار کیا ہے بلکہ وہ ان کی فضیلت وعظمت کا بھی منکر ہے۔

2. چونکہ شیعہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی عظمت وفضیلت کے منکر تھے اور اس میں وہ حد درجہ تجاوز کر گئے تھے اس کا ردعمل یہ ہوا کہ لوگوں نے سیدنا معاویہ کو اس لقب (خال المومنین) سے نوازا۔ قاضی ابوبکر بن العربی المتوفی (۴۶۸.....۵۴۳) لکھتے ہیں کہ انھوں نے عباسی خلافت کے زمانہ یعنی پانچویں صدی کے نصف ثانی اور چھٹی صدی کے نصف اول میں بغداد کی مساجد کے دروازوں پر یہ الفاظ لکھے ہوئے بچشم خود مشاہدہ کیے تھے۔ نبی ﷺ کے بعد سب لوگوں سے بہتر ابوبکر ہیں، پھر عمر، پھر عثمان، پھر علی اور پھر مومنوں کے ماموں معاویہ رضی اللہ عنہم۔ (العواصم من القواصم، ص: ۲۱۳)

ثابت نہیں ہیں، البتہ حرمت کے پیش نظران کوامہات المومنین کہا جاتا ہے۔ان کے ساتھ نکاح حرام ہے، البتہ وہ کسی کی محرم نہیں ہیں۔

جب روافض نے سیدنا معاویہ کی تکفیر اوران پر لعنت بھیجنے کی اجازت دے دی تو بعض اہل سنت نے آپ کو'' خال المومنین'' کے لقب سے ملقب کیا۔ہم شیعہ مضمون نگار سے پوچھتے ہیں کہ اس نے عبداللہ بن عمر کا ذکر کیوں نہیں کیا۔ جو معاویہ اور محمد بن ابوبکر دونوں سے افضل تھے؟ محمد بن ابی بکر کے سیدنا علی کے ساتھ مختص ہونے کی وجہ یہ تھی کہ محمد آپ کے پروردہ اور آپ کی بیوی کے بیٹے تھے ۔اس لیے کہ سیدنا ابوبکر کی وفات کے بعد سیدنا علی نے آپ کی بیوی اور محمد کی ماں اسماء بنت عمیس کے ساتھ نکاح کر لیا تھا۔عثمانی خلافت کے زمانہ میں سیدنا عثمان نے محمد بن ابی بکر پر شرعی حد لگائی تھی جس سے ناراض ہو کر محمد نے آپ کے خلاف خروج کیا۔سیدنا علی کے عہد خلافت میں محمد بن ابی بکر آپ کی جانب سے والی مصر قرار پایا۔ پھر لڑائی میں مارا گیا اور نعش جلا دی گئی اور اس طرح اس کے گناہوں کا کفارہ ہو گیا اور قتل اس کے حق میں بہتر ثابت ہوا۔

روافض کی یہ پرانی عادت ہے کہ وہ سیدنا علی کے معاونین کی مدح وستائش میں رطب اللسان رہتے ہیں۔اسی عادت کے مطابق وہ محمد بن ابوبکر کی تعریف وتوصیف میں مبالغہ آمیزی سے کام لیتے ہیں، جس کی حد یہ ہے کہ وہ محمد کوان کے والد سیدنا ابوبکر کے مقابلہ میں افضل قرار دیتے ہیں، یہ کہاں کا انصاف ہے کہ سرور کائنات کے بعد افضل امت پر تو لعنت بھیجی جائے اوران کے اس بیٹے کی مدح و ستائش میں زمین وآسمان کے قلابے ملائے جائیں جس کو صحبت نبوی حاصل ہے نہ کوئی اور فضیلت۔ اس سے تعظیم فی الانساب میں تناقض لازم آتا ہے۔اگر کسی شخص کے والد کے کافر یا فاسق ہونے سے اس کو کچھ نقصان نہیں پہنچتا تو ہمارے نبی کریم، سیدنا ابراہیم اور سیدنا علی کو ان کے آباء کے کافر ہونے کی بنا پر کچھ ضرر لاحق نہیں ہوگا، اور اگر ضرر پہنچتا ہے تو سیدنا ابوبکر کے کفر وفسق (والعیاذ باللہ) سے یقیناً محمد بن ابی بکر کی ذات میں بھی قدح وارد ہوگی۔شیعہ محمد بن ابی بکر کے مداح ہیں اور ادھر جمہور اہل اسلام محمد کے بیٹے قاسم [1] اوراس کے پوتے عبدالرحمٰن بن قاسم کو اس سے افضل قرار دیتے ہیں۔

---

[1] قاسم بن محمد فقہائے سبعہ اوران فضلاء میں سے تھے جو شریعت وسنت کی عمارت کے لیے ایک عظیم ستون کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ابو الزناد عبداللہ بن ذکوان جو امام مالک ولیث بن سعد رحمہم اللہ کے استاد تھے، فرماتے ہیں کہ:''میں نے قاسم سے بڑھ کر عالم حدیث نہیں دیکھا۔''

شیعہ محمد کے بیٹے قاسم اور پوتے عبدالرحمٰن کو صرف اس لیے نفرت وحقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں کہ وہ شرارت پسند نہ تھے۔

باقی رہا شیعہ مصنف کا یہ قول کہ ''محمد بن ابی بکر عظیم المرتبت تھا۔'' تو اگر عظمت سے مراد عظمت نسب ہے تو یہ بے کار ہے، اس لیے کہ شیعہ اس کے والد اور بہن کے بارے میں زبان طعن دراز کرتے ہیں۔ اہل سنت کا معاملہ اس سے یک سر جداگانہ نوعیت کا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے یہاں عظمت وفضیلت کا مدار وانحصار نسب پر نہیں، بلکہ تقوی پر ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ﴾ (الحجرات: ۱۳/۴۹)

''تم میں سب سے زیادہ باعزت اللہ کے نزدیک وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔''

اگر شیعہ مصنف کے نزدیک محمد بن ابی بکر کی عظمت شان اس کی سبقت اسلام اور ہجرت و نصرت کی رہین منت ہے تو اسے معلوم ہونا چاہئے کہ محمد صحابہ میں شمار نہیں ہوتا اور مہاجرین و انصار صحابہ کسی میں بھی وہ شامل نہیں اور اگر رافضی قلم کار محمد بن ابی بکر کو بہت بڑا دین دار تصور کرتا ہے تو وہ غلطی کا شکار ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ محمد علماء وفضلاء اور اپنے طبقہ کے صلحاء میں شمار نہیں ہوتا اور اگر جاہ و منزلت کی بنا پر رافضی مضمون نگار اسے عظیم قرار دیتا ہے تو اس فضیلت میں سیدنا معاویہ میں محمد بن ابی بکر کے مقابلہ میں زیادہ دین دار اور زیادہ حلیم وکریم تھے۔

سیدنا معاویہ کے لیے یہ فضیلت کیا کم ہے کہ آپ حدیثیں روایت کرتے اور فقہی مسائل پر تنقید وتبصرہ فرمایا کرتے تھے۔ محدثین نے آپ کی روایات اپنی کتب میں مندرج کی ہیں۔ بعض علماء نے آپ کے فیصلہ جات اور فتاوی جمع کیے، اس کے عین برخلاف حدیث وفقہ کی قابل اعتماد کتب میں محمد بن ابی بکر کا ذکر تک نہیں پایا جاتا۔

شیعہ مصنف لکھتا ہے۔

''محمد بن ابی بکر کا باپ اور اس کی بہن معاویہ کے باپ اور اس کی بہن سے افضل تھے۔''

ہم کہتے ہیں کہ یہ دلیل سابقاً ذکر کردہ دونوں قاعدوں کی بنا پر باطل ہے۔ وجہ بطلان یہ ہے کہ اہل سنت کے یہاں کسی شخص کی فضیلت کا معیار حسب ونسب نہیں، بلکہ اس کی اپنی ذات ہے۔ نظر

بریں محمد کے لیے یہ امر ذرہ بھر مفید نہیں کہ وہ سیدنا ابوبکر و عائشہ سے قریبی تعلق رکھتا ہے، دوسری طرف یہ نسبی فضیلت سیدنا معاویہ کے حق میں کچھ بھی قدح وارد نہیں کرتی۔ اہل سنت کے یہاں یہ معروف اصل ہے۔

اس قاعدہ کو ایک مثال کے ذریعہ یوں واضح کر سکتے ہیں کہ سیدنا بلال وصُہیب وخباب اور ان کے نظائر و امثال وہ لوگ ہیں جو سابقین اوّلین صحابہ میں شامل ہیں اور فتح مکہ سے قبل انفاق و جہاد کے ذریعے عظیم انسانی واسلامی خدمات انجام دے چکے تھے۔ دوسری جانب وہ لوگ ہیں جو فتح مکہ کے بعد مشرف باسلام ہوئے۔ مثلاً ابوسفیان بن حرب اور آپ کے دونوں بیٹے معاویہ و یزید۔ نیز ابوسفیان بن حارث۔ ربیعہ بن حارث اور عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہم۔ یہ حسب ونسب کے اعتبار سے پہلے لوگوں کے مقابلہ میں افضل ہیں جب کہ وہ شرافت نسبی سے بہرہ ور نہیں۔ مگر جو فضیلت پہلے لوگوں کے حصہ میں آئی۔ دوسرے اس میں شریک نہیں ہیں، اگر فضیلت وشرافت کا مدار حسب ونسب پر ہوتا تو فتح مکہ کے بعد مسلمان ہونے والے یہ قریش سب سے زیادہ افضل و اکرم ہوتے۔

اگر روافض حسب ونسب کو فضیلت کا معیار قرار دیں تو محمد ان کے اس معیار پر بھی پورے نہیں اترتے، بلکہ وہ ان کے وضع کردہ قاعدہ کی بنا پر شرّ الناس ٹھہریں گے، اس کی وجہ یہ ہے کہ شیعہ محمد کے والد سیدنا ابوبکر اور ان کی ہمشیرہ سیدہ عائشہ صدیقہ کو نفرت وحقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ لہٰذا ان کے اپنے قاعدہ کے مطابق محمد بن ابی بکر عظیم المرتبت نہیں ہو سکتے۔ اور اگر شیعہ اہل سنت کو قائل کرنے کے لیے الزامی جواب کے طور پر محمد بن ابی بکر کے حق میں یہ بات کہتے ہیں تو اہل سنت تو صرف تقوی کو معیار عظمت وشرافت قرار دیتے ہیں اور بس! جس کی دلیل یہ آیت قرآنی ہے۔

﴿اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاکُمْ﴾

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طلیق بن طلیق (جو لوگ فتح مکہ کے دن اسلام لائے ان کو طلیق کہتے ہیں اس کی جمع طلقاء ہے) معاویہ پر لعنت کی اور فرمایا: جب اسے میرے منبر پر دیکھو تو قتل کردو۔'' معاویہ کو کاتب وحی کہا جاتا ہے حالانکہ اس نے وحی کا ایک لفظ بھی نہیں لکھا تھا وہ صرف خطوط لکھا کرتا تھا۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کاتب وحی تھے:

ہم کہتے ہیں کہ یہ حدیث کسی اسلامی کتاب میں نہیں ہے [1] حفاظ حدیث اسے جھوٹ تصور کرتے ہیں، محدث ابن جوزی نے اسے موضوعات میں شمار کیا ہے۔ مزید یہ کہ معاویہ سے بھی بدتر لوگ آپ کے منبر پر چڑھے اور انھیں قتل نہ کیا جا سکا۔ باقی رہا رافضی کا قول ''طلیق بن طلیق'' تو اس میں مذمت کی کوئی بات نہیں۔ اس لیے کہ فتح مکہ کے روز جو لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے تھے، انھوں نے خلوص دل سے دین کو قبول کیا تھا، مثلاً حارث بن ہشام اور ان کا بھتیجا سیدنا عکرمہ، سہیل بن عمرو [2] صفوان بن امیہ، یزید بن ابی سفیان، حکیم بن حزام اور ان کے نظائر و امثال یہ سب لوگ

---

[1] سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ نے سیدنا معاویہ کو منبر رسول پر دیکھا تھا اور آپ کی اقتداء میں نماز بھی پڑھی اس لیے کہ آپ شرعی امام اور نائب رسول تھے۔

[2] سہیل بن عمرو خطیب قریش تھا اور بنی عامر بن لویّ کے قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر قریش کا سفیر بن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تھا، فتح مکہ کے دن جب آپ نے اہل مکہ کو خطاب کر کے کہا تھا: ''تم مجھ سے کیا توقع رکھتے ہو؟'' تو وہ سہیل ہی تھا جس نے یہ جواب دیا: ''ہم بھلائی کی توقع رکھتے ہیں، کیوں کہ آپ اچھے بھائی اور اچھے بھتیجے ہیں۔'' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً فرمایا: میں وہی بات کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسف علیہ السلام نے کہی تھی، آج تم پر بھی کچھ عتاب نہیں۔'' (ابن زنجویہ فی الاموال، الاصابة(۲/۹۵) طبقات ابن سعد(۷/۱۲۶) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تالیف قلب کے طور پر سہیل کو سو اونٹ عطا کیے۔ (مستدرك حاکم(۳/۲۸۱)، و فی اسنادہ الواقدی متروك وانظر الاصابة(۲/۹۵)، مسند احمد(۳/۲۴۶)

خلافت فاروقی میں مہاجرین و انصار سیدنا عمر کے دروازہ پر کھڑے تھے اور آپ انھیں مقام و مرتبہ کے مطابق باری باری اندر بلاتے جاتے تھے۔ اس موقع پر فتح مکہ کے دن مسلمان ہونے والے چند صحابہ بھی موجود تھے، وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے، سہیل بن عمرو نے یہ دیکھ کر کہا تم خود قصوروار ہو۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت اسلام دی، تو انھوں نے جلدی اس دعوت پر لبیک کہا اور تم نے دیر لگا دی اب اسی تاخیر کا خمیازہ بھگت رہے ہو، جب جنت کے دروازوں کی جانب دعوت دی جائے گی تو اس وقت کیا کیفیت ہوگی۔'' یہ کہہ کر سہیل جہاد کے لیے روانہ ہوئے اور کہا اللہ کی قسم! میں نے جتنی لڑائیاں کفار کے ساتھ ہو کر لڑی ہیں اب اسی قدر مسلمانوں کی نصرت و حمایت کے لیے لڑوں گا، اور جتنا مال میں نے کفر کی حمایت میں صرف کیا تھا اتنا ہی مسلمانوں پر خرچ کروں گا۔'' (مستدرك حاکم(۳/۲۸۱)، معجم

خالص الاسلام تھے۔سیدنا معاویہ کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جو دل کی سچائی سے اسلام لائے۔سیدنا عمر فاروق نے سیدنا معاویہ کے بھائی یزید کے بعد ان کو والیٔ شام مقرر کیا تھا۔سیدنا عمر بے جا طرف داری کرنے والے نہ تھے اور نہ انھیں کسی کی ملامت کی پرواتھی۔مزید براں معاویہ کے والد ابوسفیان کے ساتھ آپ کے دوستانہ مراسم بھی نہ تھے بلکہ فتح مکہ سے پہلے جب سیدنا عباس، ابوسفیان کو بارگاہ نبوی میں لائے تھے تو آپ اسے قتل کرنا چاہتے تھے [1] اگر سیدنا عمر ناروا حمایت کرنے والے ہوتے تو قبیلہ بنی ساعدی میں سے اپنے اقارب کو کلیدی آسامیوں پر متعین فرماتے۔

سیدنا معاویہ دمشق اور دیگر بلاد شام میں بیس سال تک امیر اور بیس سال تک خلیفہ رہے۔آپ کی رعایا آپ کے حسن سلوک، تالیف قلب اور خوبیٔ انتظام و انصرام کی مداح تھی اور آپ پر جان چھڑکتی تھی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جنگ صفین میں انھوں نے سیدنا علی کا ساتھ نہ دیا۔حالانکہ سیدنا علی سیدنا معاویہ کے نظائر و امثال سے افضل و اولیٰ بالحق تھے۔سیدنا معاویہ کے فوجی سیدنا علی کی فضیلت کے معترف تھے، تاہم انھوں نے جنگ میں سیدنا معاویہ کا ساتھ دیا، کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ سیدنا علی

کبیر طبرانی(٦٠٣٨)، و فی اسناده انقطاع)

علی ہذا القیاس جب ہم ایک ایک کرکے صحابہ کرام کے سیر و سوانح کا مطالعہ کرتے ہیں تو ان کی زندگی سے ہمیں ایسے زریں سبق ملتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کو خیر الامت قرار دینا ہی قرین مصلحت تھا۔امام شافعی رحمہ اللہ سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرماتے ہیں: یہ جب سے اسلام لائے تھے اسی وقت سے خالص الاسلام تھے۔

جن لوگوں کو شیعہ اور ان کے اتباع طنزاً ''طلقاء'' کہہ کر پکارتے ہیں ان کے بارے میں انھیں قطعی طور پر معلوم ہے کہ وہ اولیاء اللہ و اصحاب رسول میں سے تھے، ان میں بعض لوگ سہیل بن عمرو سے بھی افضل اور جہاد میں پیش پیش تھے۔ان کے سرخیل سیدنا معاویہ اور ان کے بھائی تھے، جن کے اسلام پر بڑے احسانات ہیں۔سیدنا معاویہ کی چھوٹی سے چھوٹی فضیلت یہ ہے کہ آپ اوّلین اسلامی بحری بیڑے کے بانی اور پہلے شخص تھے جس نے سمندر میں بحری جنگ کا آغاز کیا۔سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام قباء میں جو خواب دیکھا تھا اس میں آپ نے اس پیش گوئی کا اظہار فرمایا۔(صحیح بخاری۔ کتاب الاستئذان، باب من زار قوما فقال عندھم، (حدیث: ٦٢٨٢)، صحیح مسلم۔ کتاب الامارة، باب فضل الغزو فی البحر (حدیث: ١٩١٢)

[1] سیرة ابن ھشام(٥٤٣-٥٤٥)

کی فوج میں قاتلین عثمان شامل ہیں، جنھوں نے سراسر ظلم کا ارتکاب کیا ہے۔لڑائی کا آغاز کرنے والے بھی سیدنا علی کے ساتھی تھے اور حملہ آور سے لڑنا روا ہے یہی وجہ ہے کہ سیدنا علی کے سرگرم معاون اشتر نخعی نے کہا تھا''لوگ ہمارے مخالفین کی مدد کرتے ہیں، کیوں کہ ہم نے لڑائی کا آغاز کیا ہے۔'' یہ حقیقت ہے کہ سیدنا علی قاتلین عثمان کی سرکوبی سے قاصر تھے۔ علاوہ ازیں آپ کے امراء واعوان آپ کی اطاعت نہیں کرتے تھے،اس کے برعکس سیدنا معاویہ کے رفقاء آپ کے مطیع فرمان تھے۔

شیعہ مضمون نگار لکھتا ہے:

''معاویہ سیدنا علی کے خلاف صف آراء ہوئے، حالانکہ سیدنا علی اہل سنت کے نزدیک چوتھے خلیفہ برحق تھے اور جو شخص خلیفہ برحق سے لڑتا ہے وہ باغی اور ظالم ہوتا ہے۔''

ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ باغی بعض اوقات بنابر تاویل اپنے آپ کو حق پر تصور کرتا ہے۔بعض دفعہ اس کی بغاوت کی محرک اس کی تاویل بازی، شہوت نفس یا کوئی شک وشبہ ہوتا ہے۔ بہر کیف یہ اعتراض سرے سے وارد ہی نہیں ہوتا۔علاوہ ازیں ہم سیدنا معاویہ بلکہ ان سے افضل لوگوں کو بھی منزہ عن الخطاء تصور نہیں کرتے۔

کیا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ باغی تھے:

سیدنا مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ تاریخ میں مشہور ہے کہ ایک مرتبہ سیدنا مسور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ خلوت نشین تھے۔معاویہ نے پوچھا: آپ مجھ میں کیا عیب دیکھتے ہیں؟ مسور نے چند امور کا ذکر کیا، سیدنا معاویہ نے کہا: ''اے مسور! کیا آپ سے کچھ گناہ سرزد ہوئے ہیں؟'' کہا ''ہاں'' سیدنا معاویہ نے پوچھا: ''کیا تمھیں مغفرت کی امید ہے؟'' مسور نے کہا: ''ہاں کیوں نہیں'' سیدنا معاویہ نے کہا''تم مجھ سے زیادہ رحمت الٰہی کے امیدوار کیوں کر ہوئے؟'' اللہ کی قسم! مجھے جب بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے سوا کسی دوسری چیز میں اختیار دیا گیا تو میں نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو ترجیح دی۔ میں حلفاً کہتا ہوں کہ جہاد، اقامت حدود، امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں میرے اعمال کا پلڑا آپ سے بھاری ہے۔ علاوہ ازیں میں ایسے دین پر عمل پیرا ہوں جس کا اللہ حسنات کو قبول کرتا اور سیئات سے درگزر کرتا ہے۔ [1]

اگر خوارج ونواصب شیعہ حضرات سے پوچھیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مومن ہونے کی کیا

[1] البدایة والنهایة(۸/۱۳۳۔۱۳۴) بحواله عبد الرزاق

دلیل ہے؟

تو شیعہ اس کے سوا اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ آپ کا مشرف باسلام ہونا اور آپ کی کثرت عبادت تواتر سے ثابت ہے۔ اس کے جواب میں وہ کہہ سکتے ہیں کہ تواتر سے تو ابوبکر وعمر کا اسلام وتقوی بھی ثابت ہوتا ہے، مگر تم اسے تسلیم نہیں کرتے، پھر ہمارے اور تمہارے مابین کیا فرق وامتیاز پایا جاتا ہے؟ اگر شیعہ ظواہر قرآنیہ سے احتجاج کریں تو یہ سیدنا علی اور ابوبکر وعمر فریقین کو شامل ہیں، اگر روافض پوری جماعت کو اس فضیلت سے مستثنیٰ کریں گے تو ہم سیدنا علی کو اس سے الگ کر دیں گے۔

اگر شیعہ صحابہ کے بارے میں وارد شدہ فضائل ومناقب سے احتجاج کریں تو یہ فضائل سیدنا ابوبکر وعمر کی شان میں بھی وارد ہیں، لہٰذا ان کو بھی قبول کرنا چاہئے اور اگر شیعہ صحابہ کو مطعون کریں گے تو سیدنا علی بھی اس سے بچ نہیں سکتے، اگر شیعہ اس بات سے احتجاج کریں کہ لوگوں نے سیدنا علی کی بیعت کی تھی تو خوارج ونواصب کہہ سکتے ہیں کہ خلفائے ثلاثہ کی بیعت اس سے کہیں بڑھ کر تھی، اس لیے کہ اہل شام اور اکثر اہل مصر نے سیدنا علی کی بیعت نہیں کی تھی۔

نواصب کہتے ہیں کہ سیدنا علی باغی تھے، آپ نے امن عامہ میں خلل ڈالا اور لڑائی کا آغاز کر کے بلاوجہ امت کا خون بہایا۔ سیدنا علی خلافت میں شمشیر کفار سے دور اور مسلمانوں کے سر پر آویزاں رہی۔

خوارج سیدنا سیدنا عثمان وعلی دونوں کو مورد طعن بناتے ہیں۔ عمرو بن عبید اور معتزلہ کی ایک جماعت کہتی ہے کہ علی وعثمان دونوں میں سے ایک فاسق تھا مگر یہ معلوم نہیں کہ وہ کون ہے؟ امام ذہبی کہتے ہیں کہ معتزلہ کا یہ قول جنگ جمل کے بارے میں ہے، یوم صفین سے متعلق عمرو بن عبید، واصل ابن عطاء اور ابو ہذیل علاف کہتے ہیں کہ سیدنا علی سیدنا معاویہ کے خلاف برسر پیکار ہونے میں حق بجانب تھے، یہ روایت امام ابن حزم رحمہ اللہ نے نقل کی ہے۔ خوارج کی ایک جماعت کہتی ہے کہ سیدنا علی حق پر تھے مگر تحکیم کے بعد کافر ہو گئے۔

حدیث عمار کا جواب:

اگر کہا جائے کہ سیدنا معاویہ کے ساتھ باغی تھے، کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عمار کو مخاطب کر کے فرمایا: ''تجھے باغی جماعت قتل کرے گی۔''[1]

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، باب التعاون فی بنا المسجد، (حدیث:۴۴۷،۲۸۱۲)

ہم کہتے ہیں یہ حدیث صحیح ہے۔ ❶

بعض محدثین نے اس حدیث پر جرح کی ہے۔بعض نے اس کی تاویل کی ہے اور باغی سے طالب مراد لیا ہے، مگر یہ دعویٰ بلا دلیل ہے۔امام ابوحنیفہ، مالک اور احمد بن حنبل رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ سیدنا معاویہ کے رفقاء میں باغی لشکر کے شرائط نہیں پائے جاتے تھے یہی وجہ ہے کہ آغاز کار میں ان سے لڑنے کا حکم نہیں دیا گیا۔ ❷ بلکہ ارشاد ہوا کہ دو فریق لڑ پڑیں۔تو ان میں صلح کرا دی جائے۔ پھر جو

---

❶ یہ الفاظ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی کی تعمیر کے وقت ارشاد فرمائے۔ باقی صحابہ ایک ایک اینٹ لا رہے تھے اور سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ دو دو، یہ دیکھ کر آپ نے یہ الفاظ ارشاد فرمائے یہ روایت ابوسعید خدری نے عکرمہ مولیٰ ابن عباس اور علی بن عبداللہ بن عباس کو سنائی۔

❷ محبّ الدین الخطیب ''العواصم من القواصم'' (ص:۱۷۰) میں حاشیہ پر لکھتے ہیں۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھے کہ جنگ صفین میں آپ کی حیثیت ایک باغی کی نہ تھی کیوں کہ آپ نے اس کا آغاز نہیں کیا تھا۔ بخلاف ازیں معاویہ لڑائی کے لیے اس وقت نکلے جب سیدنا علی نے کوفہ سے نکل کر شام پر حملہ کرنے کے لیے نخیلہ کے مقام پر پڑاؤ ڈالا تھا یہی وجہ ہے کہ جب سیدنا عمار مارے گئے تو سیدنا معاویہ نے فرمایا: ''عمار کے قتل کی ذمہ داری ان لوگوں پر عائد ہوتی ہے جو ان کو یہاں لائے۔''

الخطیب فرماتے ہیں: ''میری ذاتی رائے یہ ہے کہ مسلمانوں کے ہاتھوں جو مسلمان سیدنا عثمان کے بعد مارے گئے، ان کے قتل کے ذمہ دار سیدنا عثمان کے قاتل ہیں، اس لیے کہ انھوں نے فتنہ کے دروازوں کو کھولا اور عرصہ مدید تک اس کو ہوا دیتے رہے، اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کے مابین جذبات حقد و عناد کے بھڑکانے کا موجب ہوئے۔ اگر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کا سانحہ فاجعہ پیش نہ آتا تو جنگ جمل و صفین وقوع پذیر نہ ہوتے جس طرح یہ فتنہ پرداز احمق قتل عثمان کے مرتکب ہوئے اسی طرح اس واقعہ کے بعد تہ تیغ ہونے والے مسلمانوں کے قاتل بھی یہی لوگ ہیں۔ مقتولین میں نہ صرف سیدنا عمار بن یاسر بلکہ ان سے افضل لوگ بھی شامل ہیں، مثلاً طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما، اس فتنہ پردازی کا انجام یہ ہوا کہ ان لوگوں نے سیدنا علی کو شہید کر کے دم لیا۔ حالانکہ یہ آپ کے لشکر میں شامل تھے۔

مذکورۃ الصدر بیان سے عیاں ہے کہ ذکر کردہ حدیث نبوی اعلام نبوت میں سے ہے، یہ بھی معلوم ہوا کہ صفین میں لڑنے والے دونوں فریق زمرۂ مومنین میں شامل تھے۔ سیدنا علی بلاشبہ سیدنا معاویہ سے افضل تھے۔ تاہم دونوں صحابہ رسول اور دین اسلام کے رکن رکین تھے، اس دور میں جس قدر فتنے بپا ہوئے،

جماعت ظلم وتعدی کی مرتکب ہواس سے لڑا جائے، اسی بنا پر امام احمد اور امام مالک اسے ''جنگ فتنہ'' قرار دیتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ ''باغیوں سے اس وقت لڑنا جائز ہے جب وہ حاکم وقت کے خلاف نبرد آزما ہوں۔'' مگر سیدنا معاویہ نے جنگ کا آغاز نہیں کیا تھا۔

اہل سنت کا زاویہ نگاہ یہ ہے کہ امام حق کے لیے معصوم ہونا شرط نہیں، یہ بھی ضروری نہیں کہ ہر اس شخص سے لڑا جائے جو اس کی اطاعت کے دائرہ سے خارج ہو یہ بھی ضروری نہیں کہ معصیت میں بھی اس کی اطاعت کی جائے اس حالت میں اس کا ساتھ چھوڑ دینا افضل ہے، اسی بنا پر صحابہ کی ایک جماعت نے اہل شام کے خلاف سیدنا علی کا ساتھ نہیں دیا تھا۔

جو لوگ سیدنا علی کے خلاف نبرد آزما ہوئے تھے وہ تین حال سے خالی نہیں۔

۱۔ وہ عاصی ہوں گے

۲۔ خطا کار مجتہد ہوں گے۔

۳۔ یا اپنے اجتہاد میں صحت وصواب کے حامل ہوں گے۔

بہر کیف کوئی صورت بھی ہو اس سے ان کے ایمان میں اور جنتی ہونے میں قدح وارد نہیں ہوتی۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''اگر مومنوں کی دو جماعتیں لڑ پڑیں، تو ان میں صلح کرادو۔ اگر ایک فریق دوسرے پر ظلم وتعدی کا مرتکب ہو تو اس سے لڑو۔ یہاں تک کہ وہ حکم الٰہی کی جانب واپس آ جائے۔ اندریں صورت بہ تقاضائے عدل ان میں صلح کرادو کیوں کہ اللہ تعالیٰ با انصاف لوگوں کو چاہتا ہے۔ مومن باہم بھائی بھائی ہیں، لہٰذا بھائیوں کے درمیان صلح کرادیجیے۔

(الحجرات:۴۹/۹،۱۰)

اس آیت میں متحارب فریقین کو ''﴿اِخْوَۃٌ﴾'' فرمایا ہے۔

اس کی ذمہ داری ان لوگوں پر عائد ہوتی ہے جنھوں نے اس آگ کو ہوا دی۔ آنے والے ادوار میں تا قیام قیامت جو لوگ ان کے فعل کو سراہتے ہیں وہ ان کے ساتھ برابر کے شریک ہیں۔ یہ ایک مسلمہ صداقت ہے کہ قاتلین عثمان ہی وہ باغی ہیں جو بعد میں قتل ہونے والے سب مسلمانوں کے ذمہ دار ہیں۔ اسی طرح بعدازاں جو فتنے بپا ہوئے اس کا اصل سرچشمہ وہی فتنہ پرور لوگ ہیں۔

شیعہ مصنف کا سیدنا معاویہ کے بارے میں یہ کہنا کہ: ''اس نے وحی کا ایک لفظ بھی تحریر نہیں کیا۔'' اس کے دیگر دعاوی کی طرح کذب صریح ہے۔ ❶

سیدنا معاویہ پر اعتراضات:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''جب مکہ فتح ہوا تو معاویہ یمن میں نبی کریم کو مورد طعن بتانے میں مشغول تھے۔ جب ان کے والد ابوسفیان حلقہ بگوش اسلام ہوئے تو معاویہ نے ان کو عار دلانے کے لیے چند اشعار لکھے اور یہ بھی کہا کہ تم دین محمد اختیار کر کے صابی ہو گئے ہو۔ نبی کریم نے معاویہ کو مباح الدم قرار دیا تھا۔ جب کوئی جائے پناہ نہ ملی تو مجبوراً بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر نبی کریم کی وفات سے صرف پانچ ماہ قبل اپنے اسلام کا اظہار کیا اور معافی طلب کرنے کے لیے سیدنا عباس پر گر پڑے۔ ابن عمر نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ابھی یہاں ایک شخص آئے گا جس کی موت تارک سنت ہونے کی حالت میں ہوگی'' اتنے میں معاویہ نمودار ہوئے۔ نبی ﷺ ایک مرتبہ خطبہ دینے کے لیے اٹھے اسی دوران معاویہ اپنے بیٹے یزید کا ہاتھ تھامے باہر چل دیے تو آپ نے فرمایا: اللہ قیادت کرنے والے اور جس کی قیادت کی گئی ہے۔ دونوں پر لعنت کرے۔''

معاویہ نے سیدنا علی کے خلاف جنگ میں پورا زور لگایا اور بہترین صحابہ کو موت کے گھاٹ اتارا۔ خلافت معاویہ میں برسر منبر سیدنا علی پر لعنت بھیجی جاتی تھی۔ یہ سلسلہ اسی سال تک جاری رہا اور عمر بن عبدالعزیز نے اسے بند کیا۔ معاویہ نے سیدنا حسن کو زہر کھلایا اور اس کے بیٹے یزید نے حضرت حسین کو شہید کیا اور ان کا مال و متاع لوٹا۔

---

❶ رافضی قلم کار نے خود تسلیم کیا ہے کہ سیدنا معاویہ سرور کائنات ﷺ کے خطوط لکھا کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ آپ کے خطوط میں بھی وہی بات ہوتی ہوگی جو بذریعہ وحی آپ پر نازل ہوئی ہو۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی﴾ (سورة النجم)

علاوہ ازیں آپ لکھواتے وقت اس بات کا خیال نہیں رکھتے تھے کہ یہ وحی ہے یا غیر وحی۔ جو صحابہ بھی آپ کی خدمت میں کتابت کا کام کرتے تھے وہ ہر ایسی چیز لکھتے جس کی ضرورت ہوتی تھی۔

معاویہ کے والد ابوسفیان نے غزوۂ احد میں نبی کریم کے اگلے دانت توڑے اور اس کی ماں نے سیدنا حمزہ کا جگر چبایا تھا۔‘‘

ہم تردیداً کہتے ہیں کہ اللہ کی ذات پاک ہے جس نے کذب و دروغ کو روافض کا خاصہ بنایا۔ حقیقت یہ ہے کہ ابوسفیان نبی کریم کے مکہ وارد ہونے سے پہلے اس وقت اسلام لائے تھے جس رات آپ مرّالظہران نامی مقام پر اترے تھے۔ سیدنا عباس نے بارگاہ نبوی میں عرض کیا: ’’اے اللہ کے رسول! ابوسفیان عزّو وقار کے خواہاں ہیں۔‘‘

یہ سن کر آپ نے فرمایا: ’’جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوا سے امن دیا جائے اور جو مسجد میں داخل ہو وہ بھی امن کا مستحق ہے اور جو ہتھیار ڈال دے وہ بھی مامون ہے۔‘‘ [1]

ابوسفیان دلائل نبوت سے بے خبر نہ تھے۔ انھوں نے اسلام لانے سے چند ماہ قبل خود ہرقل کی زبان سے نبی کریم کی رسالت کے براہین و دلائل سنے تھے۔ [2]، [3]

---

[1] سنن ابی داؤد، کتاب الخراج۔ باب ما جاء فی خبر مکة(حدیث:۳۰۲۱،۳۰۲۲)

[2] صحیح بخاری، کتاب بدء الوحی۔ باب کیف کان بدء الوحی الی رسول الله صلی الله علیه و سلم(حدیث:۷)، صحیح مسلم کتاب الجهاد۔ باب کتاب النبی صلی الله علیه سلم الی هرقل ملك الشام(حدیث:۱۷۷۳)

[3] ظہران چند مقامات کا نام ہے، اس سے مراد یہاں وہ وادی ہے جو مدینہ سے مکہ آتے ہوئے راستہ میں پڑتی ہے، اس وادی کے قریب ایک گاؤں مرّ نامی آباد تھا اس وادی کی مناسبت سے اسے مرّالظہران کہنے لگے۔ اسی وادی میں ابوسفیان رضی اللہ عنہ مشرف باسلام ہوئے حدیث میں ابوسفیان کے جس گھر کا ذکر کیا گیا ہے یہ وہی جگہ ہے جہاں مکہ میں دولت عثمانیہ کے آخری دور میں ایک شفاخانہ ’’مستشفیٰ القبان‘‘ نامی تعمیر کیا گیا تھا۔ یادگار کے طور پر اس گھر کے ایک حصہ میں مسجد تعمیر کی گئی ہے۔ میں نے بچشم خود خوبصورت عثمانی خط میں یہ الفاظ دیکھے: ’’مَنْ دَخَلَ دَارَ اَبِیْ سُفْیَانَ فَهُوَ اٰمِنٌ‘‘ گھر کے اندر مسجد کے قریب ایک حوض تھا جس میں پانی بہہ رہا تھا۔ شاید مکہ میں صرف وہی ایک حوض ہے جس میں ہمیشہ پانی بہتا رہتا ہے۔ ابوسفیان کے گھر کو یہ عظیم خصوصیت اس لیے عطا ہوئی کہ مکہ کے لوگ جب نبی کریم کو ایذا دیا کرتے تھے تو آپ ابوسفیان کے گھر میں پناہ گزیں ہوتے۔ (دیکھیے: الاصابه لابن حجر: ۱۷۹/۲، بروایت طبقات ابن سعد)

بدیں وجہ ابوسفیان پہلا شخص تھا جو قرابت داری کی بنا پر آپ سے وابستہ تھا اور اس لیے محبت کیے جانے کا

علاوہ ازیں اس نے امیہ بن ابی الصلت سے بھی استفادہ کیا تھا۔

مستحق تھا۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ قُلۡ لَّاۤ اَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَيۡهِ اَجۡرًا اِلَّا الۡمَوَدَّةَ فِى الۡقُرۡبٰى﴾(سورۃ شوریٰ)

’’آپ فرمادیں کہ میں اپنے اقارب کے ساتھ محبت رکھنے کے سوا تم سے کوئی اجر طلب نہیں کرتا۔‘‘

ابوسفیان کے حلقہ بگوش اسلام ہونے سے پہلے بھی نبی کریم اور ابوسفیان کے مابین قرابت دارانہ الفت و مودّت کا تبادلہ ہوتا رہتا تھا۔ نبی ﷺ نے عمرو بن امیہ کے ہاتھ ابوسفیان کو بہترین قسم کی کھجوریں ہدیہ کی تھیں۔ابوسفیان نے یہ ہدیہ قبول کیا اور آپ کی خدمت میں چمڑے کا تحفہ بھیجا۔بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آپ نے یہ ہدیہ خود طلب فرمایا تھا۔ابوسفیان کے مسلمان ہونے سے پیشتر نبی کریم نے ان کی بیٹی ام حبیبہ سے نکاح کیا تھا،ام حبیبہ کا نام پہلے رملہ تھا۔ یہ مسلمان ہوکر اپنے خاوند عبیداللہ بن جحش کے ساتھ حبشہ چلی گئی تھیں۔عبیداللہ وہاں نصرانی ہوگیا اور اسی جگہ اس کی موت واقع ہوئی۔ام حبیبہ نے خواب دیکھا کہ کوئی شخص انھیں ’’ام المومنین‘‘ کہہ کر پکار رہا ہے۔ جونہی ان کی عدت گزری نجاشی شاہ حبشہ کی ایک لونڈی حاضر ہوئی اور کہا:’’شاہ حبشہ نے پیغام بھیجا ہے کہ نکاح کے لیے آپ اپنا وکیل مقرر کرلیں۔‘‘ چنانچہ آپ نے خالد بن سعید بن عاص کو اپنا وکیل مقرر کیا۔جعفر بن ابی طالب نے نجاشی کے حکم سے نکاح کا خطبہ پڑھا۔ نجاشی نے نبی کریم کی جانب سے چار صد دینار مہر ادا کیا۔ (مسند احمد(٦/٤٢٧) و مستدرك حاكم(٤/٢٠،٢١) من طریق الواقدی سنن ابی داؤد۔ کتاب النكاح۔ باب الصداق(حدیث:٢١٠٧، ٢١٠٨) مختصراً۔ ام حبیبہ نے نجاشی کی لونڈی کو چاندی کے دو کنگن ہدیہ کیے۔ام حبیبہ سے نکاح کا مطالبہ کرنے میں نجاشی کی جانب نبی کریم نے عمرو بن امیہ کو قاصد بنا کر بھیجا۔ یہ وہی عمرو ہے جو کھجوروں کا ہدیہ لے کر ابوسفیان کے ہاں گیا تھا اور پھر ابوسفیان کا ہدیہ آپ کو پہنچایا۔سیدنا ام حبیبہ نبی کریم کے قاصد شرحبیل بن حسنہ کے ساتھ حبشہ سے مدینہ پہنچیں۔ ابوسفیان تاہنوز مسلمان نہیں ہوئے تھے۔جب ام حبیبہ کے نبی کریم کے نکاح میں آنے کی خبر پہنچی تو آپ کی مدح کرتے ہوئے کہا: یہ مرد مجھے رسوا نہیں کرے گا۔‘‘ (مستدرك حاكم(٤/٢٢) طبقات ابن سعد(٨/٩٩) و فی اسناده الواقدی متروك) ابوسفیان جب مشرف باسلام ہوئے تو نبی کریم نے آپ کو قریش کے مشہور بت ’’منات‘‘ کو منہدم کرنے کے لیے مامور فرمایا۔ چنانچہ آپ نے تعمیل ارشاد کردی۔غزوہ حنین وطائف کے موقع پر ابوسفیان نبی کریم کے ہم رکاب تھے۔غزوہ طائف میں ابوسفیان کی آنکھ میں تیر لگا۔شدید درد ہورہا تھا۔اسی اثناء میں سرور کائنات نے فرمایا۔’’اگر آپ چاہیں تو بارگاہ

تاہم حسد کا جذبہ اسے ایمان سے مانع رہا، یہاں تک کہ بحالت کراہت اس نے اسلام قبول کیا۔[1] سیدنا معاویہ اور ان کے بھائی یزید کے بارے میں شیعہ مصنف نے جو کچھ ذکر کیا ہے وہ سب

ایزدی میں آنکھ کی واپسی کے لیے دعا کروں اور آپ کو دوبارہ آنکھ عطا ہو، اور اگر آپ چاہیں تو اس کے عوض جنت خرید لیں۔'' ابوسفیان نے کہا میں جنت کو ترجیح دیتا ہوں۔ یہ وعدہ سرکار دو عالم نے جہاد کے موقع پر فرمایا۔ جو اکمل العبادات ہے، اس سے ابوسفیان کا جنتی ہونا واضح ہوتا ہے۔ خواہ اس کو ناپسند کرنے والا کتنا ہی ذلیل کیوں نہ ہو۔ یہ وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔ نبی کریم کی وفات کے بعد ابوسفیان اللہ کی راہ میں مسلسل جہاد کرتے رہے۔

ابن سعد بسند صحیح سعید بن مسیّب سے روایت کرتے ہیں، وہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ غزوۂ یرموک کے دن سب آوازیں خاموش ہوگئی تھیں صرف ایک آواز آ رہی تھی: '' یَا نَصرَ اللّٰہِ اِقْتَرِبْ'' سعید بن مسیّب کے والد ان لوگوں میں سے تھے جو بیعت الشجرہ میں شامل تھے۔ یہ کہتے ہیں میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ پکارنے والا ابوسفیان تھا، جو اپنے بیٹے یزید کے جھنڈے تلے مصروف پیکار تھا۔ (اسد الغابۃ (۵/۲۱۲) یہ امر موجب حیرت واستعجاب ہے کہ کذب و دروغ کے خوگر روافض کے نزدیک ان مجاہدین ابرار کی شان میں گستاخی کرنا اور ان کے بارے میں غلط سلط روایات بیان کرنا گویا کوئی جرم ہی نہیں۔ دوسری جانب اہل سنت کا یہ حال ہے کہ یہ سب بدگوئی سن کر اس لیے اَن سنی کر دیتے ہیں کہ مسلمانوں کا شیرازہ منتشر نہ ہونے پائے۔ یہ اچھی شیرازہ بندی ہے کہ خلفائے ثلاثہ اور ان مجاہدین صحابہ کی شان میں گستاخی کی جاتی ہے جنھوں نے اقصائے عالم میں دین حق کے جھنڈے گاڑے تھے اور ان کے سِیَر و سوانح کا حلیہ بگاڑ کر پیش کیا جاتا ہے اور ادھر اہل سنت ہیں کہ ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ یاد رہے کہ اسلام کی شیرازہ بندی کثرت تعداد سے نہیں بلکہ اکابر اولیاء اللہ مثلاً ابوبکر و عمر اور ان کے متبعین سے ہوتی ہے۔ جب تک لوگ ان مجاہدین ابرار کی محبت سے سرشار رہے اور اپنے آپ کو ان کے اخلاق و عادات سے آراستہ کیے رکھا، دین حق ترقی پذیر رہا۔ دین کی تفریق دراصل یہ ہے کہ روافض کو اس بات کی کھلی چھٹی دے دی جائے کہ وہ صحابہ کے محاسن کو معائب بنا کر پیش کریں اور نہایت مذموم انداز میں ان کی تصویر کھینچیں۔

[1] حسد کے لفظ سے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس حدیث کی جانب اشارہ کیا ہے جسے ابن سعد نے ابوالسفر سعید بن یحمد ہمدانی ثوری المتوفی ۱۱۲ھ سے روایت کیا ہے کہ ابوسفیان نے جب مرالظہران کے مقام پر دیکھا کہ لوگ آپ کے پیچھے پیچھے آ رہے ہیں اور ہر شخص آپ کے بہت قریب آنا چاہتا ہے تو آتش حسد سے جل اٹھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ زور سے اس کے سینہ پر دے مارے اور کہا:

جھوٹ ہے۔اس کے ذکر کردہ اشعار بھی جھوٹے ہیں، جولوگ متاخرالاسلام ہیں، مثلاً صفوان بن امیہ ❶

"تب اللہ آپ کورسوا کرے گا۔" ابوسفیان نے کہا: "میں توبہ کرتا اور اللہ سے اپنے گناہ کی مغفرت چاہتا ہوں۔ اللہ کی قسم! میرے جی میں یہ خیال ضرور آیا تھا۔ البتہ میرے منہ سے کوئی لفظ نہیں نکلا۔"

ابواسحاق السبیعی نے بھی یہ روایت ذکر کی ہے مگر یہ الفاظ زائد ہیں کہ ابوسفیان نے کہا "مجھے اسی وقت یقین آیا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔" یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب ابوسفیان سیدنا عباس کی معیت میں مشرف باسلام ہونے کے لیے بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے یہ چند لمحات ابوسفیان پر اس وقت گزرے جب وہ اپنا پرانا دین چھوڑ کر اسلام میں داخل ہو رہے تھے، اس کو حسد کے لفظ سے تعبیر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ابوسفیان جاہ وریاست کی گود میں پلے تھے ایسے وقت میں ان کا کفر و ایمان کے مابین تردد وتذبذب حبّ سیادت وقیادت کی دلیل ہے اس پر مزید یہ کہ ابھی تک ان کی ملاقات نبی کریم ﷺ سے نہیں ہوئی تھی اور وہ کلام الٰہی سے بھی نا آشنا تھے۔ بنا بریں راہ ایمان پر مخلصانہ گامزن ہونے کے لیے ابوسفیان ایسے معجزہ کے محتاج تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابوسفیان بارگاہ ایزدی میں تائب ہوئے اور دین اسلام آپ میں رچ بس گیا۔

❶ صفوان کا شمار ان دس آدمیوں میں ہوتا ہے جو دورِ جاہلیت میں بڑے معزز سمجھے جاتے تھے۔ یہ فتح مکہ کے بعد اسلام لائے۔ نبی کریم نے ان کو امان دی تھی اور ان کے چچا زاد بھائی عمیر بن وہب جمحی ان کو لے کر بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے۔ (طبقات ابن سعد (۱۴۳/٤۔ ۱٤۷) سیرة ابن هشام(ص: ۳۱۷۔۳۱۸) عن عروة مرسلاً) صفوان نے غزوۂ حنین میں نبی کریم کے ساتھ شرکت کی، حالانکہ وہ اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے۔ سرورکائنات ﷺ نے غزوۂ حنین میں ان سے جنگی ہتھیار مستعار لیے تھے۔ (سنن ابی داؤد۔ کتاب الاجارة (البیوع)، باب فی تضمین العارية (حدیث: ۳۵٦۲، ۳۵٦۳) قبل ازیں بیان کیا جاچکا ہے کہ صفوان نے غزوۂ حنین میں یہ مشہور فقرہ کہا تھا: "اگر قریش کا کوئی شخص مجھے غلام بنالے تو اس سے بہتر ہے کہ بنی ثقیف کا کوئی شخص میرا آقا ہو۔" جب سرورکائنات نے غزوۂ حنین میں صفوان کو بہت سا مال عطا کیا تو اس نے کہا: "میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے نبی کے سوا کوئی شخص اتنا مال دینا گوارا نہیں کرتا۔"

جب سرورکائنات ﷺ کی رفاقت میں مدینہ پہنچے تو صفوان سیدنا عباس کے یہاں مہمان ٹھہرے، پھر آپ نے صفوان کو واپس مکہ جانے کی اجازت دے دی۔ صفوان دورِ جاہلیت میں بڑے مخیّر تھے اور فقراء و مساکین کو کھانا کھلایا کرتے تھے۔ یہ بڑے فصیح اللسان تھے، ان کے بعد ان کے بیٹے عبد اللہ کو یہ اوصاف ورثہ میں ملے۔ مکہ کا ایک شخص سیدنا معاویہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے پوچھا۔ آج کل

اور حارث بن ہشام ❶ ان پر طعن و تشنیع کرنا روا نہیں ہے۔

لوگوں کو مکہ میں کھانا کون کھلاتا ہے؟ اس نے کہا: ''عبد اللہ بن صفوان'' سیدنا معاویہ نے فرمایا: یہ آگ بڑی پرانی ہے۔''

ایک سال سیدنا معاویہ حج کو گئے تو عبد اللہ بن صفوان آپ کے پہلو میں چلتے تھے۔ اہل شام نے اس پر تعجب کا اظہار کیا۔ جب لشکر مکہ میں داخل ہوا تو ایک قریبی پہاڑ بکریوں سے سفید تھا۔ عبد اللہ بن صفوان نے کہا: ''امیر المومنین! یہ دو ہزار بکریاں میں نے آپ کے رفقاء کی مہمانی کے لیے رکھی ہیں۔'' یہ سن کر اہل شام کہنے لگے: ہم نے اس سے زیادہ سخی آدمی آج تک کبھی نہیں دیکھا۔

❶ حارث بن ہشام مخزومی ابوجہل کے بھائی اور سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ابن العمّ تھے۔ امام بخاری نے اپنی صحیح میں ان سے بڑی اہم روایات نقل کی ہیں۔ یہ شرفاء مکہ میں شمار ہوتے تھے اور کفار قریش کے ساتھ جنگ بدر میں شریک ہوئے تھے۔ سیدنا حسان بن ثابت مشہور صحابی شاعر نے جب بدر سے بھاگ جانے کی عار دلائی اور انھوں نے اشعار میں اس کا جو جواب دیا، کہا جاتا ہے کہ وہ اعتذار من الفرار میں عمدہ ترین اشعار ہیں۔ (مستدرك حاكم (٢٧٩/٣)، الاصابة: (٢٩٣/١) یہ فتح مکہ کے دن اسلام لائے اور بڑے مخلصانہ انداز میں اسے قبول کیا۔ حارث ثقیفہ بنی ساعدہ میں حاضر ہوئے تھے ان دنوں بنو مخزوم کوئی شخص ان کا ہم سر نہ تھا۔ حارث نے کہا:

اللہ کی قسم! اگر نبی کریم کا یہ ارشاد گرامی نہ ہوتا کہ ''اَلْاَئِمَّةُ مِنَ الْقُرَیْشِ''تو ہم انصار کو خلافت سے محروم نہ رکھتے اور وہ اس کے اہل ثابت ہوتے۔

مگر یہ ایک ایسا قول ہے جس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں اللہ کی قسم! اگر سارے قریش میں سے ایک شخص بھی زندہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ اسے امارت و خلافت کا منصب تفویض فرماتے۔''

(الاصابة(٣٠٧/١)، سیدنا عمر کے زمانہ میں جب ملک شام فتح ہوا۔ تو حارث اہل و مال سمیت مکہ سے شام منتقل ہو گئے۔ اہل مکہ بھی ساتھ ہوئے تو حارث نے ان کو مخاطب کر کے کہا:

''اگر میں تمہارے گھر کے عوض دوسرا گھر تبدیل کرنا چاہتا تو میرے لیے یہ ممکن نہ تھا۔ مگر یہ تو اللہ کی طرف نقل مکانی کرنے والی بات ہے۔'' (مستدرك حاكم (٢٨٠-٢٧٩/٣)

حارث جنگ کفار میں یہ رجز پڑھا کرتے تھے:

اِنِّیُ بِرَبِّیُ وَالنَّبِیِّ مُؤْمِنٌ
وَالْبَعْثِ مِنُ بَعْدِ الْمَمَاتِ مُوْقِنٌ
اَقْبِحْ بِشَخُصٍ لِلْحَیَاۃِ مَوْطِنٌ

رافضی مصنف کے پیش کردہ اشعار خود اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ وہ من گھڑت ہیں اور سیدنا معاویہ جیسے صحابی کی شان سے صادر شدہ نہیں۔ اس لیے کہ صحابہ کے ساتھ ان اشعار کی کوئی مناسبت ہی نہیں۔ یہ بات متفق علیہ ہے کہ سیدنا معاویہ اس سال مشرف باسلام ہوئے جس سال مکہ فتح ہوا تھا۔

شیعہ مصنف ابن المطہرؔ کا یہ قول پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ حضرت معاویہ ان لوگوں میں سے تھے جن کی نبی کریم نے تالیف قلب فرمائی تھی۔ ظاہر ہے کہ مولفۃ القلوب کو آپ نے جنگ حنین کے مال غنیمت میں سے مال عطا کیا تھا۔ غزوہ حنین فتح مکہ کے چند روز بعد وقوع پذیر ہوا۔ اگر معاویہ یمن بھاگ گئے ہوتے، جیسا کہ شیعہ مصنف نے لکھا ہے، تو آپ مؤلفۃ القلوب میں سے نہیں ہو سکتے۔ سیدنا معاویہ فرماتے ہیں:

''میں نے مروہ پہاڑی پر تیر کے پھالے سے نبی کریم کے بال کاٹے۔''[1]

حارث ملک شام میں مصروف جہاد رہے، یہاں تک کہ غزوۂ یرموک یا طاعون عمواس میں شہادت پائی۔ جہاد شام میں حارث کے کنبہ میں سے صرف عبدالرحمٰن بن حارث بچ رہے، اسی طرح فاختہ بنت عتبہ بن سہیل بن عمرو قرشی عامری کے کنبہ میں سے بھی کوئی نہ بچا تھا۔

جب عبدالرحمٰن اور فاختہ دونوں کو بارگاہ فاروقی میں پیش کیا گیا تو آپ نے فرمایا۔ دونوں کا نکاح کر دو کچھ بعید نہیں کہ ان کی نسل خوب پھیلے۔ چنانچہ تعمیل ارشاد کر دی گئی اور ان کے یہاں بہت سی اولاد پیدا ہوئی۔

سیدنا حارث بن ہشام سیادت و قیادت میں ضرب المثل تھے۔ ایک شاعر اپنے حریف کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے:

اَظَنَنْتَ اَنَّ اَبَاكَ حِيْنَ تَسُبُّنِىْ
فِى الْمَجْدِ كَانَ الْحَارِثُ بْنُ هِشَامِ
اَوْلٰى قُرَيْشٍ بِالْمَكَارِمِ وَالنَّدٰى
فِى الْجَاهِلِيَّةِ كَانَ وَالْاِسْلَامِ

''جب تو مجھ برا بھلا کہتا ہے، تو یوں سمجھتا ہے کہ تیرا باپ حارث بن ہشام کی طرح شریف النسب تھا، حارث جاہلیت و اسلام میں اخلاق عالیہ اور سخاوت کے اعتبار سے رئیس قریش تھا۔''

[1] صحیح بخاری، کتاب الحج۔ باب الحلق والتقصیر عند الاحلال (حدیث:۱۷۳۰)، صحیح مسلم، کتاب الحج۔ باب جواز تقصیر المعتمر (حدیث:۱۲۴۶)

غالباً یہ واقعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمرہ جعرّانہ میں پیش آیا جو ذی قعد ۸ ہجری میں وقوع پذیر ہوا تھا۔ ❶

باقی رہی شیعہ مصنف کی ذکر کردہ یہ حدیث کہ ابھی ایک شخص (سیدنا معاویہ) نمودار ہوگا اس کی موت تارک سنت ہونے کی حالت میں ہوگی۔''

پہلا جواب:

اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ حدیث کی صحت ثابت کیجیے۔ اس لیے کہ اثبات صحت سے پہلے کوئی حدیث قابل احتجاج نہیں ہوسکتی۔

دوسرا جواب:

یہ ہے کہ یہ حدیث باتفاق محدثین موضوع ہے اور کسی قابل اعتماد کتاب میں مندرج نہیں۔ علاوہ ازیں یہ حدیث بلاسند ہے اور اس سے احتجاج کرنے والے شیعہ مصنف نے بھی اس کی سند بیان نہیں کی۔ شیعہ مصنف کی جہالت کا بین ثبوت ہے کہ اس حدیث کا راوی عبداللہ بن عمر کو ٹھہرایا ہے، بھلا سیدنا عبداللہ ایسی حدیث کے راوی کیوں کر ہو سکتے ہیں جس میں صحابہ کے معائب و مثالب بیان کیے گئے ہیں، جب کہ آپ نے بہت سی احادیث روایت کی ہیں جن میں صحابہ کے مناقب بیان کیے گئے ہیں۔ سیدنا عبداللہ بن عمر کا یہ قول صرف معاویہ کی مدح وستائش میں معروف ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

---

❶ امام شوکانی رحمہ اللہ نے بھی ''نیل الاوطار'' میں امام نووی کے حوالہ سے یہی لکھا ہے۔ جعرانہ طائف و مکہ کے درمیان ایک چشمہ کا نام ہے۔ یہ طائف کی نسبت مکہ سے قریب تر ہے، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ حنین سے لوٹے تھے تو آپ نے جعرانہ کے چشمہ پر اتر کر مجاہدین میں مال تقسیم کیا۔ فتح مکہ، غزوۂ حنین اور تقسیم غنائم کے تینوں مواقع پر سیدنا معاویہ نے کھلم کھلا اپنے مشرف باسلام ہونے کا اظہار کیا۔

حافظ ابن عساکر نے تاریخ دمشق ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان میں تصریحاً لکھا ہے کہ سیدنا معاویہ صلح حدیبیہ اور عمرۃ القضا کے درمیان اسلام قبول کر چکے تھے البتہ قریش کے ڈر سے اس کا اظہار نہیں کرتے تھے۔''

واقعہ یہ ہے کہ دین اسلام قریش کے ذہین نوجوانوں کی رگ و پے میں سرایت کر گیا تھا، صرف اتنا فرق ہے کہ جو لوگ ہجرت مکہ کی قدرت سے بہرہ ور تھے وہ مدینہ کا رخ کرتے اور مسلمانوں میں جا ملتے تھے، سیدنا خالد بن ولید و عمرو بن العاص اور کعبہ کے کنجی بردار عثمان بن طلحہ عبدری رضی اللہ عنہم نے یونہی کیا تھا۔ جو نوجوان مکہ سے ہجرت نہیں کر سکتے تھے وہ مکہ میں اقامت گزیں رہ کر دعوت اسلام کی کامیابی کے منتظر رہتے تھے۔ سیدنا معاویہ اور ان کے ہم نوا انہی لوگوں میں شامل تھے۔

''میں نے رسول کریم کے بعد معاویہ سے بڑھ کر کوئی رئیس اور بردبار نہیں دیکھا۔ ان سے دریافت کیا گیا، کیا ابوبکر و عمر بھی آپ سے بڑھ کر نہ تھے۔؟ سیدنا عبداللہ نے جواباً فرمایا: ''ابوبکر و عمر ان سے افضل تھے۔''[1] امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں: ''سیدنا معاویہ بڑے کریم و حلیم تھے۔''

شیعہ مصنف کا یہ قول کہ معاویہ اپنے بیٹے یزید کو لے کر چل دیے اور نبی کریم کا خطبہ نہ سنا۔''

اس ضمن میں واضح ہو کہ نبی کریم کے خطبات مختلف قسم کے ہوا کرتے تھے، آپ جمعہ، عیدین اور حج کے موقع پر خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ سیدنا معاویہ اور ان کے والد ابوسفیان دیگر مسلمانوں کی طرح بالالتزام آپ کے خطبات میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا معاویہ ہر خطبہ سے اٹھ جایا کرتے تھے اور سنتے نہ تھے؟ ظاہر ہے کہ یہ بات نبی کریم اور سب صحابہ کے لیے موجب اہانت ہے کہ ہمیشہ دو شخص آپ کے خطبہ کے دوران اٹھ کر چلے جایا کریں، نیز یہ کہ اگر وہ دونوں ہر خطبہ میں حاضر ہوا کرتے تھے تو اس سے اٹھ کر چلے جانے کا کیا معنی؟ اس پر مزید یہ کہ سیدنا معاویہ بڑے حلیم و بردبار اور صابر تھے، جیسا کہ آپ کے سِیَر وسوانح میں معروف ہے۔ مقام حیرت ہے کہ وہ اس صبر و حلم کے باوصف نبی کریم سے نفرت کرتے تھے حالانکہ آپ دین و دنیا میں سب لوگوں کے سردار تھے اور امیر معاویہ ہر بات میں آپ کے محتاج بھی تھے۔

یہ امر موجب حیرت ہے کہ وہ اس وقت نبی کریم کی گفتگو سننا بھی گوارا نہ کرتے تھے حالانکہ جب تاج و تخت سے بہرہ ور ہوئے تو لوگ روبرو ان کو برا بھلا کہتے اور وہ خاموشی سے سنا کرتے تھے اور پھر حیرت بالائے حیرت اس بات پر ہے کہ ایسے شخص کو آپ کاتب وحی بھی مقرر فرماتے ہیں۔

شیعہ مصنف کا یہ قول کہ ''معاویہ نے اپنے بیٹے یزید کا ہاتھ پکڑا اور باہر چل دیا'' صریح کذب ہے کیوں کہ سیدنا معاویہ کا بیٹا یزید جو آپ کے بعد تاج و تخت کا وارث بنا اور جس کے عہد میں سانحہ کربلا پیش آیا اس وقت پیدا نہیں ہوا تھا۔ بلکہ اس کی ولادت عثمانی خلافت میں ہوئی۔ عہد رسالت میں معاویہ کے ہاں کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا تھا۔

حافظ ابوالفضل ابن ناصر لکھتے ہیں:

''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے عہد رسالت میں رشتہ طلب کیا تھا مگر مفلس ہونے کی بنا پر ان کی

---

[1] اسد الغابة(۵/۲۲۱۔۲۲۲)، البدایة والنهایة(۸/۱۳۵)

یہ آرزو بر نہ آئی۔ آپ کی شادی خلافت فاروقی میں ہوئی اور یزید سیدنا عثمان کی خلافت میں ۲۷ ہجری میں پیدا ہوا۔‘‘

تیسرا جواب:

مذکورہ حدیث کا تیسرا جواب یہ ہے کہ معارضہ کے طور پر ہم اس حدیث جیسی موضوعات بیان کر سکتے ہیں جن سے سیدنا معاویہ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ مشہور محدث ابو الفرج ابن الجوزی اپنی کتاب ’’الموضوعات‘‘ میں لکھتے ہیں:

’’بعض مدعیان سنت نے شیعہ کو چڑانے کے لیے سیدنا معاویہ کی فضیلت ثابت کرنے کے لیے حدیثیں وضع کی ہیں۔ دوسری طرف روافض نے ان کی مذمت میں حدیثیں وضع کیں۔ فریقین نے سخت غلطی کا ارتکاب کیا ہے۔ [1]

---

[1] سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت وسوانح میں متوسط راستہ وہ ہے جو قبل ازیں آپ کے حالات میں روشنی ڈالتے ہوئے ہم نے اختیار کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قباء کے مقام پر جو خواب دیکھا اور جس کا ذکر قرآن کریم کے بعد صحیح ترین کتاب یعنی بخاری ومسلم میں موجود ہے وہ بھی اسی ضمن میں شامل ہے۔ اس خواب کی تعبیر عملی طور پر اس وقت ظہور پذیر ہوئی جب سیدنا انس کی خالہ فتح قبرص کے موقع پر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بحری بیڑے میں شامل ہو کر جہاد کے لیے گئیں اور ان کی موت اسی جگہ واقع ہوئی۔ (صحیح بخاری، کتاب الاستئذان۔ باب من زار قوما فقال عندهم(حدیث:٦٢٨٢) ،صحیح مسلم، کتاب الامارة، باب فضل الغزو فی البحر(حدیث:١٩١٢) یہ امیر معاویہ جیسے ولی، صالح اور مجاہد فی سبیل اللہ کا اوّلین وصف ہے۔ آخری تعریف وہ ہے جو امام احمد نے اپنی تصنیف ’’کتاب الزہد‘‘ میں اس امام مظلوم (سیدنا معاویہ) کے زہد وتقویٰ کے واقعات بیان کرتے ہوئے فرمائی۔ ہم نے اس ضمن میں مشہور ومعتبر مصادر وماخذ کے حوالہ سے جو کچھ لکھا ہے اس سے صاف عیاں ہے کہ خلفاء راشدین کے بعد مسلم سلاطین وخلفاء میں سیدنا معاویہ کا کوئی ہم سر پیدا نہیں ہوا۔ بنا بریں ان کی شان میں ایسی موضوعات گھڑنے کی قطعاً ضرورت نہیں جن کی جانب محدث شہیر ابن الجوزی نے اشارہ کیا ہے۔ اسی طرح متعصب روافض کی من گھڑت روایات سے بھی ان کی شان میں کچھ کمی واقع نہیں ہوتی۔ مثلاً زیر تبصرہ حدیث جس کو روافض نے سیدنا عبد اللہ بن عمر کی طرف منسوب کیا ہے اور جس کو دیکھ کر باانصاف شیعہ بھی مارے شرم کے پانی پانی ہوئے جاتے ہیں۔

سیدنا علی کے خلاف جنگ آزمائی کے باوجود سیدنا معاویہ خارج از اسلام نہیں ہو سکتے

سیدنا علی کے خلاف سیدنا معاویہ کی جنگ آزمائی ایسے امور کی بنا پر تھی جن کی وجہ سے سیدنا معاویہ خارج از اسلام نہیں ہو سکتے۔ یہ دوسری بات ہے کہ بخاری و مسلم کی روایت کی بنا پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ اقرب الی الحق تھے۔ آپ فرماتے ہیں کہ:

''جب مسلمانوں میں فرقہ بندی کا ظہور ہوگا تو ایک فریق خروج کرے گا اور دوسرا فریق اس سے جنگ آزما ہوگا۔ یہ جماعت اقرب الی الحق ہوگی۔''[1] خروج کرنے والے وہی لوگ تھے جو جنگ نہروان میں سیدنا علی کے خلاف صف آرا ہوئے۔ اس حدیث سے عیاں ہوتا ہے کہ سیدنا علی کی جماعت سیدنا معاویہ کے گروہ کی نسبت اقرب الی الحق تھی۔

صحیح بخاری میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا:

''میرا یہ بیٹا سردار ہے، اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں کے مابین مصالحت کرائے گا۔''[2]

مذکورۃ الصدر حدیث میں نبی کریم نے مصالحت کرانے کی بنا پر سیدنا حسن کی مدح فرمائی اور دونوں جماعتوں کو مومن قرار دیا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قابل ستائش فعل صلح کرانا ہے نہ کہ جنگ آزما ہونا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ایک فتنہ بپا ہوگا اس میں بیٹھ رہنے والا کھڑا ہونے والے سے بہتر ہوگا۔''[3]

---

[1] صحیح مسلم۔ کتاب الزکاۃ۔ باب ذکر الخوارج و صفاتھم (حدیث: ۱۰۶۵/۱۵۳)

[2] صحیح بخاری، کتاب الصلح، باب قول النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم للحسن بن علی رضی الله عنهما (حدیث: ۲۷۰۴)

[3] صحیح بخاری، کتاب الفتن، باب تکون فتنة القاعد فیها خیر من القائم، (حدیث: ۷۰۸۱)، صحیح مسلم۔ کتاب الفتن۔ باب نزول الفتن کمواقع القطر (حدیث: ۲۸۸۶)

آپ نے مزید فرمایا۔

''عنقریب مومن کا سب سے بہتر مال بکریاں ہوگا، جن کو لے کروہ پہاڑوں کی چوٹیوں اور بارش والی جگہوں پر چلا جائے گا اور اس طرح اپنے دین کو فتنوں کی زد سے بچا لے گا۔''❶

جن صحابہ نے فتنہ سے احتراز واجتناب کی حدیث روایت کی ہے مثلاً سعد بن ابی وقاص ❷ ومحمد بن مسلمہ ❸ اوراسامہ ❹ رضی اللہ عنہم انھوں نے جنگ میں سیدنا علی ومعاویہ میں سے کسی کا بھی ساتھ نہیں دیا تھا۔ مزید براں جن لوگوں نے محاصرہ کرکے سیدنا عثمان ❺ کو شہید کیا ان لوگوں کی نسبت ظالم تر ہیں جو سیدنا علی کے خلاف نبرد آزما ہوئے۔ حالانکہ شیعہ قاتلین عثمان کی مدح کرتے ❻ اوران کے فعل شنیع پر خوشی کا اظہار کرتے ہیں۔ اگر شیعہ کہیں کہ سیدنا عثمان ❼ سے چند ایسے فعل سرزد ہوئے جو کہ آپ کے شایان شان نہ تھے۔ ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ سیدنا علی سے بھی ایسے نازیبا افعال صادر ہوئے تھے جن کی وجہ سے بعض صحابہ ان کی بیعت میں دیر سے شریک ہوئے۔ آخر کار اللہ تعالیٰ

---

❶ صحیح بخاری ـ کتاب الایمان۔ باب من الدین الفرار من الفتن(حدیث:۱۹)

❷ صحیح مسلم۔ کتاب الزھد۔ باب(۱)، (حدیث:۲۹٦۵)

❸ سنن ابن ماجة۔ کتاب الفتن، باب التثبت فی الفتنة،(حدیث:۳۹٦۲)

❹ صحیح بخاری، کتاب الفتن، باب قول النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم للحسن بن علی (حدیث: ۷۱۱۰)، موقوفا علیه

❺ قاتلین عثمان جنگ جمل میں سیدنا علی کے لشکر میں تھے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اوران کے رفقاء جب قاتلین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر لعنت بھیج رہے تھے تو یہ لوگ بذات خود سب کچھ سن رہے تھے، سیدنا علی رضی اللہ عنہ اوران کے ہم نوا ساتھ ساتھ آمین کہتے جاتے تھے۔ کوفہ کے بعض قاتلین عثمان جنگ صفین تک سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں موجود تھے جب بھی ان کا ذکر آتا سیدنا علی رضی اللہ عنہ ان پر لعنت فرماتے۔

❻ روافض قاتلین عثمان کے مداح ہیں اوران سے اظہار خوشنودی کرتے ہیں، حالانکہ سیدنا علی ان پر لعنت بھیجتے اوران کے فعل پر راضی ہونے والے کو بھی ملعون قرار دیتے تھے۔ جن لوگوں پر سیدنا علی لعنت بھیجتے ہوں کیا وہ آپ کے شیعہ ہوسکتے ہیں؟ دراصل یہ لوگ فتنہ پردازی میں پیش پیش ہیں۔

❼ قاتلین عثمان کے اعتراضات اوران کے جوابات کے لیے دیکھئے:'' العواصم من القواصم: ٦١ تا ١٤١، یہ صفحات نادر تحقیقات پر مشتمل ہیں۔

نے سیدنا عثمان وعلی دونوں سے اظہار خوشنودی فرمایا۔

مزید براں سیدنا علی نے سیدنا معاویہ کو معزول کرنے میں بڑی عجلت سے کام لیا۔ حالانکہ آپ کو والی مقرر کرنے میں کوئی حرج نہ تھا۔ خصوصاً جب کہ رعایا بھی آپ کو چاہتی تھی۔ نیز یہ کہ سیدنا علی نے ایسے لوگوں کو حاکم مقرر کیا۔ جو سیدنا معاویہ سے مرتبہ میں فروتر تھے۔ مثلاً زیاد بن اَبِیہ۔

سرکار دو عالم ﷺ سیدنا علی سے افضل تھے، تاہم آپ نے نجران کے علاقہ پر ابوسفیان کو عامل بنا کر بھیجا۔

جب آپ نے وفات پائی ابوسفیان اس وقت بھی امیر نجران تھے۔ آپ کے بہت سے امراء اموی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ مثلاً آپ نے عتاب بن اَسید کو مکہ کا حاکم مقرر کیا۔ [1] اسی طرح خالد بن سعید بن عاص اور ابان بن سعید بن عاص کو بھی عامل مقرر کیا، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ، سیدنا فاروق رضی اللہ عنہ کے حکم سے والی قرار پائے۔ آپ کی زندگی دین داری و سیاست رانی دونوں اعتبار سے بے داغ تھی۔ احادیث صحیحہ میں وارد ہوا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

''تمہارے بہترین خلفاء وہ ہیں جن سے تم محبت کرتے ہو اور جو تم سے محبت کرتے ہوں۔ تم ان کے لیے دعا کرو اور وہ تمھیں دعا دیں۔ بدترین حکام وہ ہیں جن سے تم بغض رکھتے ہو اور جو تم سے بغض رکھتے ہوں۔ تم ان پر لعنت بھیجو اور وہ تم پر لعنت بھیجیں۔'' [2]

صحابہ کا قول ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اس حدیث کا مصداق تھے اس لیے کہ رعیت آپ کو چاہتی تھی اور آپ رعیت کو چاہتے تھے آپ ان کے لیے دعا کرتے تھے اور انھوں نے آپ کے لیے دعا کی۔

حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر رہے گا اور کوئی مخالف ان کو ضرر پہنچا سکے گا اور نہ رسوا کر سکے گا۔'' [3]

---

[1] سنن نسائی، کتاب الاذان، باب کیف الاذان(حدیث:٦٣٣)، سنن ابن ماجة (٧٠٨، ٢١٨٩)

[2] صحیح مسلم، کتاب الامارة، باب خیار الائمة و شرارھم(حدیث:١٨٥٥)

[3] صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب(٢٨)، (حدیث:٣٦٤١)، صحیح مسلم ـ کتاب الامارة ، باب قوله صلی الله علیه وسلم " لا تزال طائفة من امتی (حدیث: ١٧٤/١٠٣٧)

مالک بن یُخامر فرماتے ہیں کہ: میں نے سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ سے سنا آپ فرماتے تھے کہ اس سے اہل شام مراد ہیں۔ ❶
صحابہ کا خیال ہے کہ اس سے شامی لوگ مراد ہیں جو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی فوج میں تھے۔
صحیح مسلم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:
''اہل مغرب ہمیشہ غالب رہیں گے، یہاں تک کہ قیامت بپا ہو جائے گی۔'' ❷
امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:
''اہل مغرب سے اہل شام مراد ہیں۔''
ہم نے دوسری جگہ اس پر مکمل گفتگو کی ہے، یہ نص عسکرِ معاویہ کو شامل ہے۔
صحابہ کا قول ہے کہ سیدنا معاویہ، سیدنا علی کے بہت سے مقرر کردہ امراء سے افضل تھے۔ لہٰذا ان کو معزول کر کے ان سے فروتر درجہ کے لوگوں کو حاکم مقرر کرنے میں کوئی مصلحت مضمر نہ تھی۔ اگر سیدنا علی، امیر معاویہ کو بدستور والیٔ شام رہنے دیتے تو امت فتنہ پردازی اور خونریزی سے محفوظ رہتی۔ اگر اس کا عذر یہ بیان کیا جائے کہ سیدنا علی نے اجتہاد کی بنا پر ایسا کیا تھا تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ سیدنا عثمان سے بھی جو امور صادر ہوئے وہ ان کے اجتہاد پر مبنی ہیں۔
مزید براں یہ کیا اجتہاد ہے کہ بعض لوگوں کو ولایت و امارت پر فائز کیا جائے اور بعض کو محروم رکھا جائے اور اس کے پہلو بہ پہلو امت میں خون ریزی کا باب اس حد تک مفتوح ہو جائے کہ مسلمان ذلیل و خوار ہو جائیں اور کفار کو نیچا دکھانے کے قابل نہ رہیں بلکہ کفار میں مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کی جسارت پیدا ہو جائے۔
اس بات میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ اگر علی و معاویہ کے مابین جنگ صفین پیش نہ آتی۔ ❸ اور دونوں حضرات اپنے اپنے علاقہ پر قابض رہتے تو امت لڑائی کے فتنہ سے بچ جاتی اس

---

❶ صحیح بخاری، حدیث(۳٦٤۱)
❷ صحیح مسلم۔ کتاب الامارۃ ، باب قوله صلی اللّٰه علیه سلم" لا تزال طائفة من امتی......" (حدیث:۱۹۲۵)
❸ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے دین اسلام کے تحفظ و بقاء اور اسلامی سلطنت کی سرحدوں کی حفاظت ونگہداشت میں جس حد تک اہتمام کیا تھا، اس کی ادنیٰ مثال یہ ہے کہ جب آپ میدان صفین میں سیدنا علی کے

لیے کہ لڑائی سے بڑے دور رس نتائج برآمد ہوئے اور امت تفرقہ بازی کی بنا پر ایک امام پر جمع نہ ہو سکی۔ خون ریزی کا سلسلہ تا دیر جاری رہا اور بغض وعداوت کے جذبات زور پکڑ گئے اور سیدنا علی کا گروہ جو اقرب الی الحق تھا کمزور ہو کر صلح کا مطالبہ کرنے پر مجبور ہوا۔ ظاہر ہے کہ جس فعل کی مصلحت اس کے فساد پر غالب ہو، اس کا وجود پذیر ہونا اس کے نہ ہونے کی نسبت زیادہ خیر وبرکت کا موجب ہوتا ہے۔ موضوع زیر بحث میں بھی لڑائی سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا۔ بلکہ لڑائی نہ ہونے کے فوائد و مصالح کہیں بڑھ کر تھے۔ سیدنا علی کی فوج کثرت تعداد اور قوت وشوکت کے لحاظ سے برتر تھی۔ اور سیدنا معاویہ ان سے مصالحت کرنے کے لیے تیار تھے۔ جس اجتہاد سے اس قدر تباہ کن نتائج ظہور پذیر ہوں، اگر سیدنا علی کو اس میں بے گناہ تصور کیا جائے تو سیدنا عثمان اپنے اجتہاد میں بالاولیٰ عفو و درگزر کے مستحق ہوں گے۔

سیدنا معاویہ کے اعوان وانصار کہتے تھے:

''لڑائی کا آغاز کرنے والے سیدنا علی ہیں، ہم صرف مدافعت کر رہے ہیں اور ہم نے سیدنا علی پر ظلم وتعدی کا ارتکاب نہیں کیا۔''

اگر سیدنا معاویہ کے رفقاء سے یوں کہا جاتا:

''سیدنا علی واجب الاطاعت امام ہیں اور ان کی بیعت آپ کے لیے ناگزیر ہے، کیوں کہ بیعت نہ کرنے سے مسلمانوں میں تفرقہ بازی پیدا ہوتی ہے۔''

تو وہ اس کے جواب میں کہہ سکتے تھے۔

''ہمیں سیدنا علی کا واجب الاطاعت امام ہونا کسی دلیل سے معلوم نہیں اور ہمیں نبی کریم سے ایسی کوئی نص موصول نہیں ہوئی۔''

خلاف صف آراء تھے اور آپ کو معلوم ہوا کہ قیصر روم ایک عظیم لشکر کے ساتھ اسلامی سلطنت پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے تو آپ نے اس کو ان الفاظ پر مشتمل ایک خط لکھا:

''اللہ کی قسم! اگر تو اس حرکت سے باز آ کر واپس اپنے وطن نہ لوٹا تو میں اپنے چچا زاد بھائی (سیدنا علی) سے صلح کر لوں گا اور ہم دونوں تجھے تیرے ملک سے نکال کر دم لیں گے اور اللہ کی زمین کو تجھ پر تنگ کر دیں گے۔''

شاہ روم یہ خط پڑھ کر ڈر گیا اور اپنے ارادہ سے باز رہا۔

ظاہر ہے کہ اصحاب معاویہ کا یہ عذر معقول ہے اس لیے کہ شیعہ امامیہ جس نص جلی کا دعویٰ کرتے ہیں، اگر اسے حق بھی فرض کرلیا جائے ۔ ❶ (حالانکہ وہ باطل ہے) تو وہ قابل تسلیم نہیں، اس لیے کہ یہ نص خلفاء ثلاثہ کے عہد خلافت میں پوشیدہ رکھی گئی تھی۔ بنا بریں اصحاب معاویہ اس سے کیوں کر آگاہ ہو سکتے تھے۔ یہ مفروضہ اس صورت میں ہے جب نص مذکور حق ہو مگر وہ حق نہیں بلکہ باطل ہے۔

شیعہ مصنف کا یہ قول کہ ''سیدنا معاویہ نے صحابہ کی ایک کثیر جماعت کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔''

اس کا جواب یہ ہے کہ مقتولین کسی ایک جماعت میں محدود نہ تھے بلکہ ہر فریق نے فریق مخالف کے اعوان و انصار کو قتل کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ فریقین میں سے جو جنگ آزما لوگ تھے وہ سیدنا علی و معاویہ میں سے کسی کے بھی اطاعت کیش نہ تھے علی و معاویہ دونوں مصالحت چاہتے تھے۔ اور خون ریزی سے بیزار تھے، مگر دونوں کے رفقاء یہ بات تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ فتنہ کی آگ جب ایک مرتبہ مشتعل ہو جاتی ہے تو دانش مندوں کے بجھائے بھی فرو نہیں ہوتی۔ فریقین میں اشتر نخعی۔ ہاشم بن عتبہ ❷ المرقال، عبدالرحمٰن ❸ بن

---

❶ اہل سنت کے نزدیک وہ نص باطل ہے۔ اس لیے کہ اگر ایسی کوئی نص موجود ہوتی تو اصحاب ثلاثہ کی دین داری، اخلاق و مروّت اور حکومت و سلطنت سے بیزاری کی بنا پر توقع کی جاتی تھی کہ سب سے پہلے وہ اس نص پر عمل کرتے۔

❷ ہاشم بن عتبہ المرقال سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا بھتیجا تھا۔ اس نے اپنے چچا کے ساتھ جنگ قادسیہ میں حاضر ہو کر بہادری کے جوہر دکھائے تھے۔ سیدنا سعد نے جو لشکر جلولاء کے مقام پر یزدگرد شاہ ایران سے لڑنے کے لیے بھیجا تھا۔ ہاشم اس کے سپہ سالار تھے، جنگ صفین میں ہاشم نے سیدنا علی کا ساتھ دیا، یہ آپ کی فوج کے علم بردار تھے۔ یہ جنگ صفین میں مارے گئے۔

❸ ایک قدیم مورخ سیف بن عمر تمیمی جس سے مورخ طبری بھی استفادہ کر چکے ہیں، لکھتا ہے:

''عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید اپنے والد کے ساتھ فتوحات شام میں شریک تھے۔ یہ اس وقت بالکل نوعمر تھے۔ ابن سعد نے ان کو تابعین مدینہ کے طبقۂ اوّل میں شمار کیا ہے۔ سیدنا معاویہ کی امارت کے زمانہ میں مسلمانوں نے رومیوں سے جو جنگیں لڑیں، یہ ان میں سپہ سالار ہوا کرتے تھے، یہاں تک کہ ابوایوب انصاری جیسے مقتدر صحابہ آپ کے زیر قیادت شریک جہاد ہوئے۔ عبدالرحمٰن اس وقت عنفوان شباب میں تھے۔ سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ روایت

کرتے ہیں کہ عبدالرحمٰن نے چار عجمی کافر قید کیے اور حکم دیا کہ انھیں تیروں سے قتل کیا جائے، جب سیدنا ابوایوب کو پتہ چلا تو انھوں نے اس سے منع فرمایا اور کہا نبی کریم ﷺ نے کسی کو باندھ کر قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ عبدالرحمٰن نے اس گناہ کی پاداش میں چار غلام آزاد کیے۔ (سنن ابی داؤد۔ کتاب الجهاد۔ باب فی قتل الاسیر بالنبل (حدیث: ۲٦۸۷)، و سنده ضعیف اس کی سند میں بکیر بن الاشج راوی مجھول الحال ہے۔

خلافتِ عثمانی میں سیدنا معاویہ نے عبدالرحمٰن کو ملک شام کی شمالی جانب حمص سے لے کر جزیرہ ابن عمر تک کا حاکم مقرر کیا تھا۔ آپ نے ایک بیدار مغز اور جرأت مند حاکم کی طرح اپنے فرائض منصبی ادا کیے۔ خلافت عثمانی میں جب فتنہ پردازوں نے کوفہ میں شرانگیزی کا آغاز کیا تو سیدنا عثمان نے ان کو معاویہ کی خدمت میں بھیجنے کا حکم صادر فرمایا۔ سیدنا معاویہ نے اپنے حلم وادب کے ذریعہ ان کی اصلاح کرنا چاہی مگر وہ حلم وادب کی لغت سے واقف ہی نہ تھے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سیدنا معاویہ نے ان کو عبدالرحمٰن بن خالد کے پاس بھیجا۔ عبدالرحمٰن نے ان کو متنبہ کرتے ہوئے جو کچھ کہا اس میں یہ الفاظ بھی شامل تھے:

''اے شیطان کے آلہ کار! میں تمھیں خوش آمدید نہیں کہنا چاہتا۔ اب شیطان تھک کر عاجز آ گیا ہے، مگر تمہاری پھرتی و چالاکی میں کمی نہیں آئی۔ اللہ عبدالرحمٰن کو ناکارہ کردے، اگر ادب سکھا کر وہ تمھیں فرماں بردار نہ بنائے۔ اے ان لوگوں کے گروہ جن کے متعلق مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ عرب ہیں یا عجم۔ تمھیں واضح ہو کہ میں اس خالد بن ولید کا بیٹا ہوں جو بڑی مشکلات سے دوچار ہوئے۔ جنھوں نے فتنہ ارتداد کی آگ کو فرو کیا۔ اے صعصعہ بن ذلّ اگر مجھے پتہ چلا کہ میرے رفقاء میں سے کسی نے تیری ناک توڑی اور پھر تجھے دودھ پلایا تو میں تجھے عبرتناک سزا دوں گا۔'' (تاریخ طبری: ۵/۸۷)

عبدالرحمٰن بن خالد کہا کرتے تھے: ''جس کی خیر سے اصلاح ممکن نہ ہو اسے شر کے ذریعے ٹھیک کر سکتے ہیں۔'' یہ سن کر سب شریر عبدالرحمٰن سے کہنے لگے:

''ہم بارگاہ ایزدی میں توبہ کرتے ہیں، ہمیں معاف فرمایئے اللہ تعالیٰ آپ کو معاف کرے۔'' (طبری: ۵/ ۸۷۔۸۸)

مگر ان کی یہ توبہ مخلصانہ نہ تھی۔ رہا ہو کر انھوں نے حج کرنے کے بہانے سے امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کردی۔ عبدالرحمٰن بن خالد جنگ صفین میں سیدنا معاویہ کے ہم راہ تھے، جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے۔

خالد بن ولید اور ابو الاعور السُّلَمِی [1] جیسے لوگ تھے جو جنگ کی آگ کو فرو نہیں ہونے دیتے تھے۔

کچھ لوگ سیدنا عثمان کی شدید حمایت کرتے تھے اور کچھ ان کے خلاف تھے، دوسری طرف حامیان علی تھے اور کچھ لوگ ان سے اختلاف رکھتے تھے۔ علاوہ ازیں جو لوگ سیدنا معاویہ کے حامی تھے، وہ ذات معاویہ کے علاوہ دیگر اسباب و محرکات کی بنا پر شریک جنگ ہوئے تھے۔ جنگ، فتنہ اور قتال جاہلیت کی طرح ایک ہی قسم کے مقاصد و اعتقادات کے تحت وقوع پذیر نہیں ہوتا بلکہ اس کے مقاصد مختلف ہوا کرتے ہیں، امام زہری فرماتے ہیں:

جب فتنہ بپا ہوا تو اصحاب رسول کی تعداد کچھ کم نہ تھی۔ جمیع صحابہ نے اس بات پر اجماع کر لیا تھا کہ جس خون، مال یا عفت و عصمت کو بنا بر تاویل حلال کیا گیا ہو وہ ہدر (جس پر شرعی سزا نہ دی جائے) ہے۔

جہاں تک لعنت کا تعلق ہے، فریقین دعا میں ایک دوسرے پر لعنت کرتے تھے، کسی کے خلاف جنگ آزما ہونا اس پر لعنت بھیجنے سے بھی عظیم تر ہے۔ لعنت بھیجنے کا فعل خواہ گناہ ہو یا صحیح و غلط اجتہاد پر

---

[1] ابو اعور کا اصلی نام عمر بن صفوان ذکوانی ہے۔ ذکوان بنی سُلیم کے ایک قبیلہ کا نام ہے۔ یہ صحابی ہیں غزوۂ حنین کے بعد اسلام لائے۔

محمد بن حبیب لکھتے ہیں:

''سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مختلف دیار و امصار کے امراء کو لکھا تھا کہ ہر علاقہ میں سے ایک صالح ترین شخص آپ کی خدمت میں بھیجا جائے۔ چنانچہ بصرہ، کوفہ اور شام و مصر سے چار آدمی آپ کے یہاں بھیجے گئے۔ اتفاق کی بات ہے کہ یہ چاروں قبیلہ بنی سلیم سے تعلق رکھتے تھے اور ان میں سے ایک ابو اعور سُلَمِی تھے۔ امام مصر سیدنا لیث بن سعد فرماتے ہیں۔

''جب ۲۳ھ میں عموریہ کی جنگ ہوئی تو اس میں مصری فوج کے امیر وہب بن عمیر جُمحی تھے اور شامی لشکر کے سپہ سالار ابو اعور سلمی تھے۔''

ابو زرعہ اپنی تاریخ دمشق میں لکھتے ہیں:

''۲۶ھ میں ابو اعور سلمی نے قبرص کی جنگ میں شرکت کی تھی۔''

جنگ صفین میں ابو اعور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر میں تھے اور بہت بڑے قائد خیال کیے جاتے تھے۔ ان کی شجاعت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ابو آعور نے یہ سمجھ کر اشتر نخعی کا مقابلہ کرنے سے انکار کر دیا تھا کہ وہ ان کا حریف نہیں ہو سکتا۔

مبنی ہو، اللہ کی مغفرت کا حصول بنا بر توبہ گناہوں کا ازالہ کرنے والے اعمال صالحہ اور گناہوں کا کفارہ بننے والے حوادث و آلام کی وجہ سے ممکن ہے۔

عجیب بات یہ ہے کہ روافض سَبِّ علی کو ناپسند کرتے ہیں اور خلفاء ثلاثہ کی تکفیر کرنے اور ان کو برا بھلا کہنے سے نہیں شرماتے۔ بخلاف ازیں سیدنا معاویہ کے احباب و انصار سیدنا علی کی تکفیر نہیں کرتے، آپ کی تکفیر صرف خوارج کرتے ہیں، جو دین اسلام سے نکل چکے ہیں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''میرے صحابہ کو گالی نہ دو، مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر تم میں سے کوئی شخص احد کے پہاڑ جتنا سونا بھی خرچ کرے، تو وہ ان کے عشر عشیر کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔'' [1]

کیا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو زہر کھلایا تھا:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''معاویہ نے حسن کو زہر کھلایا تھا۔''

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات کہی جاتی ہے [2] مگر دلیل و برہان سے ثابت نہیں ہوتی، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سیدنا حسن کی بیوی نے آپ کو زہر کھلایا تھا۔ چونکہ سیدنا حسن کثرت سے طلاق دیا کرتے تھے اس لیے ممکن ہے کہ ان کی بیوی نے کسی مقصد کے لیے آپ کو زہر کھلایا ہو۔ واللہ اعلم

ایک قول یہ بھی ہے کہ اس عورت کے والد اشعث بن قیس نے سیدنا حسن کو زہر کھلانے کا حکم دیا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اندرونی طور پر سیدنا علی و حسن سے منحرف ہو گیا تھا۔ اس کے ساتھ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سیدنا معاویہ نے اس کے والد کو اس بات پر مامور کیا تھا۔ یہ ظن محض ہے جس کا کوئی ثبوت

---

[1] یہ حدیث ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے۔ (دیکھئے العواصم من القواصم: ۳۲ تا ۳۴، فصل "اصحاب رسول الله عدول" اور صحیح بخاری کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم، باب قول النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم، لو کنت متخذاً خلیلاً (حدیث: ۳۶۷۳)، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب تحریم سب الصحابة رضی الله عنهم (حدیث: ۲۵۴۱)

[2] یہ شیعہ کا قول ہے، جو بلا دلیل و ثبوت سیدنا معاویہ پر اتہام طرازی کرتے رہتے ہیں یا وہ لوگ اس کے قائل ہیں جو شیعہ کے دام فریب میں آ کر ان کے جھوٹے اقوال سے متاثر ہو جاتے ہیں۔

نہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"اِیَّاکُمْ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَکْذَبُ الْحَدِیْثِ" [1]

''بدگمانی سے بچو، کیوں کہ یہ بڑی جھوٹی بات ہے۔''

خلاصہ یہ کہ باتفاق مسلمین شرعاً ایسی بلا دلیل بات کو تسلیم نہیں کیا جا سکتا اور نہ اس پر کسی کی مدح یا مذمت کا ترتب درست ہے، مزید برآں اشعث کی وفات ۴۰ھ یا ۴۱ھ میں ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ عام الجماعہ یعنی ۴۱ھ میں سیدنا علی وحسن کے مابین جو مصالحت ہوئی تھی، اس میں اشعث کا نام ذکر نہیں کیا جاتا۔ اگر اشعث زندہ ہوتا تو اس کا ذکر نا گزیر تھا۔ جب اشعث کی وفات سیدنا حسن کی وفات سے دس سال پہلے ہوگئی تھی تو وہ اپنی بیٹی کو زہر خورانی کا حکم کیوں کر دے سکتا ہے؟

جہاں تک یزید کا تعلق ہے باتفاق اہل نقل اس نے سیدنا حسین کو قتل کرنے کا حکم نہیں دیا تھا البتہ اس نے ابن زیاد کو لکھا تھا کہ سیدنا حسین کو عراق [2] میں داخل ہونے سے روکے۔ سیدنا حسین کا خیال

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الادب۔ باب ما ینھی عن التحاسد والتدابر، (حدیث:٦٠٦٤)، صحیح مسلم، کتاب البر والصلة۔ باب تحریم الظن والتجسس (حدیث:٢٥٦٣)

[2] یہ ایک فطری بات ہے کہ جو شخص کسی تاج وتخت سے اس کی حکومت چھیننے کی کوشش کرے گا تو وہ اس کی مدافعت کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرے گا۔ یہی وجہ ہے کہ وُلاۃ وحُکّام کے خلاف نبرد آزما ہوکر ان کی حکومت چھیننا شرعاً ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ کوفہ کے رہنے والے شیعان حسین نے آپ کو جو خطوط تحریر کیے تھے ان کی بنا پر آپ کا خیال تھا کہ کسی شورو ہنگامہ کے بغیر عراق میں آپ کی حکومت قائم ہو جائے گی۔ البتہ آپ کے احباب واعوان، صاحب عقل ودانش، اقارب اور جو لوگ ایسے مواقع پر اسلام کے طریق کار سے آگاہ تھے بخوبی جانتے تھے کہ کوفہ کے شیعان حسین جھوٹے ہیں وہ آپ کو بروقت دھوکہ دیں گے اور سب حوادث وآلام آپ پر ٹوٹ پڑیں گے۔ جن لوگوں نے آپ کو کوفہ جانے سے روکا آپ کے بھائی محمد بن حنفیہ ان میں پیش پیش تھے۔ (تاریخ طبری:۶/۱۹۰۔۱۹۱)، اسی طرح سیدنا علی کے چچا زاد بھائی حبر الامت عبداللہ بن عباس (طبری:۶/۲۱۶۔۲۱۷)، اور سیدنا حسین کے ابن العم عبد اللہ بن جعفر بن ابی طالب (طبری:۶/۲۱۹)، نے بھی آپ کو عازم کوفہ ہونے سے روکا تھا۔ اس ضمن میں عبداللہ بن جعفر نے اس حد تک کوشش کی کہ یزید کی جانب سے مکہ کے والی عمرو بن سعید بن العاص سے سیدنا حسین کے نام ایک خط لکھوایا۔ اس خط میں والی مکہ نے لکھا کہ مکہ میں آپ ہر طرح محفوظ و مامون

تھا کہ اہل عراق آپ کی مدد کریں گے اور اپنے وعدہ کو پورا کریں گے۔ [1] چنانچہ آپ نے اپنے چچا زاد بھائی مسلم بن عقیل کو کوفہ بھیجا۔ جب انھوں نے دھوکہ سے مسلم کو قتل کر کے ابن زیاد کی بیعت کر لی، تو سیدنا حسین نے واپس جانے کا ارادہ کیا، مگر ابن زیاد کی ظالم فوجوں نے آپ کو واپس جانے سے روکا، آپ نے یہ بھی کہا کہ میں یزید کے پاس چلا جاؤں گا یا ملکی سرحد کی راہ لوں گا یا اپنے شہر کو واپس چلا جاؤں گا، مگر انھوں نے آپ کو قیدی بنانے کے سوا دوسری سب تجویزیں مسترد کر دیں۔ آپ نے

ہوں گے اور آپ سے لطف و مروّت کا سلوک کیا جائے گا، لہٰذا آپ واپس مکہ آ جائیں۔ عبداللہ بن جعفر نے یہ خط اپنے ہاتھ سے لکھا۔ والی نے اس پر مہر لگا دی اور اپنے بھائی یحییٰ بن سعید بن العاص کے ہاتھ اسے سیدنا حسین کی طرف روانہ کیا۔ عبداللہ بن جعفر بھی یحییٰ کے ساتھ گئے اور سیدنا حسین کو واپس لانے کی انتہائی کوشش کی۔ مگر آپ رضا مند نہ ہوئے۔ (تاریخ طبری: ۶/ ۲۱۹۔۲۲۰) میں والی مکہ کا یہ خط محفوظ ہے) کوئی شخص علم و عقل، مقام و مرتبہ اور اخلاص میں ان ناصحین سے بڑھ کر نہیں ہوسکتا۔ سیدنا عبداللہ بن زبیر کے داعی عبداللہ بن مطیع نے بھی عقل و اخلاص کی حد تک آپ کو روکنے کی کوشش کی۔ (تاریخ طبری: ۶/ ۱۹۶)، عمر بن عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام مخزومی اور حارث بن خالد بن عاص بن ہشام بھی ناصحین کے زمرہ میں شامل تھے۔ (طبری: ۶/ ۲۱۵۔۲۱۶)

اموی دور کے مشہور شاعر فرزدق نے سیدنا حسین سے کہا تھا:

''لوگوں کے دل آپ کے ساتھ ہیں اور تلواریں بنوامیہ کے ساتھ۔'' (طبری: ۱/ ۲۱۸)

مگر یہ تمام مساعی جمیلہ سیدنا حسین کو اس سفر سے باز نہ رکھ سکیں جو نہ صرف آپ کے حق میں بلکہ دین اسلام اور آج تک پوری ملت اسلامیہ کے حق میں منحوس ثابت ہوا۔ اس کی تمام تر ذمہ داری کوفہ کے شیعان حسین پر عائد ہوتی ہے۔ جنھوں نے فریب دہی وفتنہ پردازی کے ارادہ سے آپ کو دعوت دی، پھر انتہائی کمینہ پن، خیانت کاری اور بزدلی سے آپ کا ساتھ چھوڑ دیا۔ متاخرین شیعہ نے اپنے اسلاف کی کارکردگی پر اکتفا نہ کیا، بلکہ تاریخی حقائق کو مسخ کرنے اور ان کی تحریف و تغییر کا بیڑا اٹھایا۔

[1] ہمارے معاصر مشہور شیعہ شاعر محمد جواد خضر نے ان تاریخی حقائق کو تسلیم کیا ہے اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے حق و انصاف کو اس کی زبان پر جاری کر دیا، سیدنا علی بن حسین بال بچوں سمیت جب کربلا سے کوفہ پہنچے اور خیانت کار شیعہ مستورات سمیت روتے دھوتے اور دامن پھاڑتے آپ کے استقبال کے لیے نکلے (جیسے شیعہ آج کل عاشوراء کے موقع پر کرتے ہیں) تو آپ نے اہل کوفہ کو مخاطب کر کے کہا: ''اہل کوفہ! اب تم رو رہے ہو بتلایئے تمہارے سوا ہمیں اور کس نے قتل کیا ہے؟''

قیدی ہونے اور عبداللہ بن زیاد کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے سے انکار کر دیا اور ان کے خلاف لڑتے ہوئے بحالت مظلومی شہادت پائی۔

جب یزید کو شہادت حسین کی خبر پہنچی تو اس نے بڑے درد و کرب کا اظہار کیا اور اس کے اہل خانہ نے آہ و بکا کا آغاز کیا۔ یزید نے اہل بیت کی خواتین میں سے کسی کو قید نہیں کیا تھا۔ [1] بلکہ انھیں عطیہ جات دیے اور عزت و احترام سے انھیں مدینہ رخصت کر دیا۔ سیدنا معاویہ نے یزید کو وصیت کی تھی کہ ہر قیمت پر سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا اکرام و احترام ملحوظ رکھے۔

رافضی مضمون نگار کا یہ قول کہ ''ابوسفیان نے نبی کریم کے اگلے دانت توڑے تھے۔'' صریح کذب ہے، یہ دانت توڑنے والا عتبہ بن ابی وقاص [2] تھا۔ یہ درست ہے کہ ہند زوجۂ ابوسفیان نے سید الشہداء سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کا جگر چبا کر تھوک دیا تھا۔ [3] پھر عنایت ایزدی سے وہ مشرف بہ اسلام

---

[1] اس فقرہ سے شیعہ کی تردید مقصود ہے، ورنہ یزید اور اس کے اہل بیت آج کل کے جھوٹے مدعیان حب اہل بیت سے کہیں بڑھ چڑھ کر بنی ہاشم کا اعزاز واحترام بجالاتے تھے، موجودہ شیعہ حب اہل بیت کے بہانہ سے ان کے دین میں مسخ و تحریف کرنا چاہتے ہیں ایک مرتبہ حجاج ثقفی نے بنی ہاشم کے قبیلہ میں رشتہ کرنا چاہا تو بنو امیہ نے اسے ناپسند کیا کیوں کہ وہ حجاج کو بنوعبد مناف کا کفو (ہمسر) تصور نہیں کرتے تھے۔

[2] دیکھیے تاریخ طبری (۳/ ۱۷) طبع حسینیہ نیز (ج:۱/ ۱۴۰۳) طبع یورپ۔ عتبہ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا بھائی تھا۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ سیدنا سعد جنتی ہیں اور عتبہ جہنمی۔ محمد بن اسحاق سیدنا سعد سے روایت کرتے کہ وہ کہا کرتے تھے: ''اللہ کی قسم! میں عتبہ سے بڑھ کر کسی شخص کو قتل کرنے کا حریص نہ تھا۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے وہ اپنی قوم میں بدخلق مشہور تھا اور سب لوگ اسے نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ میرے لیے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی کافی ہے کہ: ''اس شخص پر اللہ کا شدید غضب ہوگا جس نے رسول اللہ کے چہرے کو خون آلود کیا۔'' (طبری:۳/ ۲۰)

سیدنا ابن عباس کے شاگرد مقسم روایت کرتے ہیں کہ ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عتبہ کے حق میں بددعا کی تھی۔ کہ سال گزرنے سے پیشتر وہ بہ حالت کفر مرجائے گا۔'' چنانچہ عتبہ ایک سال کے اندر اندر کافر ہونے کی حالت میں مرگیا۔ یہ بھی مروی ہے کہ جنگ بدر کے بعد حاطب بن ابی بلتعہ نے عتبہ پر قابو پا کر اس کا سر اڑا دیا تھا۔ (رواہ الحاکم فی المستدرك) اور سیرۃ ابن هشام (ص:۳۸٦)

[3] سیرۃ ابن هشام (ص:۳۹۳)، مسند احمد ۱۰/ ٤٦۳)، مطولاً

ہوئی۔ نبی کریم ﷺ ہند کی اس بنا پر تکریم فرمایا کرتے تھے کہ رشتہ سے وہ آپ کی ساس ہوتی تھی۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتے تھے:

﴿قُلْ لِلَّذِیْنَ کَفَرُوْا اِنْ یَّنْتَهُوْا یُغْفَرْلَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ﴾

(سورہ انفال:۸/۳۸)

''جو لوگ کافر ہیں، ان سے فرمائیں کہ اگر وہ باز آ جائیں تو ان کے سابقہ گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔''

سیدنا عمرو بن العاص نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''اسلام سابقہ گناہوں کو منہدم کر دیتا ہے۔'' [1]

جب سیدنا معاویہ کی والدہ ہند حلقہ بگوش اسلام ہوئیں تو اس نے کہا: ''اللہ کی قسم! کرۂ ارضی پر کوئی گھر ایسا نہ تھا جس کے اہل خانہ کا رسوا ہونا مجھے آپ کے اہل خانہ کے رسوا ہونے سے زیادہ عزیز تر ہو اور آج یہ عالم ہے کہ اس کائنات ارضی پر کسی اہل خانہ کا معزز ہونا مجھے آپ کے اہل خانہ کے اعزاز و اکرام سے زیادہ محبوب نہیں۔ [2]

رافضی قلم کار رقم طراز ہے:

''اہل سنت چونکہ سیدنا علی سے عناد رکھتے ہیں، اس لیے ان کی بجائے خالد بن ولید کو سیف اللہ کہہ کر پکارتے ہیں۔ حالانکہ رسول اللہ نے فرمایا تھا کہ ''علی اللہ کی تلوار اور اس کا تیر ہیں۔''

سیدنا علی نے برسر منبر فرمایا تھا: ''میں اعدائے دین کے لیے اللہ کی تلوار ہوں۔''

خالد بن ولید ہمیشہ دشمن رسول رہے اور آپ کی تکذیب کرتے رہے۔ غزوۂ احد میں مسلمانوں کے شہید ہونے کی ذمہ داری بھی خالد پر عائد ہوتی ہے جب خالد نے اظہار اسلام کیا تو نبی کریم نے اسے بنی جَذِیمہ کی طرف بھیجا۔ خالد نے اس راہ میں خیانت کی۔ امر رسول کی خلاف ورزی کی اور مسلمانوں کو قتل کرایا۔ یہ دیکھ کر نبی ﷺ نے فرمایا:

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب کون الاسلام۔ یھدم ما قبلہ(حدیث:۱۲۱)

[2] صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار۔ باب ذکر ھند بنت عتبۃ بن ربیعۃ رضی اللہ عنھا، (حدیث:۳۸۲۵)، صحیح مسلم۔ کتاب الاقضیۃ، باب قضیۃ ھند،(حدیث: ۸/۱۷۱۴)

''اے اللہ! جو کچھ خالد نے کیا میں اس سے براءت کا اظہار کرتا ہوں۔''

سیف اللہ کون تھا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ سیدنا علی کو ''سیف اللہ'' قرار دینا کسی کتاب میں مذکور نہیں۔ البتہ بلا ریب سیدنا خالد کو ''سیف من سیوف اللہ'' سے ملقب کرنا نبی کریم سے ثابت ہے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جب نبی کریم کو سیدنا زید و جعفر و ابن رواحہ رضی اللہ عنہم کی شہادت کی خبر ملی تو آب دیدہ ہو گئے، پھر فرمایا: ''اس کے بعد اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار (سیدنا خالد) نے جھنڈے کو تھاما تو اللہ تعالیٰ نے فتح مرحمت فرمائی۔''[1] اس کا یہ مطلب نہیں کہ سیدنا خالد کے علاوہ اور کوئی شخص سیف اللہ نہیں ہو سکتا، بلکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ''سیوف اللہ'' اور بھی ہیں، اس میں شبہ نہیں کہ سیدنا خالد نے دیگر صحابہ کی نسبت زیادہ کفار کو جہنم واصل کیا۔ آپ غزوات میں ہمیشہ نیک فال رہے۔ فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے اور ہجرت کی سعادت حاصل کی[2] یہ جب سے اسلام لائے اسی وقت سے آپ نے ان کو سپہ سالار مقرر کرنا شروع کیا۔ جنگ موتہ میں آپ کے ہاتھ میں نو (۹) تلواریں ٹوٹی تھیں۔[3]

یہ حقیقت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی جذیمہ کے ساتھ سیدنا خالد کے فعل سے اظہار براءت

---

[1] صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ موتۃ من ارض الشام، (حدیث:٤٢٦٥)

[2] سیدنا خالد بن ولید اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما نے اپنی مرضی سے ہجرت کی تھی۔ حالانکہ سیدنا خالد ابھی فتح احد کے نشہ سے سرشار تھے، آپ کے والد مکہ کے عظیم رئیس تھے۔ اور آپ وہاں فارغ البالی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ سیدنا خالد عیش و مسرت کی زندگی کو لات مار کر اقامت حق کی خاطر عازم مدینہ ہوئے، تو نبی کریم نے صحابہ کو مخاطب کر کے فرمایا: ''مکہ نے اپنے جگر کے پارے تمہارے یہاں پھینک دیے ہیں۔'' سیرة ابن هشام(ص: ٤٨٤) مستدرك حاكم(٣/٢٩٧-٢٩٨)

اگر سیدنا خالد اپنی عظیم فتوحات کی بنا پر جنت اور تاریخ اسلام کے اوراق میں بقاء دوام سے بہرہ ور ہیں تو اس میں شبہ نہیں کہ وہ جن احوال و ظروف میں اسلام لائے اور نبی کریم نے ان پر مدح و ستائش کے پھول نچھاور کیے ان کی بنا پر دینی و دنیوی مجد و شرافت میں وہ اس سے زیادہ خلود و دوام سے بہرہ ور ہیں۔

[3] صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب عزوۃ موتۃ فی ارض الشام،(حدیث:٤٢٦٥)،

کیا۔ [1] البتہ انھیں معزول نہ کیا۔ یہ بھی درست ہے کہ سیدنا علی بھی ''سیوف اللہ'' میں سے ایک تھے، اس میں تنازع کی گنجائش ہی کیا ہے۔؟ نیز یہ کہ آپ علم وفضل، فصاحت و بلاغت اور سبقت اسلام کی بنا پر سیدنا خالد سے افضل تھے۔ تلوار کا کام صرف لڑنا ہے، حالانکہ سیدنا علی میں جہاد وقتال کے سوا اور بھی بہت سے فضائل تھے۔ جب کہ سیدنا خالد کا خصوصی وصف قتال تھا۔ یہی ان کی وجہ فوقیت ہے اور اسی بنا پر آپ کو سیف اللہ کا لقب ملا۔

براء بن مالک ہی کو لیجیے۔ انھوں نے میدان مبارزت میں سو آدمیوں کو قتل کیا تھا۔ یہ تعداد ان لوگوں کے علاوہ ہے جو اس کے قتل میں شریک ہوئے۔ [2] نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''ابوطلحہ کی آواز لشکر میں ایک جماعت سے بہتر ہے۔'' [3]

روافض کے یہاں تناقض کی بھر مار ہے، وہ ایک طرف تو یہ کہتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ معاون رسول تھے اور اگر وہ نہ ہوتے تو دین کی اشاعت نہ ہوتی اور دوسری طرف یہ بھی کہتے ہیں کہ سیدنا علی تقیہ کرتے تھے جو ضعف و عجز کی دلیل ہے۔

فتح مکہ کے بعد سرکار دو عالم ﷺ نے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو قبیلہ بنی جذیمہ سے لڑنے کے لیے مامور فرمایا۔ انھوں نے اَسْلَمْنَا (ہم اسلام لائے) کی بجائے صَبَانَا (ہم صابی ہوگئے) کہنا شروع کیا، سیدنا خالد نے اسے اسلام پر محمول نہ کیا اور ان کو قتل کر دیا۔ [4] یہ ان کی اجتہادی غلطی تھی۔ پھر نبی کریم نے کچھ مال دے کر سیدنا علی کو روانہ کیا اور انھوں نے نصف دیت ادا کر دی۔ جو مالی نقصان ہوا تھا اس کی تلافی کی۔ یہاں تک کہ کتا جس برتن سے پانی پیتا ہے اس کی قیمت بھی ادا کی۔ [5] سیدنا خالد نے نبی کریم کی حکم عدولی نہیں کی تھی، بلکہ وہ آپ کے حد درجہ اطاعت کیش تھے۔ البتہ اس موقع پر ان سے اجتہادی غلطی صادر ہوئی، جس طرح سیدنا اسامہ نے اس شخص کے بارے میں غلطی کی تھی

---

[1] صحیح بخاری، کتاب المغازی ، باب بعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم خالد بن الولید...... (حدیث:٤٣٣٩)

[2] مصنف عبد الرزاق،٩٤٦٩) ،طبرانی(١١٧٨،١١٧٩)، مستدرك حاكم(٢٩١/٣)

[3] مسند احمد(٢٠٢/٣)، طبقات ابن سعد(٥٠٥/٣)، مستدرك حاكم (٣٥٢/٣، ٣٥٣)

[4] صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب بعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم خالد بن الولید...... (حدیث:٤٣٣٩)

[5] سیرة ابن هشام(ص:٥٥٨)

جس نے ''لا الہ الا اللہ'' کہا اور اس کے باوجود سیدنا اسامہ نے اسے قتل کر دیا۔ ❶ اور جس طرح اس لشکر سے غلطی سرزد ہوئی تھی جس نے بکریوں والے اس شخص کو قتل کر دیا تھا جس نے اپنے اسلام کا اظہار کیا تھا۔ یہ آیت کریمہ اسی موقع پر نازل ہوئی۔

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَتَبَیَّنُوْا وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓی اِلَیْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا﴾ (سورہ نساء:٤/٩٤) ❷

''اے ایمان والو! جب تم اللہ کی راہ میں سفر کرو، تو تحقیق کرلیا کرو اور جو سلام کہے اسے یہ نہ کہو کہ تو مومن نہیں ہے۔''

سیدنا خالد کی اجتہادی غلطی:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''جب اہل یمامہ سے لڑنے کے لیے گئے تو اظہار اسلام کے باوجود ۱۲۰۰ آدمیوں کو قتل کر دیا۔ مالک بن نُویرہ کو قتل کر کے اس کی بیوی سے نکاح کر لیا حالانکہ وہ مسلمان ہو چکا تھا۔ زکوٰۃ نہ ادا کرنے کی بنا پر بنو حنیفہ کو مرتد قرار دیا جس کی وجہ صرف یہ تھی کہ انھوں نے ابوبکر کی خلافت کو تسلیم نہیں کیا تھا۔ اس کے برعکس جو لوگ سیدنا علی کے خلاف نبرد آزما ہوئے اور جنھوں نے مسلمانوں کے خون کو مباح قرار دیا تھا، ان کو مرتد قرار نہ دیا حالانکہ نبی کریم ﷺ نے سیدنا علی کو مخاطب کر کے فرمایا تھا: ''اے علی! تجھ سے لڑائی کرنا میرے خلاف جنگ آزما ہونا ہے۔'' ظاہر ہے کہ رسول کے خلاف صف آرائی کرنے والا اجماعاً کافر ہے۔ ❸

---

❶ صحیح بخاری، کتاب المغازی۔ باب بعث النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم اسامة بن زید......''(حدیث:٤٢٦٩)، صحیح مسلم، کتاب الایمان۔ باب تحریم قتل الکافر بعد قوله لا اله الا الله ،(حدیث:٦٨)

❷ صحیح بخاری۔ کتاب التفسیر، سورة النساء ، باب﴿ وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓی اِلَیْكُمُ ﴾ (حدیث ٤٥٩١) ، صحیح مسلم کتاب التفسیر، باب تفسیر آیات متفرقة، (حدیث: ٣٠٢٥)

❸ ۱۳۷۳ھ میں بمقام کیمبرج مستشرقین کی ایک کانفرنس منعقد ہوئی تھی، جس میں روس کے مستشرقین نے اپنی تقاریر و مقالات میں مسیلمہ کذاب اور اس کی قوم بنی حنیفہ کی مدافعت کی تھی، جن کے خلاف سیدنا

شیعہ مصنف کا یہ بیان اس بات کی آئینہ داری کرتا ہے کہ بنو حنیفہ اور شیعہ مرتدین میں سرے سے کوئی فرق و امتیاز پایا ہی نہیں جاتا۔ یہ لوگ کھلم کھلا اللہ و رسول اور اس کی کتاب اور دین کے دشمن ہیں۔ ان لوگوں نے دین حق سے تجاوز کر کے اسے پس پشت پھینک دیا ہے، یہ اللہ و رسول اور نیک بندوں کی مخالفت کرتے اور اہل ارتداد و شقاق سے الفت و محبت رکھتے ہیں۔ روافض کے ایسے بیانات سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ سیدنا ابوبکر کے خلاف روافض کا بغض و عناد کسی طرح ان مرتدین سے کم نہیں جن کے خلاف سیدنا صدیق صف آراء ہوئے تھے۔

واقعہ یہ ہے کہ اہل یمامہ مشہور مدعی نبوت مسیلمہ کذاب پر ایمان لا چکے تھے۔ مسیلمہ نے اپنا الگ قرآن تصنیف کیا تھا اور اس کے علاوہ بڑے بڑے جرائم کا ارتکاب کر چکا تھا۔ سیدنا ابوبکر کے نامہ اعمال میں سب سے افضل عمل یہ لکھا جا چکا ہے کہ آپ نے ان مرتدین سے لڑنے کے لیے بہترین صحابہ کا ایک لشکر بھیجا اور اس کی سپہ سالاری سیدنا خالد سیف اللہ کو تفویض کی۔ یہ لشکر پہلے طُلَیحہ اسدی کے خلاف صف آراء ہوا۔ جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور اہل نجد اس پر ایمان لا چکے تھے۔ طلیحہ بعد ازاں مشرف باسلام ہوا۔ مسیلمہ کی لڑائی میں زید بن خطاب، ثابت بن قیس، اسید بن حضیر نے سالم و ابوحذیفہ اور ابودجانہ جیسے جلیل القدر صحابہ شہید ہوئے۔

مسیلمہ نے جو قرآن مرتب کیا تھا، وہ حد درجہ مضحکہ انگیز اور اس کی حماقت و سفاہت کا آئینہ دار ہے۔ نمونہ ملاحظہ فرمائیے۔

۱۔ ”یَا ضِفْدَعُ بِنْتُ ضِفْدَ عَیْنِ نَقِیٌّ کَمْ تَنَقِّیْنَ ، لَا الْمَاءَ تُکَدِّرِیْنَ وَ لَا الشَّارِبَ تَمْنَعِیْنَ، رَاسُكِ فِی الْمَاءِ وَ ذَنْبُكِ فِی الطِّیْنِ

۲۔ ”اِنَّ الْاَرْضَ بَیْنَنَا وَ بَیْنَ قُرَیْشٍ وَ لٰکِنَّ قُرَیْشًا قَوْمٌ لَّا یَعْدِلُوْنَ

صدیق یمامہ کے علاقہ میں نبرد آزما ہوئے تھے۔ جملہ عالم اسلامی میں روسی مستشرقین کے خلاف صدائے احتجاج بلند ہوئی اور مجلّہ الازہر نے اپنی اشاعت ۱۳۷۴ھ، ص: ۲۵۴ پر اس سے استشراق کے معیار کی پستی پر استدلال کیا تھا۔ روافض بنو حنیفہ کی جو پشت پناہی کرتے ہیں اس سے واضح ہوتا ہے کہ روس کے مستشرقین شیعہ کی اس حرکت سے متاثر ہوئے ہیں، جو انھوں نے سیدنا صدیق اور مسلمانوں کے اس لشکر کے خلاف انجام دی، جس میں انھوں نے عدیم المثال جرأت و شجاعت کا ثبوت دیا تھا۔

۳۔ اَلْفِیْلُ، مَا الْفِیْلُ وَ مَا اَرْدَاكَ مَا الْفِیْلُ، لَهٗ زَلُوْمٌ طَوِیْلٌ ، اِنَّ ذَالِكَ مِنْ خَلْقِ رَبِّنَا الْجَلِیْلِ

جب سیدنا ابوبکر نے یہ کلام سنا تو فرمایا:

''مسیلمہ تمھیں کہاں لیے جا رہا ہے، یہ کلام اللہ کا نازل کردہ نہیں۔''

بہرکیف مسیلمہ کذاب کا دعوائے نبوت، بنو حنیفہ کا اس پر ایمان لانا اور سیدنا صدیق کا ان کے خلاف نبرد آزما ہونا تاریخ اسلام کے مشہور واقعات ہیں اور متواتر کی حد تک معروف ہیں۔ عام و خاص سب ان سے آشنا ہیں اور ان کا علم صرف طبقہ خواص ہی تک محدود نہیں ہے۔ بلکہ اس سے بڑھ کر ہم یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ لوگ ان واقعات کو جنگ جمل وصفین سے بھی بڑھ کر جانتے ہیں۔

بعض متکلمین نے جنگ جمل وصفین سے انکار کیا ہے، اگرچہ یہ باطل ہے، مگر اہل یمامہ کی لڑائی اور مسیلمہ کے دعوی نبوت سے کسی شخص کو مجال انکار نہیں ہوئی۔ البتہ روافض بنا پر جہالت ان واقعات سے اسی طرح انکار کرتے ہیں جیسے دیگر تاریخی حقائق سے، شیعہ مندرجہ ذیل مشہور واقعات کو تسلیم نہیں کرتے۔

۱۔ سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کا نبی کریم کے پہلو میں مدفون ہونا۔

۲۔ شیعہ اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ سیدنا ابوبکر و عمر کے ساتھ نبی کریم کو والہانہ محبت تھی۔

۳۔ شیعہ کا دعویٰ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تصریحاً سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کیا تھا۔

۴۔ شیعہ کے نزدیک سیدنا زینب، رقیہ اور ام کلثوم رضی اللہ عنہن نبی کریم کی بیٹیاں نہیں تھیں۔ [1]

۵۔ بعض شیعہ کا قول ہے کہ صحابہ نے سیدہ فاطمہ کا پیٹ چاک کر دیا جس سے آپ کا حمل ساقط ہو گیا۔

۶۔ بقول روافض صحابہ نے سیدہ فاطمہ کا مکان منہدم کر دیا اور اہل خانہ اس کے نیچے دب گئے۔

خلاصہ کلام! شیعہ ثابت شدہ تاریخی حقائق کا انکار کرتے اور ان امور کا اثبات کرتے ہیں جو معدوم یا لوگوں کی نگاہ سے پوشیدہ ہیں۔ گویا وہ اس آیت کے مصداق ہیں:

﴿وَ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا

---

[1] شیعہ آج تک اس نظریہ پر مصر ہیں، چنانچہ انھوں نے حال ہی میں ایک کتاب میں جو نجف کے مطبع علویہ میں ۱۳۴۸ھ میں چھپی ہے۔ اس نظریہ کا اثبات کیا ہے۔ دیکھیے کتاب مذکور جلد: ۲/۲۹۱)

جَآءَہٗ﴾(سورۃ العنکبوت: ۲۹/ ۶۸)

''اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا جب حق آئے تو وہ اس کی تکذیب کرنے لگے۔''

روافض صحیح معنی میں مذکورۃ الصدر آیت کے مصداق ہیں، وہ حق کی تکذیب کرتے اور کذب پر ایمان رکھتے ہیں۔ مرتدین کا بھی یہی حال تھا، ان کا دعویٰ ہے کہ ابوبکر و عمر اور ان کے اتباع اسلام سے منحرف ہو چکے تھے۔ [1] حالانکہ عام و خاص اس حقیقت سے آگاہ ہیں کہ وہ ابوبکر ہی تھے جنھوں نے مرتدین کے خلاف جہاد کیا۔ مقام افسوس ہے کہ شیعہ اہل یمامہ کو مظلوم مسلمان قرار دیتے ہیں، ایسے لوگوں سے خطاب کیوں کر ممکن ہے؟

بقول روافض اہل یمامہ مرتد نہ تھے:

شیعہ مصنف کا یہ قول کہ'' بنو حنیفہ نے چونکہ ابوبکر کو زکوٰۃ نہ دی تھی۔ اس لیے انھیں مرتدین کا نام دیا'' یہ کھلا ہوا جھوٹ ہے۔ سیدنا ابوبکر بنو حنیفہ کے خلاف اس لیے صف آراء ہوئے تھے کہ انھوں نے مسیلمہ کذاب کو نبی تسلیم کیا تھا، باقی رہے مانعین زکوٰۃ تو وہ بنو حنیفہ نہ تھے، بلکہ دیگر قبائل تھے۔ مانعین زکوٰۃ کے خلاف جنگ لڑنے میں بعض صحابہ کو شبہ لاحق ہوا تھا۔ البتہ بنو حنیفہ کے خلاف جنگ آزما ہونے میں سب صحابہ یک زبان تھے اور کسی نے بھی اختلاف نہیں کیا تھا۔

شیعہ مصنف رقم طراز ہے:

''جن لوگوں نے مسلمانوں کو مباح الدم قرار دیا اور سیدنا علی کے خلاف نبرد آزما ہوئے، اہل سنت ان کو مرتد نہیں کہتے، حالانکہ نبی کریم کا ارشاد ہے:

''یَا عَلِیُّ حَرْبِیُ حَرْبُكَ وَ سَلْمِیُ سَلْمُكَ''

---

[1] یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے، جس میں مکابرہ و مجادلہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ سیدنا ابوبکر و عمر بلکہ جمیع صحابہ شیعہ کے مخصوص دین سے منحرف تھے اور شیعہ...... جیسا کہ وہ خود بھی تسلیم کرتے ہیں...... سیدنا ابوبکر و عمر اور صحابہ کے دین سے مرتد ہو چکے ہیں۔ جو شخص کلمہ توحید کی یگانگت سے دھوکہ کھا کر اس حقیقت کو تسلیم نہیں کرتا، وہ یا تو شیعہ و شیخین کے مذہب و دین کے باہمی فرق و امتیاز سے نا آشنا ہے یا شیعہ کے ساتھ تقیہ کے طریقے پر عمل پیرا ہے جس نے لوگوں کے دین و اخلاق کو بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث کذب محض ہے اور حدیث کی کتب معروفہ میں موجود نہیں اس کی کوئی سند معروف نہیں اور یہ جھوٹی اور موضوع حدیث ہے۔ علاوہ ازیں سیدنا علی نے جنگ جمل وصفین سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی بنا پر نہیں لڑی تھی بلکہ اپنے اجتہاد کی بنا پر ان میں شرکت کی تھی۔

قیس بن عباد [1] سیدنا علی سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے سیدنا علی سے دریافت کیا۔ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے یہ جنگ لڑنے کا عہد لیا تھا یا آپ اپنی مرضی سے جنگ کر رہے ہیں؟ سیدنا علی نے فرمایا: یہ نبی کریم کا حکم نہیں بلکہ میری رائے پر مبنی ہے۔ [2]

اگر سیدنا علی کے خلاف لڑنے والا محارب رسول اور دین اسلام سے مرتد ہوتا تو آپ ان جنگ آزماؤں سے مرتدین جیسا سلوک کرتے۔ بلکہ بروایات متواترہ آپ سے منقول ہے کہ آپ نے جنگ جمل میں کسی بھاگنے والے کا تعاقب کیا نہ کسی زخمی کو قتل کیا ان کے مال کو مال غنیمت قرار دیا نہ ان کے بچوں کو قیدی بنایا۔ خوارج نے سیدنا علی کے خلاف یہی اعتراض اٹھایا تھا۔ خوارج نے کہا:

اگر آپ کے مخالفین مومن ہیں، تو آپ ان کے خلاف جنگ آزما کیوں ہوئے؟ اور اگر کافر ہیں تو ان کی عورتیں اور مال کیوں کر حرام ٹھہرا۔'' سیدنا علی نے خوارج سے مناظرہ کرنے کے لیے اپنے چچا زاد بھائی سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو بھیجا، سیدنا عبداللہ نے خوارج کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''مخالفین میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں، اگر تم کہو کہ وہ تمہاری ماں نہیں تو تم نے قرآن کو جھٹلایا اور اگر یہ کہو کہ وہ ہماری ماں ہیں اور تم ان کو قید کرنے اور ان سے مجامعت کرنے کو حلال قرار دو تو تم کافر ٹھہرے۔'' [3]

سیدنا علی اصحاب جمل کے بارے میں فرمایا کرتے تھے۔

---

[1] قیس بن عباد اصحاب علی سے ہیں، ان سے روایت کردہ احادیث بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ میں موجود ہیں۔ یہ سیدنا حسن بصری کے استاد تھے۔

[2] مسند احمد(۱/۱۱٤) و فضائل الصحابة لامام احمد (٤٤٧)، والسنة لعبد الله بن احمد (۱۳۲۷)

[3] مسند احمد(۱/۸٦-۸۷) بمعناه، طبقات ابن سعد(۳/۳۲)، معجم كبير طبرانی (۱۰/۳۱٤) مجمع الزوائد(٦/۲۳۹-۲٤۸)، تاريخ الاسلام للذهبی(عهد الخلفاء: ،ص:۵۸۸-۵۹۰)

''وہ ہمارے بھائی ہیں، مگر انھوں نے ہمارے خلاف بغاوت کر دی، اور تلوار نے ان کو گناہوں سے پاک کر دیا۔''[1]

سیدنا علی سے منقول ہے کہ انھوں نے فریقین کے مقتولوں کا جنازہ پڑھا تھا۔ علاوہ ازیں اگر اہل صفین مرتد تھے تو بقول شیعہ امام حسن جیسے امام معصوم کے لیے خلافت سے دست برداری اور اسے ایک مرتد کو تفویض کرنا کیوں کر جائز ہوا؟

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مذکورہ ذیل آیت میں فریقین کو مومن قرار دیا ہے۔

﴿وَ اِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا[2] بَیْنَهُمَا﴾

(الحجرات: ۴۹/ ۹)

---

1. سنن کبریٰ بیہقی (۱۸۲/۸)
2. اہل ایمان سے خطاب کر کے فرمایا کہ ان کا موقف یہ ہونا چاہئے کہ فریقین جب بھی برسر پیکار ہوں وہ ان کے مابین صلح کرانے کے لیے سعی و جہد کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کریں۔ کسی شخص میں اصلاح بین المومنین کا جذبہ جس حد تک بھی موجزن ہوگا۔ وہ اس قدر صادق الایمان ہوگا اور وہ اتنا ہی زیادہ روح اسلام اور اس کے غایات و مقاصد سے قریب تر ہوگا۔ اور وہ جس قدر متنازع فریقین کے مابین شقاق و نفاق کا آرزو مند ہوگا، اسی قدر ضعیف الایمان اور روح ایمان سے بعید تر ہوگا، مختلف مذاہب و ادیان کے لوگ اس کتاب کا مطالعہ کریں گے۔ غیر مسلم قاری جب جملہ اختلافی مباحث کے بارے میں اہل سنت و شیعہ کے رجحانات و میلانات کا موازنہ کرے گا تو وہ یہ دیکھ کر حیران ہوگا، کہ سیدنا علی اور آپ کے اخوان کرام صحابہ کے درمیان جو اختلافات پائے جاتے ہیں شیعہ کی ہر ممکن کوشش ہوگی کہ وہ شدت و حدت اور الحاح و اصرار سے ان کو بڑھاتا اور پھیلاتا چلا جائے گا۔ اس کے عین برعکس اہل سنت اس امر میں کوشاں ہوں گے کہ حکمت و دانش اور رفق و انصاف میں کام میں لاکر فریقین کے درمیان کوئی عذر شرعی تلاش کیا جائے اور یہ ثابت کیا جائے کہ دونوں فریق حق سے دور نہیں نیز یہ کہ یہ واقعات خارجی عوامل و اسباب کے تحت وقوع پذیر ہوئے۔ جن میں سب سے بڑا مؤثر اہل فتنہ کا وجود نا مسعود ہے۔ اہل سنت ہمیشہ اتحاد و یگانگت اور موافقت و مطابقت کا پہلو اس لیے اختیار کرتے ہیں کہ وہ اپنے آپ کو مومن خالص اور زیر تبصرہ آیت کا اصلی مخاطب تصور کرتے ہیں جب کہ شیعہ اپنے آپ کو اس آیت کا مخاطب تسلیم نہیں کرتے، اس لیے کہ وہ سیدنا ابوبکر و عمر اور ان صحابہ کی راہ پر گامزن نہیں، جو مسلک محمدی کے سالک تھے۔ اس سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ اہل سنت صالحین کے وارث ہیں اور شیعہ

''اگر مومنوں کے دو گروہ لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرا دیجیے۔''

لڑنے والے دونوں فریق مومن ہیں:

سرور کائنات ﷺ نے فرمایا:''میرا یہ بیٹا (سیدنا حسن) سردار ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں کے مابین صلح کرائے گا۔''[1]

اس حدیث میں فریقین کو مسلم قرار دیا گیا ہے یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر نواصب (اللہ ان کو رسوا کرے) شیعہ سے کہیں کہ:

''سیدنا علی نے مسلمانوں کو مباح الدم قرار دیا اور حصول اقتدار کے لیے جنگ لڑی، حالانکہ حضور کا ارشاد ہے کہ مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے لڑنا کفر ہے۔''[2]

نبی کریم نے یہ بھی فرمایا:

''میرے بعد کافر نہ ہونا کہ ایک دوسرے کو قتل کرتے پھرو۔''[3]

ان اہل فتنہ کی یادگار ہیں جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی فوج میں شریک تھے۔ اس پر طرہ یہ کہ شیعہ آج تک اسی ڈگر پر گامزن ہیں اور فتنہ پردازی کے پرانے طریق کار کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ یہ وہی بات ہے جو عبداللہ بن مصعب بن زبیر نے خلیفہ ہارون الرشید کو سیدنا عثمان کے بارے میں کہی تھی۔ سیدنا عبداللہ بن مصعب نے کہا تھا۔

''سیدنا عثمان پر جن لوگوں نے اعتراضات کیے تھے وہ شیعہ خارجی اور اہل بدعت تھے اور جن لوگوں نے آپ کی حمایت کی تھی وہ وہی لوگ تھے جن کو آج کل اہل سنت والجماعت کہا جاتا ہے۔''

خلیفہ ہارون الرشید نے غور و فکر کے بعد اس بات کو درست پایا اور کہا۔

''اس کے بعد مجھے یہ مسئلہ دریافت کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔''

[1] صحیح بخاری، کتاب الصلح، باب قول النبی صلی اللّٰہ علیه و سلم للحسن بن علی رضی اللہ عنهما(حدیث:٢٧٠٤)

[2] صحیح بخاری، کتاب الایمان ، باب خوف المؤمن من ان یحبط عمله، (حدیث: ٤٨)،صحیح مسلم۔ کتاب الایمان، باب بیان قول النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم سباب المسلم فسوق......"(حدیث:٦٤)

[3] صحیح بخاری، کتاب العلم، باب الانصات للعلماء(حدیث:١٢١،٧٠٨٠)، صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان معنی قول النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم " لا ترجعوا بعدی کفاراً" (حدیث:٦٥،٦٦)

تو شیعہ اس کے جواب میں نواصب کو کیا کہیں گے؟

واضح رہے کہ فقہائے حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کی ایک جماعت نے مانعین زکوٰۃ اور خوارج سے لڑنے کو باغیوں کے خلاف جہاد و قتال قرار دیا ہے۔ ان کے نزدیک جمل و صفین کی لڑائیاں بھی اس میں شامل ہیں۔ یہ قول مبنی بر خطا اور امام ابوحنیفہ، مالک، احمد اور دیگر اسلاف کی تصریحات نیز سنت نبوی کے بھی خلاف ہے، اس لیے کہ حضور نے خوارج سے لڑنے کا حکم دیا تھا اور سب صحابہ اس میں یک زبان تھے۔ البتہ جمل و صفین کی لڑائی قتال فتنہ ہے اور باغیوں کے خلاف جنگ نہیں ہے، اس کے بارے میں آپ نے کوئی حکم دیا نہ اس پر اجماع صحابہ قائم ہوا۔ [1] علاوہ ازیں اہل صفین نے سیدنا علی کے خلاف لڑائی کا آغاز بھی نہیں کیا تھا۔

امام ابوحنیفہ اور بعض دیگر علماء باغیوں سے اس وقت لڑنے کی اجازت دیتے ہیں جب وہ حاکم وقت کے خلاف لڑائی کا آغاز کر دیں۔ امام ابوحنیفہ، مالک اور احمد بن حنبل رحمہم اللہ کے نزدیک خلیفہ ان لوگوں سے لڑنے کا مجاز نہیں جو شرعی واجبات ادا کرتے ہوں مگر یہ کہیں کہ ہم فلاں شخص کو زکوٰۃ نہیں دیں گے۔ بنابریں قتال مرتدین اور خوارج کے خلاف جہاد و قتال کے مابین فرق و امتیاز ضروری ہے۔ البتہ مانعین زکوٰۃ جب زکوٰۃ بالکل ادا نہ کریں اور اس کی فرضیت کے بھی قائل نہ ہوں تو ان کے خلاف صف آراء ہونا خوارج کے مقابلہ میں لڑنے سے زیادہ ضروری ہے۔

مزید براں قرآن کریم میں باغیوں کی جس لڑائی کا ذکر کیا گیا ہے وہ سابقاً ذکر کردہ دونوں لڑائیوں سے بالکل مختلف ہے اور وہ قتال کی تیسری جداگانہ قسم ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے باغیوں سے ابتداءً لڑنے کا حکم نہیں دیا، بلکہ ان کی اصلاح کا حکم دیا ہے، حالانکہ مرتدین اور خوارج کے بارے میں شرعی حکم اس سے مختلف ہے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا جنگ جمل و صفین باغیوں کے خلاف لڑی گئیں یا ان کو قتال فتنہ

---

[1] اس ضمن میں حضرات صحابہ تین فرقوں میں بٹ گئے تھے۔ اس لیے اجماع منعقد نہ ہوسکا۔ ایک فریق تو سیدنا علی کا معاون تھا اور دوسرا سیدنا معاویہ کا۔ تیسرا فرقہ جس کے سرخیل عبد اللہ بن عمر بن خطاب تھے، اسے فتنہ قرار دیتے اور اس سے کنارہ کش تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جب تحکیم کے واقعہ میں عبد اللہ بن عمر کو خلافت کی پیش کش کی گئی تو آپ نے معذرت فرمائی۔ ان امور میں صحابہ کا اجماع منعقد نہیں ہوا تھا۔‘‘

قرار دیا جائے۔ جس میں بیٹھ رہنے والا کھڑے ہونے والے سے بہتر ہے۔ [1] صحابہ میں سے جو لوگ ان میں شریک نہیں ہوئے تھے اور وہ جمہور اہل حدیث ان کو قتال فتنہ ٹھہراتے ہیں۔ ان کا نقطۂ نگاہ یہ ہے کہ اگر اصحاب معاویہ سیدنا علی کی بیعت نہ کرنے کی بنا پر باغی ہو گئے تھے تو مذکورہ آیت میں ان کے جنگ آزما ہونے کا حکم موجود نہیں اور اگر فرض کیا جائے کہ وہ جنگ کے بعد باغی ہو گئے تھے تو صلح کرانے والا کوئی نہ تھا۔ [2] امام ذہبی کہتے ہیں کہ نبی کریم سیدنا عمار والی حدیث میں کہ ''تجھے باغی جماعت قتل کرے گی'' [3] ان کو باغی قرار دیا ہے۔ یہ ایسے مباحث ہیں جن کی بنا پر اصحاب معاویہ کی تکفیر ہرگز درست نہیں۔

جنگ جمل و صفین کی شرعی حیثیت:

شیعہ مصنف کی پیش کردہ حدیث: ''اے علی تجھ سے لڑائی مجھ سے جنگ آزما ہونے کے

---

[1] یہ حدیث صحیح بخاری میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ (صحیح بخاری کتاب المناقب۔ باب علامات النبوۃ فی الاسلام (حدیث: ۳۶۰۱)، صحیح مسلم۔ کتاب الفتن۔ باب نزول الفتن کمواقع القطر (حدیث: ۲۸۸۶)

[2] صحیح بخاری۔ کتاب الصلاۃ۔ باب التعاون فی بنا المسجد (حدیث: ۴۴۷)

[3] سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ جب سیدنا علی کی جانب سے کوفہ کے والی مقرر ہوئے تھے تو انھوں نے اسی نقطۂ نظر کا اظہار کیا تھا۔ جنگ جمل سے پہلے کوفہ کے سب دانش مند آدمی یہی نظریہ رکھتے تھے۔ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اس بات سے خائف تھے کہ امت میں خون ریزی کا دروازہ نہ کھل جائے۔ وہ کوفہ کے منبر پر بیٹھ کر لوگوں کو نبی کریم کی یہ حدیث یاد دلایا کرتے تھے کہ " القاعد فیھا خیر من القائم" (سنن ابی داؤد۔ کتاب الفتن۔ باب فی النھی عن السعی فی الفتنۃ (حدیث: ۴۲۵۹، ۴۲۶۲)، مسند احمد (۴/ ۴۰۸) ایک مرتبہ ابوموسیٰ منبر پر لوگوں کو یہ حدیث سنا رہے تھے، اسی دوران اشتر نخعی نے چند آدمیوں سمیت دارالامارۃ پر قبضہ کر لیا۔ جب ابوموسیٰ دارالامارۃ کی طرف لوٹے تو اشتر نے یہ کہہ کر داخل ہونے سے روک دیا کہ ''ہماری امارت کو چھوڑ دو۔'' ابوموسیٰ فتنہ بازی کی یہ زندگی چھوڑ کر عرض نامی گاؤں میں عزلت گزیں ہو گئے، جب لوگ خون ریزی سے سیر ہو گئے اور انھوں نے محسوس کیا کہ ابوموسیٰ جنگ سے روکنے میں حق بجانب تھے تو انھوں نے سیدنا علی سے مطالبہ کیا کہ ابوموسیٰ تحکیم کے معاملہ میں اہل عراق کے نمائندہ ہوں۔ چنانچہ سیدنا ابوموسیٰ کو گوشہ عافیت سے اٹھا کر لایا گیا اور آپ نے ایک ناصح کی حیثیت سے اپنا فرض ادا کیا۔

مترادف ہے۔'' کا کذب اس بات سے ظاہر ہے کہ اگر حرب علی، حرب رسول ہوتی تو جنگوں میں سیدنا علی کی کامیابی ناگزیر تھی، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ انبیاء ورسل کی نصرت وتائید کا کفیل ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾(غافر:۴۰/۵۱)

''ہم اپنے رسولوں اور اہل ایمان کی مدد کرتے ہیں۔''

نیز فرمایا:

﴿وَ لَقَدْ سَبَقَتْ کَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِیْنَ ۝ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ۝﴾(الصافات:۳۸/۱۷۱-۱۷۲)

''ہماری جانب سے رسولوں کے بارے میں یہ فیصلہ کیا جا چکا ہے کہ ان کی مدد کی جائے گی۔''

اس آیت کی روشنی میں واضح ہوتا ہے کہ اگر مذکورہ حدیث صحیح ہوتی تو سیدنا علی کے اعداء ہمیشہ مغلوب ہوتے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہوا۔ خوارج کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ وہ یقیناً اللہ و رسول کے خلاف جنگ لڑنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ﴾

''ان لوگوں کی سزا جو اللہ اور اس کے رسول کے خلاف جنگ لڑتے ہیں۔''

اس کے باوصف ہم خوارج کی تکفیر نہیں کرتے، اس لیے کہ تکفیر کی صورت میں ان کے خلاف نبرد آزما ہونا ضروری ہے۔

شیعہ مضمون نگار لکھتا ہے۔

''بعض فضلاء نے بڑی اچھی بات کہی ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ شیطان سے بدتر تھے، کیوں کہ شیطان نے تو کچھ نیکیاں بھی انجام دی تھیں، اس کے برخلاف معاویہ اعمال صالحہ سے محروم تھے۔ البتہ میدان معصیت میں شیطان سے پیچھے۔ علماء کے ہاں مسلّم ہے کہ ابلیس سب فرشتوں سے زیادہ عبادت کرتا تھا اور اس نے چھ ہزار سال تک تنہا عرش معلیٰ کو اٹھائے رکھا، پھر تکبر کر کے ملعون ٹھہرا۔ مگر معاویہ اسلام لانے تک مشرک اور صنم پرست رہا۔ پھر سیدنا علی کو بنا بر کبر خلیفہ نہ مانا لہٰذا وہ ابلیس سے بدتر ٹھہرا۔''

ہم کہتے ہیں کہ یہ کلام جہل وضلال کا آئینہ دار بلکہ عقل سلیم کے بھی منافی ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ ابلیس لعین سب کفار سے بڑھ کر ہے، بلکہ سب کافر اس کے اتباع اور کشتۂ ضلالت ہیں۔ لہٰذا اس سے بہتر ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا۔ میدان معصیت میں کوئی بشر ابلیس کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ اس لیے کہ اس نے علانیہ حکم الٰہی سے عدول کیا اور پھر ہمہ تن اس کے بندوں کو گمراہ کرنے میں لگ گیا۔ بنا بریں اگر اس نے کچھ عبادت انجام دی تھی تو وہ اس کے کفر کی وجہ سے ضائع ہوگئی۔

ابلیس فرشتوں سے زیادہ عبادت گزار نہ تھا:

کون کہتا ہے کہ ابلیس فرشتوں سے زیادہ عبادت گزار تھا؟ اس نے تنہا عرش کو اٹھائے رکھا، نیز یہ کہ وہ ''طاؤس الملائکہ'' (فرشتوں کا مور) تھا، اور اس نے زمین و آسمان پر کوئی جگہ نہیں چھوڑی جہاں سجدہ نہ کیا ہو۔ ظاہر ہے کہ اس کی اساس نقل پر ہے۔ حالانکہ یہ کسی آیت و حدیث میں مذکور نہیں۔

شیعہ مصنف کی افتراء پردازی کا یہ عالم ہے کہ اس جھوٹ کو علماء کے ہاں مسلم قرار دیتا ہے، اگر یہ بات کسی وعظ گو ملا نے کہی ہو یا ترغیب و ترہیب [1] کی کسی کتاب میں درج ہو۔ یا کسی ایسی بے اصل تفسیر میں منقول ہو جو اسرائیلیات سے لبریز ہو تو اس سے کسی معمولی بات پر احتجاج کرنا بھی درست نہیں چہ جائیکہ اس بات کی دلیل کے طور پر پیش کیا جائے کہ ابلیس گناہ گار بنی آدم سے افضل تھا اور صحابہ میں ان لوگوں کو شامل کیا جائے جن سے ابلیس بہتر تھا۔

اللہ و رسول نے کہیں بھی ابلیس لعین کا ذکر مدح و ستائش کے انداز میں نہیں کیا۔ وہ حاملین عرش میں بھی شامل نہ تھا، تنہا حامل عرش ہونا تو ایک جداگانہ بات ہے۔ یہ سب یاوہ گوئی ہے اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ ابلیس کے جملہ اعمال صالحہ اگر تھے بھی تو وہ ضائع ہوگئے۔

---

[1] یہ وہ کتب ہیں جو عوام کو وعظ سنانے کے لیے ترتیب دی گئی ہیں، ان میں ترغیب و ترہیب پر مشتمل مبالغہ آمیز حکایات ہوتی ہیں، جو تاریخ و تراجم کی کسی کتاب میں مذکور نہیں۔ یہ مبالغہ سنت الٰہی کے منافی ہو یا نہ ہو، البتہ کتاب و سنت کی تصریحات کے ضرور خلاف ہوتا ہے، ان کتب کے مصنفین باسند یا بے سند اور مصادر کا نام لے کر یا نام لیے بغیر جو احادیث بیان کرتے ہیں ان کی صحت کے اثبات میں بایں دلیل چشم پوشی سے کام لیتے ہیں کہ یہ احادیث عوام کو وعظ سنانے کے لیے ذکر کی جاتی ہیں، استنباط احکام کے لیے نہیں، حالانکہ ان لوگوں کو احادیث سنانے کی بجائے ان کے سامنے اپنا عملی نمونہ پیش کرنا زیادہ مفید ہوتا ہے، اگر نبی کریم یہ احادیث سنتے تو ان میں سے اکثر کو ردّ فرما دیتے۔

اس کے عین برخلاف سیدنا معاویہ کے ایمان نے دیگر صحابہ کی طرح ان کے کفر کو مٹا دیا۔ شیعہ سیدنا عثمان و معاویہ اور دیگر صحابہ کو مرتد قرار دینے میں اسی طرح غلطی پر ہیں جیسے خوارج سیدنا علی کو کافر تصور کرنے میں۔ شیعہ صحابہ کو مرتد قرار دیتے ہیں اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ سیدنا علی ہمیشہ مرتدین کے مقابلہ میں مغلوب رہے۔ یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ سیدنا حسن نے خلافت سے دستبردار ہو کر اسے ایک مرتد کو تفویض کر دیا۔ اس سے یہ نتیجہ بھی برآمد ہوگا کہ نصرت الٰہی سیدنا علی کی بجائے ہمیشہ سیدنا خالد بن ولید کے شامل حال رہی۔ یہ بات غلط ہے کہ اللہ کی نافرمانی کرنے والا ہر شخص اس کی طاعت وعبادت سے منحرف ہوتا ہے۔

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

> ''بعض اہل سنت نے اس حد تک غلو سے کام لیا کہ یزید کو امام تصور کرنے لگے حالانکہ اس نے سیدنا حسین کو قتل کیا اور اہل بیت خواتین کو ننگے اونٹوں پر سوار کر کے مختلف شہروں سے گزرنے پر مجبور کیا۔ جب کہ زین العابدین کے گلے میں طوق پڑا تھا۔''

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم جاہل کُرد [1] لوگوں کی طرح یہ نہیں کہتے کہ یزید خلفائے راشدین

---

[1] شیخ عدی بن مسافر المتوفی (۴۶۷۔۵۵۷) ایک عابد و زاہد شخص تھے انھوں نے دیکھا کہ شیعہ یزید پر طرح طرح کے بہتان باندھتے اور اس کے دین و اخلاق پر حملے کرتے ہیں۔ روافض کے اس رویہ سے تنگ آ کر شیخ عدی نے اعلان کر دیا کہ یزید امام تھا اور شیعہ کے سب اتہامات اس کے خلاف کذب ہیں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ ''العدویہ'' میں لکھا ہے کہ شیخ عدی کا مسلک افراط و تفریط سے پاک تھا۔ شیخ عدی کے ایک نائب حسن کے زمانہ میں روافض اتباع عدی کی ایک جماعت پر حملہ آور ہوئے۔ اور عدی کے خلیفہ شیخ حسن کو قتل کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شیخ عدی کے مریدوں نے اس طرح غلو سے کام لینا شروع کیا جس طرح شیعہ سیدنا علی اور اہل بیت کے بارے میں مبالغہ آمیزی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ کرد جو شیخ عدی کے مرید تھے یزید کو نبی قرار دینے لگے۔ امام ابن تیمیہ کے زمانہ میں کرد یہی عقیدہ رکھتے تھے۔ شیخ الاسلام نے ان کو راہ راست پر لانے کے لیے ''الرسالہ العدویہ'' تصنیف کیا اور اس میں واضح کیا کہ شیخ عدی نیک آدمی تھے۔ اگر اس وقت زندہ ہوتے تو ارادت مندوں کے اس اغراق و مبالغہ کو ناپسند کرتے۔

''الرسالہ العدویہ'' کا ایک قدیم ناقص الآخر نسخہ دار الکتب المصریہ میں تاہنوز محفوظ ہے۔ علامہ محقق احمد تیمور پاشا نے الرسالہ العدویہ کے چند فقرے اپنے رسالہ ''الیزیدیت'' میں درج کیے ہیں ہم رسالہ مذکورہ

میں سے تھا۔ یا وہ نبی تھا۔ یزید کی مدح میں مبالغہ کرنے والے ان شیعہ کی طرح ہیں جنھوں نے سیدنا علی کی نبوت بلکہ الوہیت کا عقیدہ گھڑ لیا تھا۔

بنو امیہ کے بعض اتباع سے نقل کیا گیا ہے کہ خلیفہ کے نیک اعمال قبول کیے جاتے اور برے اعمال سے درگزر کی جاتی ہے۔ یہ لوگ بلاشبہ گمراہ ہیں۔ مگر ان کی گمراہی ان لوگوں کے مقابلہ میں کم ہے جو امام منتظر کی عفت و عصمت کا عقیدہ رکھتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ ساڑھے چار سو سال سے تہ خانہ میں اقامت گزیں ہے [1] حالانکہ وہ معدوم محض ہے جس کا کوئی وجود ہی نہیں۔

یزید کے حق میں ابن الحنفیہ کی شہادت:

فرقہ مرجیہ جو بڑا کثیر التعداد ہے یہ نظریہ رکھتا ہے کہ توحید کی موجودگی میں دوسری کسی چیز سے نقصان نہیں پہنچتا۔ ہم کہتے ہیں کہ حدیث نبوی کے مطابق خلافت نبوت تیس سال تک

کو دو مرتبہ طبع کرا چکے ہیں۔ آخری مرتبہ یہ ۱۳۵۲ ہجری میں چھپا۔ رسالہ مذکور سے واضح ہوتا ہے کہ کرد یزید کو نبی قرار دیتے ہیں، پھر اس سے بڑھ کر منصب الوہیت پر فائز کر دیا، اس فرقے کا نام ''یزیدیہ'' ہے۔ قبیلہ کرد کی یہ جماعت شمالی عراق کے علاقہ منجار میں بود و باش رکھتی ہے۔ کچھ لوگ روس کے صوبہ ان اور دمشق و بغداد و حلب کے نواح میں بھی سکونت گزیں ہیں۔ شیخ عدی کردوں کے یہاں جبال ہکار میں جانے سے پیشتر لبنان و شام کے ایک گاؤں میں رہ کر مصروف عبادت رہا کرتے تھے۔ یہ بعلبک کے قریب بیت فار نامی گاؤں میں پیدا ہوئے۔ تصوف میں شیخ عبد القادر جیلانی اور عبد القاہر سہروردی، عقیل منبجی۔ حماد دبّاس اور ابو الوفا حلوانی کے شاگرد تھے۔ اگر شیخ عدی کے اتباع ان کے طریقہ پر گامزن رہتے تو نہایت ہی صالح مسلمان ہوتے مگر انھوں نے کفر کی حد تک غلو سے کام لیا۔ دراصل ان کا غلوّ روافض کے غلو سے پیدا شدہ اور اس کا توڑ ہے۔

[1] ہم قبل ازیں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا یہ قول ذکر کر چکے ہیں کہ شیعہ کا یہ فرضی امام بقول شیعہ ساڑھے چار سو سال قبل تہ خانہ میں داخل ہوا۔ چونکہ روافض کے نزدیک یہ واقعہ ۲۶۰ ہجری میں پیش آیا۔ اس لیے میں نے اس سے استدلال کیا کہ ابن تیمیہ نے ''منہاج السنہ ۷۱۰ ہجری کے بعد تصنیف کی۔ منہاج السنہ کے ملخص امام ذہبی نے مخطوطہ مختصر صفحہ: ۷ کے اخیر میں تحریر کیا ہے کہ شیعہ کا یہ فرض امام چار سو ساٹھ سال ہوئے تہ خانہ میں داخل ہو چکا ہے۔ میں نے اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ امام ذہبی نے یہ ملخص ۷۲۰ میں یعنی شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی وفات سے آٹھ سال پہلے تیار کیا۔

تھی، ❶ پھر ملوکیت کا آغاز ہوا۔ اگر یزید کی امامت و خلافت سے مراد یہ ہے کہ وہ دیگر اموی و عباسی خلفاء کی طرح سلطان وقت اور صاحب السیف تھا تو یہ ایک یقینی بات ہے۔ یزید مکہ کے سوا تمام بلاد اسلامیہ کا حاکم تھا۔ مکہ پر ان دنوں سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ قابض تھے۔ سیدنا ابن زبیر نے اس وقت دعوتِ خلافت کا آغاز کیا جب آپ کو معاویہ کے مرنے کی خبر پہنچی۔ ❷

---

❶ سنن ابی داؤد۔ کتاب السنة۔ باب فی الخلفاء(حدیث:٤٦٤٦)، سنن ترمذی۔ کتاب الفتن۔ باب فی الخلافة(حدیث:٢٢٢٦)

❷ خلافت یزید کے سلسلہ میں دو باتیں محل فکر و نظر ہیں (۱) آیا یزید منصب خلافت کا اہل تھا یا نہیں؟ (۲) یزید کی نامزدگی۔

جہاں تک پہلے مبحث کا تعلق ہے، ہم اس پر قبل ازیں اظہار خیال کر چکے ہیں کہ یزید اپنے ننھال قبیلہ قضاعہ کے بدویانہ خیموں میں جرأت و شہامت اور تکلف و تصنع سے پاک و سادہ ماحول میں پروان چڑھا۔ شیعہ نے اپنی کتابوں میں یزید کی سیرت و سوانح سے متعلق جھوٹ کا جو طوفان باندھا ہے، یہ یزید پر عظیم ظلم ہے۔ یزید کی سیرت و کردار کے بارے میں سیدنا محمد بن حنفیہ کی شہادت کے بعد مزید کسی تصدیق کی ضرورت نہیں، جب سیدنا ابن زبیر کا داعی عبداللہ بن مطیع لوگوں کو یزید کے خلاف بغاوت پر آمادہ کر رہا تھا اور یزید کی جانب ان باتوں کو منسوب کر رہا تھا جو اس میں نہ تھیں مثلاً یہ کہ یزید شراب پیتا ہے۔ نماز نہیں پڑھتا اور احکام قرآنی سے تجاوز کرتا ہے۔ یہ سن کر محمد بن علی بن ابی طالب المعروف بہ ابن الحنفیہ نے فرمایا:

''تم یزید کے بارے میں جن باتوں کا ذکر کرتے ہو وہ میں نے اس میں نہیں دیکھیں۔ حالانکہ میں نے اس کے یہاں قیام کیا تھا۔ دوران قیام میں نے دیکھا کہ یزید پابندی سے ہمیشہ نماز ادا کرتا۔ نیک اعمال میں پوری دلچسپی لیتا اور فقہی مسائل کا جواب دیتا ہے، اس کے ساتھ ساتھ وہ سنت نبوی کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتا۔'' لوگوں نے کہا: ''یزید آپ کو دکھانے کے لیے یہ اعمال انجام دیتا تھا۔'' یہ سن کر امام ابن الحنفیہ نے فرمایا:

''یزید کو مجھ سے کس بات کا خوف یا لالچ تھا کہ اس نے تصنع سے عجز و انکسار کا اظہار کیا؟ کیا تم نے خود اسے شراب پیتے دیکھا ہے؟ اگر تمہارا جواب اثبات میں ہے تو تم شراب پینے میں اس کے شریک ٹھہرے، اور اگر نہیں دیکھا تو علم کے بغیر شہادت دینا تمہارے لیے کیوں کر روا ہے؟'' لوگوں نے کہا: ''اگرچہ ہم نے یزید کو شراب پیتے نہیں دیکھا تاہم یہ بات درست ہے۔''

اس کے جواب میں سیدنا ابن الحنفیہ نے فرمایا:
اللہ تعالیٰ اہل شہادت کے بارے میں اس بات کو تسلیم نہیں کرتے۔ قرآن میں فرمایا:
﴿ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴾ (سورہ زخرف:۸۶)
میں اس معاملہ میں تم سے بری ہوں''۔ لوگوں نے کہا: ''آپ خلیفہ بننا چاہتے ہیں تو چلیے ہم آپ کو اپنا حاکم تسلیم کرتے ہیں۔'' امام ابن الحنفیہ نے فرمایا: میں حاکم یا محکوم کسی صورت میں بھی لڑائی کو حلال نہیں سمجھتا۔''

لوگوں نے کہا: ''آپ اپنے والد کی حمایت میں لڑ چکے ہیں۔''
ابن الحنفیہ نے فرمایا: ''میرے والد جیسا کوئی شخص لے آؤ، میں اس کی حمایت میں لڑنے سے گریز نہیں کروں گا۔''

لوگوں نے کہا: ''تو اپنے دونوں بیٹوں قاسم اور ابوالقاسم سے کہیے کہ وہ ہمارے ساتھ مل کر دشمن سے لڑیں۔''
ابن الحنفیہ نے کہا: ''اگر میں نے بیٹوں کو لڑائی کا حکم دے دیا تو گویا خود لڑائی میں شریک ہوا۔''
لوگوں نے کہا: ''ہمارے ساتھ کسی جگہ چل کر لوگوں کو جنگ کی رغبت دلائیں۔''
ابن الحنفیہ نے کہا: ''سبحان اللہ! میں لوگوں کو ایسی بات کہوں جس پر خود عمل پیرا نہیں اور اسے پسند بھی نہیں کرتا۔''

لوگوں نے کہا: ''تو ہم آپ کو اس بات پر مجبور کریں گے۔''
ابن الحنفیہ نے فرمایا: میں تو لوگوں کو اللہ سے ڈرنے اور اس بات کا حکم دوں گا کہ وہ مخلوق کو راضی کرنے کے لیے اللہ کی ناراضگی مول نہ لیں۔''

اس کے بعد ابن الحنفیہ عازم مکہ ہوئے۔ (البدایہ والنهایة ، لابن کثیر:۸/۲۳۳)
یزید کے حق میں یہ ایک عینی شاہد کی بیان کردہ تاریخی نص ہے۔ ابن الحنفیہ ایک ایسے معتبر راوی ہیں کہ اگر ان سے کوئی بھی نص شرعی منقول ہوتی تو سب ائمہ اسلام اسے قبول کرنے کے لیے تیار ہوتے۔ اس سے بڑھ کر اور کون سا وصف مطلوب ہے کہ ابن الحنفیہ سیدنا علی کے جگر گوشہ ہیں۔ صحیح مسلم کی کتاب الامارۃ میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ اس ضمن میں عبداللہ بن مطیع کے یہاں گئے، تو اس نے کہا ابوعبدالرحمٰن کے لیے مسند رکھیے۔

سیدنا عبداللہ نے کہا: میں آپ کے یہاں بیٹھنے کے لیے نہیں آیا بلکہ ایک حدیث سنانے آیا ہوں جو میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے، آپ نے فرمایا:

....

''جس نے اطاعت سے ہاتھ کھینچ لیا وہ بروز قیامت اللہ تعالیٰ کو اس حال میں ملے گا کہ اس کے پاس کوئی دلیل نہ ہوگی اور جو شخص بیعت کے بغیر مر گیا تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔'' (صحیح مسلم۔ کتاب الامارۃ۔ باب وجوب ملازمة جماعة المسلمین (حدیث: ۱۸۵۱)

صحیح بخاری کتاب الفتن میں ہے کہ جب اہل مدینہ نے یزید کی بیعت ترک کر دی تو سیدنا عبداللہ بن عمر نے اپنے خدم و حشم اور بچوں کو جمع کیا اور کہا کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے: ''ہر دھوکہ باز کے لیے بروز قیامت جھنڈا نصب کیا جائے گا۔''

''ہم اللہ و رسول کے حکم کے مطابق یزید کی بیعت کر چکے ہیں اور میرے نزدیک اس سے بڑا دھوکا اور کچھ نہیں کہ حکم الٰہی کے مطابق ایک شخص کی بیعت کی جائے پھر اس کے خلاف جنگ کا آغاز کیا جائے۔ مجھے جس شخص کے بارے میں معلوم ہوا کہ اس نے یزید کی بیعت ترک کر کے کسی اور کی بیعت کر لی ہے میں اس سے باز پرس کروں گا۔'' (صحیح بخاری کتاب الفتن۔ باب اذا قال عند قوم شیئاً ثم خرج......'' (حدیث: ۷۱۱۱)

حافظ ابن کثیر ''البدایہ والنہایة'' (۸/ ۲۲۸) میں امام مدائنی ے روایت کرتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عباس، حضرت حسن بن علی کی وفات کے بعد امیر معاویہ کے یہاں تشریف لائے، اسی دوران یزید تعزیت کے لیے سیدنا ابن عباس کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جب یزید چلا گیا تو ابن عباس نے کہا: جب بنو امیہ رخصت ہو جائیں گے تو اہل علم کا بھی خاتمہ ہو جائے گا۔ (البدایة والنہایة: ۸/ ۲۲۸)

یہ وہ امور ہیں جو یزید کی صلاحیت امامت، صحابہ کے اس کو تسلیم کرنے اور ابن الحنفیہ کی یزید کے حق میں تائید و شہادت سے متعلق ہیں۔ ابن الحنفیہ نے تصریحاً کہہ دیا کہ یزید کے بارے میں دھوکہ بازوں نے جو کچھ کہا تھا وہ صاف جھوٹ ہے۔

یہ بات ہنوز محتاج غور و فکر ہے کہ سیدنا معاویہ نے یزید کو خلیفہ کیوں مقرر کیا جب قریش کے متعدد نوجوان جو یزید کے معاصر تھے اپنی بعض خصوصیات کی بنا پر اپنے آپ کو خلافت کا اہل سمجھتے تھے۔ مثلاً سعید بن عثمان بن عفان بلکہ ان سے فروتر درجہ کے لوگ بھی اس منصب کو سنبھالنے کے خواب دیکھ رہے تھے۔ یہ ایک طے شدہ بات ہے کہ شوریٰ کے ذریعے خلیفہ کا انتخاب ولی عہد نامزد کرنے سے بلاشبہ اولیٰ و افضل ہے۔ مگر سیدنا معاویہ جانتے تھے کہ اگر اس وقت شوریٰ کے ذریعہ خلیفہ منتخب کرنے کا سوال اٹھایا گیا تو امت میں خون ریزی کا ایسا دروازہ کھلے گا جو اسی وقت بند ہو گا جب قریش میں ولایت و خلافت کی اہلیت رکھنے والے سب لوگ صفحہ ارضی سے نابود ہو جائیں گے۔ سیدنا معاویہ پر یہ بات پوشیدہ نہ تھی کہ

....

فضائل ومناقب اور خصوصیات ان مدعیان خلافت کے مابین تقسیم شدہ ہیں۔ اگر ایک شخص ایک خصوصیت رکھتا ہے تو دوسرا کسی اور وصف کا حامل ہے جو اس میں موجود نہیں۔

جہاں تک یزید کا تعلق ہے وہ اپنے معاصر مدعیان امارت و ولایت کے اوصاف وخصوصیات میں برابر کا سہیم وشریک تھا۔ البتہ حکومت وسلطنت کی ایک لابدی خصوصیت یزید میں ایسی تھی جس سے دوسرے یک سر محروم تھے۔ اور وہ یہ ہے کہ یزید عسکری قوت سے بہرہ ور تھا جو بوقت ضرورت اسلام کی ایک عظیم قوت ثابت ہوسکتی تھی اور اگر یزید خلافت میں مزاحمت کرنے والوں کے خلاف نبرد آزما ہوتا تو یہ قوت وہاں بھی اس کا ساتھ دے سکتی تھی۔ علاوہ ازیں اگر یزید کے ننھال قبیلہ قضاعہ اور اس کے حلیف یمنی قبائل کے سوا اس کا کوئی مددگار بھی نہ ہوتا تو وہ اپنے سب مخالفین کو زیر کرسکتا تھا۔ اس موقع پر ابن خلدون نے اپنے مقدمہ میں سیدنا حسین کے سفر عراق کا حال بیان کرتے ہوئے جو کچھ لکھا ہے وہ قابل ملاحظہ ہے۔ ابن خلدون مقدمہ تاریخ کی فصل ''ولایۃ العہد'' میں لکھتا ہے:

''قوت وشوکت کا اندازہ لگانے میں سیدنا حسین سے غلطی سرزد ہوئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مضر کی عصبیت ان دنوں قبیلہ قریش میں محدود ہوکر رہ گئی تھی۔ قریش کی عصبیت عبد مناف میں اور عبد مناف کی حمایت وطرف داری بنو امیہ میں آ کر گھر گئی تھی۔ سب قریش اس حقیقت کا اعتراف کرتے تھے اور کسی کو اس سے مجال انکار نہ تھی۔ آغاز اسلام میں جب لوگ معجزات اور وحی الٰہی میں منہمک ہوگئے تو یہ جاہلی عصبیت فراموش ہوگئی تھی۔ نبوت اور خوارق ومعجزات کا انقطاع ہونے کے ساتھ ہی یہ عصبیت لوٹ کر آ گئی اور قبیلہ مضر کے لوگ باقی لوگوں کو چھوڑ کر بنوامیہ کا ساتھ دینے لگے۔'' (مقدمہ ابن خلدون)

یزید کی نامزدگی میں سیدنا معاویہ نے اسلامی شہنشاہیت کی مصلحتوں کو پیش نظر رکھا تھا جس کا ان دنوں بڑا چرچا تھا اور جس کے پھلنے پھولنے اور وسعت پذیر ہونے میں دعوت اسلامی کی توسیع کا راز مضمر تھا۔ یہ توسیع زیادہ تر سیدنا معاویہ وعثمان اور ان کے خلفاء کے عہد میں ہوئی، نظر بریں اس بات کی شدید ضرورت تھی کہ عرب کے دونوں بازو یعنی یمن ومضر یا قحطان وعدنان میں کامل اتحاد و یگانگت پیدا ہو جائے۔ یزید کو ولی عہد نامزد کرنے سے پیشتر سیدنا معاویہ یزید کو امور سلطنت سکھایا کرتے تھے۔ یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ آپ نے ۴۹ ہجری میں یزید کو رومی سلطنت کے استقبال کے لیے روم بھیجا اور اس کے جھنڈے قسطنطنیہ کی دیواروں پر لہرانے لگے۔ یہ وہ بابرکت لشکر تھا جس میں سیدنا عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، ابوایوب انصاری اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر صحابہ شریک تھے۔ اس عظیم اسلامی

ان لوگوں کے امام ہونے کے یہ معنی ہیں کہ وہ حکومت وسلطنت اور سیف و سنان سے بہرہ ور تھے کسی کو حاکم مقرر کرتے اور کسی کو معزول کرتے۔ کسی کو دیتے اور کسی کو نہ دیتے۔ ان کے احکام حدود سلطنت میں نافذ ہوتے تھے۔ وہ شرعی سزائیں دیتے، کفار سے جہاد کرتے اور لوگوں میں مال تقسیم کیا کرتے تھے۔

یہ سب باتیں متواتر کی حد تک معروف ہیں اور ان سے مجال انکار نہیں۔ ان کے امام خلیفہ یا سلطان ہونے کا یہی مطلب ہے، جیسے امام صلوٰۃ وہ ہے جو لوگوں کو نماز پڑھاتا ہو جب ہم دیکھیں کہ کوئی شخص لوگوں کو نماز پڑھا رہا ہے تو اس کا امام ہونا ایک مشہود و محسوس امر ہے جس میں جدل و بحث کی کوئی گنجائش نہیں۔ باقی رہا اس کا نیک یا بد ہونا تو یہ ایک الگ بات ہے۔ اہل سنت سلاطین وخلفاء مثلاً یزید یا عبد الملک یا منصور میں سے جب کسی کو امام تصور کریں گے تو اس کی یہی حیثیت ہو گی

جہاد کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم کے دوسرے خواب کی تعبیر ظاہر کی جو آپ نے بمقام قباء سیدنا انس کی خالہ کے یہاں دیکھا تھا۔(صحیح بخاری، کتاب الاستئذان۔ باب من زار قوماً فقال عندھم(حدیث:٦٢٨٢،٦٢٨٣)،صحیح مسلم۔ کتاب الامارۃ۔ باب فضل الغزو فی البحر(حدیث:١٩١٢)

اگر ان تاریخی حقائق پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لخت جگر ابن الحنفیہ کی شہادت کا بھی اضافہ کر لیا جائے جس میں انھوں نے یزید پر عائد کردہ اتہامات کو بے بنیاد قرار دیا تھا تو اس مظلوم قریشی نوجوان (یزید) کی اصلی صورت سامنے آجاتی ہے جو اس پر از خیر و برکت زمانہ سے بالکل ہم آہنگ تھی جس کے ائمہ میں سے یزید بھی ایک امام تھا۔ علاوہ ازیں اس سے تاریخ اسلام کے وہ داغ دھبے دور ہو جائیں گے جن سے شریر لوگ اس کو داغ دار کرنا چاہتے ہیں۔

اگر اس کتاب کے دامن میں مزید وسعت ہوتی تو ہم بہت سے تاریخی حقائق بیان کرتے۔ (بعض حقائق کے لیے دیکھیے ہمارے حواشی بر العواصم من القواصم) اگر زندگی نے مہلت دی تو میں اسلام کے اس قرض کو جس سے میری گردن زیر بار ہے صدر اسلام کی ایک ایسی تاریخ پیش کر کے ادا کروں گا جن کو دیکھ کر مسلم نوجوان عش عش کر اٹھیں اور مسلمانوں پر یہ راز آشکار ہو جائے کہ اموی دور میں اسلام یورپ اور افریقہ میں کیوں کہ اشاعت پذیر ہوا تھا۔ ایسی تاریخ امت مسلمہ کی ایک اہم ضرورت ہے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کچھ بعید نہیں کہ وہ ایسے شخص کو اس خدمت کی توفیق ارزانی کرے جو بہمہ وجوہ اس کا حق ادا کرنے کے قابل ہو۔ (محبّ الدین الخطیب)

جوشخص اس میں جدل یا بحث سے کام لیتا ہے وہ اسی طرح ہے جیسے کوئی سیدنا ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم کی ولایت یا قیصر وکسریٰ اور نجاشی کی بادشاہت کو تسلیم نہ کرے اور اس میں جھگڑنے لگے۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ یہ ائمہ وخلفاء معصوم تھے؟ یا سب باتوں میں عدل و انصاف کے تقاضوں پر عمل پیرا تھے۔ اور سب افعال و امور میں اللہ تعالیٰ کے اطاعت کیش تھے تو کوئی مسلمان یہ عقیدہ نہیں رکھتا۔ تاہم اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ طاعات وعبادات میں ان کے ساتھ شرکت کر سکتے ہیں ۔ چنانچہ ہم ان کی اقتداء میں جمعہ وعیدین اور دیگر نمازیں پڑھ سکتے ہیں، اس لیے کہ اگر ان کی اقتداء میں نماز نہ پڑھی جائے تو نمازیں معطل ہو کر رہ جائیں گی۔ ہم ان کے ساتھ مل کر کفار کے خلاف جہاد کر سکتے ہیں۔ بیت اللہ کا حج کر سکتے ہیں۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور اقامت حدود میں ان کا تعاون حاصل کر سکتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر کوئی انسان حج کرنے جائے یا کسی لڑائی میں شریک ہو یا کوئی اور نیک عمل انجام دے اور اس میں اس کے ساتھ کوئی فاسق و فاجر آدمی بھی شریک ہو تو اس کی شرکت کی وجہ سے اسے کچھ نقصان نہیں پہنچے گا۔ اسی طرح عدل وانصاف اور تقسیم مال وغیرہ میں بھی ان سے اعانت طلب کی جا سکتی ہے۔ اس لیے کہ بسا اوقات ان کے احکام اور ان کی تقسیم عدل وانصاف پر مبنی ہوتی ہے وہ نیک کاموں میں اعانت کرتے ہیں [1] اور اثم وعدوان میں

---

[1] اللہ کا شکر ہے کہ امت محمدیہ تاہنوز بخیر وعافیت ہے۔ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ امت کے اوّلین ولاۃ وحکام غیر معصوم ہونے کے باوجود صلاح واستقامت کے انتہائی بلند معیار پر فائز تھے اقوام عالم میں جو لوگ مرتبہ ومقام کے لحاظ سے فروتر ہیں وہ ان کو وقعت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ان کے کارہائے نمایاں کو اجاگر کرنے کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتے۔ ان کی لغزشوں کا ذکر نہایت نرم الفاظ میں کیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ان کے لیے مناسب عذر تلاش کیا جاتا ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ دورِ حاضر کے بعض شریر ہمارے بعض نیک نہاد سلاطین وملوک کی سیرت وسوانح کو بگاڑنے پر تلے ہوئے ہیں اور ان کے کارہائے نمایاں کو چھپاتے اور ان کی تاویلیں کرتے اور ان سے صادر شدہ لغزشوں کو رائی کا پہاڑ بنا کر دکھا رہے ہیں، وہ اس غلط فہمی کا شکار ہیں کہ وہ ان ولاۃ وحکام کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں حالانکہ اس کا سب سے بڑا نقصان ملت اسلامیہ کو پہنچتا ہے اور وہ یہ کہ اس سے ملت کے اذہان وقلوب میں مایوسی کی لہر دوڑ جاتی ہے اور وہ اپنے ماضی سے بددل ہو جاتی ہے۔

حق کے پرستار و مددگار اہل سنت مثلاً امام بخاری ومسلم اور دیگر حفاظ حدیث کا معاملہ اس سے یک سر مختلف ہے، صداقت شعار راویان حدیث کی جمع وتدوین میں انھوں نے حد درجہ اعتدال سے کام لیا۔

تعاون کرنے میں احتراز کرتے ہیں۔

جب کوئی خلیفہ اقتدار پر قابض ہو جائے مثلاً یزید وعبد الملک اور منصور پھر یا تو اس سے لڑ کر اسے اقتدار سے محروم کیا جائے گا۔ یہ رائے فاسد ہے اور اس کا نتیجہ خون ریزی کی صورت میں برآمد ہوتا ہے، خواہ خروج کرنے والا دین دار ہی کیوں نہ ہو۔ [1] تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ جب بھی کسی شخص نے کسی صاحب اقتدار کے خلاف بغاوت کی ہے تو اس سے جو نقصان برآمد ہوا ہے وہ اس کے فوائد کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہے، اس کی مثال وہ لوگ ہیں جنھوں نے مدینہ میں یزید کے خلاف

خلفائے راشدین کے بعد آنے والے ولاۃ و حکام کے اخبار و واقعات جمع کرنے میں مؤرخین غالباً یہ نظریہ رکھتے تھے کہ تقابل کے نقطہ نظر سے وہ حکام خلفائے راشدین کے ہم پلہ نہیں ہو سکتے، اس لیے انھوں نے ان کے بعض ایسے حقوق ادا کرنے میں فیاضی سے کام نہ لیا جو بذات خود عظیم مگر خلفائے راشدین کے مقابلہ میں فروتر درجہ کے تھے۔

بہر کیف اہل سنت رسول اللہ ﷺ کے ماسوا کسی کو معصوم قرار نہیں دیتے اور ہر مستحق کو اس کا حق دینا چاہتے ہیں۔ دورِ حاضر میں جب ہم ازسرِ نو تاریخ اسلام کا جائزہ لے کر اسے کذب و دروغ سے پاک و صاف کرنے کا بیڑا اٹھائیں گے تو ہمیں ان اسباب نصرت و توفیق تک رسائی حاصل ہوگی جو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لیے مقدر کر رکھے تھے جنھوں نے عالم اسلام کی بنیاد رکھی اور اللہ کی دعوت کو اکناف ارضی تک پہنچایا اس وقت یہ حقیقت ابھر کر سامنے آئے گی کہ باطل پرستوں نے جن لوگوں کی زندگی کو داغ دار کرنے کی سعی کی ہے وہ تاریخ اسلام کے عظیم ہیرو اور اپنے عصر و عہد کے چشم و چراغ تھے۔ (رضی اللہ عنہم)

[1] سفاح و منصور نے جب مروان بن محمد کے خلاف خروج کیا تھا تو وہ اسی دعویٰ پر مبنی تھا کہ وہ اس سے زیادہ دین دار اور اس منصب کے لیے موزوں تر ہیں، جب برسر اقتدار ہوئے تو ان سے بہتر ثابت نہ ہو سکے جن کے خلاف انھوں نے خروج کیا تھا۔ امام اوزاعی نے ان کو اس فعل شنیع پر اس حد تک متنبہ کیا کہ امام اوزاعی کے احباب و اعوان اس بات سے ڈرنے لگے کہ امام اوزاعی جب عباسی تلوار سے گھائل ہوں تو آس پاس والوں کے کپڑے خون آلود نہ ہو جائیں۔ امام اوزاعی نے صراحتاً بتا دیا تھا کہ انھوں نے جس قدر خون ریزی کی ہے وہ ان کے لیے ناروا تھی۔ امام اوزاعی نے یہ فیصلہ اس وقت صادر کیا تھا جب تاریخ بنو امیہ و بنو عباس کے مابین موازنہ کرنے کے قابل نہ تھی۔ اب اللہ ہی فیصلہ کرے گا کہ بنو امیہ و بنو عباس میں سے بہتر کون تھا۔

خروج کیا۔ [1] یا ابن اشعث جس نے عراق میں عبدالملک کے خلاف خروج کیا تھا یا ابن مہلّب جس نے مروان کے خلاف بغاوت کی۔ نیز ابو مسلم خراسانی یا مدینہ و بصرہ کے وہ لوگ جنھوں نے منصور کے خلاف بغاوت کی تھی۔ ایسے لوگوں کا مقصد تخت یا تختہ ہوتا ہے آخر کار ان کا اقتدار ختم ہو جاتا ہے اور اقتدار سے محروم ہو جاتے ہیں۔

اس ضمن میں عبداللہ بن علی عباسی اور ابو مسلم خراسانی کی مثال پیش کی جاسکتی ہے یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ انھوں نے عباسی دعوت کو فروغ دینے کے لیے لاکھوں بے گناہ لوگوں کو تہ تیغ کیا۔ ان دونوں کو ابو جعفر منصور نے قتل کروایا تھا۔ جہاں تک اہل حرّہ ابن الاشعث اور ابن مہلّب کا تعلق ہے انھوں نے اپنے اصحاب سمیت شکست کھائی۔ اور دین و دنیا دونوں میں ناکام رہے۔ اللہ تعالیٰ ایسا حکم نہیں دیتے جس سے دینی یا دنیوی صلاح وفلاح وابستہ نہ ہو، اگر کوئی متقی و جنتی شخص بھی بغاوت کا فعل انجام دیتا ہے تاہم یہ فعل قباحت سے خالی نہیں ہوگا۔ غور فرمایئے۔ سیدنا علی وطلحہ وزبیر و عائشہ وغیرہم جلیل القدر صحابہ سے بہتر اور کون ہوگا۔ اس کے باوصف انھوں نے قتال وغیرہ کے سلسلہ میں جو کچھ کیا اس کی مدح وستائش نہیں کی جاسکتی۔ حالانکہ یہ سب صحابہ اللہ کے یہاں بڑے عظیم المرتبت ہیں اور ان کی نیت بھی دوسرے لوگوں کی نسبت اچھی ہے۔

اسی طرح اہل حرہ میں متعدد اہل علم اور دین دار لوگ بھی تھے۔ اصحاب ابن الاشعث بھی دین دار اور اہل علم سے خالی نہ تھے۔ امام شعبی سے ابن الاشعث کے زمانے میں کہا گیا تھا۔

''عامر! (امام شعبی) اندریں مدت آپ کہاں رہے؟''

امام شعبی نے جواباً کہا: ''میں اس جگہ تھا جس کے متعلق کسی شاعر نے کہا ہے:

عَوَی الذِّئبُ فَاسْتَانَسْتُ بِالذِّئبِ اِذْ عَوی
و صوَّتَ اِنْسَانٌ فَکِدْتُّ اَطِیْر

---

[1] صحیح بخاری ومسلم میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اہل مدینہ کو یزید کی مخالفت سے روکتے تھے۔ (صحیح بخاری، کتاب الفتن، باب اذا قال عند قوم شیئا ثم خرج فقال بخلافه (حدیث: ۷۱۱۱)، صحیح مسلم، کتاب الامارة، باب وجوب ملازمة جماعة المسلمین عند ظهور الفتن (حدیث: ۱۸۵۱) البدایہ والنہایہ کے بیان کے مطابق سیدنا محمد بن الحنفیہ بھی یزید کے مخالفین کو نقض بیعت سے منع کرتے تھے، یہ بیان پہلے گزر چکا ہے عن قریب آگے آرہا ہے کہ سعید بن المسیب اور سیدنا علی بن حسین کہ جن کو امام زین العابدین بھی کہا جاتا ہے اہل مدینہ کو یزید کی مخالفت سے روکتے تھے۔

''بھیڑیا چلایا تو میں اس کی آواز سے مانوس ہو گیا اور انسان نے آواز دی تو میں نے اڑ کر جانا چاہا۔''

امام شعبی نے مزید فرمایا:

''ہم ایسے فتنہ سے دوچار تھے جس میں نہ تو ہم متقی اور پاک باز تھے اور نہ ہی ایسے گناہ گار تھے جو طاقت سے بھی بہرہ ور ہو۔''

سیدنا حسن بصری فرمایا کرتے تھے:

''حجاج ثقفی کا وجود عذاب الٰہی سے کم نہیں، لہٰذا عذاب الٰہی کو اپنے ہاتھوں سے مت دھکیلو۔ بلکہ بارگاہ ایزدی میں عجز و نیاز کا اظہار کرو۔''

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ لَقَدْ اَخَذْنَا هُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَ مَا يَتَضَرَّعُوْنَ﴾ (سورة المومنون: ۲۳/۷۶)

''ہم نے ان کو عذاب میں گرفتار کیا مگر نہ وہ رب کے سامنے جھکے اور نہ ہی اظہار عجز و نیاز کیا۔''

طلق بن حبیب فرمایا کرتے تھے:

''تقویٰ کی بدولت فتنہ سے بچتے رہو۔''

ان سے دریافت کیا گیا کہ تقویٰ کی وضاحت فرمائیے تو جواباً فرمایا:

''تقویٰ یہ ہے کہ نورِ الٰہی کی روشنی میں اللہ کی طاعت و عبادت پر عمل پیرا ہوں اور رحمتِ الٰہی کے امیدوار رہیں۔ نیز نورِ الٰہی کی روشنی میں اس کی نافرمانی کو ترک کر دیں اور عذاب الٰہی سے خائف رہیں۔'' (احمد و ابن ابی الدنیا)

مسلم اکابر و افاضل ہمیشہ فتنہ پردازی کے دور میں لوگوں کو جنگ و جدال سے منع کرتے رہے ہیں۔ سیدنا عبداللہ بن عمر، سعید بن مسیّب اور علی بن حسین [1] عام الحرہ میں یزید کے خلاف بغاوت

---

[1] سیدنا علی بن حسین، زین العابدین کے نام سے معروف تھے۔ شیعہ ان کو امام چہارم تصور کرتے ہیں۔ بایں ہمہ شیعہ زین العابدین کے اس موقف کی خلاف ورزی کرتے ہیں جو انھوں نے اہل مدینہ کو یزید کی مخالفت سے روکتے وقت اختیار کیا تھا۔ سیدنا زین العابدین اور ان کے والد محترم جن مصائب سے دوچار ہوئے تھے ان کی بنا پر وہ اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھے کہ فتنہ پر آمادہ کرنے والے اور اس پر رضامندی کا اظہار کرنے والے شریر، اسلام سے برگشتہ اور شیطان کے بہکائے لوگ ہیں۔

سے روکتے تھے۔ اسی طرح سیدنا حسن بصری، ومجاہد و دیگر بزرگ فتنہ ابن الاشعث میں شرکت کرنے سے باز رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ احادیث صحیحہ کی روشنی میں اہل سنت کے یہاں یہ طے شدہ بات تھی کہ فتنہ کے دَور میں شریک جنگ و جدل ہونے سے احتراز کیا جائے۔ یہ بات ایک دینی عقیدہ کی حیثیت رکھتی تھی اور اہل سنت وُلاۃ و حکام کے ظلم وجَور پر صبر کرنے کی تلقین کیا کرتے تھے۔ یہاں اس کی تفصیلات بیان نہیں کی جاسکتیں۔

جو شخص اس ضمن میں وارد شدہ احادیث صحیحہ اور بزرگان سلف کے اقوال و آثار پر زحمتِ غور وفکر گوارا کرے گا اس پر یہ حقیقت واشگاف ہو جائے گی کہ اچھی بات وہی ہے جو نصوص نبویہ میں پائی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب اہل کوفہ نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو خط لکھ لکھ کر بلایا اور آپ نے عراق جانے کا ارادہ کیا تو سیدنا ابن عمر، ابن عباس، ابوبکر بن عبد الرحمٰن وغیرہ اصحاب العلم ولدین نے آپ کو روکنا چاہا وہ اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ آپ قتل سے نہیں بچ سکتے۔ ان میں سے بعض نے کہ:

"اے قتل کیے جانے والے میں تجھے اللہ کو سونپتا ہوں۔" بعض نے کہا: "اگر یہ بات معیوب نہ ہوتی تو میں آپ کو عراق جانے سے روک دیتا۔"

سیدنا حسین کے احباب واعوان کی یہ سب مساعی آپ اور مسلمانوں کی مصلحت و عافیت کے نقطۂ خیال سے تھیں۔ اس لیے کہ اللہ و رسول اصلاح کا حکم دیتے ہیں فساد کا نہیں، البتہ رائے بعض اوقات صائب ہوتی اور بعض اوقات مبنی بر خطاء۔

چنانچہ جن واقعات سے سیدنا حسین دوچار ہوئے۔ انھوں نے ثابت کر دیا کہ مانعین خروج کی رائے درست تھی، اس لیے کہ سیدنا حسین کے خروج میں کوئی دینی و دنیوی مصلحت مضمر نہ تھی۔ بلکہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ظالم کوفیوں نے نبیرۂ رسول کو بحالت مظلومی شہید کر دیا۔ اور آپ کے خروج وقتل سے امت میں وہ فساد رونما ہوا جو اس صورت میں ہرگز رونما نہ ہوتا اگر آپ مدینہ میں اقامت گزیں رہتے، سیدنا حسین کا مقصد جو کہ تحصیل خیر اور دفع شرّ تھا۔ حاصل نہ ہوا بخلاف ازیں آپ کے خروج وقتل سے شر میں اضافہ ہوا اور وہ ایک عظیم شر کا پیش خیمہ بن گئی۔

قتل عثمان کی طرح سیدنا حسین کے قتل سے امت میں فتن و شرور کا دروازہ کھل گیا اور اس سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آ گئی کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ولاۃ و حکام کے ظلم وجور پر صبر اور ترک قتال کا حکم دیا تھا وہ بندوں کے لیے دنیا و عقبیٰ دونوں میں فائدہ مند تھا۔ نیز یہ کہ جس نے بھی دانستہ یا نادانستہ

اس کی خلاف ورزی کی اس کے فعل سے بجائے صلاح کے فساد رونما ہوا۔

یہی وجہ تھی کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی مدح فرمائی:

''میرا یہ بیٹا سردار ہے اور اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے دو عظیم گروہوں میں صلح کرائے گا۔'' [1]

اس کے برعکس آپ نے کبھی ایسے شخص کی مدح نہ فرمائی جو فتنہ بازی کے دور میں کسی سے لڑتا یا خروج کرتا ہو یا کسی کی بیعت کر کے اسے توڑ دیتا اور جماعت مسلمین سے الگ ہو جاتا ہو۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''پہلا لشکر جو قسطنطنیہ پر حملہ آور ہوگا مغفور و مرحوم ہے۔'' [2]

اہل روم سے نبرد آزما ہونے کے لیے پہلا لشکر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھیجا تھا۔ یزید اس کا سپہ سالار تھا اور اس میں ابوایوب [3] انصاری جیسے جلیل القدر صحابہ بھی شامل تھے۔ اس لشکر نے قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا تھا۔ [4] بعد ازاں جنگ جمل و صفین واقعہ حرّہ و شہادت حسین نیز واقعہ مرجِ راہط عین الورد کے مقام پر توابین کا قتل اور فتنہ ابن الاشعث جیسے عظیم واقعات پیش آئے۔ شہادت عثمان کا واقعہ ان سب واقعات سے زیادہ الم انگیز تھا۔ امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں مرفوعاً روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس شخص نے تین باتوں سے نجات پائی وہ فلاح و نجات سے ہم کنار ہوا۔ وہ تین

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الصلح، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم للحسن بن علی رضی اللہ عنہما......'' (حدیث:۲۷۰٤)

[2] صحیح بخاری ،کتاب الجهاد، باب ما قیل فی قتال الروم(حدیث:۲۹۲٤)، عن ام حرام رضی اللہ عنہا۔

[3] اسی غزوۂ میں سیدنا ابوایوب انصاری نے وفات پائی اور قسطنطنیہ کی فصیل کے نزدیک مدفون ہوئے۔ آپ کی قبر آج تک موجود ہے اور آپ ہی کے نام سے مشہور ہے۔

[4] سنن ابی داؤد۔ کتاب الجهاد۔ باب فی قوله عزوجل﴿ وَ لَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ ......﴾ (حدیث:۲۵۱۲)، سنن ترمذی۔ کتاب تفسیر القرآن۔ باب و من سورة البقرة (حدیث: ۲۹۷۲)

باتیں یہ ہیں (۱) میری موت (۲) خلیفہ مظلوم کا ناحق قتل (۳) خروج دجال۔ [1]

باقی رہا شیعہ مصنف کا یہ قول کہ ''اہل بیت خواتین کو قیدی بنایا اور انھیں بلا پالان اونٹوں پر سوار کیا گیا۔'' تو یہ صریح کذب ہے۔ امت محمدی نے کبھی بھی کسی ہاشمی خاتون کو قیدی بنانے کی جسارت نہیں کی۔ بنوامیہ کو سیدنا حسین سے خطرہ لاحق تھا کہ وہ ان کے تاج وتخت پر قابض ہو جائیں گے اس لیے وہ آپ کے خلاف جنگ آزما ہوئے۔ جب آپ نے شہادت پائی تو معاملہ ختم ہو گیا اور آپ کے اہل بیت کو مدینہ رخصت کر دیا گیا تھا۔ مگر شیعہ کی جہالت کا علاج کیا؟ اس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ قتل حسین جرم عظیم ہے، اس کا ارتکاب کرنے والا اور اس پر رضا مندی کا اظہار کرنے والا دونوں عذاب کے مستحق ہیں، مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ سیدنا حسین کا قتل ان کے بہنوئی سیدنا عمر اور آپ کے خالو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہما کے قتل سے بڑا جرم ہرگز نہیں ہے۔

آیت ﴿اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى﴾ حسن وحسین کے بارے میں نازل نہیں ہوئی:

رافضی قلم کار لکھتا ہے:

﴿قُل لَّا اَسْاَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى﴾ (شوریٰ: ۴۲/ ۳۰)

سیدنا حسن وحسین کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔''

یہ صاف جھوٹ ہے اس لیے کہ یہ آیت بلا ریب مکی ہے، جب یہ آیت اتری تو اس وقت سیدنا علی و فاطمہ کا نکاح بھی نہیں ہوا تھا۔ سیدنا حسن وحسین کی ولادت کا تو اس وقت سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ سیدنا علی نے ہجرت کے دوسرے سال سیدہ فاطمہ سے نکاح کیا [2] اور غزوۂ بدر کے بعد ماہ رمضان میں آپ سیدنا علی کے گھر میں آباد ہوئیں۔ قبل ازیں اس آیت پر گفتگو کی جا چکی ہے اور سیدنا ابن عباس کا یہ قول بیان کیا جا چکا ہے کہ تمام قبائل قریش کے نبی کریم کے ساتھ قرابت دارانہ مراسم و روابط تھے بنابریں آیت میں ارشاد ہوا کہ قرابت داری کے ان حقوق کی وجہ سے تم مجھ سے الفت و محبت کا سلوک کرو۔ [3]، [4]

---

[1] مسند احمد(٤/ ١٠٥_ ١٠٦)، مستدرك حاكم(٣/ ١٠١)

[2] صحيح بخاری، كتاب فرض الخمس، باب فرض الخمس(حديث:٣٠٩١) صحيح مسلم، كتاب الاشربة_ باب تحريم الخمر(حديث:١٩٧٩)

[3] صحيح بخاری، كتاب المناقب، باب المناقب(حديث:٣٤٩٧)

[4] قبیلہ قریش کے ساتھ سرور کائنات ﷺ کی قرابت داری کی روشن مثال سیدنا ابوسفیان کے ساتھ نبی کریم

شیعہ مصنف رقم طراز ہے:

''اہل سنت کی ایک جماعت یزید کو ظالم تصور کرنے کے باوصف اس پر لعنت نہیں بھیجتی حالانکہ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ اَلاَ لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ﴾ (سورۂ هود: ۱۱/۱۱)

ایک شخص مُہنّا نامی نے سیدنا امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے جب یزید کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا: ''یزید نے جو کرنا تھا کیا۔''

امام موصوف کے بیٹے صالح نے آپ سے دریافت کیا کہ بعض لوگ ہمیں یزید کی دوستی سے متہم کرتے ہیں۔''

امام احمد نے جواباً فرمایا:

''بیٹا جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ یزید کا دوست کب ہوسکتا ہے؟''

صالح نے کہا: ''تو پھر آپ یزید پر لعنت کیوں نہیں کرتے۔''

امام احمد نے فرمایا:

''جس پر اللہ نے لعنت کی ہے میں اس پر لعنت کیوں نہ بھیجوں؟''

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

''بہت ممکن ہے اگر تم برسر اقتدار ہوئے تو زمین میں فساد برپا کرو گے اور باہمی تعلقات توڑ دو گے یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت بھیجی اور انھیں اندھا اور بہرا کردیا۔'' (سورہ محمد: ۲۲،۲۳)

اس سے بڑا فساد اور کیا ہوگا کہ یزید نے مدینہ کے شہر کو لوٹا۔ وہاں کے رہنے والوں کو قید کیا۔ سات سو قریش و انصار کو موت کے گھاٹ اتارا اور دس ہزار ایسے آدمیوں کو قتل

کے عزیزانہ مراسم ہیں۔ قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے کہ جب کفار مکہ نبی کریم کو ستاتے تو آپ ابوسفیان کے گھر میں پناہ لیتے تھے۔ اسی لیے آپ نے فتح مکہ کے دن اعلان فرمایا کہ جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوگا وہ امن پائے گا۔ (سنن ابی داود۔ کتاب الخراج۔ باب ما جاء فی خبر مکة، (حدیث: ۳۰۲۱، ۳۰۲۲) اس کی تفصیلات کے لیے وہ حاشیہ ملاحظہ فرمایئے جس میں نبی کریم اور ابوسفیان کے باہمی روابط و علائق کی تفصیل مندرج ہے۔

کیا جن کے بارے میں یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ آزاد تھے یا غلام۔ یہاں تک کہ روضۂ رسول خون سے بھر گیا۔ پھر کعبہ پر پتھر پھینک کر اسے منہدم کیا اور آگ لگا دی۔
نبی ﷺ فرماتے ہیں: 'سیدنا حسین کا قاتل آگ کے ایک صندوق میں ہوگا اور اسے تمام اہل جہنم سے آدھا عذاب ہو رہا ہوگا۔' آپ نے یہ بھی فرمایا: ''میرا اور اللہ تعالیٰ کا شدید غضب اس شخص پر ہوگا جس نے میرے اہل کا خون بہایا اور میرے اہل بیت میں مجھے ستایا۔''

اس کا جواب یہ ہے کہ یزید پر لعنت بھیجنے کے بارے میں شرعی حکم وہی ہے جو اس کے نظائر و امثال خلفاء وملوک کے بارے میں ہے۔ بلکہ یزید مقابلتاً ان سے بہتر ہے مثلاً یزید مختار سے افضل ہے، جس نے قاتلین حسین سے انتقام لیا تھا۔ مختار کا دعویٰ تھا کہ اس پر جبرائیل نازل ہوتا ہے۔ اسی طرح یزید حجاج کے مقابلہ میں بھی بہتر ہے۔

تاہم یزید اور اس کے امثال کے بارے میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ فاسق تھے اور کسی مخصوص فاسق پر لعنت کرنا شرعاً مامور نہیں ہے۔ البتہ سنت نبوی میں مختلف گروہوں پر لعنت کرنے کی اجازت ملتی ہے، مثلاً چوروں پر لعنت کرنا یا سود لینے اور دینے والے، نیز حلالہ کرنے والے اور جس کے لیے حلالہ کیا جائے اور شراب پینے اور پلانے والے پر شرعاً لعنت کی اجازت ہے۔

فقہاء کی ایک جماعت کا زاویہ نگاہ یہ ہے کہ کسی متعین شخص پر لعنت کرنا شرعاً جائز ہے مگر دوسری جماعت اسے ناروا قرار دیتی ہے۔ امام احمد بن حنبل کسی معین شخص پر لعنت بھیجنے کو مکروہ سمجھتے ہیں۔ البتہ یوں کہنا ان کے نزدیک جائز ہے کہ: ﴿لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظَّالِمِيْنَ﴾

صحیح بخاری میں مروی ہے کہ ایک شخص حمار نامی کو شراب نوشی کے جرم میں اکثر نبی کریم کی خدمت میں لایا جاتا تھا اور آپ اسے پیٹا کرتے تھے ایک شخص نے حمار کا ذکر کرتے ہوئے کہا: ''اللہ اس پر لعنت کرے اسے اکثر آپ کے یہاں لایا جاتا ہے۔'' یہ سن کر آپ نے اسے لعنت کرنے سے روکا اور فرمایا کہ یہ شخص اللہ و رسول کو چاہتا ہے۔[1]

اس حدیث میں آپ نے ایک معین شخص پر لعنت بھیجنے سے منع فرمایا، حالانکہ آپ نے شراب

[1] صحیح بخاری، کتاب الحدود، باب ما یکرہ من لعن شارب الخمر (حدیث: ٦٧٨٠)

پینے والوں پر خود لعنت بھیجی ہے۔ [1] یہ ظاہر بات ہے کہ ہر مسلمان اللہ و رسول کو چاہتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ منافق ہو جس کے ملعون ہونے میں شبہ نہیں۔ جو علماء کسی کے فسق کی بنا پر اس پر لعنت بھیجنے کو جائز قرار دیتے ہیں وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم لعنت بھیجنے کے ساتھ ساتھ ایسے شخص کی نماز جنازہ بھی پڑھ لیتے ہیں، کیوں کہ اس کی زندگی کے دو پہلو ہیں، ایک وجہ سے وہ مستحق عقاب اور مورد لعنت ہے اور بنا بر اسلام ہم اس کا جنازہ پڑھیں گے۔

کیا یزید پر لعنت بھیجنا جائز ہے؟

حضرات صحابہ جمیع اہل سنت نیز کرّامیہ اور مرجیہ اسی کے قائل ہیں۔ بہت سے شیعہ جن کے نزدیک فاسق دائمی جہنمی نہیں ہوتا۔ یہی عقیدہ رکھتے ہیں۔ خوارج، معتزلہ اور بعض شیعہ فاسق کو دائمی جہنمی قرار دیتے ہیں۔ البتہ توبہ کرنے کی صورت میں دائمی جہنمی نہیں ہوگا۔ جو لوگ یزید پر لعنت بھیجنے کو جائز قرار دیتے ہیں انھیں یہ ثابت کرنا پڑے گا کہ یزید ظالم و فاسق تھا اور وہ بلا توبہ مر گیا اور نیز یہ کہ کسی مخصوص ظالم و فاسق پر لعنت بھیجنا جائز ہے۔

علاوہ ازیں اعمال صالحہ اور مصائب و آلام کی بنا پر بعض اوقات عذاب ٹل بھی جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ (سورہ نساء: ٤/٤٨)

''اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں کرتے اور اس کے سوا دوسرے گناہ جس کو چاہیں بخش دیں۔''

علاوہ ازیں یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ پہلا لشکر جو قسطنطنیہ پر حملہ آور ہوا وہ یزید کا تھا اور وہ اس کا امیر و سپہ سالار تھا۔

اور حدیث صحیح میں وارد ہے کہ ''اوّلیں لشکر جو قسطنطنیہ پر حملہ آور ہوگا وہ مغفور ہوگا۔'' [1]

ہم اس حقیقت سے کلیتًا آگاہ ہیں کہ اکثر مسلمان ظلم سے پاک نہیں ہو سکتے۔ اگر ظلم کی بنا پر

---

[1] سنن ابی داؤد۔ کتاب الاشربة، باب فی العنب یعصر للخمر (حدیث: ٣٦٧٤)، سنن ابن ماجة، کتاب الاشربة۔ باب لعنة الخمر علی عشرة اوجه، (حدیث: ٣٣٨٠)

[2] صحیح بخاری، کتاب الجهاد۔ باب ما قیل فی قتال الروم۔ (حدیث: ٢٩٢٤)

مسلمانوں پر لعنت بھیجنے کا دروازہ کھولا جائے تو اکثر فوت شدہ مسلمان لعنت کا شکار ہوں گے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فوت شدگان کا جنازہ پڑھنے کا حکم دیا ہے اور ان پر لعنت بھیجنے کے لیے مامور نہیں فرمایا۔ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ فوت شدہ پر لعنت بھیجنا کسی زندہ شخص پر لعنت بھیجنے سے مذموم تر ہے۔ حدیث صحیح میں وارد ہے کہ نبی کریم نے فرمایا: ''مردوں کو برا بھلا مت کہو اس لیے کہ انھوں نے اپنے کیے کی سزا پالی۔'' ❶

شیعہ نے جو روایت امام احمد سے نقل کی ہے، اس ضمن میں ثابت شدہ روایت وہ ہے جو امام احمد کے بیٹے صالح نے ان سے بیان کی ہے، آپ نے فرمایا: اور تو نے اپنے والد کو کسی پر لعنت بھیجتے کب دیکھا ہے؟'' امام احمد سے لعنت بھیجنے کی روایت منقطع ہے اور آپ سے ثابت نہیں ہے۔ جہاں تک آیت کریمہ: ﴿اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ﴾ کا تعلق ہے اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کسی مخصوص شخص پر لعنت کرنا جائز ہے، اور گناہ کا ارتکاب کرنے والے ہر شخص پر لعنت کرنا درست ہوتا تو کوئی شخص بھی لعنت سے نہ بچ سکتا۔ یہ ایک قسم کی وعید مطلق ہے جو معین کے حق میں اسی وقت ثابت ہوگی جب اس کے شرائط موجود اور موانع مفقود ہوں۔ لعنت کا معاملہ بھی اسی طرح ہے۔

یہ اس صورت میں ہوگا۔ جب فرض کیا جائے کہ یزید ایسے افعال کا مرتکب ہوا تھا جو قطع رحمی کے موجب ہیں۔ مزید براں جو بنی ہاشم، بنی عباس اور بنی ابی طالب کے خلاف نبرد آزما ہوئے تھے یہ بات ان پر بھی صادق آتی ہے اب سوال یہ ہے کہ آیا ان سب پر لعنت بھیجی جائے گی؟ اسی طرح جو شخص اپنے قرابت دار پر ظلم کرے خواہ وہ اس کا دور کا رشتہ دار ہو تو کیا وہ صرف اسی پر لعنت بھیجے گا؟ نیز یہ کہ جب ان پر لعنت بھیجی جائے گی تو اس لعنت میں ہر وہ شخص شریک ہوگا جس کو وہ الفاظ شامل ہوں اندریں صورت جمہور مسلمین ملعون ٹھہریں گے۔

سورہ محمد کی آیت ﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ لَعَنَّهُمُ اللّٰهُ﴾ ایک وعید عام کی حیثیت رکھتی ہے، اور جو شخص بھی وہ کام کرے گا وہ لعنت کا مورد ہوگا۔ بنی ہاشم نے ایک دوسرے کے ساتھ جو سلوک کیا وہ یزید کے فعل سے بھی بدتر ❷ تھا۔ اس پر عمل کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بہت سے عباسی اور علوی لعنت کے

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب ما ینهی من سب الاموات (حدیث:۱۳۹۳)

❷ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے جس سے ہر تاریخ دان آگاہ ہے۔ علامہ شیخ محمد خضری جب ۱۳۲۹ ہجری ماہ رمضان المبارک کی ایک رات شیخ علی یوسف ایڈیٹر الموید قاہری کے یہاں ان کی ملاقات کے لیے

مستحق ہوں گے۔ محدث ابن الجوزی نے یزید پر لعنت بھیجنے کے جواز کے بارے میں ایک کتاب تصنیف کی ہے اوراس میں عبدالمغیث [1] حربی کی تردید کی ہے جواس سے منع کیا کرتے تھے۔

خلیفہ الناصر عباسی کا واقعہ:

نقل کیا گیا ہے کہ جب خلیفہ الناصر عباسی کو پتہ چلا کہ شیخ عبدالمغیث یزید پر لعنت بھیجنے سے روکتے ہیں تو وہ (بھیس بدل کر) آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے اس کے بارے میں پوچھا۔ شیخ موصوف نے پہچان لیا کہ یہ خلیفہ الناصر ہے، مگر اسے جتلایا نہیں۔ شیخ نے فرمایا میں چاہتا ہوں کہ مسلم وُلاۃ وخلفاء سے زبان کو روکا جائے۔ اس لیے کہ اگر یہ دروازہ کھل گیا تو خلیفہ الناصر اپنے افعال شنیعہ کی بنا پر لعنت کیے جانے کا سب سے زیادہ حق دار ہوگا۔ پھر شیخ نے خلیفہ کے مظالم شمار کرنا

تشریف لے گئے تو وہاں انھوں نے پر زور طریقہ پر یہ بات کہی میں اس مجلس میں شریک تھا۔ تاہنوز علامہ شبلی نعمانی کی کتاب ''الانتقاد علی التمدن الاسلامی بحرجی زیدان'' شائع نہیں ہوئی تھی۔ جب یہ کتاب چھپ گئی اور بعد ازاں الجزائر میں قاضی ابن العربی مالکی کی کتاب '' العواصم من القواصم'' پہلی مرتبہ شائع ہوئی تو لوگ ان جھوٹی باتوں سے آشنا ہوئے جنھوں نے تاریخ اسلام کو مسخ کرڈالا تھا۔ میرا خیال ہے کہ اموی، عباسی، دونوں ادوار کی تاریخ اختلاط وآمیزش اور افراط وتفریط سے پاک نہیں رہ سکی، بنابریں ان تاریخی احداث وعوامل کا ازسرنو جائزہ لینا ناگزیر ہے، تاکہ ہمیں ایک صاف ستھری تاریخ تک رسائی حاصل ہو جو ان لوگوں کے گروہی تعصب سے پاک ہو، جنھوں نے نبی ﷺ نیز سیدنا علی اور ان کے اہل بیت کے بارے میں جھوٹ وضع کرنے سے بھی احتراز نہ کیا ہو۔ ان کی جانب وہ باتیں منسوب کیں جو انھوں نے نہیں فرمائیں۔ اب تاریکی کا وہ زمانہ بیت چکا ہے اور لوگ مستند مراجع وماخذ سے بچشم خود حقائق کا مطالعہ کررہے ہیں۔ باطل تھوڑی دیر چمکتا ہے اور پھر ہمیشہ کے لیے مضمحل اور بے نور ہو جاتا ہے۔

[1] امام حافظ عبدالمغیث بن زہیر بن علوی الحربی المتوفی (۵۰۰۔۵۸۳) بڑے عابد، شب زندہ دار اور صادق وامین تھے۔ یہ بڑے خوش اخلاق متبع سنت اور امانت و دیانت میں عدیم المثال تھے۔ ابن الحنبلی کا قول ہے کہ میں جب انھیں دیکھتا تو مجھے خیال آتا کہ یہ احمد بن حنبل ہیں۔ شیخ موصوف کی جلالت قدر ومنزلت کے لیے یہ بات کیا کم ہے کہ خلیفہ بھیس بدل کر یہاں آتا ہے اور آپ پہچاننے کے باوجود اسے ایسا جواب دیتے ہیں جو ایک عام شخص کو دیا جاتا ہے اور مطلقاً اس کی پروا نہیں کرتے۔

شروع کیے۔ آخر کار خلیفہ کہنے لگا: حضور میرے لیے دعا فرمائیے، اور یہ کہہ کر چل دیا۔

یزید نے جو کچھ اہل حرّہ [1] کے ساتھ کیا اس کا اصل واقعہ یہ ہے کہ جب اہل مدینہ نے اس کی بیعت توڑ دی اور اس کے نائبوں کو مدینہ سے نکال کر ان کے اہل خانہ کو گھیر لیا تو یزید نے اہل مدینہ کو پیہم پیغامات بھیج کر اطاعت کا مطالبہ کیا، مگر انھوں نے کچھ پروا نہ کی [2] چنانچہ یزید نے مسلم بن عقبہ

---

[1] حرّہ اس جگہ کو کہتے ہیں جس میں سیاہ رنگ کے چھوٹے چھوٹے پتھر پڑے ہوں اور اگر انھیں توڑنا چاہیں تو آسانی سے ٹوٹ جائیں جیسے وہ آگ میں جلے ہوئے ہوں ایسی جگہ عموماً گول ہوا کرتی ہے، اگر مستطیل ہو تو اسے ''کراع'' کہتے ہیں۔ حرّہ کی جمع حرار آتی ہے ایسے سنگلاخ مقامات بلاد عرب میں عموماً مدینہ سے شام جاتے ہوئے راستہ میں آتے ہیں۔ مشہور عرب جغرافیہ دان یاقوت نے ایسے ۲۹ مقامات گنائے ہیں۔ ابوعبید نے صرف ۱۸ جگہوں کا ذکر کیا ہے، مدینہ کے گردونواح میں ایسے کئی مقامات ہیں ان میں سے ایک جگہ مدینہ سے جانب قبلہ ہے اسے حرہ قبا کہتے ہیں۔ دوسری جگہ حرة الوبرہ کہلاتی ہے یہ مدینہ سے تین میل دور ہے۔ تیسری جگہ حرة النار ہے یہ مدینہ کے قریب واقع ہے، رافضی مصنف نے جس حرہ کا ذکر کیا ہے اس کا نام قوم عمالقہ کے ایک شخص واقم کے نام پر حرّہ واقم رکھا گیا ہے، یزید بن معاویہ کے ایام خلافت ۶۳ ہجری میں حرہ واقم ہی میں وہ مشہور واقعہ پیش آیا تھا۔''

[2] ان اوراق کا قاری اس حقیقت سے آگاہ ہے کہ سیدنا عبداللہ بن زبیر کے متعدد داعی مدینہ میں موجود تھے، ان کے سرخیل عبداللہ بن مطیع العدوی تھے۔ یہ داعی یزید پر طرح طرح کے بہتان لگا کر لوگوں کو اس کے خلاف بھڑکاتے رہتے تھے۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ابن مطیع کو راہ راست پر لانے کی بہت کوشش کی اور اسے سمجھایا کہ یزید کی بیعت توڑنا کوئی اچھا کام نہیں ہے بلکہ یہ عظیم غدر اور بے وفائی ہے۔ (صحیح بخاری کتاب الفتن۔ باب اذا قال عند قوم شیئاً شمو خرج(حدیث:۷۱۱۱)، صحیح مسلم۔ کتاب الامارة، باب وجوب ملازمة جماعة المسلمین (حدیث:۱۸۵۱)

شہادت حق اور بندوں کی خیر خواہی کے اعتبار سے امام ابن الحنفیہ کا موقف بھی سیدنا ابن عمر کے نقطۂ نظر سے کم نہیں ہے، جنھوں نے شیعی اکاذیب کی تردید کرتے ہوئے یہ سچی شہادت دی کہ آپ یزید کے ہاں اقامت گزیں رہ کر اچھی طرح اس کی سیرت و اخلاق کا بچشم خود ملاحظہ کر چکے ہیں۔ آپ اس بات کے چشم دید گواہ ہیں کہ یزید پابند نماز، اعمال خیر کا حریص، متبع سنت اور فقیہ تھا۔(البدایہ والنهایة:۸/۲۳۳)

مگر عبداللہ بن عمر اور امام ابن الحنفیہ کی شہادت حق فتنہ پردازی کے شور و شغب میں دب کر رہ گئی۔ مدینہ

مری کو مدینہ بھیجا اور اسے اہل مدینہ کو ڈرانے دھمکانے کا حکم دیا یہ بھی کہا کہ اگر وہ باز نہ آئیں تو ان

کی فضا اشاعت و دعایت کے شور وغل سے مسموم ہوگئی اور وہاں کے حکماء و علماء اور صلحاء جاہل اور شر پسند عوام کے سامنے کچھ حیثیت نہیں رکھتے تھے۔ اہل ہوی کا مقصد وحید فتنہ پردازی اور شر پسندی تھا۔ اندریں حالات یزید نے سخت غلطی یہ کی کہ امراء مدینہ کو یکے بعد دیگرے معزول کرتا چلا گیا۔ چنانچہ عمر بن سعید بن العاص کو معزول کر کے اس کی جگہ ولید بن عتبہ کو مقرر کیا۔ پھر عبداللہ بن زبیر کی تدبیر سے متاثر ہو کر ولید کو معزول کر کے عثمان بن محمد بن ابی سفیان کو والی مدینہ مقرر کیا حالانکہ وہ اس منصب کے لیے موزوں نہ تھا۔

اسی دوران نعمان بن بشیر انصاری جو خود صحابی اور صحابی زادہ تھے ملک شام سے مدینہ پہنچے یہ اوّلین نومولود تھے جو اسلام کے بعد انصار کے ہاں پیدا ہوئے، یہ دمشق کے قاضی اور بہترین خطیب تھے۔ مدینہ پہنچ کر انھوں نے انصار کو اطاعت امیر اور لزوم جماعت کی تلقین کی اور فتنہ بازی سے یہ کہہ کر ڈرایا کہ تم اہل شام کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ یزید نے ان کو فتنہ کے فرو کرنے کے لیے شام سے روانہ کیا تھا۔ عبداللہ بن مطیع نے نعمان بن بشیر کو مخاطب کر کے کہا:

''نعمان! تم کس لیے ہماری شیرازہ بندی کو منتشر کر کے ہم میں فساد پیدا کر رہے ہو؟''

یہ عجیب بات ہے کہ فتنہ پردازوں نے فتنہ کا نام اصلاح اور اس سے روکنے کا نام فساد مقرر کر رکھا تھا۔ یہ سن کر نعمان نے ابن مطیع کو جواباً کہا: ''جس بات کی طرف آپ دعوت دے رہے ہیں اگر وہ پوری ہوگئی تو آپ دیکھیں گے کہ مدینہ میں خون کی ندیاں بہہ رہی ہیں اور لوگ شمشیر بکف بے دریغ ایک دوسرے کو موت کے گھاٹ اتار رہے ہیں۔ آپ خچر پر سوار ہو کر عازم مکہ ہوں گے اور یہ انصار غریب شہر کی گلیوں، مسجدوں اور اپنے گھروں کے دروازہ پر مقتول پڑے ہوں گے۔ (تاریخ طبری: ۷/۴، ۵، مطبع حسینیہ)

شیعہ کا مشہور راوی اور مؤرخ ابو مخنف لوط بن یحییٰ کہتا ہے:

''لوگوں نے نعمان کی بات نہ مانی مگر جس طرح انھوں نے کہا تھا اسی طرح ہوا'' نعمان بن بشیر کے نصائح کو ٹھکرانے کے بعد اہل مدینہ نے والی مدینہ عثمان بن محمد بن ابو سفیان کو نکال دیا۔ علانیہ یزید کی بیعت توڑ ڈالی اور مدینہ میں جس قدر بنو امیہ اور ان کے ہم خیال قریش موجود تھے سب کا محاصرہ کر لیا۔ ان کی تعداد تقریباً ایک ہزار تھی اور یہ سب مروان کے گھر میں جمع ہوگئے تھے، بنو امیہ نے یزید کے نام ایک خط لکھا۔ عبدالملک بن مروان یہ خط لے کر نکلا۔ حبیب بن کرہ بھی اس کے ہمراہ تھا۔ حبیب کا بیان ہے کہ عبدالملک نے یہ خط دے کر اسے کہا:

سے جنگ آزما ہو۔ چنانچہ غلبہ پا کر مسلم بن عقبہ نے تین شب و روز تک مدینہ کو لوٹا۔ یہ بدعملی یزید کے کبائر میں شمار ہوتی ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے دریافت کیا گیا تھا: ''کیا آپ یزید کی روایت تحریر کریں [1] گے؟''

میں تجھے چوبیس دن کی مہلت دیتا ہوں، بارہ دن جانے کے لیے اور بارہ دن واپسی کے لیے چوبیس رات میں اسی جگہ بیٹھ کر تمہارا انتظار کروں گا۔''

حبیب کا بیان ہے کہ وہ یزید کے یہاں آیا۔ یزید ایک بیماری کی وجہ سے اپنے پاؤں پانی سے لبریز ایک طشتری میں رکھے ایک کرسی پر بیٹھا تھا۔ یزید نقرس کے مرض میں مبتلا تھا میں نے خط پیش کیا یزید نے خط پڑھ کر استشہاد کے طور پر یہ شعر پڑھا:

لَقَدُ بَدَّلُوا الُحِلُمَ الَّذِیُ مِنُ سَجِیَّتِیُ

فَبَدَّلُتُ قَوُمِیُ غِلُظَةً بِلِیَانِ

''علم و تحمل جو میری فطرت میں داخل تھا۔ لوگوں نے اسے بدل دیا اور میں نے اپنی قوم کے لیے اپنی نرمی کو سختی میں تبدیل کر دیا۔''

یزید نے اپنے ایک فوجی سپہ سالار مسلم بن عقبہ المری کو بلایا۔ مسلم بن عقبہ بڑا معمر، کمزور اور بیمار تھا، یزید نے اسے مدینہ جانے کا حکم دیا اور کہا تین شب و روز اہل مدینہ کو صلح کی دعوت دو، اگر وہ قبول کر لیں تو بہتر ورنہ ان سے جنگ کیجیے۔ جب اہل مدینہ پر غلبہ حاصل ہو جائے تو تین شب و روز تک مدینہ کو اپنے لیے مباح سمجھو۔ اس میں جو مال، اسلحہ یا خوراک ہو اس کا مالک لشکر ہوگا، تین شب و روز گزرنے کے بعد اس سے رک جاؤ، علی بن حسین زین العابدین کا ہر طرح خیال رکھو اور انھیں کوئی تکلیف نہ دو۔ انھوں نے بغاوت میں حصہ نہیں لیا۔ ان کا خط میرے پاس آ چکا ہے۔''

مسلم بن عقبہ بارہ ہزار جنگجو اشخاص کی معیت میں مدینہ پہنچا۔ یہ واقعہ حَرّہ واقم میں پیش آیا۔ مسلم نے ظلم و تعدی کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ اسی لیے اہل مدینہ اسے مُسرِف بن عقبہ کہا کرتے تھے۔ یہ ہے واقعہ حرہ کا پس منظر! جس کی تفصیل ہم نے دانستہ ایک شیعہ مورخ کی زبانی بیان کی ہے، یہ راوی و مورخ ابو مخنف ہے جو عبدالملک بن نوفل سے روایت کرتا ہے اور وہ بنو امیہ کے قاصد حبیب بن کرّہ سے نقل کرتا ہے۔ (تاریخ طبری: ۷/۵۔۷)

[1] اس سے معلوم ہوا کہ یزید راوی حدیث اور سنت نبوی کا دلدادہ تھا جیسا کہ امام ابن الحنفیہ نے فرمایا ہے کہ ''یزید نماز کا پابند، اعمال صالحہ کا حریص، متبع سنت اور فقیہ تھا۔''

آپ نے فرمایا: نہیں! کیا یزید وہی شخص نہیں جس نے اہل مدینہ کے ساتھ جو کرنا تھا کیا۔'' [1]

یہ بات غلط ہے کہ یزید نے تمام اشراف مدینہ کو قتل کروا دیا تھا۔ مقتولوں کی جو تعداد دس ہزار بتائی جاتی ہے یہ بھی درست نہیں۔ اس بات میں بھی صداقت کا کوئی عنصر شامل نہیں کہ خون مسجد نبوی تک پہنچ گیا تھا۔ خون ریزی شہر سے باہر ہوئی تھی، مسجد میں نہیں [2] مگر اس کا کیا علاج کہ شیعہ دروغ گوئی کے خوگر ہیں اور اگر کوئی بات سچی بھی ہو تو وہ اس میں جھوٹ کی آمیزش کر لیتے ہیں۔

یزید نے کعبہ کی توہین قصداً نہیں کی تھی بلکہ اس کا لشکر عبداللہ بن زبیر سے لڑنے کے لیے مکہ پر حملہ آور ہوا تھا۔ باتفاق مسلمین یزید نے کعبہ کو منہدم کیا نہ گرایا۔ بات یہ ہوئی کہ ایک عورت کے ہاتھ سے ایک چنگاری اڑ کر کعبہ کے پردوں پر جا گری جس سے کعبہ جل گیا۔

ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے کعبہ کو منہدم کر کے اسے ازسر نو پہلے سے بہتر تعمیر کیا جیسا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

[1] یزید سے یہ فعل اس وقت صادر ہوا جب اہل مدینہ نے یزید کے خلاف جو کچھ کرنا تھا وہ کیا۔ اہل سنت کا عدل و انصاف اس ضمن میں قابل تحسین ہے کہ وہ ہر صاحب حق کو اس کا حق ادا کرنے سے گریز نہیں کرتے ایک طرف وہ یزید کی سیرت و کردار کے بارے میں حق کے متلاشی ہیں اور جھوٹ بولنے والوں کی دروغ گوئی کو ٹھکرا دیتے ہیں، لیکن بایں ہمہ وہ یزید کی روایت کردہ حدیث کو اس لیے تسلیم نہیں کرتے کہ اس کے مقرر کردہ سپہ سالار نے ان لوگوں کے خلاف ظلم و تعدی کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا تھا جنھوں نے یزید کی بیعت توڑی اور عبداللہ بن عمر نیز ابن الحنفیہ وزین العابدین وسعید بن مسیّب جیسے مخلص ناصحین کی نصیحت کو ٹھکرا دیا تھا۔ جب امام احمد اپنے تلامذہ کو یزید کی روایت قبول کرنے سے اس لیے منع کرتے ہیں کہ اس سے ایک جرم صادر ہوا تھا حالانکہ ایسا جرم ہر اس شخص سے صادر ہو سکتا ہے جو برسرِ اقتدار ہو تو شیعہ کو امام بخاری و مسلم اور دیگر محدثین پر صرف اس وجہ سے اظہار غیظ وغضب کرنے کا کیا حق ہے کہ یہ محدثین ان معروف بالکذب راویوں کی باطل روایات کو تسلیم نہیں کرتے جو وہ اہل بیت سے نقل کرتے ہیں۔ اہل سنت کے ہاں اہل بیت کی روایات مرغوب و مطلوب ہیں، بشرطیکہ ان کے راوی صدق و عدالت سے بہرہ ور ہوں اور ان رواۃ سے فروتر نہ ہوں جن سے بخاری و مسلم روایات اخذ کرتے ہیں۔

[2] یہ واقعہ بیرون شہر پیش آیا تھا اسی لیے اس کو واقعہ حرہ کہا جاتا ہے۔ اہل مدینہ مسلم بن عقبہ کے لشکر سے جنگ آزما ہونے کے لیے مدینہ سے باہر حرہ واقم نامی سنگلاخ مقام کی جانب نکلے تھے۔

فرمایا تھا۔ ❶

شیعہ مصنف کی پیش کردہ حدیث کہ ''سیدنا حسین کا قاتل آگ کے صندوق میں ہوگا'' یہ ایسے شخص کا بیان کردہ جھوٹ ہے جو دروغ گوئی سے شرماتا نہ ہو۔ پھر اس پر یہ اضافہ کہ قاتل حسین کو سب اہل جہنم سے آدھا عذاب دیا جائے گا۔ اب سوال یہ ہے کہ پھر ابلیس و فرعون و ابو جہل اور قاتلین انبیاء کے لیے کیا باقی رہا؟ خصوصاً جب کہ سیدنا ❷ عمر و عثمان و علی کا قاتل سیدنا حسین کے قاتل سے بھی بڑھ کر مجرم ہے۔ روافض کا یہ غلو نواصب کے اس قول سے بڑی حد تک ملتا جلتا ہے کہ سیدنا حسین خوارج میں سے تھے اور انھوں نے ملت کے شیرازہ کو منتشر کر دیا۔ لہٰذا نبی کریم کی مندرجہ ذیل حدیث کی بنا پر وہ مباح الدم تھے۔ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں:

''جو شخص آ کر تم میں تفریق پیدا کرنا چاہے تو اسے قتل کر دو خواہ وہ کوئی بھی ہو۔'' ❸

شہادت حسین کے بارے میں اہل سنت کا موقف:

بخلاف ازیں اہل سنت کہتے ہیں کہ سیدنا حسین بحالت مظلومی شہید ہوئے اور آپ کے قاتل ستم ران اور ظالم ہیں۔ سیدنا حسین قتل خوارج سے متعلق احادیث کا مصداق نہیں ہو سکتے اس لیے کہ آپ نے امت میں انتشار پیدا نہیں کیا تھا۔ آپ کو اس وقت شہید کیا گیا تھا، جب آپ واپس مدینہ جانے کے خواہاں تھے یا یزید کے ہاں تشریف لا کر بیعت کرنا چاہتے تھے۔

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الحج۔ باب فضل مکة و بنیانها(حدیث:۱۵۸٦)، صحیح مسلم، کتاب الحج۔ باب نقض الکعبة و بنیانها(حدیث:۱۳۳۳/۴۰۲)

❷ مشہور شیعہ علی بن مظاہر واسطی نے شیخ الشیعہ احمد بن اسحاق بن عبداللہ بن سعد القمّی الاحوص سے روایت کیا ہے کہ سیدنا عمر بن خطاب کی شہادت کا دن عید اکبر کا دن ہے اور شیعہ اس دن کو یوم المفاخرہ و یوم البرکۃ و یوم الزکوۃ و یوم السلیۃ اور یوم مسرت کے ناموں سے یاد کرتے ہیں۔ احمد بن اسحاق مذکور نے اس عید کا اختراع کیا تھا۔ شیعہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے قاتل ابولؤلؤ مجوسی کو ''بابا شجاع الدین'' کے لقب سے ملقب کرتے ہیں اور آپ کے یوم شہادت کو ''عید بابا شجاع الدین'' سے موسوم کرتے ہیں۔ (تحفہ اثنا عشریہ شاہ عبدالعزیز دہلوی، ص:۲۰۸۔۲۰۹)

❸ صحیح مسلم، کتاب الامارة۔ باب حکم من فرق امر المسلمین و هو مجتمع (حدیث:۱۸۵۲)

بہر کیف رافضی قلمکار کی ذکر کردہ حدیث صحیح نہیں اور ایک جاہل اسے نبی کریم ﷺ کی جانب منسوب کرنے کی جسارت کر سکتا ہے۔ یہ امر قابل غور ہے کہ سیدنا حسین کے خون کی عصمت ایمان و تقویٰ کی بنا پر ہے نہ کہ صرف قرابت رسول کے بل بوتے پر۔

سرکار دو عالم ﷺ کا ارشاد ہے:

''اگر فاطمہ بھی چوری کا ارتکاب کرتیں تو میں ان کا ہاتھ کاٹ ڈالتا۔'' ❶

اس حدیث میں نبی کریم نے اہل بیت کے عزیز ترین فرد (سیدہ فاطمہ) کے بارے میں جو کچھ بیان فرمایا وہ ایک ایسا حکم ہے جس میں ادنیٰ و اعلیٰ کے مابین کوئی امتیاز سرے سے موجود ہی نہیں۔ یہ ایک مسلمہ بات ہے کہ اگر ایک شادی شدہ علوی زنا کا مرتکب ہوگا تو اسے سنگسار کیا جائے گا اور اگر کسی کو قتل کرے گا تو قصاص میں اسے بھی قتل کیا جائے گا نبی کریم نے فرمایا:

''سب مسلمانوں کا خون مساوی حیثیت رکھتا ہے۔'' ❷

اسی طرح آپ کے اہل بیت یا حضرات صحابہ یا آپ کی سنت، ان میں سے کسی کی توہین کر کے نبی کریم کو ایذا دینا کبیرہ گناہ ہے۔

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''صاحب عقل و خرد کو غور کرنا چاہیے کہ فریقین (شیعہ و اہل سنت) میں احق بالامن کون ہے؟ وہ فریق جو اللہ تعالیٰ، ملائکہ، انبیاء اور ائمہ کو منزّہ قرار دیتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ شریعت کو مسائل ردیہ سے پاک سمجھتا ہے یا وہ فریق جو اس کے برعکس ہے؟ علاوہ ازیں اہل سنت ائمہ اثنا عشرہ پر درود و سلام نہ بھیج کر اپنی نمازوں کو برباد کرتے ہیں حالانکہ وہ دوسرے ائمہ کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔''

ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ شیعہ مصنف جس کو تنزیہ تصور کرتا ہے وہ ہمارے نزدیک اللہ و رسول کی توہین و تنقیص ہے اور یہ نفی صفات کا قول ہے جس سے یہ لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جملہ

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الحدود ، باب اقامة الحدود علی الشریف والوضیع (حدیث: ٦٧٨٧، ٦٧٨٨)، صحیح مسلم، کتاب الحدود۔ باب قطع السارق الشریف وغیرہ، (حدیث:١٦٨٨)

❷ سنن ابی داؤد۔ کتاب الجهاد، باب فی السریة ترد علی اهل العسکر (حدیث: ٢٧٥١)

صفات کمال سے عاری اور جمادات و معدومات کی مانند ہے۔ جب شیعہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ میں حیات و علم و قدرت نیز مشیت اور حب وبغض و رضا و سخط میں سے کوئی صفت بھی پائی نہیں جاتی وہ بذات خود کوئی فعل انجام نہیں دیتا اور نہ کسی تصرف پر قادر ہے تو گویا وہ اسے جمادات کے مشابہ قرار دیتے ہیں جو اس کی تنقیص و تعطیل ہے۔ باری تعالیٰ کی تنزیہ کا مطلب یہ ہے کہ اسے ان نقائص سے منزہ قرار دیا جائے جو کمال کے منافی ہیں۔ مثلاً اسے موت، نیند، غفلت عجز و جہل اور حاجت مندی سے پاک سمجھا جائے جیسا کہ قرآن مجید میں اس نے اپنی ذات کو عیوب سے منزہ قرار دیا ہے اور یہ بھی فرمایا کہ اس کا کوئی نظیر و مثیل نہیں۔

انبیاء کے بارے میں شیعہ کا زاویہ نگاہ:

انبیاء کرام توبہ و استغفار نیز ایک کمال سے بڑے کمال کی طرف منتقل ہو کر جو درجات عالیہ حاصل کرتے ہیں شیعہ اس کی نفی کرتے اور اس ضمن میں وارد شدہ آیات کی تحریف کرتے ہیں۔ شیعہ اس زعم باطل میں مبتلا ہیں کہ کسی شخص کا جہالت سے علم اور ضلالت سے ہدایت کی طرف منتقل ہونا نقص و عیب ہے۔ حالانکہ جو شخص خیر و شر دونوں کا ذوق آشنا ہوتا ہے اسے اس شخص کی نسبت خیر سے زیادہ محبت اور شر سے زیادہ نفرت ہوتی ہے جو ان سے نا آشنا [1] ہو۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''جب اسلام میں جاہلیت سے نا آشنا لوگ پیدا ہوں گے تو اسلام کا شیرازہ ایک ایک کڑی کر کے بکھر جائے گا۔''

باقی رہی یہ بات کہ شیعہ اپنے ائمہ کو عیوب و نقائص سے منزہ قرار دیتے ہیں تو یہ بڑی شرمناک بات ہے۔ خصوصاً اس امام کا پاک و صاف ہونا جو دین و دنیا میں کسی کام کا نہیں بلکہ وہ ایک معدوم چیز ہے جس کی کوئی حقیقت ہی نہیں (شیعہ کا امام غائب جس کے وہ منتظر ہیں) جہاں تک شریعت کو گھٹیا درجہ کے مسائل سے منزہ قرار دینے کا تعلق ہے، ہم قبل ازیں بیان کر چکے ہیں کہ اہل سنت نے یک

---

[1] سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اوّلین شخص تھے جو اس عظیم حقیقت سے آگاہ ہوئے، آپ نے فرمایا:

''جو شخص شر سے نا آشنا ہے اس بات کا قوی احتمال ہے کہ وہ اس کا شکار ہو جائے۔''

جو لوگ فقر و فاقہ میں مبتلا رہنے کی وجہ سے زہد کی زندگی اختیار کرتے ہیں اس کا سیدنا عمر بن عبد العزیز کے زہد سے کیا مقابلہ؟ غور فرمایئے کہ کرۂ ارض کی عظیم ترین حکومت کا مال آپ کے زیر تصرف تھا اور اللہ کے سوا آپ سے کوئی حساب لینے والا بھی نہ تھا اس کے باوصف آپ فقر و زہد کی زندگی بسر کرتے تھے۔

زبان ہوکراس قسم کا ایک مسئلہ بھی بیان نہیں کیا۔ جب کہ روافض کے ہاں اس کی بھر مار ہے (روافض کے شرمناک مسائل کے لیے دیکھئے تحفہ اثنا عشریہ باب السابع ،ص: ۲۰۸ تا ۲۳۷ طبع سلفیہ)

یہ ایک بدیہی بات ہے کہ سرور کائنات ﷺ نے نماز میں یا خارج از نماز سیدنا علی یا کسی اور امام پر درود وسلام بھیجنے کا حکم نہیں دیا اور نہ ہی صحابہ وتابعین نے کبھی اس پر عمل کیا، اس سے ظاہر ہے کہ جو شخص نماز میں بارہ اماموں پر درود وسلام بھیجنے کوضروری سمجھتا ہےاوراس کے خیال میں بجز اس کے نماز باطل ہوتی ہےتو وہ تحریف فی الدین کا ارتکاب کرتا ہے۔اگر کہا جائے کہ آل محمد میں ائمہ اثنا عشرہ بھی داخل ہیں تواس کا جواب یہ ہے کہ یہ تو بنو ہاشم [1] اور امہات المومنین [2] کوبھی شامل ہے، حالانکہ امامیہ بنوعباس کی مذمت کرتے ہیں۔

یہ بات ورطہ حیرت میں ڈال دیتی ہے کہ شیعہ تعظیم آل محمد کے مدعی ہیں حالانکہ انھوں نے خود تاتاریوں کو بلایا جنھوں نے اولاد علی وعباس میں سے ہزاروں کوقتل کیا۔ان کے بیوی بچوں کوقیدی بنایا اوراس کے علاوہ دس لاکھ اسی ہزار نفوس کوموت کے گھاٹ اتارا۔ [3]

احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ صحابہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! ہم آپ پر درود کیسے بھیجیں؟ آپ نے فرمایا یوں کہو:

"اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّ اَزْوَاجِہٖ و ذُرِّیَّتِہٖ" [4]

---

[1] بلکہ بنوعباس و بنولہب نیز حاکم بامراللہ وآمر بن مستعلی اور نزار بن مستعلی بھی اس میں داخل ہیں۔

[2] اس لیے کہ امہات المومنین کواس آیت میں مخاطب کیا گیا ہے۔ارشاد ہوتا ہے:﴿يَا نِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ﴾(سورۃ الاحزاب: ۳۲۔۳۳)

[3] علاوہ ازیں لاتعداد نادر کتب کے مسوّدات جن میں سے بعض کے نام بھی ہم کو معلوم نہیں دریائے دجلہ میں بہادیے۔

[4] بخاری ومسلم نے یہ حدیث سیدنا ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔محدث شہیر محمد بن تیمیہ نے یہ حدیث اپنی کتاب"المنتقی" میں حدیث:۱۰۱۴ کے تحت درج کی ہے قاضی شوکانی نے"المنتقی" کی شرح نیل الاوطار (۲/۳۰۰۔۳۰۱) مطبوعہ مصطفی البابی الحلبی قاہرہ طبع ثانی میں اس حدیث کی شرح لکھی ہے۔

(صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء باب(۱۰)، (حدیث:۳۳۶۹)، صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب الصلاۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعد التشہد (حدیث:۴۰۷)

اس بات پر سب مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ آل عباس اور بنو حارث بن عبد المطلب آل محمد اور ذوی القربی میں شامل ہیں اور ان پر زکوٰۃ حرام ہے۔ بعض مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک آل محمد سے آپ کی امت مراد ہے۔ صوفیہ کا ایک گروہ اس سے اتقیاء امت مراد لیتا ہے۔ جمہور فقہاء کا نقطہ نظر یہ ہے کہ نبی کریم اور آپ کی آل پر صلوٰۃ بھیجنا نماز میں واجب نہیں ہے۔ جو لوگ آل پر صلوٰۃ بھیجنا نماز میں واجب سمجھتے ہیں ان کے نزدیک بعض آل پر اکتفا درست نہیں۔ رافضی مصنف کا یہ قول کہ کسی معین خلیفہ پر صلوٰۃ بھیجنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے باطل ہے۔ اکثر علماء کی رائے میں کسی معین شخص کے حق میں دعا یا بد دعاء کرنے سے نماز باطل نہیں ہوتی۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ دعائے قنوت میں ایک قوم کے حق میں دعائے خیر کرتے اور دوسری قوم کے افراد کا نام لے کر ان پر لعنت بھیجا کرتے تھے۔ ❶

سیدنا ابو ہریرہ سے نقل کردہ روایت بھی بخاری و مسلم میں ابو حمید ساعدی کی روای کے قریب قریب ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ کی روایت کے الفاظ کا مفہوم یہ ہے۔

''جو شخص آل محمد پر صلوٰۃ بھیجتے وقت پورا ثواب حاصل کرنا چاہے وہ یوں کہے۔ ''اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِ النَّبِیِّ وَ اَزْوَاجِہٖ اُمَّھَاتِ الْمُؤْمِنِینَ وَ ذُرِیّٰتِہٖ و اَھْلِ بَیْتِہٖ کَمَا صَلَّیْت عَلٰی اِبْرَاھِیمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ''

(سنن ابی داؤد۔ کتاب الصلاۃ۔ باب الصلاۃ علی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم بعد التشھد (حدیث: ۹۸۲) و سندہ ضعیف، اس کی سند میں حبان بن یسار ضعیف راوی ہے

علماء زیدیہ میں سے قاضی شوکانی نیل الاوطار میں اس حدیث پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں: ''علماء کی ایک جماعت نے اس حدیث سے اس بات پر احتجاج کیا ہے کہ ''آل'' سے ازواج و اولاد مراد ہے۔''

وجہ استدلال یہ ہے کہ حدیث ہذا میں ازواج و اولاد کو آل محمد کی جگہ رکھا گیا ہے۔ قبل ازیں سورۂ احزاب کی آیات: ۳۲۔۳۳ پر تبصرہ کیا جا چکا ہے۔

❶ صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب (۱۲۶)، (حدیث: ۷۹۷، ۸۰۴، ۴۵۶۰)، صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب استحباب القنوت فی جمیع الصلوات (حدیث: ۶۷۵، ۶۷۶)

الفصل الثالث

خلافت علی رضی اللہ عنہ

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی امامت وخلافت:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

’’امامیہ نے جب دیکھا کہ سیدنا علی لا تعداد اوصاف وکمالات سے بہرہ ور ہیں، جن کے روایت کرنے والے موافق ومخالف سبھی قسم کے لوگ ہیں۔ علاوہ ازیں جمہور علماء دیگر خلفاء پر مطاعن واعتراضات کا ذکر کرتے ہیں مگر سیدنا علی کے بارے میں کوئی طعن منقول نہیں۔ نظر بریں امامیہ نے سیدنا علی کو اپنا امام مقرر کر کے دیگر ائمہ وخلفاء کو ترک کر دیا۔ اتمام حجت کے نقطہ خیال سے ہم چند دلائل ذکر کرتے ہیں۔

ان دلائل وبراہین میں سے ایک روایت وہ ہے جسے ابوالحسن اندلسی نے اپنی کتاب ’’الجمع بین الصحاح السنة‘‘ میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ آیت کریمہ: ﴿اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰهُ لِیُذۡهِبَ عَنۡكُمُ الرِّجۡسَ﴾ (سورۃ احزاب) ان کے گھر میں نازل ہوئی۔ جب کہ وہ دروازہ کے قریب بیٹھی تھیں۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول!! کیا میں اہل بیت میں شامل نہیں؟ فرمایا: ’’تو ازواج النبی میں شمار ہوتی ہو۔‘‘ سیدہ ام سلمہ فرماتی ہیں کہ گھر میں سیدنا علی و فاطمہ وحسن وحسین رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ آپ نے ان سب کو ایک چادر سے ڈھانپ لیا اور فرمایا:

’’اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں، ان سے نجاست کو دور کر کے ان کو پاک کر دے۔‘‘

ہم کہتے ہیں کہ سیدنا ابوبکر وعمر کے فضائل ومناقب میں وارد شدہ احادیث، فضائل علی کی احادیث سے بہت زیادہ ہیں۔ شیعہ مصنف نے اس ضمن میں بعض احادیث نقل کر کے کہا ہے کہ جمہور ان پر اعتماد کرتے ہیں یہ صریح کذب ہے، ان میں سے جو احادیث صحیح ہیں ان سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ سیدنا علی، سیدنا ابوبکر سے افضل تھے، بلکہ ان فضائل ومناقب میں دیگر خلفاء سیدنا علی کے ساتھ

برابر کے سہیم وشریک ہیں۔ البتہ سیدنا ابوبکر وعمر کے فضائل ان کے ساتھ مختص ہیں اور دوسرا کوئی شخص اس ضمن میں ان کے ساتھ شریک نہیں، خصوصاً ابوبکر فضائل میں منفرد ہیں، جہاں تک خلفاء ثلاثہ کو ہدف طعن بنانے کا تعلق ہے شیعہ کو معلوم ہونا چاہئے کہ جو اعتراضات وہ اصحاب ثلاثہ پر کرتے ہیں۔ ناصبی اسی اعتراض کا نشانہ سیدنا علی کو بناتے ہیں۔

شیعہ مصنف کا یہ قول کہ ''موافق ومخالف سیدنا علی کو عیب وخطاء سے منزہ سمجھتے ہیں۔'' یہ کھلا ہوا جھوٹ ہے۔ مخالفین سیدنا علی کو پاک وصاف قرار نہیں دیتے، بلکہ متعدد فرقے آپ کو جرح وقدح کا نشانہ بناتے ہیں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ سیدنا علی کو مورد طعن بنانے والے سیدنا ابوبکر وعمر کے مخالفین سے افضل ہیں، اور وہ ان لوگوں کی نسبت بھی اولیٰ وافضل ہیں جو سیدنا کی شان میں غلو کرتے ہیں مثلاً خوارج جو سیدنا علی کے کفر پر یک زبان ہیں سب مسلمانوں کے نزدیک ان غالی شیعہ سے بہتر ہیں جو سیدنا علی کو الٰہ اور نبی تسلیم کرتے ہیں بلکہ بالفاظ صحیح تر خوارج اور سیدنا علی کے خلاف جنگ آزما ہونے والے صحابہ ان اثنا عشری شیعہ سے افضل ہیں جو سیدنا علی کو امام معصوم قرار دیتے ہیں۔ [1] روافض کے سوا مسلمانوں کا کوئی فرقہ سیدنا ابوبکر وعمر کو ہدف طعن نہیں بناتا۔ [2]

---

[1] خوارج کی شیعہ سے افضل ہونے کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ وہ غیر انبیاء کو معصوم قرار دینے کی ضلالت سے پاک ہیں۔ دوسری وجہ فضیلت یہ ہے کہ سیدنا علی کی رفاقت میں سیدنا ابوبکر وعمر کے بارے میں خوارج کا جو عقیدہ تھا سیدنا علی سے برگشتہ خاطر ہونے کے بعد بھی اس میں تبدیلی پیدا نہیں ہوئی۔ وہ پہلے بھی یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ نبی ﷺ کے بعد اس امت میں سب سے افضل ابوبکر وعمر ہیں اور بعد ازاں بھی اسی نظریہ پر قائم رہے۔ خوارج کے گمراہ ہونے کے دو اسباب تھے۔ (۱) اس کی ایک وجہ خوارج کی وہ میراث تھی جو انھوں نے قاتلین عثمان سے حاصل کی۔ (۲) دوسری وجہ یہ تھی کہ انھوں نے تحکیم کی بنا پر سیدنا علی کی تکفیر کی، بہرکیف جو شخص خوارج وروافض کی ضلالت میں بحیثیت مجموعی موازنہ کرنا چاہتا ہے، وہ مقابلتاً خوارج کو کم گمراہ پائے گا۔ ہم یقین رکھتے ہیں کہ سیدنا علی کو من جانب اللہ جو عظیم تر اجر وثواب دیا جائے گا وہ اس بات پر ملے گا کہ مدینہ سے عازم عراق ہونے سے لے کر شہادت پانے تک آپ نے خوارج وشیعہ جیسے مسرف غالی فرقہ کے ہاتھوں عظیم مصائب جھیلے اور ان پر صبر وتحمل سے کام لیا۔

[2] وہ فرقے جو شیعہ کے شاگرد ہیں اور ان سے متفرع ہوئے ہیں مثلاً اسمعیلیہ، نصیریہ، شیخیہ، بابیہ اور بہائیہ یہ سب اس ضمن میں شیعہ کے ہم نوا ہیں۔

سیدنا علی کی تکفیر کرنے والے خوارج سیدنا ابوبکر وعمر سے دوستی رکھتے اور اظہارِ خوشنودی کرتے ہیں، فرقہ مروانیہ والے سیدنا علی کو ظالم قرار دیتے اور کہتے ہیں کہ آپ خلیفہ نہ تھے۔ دوسری جانب وہ سیدنا ابوبکر وعمر سے دوستی رکھتے ہیں حالانکہ وہ ان کے اقارب میں سے نہیں، پھر یہ بات کہاں تک قرین صدق وثواب ہے کہ موافق ومخالف سب سیدنا علی کو منزہ قرار دیتے ہیں اور اصحاب ثلاثہ کو نہیں، یہ ایک بدیہی بات ہے کہ سیدنا ابوبکر وعمر کو منزہ قرار دینے والے سیدنا علی کے مدّاحین کی نسبت اکثر و افضل اور اعظم ہیں۔ بخلاف ازیں سیدنا علی کو فسق اور عصیان سے متہم کرنے والے فرقے مسلمانوں میں بڑے معروف ہیں۔ وہ روافض کی نسبت زیادہ عالم اور دین دار بھی ہیں جب کہ روافض ان کے مقابلہ میں کیا بلحاظ علم اور کیا باعتبار قوت وشوکت ضعیف و ناتواں ہیں۔ روافض اپنے حریفوں کے خلاف حجت قائم کر کے ان کا منہ بند کر سکتے ہیں نہ قوت بازو کو کام میں لا کر انھیں شکست دے سکتے ہیں۔ جو لوگ سیدنا علی کی شان میں قدح وارد کرتے ہیں اور ان کو کافر وظالم تک قرار دینے سے احتراز نہیں کرتے، ان میں کوئی گروہ ایسا نہیں جو اسلام سے منحرف و برگشتہ ہو گیا ہو۔

اس کے عین برخلاف جو لوگ اصحاب ثلاثہ کو مورد طعن بناتے اور سیدنا علی کی مدح میں زمین و آسمان کے قلابے ملاتے ہیں۔ مثلاً فرقہ نصیریہ والے الوہیت علی کا عقیدہ رکھتے ہیں اور اسماعیلیہ ان سے بھی گئے گزرے ہیں۔ بعض شیعہ سیدنا علی کو نبی [1] قرار دیتے ہیں۔ یہ سب کافر اور مرتد ہیں۔ اللہ و رسول کے ساتھ ان کا کفر کسی عالم دین سے مخفی نہیں۔ ظاہر ہے کہ جو شخص کسی انسان کی الوہیت کا قائل ہے یا نبی کریم ﷺ کے بعد کسی کو نبی سمجھتا [2] ہے اس کا کافر ہونا ہر اس شخص پر واضح ہے جو دینی علم

---

[1] مشہور شیعہ عالم المامقانی کا قول ہے کہ جن عقائد وافکار کی بنا پر قدیم شیعہ کو غالی کہا جاتا تھا وہ اب ضروریات دین میں شمار ہوتے ہیں۔ دورِ حاضر میں تقیہ کیے بغیر جو شیعہ واشگاف الفاظ میں اپنے عقیدے کا اظہار کرے گا۔ تو اس میں اور متقدمین غالی شیعہ میں کچھ فرق نہ ہوگا۔ اور اگر وہ ایسا نہ کر سکے تو اسے ضروریاتِ مذہب سے منحرف تصور کیا جائے گا۔

[2] کسی شخص کو نبی قرار دینے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ اسے نبی کہہ کر پکارا جائے بلکہ صفات انبیاء سے متصف کرنا بھی اسے نبی قرار دینے کے لیے کافی ہے۔ علامہ کلینی نے جو شیعہ کا امام بخاری سمجھا جاتا ہے۔ شیعہ کی عظیم ترین کتاب ''الکافی'' میں جس طرح عنوانات قائم کیے ہیں اس کی ایک جھلک ملاحظہ فرمایئے۔

سے تھوڑی سی واقفیت بھی رکھتا ہو۔

خوارج جو سیدنا علی کی تکفیر کرتے اور آپ پر لعنت بھیجتے ہیں ان کا معاملہ اس سے مختلف ہے جو

۱۔اس باب میں یہ بیان کیا جائے گا کہ ائمہ امورِ الٰہی کے مالک اور اس کے علم کا خزانہ ہیں۔

۲۔ائمہ زمین کا ستون ہیں۔

۳۔اس باب میں یہ بیان کیا جائے گا کہ ائمہ کے یہاں سب کتابیں ہوتی ہیں اور اختلاف السنہ (زبانوں کے اختلاف) کے باوجود وہ ان کے مضامین سے آگاہ ہوتے ہیں۔

۴۔اس بات کا باب کہ قرآن کو ائمہ نے جمع کیا ہے۔

۵۔ اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ائمہ سب علوم سے واقف ہوتے ہیں۔

۶۔اس بات کا باب کہ اماموں کو اپنی موت کا وقت معلوم ہوتا ہے اور وہ اپنی مرضی سے فوت ہوتے ہیں۔

۷۔اس باب میں بیان کیا جائے گا کہ امام ''ما کان و ما یکون'' کا علم رکھتے ہیں اور کوئی بات ان سے پوشیدہ نہیں ہوتی۔

۸۔اس بات کا باب کہ سیدنا علی علم میں نبی کریم کے شریک تھے۔

۹۔اس بات کا باب کہ اگر ائمہ سے کوئی بات پوشیدہ رکھی جائے تو وہ اسے ظاہر کر دیتے ہیں۔

۱۰۔ ہر امام جانتا ہے کہ اس کے بعد کون شخص منصب امامت پر فائز ہوگا۔

۱۱۔اس بات کا باب کہ ائمہ کے منہ سے جو بات نکلتی ہے وہ حق ہوتی ہے نیز جو بات ان کے ہاں سے نہیں آئی وہ باطل ہے۔

۱۲۔اس بات کا باب کہ یہ کائنات ائمہ کی ملک ہے۔

یہ اس کتاب کے عنوانات ہیں جو شیعہ کی نہایت ہی قابل اعتماد کتاب ہے۔ یہ عقائد و افکار شیعہ میں اس وقت رائج تھے جب غلو کو ضروریات دین میں شمار نہیں کیا جاتا تھا۔ جہاں تک ضروریات دین میں شمار کیے جانے والے غلو کا تعلق ہے تو اسے ان تراجم میں تلاش کرنا چاہیے جو اعداء دین روافض نے اپنے قلم سے تحریر کیے۔ مثلاً تحفہ اثنا عشریہ میں ص:۱۰۰ پر دیکھیے شیعہ کا یہ عقیدہ کہ سیدنا علی اولوالعزم نبیوں کو چھوڑ کر سب انبیاء و رسل سے افضل تھے۔ آگے چل کر صفحہ:۱۰۲، پر لکھا ہے کہ ائمہ انبیاء سے بڑے عالم ہوتے ہیں اس لیے ان کا مرتبہ بھی بلند تر ہوتا ہے۔ اسی کتاب کے صفحہ:۱۰۳، پر شیعہ کا یہ عقیدہ تحریر کیا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اوّلین و آخرین سب سے افضل تھے۔ کتاب مذکور کے صفحہ:۱۱۴ پر لکھا ہے کہ شیعہ کے نزدیک سیدنا علی کی جانب وحی کی جاتی تھی اور آپ اس کی آواز سنتے تھے۔ (تحفہ اثنا عشریہ)

لوگ سیدنا علی پر لعنت بھیجتے تھے اور آپ کے خلاف صف آراء بھی ہوئے ان میں سے اصحاب معاویہ اور بنی مروان بھی تھے، یہ سب لوگ مقر بہ الاسلام تھے اور دینی شرائع و احکام پر عمل پیرا تھے۔ یہ نماز کی پابندی کرتے، زکوٰۃ ادا کرتے، روزے رکھتے، زیارت بیت اللہ سے مشرف ہوتے۔ حلال کو حلال سمجھتے اور محرمات کو حرام سمجھتے تھے۔ ان میں ظاہری کفر کا کوئی نشان نہیں پایا جاتا تھا۔ بخلاف ازیں ان میں اسلامی شعائر و شرائع برملا پائے جاتے تھے اور وہ ان کی تعظیم بجالاتے تھے ان باتوں سے ہر وہ شخص آگاہ ہے جو اسلامی حالات سے باخبر ہے۔

ان حالات کے باوصف یہ دعویٰ کہاں تک درست ہے کہ سب مخالفین سیدنا علی کو منزہ سمجھتے ہیں اور اصحاب ثلاثہ کو نہیں۔ بخلاف ازیں سیدنا عثمان کے اعوان و انصار جو سیدنا علی کو ناپسند کرتے تھے شیعان علی سے بوجوہ افضل ہیں، اگر اہل سنت کو معاونین علی کی فہرست سے الگ کر لیا جائے تو ان کو چاہنے والوں میں ایک بھی ایسا نہ ہوگا جو آپ کے مخالف فرقوں یعنی خوارج، امویہ اور مروانیہ کا مقابلہ کر سکے۔ اعداء علی کے متعدد فرقے ہیں۔ یہ بات کسی سے پوشیدہ نہیں کہ اعداء علی میں سب سے بڑے خوارج ہیں جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ سیدنا علی کافر و مرتد تھے اور تقرب الٰہی حاصل کرنے کے لیے ان کو قتل کرنا حلال ہے۔ ایک خارجی شاعر عمران بن حطان کہتا ہے:

۱۔ یَا ضَرْبَةً مِّنْ تَقِيٍّ مَّا اَرَادَ بِهَا
اِلَّا لِيَبْلُغَ مِنْ ذِی الْعَرْش رِضْوَانًا

۲۔ اِنِّیْ لَاَذْكُرُهٗ يَوْمًا فَاَحْسِبُهٗ
اَوْفَی الْبَرِيَّة عِنْدَ اللّٰهِ مِيْزَانًا

(۱)۔ متقی (قاتل علی) کی وہ ضرب قابل تحسین تھی جس سے اس کا مقصد صرف رضائے الٰہی کا حصول تھا۔

(۲)۔ میں کبھی کبھی اسے یاد کرتا ہوں تو یوں خیال کرتا ہوں کہ سب مخلوقات سے اللہ کے نزدیک اس کا اعمال نامہ زیادہ بھرپور تھا۔

ایک سنی شاعر نے اس کے مقابلہ میں یہ اشعار کہے:

۱۔ یَا ضَرْبَةً مِّنْ شَقِيٍّ مَا اَرَادَ بِهَا
اِلَّا لِيَبْلُغَ مِنْ ذِی الْعَرَشِ خُسْرَانًا

۲۔ اِنِّیْ لَاَذْکُرُہٗ یَوْمًا فَاَلْعَنُہٗ
لَعْنًا وَّ اَلْعَنُ عِمْرَانَ ابْنَ حِطَّانًا

(۱) ہائے اس بدبخت کی وہ ضرب جس سے اس کا مقصد اللہ سے خسارہ پانے کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ (۲) میں بعض اوقات یاد کر کے اس پر لعنت بھیجتا ہوں اور عمران بن حطان پر بھی لعنت بھیجتا ہوں۔ (جس نے مذکورہ اشعار کہے)۔

یہ خوارج حضرات صحابہ وتابعین کی زندگی میں بقید حیات تھے۔ صحابہ ان سے مناظرے کرتے اور ان سے جنگیں لڑتے تھے مگر ان کی تکفیر نہیں کرتے تھے۔ سیدنا علی نے بھی ان کو کافر قرار نہیں دیا تھا۔ اس کے عین برخلاف حضرات صحابہ اور تمام مسلمان سیدنا علی میں غلو کرنے والوں کو بالاتفاق کافر سمجھتے ہیں۔ اس پر طرہ یہ کہ سیدنا علی نے بذات خود ان کو کافر سمجھا اور انھیں نذر آتش کیا تھا۔ جہاں تک خوارج کا تعلق ہے سیدنا علی ان کے خلاف اس وقت جنگ آزما ہوئے جب انھوں نے لوگوں کو قتل کرنے اور ان کا مال لوٹنے کا بیڑا اٹھایا۔

خلاصہ کلام یہ کہ سیدنا علی کی ذات میں غلو کرنے والوں کو صحابہ بلکہ خود سیدنا علی نے مرتد قرار دیا اور ان سے مرتدین کا سا سلوک کیا، مگر خوارج سے کسی نے بھی مرتدین جیسا سلوک روا نہ رکھا۔ یہ حقائق اس بات کی آئینہ داری کرتے ہیں کہ اصحاب ثلاثہ سے بغض رکھنے والا جو حب علی کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں ان میں بالاتفاق علی وجمیع صحابہ، جو شرّوکفر پایا جاتا ہے وہ ان لوگوں میں موجود نہیں، جو سیدنا علی سے عداوت رکھتے اور آپ کی تکفیر کرتے تھے۔ یہ بات بھی نکھر کر سامنے آئی کہ اصحاب ثلاثہ سے بغض رکھنے والے سیدنا علی وجمیع صحابہ کے نزدیک اعداء علی سے بدتر تھے۔

جس حدیث میں سیدنا حسن وحسین کو چادر تلے چھپانے کا ذکر کیا گیا ہے امام ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ [1] امام مسلم نے یہ حدیث سیدہ عائشہ سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے:

سرکار دوعالم ﷺ سیاہ بالوں کی بنی ہوئی ایک منقوش چادر اوڑھے علی الصبح گھر سے نکلے۔ اتنے میں سیدنا حسن وحسین رضی اللہ عنہما آ گئے تو آپ نے دونوں کو چادر کے نیچے چھپا لیا۔ پھر سیدنا علی وفاطمہ آئے تو ان کو بھی چادر میں چھپا لیا۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ

[1] سنن ترمذی۔ کتاب المناقب۔ باب ما جاء فی فضل فاطمة رضی الله عنها(حدیث: ۳۸۷۱)

الرِّجْسَ﴾ ❶

ظاہر ہے کہ حدیث میں بیان کردہ وصف سیدنا علی کی خصوصیت نہیں بلکہ سیدہ فاطمہ اور حسن و حسین بھی اس میں آپ کے ساتھ شریک تھے۔ ظاہر ہے کہ عورت امامت وخلافت کی اہل نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ حدیث میں بیان کردہ فضیلت خلفاء وائمہ کے ساتھ مختص نہیں بلکہ دوسرے لوگ بھی اس ضمن میں ان کے ساتھ شریک ہیں۔ حدیث میں صرف دعا کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان حضرات کی آلودگی دور کرکے ان کو پاک وصاف فرمائے۔

اس سے آگے بڑھ کر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ''أَتْقٰی'' کے لقب سے ملقب کیا گیا ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے۔

﴿اَلْاَتْقَى الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَكّٰی﴾(سورة الليل:۹۲/۱۷-۲۱)

''وہ صاحب تقویٰ جو پاکیزگی حاصل کرنے کے لیے اپنا مال دیتا ہے۔''

سیدنا علی اس وقت ''اتقی'' کے زمرہ میں اس لیے شامل نہ تھے کہ آپ ان دنوں مال دار نہ تھے۔ آپ اس وصف سے اس وقت متصف ہوئے جب غزوہ خیبر کے بعد آپ مال و دولت سے سرفراز ہوئے۔

اداءِ صدقہ میں سیدنا علی کی انفرادیت:

شیعہ مصنف لکھتا ہے کہ سیدنا علی نے آیت کریمہ: ﴿اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَةً﴾ (مجادلہ:۱۲/۵۸) کے بارے میں فرمایا کہ ''اس آیت پر میرے سوا کسی نے عمل نہیں کیا۔''

اس کا جواب یہ ہے کہ صدقہ مسلمانوں پر واجب نہ تھا، جس کو ترک کرنے سے وہ عاصی کہلاتے، البتہ جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی راز کی بات بیان کرنا چاہتا ہو اسے صدقہ دینے کا حکم دیا گیا تھا، یہ اتفاق کی بات ہے کہ اس وقت صرف علی رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ کرنا چاہا اور حکم الٰہی کی تعمیل میں صدقہ ادا کیا۔ ❷ صدقہ کی یہ ادائیگی بعینہٖ یوں ہے جیسے حج تمتع کرنے والے پر یا

❶ صحیح مسلم۔ کتاب فضائل الصحابة، باب فضائل اهل بيت النبی۔ (حدیث: ۲۴۲۴)

❷ مستدرك حاكم(۲/۴۸۲)

جس شخص کو اداء حج سے روک دیا جائے اس پر قربانی واجب ہے، اسی طرح جو شخص کسی تکلیف کی بنا پر حالت احرام میں سر منڈانے پر مجبور ہو جائے اس پر فدیہ واجب ہے۔ اسی طرح قسم توڑنے والے پر بھی کفارہ واجب ہے۔ اس پر مزید یہ کہ مشورہ سے پہلے صدقہ دینے کا حکم تادیر باقی نہ رہا۔ اور اتفاقاً سیدنا علی ہی نے وہ درہم یا اس سے کم وبیش خرچ کر کے عمل کیا۔ دوسری جانب سیدنا صدیق رضی اللہ عنہ کے جذبہ جود وسخا کا یہ عالم ہے کہ ایک مرتبہ سارا مال اللہ کی راہ میں دے دیا اور جب آپ سے دریافت کیا کہ گھر میں کیا چھوڑا؟ تو سیدنا صدیق نے جواباً فرمایا:

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیق کے لیے ہے اللہ و رسول بس [1]

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''محمد بن کعب القرظی روایت کرتے ہیں کہ طلحہ بن شیبہ اور سیدنا عباس و علی رضی اللہ عنہم باہم فخر کرنے لگے۔

طلحہ نے کہا: میں کعبہ کا کنجی بردار ہوں، اگر چاہوں تو کعبہ ہی میں رات بسر کرلوں۔

عباس نے فرمایا: میں حاجیوں کو پانی پلاتا ہوں اگر چاہوں تو مسجد ہی میں رات بسر کرلوں۔

علی: میں نے لوگوں سے چھ ماہ پہلے قبلہ رو ہو کر نماز ادا کی ہے اور میں صاحب جہاد بھی ہوں۔

اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی:

﴿ اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَ عِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ و جَاهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾(سورة التوبة: ۱۹/۹)

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ روایت حدیث کی قابل اعتماد کتب میں موجود نہیں، بلکہ بوجوہ اس کا کاذب ہونا ظاہر ہوتا ہے۔

۱۔ کذب کی پہلی دلیل یہ ہے کہ طلحہ بن شیبہ نامی کوئی شخص نہیں۔ خادم کعبہ کا نام شیبہ بن عثمان بن ابی طلحہ [1] ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث صحیح نہیں۔

---

[1] سنن ابی داؤد۔ کتاب الزکاة، باب الرخصة فی ذلك (حدیث:١٦٧٨)، سنن ترمذی۔ کتاب المناقب،(حدیث: ٣٦٧٥)

[2] یہ عثمان بن طلحہ بن ابی طلحہ کے چچا زاد بھائی تھے جو مکہ سے سیدنا خالد بن ولید کی معیت میں عازم مدینہ

۲۔ دوسری دلیل سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے کہ ''اگر چاہوں تو مسجد میں رات بسر کروں'' مسجد میں رات بسر کرنا کون سی بڑی بات ہے کہ اس پر خوشی کا اظہار کیا جائے۔

۳۔ تیسری دلیل سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے کہ ''میں نے لوگوں سے چھ ماہ پیشتر کعبہ رو ہو کر نمازیں پڑھیں۔'' یہ باطل ہے۔ وجہ بطلان یہ ہے کہ سیدنا علی کے مشرف بہ اسلام ہونے اور سیدنا ابوبکر و خدیجہ و زید رضی اللہ عنہم کے اسلام میں صرف ایک دن یا اس کے لگ بھگ کا فرق پایا جاتا ہے۔ پھر یہ بات کیوں کر درست ہوئی کہ آپ نے لوگوں سے چھ ماہ پہلے نمازیں ادا کی تھیں۔

۴۔ مذکورہ حدیث کے کاذب ہونے کی چوتھی دلیل یہ ہے کہ سیدنا علی نے اپنے آپ کو ''صاحب الجہاد'' کہا، حالانکہ اس خصوصیت میں دوسرے صحابہ بھی آپ کے ساتھ برابر کے سہیم و شریک تھے۔

ان دلائل کی روشنی میں واضح ہوتا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ صحیح مسلم میں سیدنا نعمان بن بشیر سے جو حدیث مروی ہے وہ اس کی تردید کرتی ہے۔ سیدنا نعمان فرماتے ہیں۔

''میں منبر نبوی کے پاس بیٹھا تھا۔ اسی دوران ایک شخص نے کہا: ''میں اسلام لانے کے بعد حاجیوں کو پانی پلانے کے سوا اور کوئی کام نہیں کرنا چاہتا۔''

دوسرے نے کہا۔ میں مسجد حرام میں اقامت گزیں رہنے کے سوا اور کوئی کام نہیں کرنا چاہتا۔''

تیسرے نے کہا: اور جہاد کا ذکر کیا کہ وہ دونوں سے افضل ہے۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر انھیں ڈانٹا اور فرمایا کہ جمعہ کے دن منبر نبوی کے نزدیک یہ

ہوئے مقام ''الھدءۃ'' میں مکہ و عسفان کے درمیان سیدنا عمرو بن العاص سے ملاقات ہوئی۔ یہ تینوں حضرات بہ یک وقت دولتِ اسلام سے مالا مال ہوئے۔ (سیرۃ ابن ھشام: ۴۸۴)، مستدرك حاکم: ۳/ ۲۹۷۔۲۹۸) شیبہ غزوۂ حنین تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ بلکہ حنین میں دھوکہ دے کر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنا چاہتے تھے۔ نبی کریم نے دستِ مبارک شیبہ کے سینے پر رکھا اور فرمایا: ''شیطان دفع ہو'' نتیجہ کے طور پر شیبہ مسلمان ہو گئے۔ (سیرۃ ابن ھشام (ص: ۵۶۵) اور آپ سے مل کر کفار سے لڑے اور حوادث و آلام میں صبر و تحمل کا ثبوت دیا، جب مکہ فتح ہوا تو آپ نے کعبہ کی کنجی عثمان بن طلحہ بن ابی طلحہ اور ان کے چچا زاد بھائی شیبہ بن عثمان بن ابی طلحہ کو دے کر فرمایا: ''ابوطلحہ کے بیٹو! ہمیشہ کے لیے یہ کنجی لے لو، کوئی ظالم شخص ہی تم سے یہ کنجی واپس لے گا۔'' سیرۃ ابن ھشام (ص: ۵۴۹) مختصراً اسد الغابہ: (۳/ ۵۹۹۔ ۶۰۰) کعبہ کی کنجی آج تک قبیلہ بن عبدالدار کے اسی کنبہ کے قبضہ میں چلی آتی ہے۔ ان کو ''الشیبیین'' کہا جاتا ہے۔

شوروغل موزوں نہیں۔ البتہ میں جمعہ سے فارغ ہو کر نبی کریم ﷺ سے تمہارے اختلافی مسائل کا حل دریافت کروں گا۔ تب مندرجہ ذیل آیت کریمہ نازل ہوئی۔

﴿اَجَعَلۡتُمۡ سِقَایَةَ الۡحَآجِّ وَ عِمَارَةَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ﴾ ❶

اس سے معلوم ہوا کہ سیدنا علی کی اس میں کوئی خصوصیت نہیں، کیوں کہ اصحاب ایمان و جہاد تو اور بھی بہت سے صحابہ تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''جو لوگ ایمان لائے، ہجرت سے مشرف ہوئے اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کیا، تو یہ لوگ بلاشبہ اللہ کے نزدیک عالی مرتبت ہیں۔'' (سورہ توبہ: ۲۰/۹)

اس میں شبہ نہیں کہ سیدنا ابوبکر کا جہاد مال و جان، سیدنا علی کے مقابلہ میں یقیناً بڑھ کر تھا۔ جیسا کہ حدیث صحیح میں وارد ہوا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''مجھ پر سیدنا ابوبکر کے احسانات باقی سب لوگوں سے زیادہ ہیں۔'' ❷

آپ نے یہ بھی فرمایا:

''کسی شخص کے مال سے مجھے اتنا فائدہ نہیں پہنچا جتنا سیدنا ابوبکر کے مال سے۔'' ❸

سیدنا ابوبکر سیف و سنان و زور بیان دونوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا کرتے تھے ابوبکر اوّلین شخص تھے، جن کو اللہ کی راہ میں نبی کریم کے بعد لا تعداد حوادث و آلام سے دوچار ہونا پڑا۔ یہ پہلے شخص تھے جو نبی کریم کی حفاظت کے سلسلہ میں اعداء دین کے سامنے سینہ سپر ہوئے۔ ہجرت و جہاد میں نبی کریم کے رفیق رہے، اس کی حد یہ ہے کہ غزوۂ بدر میں سائبان کے نیچے آپ کے سوا اور کوئی نہ تھا۔ ❹ ابوسفیان نے غزوۂ احد کے دن صرف نبی کریم اور ابوبکر و عمر کے بارے میں دریافت کیا تھا۔

---

❶ صحیح مسلم۔ کتاب الامارۃ۔ باب فضل الشهادة فی سبیل الله (حدیث: ۱۸۷۹)

❷ صحیح بخاری ۔ کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم ، باب قول النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم " سدوا الابواب ......" (حدیث: ۳۶۵٤) صحیح مسلم۔ کتاب فضائل الصحابة۔ باب من فضائل ابی بکر الصدیق رضی الله عنه، (حدیث: ۲۳۸۲)

❸ سنن ترمذی۔ کتاب المناقب۔ باب (۳٤/۱۵)، (حدیث: ۳٦٦۱)

❹ سیرة ابن هشام (ص: ۳۰۰)

ابوسفیان نے جب پوچھا کہ کیا محمد موجود ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: اسے جواب نہ دو، پھر اس نے پوچھا کیا ابوبکر ہیں؟ آپ نے جواب دینے سے منع کیا۔ ابوسفیان پھر بولا: کیا عمر ہیں؟ آپ نے پھر بھی جواب دینے کی اجازت نہ دی۔

ابوسفیان کہنے لگا۔ ان سب کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ سیدنا عمر سے نہ رہا گیا تو بولے اللہ کے دشمن! تو جھوٹ کہتا ہے یہ سب زندہ ہیں۔ [1]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ وصی کہنا ابن سبا کی اختراع ہے:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''ان دلائل میں سے امام احمد بن حنبل کی ذکر کردہ یہ روایت ہے کہ سیدنا انس نے سلمان سے کہا کہ نبی کریم سے دریافت کیجیے کہ آپ کا وصّی کون ہے؟ جب سلمان نے یہ سوال کیا تو آپ نے جواباً فرمایا: ''اے سلمان! سیدنا موسیٰ کا وصّی کون تھا؟'' کہا ''یوشع'' فرمایا: ''میرا وصی اور وارث علی [2] ہے۔''

---

1. صحیح بخاری، کتاب المغازی۔ باب غزوۃ احد، (حدیث: ۴۰۴۳۔۳۰۳۹)
2. مشہور شیعہ المامقانی نے اپنی کتاب'' تنقیح المقال'' (۱۸۴/۲) پر جرح وتعدیل کے ماہر شیعہ عالم محمد بن عمر الکشی سے روایت کیا جس نے سب سے پہلے اس فن میں کتاب تصنیف کی۔ محمد بن عمر کی تحریر کا لب لباب یہ ہے کہ بقول اہل علم عبداللہ بن سبا یہودی تھا۔ مسلمان ہو کر اس نے سیدنا علی سے دوستانہ مراسم قائم کیے۔ ابن سبا جب یہودی تھا تو کہا کرتا تھا کہ یوشع بن نون سیدنا موسیٰ کے وصی تھے۔ اسلام لانے کے بعد وہ سیدنا علی کو نبی کریم کا وصّی بتایا کرتا تھا۔''
مشہور شیعہ عالم کا یہ بیان اس باب میں نص صریح کا حکم رکھتا ہے کہ سیدنا علی کے وصی کا لقب ابن سبا نے اختراع کیا۔ چونکہ سابقاً ذکر کردہ سیدنا انس کی روایت بے بنیاد ہے اس لیے اس باب میں یقینی بات یہی ہے جو المامقانی نے الکشی سے نقل کی کہ اس لقب کا واضع ابن سبا یہودی تھا۔

اے بادِ صبا ایں ہمہ آوردۂ تست

اس روایت کے راوی جب شیعہ خود ہوئے تو اب یا تو وہ اپنے علماء کو جھوٹا کہیں یا یہ کہیں کہ الکشی نے علماء سے یہ روایت نقل کرنے میں دروغ گوئی سے کام لیا ہے۔ ہمیں اس ضمن میں مزید کسی دلیل کی حاجت نہیں اور یہی بات کافی ہے کہ یہ روایت شیعہ علماء کی زبانی نقل ہوتے ہوتے ابن سبا سے الکشی تک پہنچی

ہم کہتے ہیں کہ روایت باتفاق محدثین کذب و دروغ اور موضوع ہے اور مسند احمد بن حنبل میں موجود نہیں۔ امام احمد نے فضائل صحابہ میں ایک کتاب تصنیف کی تھی اس میں خلفاء اربعہ اور دیگر صحابہ کے فضائل ومناقب بیان کیے ہیں۔ اس کتاب میں صحیح وضعیف روایات سب جمع کر دی ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ اس کتاب میں جو حدیث بھی ہو وہ صحیح ہو۔ مزید براں اس کتاب میں امام احمد کے بیٹے عبداللہ نے اپنی روایات کا اضافہ بھی کیا ہے۔

قَطِیعی [1] نے اپنے شیوخ کی روایات سے بھی امام احمد کی کتاب فضائل صحابہ پر اضافہ کیا ہے۔ قطیعی کا اضافہ جھوٹ کا پلندہ ہے۔ قطیعی کے شیوخ زیادہ تر امام احمد کے طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ شیعہ کی جہالت کا یہ عالم ہے کہ اس کتاب میں جب بھی کوئی حدیث دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ امام احمد کی روایت کردہ ہے۔ حالانکہ اس کا قائل قطیعی مذکور ہے۔ جس کے اساتذہ امام موصوف کے ہم طبقہ لوگوں سے روایات اخذ کرتے ہیں۔

مسند امام احمد میں بھی آپ کے بیٹے عبداللہ نے زیادات کی ہیں۔ مسند احمد میں جہاں سیدنا علی

اور پھر المامقانی کے ذریعہ شیعہ جرح وتعدیل کی عظیم وجدید ترین کتاب میں مندرج ہوئی۔

یہ اسی روایت کا ثمرہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سرکار دو عالم ﷺ اور آپ کے صحابہ انس وسلمان کا دامن اس تہمت سے پاک کر دیا۔ بلکہ یوں کہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیغام کو ایسے عیب سے داغ دار ہونے سے بچا لیا جس کی وجہ سے امت بنی نوع آدم میں سے ہونے والے اوصیاء کے زیر اثر سب تصرفات سے محروم ہو جاتی، اس پر طرہ یہ کہ ان میں سے آخری وصی ہنوز ''لَم یَلِدُ وَ لَمْ یُوْلَدُ'' کا مصداق ہے، حالانکہ پیام اسلام دنیائے انسانیت کو حریت فکر ونظر کا عطیہ دینے کے لیے آیا تھا اور اس کا اوّلین مقصد یہ تھا کہ عقل انسانی اسلام کے اس چشمۂ صافی سے بکمال آزادی اور بدوں جبر واکراہ ہدایت عظمی کا آب زلال پیئے جس پر اس عالمی شریعت کے سوا کسی کو نگران یا وصی مقرر نہیں کیا گیا۔

[1] بغداد کے گرد ونواح میں اراضی کے کچھ قطعات بے آباد پڑے تھے۔ عباسی امراء وحکام نے زمین کے وہ ٹکڑے بعض لوگوں کو جاگیر کے طور پر دے دیے تھے۔ زمین کے ہر ٹکڑے کو قطیعہ کہتے تھے اور اہل علم جن کو وہ جاگیریں ملی تھیں قَطِیعی کہلاتے تھے۔ امام احمد کی کتاب فضائل صحابہ پر جس نے اضافہ کیا ہے ممکن ہے وہ احمد بن جعفر بن ہمدان القطیعی المتوفی (۲۷۳۔۳۶۸) ہو۔ احمد بن جعفر نواح بغداد کی آبادی قطیعۃ الرقیق میں بود وباش رکھتے تھے۔

کی مرویّات ذکر کی گئی ہیں، وہاں عبداللہ نے خصوصی طور پر اضافہ کیا ہے۔ ❶ خلاصہ یہ کہ یہ حدیث کسی دجال کا کذب و دروغ ہے اور اللہ کی قسم یہ امام احمد کی بیان کردہ نہیں، انھوں نے یہ حدیث اپنی مسند میں ذکر کی نہ فضائل صحابہ میں۔

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''یزید بن ابی مریم سیدنا علی سے روایت کرتے ہیں کہ میں اور نبی کریم ﷺ کعبہ میں آئے پھر نبی کریم ﷺ میرے کندھے پر سوار ہوئے، میں نے اٹھنا چاہا مگر نہ اٹھ سکا۔ آپ میری کمزوری دیکھ کر اتر آئے پھر آپ بیٹھے اور میں آپ کے کندھے پر سوار ہو گیا۔ آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور میں خانہ کعبہ پر چڑھ گیا۔ کعبہ پر تانبہ کی ایک مورتی تھی، میں نے اسے اکھاڑ کر پھینک دیا اور وہ ٹوٹ گئی، پھر ہم بھاگنے لگے، یہاں تک کہ نظروں سے اوجھل ہو گئے۔''

ہم کہتے ہیں کہ بشرط صحت ❷ اس واقعہ میں ایسی کوئی بات نہیں پائی جاتی جو ائمہ و خلفاء کے خصائص میں شمار ہونے کے قابل ہو۔ احادیث میں آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ حالت نماز میں امامہ بنت ابی العاص کو اٹھائے ہوئے ہوتے تھے۔ ❸ ایک دفعہ حالتِ سجدہ میں سیدنا حسن آ کر آپ پر سوار ہو

---

❶ حافظ ابن کثیر مقدمہ ابن الصلاح کے خلاصہ میں جس کا نام '' الباعث الحثیث فی اختصار علوم الحدیث'' ہے لکھتے ہیں:

''حافظ ابو موسیٰ محمد بن ابی بکر مدینی کا مسند امام احمد کے بارے میں یہ ارشاد کہ ''اَنَّهٗ صَحِیْحٌ'' ضعیف قول ہے اس لیے کہ مسند احمد میں نہ صرف ضعاف بلکہ موضوعات بھی ہیں، مثلاً وہ احادیث جن میں مرو عسقلان نیز حمص کے نواحی شہر ''البرث الاحمر'' کے فضائل بیان کیے گئے ہیں۔ محدثین نے اس پر روشنی ڈالی ہے۔'' میں کہتا ہوں فضائل پر مشتمل احادیث اگرچہ بخاری و مسلم کی روایت کردہ احادیث کی طرح صحیح نہ بھی ہوں تاہم لوگ ازراہ تساہل ان کو قبول کر لیتے ہیں جس طرح ترغیب و ترہیب پر مشتمل ضعیف احادیث کو بھی قبول کر لیا جاتا ہے۔''

❷ مسند احمد(۱/۸٤)۔ مستدرك حاكم(۲/۳٦٦۔۳٦۷، ۳/٥) من طریق ابی مریم عن علیؓ۔ و ابو مریم الثقفی هو مجهول۔ وقال الذهبی۔ اسناده نظیف والمتن منکر''

❸ صحیح بخاری ۔ کتاب الصلاة باب اذا حمل جاریة صغیرة علی عنقه'' (حدیث: ٥١٦)، صحیح مسلم ، کتاب المساجد۔ باب جواز حمل الصبیان فی الصلوة(حدیث: ٥٤٣)

گئے۔ ❶ جب آپ ایک لڑکے اور لڑکی کو اٹھا سکتے ہیں۔تو سیدنا علی کو اٹھانے کا یہ مطلب نہیں کہ آپ خلیفہ و امام تھے۔خصوصاً جب کہ آپ نے سیدنا علی کو اس لیے اٹھایا کہ سیدنا علی نبی کریم کو اٹھانے سے قاصر تھے۔ بنا بریں اس واقعہ کو مناقب رسول میں شمار کرنا زیادہ قرین قیاس ہے۔اس پر مزید یہ کہ جو شخص نبی کو اٹھاتا ہے وہ اس سے افضل ہے جو نبی پر سوار ہو۔جیسے طلحہ بن عبید اللہ نے غزوہ احد میں نبی کریم ﷺ کو اٹھایا تھا۔ ❷ ظاہر ہے کہ جس شخص نے نبی کریم ﷺ کو اٹھایا اس نے نبی کو فائدہ پہنچایا اور جو نبی پر سوار ہوا اس نے نبی سے فائدہ حاصل کیا۔اس میں شبہ نہیں کہ نبی کو فائدہ پہنچانے والا اس سے نفع حاصل کرنے والے کی نسبت بہت زیادہ افضل ہے۔

شیعہ مضمون نگار رقم طراز ہے:

''ابن ابی لیلیٰ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: صدیق تین ہیں:

(۱) حبیب نجار۔ (۲) مومن آل فرعون (۳) علی رضی اللہ عنہ، اور یہ تینوں میں افضل ہیں۔''

ہم کہتے ہیں کہ یہ جھوٹ ہے۔ احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ نبی کریم نے سیدنا ابوبکر کو صدیق کے لقب سے ملقب کیا۔ ❸ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مرفوعاً روایت کرتے ہیں:

''آدمی سچ بولتا اور سچ کا قصد کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ وہ درگاہ ایزدی میں صدیق لکھا جاتا ہے۔'' ❹

اس حدیث سے مستفاد ہوتا ہے کہ بہت سے لوگ صدیق ہو سکتے ہیں۔سیدہ مریم رضی اللہ عنہا کو صدیقہ کا لقب عطا کیا۔ حالانکہ وہ عورت تھیں۔ ارشاد ہوتا ہے:﴿وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ﴾

---

❶ سنن نسائی، کتاب التطبيق ـ باب هل يجوز ان تكون سجدة أطول من سجدة (حديث:١١٤٢)

❷ سنن ترمذی۔ کتاب المناقب ، باب مناقب ابی محمد طلحه بن عبيد الله رضى الله عنه، (حديث:٣٧٣٨)

❸ مستدرك حاكم(٣/٦٢)

❹ صحیح بخاری۔ کتاب الأدب ، باب قول الله تعالىٰ ﴿ يايها الذين امنوا اتقوا الله...... ﴾ (حديث:٦٠٩٤) صحیح مسلم۔ كتاب البر والصلة، باب قبح الكذب و حسن الصدق: (حديث:١٠٥/ ٣٦٠٧)

(المائدۃ:۵/۷۵)۔ (سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ صدیقہ تھیں)

رافضی مصنف کی پیش کردہ حدیث ''اَنْتَ مِنِّیْ وَ اَنَا مِنْكَ'' کا جواب یہ ہے کہ بخاری و مسلم نے براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب سیدنا علی و جعفر اور زید رضی اللہ عنہم سید الشہداء سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی کی کفالت کے بارے میں جھگڑنے لگے تو آپ نے سیدنا جعفر کے حق میں فیصلہ صادر کیا، کیوں کہ وہ لڑکی کے خالو تھے۔ تاہم آپ نے فرداً فرداً تینوں کو مطمئن کرنے کے لیے ان کے حق میں مدحیہ کلمات ارشاد فرمائے۔ سیدنا علی کو مخاطب کرکے فرمایا: ''اَنْتَ مِنِّیْ وَ اَنَا مِنْكَ'' (تم میرے ہو اور میں آپ کا ہوں)، سیدنا جعفر کے حق میں فرمایا: ''آپ کی صورت و سیرت مجھ سے ملتی جلتی ہے۔'' زید کو مخاطب کرکے فرمایا: ''آپ ہمارے بھائی اور مولیٰ ہیں۔''[1]

مگر سوال یہ ہے کہ جو کلمات آپ نے سیدنا علی کی شان میں فرمائے، وہ متعدد صحابہ کی شان میں فرما چکے تھے۔

بخاری و مسلم میں سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے ان کے قبیلہ کے حق میں فرمایا:

''هُمْ مِنِّیْ و اَنَا مِنْهُمْ''[2]

''وہ میرے ہیں اور میں ان کا ہوں۔

سیدنا علی کے فضائل عشرہ:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

عمرو بن میمون روایت کرتے ہیں کہ سیدنا علی میں دس اوصاف پائے جاتے ہیں جو کسی اور میں موجود نہیں:

۱۔ سیدنا علی کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں فرمایا: ''میں ایک ایسے شخص کو بھیجوں گا، جسے اللہ تعالیٰ ہرگز رسوا نہیں کرے گا وہ اللہ و رسول کو چاہتا ہے اور اللہ و رسول اسے چاہتے ہیں۔ آپ نے ادھر ادھر دیکھا، پھر فرمایا علی رضی اللہ عنہ کہاں ہیں؟''

۲۔ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابوبکر کو سورۂ توبہ دے کر بھیجا، بعد ازاں ان

---

[1] صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب عمرة القضاء، (حدیث: ۴۲۵۱)

[2] صحیح بخاری، کتاب الشرکة، باب الشرکة فی الطعام والنهد، (حدیث: ۲۴۸۶)، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة: باب من فضائل الاشعریین، (حدیث: ۲۴۹۹)

کے پیچھے سیدنا علی کو روانہ کیا اور فرمایا: ''اس سورت کو لے کر وہ شخص جائے گا جو میرا ہے اور میں اس کا ہوں۔''

۳۔ رسول کریم ﷺ نے اپنے چچا زاد بھائیوں سے پوچھا: ''کون شخص دنیا و آخرت میں مجھ سے دوستی لگانا چاہتا ہے؟'' سب نے انکار کر دیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا میں آپ سے دنیا و آخرت میں دوستی لگاؤں گا۔'' آپ نے فرمایا: تو دنیا و آخرت میں میرا دوست ہے۔''

۴۔ سیدنا علی اوّلین شخص تھے جو سیدنا خدیجہ کے بعد اسلام لائے۔

۵۔ نبی کریم نے اصحاب خمسہ کو چادر تلے چھپایا اور آیت کی تلاوت فرمائی۔

۶۔ سیدنا علی کی چھٹی خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے جان کی بازی لگائی اور مکہ میں نبی کریم ﷺ کے بستر پر سوئے رہے۔

۷۔ سیدنا علی کی ساتویں خصوصیت یہ ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ غزوہ تبوک کے لیے مدینہ سے نکلے اور سیدنا علی کو ساتھ جانے کی اجازت نہ دی تو آپ رو پڑے۔ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کیا ''آپ کو یہ بات پسند نہیں کہ آپ کو مجھ سے وہی نسبت ہو جو ہارون کو موسیٰ علیہ السلام سے تھی۔

۸۔ سیدنا علی کی آٹھویں خصوصیت یہ ہے کہ نبی کریم نے ان کے حق میں فرمایا: میرے بعد آپ ہر مومن کے دوست ہیں۔''

۹۔ سیدنا علی کی نویں خصوصیت یہ ہے کہ نبی کریم نے سیدنا علی کے سوا باقی سب لوگوں کے وہ دروازے بند کر دیے جو مسجد سے ہو کر گزرتے تھے۔ چنانچہ سیدنا علی بحالت جنابت مسجد نبوی میں سے گزرا کرتے تھے۔ دوسرا کوئی راستہ ہی نہ تھا۔

۱۰۔ سیدنا علی کی دسویں خصوصیت یہ ہے کہ نبی کریم نے ان کے حق میں فرمایا:

''مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ''

نبی ﷺ سے مرفوعاً روایت کیا گیا ہے کہ آپ نے سیدنا ابوبکر کو سورۂ توبہ دے کر مکہ روانہ کیا۔ چنانچہ آپ تین شب و روز چلتے رہے۔ پھر سیدنا علی کو بھیج کر سیدنا ابوبکر کو واپس بلوایا اور علی کو حکم دیا کہ وہ سورۂ توبہ مکہ پہنچائیں۔ سیدنا ابوبکر بارگاہ نبوی میں پہنچ کر رو پڑے۔ اور عرض کیا، اے اللہ کے رسول! کیا میرے بارے میں کوئی نئی بات پیش آئی ہے؟ آپ نے فرمایا: ''نہیں البتہ مجھے حکم دیا گیا تھا کہ یہ سورت خود مکہ پہنچاؤں یا میرا کوئی اپنا آدمی یہ فریضہ انجام دے۔''

ہم جواباً کہتے ہیں کہ عمرو بن میمون کی روایت کردہ یہ حدیث مرسل ہے (اس لیے کہ عمرو بن میمون نے سیدنا معاذ بن جبل کے ہاتھ پر بیعت اسلام کی اور نبی کریم سے نہ مل سکے) مزید براں اس حدیث کے بعض الفاظ منکر ہیں۔ مثلاً یہ فقرہ:

"لَا يَنۡبَغِیۡ اَنۡ اَذۡهَبَ اِلَّا وَ اَنۡتَ خَلِيۡفَتِیۡ"

''میں اس صورت میں مدینہ سے باہر جا سکتا ہوں جب آپ میرے خلیفہ ہوں۔''

حالانکہ نبی کریم نے حضرت علی کے علاوہ متعدد مرتبہ دوسرے صحابہ کرام کو اپنا نائب بنایا تھا۔

اسی طرح شیعہ کی پیش کردہ حدیث ''سُدُّوا الۡاَبۡوَابَ اِلَّا بَابَ عَلِيٍّ''، روافض کی اپنی گھڑی ہوئی ہے۔

بخاری و مسلم میں سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم نے مرض الموت میں فرمایا:

۱۔ میں سب لوگوں سے زیادہ ابوبکر کے مال اور رفاقت کا ممنون ہوں۔''

۲۔ اگر میں کسی کو گہرا دوست بنانے والا ہوتا تو ابوبکر کو بناتا۔ البتہ اسلامی اخوت و مودّت کسی شخص کے ساتھ مختص نہیں۔

۳۔ سیدنا ابوبکر کے سوا کسی شخص کی کھڑکی مسجد کی جانب کھلی نہ رہے۔ [1]

شیعہ کی پیش کردہ حدیث ''اَنۡتَ وَلِيِّیۡ فِیۡ كُلِّ مُؤۡمِنٍ بَعۡدِیۡ'' بہ اتفاق محدثین موضوع ہے۔

حدیث میں جن دیگر امور کا ذکر کیا گیا ہے وہ سیدنا علی کی خصوصیات نہیں ہیں مثلاً:

۱۔ سیدنا علی اللہ و رسول کو چاہتے ہیں۔

۲۔ سیدنا علی کو حاکم [2] مدینہ مقرر کرنا۔

---

[1] صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ، باب قول النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم" سدوا الابواب......"(حدیث:٣٦٥٤)، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة ، باب من فضائل ابی بکر الصدیق،رضی الله عنه (حدیث:٢٣٨٢)

[2] ہم قبل ازیں تحریر کر چکے ہیں کہ سیدنا علی کو صرف ایک ہی مرتبہ حاکم مدینہ مقرر کیا گیا تھا۔ جب کہ دیگر صحابہ کو متعدد مرتبہ یہ خدمت تفویض ہوئی تھی جیسا کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اگر حاکم مدینہ کا سب لوگوں سے افضل ہونا ضروری ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ جب بھی کوئی دوسرا حاکم مقرر کیا گیا سیدنا علی اس وقت مفضول تھے۔ مزید براں دوسرے صحابہ کی حاکمیت مدینہ کے زمانہ میں وہاں سب مومن موجود

۳۔ یہ بات کہ سیدنا علی کو وہی مرتبہ حاصل ہے جو ہارون کو موسیٰ علیہ السلام سے۔

۴۔ سیدنا علی کا سورۂ توبہ کو لے کر مکہ جانا۔

ان میں سے کوئی بات بھی سیدنا علی کے ساتھ مختص نہیں۔ سیدنا علی کو سورۂ توبہ دے کر مکہ بھیجنے کی وجہ یہ تھی کہ نقض عہد کی اطلاع دینے کے لیے حاکم اعلیٰ کے قبیلہ کا کوئی شخص جایا کرتا تھا۔ اس سورۃ میں بھی نقض عہد کی اطلاع دی گئی ہے، اس لیے سیدنا علی کا مکہ جانا ضروری تھا۔ [1]

شیعہ کی وضع کردہ احادیث:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''خوارزم کے عظیم ترین [2] خطیب نے یہ روایت ذکر کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی کو

ہوا کرتے تھے، مگر جب سیدنا علی کو حاکم مدینہ مقرر کیا تو عورتوں اور بچوں کے سوا وہاں کوئی نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ سیدنا علی اس سے افسردہ خاطر ہوئے اور اسے اپنی توہین پر محمول کیا۔ اس وقت مدینہ مامون تھا، اسے کوئی خطرہ لاحق تھا نہ وہاں جہاد کی ضرورت تھی۔

[1] یہ بات غلط ہے کہ سیدنا ابوبکر سورۂ توبہ لے کر گئے اور پھر انھیں معزول کر کے سیدنا علی کو بھیجا گیا۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ نبی کریم نے سیدنا ابوبکر کو امیر حج مقرر کیا تھا اور آپ بہمہ وجوہ آنسید نا صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی یا عدم موجودگی میں اس کے اہل تھے۔ سیدنا ابوبکر مدینہ سے رخصت ہو چکے تھے کہ سورۂ توبہ نازل ہوئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی کو یہ سورۃ دے کر سیدنا ابوبکر کی جانب بھیجا، اس کے دو اسباب تھے، پہلی وجہ ذکر کی جا چکی ہے۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ اس سورۃ میں یہ آیت بھی ہے: ﴿اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْهُمَا فِي الْغَارِ﴾ اس آیت میں سیدنا ابوبکر صدیق کی جو مدح وثنا بیان کی گئی ہے، وہ اس وقت تک باقی ہے، جب تک قرآن دنیا میں موجود ہے سیدنا علی کا اس عظیم سورۃ کو لے کر جانا جو صدیق اکبر کی فضیلت ومنقبت پر مشتمل ہے خود حضرت علی کی فضیلت کی دلیل اور ان لوگوں کے لیے ابدی ذلت کا موجب ہے جو ابوبکر صدیق کے لیے اپنے دل میں بغض وعداوت رکھتے ہیں۔''

[2] اخطب خوارزم (خوارزم کا عظیم ترین خطیب) ایک شیعہ ادیب ہے، یہ زمخشری کا شاگرد تھا۔ اس کا نام الموفّق بن احمد بن اسحاق (۴۸۴۔۵۶۸) ہے۔ دیکھیے بغیۃ الوعاۃ، ص: ۴۰۱، نیز روضات الجنہ طبع ثانی ص: ۲۲۷، اخطب خوارزم کی کتاب کا نام ''مناقب اہل البیت'' ہے۔ مقام افسوس ہے کہ غریب اہل بیت کی مدح میں شیعہ نے جھوٹی روایات وضع کر کے ان پر کتنا بڑا ظلم ڈھایا ہے۔''

مخاطب کر کے فرمایا: ''اے علی! اگر کوئی شخص اس قدر عرصہ دراز تک اللہ کی عبادت کرے جتنا عرصہ سیدنا نوح اپنی قوم میں ٹھہرے تھے اور احد پہاڑ جتنا سونا اللہ کی راہ میں صرف کرے اور پا پیادہ ایک ہزار مرتبہ حج کرے پھر بحالت مظلومی صفاء و مروہ کے مابین مارا جائے اور وہ تجھے دوست نہ رکھتا ہو تو وہ جنت کی خوشبو بھی نہ سونگھے گا اور نہ وہ اس میں داخل ہوگا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ خوارزم کے عظیم ترین خطیب نے اس باب میں ایک کتاب لکھی ہے جو جھوٹی روایات کا پلندہ ہے، یہ روایت بھی ان میں سے ایک ہے۔

شیعہ مصنف کے ذکر کردہ احادیث ملاحظہ ہوں۔

۱۔ ایک شخص نے سلمان سے کہا کہ آپ سیدنا علی سے کتنی شدید محبت رکھتے ہیں؟ انھوں نے کہا کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ ''جس نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی۔''

۲۔ سیدنا انس سے مرفوعاً روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا علی کے چہرے کے نور سے ستر ہزار فرشتے پیدا کیے ہیں، جو سیدنا علی اور ان کے احباب کے لیے تا قیامت مغفرت طلب کرتے رہیں گے۔

۳۔ عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جو سیدنا علی سے محبت رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی نماز و دعا اور صیام و قیام کو قبول فرماتے ہیں۔''

۴۔ جو سیدنا علی سے محبت رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے ہر رگ و ریشہ کے عوض جنت میں ایک شہر عطا کریں گے، جو شخص آل محمد سے محبت کرتا ہے وہ حساب و میزان اور پل صراط سے خائف نہ ہو گا۔ نیز جس کی موت حب آل محمد پر ہوگی میں اسے جنت میں لے جانے کا ضامن ہوں۔ جو شخص آل محمد سے بغض رکھے گا بروز قیامت اس کی پیشانی پر لکھا ہوگا ''خدا کی رحمت سے ناامید''

۵۔ عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ سے دریافت کیا گیا تھا کہ شب معراج اللہ تعالیٰ نے آپ کو کس زبان میں مخاطب کیا؟ آپ نے فرمایا ''علی کے لہجہ میں'' پھر میں نے بنا بر الہام پوچھا ''بار خدایا کیا تو نے مجھے مخاطب کیا یا علی نے''؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، میں دیگر اشیاء کی طرح نہیں، میں نے تجھے اپنے نور سے پیدا کیا اور علی کو تیرے نور سے خلق کیا۔ جب میں نے

تیرے دل کو ٹٹولا تو معلوم ہوا کہ سیدنا علی آپ کو سب سے زیادہ محبوب ہیں، لہٰذا اسی کے لہجہ میں آپ کو مخاطب کیا تا کہ آپ مطمئن رہیں۔

۶۔ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر سب باغات قلمیں بن جائیں اور سمندر سیاہی بن جائیں۔ جن حساب دار اور سب بنی نوع انسان کاتب بن جائیں تو پھر بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے محاسن تحریر کرنے سے قاصر رہیں گے۔''

ہم اللہ واحد و قہار کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ یہ سب احادیث جھوٹ کا طومار ہیں اور ان کو وضع کرنے والا ملعون ہے اسی طرح وہ شخص بھی ملعون ہے جو سیدنا علی سے محبت نہ رکھتا ہو۔ شیعہ مصنف نے کہا تھا کہ وہ صرف احادیث صحیحہ بیان کرے گا، مگر وہ خرافات بیان کرنے پر تلا ہوا نظر آ رہا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ شیعہ سب فرقوں سے بڑے جاہل و کاذب ہوتے ہیں اور یہ مصنف تو ان کا سردار ہے، پھر اس کے جاہل و کاذب ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے؟

سیدنا علی بمنزلۃ ہارون علیہ السلام تھے:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''سعد بن ابی وقاص کا بیان ہے کہ معاویہ نے انھیں سیدنا علی کو برا بھلا کہنے کا حکم دیا، مگر انھوں نے انکار کر دیا۔ معاویہ نے وجہ پوچھی تو بتایا مجھے نبی کریم نے تین باتیں بتائی تھیں، اگر ان میں سے ایک بھی مجھے حاصل ہو جائے تو وہ سرخ اونٹوں سے بڑھ کر ہے، ایک مرتبہ نبی کریم سیدنا علی کو مدینہ میں چھوڑ کر گئے اور سیدنا علی نے کہا کہ آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑ کر جا رہے ہیں تو نبی کریم نے اس کے جواب میں فرمایا: ''اے علی! تجھے مجھ سے وہی نسبت ہے جو سیدنا ہارون کو موسیٰ علیہ السلام سے تھی۔'' شیعہ نے یہ حدیث تفصیلاً ذکر کی اور قبل ازیں یہ بیان کی جا چکی ہے۔''[1]

---

[1] علامہ موسیٰ جار اللہ اپنی کتاب ''الوشیۃ'' میں ''انت منی بمنزلة هارون من موسیٰ'' کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی کو فرمایا تھا کہ اگرچہ تیرا مقام نیکی میں بلند ہے، لیکن سیدنا ہارون کی طرح تم خلافت کا بوجھ نہیں اٹھا سکو گے، سیدنا ہارون چالیس دن بھی خلافت کا بار نہ اٹھا سکے، اور مقصد یہ تھا کہ تم خلافت کے جھنجھٹ میں نہ پڑنا، بلکہ تعلیم و تعلّم کے کام میں مشغول رہنا۔ حالانکہ ہارون نبی تھے اور تم نبی بھی نہیں ہو۔ (خالد گھرجاکھی)

ہم جواباً کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے اور مسلم نے اسے روایت کیا ہے [1] مگر رافضی مصنف کی جہالت کا یہ عالم ہے کہ اسے موضوعات کے طومار میں شمار کر کے ذکر کر رہا ہے۔ جیسے کوئی نااہل قیمتی موتی کو مینگنیوں کے درمیان پرو دے۔ ہم قبل ازیں بیان کر چکے ہیں کہ حاکم مدینہ مقرر کرنے میں سیدنا علی کی کوئی خصوصیت نہیں، اس لیے کہ آپ نے متعدد صحابہ کو یہ خدمت سپرد کی تھی۔

سیدنا علی کو اگر ہارون کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے تو سیدنا ابوبکر کو سیدنا ابراہیم و عیسیٰ اور سیدنا عمر کو سیدنا نوح و موسیٰ کے مشابہ قرار دیا گیا ہے۔ [2]

---

[1] صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل على بن ابى طالب رضى الله عنه، (حديث:٣٢/٢٤٠٤)

[2] یہ حدیث مندرجہ ذیل کتب میں ملاحظہ کی جائے۔

(١) مسند احمد:٣٨٣/١، حديث نمبر:٣٦٣٢، بروايت ابوعبيده۔(٢) مستدرك حاكم (٢٢،٢١/٣) بطريق جرير عن اعمش، (٣) ترمذى كتاب تفسير القرآن۔ باب و من سورة الانفال(حديث:٣٠٨٤،١٧١٤) و سنده ضعيف لانقطاعه۔ **ابوعبیده کا اپنے والد عبد الله بن مسعود** رضی اللہ عنہ **سے سماع نہیں ہے**۔ بطريق ابو معاوية از اعمش، (٤) تفسير ابن كثير(٤/٩٤۔٩٥)، (٥) مسند ابى يعلى(٢/٢٤١)، (٦) دلائل النبوة(٣/١٣٨)

ابن کثیر البدایۃ والنہایہ (۳/۲۹۷۔۲۹۸) پر لکھتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا قیدیوں کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟

سیدنا ابوبکر نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! یہ آپ کی قوم وقبیلہ کے لوگ ہیں، انھیں زندہ رہنے دیجیے ممکن ہے کہ اللہ ان کو توبہ کی توفیق عطا کرے۔''

سیدنا عمر نے جواب دیا: ''ان لوگوں نے آپ کی تکذیب کی اور آپ کو مکہ چھوڑنے پر مجبور کیا، لہٰذا ان کو تہ تیغ کر دیجیے۔''

عبداللہ بن رواحہ نے کہا: ''ان کو نذر آتش کر دیجیے۔''

سیدنا عباس نے کہا: ''آپ نے قطع رحمی کا ثبوت دیا ہے۔''

نبی کریم نے یہ سب باتیں سنیں اور کوئی جواب نہ دیا، لوگ طرح طرح کی قیاس آرائیاں کرنے لگے کسی نے کہا، ابوبکر کے قول پر عمل کریں گے، کسی نے کہا، عمر کی تجویز کو عملی جامہ پہنائیں گے۔ کسی نے کہا، عبد اللہ بن رواحہ کے قول پر عمل کریں گے۔ نبی کریم باہر تشریف لائے اور فرمایا:

ظاہر ہے کہ یہ چاروں پیغمبر سیدنا ہارون علیہ السلام سے افضل تھے۔مزید براں سیدنا ابوبکر وعمر ہر دو کو دو انبیاء کے مشابہ قرار دیا ہے، ایک کے نہیں۔ بنابریں یہ تشبیہ سیدنا علی کی تشبیہ سے عظیم تر ہے۔ نیز یہ کہ استخلاف علی میں دیگر صحابہ بھی ان کے سہیم و شریک تھے مگر اس تشبیہ میں کوئی صحابی سیدنا ابوبکر وعمر کا شریک نہیں۔لہٰذا یہ تشبیہ کسی طرح بھی سیدنا علی کی خصوصیت قرار نہیں دی جاسکتی۔

اس حدیث میں نواصب کا ردّ ہے، جو سیدنا علی کو بغض و عداوت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ نیز خوارج کی تردید ہے جو سیدنا علی کی تکفیر کرتے ہیں۔علاوہ ازیں اس حدیث سے ان روافض کی تردید ہوتی ہے، جو کہتے ہیں کہ جو احادیث فضائل صحابہ میں وارد ہوئی ہیں وہ ان کے مرتد ہونے سے پہلے کی ہیں۔خوارج بھی سیدنا علی کے بارے میں یہی کہتے ہیں۔

خوارج و روافض دونوں کے اقوال باطل ہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص سے خوشنودی کا اظہار نہیں کر سکتے جس کے متعلق اسے معلوم ہے کہ اس کی موت کفر پر ہوگی۔ اسی طرح مباہلہ بھی آپ کی خصوصیت نہیں، کیوں کہ حسن و حسین رضی اللہ عنہما بھی اس میں آپ کے ساتھ شریک تھے۔

اگر سوال کیا جائے کہ سیدنا سعد بن ابی وقاص نے ان تین باتوں میں سے ایک کا مطالبہ کیوں کیا تھا؟

اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کے دل کو انتہائی نرم بنا دیتے ہیں اور بعض کا دل اتنا سخت ہوتا ہے کہ اس کے سامنے پتھر کی بھی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ پھر ابوبکر کو مخاطب کر کے فرمایا، آپ کی مثال سیدنا ابراہیم جیسی ہے، جنھوں نے فرمایا تھا:﴿مَنْ تَبِعَنِي فَاِنَّهٗ مِنِّيْ وَ مَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (سورۂ ابراہیم:۳۶) نیز آپ کی مثال سیدنا عیسیٰ جیسی ہے جن کا ارشاد ہے:﴿اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ﴾ (سورۃ المائدۃ:۱۱۸)

پھر سیدنا عمر سے مخاطب ہو کر فرمایا: آپ کی مثال سیدنا نوح جیسی ہے، جنھوں نے فرمایا تھا:﴿رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكَافِرِيْنَ دَيَّارًا﴾ (سورۂ نوح:۲۶) نیز آپ کی مثال سیدنا موسیٰ جیسی ہے، انھوں نے فرمایا تھا﴿رَبِّ اشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ﴾ (سورۂ یونس:۸۸)

پھر آپ نے فرمایا: چونکہ مسلمانوں کی اقتصادی حالت کمزور ہے، اس سے کفار یا تو فدیہ ادا کریں یا انھیں قتل کر دیا جائے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ظاہراً و باطناً سیدنا علی کے مومن ہونے کی شہادت دی تھی۔ ظاہر ہے کہ کسی معین شخص کے بارے میں نبی کی شہادت عظیم ترین فضائل و مناقب میں سے ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ آپ نے ایک شخص کا جنازہ پڑھتے ہوئے جب دعا فرمائی تو عوف بن مالک کہہ اٹھے: ''اے کاش! اس میت کی جگہ میں ہوتا۔ [1] حالانکہ یہ دعا اس میت کے ساتھ مختص نہ تھی۔

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''عامر بن واثلہ روایت کرتے ہیں کہ جب سیدنا عمر نے چھ صحابہ کو اپنے میں سے خلیفہ منتخب کرنے کے لیے مقرر کیا تو سیدنا علی نے ان کو مخاطب کر کے کہا:

میں تمہارے سامنے ایسی دلیل پیش کروں گا، جس سے تمھیں مجال انکار نہ ہو گی۔ مندرجہ ذیل باتوں کا جواب دیجیے۔

(۱) میں تمھیں اللہ کی قسم دیتا ہوں، کیا تم میں سے کوئی شخص مجھ سے پہلے توحید کا قائل ہوا ہے؟ انھوں نے نفی میں جواب دیا۔ (یہ ایک طویل حدیث ہے اس میں یہ الفاظ بھی ہیں)

(۲) میں تمھیں اللہ کی قسم دیتا ہوں، کیا تم میں سے کوئی ایسا شخص موجود ہے جس پر بیک وقت تین ہزار فرشتوں، نیز جبرئیل و میکائیل اور اسرافیل نے سلام بھیجا ہو۔ یہ اس وقت ہوا جب میں کسی اور کے کنوئیں سے نبی کریم کے پاس پانی لایا۔ انھوں نے کہا۔ ہم میں سے ایسا کوئی شخص نہیں۔

سیدنا علی کے چار اوصاف خصوصی:

ابوعمر زاہد سیدنا ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا سیدنا علی میں چار اوصاف پائے جاتے ہیں جو کسی اور میں موجود نہیں۔

۱۔ علی اوّلین شخص ہیں جس نے نبی کریم کے ساتھ نماز ادا کی۔

۲۔ یہ نبی کریم کے علم بردار تھے۔

۳۔ علی وہ شخص ہے جس نے غزوۂ حنین میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ صبر کیا۔

۴۔ علی وہ شخص ہے جس نے نبی کریم کو غسل دیا اور قبر میں اتارا۔

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب الدعاء للمیت فی الصلاۃ (حدیث:۹۶۳)

سرور کائنات ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: ''شب معراج میرا گزر ایسی قوم پر ہوا جن کے جبڑے چھیلے جا رہے تھے۔ میں نے جبریل سے پوچھا یہ کون ہیں؟ اس نے کہا: ''یہ چغل خور ہیں'' پھر میں ایسے لوگوں کے نزدیک سے گزرا جو چلا رہے تھے۔ میں نے جبریل سے دریافت کیا یہ کون ہیں؟ اس نے کہا ''یہ کافر ہیں'' پھر ہم دوسری راہ پر چل دیے جب چوتھے آسمان پر پہنچے تو سیدنا علی کو نماز پڑھتے دیکھا۔ میں نے جبرئیل سے دریافت کیا یہ کون ہے؟ کیا علی ہم سے پہلے یہاں پہنچ گئے؟ جبریل نے کہا یہ علی نہیں ہے۔ بات یہ تھی کہ فرشتوں نے جب سے سیدنا علی کے فضائل۔ نیز نبی کریم کی حدیث ''اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسیٰ'' سنی اس وقت سے سیدنا علی کو دیکھنے کے مشتاق تھے۔ اللہ تعالیٰ نے سیدنا علی کا ہم شکل فرشتہ پیدا کر دیا۔''

سیدنا ابن عباس سے روایت ہے کہ نبی کریم نے ایک دن فرمایا تھا: ''میں خود نوجوان، نوجوان کا بیٹا اور نوجوان (سیدنا علی) کا بھائی ہوں۔''

سیدنا جبریل جنگ بدر کے دن خوش و خرم آسمان کی جانب چڑھے اور وہ کہہ رہے تھے:

''لَا سَیْفَ اِلَّا ذُوالْفَقَارِ وَ لَا فَتٰی اِلَّا عَلِیٌّ''

(تلوار ہے تو ذوالفقار اور نوجوان ہے تو علی)

ابن عباس فرماتے ہیں، میں نے ابوذر کو کعبہ کے پردوں سے لٹکتے دیکھا وہ کہہ رہے تھے: ''جو مجھے پہچاننا چاہتا ہو، وہ پہچان لے، میں ابوذر ہوں۔ اگر تم نماز و روزہ کی پابندی کرتے کرتے سوکھ جاؤ اور کانٹے کی طرح ہو جاؤ تو تمھیں اس وقت تک اس سے کچھ حاصل نہ ہوگا، جب تک علی سے محبت نہ کرو۔''

(شیعہ مصنف کے دلائل ختم ہوئے)

شیعہ کے دلائل پر تنقید و تبصرہ:

شیعہ کے پیش کردہ دلائل کا جواب یہ ہے کہ عامر بن واثلہ کی روایت باتفاق محدثین کذب ہے۔ سیدنا علی نے ایسی کوئی بات نہیں کہی تھی۔ بلکہ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا تھا: ''اگر میں آپ کو امیر مقرر کر دوں تو کیا آپ انصاف کریں گے؟'' سیدنا علی نے کہا: ''ہاں'' عبدالرحمٰن نے پھر کہا: ''اگر میں عثمان کی بیعت کر لوں تو کیا آپ ان کی اطاعت کریں گے۔؟ سیدنا علی نے کہا: ''ہاں''

سیدنا عثمان سے بھی یونہی کہا۔ پھر تین دن تک مسلمانوں سے مشورہ کرتے رہے۔ ❶ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت بھی باطل ہے۔اس لیے کہ غزوۂ احد میں نبی کریم کے علم بردار بالاتفاق مصعب بن عمیر تھے ❷ اور فتح مکہ کے دن سیدنا زبیر ❸ غزوہ حنین میں نبی کریم کے قریب تر آپ کے چچا سیدنا عباس اور ابوسفیان بن حارث تھے۔سیدنا عباس آپ کی رکاب تھامے ہوئے تھے۔ ❹

معراج سے متعلق شیعہ کی ذکر کردہ روایت بہت گھٹیا قسم کا دروغ ہے۔اس پر غور کرنے سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ روایت من گھڑت ہے۔اس میں مذکور ہے کہ ملائکہ نے سیدنا علی کے فضائل و مناقب سن کر اشتیاق ملاقات کا اظہار کیا اور اللہ تعالیٰ نے سیدنا علی کا ہم شکل فرشتہ پیدا کر دیا۔حالانکہ معراج کا واقعہ مکہ مکرمہ میں پیش آیا اور نبی کریم نے حضرت علی کو ''اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ'' غزوۂ تبوک کے موقع پر فرمایا جو آپ کا آخری غزوہ ہے اور ۹ھ میں پیش آیا۔

اسی طرح حدیث ''**لَا فَتٰی اِلَّا عَلِیٌّ**'' بھی کذب ہے۔''**اَلْفَتٰی**'' کا لفظ اسماء مدح و ذم میں سے نہیں، بلکہ ''**الشَّابّ**''(جوان) اور ''**اَلْکَھْل**''(ادھیڑ عمر کا) کی طرح مطلق اسم ہے۔مشرکین کا قول ﴿**سَمِعْنَا فَتًی یَّذْکُرُھُمْ**﴾ (سورۂ انبیاء:۲۱/۶۰) سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی مدح پر مبنی نہیں ہے۔

یہ حدیث کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی کو اپنا بھائی بنایا اور سیدنا ابوبکر نے سیدنا عمر کو،صریح کذب ہے۔البتہ یہ درست ہے کہ آپ نے مہاجرین وانصار کے مابین مواخات کا رشتہ قائم کیا تھا۔

ذوالفقار ابوجہل کی تلوار کا نام ہے۔غزوۂ بدر میں یہ تلوار مال غنیمت میں مسلمانوں کو ملی تھی۔ دراصل یہ مسلمانوں کی ملکیت نہ تھی۔امام احمد وترمذی نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالفقار نامی تلوار غزوۂ بدر میں انعام کے طور پر دے دی تھی۔ ❺

---

❶ صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم۔ باب قصة البیعة والاتفاق علی عثمان بن عفان رضی الله عنه (حدیث: ۳۷۰۰)

❷ سیرة ابن ھشام(ص: ۳۷۹،۳۸۳)، طبقات ابن سعد(۳/۸۶)

❸ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب این رکز النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم الرایة یوم الفتح،(حدیث: ۴۲۸۰)مطولاً

❹ صحیح بخاری، کتاب الجهاد، باب من قاد دابة غیره فی الحرب (حدیث: ۲۸۶۴) ، صحیح مسلم، کتاب الجهاد۔باب غزوة حنین،(حدیث: ۱۷۷۵)

❺ سنن ترمذی، کتاب السیر ۔باب فی النفل،(حدیث: ۲/۱۵۶۱)، سنن ابن ماجه(۲۸۰۸) ، مسند احمد(۱/۲۷۱)

نبی کریم کے ''اَنَا فَتٰی'' کہنے کی روایت بھی جھوٹ ہے، کیوں کہ جب آپ نبوت پر سرفراز ہوئے تو اس وقت نوجوان نہ تھے، بلکہ ادھیڑ عمر کو پہنچ چکے تھے۔ ابوذرّ کا قول بھی صحیح نہیں۔ مزید براں سیدنا علی سے محبت کرنا اسی طرح فرض ہے جیسے حب انصار و ابی بکر، نبی کریم کا ارشاد ہے: ''حبّ انصار علامت ایمان ہے۔'' صحیح مسلم میں سیدنا علی سے مروی ہے کہ اُمّی نبی ﷺ نے مجھ سے عہد کیا کہ مجھ سے وہی محبت رکھے گا جو مومن ہوگا اور مجھ سے وہی شخص عداوت رکھے گا جو منافق ہوگا۔''

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

> ''ان دلائل میں سے ایک دلیل صاحب الفردوس کی معاذ سے ذکر کردہ یہ روایت ہے کہ سیدنا علی کی محبت ایک ایسی نیکی ہے جس کے ہوتے ہوئے برائی سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا اور سیدنا علی سے بغض رکھنا ایک ایسا جرم ہے جس کی موجودگی میں نیکی سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔''

ہم کہتے ہیں کہ کتاب الفردوس کا مصنف شیرویہ بن شہریار دیلمی محدث ہے۔ اس میں موضوعات کی بھرمار ہے، اور یہ حدیث بھی انہی میں سے ایک ہے، یہ ایک طے شدہ بات ہے کہ مومن کو برائیوں سے نقصان پہنچتا ہے۔ نبی کریم نے حمار نامی ایک شخص پر شراب کی حد قائم کرنے کا حکم دیا تھا۔ ایک شخص نے اسے گالی دی۔ تو آپ نے فرمایا: ''اسے چھوڑیے کیوں کہ یہ اللہ و رسول سے محبت رکھتا ہے۔ [1]

علاوہ ازیں ابوطالب اپنے بیٹے سیدنا علی سے محبت رکھتے تھے، اس کے باوصف انھیں شرک سے نقصان پہنچا اور وہ جہنمی قرار پائے۔ اسی طرح غالی شیعہ بھی حب علی کے دعوی دار ہیں، اور یہ بھی جہنمی ہیں۔ حب رسول سیدنا علی کی محبت سے عظیم تر ہے، اس کے باوجود آپ کو چاہنے والے دوزخ میں جائیں گے اور آپ کی شفاعت کی بنا پر جہنم سے نکلیں گے۔

حب علی سے متعلق احادیث پر نقد و جرح:

رافضی مصنف کی ابن مسعود سے ذکر کردہ روایت: ''آل محمد سے ایک دن محبت کرنا ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے۔'' موضوع ہے اسی طرح یہ حدیث:

''میں اور علی اللہ کی مخلوق پر حجت ہیں۔'' کذب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الحدود، باب ما یکره من لعن شارب الخمر، (حدیث: ٦٧٨٠)

﴿لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ﴾ (سورۂ نساء:۴/۱۶۵)

شیعہ مصنف کا یہ قول کہ ’’اگر سب لوگ حب علی پر جمع ہوجاتے تو جہنم کو پیدا ہی نہ کیا جاتا۔‘‘ کذب صریح ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ اسماعیلیہ محبّ علی ہونے کے باوصف جہنم کا ایندھن ہیں، اور ہم علی سے محبت رکھنے کے باوجود دوزخ سے ڈرتے ہیں۔ علاوہ ازیں انبیاء کی تصدیق کرنے والے بہت سے لوگ جنت میں جائیں گے، حالانکہ وہ علی کے نام سے بھی آشنا نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ شیعہ کا ذکر کردہ ضابطہ بے بنیاد ہے۔

شیعہ کی ذکر کردہ یہ حدیث ’’کہ اللہ نے سیدنا علی سے عہد کیا تھا، نیز یہ کہ علی عَلَمَ الھُدیٰ و امام الاولیاء نیز وہ کلمہ ہیں جو متقیوں کے لیے ضروری ہے۔‘‘ صاف جھوٹ ہے۔ حلیۃ الاولیاء کے مصنف نے خلفاء اربعہ کی فضیلت میں چند موضوع [1] روایات ذکر کی ہیں۔

علی وہ کلمہ اس لیے نہیں ہو سکتے کہ کلمۃ التقویٰ ’’لا الہ الا اللہ‘‘ ہے جیسا کہ حدیث نبوی سے ثابت ہے۔ [2]

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

’’جہاں تک صحابہ کے نقائص و معائب کا تعلق ہے۔ اس کی حد یہ ہے کہ کلبی نے ’’مثالب صحابہ‘‘ کے موضوع پر ایک مستقل کتاب تحریر کی ہے۔‘‘

ہم جواباً کہتے ہیں کہ کلبی اور اس کا بیٹا ہشام دونوں شیعہ کذاب ہیں۔ [3]

---

[1] محدث ابوالفرج ابن الجوزی نے اپنی کتاب ’’صفة الصفوة‘‘ کے مقدمہ میں کتاب حلیۃ الاولیاء کی اس کمزوری کی جانب اشارہ کیا ہے۔ خلفائے اربعہ انبیاء کرام کے بعد جملہ مخلوقات سے چیدہ و برگزیدہ ہیں اور اس لیے اس بات سے قطعی بے نیاز ہیں کہ ان کے فضائل میں ضعیف یا موضوع روایات بیان کی جائیں۔‘‘

[2] سنن ترمذی ۔ کتاب تفسیر القرآن، باب و من سورة الفتح(حدیث:۳۲۶۵)، عن ابی ابن کعب، رضی الله عنه، مستدرك حاکم (۲/۴٦۱)، تفسیر ابن جریر (۲٦/ ۱۰٤)، عن قول علی رضی الله عنه۔

[3] ہشام بن محمد بن سائب کا ذکر قبل ازیں کیا جا چکا ہے ۔ ہشام کے والد کلبی کے بارے میں محدث ابن حبان فرماتے ہیں:

’’کلبی ابن سبا کے معتقدین میں سے تھا۔ وہ یہ عقیدہ رکھتا تھا کہ سیدنا علی ابھی فوت نہیں ہوئے وہ لوٹ کر آئیں گے اور کرہ ارضی کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے جس طرح وہ ظلم و جور سے

لبریز ہو چکی ہے۔

تبوذکی کہتے ہیں: ''میں نے ہمام سے سنا، اس نے کلبی کو یہ کہتے سنا کہ میں سبائی عقیدہ رکھتا ہوں، امام بخاری فرماتے ہیں کہ ابوالنضر کلبی یحییٰ اور ابن مہدی کے نزدیک متروک الحدیث ہے۔ امام بخاری نے کلبی کا یہ مقولہ نقل کیا ہے کہ ''میں جو روایت ابوصالح سے بیان کروں وہ جھوٹی ہوتی ہے۔'' محدث ابن حبان فرماتے ہیں کلبی کے مذہب اور اس کی دروغ گوئی کے پیش نظر اس کی تعریف بے سود ہے۔'' کلبی بطریق ابوصالح از ابن عباس تفسیری روایات بیان کرتا ہے۔ حالانکہ ابوصالح نے ابن عباس کو دیکھا بھی نہیں، کلبی نے بھی ابوصالح سے بہت تھوڑی روایات سنی ہیں، مگر بوقت ضرورت کلبی ابوصالح سے لاتعداد روایات بیان کرتا ہے۔ تصانیف میں کلبی کا نام لینا بھی حلال نہیں اس کی روایات سے احتجاج تو در کنار۔''

احمد بن زہیر کا قول ہے کہ میں نے امام احمد بن حنبل سے دریافت کیا۔ ''کلبی کی تفسیر سے استفادہ کرنا حلال ہے یا نہیں؟'' آپ نے فرمایا: ''نہیں۔'' محدث ابوعوانہ کہتے ہیں: ''میں نے کلبی کو یہ کہتے سنا، جبرائیل نبی کریم کو وحی لکھوایا کرتا تھا، جب آپ بیت الخلاء میں داخل ہو جاتے تو جبرائیل سیدنا علی کو وحی لکھواتے۔'' محدث ابن معین یحییٰ بن یعلی سے اور وہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ میں کلبی سے قرآن پڑھا کرتا تھا۔ میں نے اسے یہ کہتے سنا۔ ''ایک مرتبہ میں ایسا بیمار پڑا کہ مجھے سب کچھ بھول گیا۔ میں آل محمد کے پاس گیا اور انھوں نے میرے منہ میں اپنا تھوک ڈالا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو کچھ بھولا تھا دوبارہ مجھے یاد ہو گیا۔'' میں نے یہ سن کر کہا میں آپ سے کوئی روایت بیان نہیں کروں گا۔ چنانچہ میں نے اسے ترک کر دیا۔''

ابو معاویہ کہتے ہیں ''میں نے کلبی کو یہ کہتے سنا: ''میں نے چھ یا سات دن میں قرآن حفظ کیا۔ دوسرا کوئی شخص اتنی جلد قرآن یاد نہیں کر سکتا اور میں ایسی چیز بھولا جس کو کوئی شخص فراموش نہیں کر سکتا۔ میں نے اپنی داڑھی پکڑ کر چاہا کہ اس میں معمولی تخفیف کروں گا مگر میں نے زیادہ کتر ڈالی۔'' یہ ہیں کلبی سبائی کذاب کے بارے میں ائمہ حدیث کے ارشادات عالیہ۔ رافضی مصنف ایسے شخص کی کتاب سے ان صحابہ کے نقائص و معائب پر استدلال کرنا چاہتا ہے جو رسول اللہ کے بعد اس کائنات ارضی پر اللہ کی بہترین مخلوق تھے۔ ان کی عظمت و فضیلت کا یہ عالم ہے کہ اعدائے اسلام بھی ان کے مقام رفیع سے انکار نہیں کر سکتے جو انھیں تاریخ اسلام میں حاصل ہے۔

معائب صحابہ میں قسم اوّل:

پہلی قسم کے وہ معائب ونقائص ہیں جو صریح کذب ہیں یا محرف ہیں اور ان میں کمی بیشی کر کے ان کو ذم وطعن کی شکل دے دی گئی ہے۔شیعہ کے ذکر کردہ اکثر مطاعن اسی قسم سے تعلق رکھتے ہیں جن کے راوی مشہور ومعروف کذاب ہیں۔ مثلاً ابو مخنف لوط بن یحییٰ اور ہشام بن محمد بن سائب کلبی۔ یہی وجہ ہے کہ شیعہ مصنف ہشام کلبی کی تصنیفات سے استشہاد کرتا ہے، حالانکہ وہ اکذب الناس ہے۔ ہشام کلبی شیعہ ہے، یہ اپنے والد اور ابو مخنف دونوں سے روایت کرتا ہے، حالانکہ یہ دونوں متروک الحدیث اور کذاب ہیں۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کلبی کے بارے میں فرماتے ہیں:

’’میں نہیں سمجھتا کہ کوئی شخص کلبی سے روایت کرتا ہو یہ تو صرف ایک داستان گو اور نسّاب تھا۔‘‘

امام دارقطنی فرماتے ہیں: کلبی متروک الحدیث ہے۔

محدث ابن عدی کہتے ہیں: ’’ہشام کلبی افسانہ گو تھا۔ مسند احمد میں اس سے کوئی حدیث مروی نہیں۔اس کا باپ بھی کذاب ہے۔‘‘

امام زائدہ ولیث وسلیمان فرماتے ہیں: ’’کلبی کذاب ہے۔‘‘

محدث یحییٰ فرماتے ہیں: ’’کلبی کذاب، ساقط الاحتجاج اور بے کار ہے۔‘‘

محدث ابن حبان فرماتے ہیں: ’’کلبی کا کاذب ہونا عیاں راچہ بیاں‘‘ کا مصداق ہے۔

معائب صحابہ کی دوسری قسم:

صحابہ پر دوسری قسم کے وہ اعتراضات ہیں جو بجائے خود صحیح ہیں، مگر صحابہ کے عذرات کی بنا پر ان کو گناہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ بلکہ وہ اجتہادی غلطی کی قسم کی چیز ہیں جس کے درست ہونے کی صورت میں دو اجر ملتے ہیں۔اور غلط ہونے کی صورت میں ایک اجر۔ خلفاء راشدین کے بارے میں جو اعتراضات کیے جاتے ہیں وہ اسی قسم سے تعلق رکھتے ہیں، تاہم اگر بفرض محال ان میں سے کسی چیز کے بارے میں ثابت بھی ہو جائے کہ وہ گناہ ہے تو اس سے ان کے فضائل ومناقب اور جنتی ہونے پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اس لیے کہ گناہ کی سزا متعدد اسباب کی بنا پر آخرت میں ٹل بھی جاتی ہے۔ وہ اسباب یہ ہیں:

۱۔ توبہ گناہوں کو محو کر دیتی ہے۔شیعہ کے بارہ اماموں کے بارے میں ثابت ہے کہ انھوں نے اپنے گناہوں سے توبہ کی تھی۔

۲۔ اعمال صالحہ گناہوں کو ملیا میٹ کر دیتے ہیں۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ﴾

(سورۂ نساء: ۴/۳۱)

''اگر تم کبائر سے بچو گے تو ہم تمہارے چھوٹے گناہ معاف کر دیں گے۔''

۳۔ مصائب و آلام بھی گناہوں کا کفارہ بن جاتے ہیں اور ان سے گناہوں کا ازالہ ہو جاتا ہے۔

۴۔ مومنوں کی دعا سے بھی گناہوں کا ازالہ ہو جاتا ہے۔

۵۔ انبیاء کی شفاعت سے بھی گناہ دور ہو جاتے ہیں۔

بہر کیف جن اسباب و وجوہ کی بنا پر افراد امت میں سے کسی کے گناہ کو معاف کیا جا سکتا اور اس کی سزا کا ازالہ ممکن ہے۔صحابہ ان سب سے زیادہ اس امر کے مستحق ہیں کہ ان سے ذم و عتاب کو دور کیا جائے اور ان کے گناہوں کو معاف کیا جائے۔ہم اس ضمن میں صحابہ اور دیگر افراد امت کے لیے ایک جامع قاعدہ ذکر کرتے ہیں۔

قاعدہ جامعہ:

عدل و انصاف کے تقاضوں کو ملحوظ رکھنے کے لیے بنی نوع انسان کے پاس کچھ قواعد کلیہ ہوتے ہیں جن پر رکھ کر جزئیات کو جانچا پرکھا جاتا ہے۔پھر جزئیات کو پہچانا جاتا ہے۔اگر ایسا نہ ہوتا تو انسان جزئیات سے بے بہرہ رہتا اور کلیات کے بارے میں جہل و ظلم کا شکار ہو جاتا۔جس سے عظیم فساد رونما ہوتا۔علماء نے مجتہدین کے خطاء و صواب اور تاثیم یا عدم تاثیم کے بارے میں گفتگو کی ہے۔اس ضمن میں بیش قیمت قواعد نافعہ بیان کرتے ہیں۔

اصل اوّل:

کیا مجتہد کے لیے یہ ممکن ہے کہ اپنے اجتہاد کے بل بوتے پر معلوم کر لے کہ فلاں متنازع مسئلہ حق ہے۔؟ اور اگر یہ ممکن نہیں اور مجتہد انتہائی سعی و جہد کے باوجود حق کو نہ پا سکے اور کہے کہ میرے علم کی حد تک یہ حق ہے، حالانکہ وہ حق نہ ہو تو کیا اسے سزا دی جائے گی یا نہیں؟ یہ مسئلہ ہذا کی اساس و

اصل ہے۔علماء کے اس میں تین اقوال ہیں۔ ہر قول کو ایک جماعت نے اختیار کیا ہے۔

پہلا قول:

اللہ تعالیٰ نے ہر مسئلہ میں حق کی ایک دلیل مقرر کر رکھی ہے۔ جو شخص کما حقہ جہد و کاوش سے کام لیتا ہے وہ حق کو پا لیتا ہے، بخلاف ازیں جو شخص کسی اصولی یا فروعی مسئلہ میں حق کو معلوم کرنے سے قاصر رہتا ہے، اس کی وجہ اس کا تساہل و تغافل ہے۔ قدریہ و معتزلہ یہی نظریہ رکھتے ہیں۔ متکلمین کا ایک گروہ بھی اسی کا قائل ہے۔

دوسرا قول:

دوسرا قول یہ ہے کہ مجتہد بعض اوقات حق کی معرفت حاصل کر سکتا ہے اور بعض اوقات نہیں۔ بصورت عجز اللہ تعالیٰ بعض اوقات اس کو سزا دیتے ہیں اور بعض اوقات نہیں۔ یہ جہمیہ و اشاعرہ کا مذہب ہے اور مذاہب اربعہ کے اکثر اتباع بھی یہی نظریہ رکھتے ہیں۔

تیسرا قول:

تیسرا قول یہ ہے کہ ہر مجتہد حق کو معلوم کرنے پر قادر نہیں اور نہ ہی وعید کا مستحق ہے۔ بخلاف ازیں وہی مجتہد وعید کا مستحق ہوگا جو کسی فعل مامور کو ترک کر دے یا فعل محظور کا مرتکب ہو۔ یہ فقہاء ائمہ کا قول ہے،سلف صالحین اور جمہور اہل اسلام اسی کے قائل ہیں پہلے دونوں اقوال میں جو صحیح بات پائی جاتی ہے۔ یہ قول ان کا جامع ہے۔

اصل ثانی:

اصل ثانی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں اسی شخص کو سزا دے گا جو ترک مامور یا فعل محظور کی بنا پر اللہ کی نافرمانی کرے۔ سلف صالحین و جمہور کا زاویہ نگاہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ لہٰذا وجوب قدرت کے ساتھ مشروط ہے اور سزا صرف ترک مامور اور فعل محظور کی صورت میں ملے گی۔

ہم قبل ازیں وعد و عید اور ثواب و عقاب کے بارے میں یہ بیان کر چکے ہیں کہ گناہ گار کی سزا دس اسباب کی بنا پر معاف کی جا سکتی ہے، جب سزا کی معافی امت کے سب گناہ گاروں کے لیے ہے خواہ وہ مجتہد ہوں یا کوئی اور گناہ گار تو اصحاب رسول کی سزا کیوں کر معاف نہیں کی جائے گی؟ اس پر

طرّہ یہ کہ جب بعد میں آنے والے مجتہدین سے ذم وعقاب کا ازالہ ممکن ہے تو سابقین اوّلین، مہاجرین وانصار بالاولیٰ اس رعایت کا استحقاق رکھتے ہیں۔

ہم اس پر کھل کر گفتگو کرنا چاہتے ہیں، یہ امر قابل غور ہے کہ جو روافض وغیرہ خلفائے رشدین و صحابہ کرام کی گستاخی کا ارتکاب کرتے ہیں یہ ان کی ناموس وآبرو پر حملہ ہے۔ لہٰذا اس کا تعلق حقوق اللہ وحقوق العباد دونوں سے ہے۔ یہ ایک بدیہی بات ہے کہ جب ہم صحابہ کے سوا سلاطین وملوک اور علماء ومشائخ کو موضوع سخن بناتے ہیں تو اس وقت جہل وظلم کے علی الرغم علم وعدل کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہیں، اس لیے کہ عدل ہر شخص کے لیے ہر حال میں ضروری ہے اور ظلم مطلقاً حرام ہے، کسی صورت میں مباح نہیں۔ جیسے فرمان باری تعالیٰ ہے۔

''کسی قوم کی عداوت تمھیں اس بات پر آمادہ نہ کردے کہ تم عدل نہ کرسکو۔ عدل کیجیے کیوں کہ وہ تقویٰ سے قریب تر ہے۔'' (سورۂ مائدہ: ۸)

جو بغض حکم الٰہی کے مطابق ضروری ہے، جب اس میں بھی مبغوض پر ظلم کرنے کی ممانعت ہے تو تاویل یا شبہ کی آڑ لینے والا مسلمان اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ اس سے انصاف کیا جائے اور اسے تختۂ مشق ستم نہ بنایا جائے۔

اصحاب رسول سب لوگوں کی نسبت اس بات کا زیادہ حق رکھتے ہیں کہ قول وعمل میں ان کے ساتھ انصاف برتا جائے۔ عدل اور اصحابِ عدل بالاتفاق مدح وستائش کے لائق ہیں اور ظلم واہل ظلم بالاتفاق قابل مذمت ہیں۔ مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ عدل وانصاف کے تقاضا کے مطابق فیصلہ صادر کرنا ہر زمان ومکان میں ہر شخص پر ہر ایک کے لیے واجب ہے خصوصاً شریعت محمدی کی روشنی میں حکم صادر کرنا ایک خاص قسم کا عدل ہے جو عدل کے جملہ انواع سے اکمل واحسن ہے۔ یہ فیصلہ نبی کے لیے بھی ضروری ہے اور اتباع نبی کے لیے بھی۔ اس کی پابندی نہ کرنے والا یقیناً کافر ہے، ایسا فیصلہ امت کے جملہ متنازعہ امور میں ضروری ہے خواہ وہ اعتقادی ہوں یا عملی۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ﴾ (النساء: ۴/ ۵۹)

''اگر کسی بات میں تمہارے یہاں تنازع بپا ہو جائے تو اسے اللہ و رسول کی طرف لوٹاؤ۔''

امت کے درمیان جملہ امور مشترکہ میں کتاب وسنت کا فیصلہ ناطق ہوگا نہ کہ کسی عالم وامیر یا شیخ وسلطان کا۔

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں:

''قاضی تین قسم کے ہوتے ہیں، دو قاضی دوزخی اور ایک جنتی ہوگا۔''

۱۔ جو قاضی حق کو معلوم کرکے اس کے مطابق فیصلہ کرے وہ جنت میں جائے گا۔

۲۔ جو قاضی حق کو جاننے کے باوجود اس کے برخلاف فیصلہ کرے وہ جہنمی ہوگا

۳۔ جو جہالت کے باوجود لوگوں کا فیصلہ کرے وہ دوزخ میں جائے گا۔ [1]

جب کوئی شخص علم وعدل کی روشنی میں فیصلہ کرے اور اس کا اجتہاد مبنی بر صواب ہو تو اسے دو اجر ملیں گے اور اگر اس کا اجتہاد درست نہ ہو تو وہ ایک اجر کا مستحق ہے۔ [2]

جب دوسرے لوگوں کے باہمی معاملات میں عدل کو یہ اہمیت حاصل ہے تو صحابہ دوسروں کی نسبت عدل وانصاف کیے جانے کا زیادہ حق رکھتے ہیں۔ روافض نے حضرات صحابہ کے بارے میں دو عملی اور تفرق کا رویہ اختیار کر رکھا ہے۔ چنانچہ وہ بعض صحابہ سے غلوّ کی حد تک محبت ومودّت روا رکھتے ہیں۔ اور بعض کے ساتھ انتہائی بغض وعناد کا مظاہرہ کرتے ہیں یہ وہ تفرق وانقسام ہے جس سے اللہ و رسول نے منع فرمایا ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَ كَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِیْ شَیْءٍ﴾

(سورۂ انعام:۶/۱۵۹)

جن لوگوں نے دین میں تفریق پیدا کی اور فرقوں میں بٹ گئے آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔''

نیز فرمایا:

---

[1] سنن ابی داؤد۔ کتاب الأقضية، باب فی القاضی یخطئ(حدیث:۳۵۷۳)، سنن ابن ماجة، کتاب الاحکام۔ باب الحاکم یجتهد فیصیب الحق(حدیث:۲۳۱۵)

[2] صحیح بخاری، کتاب الاعتصام باب اجر الحاکم اذا اجتهد ......" (حدیث: ۷۳۵۲)، صحیح مسلم، کتاب الاقضية، باب بیان اجر الحاکم اذا اجتهد (حدیث: ۱۷۱۶)

﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا﴾(آل عمران:۳/۱۰۵)

''ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو فرقوں میں بٹ گئے اور جنھوں نے اختلاف پیدا کیا۔''

صحیح مسلم میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ تین باتوں کو پسند کرتے ہیں:

(۱) اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔

(۲) قرآن کو مضبوطی سے تھام لو اور فرقے نہ بنو۔

(۳) اپنے حکّام وولاۃ کی خیر خواہی کرو۔'' ❶

اللہ تعالیٰ نے زندہ اور مردہ مسلمانوں پر ظلم کرنے کو حرام قرار دیا ہے۔ اسی طرح ان کا خون، ان کا مال اور ان کی آبرو بھی حرام ہے۔ بخاری و مسلم میں نبی کریم سے مروی ہے کہ آپ نے حجۃ الوداع کا خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

''اس میں شبہ نہیں کہ مسلمانوں کا خون، ان کا مال اور ان کی آبرو اسی طرح حرام ہے، جیسے اس دن کی حرمت تمہارے اس مہینہ اور تمہارے اس شہر میں۔ گواہ رہو کہ میں نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا۔ جو لوگ موجود ہیں وہ ان لوگوں تک یہ احکام پہنچا دیں، جو موجود نہیں ہیں، اس لیے کہ جن لوگوں تک یہ احکام پہنچیں گے ان میں سے بعض ان لوگوں سے بھی ان احکام کو زیادہ یاد رکھیں گے جنھوں نے براہِ راست یہ مسائل مجھ سے سنے۔'' ❷

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''جو لوگ مومن مرد اور عورتوں کو بلا وجہ ایذا دیتے ہیں انھوں نے ایک عظیم بہتان اور ظاہر گناہ کمایا۔'' (احزاب:۵۸)

جو شخص کسی زندہ یا مردہ مومن کو دکھ پہنچائے گا وہ اس آیت کا مصداق ہوگا۔ البتہ مجتہد پر کوئی گناہ نہ ہوگا، جب کسی نے مومن کو اذیت پہنچائی تو یہ بلا وجہ اور بلا استحقاق ہی ہوگی۔ جو شخص گناہ گار ہو

---

❶ صحیح مسلم، کتاب الاقضیة، باب النهی عن کثرة المسائل......" (حدیث:۱۷۱۵)، مسند احمد(۲/۳۲۷، ۳۶۰)

❷ صحیح بخاری، کتاب الحج ، باب خطبة ایام منی(حدیث:۱۷۴۱)، صحیح مسلم ۔ کتاب القسامة ، باب تغلیظ تحریم الدماء(حدیث:۱۶۷۹)

اور گناہ سے توبہ کر چکا ہو یا کسی اور وجہ سے اس کا گناہ بخشا گیا ہو اس کے باوجود کوئی شخص اسے تکلیف پہنچائے تو یہ ایذا ابلا استحقاق ہوگی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ لَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا﴾ (حجرات: ۱۲/۳۹)

''ایک دوسرے کی چغلی مت کھاؤ۔''

احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ نبی کریم نے فرمایا:

''غیبت کے معنی یہ ہیں کہ تم اپنے مسلمان بھائی کا ذکر ایسے انداز میں کرو کہ وہ اسے ناپسند کرے۔ آپ سے دریافت کیا گیا اگر اس میں وہ عیب موجود ہو تب بھی اس کا ذکر کرنا مناسب نہیں؟ فرمایا: ''اگر اس میں وہ عیب موجود ہو پھر تو غیبت ہے اور اگر موجود نہ ہو تو یہ بہتان ہے''[1]

اس حدیث سے مستفاد ہوتا ہے کہ کسی میں ایسا عیب ثابت کرنا جو فی الواقع اس میں نہ ہو بہتان کہلاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ صحابہ پر ایسا بہتان لگانا کس قدر مذموم ہوگا۔ جو شخص کسی مجتہد کے بارے میں کہے کہ اس نے دانستہ ظلم کیا یا دانستہ کتاب و سنت کی خلاف ورزی کی حالانکہ ایسا نہ ہو تو یہ بہتان ہے ورنہ غیبت۔

البتہ غیبت کی وہ قسم مباح ہے جسے اللہ و رسول نے روا کیا ہو۔ غیبت مباح وہ ہے جو قصاص و عدل کے طور پر ہو یا اس میں کوئی دینی یا دنیوی مصلحت مضمر ہو۔ مثلاً مذموم کہے کہ فلاں شخص نے مجھے مارا یا میرا مال لے لیا یا میرا حق غصب کر لیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ﴾

(سورۂ نساء: ۱٤۸/٤)

''اللہ تعالیٰ اونچی آواز سے بری بات کہنے کو پسند نہیں کرتے البتہ مظلوم ایسا کر سکتا ہے۔''

مذکورہ صدر آیت کریمہ اس شخص کے بارے میں نازل ہوئی جو کسی قوم کے پاس مہمان ٹھہرا اور انھوں نے حق مہمانی ادا نہ کیا۔[2] اس لیے کہ مہمانی حدیث نبوی کی رو سے واجب ہے[3] جب انھوں

---

[1] صحیح مسلم، کتاب البر والصلة، باب تحریم الغیبة (حدیث: ۲۵۸۹)

[2] تفسیر ابن کثیر (ص: ۳۷۲)

[3] صحیح بخاری، کتاب الادب، باب اکرام الضیف (حدیث: ٦۱۳۷)، صحیح مسلم، کتاب اللقطة، باب الضیافة و نحوھا (حدیث: ۱۷۲۷)

نے اداء واجب میں تساہل کا ارتکاب کیا تو مہمان ان کی کوتاہی کا تذکرہ کرسکتا ہے۔

احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ ہند بنت عتبہ نے بارگاہ نبوی میں حاضر ہوکر شکایت کی کہ میرا خاوند ابوسفیان کنجوس آدمی ہے اور مجھے اتنا نان ونفقہ نہیں دیتا جس سے میری اور میرے بچوں کی بسر اوقات ہوسکے تو کیا مجھے اس کے مال سے کچھ لینے کی اجازت ہے؟ آپ نے فرمایا: ''ہاں اتنا مال لے سکتی ہو جو تیرے اور تیرے بچوں کے لیے کافی ہو۔'' ❶

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم نے ہند کو شکایت کرنے سے نہ روکا تھا یہ فریاد مظلوم کی مثال ہے۔

خیر خواہی کے لیے غیبت کی مثال یہ حدیث ہے کہ چند آدمیوں نے فاطمہ بنت قیس کو نکاح کا پیغام دیا تھا۔ انھوں نے جب اس ضمن میں نبی کریم سے مشورہ دریافت کیا تو آپ نے فرمایا۔ ''معاویہ ایک مفلس آدمی ہے اور ابوجہم عورتوں کو پیٹنے کا خوگر ہے، لہٰذا تم اسامہ سے نکاح باندھ لو۔'' ❷

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فاطمہ بنت قیس نے جب خاوند کے بارے میں مشورہ طلب کیا تو آپ نے اس کو مشورہ دے دیا۔ یہ خیر خواہی کے نقطہ خیال سے تھا اور خیر خواہی ایک ضروری امر ہے، نبی کریم نے حدیث صحیح میں تین مرتبہ فرمایا: ''دین خیر خواہی کا دوسرا نام ہے۔'' لوگوں نے دریافت کیا، اے اللہ کے نبی! کس کی خیر خواہی؟ فرمایا: ''اللہ کی خیر خواہی، رسول کی خیر خواہی اور مسلم حکام اور عوام سے ہمدردی۔'' ❸

جو شخص نبی کریم کی حدیث بیان کرنے میں غلطی کرتا ہو یا دانستہ نبی کریم یا کسی عالم پر جھوٹ باندھتا ہو یا دین کے عملی واقتصادی مسائل میں غلط رائے کا اظہار کرتا ہو تو ایسے شخص پر علم وعدل اور خیر خواہی کی نیت سے نقد وجرح کرنے والا اللہ کے نزدیک ماجور ہوگا۔ خصوصاً جب کہ وہ شخص بدعت کی طرف دعوت دیتا ہو تو لوگوں کو اس کی غلطی سے آگاہ کرنا اور اس کے شر کو روکنا ڈاکو اور راہ زنوں کے شر

---

❶ صحیح بخاری، کتاب النفقات، باب نفقة المرأة اذا غاب عنها زوجها (حدیث: ٥٣٥٩)، صحیح مسلم ، کتاب الأقضیة۔ باب قضیة هند (حدیث: ١٧١٤)

❷ صحیح مسلم، کتاب الطلاق، باب المطلقة البائن لا نفقة لها، (حدیث: ١٤٨٠)

❸ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان ان الدین النصیحة(حدیث: ٥٥)

کو روکنے سے بھی زیادہ ضروری ہے۔
جو شخص علمی و دینی مسائل پر اپنے اجتہاد سے اظہار خیال کرتا ہے وہ مجتہد کا حکم رکھتا ہے وہ مخطی بھی ہوسکتا ہے اور مصیب بھی۔ بعض اوقات زبان وقلم یا شمشیر وسنان کے ساتھ اختلاف کرنے والے دونوں اشخاص مجتہد ہوتے ہیں اور اپنے آپ کو حق پر سمجھتے ہیں، بعض دفعہ وہ دونوں خطا پر ہوتے ہیں مگر ان کو بخش دیا جاتا ہے، جیسا کہ ہم صحابہ کے باہمی تنازعات کے بارے میں بیان کر چکے ہیں، یہی جہ ہے کہ مشاجرات صحابہ وتابعین پر اظہار خیال ممنوع ہے۔
جب دو مسلمان کسی بات میں جھگڑ پڑیں اور وہ معاملہ رفت گزشت ہو جائے اور لوگوں کا اس سے کچھ تعلق نہ ہو اور نہ وہ اس کی حقیقت سے آگاہ ہوں تو اس پر اظہار رائے کرنا بلاعلم وعدل ہوگا جس سے انھیں بلا وجہ ایذا پہنچے گی اور اگر لوگ جانتے ہوں کہ وہ دونوں گناہ گار یا خطا کار تھے تو بلا مصلحت اس کا ذکر کرنا بدترین قسم کی غیبت ہے، چونکہ صحابہ کی عزت وحرمت اور ناموس و آبرو دوسرے لوگوں کی نسبت بہت زیادہ ہے اور ان کے فضائل ومناقب احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں، اس لیے ان کے باہمی تنازعات کو موضوع گفتگو بنانا دوسرے لوگوں کی مذمت بیان کرنے کی نسبت بہت بڑا گناہ ہے۔
اگر سوال کیا جائے کہ اہل سنت روافض کو برا بھلا کہتے ہیں اور ان کے عیوب و نقائص بیان کرتے ہیں تو یہ ان کے لیے کیوں کر روا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کسی متعین آدمی کا نام لے کر اس کی مذمت بیان کرنا اور ہے، اور کسی گروہ کی مذمت بحیثیت گروہ چیزے دیگر، نبی کریم سے ثابت ہے کہ آپ نے بعض گروہوں پر لعنت فرمائی۔[1] اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:
﴿لَعۡنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيۡنَ﴾ (اعراف: ۷/ ٤٤)
کتاب وسنت بدکردار لوگوں اور ان کے افعال کی قباحت و مذمت سے لبریز ہیں۔ جس کا مقصد اس فعل شنیع سے باز رکھنا اور یہ بتانا ہے کہ اس کا ارتکاب کرنے والا وعید شدید کا مستوجب ہوگا۔
علاوہ ازیں جس گناہ کو آدمی گناہ تصور کرتا ہے، اس سے تائب ہو جاتا ہے، مگر مبتدعین مثلاً خوارج ونواصب جنھوں نے مسلمانوں میں بغض وعداوت کا دروازہ کھولا اپنے آپ کو حق پر سمجھتے ہیں

[1] صحیح بخاری۔ کتاب الأذان، باب(۱۲٦)، (حدیث:۷۹۷،۸۰٤،٤٥٦۰)، صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب استحباب القنوت فی جمیع الصلوات (حدیث: ٦۷٥، ٦۷٦)

اور جو لوگ ان کی ایجاد کردہ بدعت میں ان کے ہم نوا نہیں ہوتے ان کی تکفیر کرتے ہیں، بنا بریں ان سے مسلمانوں کو ان ظالموں کی نسبت زیادہ ضرر لاحق ہوسکتا ہے جو حرام سمجھتے ہوئے ظلم کا ارتکاب کرتے ہیں۔

روافض خوارج سے بھی بڑے مبتدع ہیں، اس لیے کہ یہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی تکفیر کرتے ہیں جس کی جسارت خوارج بھی نہ کر سکے۔ مزید براں یہ نبی کریم اور صحابہ کے بارے میں دوروغ گوئی سے کام لیتے ہیں۔ خوارج جھوٹ نہیں بولتے تھے بلکہ وہ شیعہ کی نسبت زیادہ سچے، زیادہ بہادر اور عہد کے پابند ہوا کرتے تھے۔ خوارج مرد میدان اور بڑے جنگجو تھے، جب کہ ان کے مقابلہ میں رافضی نہایت جھوٹے، حد درجہ بزدل، بے عہد اور نہایت ذلیل ہوا کرتے تھے، شیعہ مسلمانوں کے مقابلہ میں کفار تک سے مدد لینے سے گریز نہیں کرتے۔ جیسا کہ چنگیز خاں کے زمانہ میں ہوا۔ جب شیعہ نے اس کی مدد کی۔ جب چنگیز خاں کا پوتا ہلاکو خاں خراسان اور عراق و شام کے علاقہ میں آیا تو شیعہ نے علانیہ اس کی مدد کی، یہ تاریخ کا مشہور واقعہ ہے اور کسی کو اس سے مجال انکار نہیں۔ [1]

---

[1] شہرہ آفاق شیعہ مورخ مرزا محمد باقر خوانساری نے اپنی کتاب روضات الجنات طبع ثانی کے صفحہ ۵۷۸، پر نصیر الدین طوسی کے ترجمہ میں لکھا ہے۔ خواجہ نصیر الدین کی زندگی کا مشہور ترین واقعہ یہ ہے کہ وہ عظیم تاتاری سلطان اور اپنے دَور کے پر شوکت وحشمت فاتح ہلاکو خاں بن تولی خاں بن چنگیز خان کی ملاقات کے لیے ایران پہنچا اور پھر وہاں سے اس کے موید و منصور لشکر کی معیت میں ارشاد عباد، اصلاح بلاد اور قطع فساد کے لیے بغداد پہنچا۔ اس کا مقصد بنی عباس کی حکومت کو ختم کرنا اور ان کے اتباع کو صفحہ ہستی سے مٹانا تھا۔ چنانچہ خواجہ طوسی اپنے مقصد میں کامیاب ہوا اور بغداد میں عباسیوں کے ناپاک خون کی ندیاں بہادیں۔''

مذکورہ بالا اقتباس میں شیعہ مورخ نے شیخ روافض خواجہ طوسی کے مشہور سفاک ہلاکو خاں کے یہاں آنے کو ارشاداً للعباد و اصلاحاً للبلاد قرار دیا ہے۔ وہ خود اعتراف کرتا ہے کہ اس آمد کا مقصد وحید یہ تھا کہ سب سے بڑے اسلامی دارالخلافہ میں خون کی ندیاں بہا دی جائیں۔ مرزا محمد باقر اس بات پر فخر و مباہات کا اظہار کرتا ہے کہ ہلاکو خاں نے سفا کی و خونریزی کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ بلکہ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ جو مسلمان اس کی سفا کی کا شکار ہوئے وہ سب جہنمی ہیں، اس کا مطلب یہ ہوا کہ بت پرست ہلاکو اور اس کا رافضی ہادی و مرشد خواجہ طوسی دونوں قطعی جنتی ہیں۔ اس سے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے بیان کی صداقت واضح ہوتی ہے۔ ہم قبل ازیں شیعہ مورخ کے قول کی جانب اشارہ کر چکے ہیں، اب ضرورت کے پیش نظر تفصیلاً اس کا اقتباس نقل کیا گیا ہے۔

خلیفہ بغداد کا وزیر ابن العلقمی ❶ بھی شیعہ تھا'' وہ ہمیشہ خلیفہ اور مسلمانوں کو نقصان پہنچاتا

---

❶ اس کا نام محمد بن احمد بغدادی ہے۔ یہ ابن العلقمی کے نام سے مشہور تھا۔ یہ ۶۵۶ھ میں فوت ہوا۔ نوجوانی میں یہ شیعہ ادباء میں شمار ہوتا تھا۔ اہل سنت نے اس کے بارے میں تساہل سے کام لیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ مناصب جلیلہ طے کرتے کرتے خلافت عباسیہ میں وزارت کے عہدہ تک پہنچا اور چودہ سال تک اس پر فائز رہا۔ آخری عباسی خلیفہ المستعصم نے ابن العلقمی پر اس قدر اعتماد کیا کہ جملہ امور سلطنت اسے تفویض کر دیے۔ جب صنم پرست ہلاکو خاں کا لشکر بلاد ایران میں داخل ہوا تو ابن العلقمی نے اسے بغداد پر حملہ کرنے کے لیے آمادہ کیا، ابن العلقمی کو امید تھی کہ خلافت عباسیہ کے سقوط کے بعد ہلاکو خاں کسی شیعہ کو امام یا خلیفہ مقرر کرے گا۔ ہلاکو خاں قوم تاتار کرج اور یاجوج ماجوج کے دو لاکھ سپاہیوں کو لے کر بغداد پر حملہ آور ہوا۔ ابن العلقمی نے خلیفہ المستعصم کو دھوکہ دے کر ہلاکو خاں کے کام کو بڑی حد تک آسان کر دیا۔ جب ہلاکو نے اپنی فوج کو بغداد کی شرقی و غربی جانب اتار دیا۔ ابن العلقمی نے خلیفہ سے صلح کی سلسلہ جنبانی کے لیے خلیفہ سے ہلاکو خاں کو ملنے کی اجازت مانگی، جب ابن العلقمی ہلاکو کو اپنی وفا شعاری اور خلافت عباسیہ سے خیانت کاری کا یقین دلا چکا تو خلیفہ کے پاس لوٹ کر واپس آیا اور کہنے لگا، ہلاکو اپنی بیٹی کا نکاح خلیفہ کے بیٹے ابوبکر سے کرنا چاہتا ہے۔ نیز ہلاکو کی خواہش ہے کہ وہ سلجوق سلاطین کی طرح خلیفہ کے زیر اثر رہے۔ خلیفہ علماء و رؤسا اور اعیان حکومت کی معیت میں بزعم خود اپنے بیٹے کو بیاہنے کے لیے ہلاکو کی جانب چل دیا۔

جب لوگ خلیفہ کی رفاقت میں ہلاکو کے یہاں پہنچے تو اس نے سب کو تہ تیغ کرنے کا حکم دیا پھر یاجوج ماجوج کے لشکر نے شہر میں داخل ہو کر قتل عام کا بازار گرم کیا۔ مسلسل چالیس دن تک قتل و غارت جاری رہا۔ کہا گیا ہے کہ ہلاکو نے جب مقتولوں کو شمار کرنے کا حکم دیا تو وہ دس لاکھ اسی ہزار نکلے۔ جو مقتول شمار نہ کیے جا سکے ان کی تعداد اس سے کئی گنا زائد تھی۔

دشمن اللہ ابن العلقمی اپنے مقاصد میں ناکام رہا اور شیعہ حکومت قائم کرنے سے متعلق اس کی آرزو بر نہ آئی۔ خیانت پیشہ لوگ ہمیشہ ناکامی کا منہ دیکھا کرتے ہیں، اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں۔ ہلاکو اسے حقیر سمجھنے لگا اور اس کی حیثیت تاتاریوں میں ایک غلام سے زیادہ نہ تھی بعد ازاں ابن العلقمی یہ مصرعہ گنگنایا کرتا تھا:

وَ جَرَی الْقَضاءُ بِعَکْسِ مَا اَقَلْتُہٗ

(تدبیر کند بندہ تقدیر کند خندہ)

رہا۔اس کی ہمیشہ یہ کوشش ہوتی تھی کہ مسلمانوں کو زک پہنچے۔ضرر رسانی کے لیے وہ طرح طرح کے حیلے اختیار کیا کرتا تھا۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کافر تاتاری بغداد میں داخل ہو گئے اور انھوں نے لاکھوں مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا، اسلام میں تاتاری کفار کی جنگ سے بڑھ کر کوئی لڑائی نہیں لڑی گئی۔تاتاریوں نے ہاشمیوں کو تہ تیغ کر کے عباسی اور غیر عباسی سب خواتین کو قیدی بنا لیا۔غور کرنے کا مقام ہے کہ جو شخص کفار کو مسلمانوں پر مسلط کر کے انھیں قتل کرتا اور مسلم مستورات کو قیدی بنانے میں مدد دیتا ہے ایسا شخص محبّ آل رسول ہوسکتا ہے؟

شیعہ حجاج ثقفی پر یہ بہتان لگاتے ہیں کہ اس نے خاندانی لوگوں کو موت کے گھاٹ اتارا۔ حالانکہ سفاک ہونے کے باوصف حجاج نے کسی ہاشمی کو قتل نہیں کیا تھا۔ البتہ بنی ہاشم کے علاوہ دیگر عرب شرفاء کو اس نے ضرور قتل کیا تھا۔حجاج نے ایک ہاشمی خاتون بنت عبداللہ بن جعفر سے نکاح کیا تھا، مگر بنوامیہ نے مجبور کر کے بدیں وجہ تفریق کرا دی کہ حجاج ایک شریف ہاشمی خاتون کا کفو نہیں ہوسکتا۔

اس میں شبہ نہیں کہ رافضیوں میں خال خال کچھ عابد و زاہد لوگ بھی پائے جاتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ ان کا معاملہ دیگر مبتدعین اور اہل الاہواء سے یکسر مختلف ہے معتزلہ شیعہ کے مقابلہ میں زیادہ دانش مند زیادہ دین دار اور ان سے بڑھ کر عالم ہوا کرتے ہیں، کذب و فجور بھی معتزلہ میں روافض کی نسبت کم ہے۔شیعہ کا فرقہ زیدیہ نسبتاً بہتر اور علم و عدل سے قریب تر ہے۔اہل بدعت میں خوارج سب سے زیادہ سچے اور عبادت گزار ہوا کرتے ہیں۔

بایں ہمہ اہل سنت سب فرقوں کے ساتھ یکساں طور پر عدل و انصاف کا برتاؤ کرتے ہیں اور کسی پر بھی ظلم نہیں ڈھاتے۔ کیوں کہ ظلم مطلقاً حرام ہے۔اہل سنت کے عدل و انصاف کی حد یہ ہے کہ وہ روافض سے بہ حیثیت مجموعی جو سلوک روا رکھتے ہیں، وہ اس سلوک سے بدرجہا بہتر ہے جو شیعہ کے بعض فرقے دوسرے فرقوں سے روا رکھتے ہیں۔لطف یہ ہے کہ روافض خود بھی اس کے معترف ہیں۔ اس کی وجہ رہے کہ روافض کے مختلف فرقوں کا یہ اشتراک ظلم و جہل پر مبنی ہے اور وہ مسلمانوں پر ظلم و ستم

پھر افسردگی کی حالت میں جہنم واصل ہوا۔ بت پرست تاتار کے ہاتھوں مسلمان جس عظیم حادثہ سے دو چار ہوئے، شیعہ مورخ بڑے فخر یہ انداز میں اس کا ذکر کرتا ہے، جو اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ شیعہ مسلمانوں کے مقابلہ میں کفار کا ساتھ دینے کے خوگر ہیں اور مسلمانوں کو بغض و عناد کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے۔''

ڈھانے میں ایک دوسرے کے ہم نوا ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ عدل وانصاف کا خوگر مسلمان شیعہ کے ساتھ جس عدل انصاف کے ساتھ کام لے سکتا ہے وہ آپس میں ہرگز ایسا نہیں کر سکیں گے۔ (کیوں کہ ظلم وجور ان کی فطرت بن چکا ہے)

خوارج اہل سنت کی تکفیر کرتے ہیں، اسی طرح اکثر معتزلہ و روافض بھی اپنے مخالفین کو مسلمان قرار نہیں دیتے، یا کم از کم ان کی تفسیق کرتے ہیں۔ اکثر مبتدعین کا عام انداز یہ ہے کہ وہ ایک رائے کو تصنیف کرتے ہیں اور پھر اس کی مخالفت کرنے والے پر کفر کا فتویٰ عائد کرتے ہیں، بخلاف ازیں اہل سنت حق کی پیروی کرتے ہیں اور مخالفین کو کافر نہیں ٹھہراتے، بلکہ وہ سب سے زیادہ حق کی واقفیت رکھتے ہیں اور مخلوقات پر سب سے زیادہ رحم کرنے والے بھی وہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ (آل عمران:۳/۱۱۰)

''تم بہترین امت ہو جسے لوگوں کی بہبود کے لیے پیدا کیا گیا ہے''

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''تم لوگوں کے حق میں سب سے زیادہ مفید ہو۔''[1]

چونکہ اہل سنت سب لوگوں سے چیدہ برگزیدہ ہیں اس لیے وہ صحیح معنی میں اس آیت کے مصداق ہیں۔

سب لوگ جانتے ہیں کہ ساحل شام پر ایک بڑا پہاڑ تھا۔[2] جس پر ہزاروں شیعہ بود و باش

---

[1] صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ آل عمران۔ باب ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ (حدیث:٤٥٥٧)

[2] اس پہاڑ کا نام الجرود کیردان تھا۔ جب غازان نامی بادشاہ دمشق پر حملہ آور ہوا تو اس پہاڑ کے باشندوں اور ان شیعہ نے جو یہاں سکونت رکھتے تھے اس موقع کو غنیمت خیال کیا۔ چنانچہ تاتاریوں سے شکست کھا کر جو سپاہی یا عام لوگ وہاں سے گزرتے یہ ان کو قتل کر دیتے اور ان کا ساز و سامان اور گھوڑے وغیرہ چھین لیتے۔ انھوں نے برملا اپنے عقائد فاسدہ اور کفر و ضلالت کا اظہار کرنا شروع کر دیا۔ جب اللہ تعالیٰ نے بلاد شام کو تاتار کے ظالمانہ چنگل سے رہائی بخشی تو نائب السلطنت جمال الدین اقوش الافرم دمشق سے لشکر لے کر اس پہاڑ کی جانب روانہ ہوا جیسا کہ البدایہ والنہایہ (۱۲/۱۴) پر لکھا ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لاتعداد اتباع و متعلقین کو لے کر اس پہاڑ کی جانب چل دیے۔ وہاں پہنچے تو بہت سے شیعہ

رکھتے تھے۔ وہ لوگوں کا خون بہاتے اوران کا مال چھین لیا کرتے تھے۔

جس سال ❶ مسلمانوں نے تاتاری بادشاہ غازان کے ہاتھوں شکست کھائی تو اس پہاڑ پر

سردار آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر تائب ہوئے۔ اوراس سے بڑا فائدہ پہنچا۔ شیعہ نے لوٹا ہوا مال سب واپس کردیا اوراسلامی حکومت کے زیرسایہ امن وامان سے رہنے کا عہد باندھا۔ الافرم اورامام ابن تیمیہ کی روانگی کا مذکورہ واقعہ ۲۰ شوال کو پیش آیا اور ۱۳/ ذیقعد ۶۹۹ھ بروز اتوار واپس لوٹے۔

❶ غازان کا حملہ ۶۹۹ھ میں ہوا تھا۔ غازان المتوفی (۶۷۰۔۷۰۳) شیعہ سلطان خدابندہ المتوفی (۶۸۰۔۷۱۶) کا بھائی تھا۔ اسی اللہ بندہ نامی بادشاہ کے لیے ابن المطہر شیعہ نے وہ کتاب لکھی جس کی تردید شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے منہاج السنۃ میں کی ہے۔ شیخ الاسلام نے یہاں جس واقعہ کی جانب اشارہ کیا ہے وہ یہ ہے کہ دمشق ان دنوں حکومت مصر کے تحت تھا۔ مصر پر ان دنوں سلطان الناصر محمد بن قلاوون کی حکومت تھی۔ جس نے المنصور لاجین کو ۶۹۸ھ میں قتل کرکے مقام کرک کی جلاوطنی سے نجات پائی تھی۔ بلادشام میں سلطان مصر کا نائب ان دنوں اقوش الافرم تھا۔ اقوش کا پیشرو سیف الدین قبچق المنصوری ایران میں جاکر تاتاری بادشاہ غازان سے مل گیا تھا۔ ۶۹۸ھ کو یہ خبر پہنچی کہ غازان ایران سے حلب کی جانب پیش قدمی کررہا ہے۔ سلطان مصر محمد بن قلاوون جب اس سے آگاہ ہوا تو وہ ماہ محرم ۶۹۹ھ میں مصر سے غزہ پہنچ کر دو ماہ تک غازان کی نقل وحرکت کا منتظر رہا۔

ماہ ربیع الاول ۶۹۹ھ مطابق دسمبر ۱۲۱۹ء میں سلطان الناصر محمد بن قلاوون شدید سردی کے موسم میں دمشق پہنچا۔ سلطان نے رجال واموال کی فراہمی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی یہاں تک کہ یتیموں کا مال بھی قرض لے لیا۔ آخر کار مورخہ ۲۷/ ربیع الاوّل ۶۹۹ھ وادی سلمیہ میں پہنچ کر تاتاریوں سے ملا، وہاں گھمسان کا رن پڑا۔ سلطان محمد بن قلاوون نے شکست کھائی اور غازان نے آگے بڑھ کر بعلبک پر قبضہ کرلیا۔

دمشق کے امراء وخواص سلطان الناصر کی پیروی میں مصر پہنچے اور دمشق حکام وولاۃ سے خالی رہ گیا۔ ادھر اہل شام نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی خدمت میں حاضر ہوکر التجا کی کہ وہ غازان کے پاس جاکر قوم کے لیے امان طلب کریں۔ شیخ الاسلام نے یہ درخواست قبول کرلی۔ آپ ڈرتے تھے مبادا تاتاری بدعہدی کریں اس لیے آپ نے امراء رجواش کو مل کر تاکید کی کہ قلعہ کے اندرونی انتظامات اچھی طرح مضبوط کیے جائیں اور تاتاریوں کو اسی وقت قلعہ میں داخل ہونے کی اجازت دیں جب وہ ایک ایک پتھر کرکے قلعہ کو مسمار کردیں۔ شیخ الاسلام اہل شام کی رفاقت میں بروز سوموار ۳/ ربیع الاوّل ۶۹۹ھ کو غازان کی ملاقات کے لیے نکلے اور مقام النبک کے نزدیک اس سے ملے۔ شیخ الاسلام نے غازان کے ساتھ بڑے

رہنے والے شیعہ نے مسلمانوں کے گھوڑے، اسلحہ اور قیدیوں کو پکڑ کر کفار اور قبرص کے عیسائیوں کے

موثر اور پر زور طریقے سے بات چیت کی۔ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ (۱۴/ ۷) نیز (۱۴/ ۸۹) پر مشہور صالح و عابد شخص ابو عبداللہ محمد بن البالسی (۶۵۰۔۷۱۸) کی زبانی یہ بات چیت تفصیلاً ذکر کی ہے۔ البالسی ان علماء و قضاۃ میں شامل تھے جو شیخ الاسلام کے ہمراہ غازان سے ملنے گئے تھے۔ البالسی کا بیان ہے کہ شیخ الاسلام نے غازان کو مخاطب کر کے کہا جب کہ ترجمان ساتھ ساتھ آپ کی گفتگو کا ترجمہ کرتا جاتا تھا۔ شیخ نے فرمایا:

''تم اپنے کو مسلمان کہتے ہو۔ میں نے سنا ہے کہ تمہارے ساتھ موذن۔ قاضی اور امام بھی ہیں، پھر تم بلاد اسلامیہ پر کیوں حملہ آور ہوئے؟ تمہارے باپ دادا کافر تھے تاہم معاہدہ کرنے کے بعد انھوں نے اسلامی ممالک پر حملہ نہیں کیا تھا۔ مگر تم نے عہد باندھ کر بدعہدی کی اور اپنی بات کو پورا نہ کیا۔''

ابو عبداللہ البالسی بیان کرتے ہیں کہ شیخ الاسلام نے غازان، قطلوشاہ اور بولائی کے ساتھ جو گفتگو کی اس میں کئی نشیب وفراز آئے۔ مگر شیخ نے حق وصداقت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا اور نہ اللہ کے سوا کسی سے ہراساں ہوئے۔ غازان نے ان علماء کو کھانا پیش کیا۔ ابن تیمیہ کے سوا سب نے کھانا کھایا جب آپ سے وجہ پوچھی گئی تو فرمایا۔ میں یہ کھانا کیوں کر کھا سکتا ہوں؟ یہ سب لوگوں سے چھینا ہوا مال ہے اور تم نے ناجائز طور پر لوگوں کے درخت کاٹ کر اسے پکایا ہے۔ غازان نے جب شیخ الاسلام سے دعا کی درخواست کی تو آپ نے یہ دعا فرمائی:

''اے اللہ! اگر غازان تیرے دین کی سربلندی اور نشر و اشاعت کے لیے جنگ کر رہا ہے تو اسے غلبہ عطا کر اور اسے عباد و بلاد کا مالک بنا دے اور اگر حرص اقتدار اور شہرت کے لیے یہ جنگ آزما ہے اور اسلام اور اہل اسلام کو رسوا کرنا چاہتا ہے تو اسے ذلیل کر اسے برباد کر دے اور اس کی جڑ کاٹ ڈال۔''

غازان ہاتھ اٹھا کر آپ کی دعا پر آمین کہتا جا رہا تھا۔ عبداللہ البالسی کا بیان ہے کہ یہ دعا سن کر ہم اپنے کپڑے سمیٹ رہے تھے کہ جب ابن تیمیہ کو قتل کیا جائے تو ان کے خون سے ہمارے کپڑے آلودہ نہ ہو جائیں۔ جب غازان کے یہاں سے نکلے تو قاضی القضاۃ نجم الدین صصری نے کہا:

''آپ ہمیں بھی برباد کرنے لگے تھے اور آپ اپنے کو بھی، اللہ کی قسم! اب ہم آپ کے ساتھ نہیں چلیں گے۔'' شیخ الاسلام نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! میں بھی آپ کے ساتھ نہیں جانا چاہتا۔''

پاس فروخت کر دیا جو سپاہی وہاں سے گزرتا اس کو پکڑ لیتے۔ یہ مسلمانوں کے حق میں سب دشمنوں سے

چنانچہ یہ سب علماء ایک جماعت کی صورت میں چل دیے اور شیخ الاسلام چند اصحاب کے ساتھ تنہا رہ گئے، جب غازان کے خواص وامراء کو پتہ چلا تو وہ آپ کی دعا سے برکت حاصل کرنے کے لیے حاضر خدمت ہوئے۔

شیخ الاسلام عازم دمشق تھے اور یہ امراء آ آ کر آپ کے ساتھ ملتے جا رہے تھے۔ چنانچہ جب دمشق پہنچے تو تین صد سوار آپ کے ہم رکاب تھے۔ شیخ البالسی کا بیان ہے کہ میں بھی آپ کے ہمراہ تھا۔ جو علماء آپ کی رفاقت سے الگ ہو گئے تھے جب راستہ میں پہنچے تو تاتاریوں کی ایک جماعت نے ان سب کا مال و متاع چھین لیا۔ ابن کثیر البدایۃ والنہایۃ (۱۴/ ۷) پر لکھتے ہیں:

''شیخ الاسلام کی گفتگو سے مسلمانوں کو بڑا فائدہ پہنچا اور دمشق میں امن وامان کا فرمان جاری ہو گیا۔ امن کا فرمان جاری کرنے کے دوسرے روز تاتاریوں نے مدرسہ قیمریہ میں ایک دربار منعقد کیا جس کا نام انھوں نے ''دیوان الاستخلاص'' رکھا۔ اس میں تاتاریوں نے یہ حکم جاری کیا کہ لوگوں نے جو گھوڑے اور ہتھیار اور مال ومتاع چھپا کر رکھا ہوا ہے وہ سب لا کر حاضر کر دیں۔ سیف الدین قبچق المنصوری جو قبل ازیں تاتاریوں سے جا ملا تھا حاکم شام قرار پایا۔ المنصوری نے قلعہ دار کو قلعہ حوالہ کرنے کا حکم جاری کیا مگر اس نے انکار کر دیا اور وہ مدافعت پر ڈٹا رہا۔ ربیع الثانی کے نصف میں تاتاریوں نے اپنے ہم نوا معاونین ارمن دکرج وغیرہ سے مل کر لوٹ مار کا آغاز کیا۔ انھوں نے ''جامع التوبہ'' کو نذر آتش کر دیا اور ''الصالحیہ'' کو لوٹ کر اس کے مدارس پر دھاوا بولا اور جو علماء وہاں موجود تھے سب کو تہ تیغ کر دیا۔ الصالحیہ کے رہنے والوں میں سے چار سو افراد کو قتل کیا اور چار ہزار کو قیدی بنا لیا۔ جن میں الشیخ ابو عمر کے خاندان کے ستر افراد بھی تھے۔ شیخ ابو عمر امام الموفّق مصنف المغنی والمقنع کے بھائی تھے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ۲۰/ ربیع الثانی کو بروز جمعرات تاتاری سلطان کو نصیحت کرنے اور ظلم و جور سے روکنے کے لیے نکلے مگر اس کے وزیر سعد الدین اور مشیر حکومت مسلمانی نے جو ایک یہودی زادہ تھا۔ شیخ کو اس سے باز رکھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوٹ مار کا بازار گرم رہا اور تاتاریوں نے دس ہزار سے زیادہ گھوڑے مسلمانوں سے چھین لیے۔ شہریوں پر بھاری ٹیکس لگائے گئے۔ جامع اموی میں قلعہ شکن آلات نصب کر دیے تاکہ وہاں سے قلعہ پر پتھر پھینکے جائیں۔ تاتاریوں نے مسجد میں داخل ہو کر اس کے دروازے بند کر دیے اور آس پاس کے بازاروں کو لوٹنا شروع کر دیا۔ مورخہ ۱۹/ جمادی الاولیٰ کو

زیادہ ضرر رساں تھے۔

اس پہاڑ پر رہنے والے بعض شیعہ نصاریٰ کے علم بردار تھے۔ ان سے جب دریافت کیا جاتا کہ اہل اسلام اور نصاریٰ میں سے بہتر کون ہے؟ تو وہ کہتے ''نصاریٰ'' پھر پوچھا جاتا تمہارا حشر کن کے ساتھ ہوگا؟ تو وہ کہتے ''نصاریٰ کے ساتھ'' مسلمانوں کے بعض شہر بھی ان کے زیر تسلط تھے۔ بایں ہمہ

غازان دمشق میں بولائی کے زیر قیادت ساٹھ ہزار جنگجو چھوڑ کر عراق کے راستہ واپس لوٹ گیا۔
تاتاری قلعہ کو فتح نہ کر سکے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب غازان اور اس کا نائب قطلو شاہ وہاں سے چلے گئے تو قلعہ والوں نے مسجد پر حملہ کر کے قلعہ شکن آلات کو توڑ پھوڑ ڈالا اور تاتاریوں کے بعض معاونین کے ساتھ واپس قلعہ میں لوٹ آئے۔ تاتاریوں کے ان احباب وانصار کا سرخیل محمد بن محمد بن احمد بن المرتضیٰ تھا اس کو وہ شریف القمی کے نام سے یاد کرتے تھے۔ قتل وغارت کا سلسلہ ہنوز جاری تھا۔
علم الدین البیرزالی نے ابن المنجا سے نقل کیا ہے کہ دمشق سے جو مال غازان کے خزانہ میں پہنچا، اس کی تعداد چھتیس لاکھ درہم تھی۔ ٹیکس اور رشوت اس میں شمار نہیں۔ شیخ المشائخ کو اس میں سے چھ لاکھ درہم ملے تھے۔ بدنصیب خواجہ طوسی کے حصہ میں ایک لاکھ درہم آئے۔ بدکاری وشراب نوشی کا دور چلنے لگا۔
سیف الدین قبجق کی روزانہ آمدنی ایک ہزار درہم تھی۔ مدارس کے اوقاف میں سے وہ جو کچھ چھینا کرتا تھا وہ اس پر مزید ہے، تاتاری سپہ سالار بولائی کے خیمہ میں بہت سے قیدی تھے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ آغاز رجب میں بولائی کے یہاں گئے۔ اور قیدیوں کو رہا کرنے کے بارے میں اس کے ساتھ بات چیت کی۔ بولائی نے تعمیل ارشاد کردی۔ شیخ الاسلام نے تین دن وہاں قیام کیا اور پھر واپس لوٹ آئے۔
اسی اثنا میں یہ خبر پہنچی کہ مصری لشکر عازم دمشق ہے۔ چنانچہ بولائی غازان کی فوج کو لے کر دمشق سے چل دیا اور وہاں کوئی حاکم بھی موجود نہ رہا۔ بولائی کے کوچ کی خبر سن کر امیر ارجواش قلعہ سے نکلا اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی مدد سے فصیل شہر کی حفاظت کے لیے ایک فوج مرتب کی۔
شیخ الاسلام ہر رات فصیل کے اردگرد چکر لگاتے۔ اور آیات قرآنیہ تلاوت کر کے لوگوں کو جہاد وقتال اور صبر وشکر کی ترغیب دلایا کرتے تھے۔

سو دن تک خطبہ میں غازان کا نام لیا جاتا تھا۔ اب پھر سے خطبہ میں سلطان مصر کا نام لیا جانے لگا۔
شیخ الاسلام نے شہر میں جو شراب خانے اور قحبہ خانے تھے سب بند کرا دیے۔ نائب دمشق جمال الدین اقوش الافرم شامی لشکر سمیت مصر سے واپس لوٹا اس کے بعد باقی لشکر بھی مصر سے دمشق پہنچ گیا۔ یہ عظیم مصیبت وسط شعبان ۶۹۹ھ کو ختم ہوئی۔

جب بعض سلاطین نے ان کے خلاف جنگ آزما ہونے کے بارے میں مجھ سے فتویٰ چاہا تو میں نے اس کا تفصیلی جواب دیا۔ چنانچہ ہم وہاں پہنچے اور میرے پاس ان کی ایک جماعت حاضر ہوئی۔ ہم نے ان کے ساتھ کئی مرتبہ مناظرہ کیا جس کی تفصیلات طوالت کی موجب ہوں گی۔ جب مسلمانوں نے وہ علاقہ فتح کرلیا اور شیعہ ہر طرح ان کے قابو میں آ گئے تو میں نے شیعہ کو قتل کرنے اور قیدی بنانے سے روکا۔ ہم نے ان کو متفرق مقامات پر بھیج دیا تاکہ وہ ایک جگہ جمع نہ ہو پائیں۔ میں نے اس کتاب میں شیعہ کی ضلالت و جہالت سے متعلق جو کچھ ذکر کیا ہے وہ ان معلومات کے مقابلہ میں مشتے نمونہ از خروارے کا مصداق ہیں جو میں شیعہ کے بارے میں رکھتا ہوں۔ علاوہ ازیں شیعہ میں اور بھی بہت سے نقائص ہیں جن کو میں بھی نہیں جانتا۔

شیعہ کے ساتھ ہمارا طرز عمل یہ ہے کہ ہم کتاب ہذا کے مصنف ابن المطہر اور اس کے نظائر و امثال کے سامنے ان کا وہ سلوک پیش کرتے ہیں جو انھوں نے امت کے سلف اور خلف کے ساتھ روا رکھا۔ شیعہ کا یہ کمال کیا کم ہے کہ انھوں نے انبیاء کے بعد کرہ ارضی پر بسنے والوں میں سے افضل الاوّلین والآخرین یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم پر افتراء پردازی کا بیڑا اٹھایا اور ان کے نیک اعمال کو افعال قبیحہ ثابت کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ دوسری طرف فرق ہائے ضالہ کے سرخیل یعنی شیعہ کو۔ جو کئی فرقوں میں منقسم ہیں، مثلاً امامیہ، زیدیہ اور غالی شیعہ وغیرہ۔ اس کائنات ارضی کی چیدہ و برگزیدہ مخلوق ثابت کرنے کی کوشش کی۔ اللہ جانتا ہے کہ جتنے فرقے بھی اسلام کی طرف منسوب ہیں ان میں کوئی فرقہ بھی بدعت و ضلالت کے باوجود شیعہ سے بڑھ کر جاہل، کاذب اور ظالم ہے نہ ہی کفر و فسق اور عصیان سے قریب تر اور ایمانی حقائق سے بعید تر ہے۔

شیعہ پوری امت کی تکفیر و تضلیل کرتے اور کہتے ہیں کہ صرف شیعہ ہی حق پر ہیں۔ اور یہ ضلالت پر کبھی جمع نہیں ہو سکتے۔ گویا شیعہ سب بنی نوع انسان سے اعلیٰ و اولیٰ ہیں شیعہ کی مثال یوں ہے جیسے کوئی شخص ایسی جگہ جائے جہاں بہت سے بکریاں ہوں۔ اور بکریوں کے مالک سے کہے کہ قربانی کے لیے بہترین بکری دو۔ بکریوں کا مالک یوں کرے کہ ایک لنگڑی لولی بیمار بکری کی جانب اشارہ کر کے کہے کہ یہ سب سے عمدہ بکری ہے اس کے سوا کوئی بکری قربانی کے لائق ہی نہیں۔ بلکہ باقی بکریاں واجب القتل خنزیر ہیں۔

احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس شخص نے مومن کومنافق سے بچالیا۔اللہ تعالیٰ بروز قیامت اس کے گوشت کوجہنم کی آگ سے بچائے گا۔'' ❶

روافض جاہل ہوتے ہیں، یا منافق، یہ ہرگز ممکن نہیں کہ کوئی رافضی یا جہمی منافق نہ ہو یا نبی کریم کے ارشادات سے جاہل نہ ہو۔شیعہ میں ایک شخص بھی ایسا نہیں ہوتا جو نبی کریمکے اقوال کو جانتا اور ان کو مانتا بھی ہو۔ ارشادات نبویہ سے شیعہ کا فرار اور نبی کریم پر افتراء پردازی صرف اسی شخص سے پوشیدہ رہتی ہے جو جہل و ہوا میں حد سے تجاوز کر گیا ہو۔شیعہ مصنفین اس حقیقت سے بخوبی آ گاہ ہوتے ہیں کہ ان کے اکثر اقوال صریح کذب کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔

کذب دانی کے باوصف وہ میدان تصنیف میں صرف اس لیے اترتے ہیں کہ ان کے اقتدار کا سکہ جاری رہے۔ابن المطہر کا دامن بھی اس تہمت سے ملوث ہے،مگر اس نے یہ زحمت اپنے اتباع کو متاثر کرنے کے لیے گوارا کی۔اگر کوئی مصنف جانتا ہے کہ اس کی بات غدر ہے اور اس کے باوجود اسے من جانب اللہ قرار دیتا ہے تو وہ علماء یہود کی جنس میں سے ہے،جن کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿یَکْتُبُوْنَ الْکِتٰبَ بِاَیْدِیْهِمْ ثُمَّ یَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾

(سورة البقرة:۲/۷۹)

''کتاب کو اپنے ہاتھ سے لکھ کر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔''

اور اگر وہ اسے حق سمجھتا ہے تو یہ اس کی جہالت وضلالت کا کھلا ہوا ثبوت ہے۔

جب سلف صالحین نے یہ بات کہی کہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کے لیے مغفرت طلب کرنے کا حکم دیا ہے تو شیعہ نے اس کے برعکس ان کو برا بھلا کہنا شروع کیا۔نبی کریم نے صحیح حدیث میں فرمایا ہے:

''لَا تَسُبُّوْا اَصْحَابِیْ'' ❷

❶ سنن ابی داؤد، کتاب الادب۔ باب من رد عن مسلم غیبة(حدیث:۴۸۸۳)، مسند احمد(۳/۴۴۱)، بمعناه

❷ صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللّٰه علیه وسلم ، باب قول النبی صلی اللّٰه علیه وسلم ''لو کنت متخذا خلیلاً'' (حدیث:۳۶۷۳)، صحیح مسلم۔ کتاب فضائل الصحابة، باب تحریم سب الصحابة (حدیث:۲۵۴۱)

''میرے صحابہ کو گالی نہ دو۔''

اس حدیث سے مستفاد ہوتا ہے کہ صحابہ کو گالی دینا حرام ہے۔ استغفار کا حکم اور گالی دینے کی مخالفت یہ دونوں عام حکم ہیں، کسی کے ساتھ مخصوص نہیں۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

''مسلم کو گالی دینا فسق اور اس سے لڑنا کفر ہے۔''[1]

قرآن پاک میں ارشاد فرمایا:

''اے ایمان والو! ایک قوم دوسری قوم کا مذاق نہ اڑائے، ممکن ہے وہ اس سے بہتر ہو عورتیں بھی دوسری عورتوں کا مذاق نہ اڑائیں، ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں، اپنے آپ (اپنے بھائی بندوں) کو طعن نہ دو اور نہ نام الٹاؤ۔'' (سورۂ حجرات: ۴۹/۱۱)

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

﴿وَ مِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّلۡمِزُكَ فِى الصَّدَقَاتِ﴾ (سورۂ توبة: ۹/۵۸)

''اور بعض لوگ صدقات کے بارے میں آپ کو طعن دیتے ہیں۔''

اور ایک مسلم دعا کے دوران جب کہتا ہے:

﴿رَبَّنَا اغۡفِرۡلَنَا وَ لِاِخۡوَانِنَا الَّذِيۡنَ سَبَقُوۡنَا بِالۡاِيۡمَانِ﴾

(سورة الحشر: ۵۹/ ۱۰)

تو اس سے مراد وہ مومن ہوتا ہے جو گزشتہ زمانہ میں گزر چکا ہو۔ قطع نظر اس سے کہ غلط تاویل کر کے وہ سنت کی خلاف ورزی کر چکا ہو یا کسی گناہ کا مرتکب ہوا ہو۔ بہر کیف گناہ کا مرتکب ہونے کے باوجود وہ آیت کے عموم میں داخل رہے گا اور اس سے خارج نہ ہوگا۔ اگر چہ اس کا شمار بہتر فرقوں میں ہی کیوں نہ ہوتا ہو، اس لیے کہ ہر فرقہ میں کچھ لوگ ایسے ضرور ہوتے ہیں جو کافر نہیں ہوتے، بلکہ وہ مومن ہوتے ہیں، اگر چہ گمراہی و گناہ گاری کے باعث عاصی مومنین کی طرح وعید کے مستحق ہوا کرتے ہیں۔ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے لوگوں کو اپنی امت سے خارج نہیں کیا اور نہ ہی انھیں دائمی

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الایمان ، باب خوف المومن من ان یحبط عمله،(حدیث:٤٨)، صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان قول النبی صلی اللّٰه علیه وسلم " سباب المسلم فسوق" (حدیث: ٦٤)

جہنمی قرار دیا ہے بلکہ وہ آپ کی امت میں شامل ہیں۔

مذکورہ صدر قاعدہ ایک عظیم اصل ہے جسے ملحوظ رکھنا نہایت ضروری ہے۔ اس لیے کہ سنت کی جانب منسوب بعض فرقوں میں خوارج اور روافض کی قسم کی بدعات پائی جاتی ہیں۔ یہ بات بھولنے نہ پائے کہ اصحاب رسول مثلاً سیدنا علی ان خوارج کی تکفیر نہیں کرتے تھے جن کے خلاف وہ جنگ آزما تھے۔ خوارج نے جب پہلی مرتبہ حَرَوار نامی مقام پر جمع ہوکر سیدنا علی کے خلاف خروج کیا تو سیدنا علی نے انھیں مخاطب کر کے فرمایا:

''ہم تو مساجد سے روکتے نہ مال غنیمت کے حصہ سے محروم کرتے ہیں۔''

پھر سیدنا علی نے ابن عباس کو خوارج کی طرف بھیجا اور آپ نے ان سے مناظرہ کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خوارج میں سے آدھے سیدنا علی کی طرف لوٹ آئے، جو باقی بچے ان کے خلاف آپ نے جنگ لڑی اور ان کو زیر کیا [1] تاہم ان کی اولاد کو قیدی بنایا نہ ان کے مال کو مال غنیمت قرار دیا اور نہ ان کے ساتھ وہ سلوک روا رکھا جو صحابہ مسیلمہ جیسے مرتدین سے کیا کرتے تھے۔

قیس بن مسلم طارق بن شہاب سے نقل کرتے ہیں کہ جب سیدنا علی نہروان (واسط و بغداد کے درمیان ایک بڑا قصبہ جہاں سیدنا علی نے خوارج سے جنگ لڑی تھی) کی لڑائی سے فارغ ہوئے تو میں آپ کے ہمراہ تھا۔ لوگوں نے دریافت کیا کیا خوارج مشرک ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''وہ شرک سے تو بھاگے تھے۔'' لوگوں نے پوچھا کیا وہ منافق ہیں؟ فرمایا: منافق تو اللہ کو بہت کم یاد کیا کرتے ہیں۔'' لوگوں نے دریافت کیا آخر خوارج ہیں کون؟ سیدنا علی نے جواباً فرمایا: انھوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی تھی اور ہم نے ان سے جنگ لڑی۔'' [2]

سیدنا علی نے واضح کر دیا کہ خوارج مومن ہیں کافر و منافق نہیں۔ اس سے ابو اسحاق اسفرائنی اور اس کے اتباع کی تردید ہوتی ہے جن کا قول ہے کہ جو فرقہ ہماری تکفیر کرتا ہے ہم اس کو کافر قرار دیں گے۔ اس لیے کہ کفر کسی انسان کا حق نہیں، بلکہ اللہ کا حق ہے۔ انسان کو یہ حق حاصل نہیں کہ تکذیب کرنے والے کی تکذیب کرے اور جو اس کی بیوی سے بدکاری کا ارتکاب کرے وہ اس کی بیوی سے زنا کرے، کیوں کہ یہ حرام ہے۔ فرض کیجیے ایک عیسائی سرور کائنات ﷺ کو گالی بکتا ہے تو کیا ہم

---

[1] مسند احمد (۱/ ۸۶۔۸۷)

[2] سنن کبریٰ، بیهقی: (۸/ ۱۸۲)

سیدنا مسیح کو گالی دینے پر تل جائیں۔

روافض اگر شیخین کی تکفیر کرتے ہیں، تو ہم سیدنا علی کی تکفیر نہیں کر سکتے۔ سفیان جعفر بن محمد سے روایت کرتے ہیں اور وہ اپنے والد امام باقر سے نقل کرتے ہیں کہ سیدنا علی نے جنگ جمل یا صفین کے دن ایک شخص کو سنا جو بہت مبالغہ آمیزی سے کام لے رہا تھا۔ سیدنا علی نے سن کر یہ فرمایا:

''وہی بات کہو جو اچھی ہو، ہمارے مخالفین نے سمجھا تھا کہ ہم نے ان کے خلاف بغاوت کی، ادھر ہم نے یہ خیال کیا کہ وہ باغی ہیں۔ اس لیے ہم ان کے خلاف جنگ آزما ہوئے۔''

مکحول روایت کرتے ہیں کہ اصحاب علی نے رفقاء معاویہ کے بارے میں پوچھا جو مقتول ہو چکے تھے کہ وہ کون ہیں؟ سیدنا علی نے جواباً فرمایا: ''وہ مومن ہیں۔''

عبد الواحد بن ابی عون کہتے ہیں کہ سیدنا علی اشتر نخعی کے ساتھ ٹیک لگائے جنگ صفین کے مقتولوں کے پاس سے گزرے۔ اچانک دیکھا کہ حابس یمانی [1] مقتول پڑے ہیں۔ اشتر نے انا للّٰہ و انا الیہ راجعون پڑھا اور کہا حابس یمانی مقتولوں میں پڑے ہیں۔ اور ان پر سیدنا معاویہ کی علامت ہے۔ (یہ جنگ میں رفقائے معاویہ کے ساتھ تھے) اللہ کی قسم! یہ بڑے پکے مومن تھے۔ یہ سن کر سیدنا علی نے فرمایا: ''وہ اب بھی مومن ہیں۔''

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''ابوبکر سے مروی ہے کہ انھوں نے منبر پر کہا۔ نبی کریم وحی کی بنا پر غلطی سے محفوظ رہتے تھے اور میرے سامنے شیطان حائل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اگر میں سیدھا چلوں تو میری مدد کیجیے اور اگر سیدھی راہ سے بھٹک جاؤں تو مجھے جادۂ مستقیم پر ڈال دو۔ ایسے شخص کی خلافت کیوں کر درست ہوگی جو رعیت سے سیدھا کرنے کی فرمائش کر رہا ہو۔''

ہم کہتے ہیں کہ رافضی مصنف جس بات کو موجب طعن قرار دے رہا ہے اسی سے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی عظمت و فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ نیز یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ آپ اقتدار کے طالب اور ظالم نہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے فرمایا: اگر میں اللہ و رسول کی اطاعت پر قائم رہوں تو میری

---

[1] حابس بن ربیعة الیمانی بڑے عابد و زاہد صحابی تھے۔ انھوں نے جنگ صفین میں سیدنا معاویہ کا ساتھ دیا اور اسی جنگ میں مقتول ہوئے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے الاصابہ میں ان کا ترجمہ نقل کیا ہے۔

مدد کیجیے اور اگر اس سے بھٹک جاؤں تو جبراً مجھے سیدھی راہ پر لائیے۔‘‘

سیدنا ابوبکر نے یہ بھی فرمایا:’’ کہ جب تک میں اللہ کی اطاعت کرتا رہوں تم میرے مطیع رہو۔‘‘ [1]

جو شیطان سیدنا ابوبکر کی راہ میں حائل ہوا کرتا تھا، وہ دوسرے کے کام میں بھی دخل اندازی کر سکتا ہے۔ جیسا کہ حدیث نبوی میں وارد ہوا ہے۔’’ہر شخص کے ساتھ دو ساتھی ہر وقت لگے رہتے ہیں، ایک جنوں میں سے اور ایک ملائکہ سے۔ [2] اور پھر یہ کہ شیطان انسان کے رگ و پے میں خون کی طرح جاری و ساری ہوتا ہے [3] سیدنا صدیق کا مقصد صرف یہ ثابت کرنا تھا کہ آپ معصوم نہیں۔

خلیفہ کی شرعی حیثیت:

سیدنا صدیق کا ارشاد بجا ہے، اس لیے کہ خلیفہ اپنی رعایا کا مالک و آقا نہیں ہوتا کہ وہ ان سے بے نیاز ہو جائے، بلکہ رعایا برّ و تقویٰ کے کاموں میں خلیفہ کے ساتھ تعاون کرتی ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ امام صلوٰۃ اگر نماز کے ارکان ٹھیک ادا کرتا ہے تو مقتدی اس کی پیروی کرتے ہیں اور اگر وہ بھول جاتا ہے تو اس کی راہنمائی کر کے اسے راہ راست پر لایا جاتا ہے۔

اس کے جواب میں ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ سیدنا علی نے اپنی رعیت سے سیدنا ابوبکر کی نسبت زیادہ مدد طلب کی اور انھیں مدد طلب کرنے کی ضرورت بھی سیدنا صدیق کے مقابلہ میں زیادہ تھی۔ نیز یہ کہ سیدنا ابوبکر نے اپنی رعیت کی زیادہ رہنمائی کی اور ان کی رعیت بھی ہمیشہ ان کی مطیع فرمان رہی۔ (اور رعیت کو یہ موقع کم ہی حاصل ہوا کہ انھوں نے کسی وقت سیدنا ابوبکر کی رہنمائی کی ہو) بخلاف ازیں سیدنا علی اس حد تک اپنی رعایا کو جادۂ مستقیم پر نہ لا سکے اور ان کی رعیت چنداں اطاعت کیش بھی نہ تھی۔

جب لوگ کسی مسئلہ میں سیدنا ابوبکر سے اختلاف کرتے تو آپ حجت و برہان پیش کر کے ان کو

---

[1] سیرة ابن هشام (ص: ٦٧١)

[2] صحیح مسلم، کتاب صفات المنافقین۔ باب تحریش الشیطان (حدیث: ٢٨١٤)

[3] صحیح بخاری، کتاب الاعتکاف، باب هل یدرأ المعتکف عن نفسه (حدیث: ٢٠٣٩)، صحیح مسلم ، کتاب السلام، باب بیان انه یستحب لمن رؤی خالیا بامرأة(حدیث: ٢١٧٥،٢١٧٤)

قائل کر لیتے۔ سیدنا عمر نے مانعین زکوٰۃ کے خلاف جنگ آزما ہونے کے مسئلہ میں سیدنا ابوبکر سے اختلاف کیا تھا مگر آپ نے دلیل کے ذریعہ ان کو قائل کرلیا۔ [1] سیدنا ابوبکر جب رعیت کوکسی بات کا حکم دیتے تو وہ اس کی اطاعت کیا کرتے تھے۔

سیدنا علی نے امہات الاولاد (وہ لونڈیاں جو صاحب اولاد ہو جائیں) کے بارے میں فرمایا کہ میں اس ضمن میں سیدنا عمر کے قول سے متفق ہوں کہ ان کوفروخت نہ کیا جائے۔

پھر آپ نے فروخت کرنے کا حکم دے دیا تو آپ کے قاضی عبیدہ سلمانی نے کہا:

''سیدنا عمر کے ساتھ متفقہ رائے آپ کے انفرادی قول سے ہمیں زیادہ عزیز ہے۔'' [2]

سیدنا علی فرمایا کرتے تھے۔

''خلفاء سابقین کے زمانہ میں تم جس طرح فیصلے کیا کرتے تھے اب بھی کرتے رہو۔ میں اختلاف کو ناپسند کرتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ لوگ یا تو ایک جماعت بن جائیں یا میں بھی اپنے اصحاب ورفقاء کی طرح موت سے ہم کنار ہو جاؤں۔''

سیدنا علی کی رعایا اکثر آپ کی مخالفت کیا کرتی تھی۔ آپ بھی ان کی مخالفت کرتے پھر آپ کو پتہ چلتا کہ ان کی رائے درست ہے۔ سیدنا حسن نے سیدنا علی کومشورہ دیا تھا کہ مدینہ سے باہر نہ نکلیں اور نہ معاویہ کومعزول کریں۔ کوئی عقل مند آدمی اس سے اختلاف نہیں کرسکتا کہ سیدنا ابوبکر وعمر کے زمانہ میں حالات جس طرح منظّم تھے یہ انتظام وانصرام سیدنا علی کے عہد خلافت میں مفقود تھا۔

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''ابوبکر نے کہا، میری بیعت واپس کردو، میں تم میں سب سے بہتر نہیں ہوں۔ سیدنا علی تم میں موجود ہیں۔ اگر ابوبکر کی خلافت برحق تھی تو اس کا واپس کرنا گناہ تھا اور اگر مبنی برحق نہ تھی تو ان کی خلافت باطل ٹھہری۔''

ہم کہتے ہیں کہ یہ روایت صریح کذب اور بے سند ہے۔ تاریخ میں ثابت ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الزکاۃ، باب وجوب الزکاۃ،(حدیث:۱۳۹۹،۱۴۰۰)، صحیح مسلم ، کتاب الإیمان، باب الدعاء الی الشھادتین،(حدیث: ۲۰)

[2] مصنف عبد الرزاق(۱۳۲۲۴)،کتاب الأم للشافعی(۱۷۵/۷)، سنن کبریٰ بیھقی (۳۴۸/۱۰)

نے سقیفہ کے دن فرمایا تھا: ''ابوعبیدہ یا عمر بن خطاب میں سے کسی ایک کی بیعت کرلو۔'' سیدنا عمر نے فرمایا: ''بلکہ آپ ہمارے سردار ہیں اور ہم میں سب سے بہتر ہیں، نبی ﷺ بھی سب سے زیادہ آپ کو چاہتے تھے۔''❶

ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر سیدنا ابوبکر کا یہ قول صحیح ہے تو آپ نے اپنے آخری وقت میں سیدنا علی کو خلیفہ کیوں نہ مقرر کیا؟ خلیفہ و امام کو شرعاً یہ حق حاصل ہے کہ امامت و خلافت کی ذمہ داریوں سے دست بردار ہو جائے۔ یہ ایک قسم کا انکسار بھی ہے جس سے اس کی قدر و منزلت میں کوئی فرق نہیں آتا۔

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''عمر کا قول ہے کہ ابوبکر کی خلافت ایک عاجلانہ اقدام تھا، جس کے شر سے اللہ نے بچا لیا، اگر کوئی اور شخص اس کا مرتکب ہو تو اسے قتل کر دو۔''

ہم کہتے ہیں کہ یہ قول افتراء پردازی اور کذب کا آئینہ دار ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا تھا کہ ''سیدنا صدیق کی، بیعت بلا مہلت و تاخیر اس لیے عمل میں آئی تھی کہ آپ پہلے سے مقرر شدہ تھے۔''

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''ابوبکر نے کہا: ''اے کاش! میں نے نبی کریم سے دریافت کیا ہوتا کہ کیا انصار کا بھی خلافت میں کوئی حصہ ہے؟''

ہم کہتے ہیں یہ صریح کذب ہے۔ مزید براں یہ شیعہ کے اس دعوی کے خلاف ہے کہ نبی کریم نے بہ نص صریح سیدنا علی کو خلیفہ مقرر کیا تھا۔ اس لیے کہ جب نص صریح کے مطابق سیدنا علی رضی اللہ عنہ خلیفہ ہو چکے تھے تو پھر انصار کا کیا حق باقی رہا؟

سیدنا ابوبکر صدیق پر افترا:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''ابوبکر نے عند الموت کہا: ''اے کاش میری ماں مجھے نہ جنتی اور میں اینٹ میں ایک تنکا ہوتا۔'' حالانکہ اہل سنت یہ روایت بیان کرتے ہیں کہ قریب الموت شخص اپنی آخری آرام گاہ جنت یا جہنم کو دیکھ لیتا ہے۔''

❶ صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم ''لو کنت متخذا خلیلاً'' (حدیث:۳۶۶۸)، مطولاً

ہم جواباً کہتے ہیں کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ہرگز یہ منقول نہیں، بلکہ سیدنا ابوبکر کی وفات کے وقت جب سیدہ عائشہ نے کسی شاعر کا یہ شعر پڑھا تھا۔

لَعَمْرُكَ مَا يُغْنِيْ الثَّرَاءُ عَنِ الْفَتٰى
اِذَا حَشْرَجَتْ يَوْمًا وَ ضَاقَ بِهَا الصَّدْرُ

''تمہاری زندگی کی قسم! دولت اس وقت کسی کام نہیں جب آدمی آخری وقت میں غرغرانے لگے اور سانس سینے میں تنگ ہو جائے۔''

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر اپنے چہرے سے کپڑا اٹھایا اور فرمایا۔ اس طرح نہیں بلکہ یوں کہو:

﴿وَ جَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ﴾

(سورۃ قٓ) [1]

''اور سکرات موت سچ مچ طاری ہو گئے، یہ وہی ہیں جس سے تو منہ موڑا کرتا تھا۔''

باقی رہا سیدنا ابوبکر کا یہ قول کہ ''اے کاش میری ماں مجھے نہ جنتی۔''

تو آپ نے یہ حالتِ صحت میں فرمایا تھا نہ کہ مرض الموت میں۔ یہ قول ائمہ سلف کی ایک جماعت سے منقول ہے انھوں نے خوف الٰہی کے باعث یہ کلمات ارشاد فرمائے تھے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا:

''اللہ کی قسم! میں چاہتا ہوں کہ میں (انسان ہونے کے بجائے) ایک درخت ہوتا جسے کاٹ دیا جاتا۔'' [2]

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''اگر مجھے جنت و دوزخ کے درمیان کھڑا کر کے کہا جاتا کہ تم ان دونوں میں سے کسی ایک میں جانا چاہتے ہو یا راکھ ہونے کو پسند کرتے ہو تو میں راکھ ہو جانے کو ترجیح دیتا۔''

امام ذہبی فرماتے ہیں:

---

1. الزهد للامام احمد(ص: ۱۰۹)، طبقات ابن سعد(۱۹۷/۳)
2. مسند احمد(۱۷۳/۵)

''سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ میں اللہ کے حضور میں اپنے ظاہری و باطنی عیوب و نقائص کا شکوہ کرتا ہوں۔''

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''ابوبکر نے کہا اے کاش! کہ سقیفہ بنی ساعدہ کے دن میں دو شخصوں میں سے کسی ایک کی بیعت کر کے اس کو امیر بنا دیتا اور خود وزیر بن جاتا۔''

ہم کہتے ہیں کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ بات ازراہ فروتنی و انکسار اور خوف الٰہی کے پیش نظر کہی تھی، اگر اس حالت میں ان کے پاس سیدنا علی کی خلافت کے متعلق رسول اللہ کی کوئی نص صریح ہوتی تو وہ سیدنا علی کو ترجیح دیتے اور ان دو آدمیوں کا نام نہ لیتے۔ اس لیے کہ سیدنا علی کی خلافت سے متعلق نص صریح کے ہوتے ہوئے جیسا کہ تمہارا خیال ہے ان دو اشخاص کو خلیفہ بنانے سے سیدنا ابوبکر کی امامت ضائع ہو جاتی اور آپ ایک ظالم (جو بلا استحقاق خلیفہ بن گیا) کے وزیر ٹھہرتے اور اس طرح دنیا کے مومن اپنی آخرت فروخت کر دیتے۔ حالانکہ جو شخص اپنے اندر خوفِ الٰہی رکھتا ہے، وہ ہرگز ایسا کبھی نہیں کر سکتا۔

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت کی حالت میں متعدد بار فرمایا۔ اسامہ رضی اللہ عنہ کا لشکر بھیج دو اللہ اس پر لعنت کرے جو اس لشکر میں شامل نہ ہو۔ تینوں اصحاب اسامہ کے ساتھ تھے مگر ابوبکر نے عمر کو اس میں شرکت کرنے سے روک دیا۔''

سیرت رسول سے معمولی واقفیت رکھنے والا شخص جانتا ہے کہ یہ کذب ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا ابوبکر کو جیش اسامہ میں کیوں کر بھیج سکتے تھے، جب کہ مرض وفات میں آپ نے انھیں امام صلوٰۃ مقرر کیا تھا، اور نقل متواتر کے مطابق آپ نے بارہ دن نماز بھی پڑھائی۔

سوموار کے دن علی الصبح نبی کریم نے پردہ ہٹا کر دیکھا کہ لوگ سیدنا ابوبکر کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے ہیں۔ آپ کا چہرہ مبارک اس وقت یوں چمک رہا تھا جیسے قرآن کا ورق۔ آپ اس سے بہت خوش ہوئے۔ [1] پھر ایسی حالت میں ان کو لشکر اسامہ کے ساتھ کیسے روانہ کر سکتے تھے۔؟

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الاذان ، باب اهل العلم والفضل احق بالامة (حدیث: ٦٨٠) ،صحیح مسلم ، کتاب الصلاۃ، باب استخلاف الامام،(حدیث: ٤١٩)

جیش اسامہ کو نبی کریم کی وفات کے بعد سیدنا ابوبکر نے روانہ کیا تھا اور سیدنا اسامہ سے سیدنا عمر کو لشکر کے ساتھ نہ بھیجنے کی اجازت حاصل کر لی تھی۔ [1] اس لیے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ایک مدبر آدمی تھے، جن کی مدینہ میں اس وقت شدید ضرورت تھی۔ بعض لوگوں نے سیدنا ابوبکر کو لشکر بھیجنے سے روکا تھا، مگر سیدنا ابوبکر نے فرمایا کہ جو جھنڈا نبی کریم اپنے ہاتھ سے باندھ چکے ہیں میں اسے کھول نہیں سکتا۔''

شیعہ کا یہ قول کہ نبی کریم نے سیدنا ابوبکر کو کبھی کوئی منصب عطا نہ کیا:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''نبی کریم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کبھی کوئی خدمت تفویض نہیں کی تھی۔ البتہ عمرو بن العاص اور اسامہ کو بعض کاموں پر مامور فرمایا تھا۔ جب سورۂ توبہ دے کر مکہ روانہ کیا تو بحکم وحی آپ کو واپس بلا لیا۔''

ہم کہتے ہیں یہ جھوٹ کی کھلی ہوئی مثال ہے۔ یہ ایک قطعی بات ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ۹ھ میں سیدنا ابوبکر کو امیر الحج مقرر کیا تھا، جو آپ کی عظیم خصوصیت ہے۔ امام صلوٰۃ مقرر کرنا بھی سیدنا ابوبکر کی خصوصیت ہے، جس میں آپ منفرد ہیں، اس حج میں سیدنا علی جب آپ کے ماتحت تھے۔ سیدنا علی سیدنا ابوبکر سے جا کر ملے تو آپ نے دریافت فرمایا: کیا امیر ہو کر آئے ہیں یا محکوم؟ [2] سیدنا علی نے جواباً فرمایا: محکوم، اس حج میں سیدنا علی دیگر مسلمانوں کے ساتھ سیدنا ابوبکر کی اقتداء میں نماز پڑھا کرتے تھے۔ البتہ سیدنا علی کی خصوصیت سورۂ توبہ کے احکام کو پہنچانا اور پھیلانا ہے۔ [3]

---

1. تاریخ الاسلام، للذہبی (عهود الخلفاء الراشدين، ص: ۱۹۔۲۰) طبقات ابن سعد (٦٧/٤)
2. سیرة ابن هشام (ص: ٦١٢)، تفسیر طبری (١٠٧/١٤)
3. اس کے دو سبب تھے جن کی جانب قبل ازیں اشارہ کیا جا چکا ہے۔

(۱) اس کی پہلی وجہ یہ ہے کہ سورۂ توبہ میں مشرکین کے ساتھ باندھے ہوئے عہود سابقہ کو توڑنے کا اعلان کیا گیا ہے۔ عربوں کے یہاں دستور ہے کہ عہد شکنی کا اعلان حاکم خود کرتا ہے۔ یا اس کا کوئی قریبی رشتہ دار۔ لہٰذا رشتہ دار ہونے کی بنا پر یہ خدمت سیدنا علی کو تفویض ہوئی۔

(۲) اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ سورۂ توبہ میں اللہ تعالیٰ نے سیدنا صدیق کی مدح وستائش

جہاں تک سیدنا عمرو بن عاص کے واقعہ کا تعلق ہے، نبی کریم ﷺ نے غزوۂ ذات سلاسل میں ان کو بنی عذرہ کی جانب بھیجا تھا۔ [1] یہ سیدنا عمرو بن العاص کے ننہال کا قبیلہ تھا اس لیے نبی کریم متوقع تھے کہ یہ لوگ آپ کی اطاعت اختیار کر کے اسلام قبول کر لیں گے، پھر ان کے بعد سیدنا ابوعبیدہ کو روانہ کیا۔ سیدنا ابوبکر و عمر بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ سیدنا ابوعبیدہ کو مخاطب کر کے فرمایا: ''ایک دوسرے کی اطاعت کریں اور آپس میں اختلاف پیدا نہ کریں اور یہ سب حضرات عمرو بن العاص کی اقتداء میں نماز ادا کرتے تھے [2]، حالانکہ سب لوگ اس حقیقت سے آگاہ تھے کہ یہ اکابر سیدنا عمرو بن عاص سے افضل ہیں۔ یہ ایک مسلمہ بات ہے کہ کسی مصلحت کے پیش نظر افضل کی موجودگی میں مفضول کو امیر بنانا جائز ہے، جیسے نبی کریم ﷺ نے سیدنا اسامہ کو ان کے والد کا انتقام لینے کے لیے امیر لشکر مقرر کیا تھا۔ [3]

فرمائی ہے، ارشاد ہوتا ہے: ﴿اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ (سورة التوبة: ۴۰) نبی کریم ﷺ چاہتے تھے کہ ان فضائل و مناقب کا اظہار ان کے بھائی سیدنا علی کے ذریعہ ہو۔ ہمیں روافض سے ایسے لوگوں کا علم ہے کہ اگر قرآن کریم میں یہ آیت نہ ہوتی تو وہ اسلام چھوڑ کر یہودی یا مجوسی ہو جاتے۔''

[1] صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة ذات السلاسل، (حدیث: ٤٣٥٨)، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة۔ باب من فضائل ابی بکر الصدیق رضی الله عنه (حدیث: ٢٣٨٤)

[2] سیرة ابن هشام، ص(٦٥١)

[3] یہ بات سیدنا صدیق کے فضائل میں شمار ہوتی ہے کہ نبی کریم جہاں بھی ہوتے سیدنا صدیق کو شرف رفاقت حاصل ہوا کرتا تھا، اس لیے کہ زندگی میں سیدنا صدیق آپ کے پہلے وزیر اور بعد از وفات خلیفہ اوّل تھے۔ ہجرت کرتے وقت سیدنا صدیق آپ کے ہمراہ تھے۔ جنگ بدر میں جو سائبان لگایا گیا تھا اس میں بھی سیدنا ابوبکر آپ کے رفیق تھے۔ ۹ھ میں امیر الحج مقرر ہوئے نبی کریم کی جگہ شرف امامت سے مشرف ہوئے، اس سے واضح ہوتا ہے کہ آپ صحابہ میں عظیم رتبہ پر فائز تھے۔ علاوہ ازیں غزوہ فزارہ میں سرور کائنات ﷺ نے آپ کو امیر لشکر مقرر کیا، دیکھیے روایت سیدنا سلمہ بن اکوع، المنتقی حدیث نمبر: ۲۸۳۳، بحوالہ مسلم و مسند احمد و ابوداؤد۔

شیعہ مصنف کا قول ہے:

''ابوبکر نے چور کا بایاں ہاتھ کاٹ ڈالا۔ انھیں اتنا بھی معلوم نہ تھا کہ چوری کی سزا میں دایاں ہاتھ کاٹا جاتا ہے۔''

ہم کہتے ہیں کہ اس سے زیادہ جھوٹی بات اور کیا ہوگی کہ سیدنا ابوبکر جیسے جلیل القدر صحابی کو یہ بات معلوم نہ ہو۔ اس بات کا بھی احتمال ہے کہ سیدنا ابوبکر اسے جائز تصور کرتے ہوں اس لیے کہ قرآن میں صراحتاً دست راست کی تصریح نہیں ہے۔ البتہ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں یہ تصریحاً مذکور ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں: ﴿فَاقْطَعُوْا اَیْمَانَهُمَا﴾

نبی کریم کا تعامل بھی یہی ہے، مگر اس کی کیا دلیل کہ سیدنا ابوبکر نے چور کا بایاں ہاتھ قطع کیا تھا اور اس کی اسناد کہاں ہیں؟ ہمارے پاس علماء آثار کی تصانیف موجود ہیں مگر یہ بات کسی میں بھی مذکور نہیں۔ اختلافی مسائل کے بارے میں جو کتب تحریر کی گئی ہیں ان میں بھی اس روایت کا کوئی نشان نہیں ملتا۔ حالانکہ سب علماء سیدنا ابوبکر کی عظمت وفضیلت کے قائل ہیں۔

رافضی قلم کار لکھتا ہے:

''ابوبکر نے فجاءہ سُلَمی [1] کو زندہ جلا دیا تھا، حالانکہ یہ شرعاً ممنوع ہے۔''

ہم کہتے ہیں کہ سیدنا علی نے بھی زنادقہ کو نذر آتش کر دیا تھا۔ یہ تاریخ اسلام کا مشہور واقعہ ہے۔ روایات صحیحہ میں مذکور ہے کہ سیدنا علی کی خدمت میں زنادقہ کی ایک جماعت کو پیش کیا گیا تو آپ نے انھیں جلا دیا۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کو جب اس بات کا پتہ چلا تو فرمایا: ''اگر علی کی جگہ میں ہوتا تو ہرگز یوں نہ کرتا، اس لیے کہ نبی کریم نے کسی کو عذاب الٰہی میں مبتلا کرنے سے منع فرمایا ہے بلکہ میں انھیں قتل کر دیتا، جیسا کہ نبی کریم کا فرمان ہے: ''جو اپنے دین کو بدل ڈالے اسے قتل کر دو۔'' [2]

---

1. اس شخص کا اصلی نام ایاس بن عبداللہ بن عبد یالیل تھا، یہ فتنۂ ارتداد کے زمانہ میں سیدنا ابوبکر کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض پرداز ہوا کہ میں مسلم ہوں اور مرتدین کے خلاف جہاد کرنا چاہتا ہوں مجھے سواری عنایت فرمائیے اور میری مدد کیجیے۔'' سیدنا ابوبکر نے اسے سواری اور اسلحہ جنگ عطا کیا، اس نے قبیلہ بنی سلیم و عامر و ہوازن کے مسلمانوں کو لوٹنا شروع کر دیا۔ سیدنا ابوبکر نے طریفہ بن حاجز کو اسے سزا دینے کے لیے بھیجا، چنانچہ طریفہ نے اس کے ہمراہیوں سمیت اسے ٹھکانے لگا کر مسلمانوں کو اس کے شر سے بچا لیا۔

2. صحیح بخاری، کتاب استتابة المرتدین، باب حکم المرتد والمرتدة (حدیث: ٦٩٢٢)

سیدنا ابوبکر پر شیعہ کا بہتان کہ آپ شرعی مسائل سے آگاہ نہ تھے:

شیعہ مضمون نگار رقم طراز ہے:

''ابوبکر اکثر شرعی احکام سے نابلد تھے، کلالہ کی میراث کا مسئلہ بھی آپ کو معلوم نہ تھا۔ اسی لیے اس کے بارے میں فرمایا:'' میں اپنی رائے کے مطابق فیصلہ کرتا ہوں۔ اگر درست ہوا تو اللہ کی طرف سے ہے اور اگر غلط ہوا تو شیطان کی طرف سے ہے۔'' اس سے ابوبکر کی کوتاہی کا ثبوت ملتا ہے۔''

ہم کہتے یہ عظیم بہتان ہے عہد نبوت میں سیدنا ابوبکر کے سوا کوئی شخص فتویٰ نہ دیتا تھا اور نہ فیصلہ صادر کیا کرتا تھا۔ نبی کریم جملہ امور میں سیدنا ابوبکر و عمر سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ پھر یہ کیوں کر ممکن ہے کہ سیدنا ابوبکر شرعی مسائل سے نابلد ہوں؟

منصور بن عبدالجبار السمعانی نے اس بات پر علماء کا اجماع نقل کیا ہے کہ سیدنا ابوبکر اعلم الامت تھے۔

یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ آپ کے عہد خلافت میں جب بھی کسی بات میں کچھ اختلاف پیدا ہوا تو آپ نے کتاب وسنت کی روشنی میں اس کا حل تجویز کیا۔

چنانچہ آپ نے نبی کریم کی وفات اور مقام تدفین پر روشنی ڈال کر صحابہ کو ایمان پر ثابت قدم رکھا۔ [1] اور اس پر آیت قرآنی سے استشہاد کیا۔ سیدنا صدیق نے واضح کیا کہ مانعین زکوٰۃ کے خلاف جنگ آزما ہونا شرعاً ضروری ہے۔ [2] آپ نے بدلائل ثابت کیا کہ خلافت خاندان قریش میں محدود رہنی چاہیے۔ [3] اگر سیدنا ابوبکر نماز اور حج کے مسائل سے کما حقہ باخبر نہ ہوتے تو آپ انھیں امیر الحج اور امام صلوٰۃ مقرر نہ فرماتے۔ حالانکہ حج کے مسائل عبادات میں سب سے مشکل ہیں، پھر یہ کہ آپ نے حج اور نماز میں کسی صحابی کو بھی اپنا نائب مقرر نہیں کیا تھا۔ نبی کریم نے زکوٰۃ کے بارے میں جو کتاب مرتب کرائی تھی سیدنا انس نے وہ سیدنا ابوبکر سے حاصل کی تھی۔ [4] زکوٰۃ کے بارے میں جس

---

[1] سنن ابن ماجة، کتاب الجنائز، باب ذکر وفاته و دفنه ﷺ، (حدیث:١٦٢٨)

[2] صحیح بخاری، کتاب الزکاۃ، (حدیث:١٣٩٩، ١٤٠٠)، صحیح مسلم، کتاب الایمان، (حدیث: ٢٠)

[3] صحیح بخاری، کتاب الحدود، باب رجم الحبلی فی الزنا(حدیث: ٦٨٣٠)، مطولاً

[4] صحیح البخاری، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ الغنم(حدیث: ١٤٥٤، ١٤٥١)

قدر احادیث روایت کی گئی ہیں یہ ان سب میں صحیح تر ہے۔فقہاء نے بھی اسی پر اعتماد کیا ہے۔خلاصہ کلام یہ ہے کہ دوسرے لوگوں کے عین برخلاف کسی شرعی مسئلہ میں بھی سیدنا ابوبکر سے غلطی سرزد نہیں ہوئی تھی۔ [1]

شیعہ کا یہ قول کہ ''سیدنا ابوبکر کلالہ کی میراث سے آگاہ نہ تھے۔''

اس کا جواب یہ ہے کہ یہی بات آپ کے عظیم عالم ہونے کی دلیل ہے۔آپ نے کلالہ کے بارے میں جو موقف اختیار کیا تھا کہ کلالہ وہ ہے جس کی اولاد ہو نہ والد'' [2] جمہور علماء اسی کے قائل ہیں۔دادا کے بارے میں فیصلہ کرنے والے سیدنا عمر تھے۔سیدنا ابوبکر دادا کو باپ کی مثل قرار دیتے ہیں، یہ متعدد صحابہ کا قول ہے۔امام ابوحنیفہ اور بعض شافعیہ وحنابلہ بھی یہی نظریہ رکھتے ہیں، دلیل کے اعتبار سے یہی مسلک قوی تر ہے، امام شافعی اور احمد بن حنبل نے اس ضمن میں زید بن ثابت کے قول کو اختیار کیا ہے۔سیدنا علی نے دادا کے بارے میں جو نظریہ اختیار کیا ہے ائمہ میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں۔جب اس بات پر مسلمانوں کا اجماع قائم ہو چکا ہے کہ جد اعلیٰ چچا کی نسبت اولیٰ ہے، تو جد ادنیٰ بھائیوں سے اولیٰ ہوگا۔جو لوگ یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ بھائی دادا کے شریک ہوتے ہیں ان کے اقوال میں شدید تناقض پایا جاتا ہے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا قول سَلُوۡنِیۡ قَبۡلَ اَنۡ تَفۡقِدُوۡنِیۡ:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''ابوبکر کو علی سے کیا نسبت جو کہا کرتے تھے کہ میرے مفقود (فوت ہو جانے) سے پہلے

---

[1] بفرض محال اگر مسائل میں سیدنا صدیق سے غلطی سرزد ہوتی تو اس سے آپ کی قدر و منزلت میں کوئی فرق نہ پڑتا، اس لیے کہ آپ غیر معصوم بشر تھے۔یہی حال سیدنا علی کا تھا آپ سے غلطیاں سرزد ہوئیں اور ان سے آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچا، آپ نے یہ فتویٰ دیا کہ جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے اور وہ حاملہ ہو تو اس کی عدت اَبعد الاجلین ہے۔(سنن کبریٰ بیہقی(۷/ ۴۳۰)، المغنی(۱۱/ ۲۸۹)، کتاب الام للشافعی(۷/ ۱۷۳) یہ فتویٰ اس بات کی زبردست دلیل ہے کہ سیدنا علی بھی دیگر صحابہ کی طرح غیر معصوم تھے۔

[2] مصنف عبد الرزاق(۱۹۱۹۰-۱۹۱۹۱)، سنن الدارمی(۲/ ۳۶۵-۳۶۶)، سنن کبری بیهقی(۶/ ۲۲۴) و فی اسناده انقطاع بین الشعبی و بین ابی بکر الصدیق رضی الله عنه)

جو دریافت کرنا ہو کرلو۔ مجھ سے آسمان کے راستوں کے بارے میں پوچھیے کیوں کہ مجھے زمین کے راستوں سے ان کا زیادہ علم ہے۔''

ہم کہتے ہیں سیدنا علی کے اس ارشاد کی وجہ یہ تھی کہ کوفہ والے جاہل تھے اور آپ انھیں مسائل و احکام سکھانا چاہتے تھے، سیدنا ابوبکر کا معاملہ اس سے دگرگوں تھا، آپ اکابر صحابہ میں بودوباش رکھتے تھے اور آپ کی رعیت امت بھر میں زیادہ صاحب علم اور دین دار تر تھی۔ سیدنا علی کے مخاطب عوام تابعین میں سے تھے، بلکہ یوں کہیے کہ ان میں بہت سے بدترین تابعین میں سے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ سیدنا علی ان کی مذمت بیان کرتے اور ان پر بدعا کیا کرتے تھے۔ مکہ و مدینہ اور شام و بصرہ کے تابعین کوفہ والوں سے بدرجہا بہتر تھے۔ خلفاء اربعہ سے منقول فتاویٰ جمع کیے جا چکے ہیں۔ ان میں سے سیدنا ابوبکر و عمر کے فتاوٰی قرین صحت وصواب اور ان کے علم وفضل پر روشنی ڈالتے ہیں۔ سیدنا ابوبکر کے فتاویٰ عمر کے فتاوٰی سے بھی صحیح تر ہیں۔ سیدنا عمر کے فتاویٰ میں سے مخالف نص سیدنا علی کی قضایا کی نسبت تعداد میں کم ہیں۔ آج تک کوئی ایسی نص معلوم نہیں ہوسکی جو سیدنا ابوبکر کے بیان کردہ مسائل کے خلاف ہو۔ خلافت صدیقی میں حضرت ابوبکر ہی مثبت مسائل کی وضاحت فرمایا کرتے تھے، حضرت ابوبکر کے عہد خلافت میں صحابہ کا اختلاف معروف نہیں ہے۔

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''ابو البختری کا بیان ہے میں نے سیدنا علی کو کوفہ کے منبر پر بیٹھے دیکھا۔ آپ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زرہ، تلوار اور عمامہ زیب تن کر رکھا تھا۔ انگلی میں نبی کریم کی انگوٹھی پہن رکھی تھی۔ اسی دوران آپ نے شکم مبارک سے کپڑا اٹھا کر فرمایا مجھے گم پانے سے پہلے جو پوچھنا چاہو پوچھ لو۔ (اِلٰی اٰخِرِ مَا قَالَ)

میں کہتا ہوں یہ صریح کذب ہے، اس لیے کہ سیدنا علی اہل کتاب کے معاملات کا فیصلہ تورات و انجیل کی روشنی میں کرنے کے مجاز نہ تھے۔ بلکہ صرف قرآن کریم کے مطابق فیصلہ کرنا آپ کے لیے ناگزیر [1] تھا۔ جو شخص سیدنا علی کی جانب اس بات کو منسوب کرتا ہے کہ آپ یہود و نصاریٰ کے باہمی

---

[1] قرآنی احکام کو منسوخ کرکے یہود کے شرائع واحکام کو معمول بہا ٹھہرانا یہود کی دیرینہ خواہش ہے جو ماضی ہی میں ختم نہیں ہوئی، بلکہ مستقبل تک جاری وساری ہے۔ ہم قبل ازیں شیعہ کی معتبر کتاب کافی کلینی ...... جو شیعہ کے یہاں بخاری کے مرتبہ سے کم نہیں ...... سے نقل کر چکے ہیں کہ اس کے ایک باب کا عنوان

معاملات کا فیصلہ تورات وانجیل کے مطابق کیا کرتے تھے اور اس پر ان کی مدح بھی کرتا ہے یا تو وہ بہت بڑا جاہل ہے اور یا زندیق وملحد ہے کہ اس مدح کے پردے میں آپ پر جرح وقدح وارد کرنے کا خواہاں ہے۔اس لیے یہ بات مدح وثواب کی موجب نہیں، بلکہ ذم وعقاب کا باعث ہے۔

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''محدث بیہقی اپنی سند کے ساتھ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ جو شخص سیدنا آدم علیہ السلام کا علم، نوح علیہ السلام کا تقویٰ، ابراہیم علیہ السلام کا حلم، موسیٰ علیہ السلام کا رعب وداب اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی طاعت وعبادت کو دیکھنا چاہے وہ علی کو دیکھ لے۔''

ہم کہتے ہیں کہ یہ حدیث منکر ہے، اگر شیعہ اپنے دعوی میں سچے ہیں تو اس کی سند ذکر کریں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث محدثین کے نزدیک بلاشبہ کذب وموضوع ہے، یہی وجہ ہے کہ فضائل علی کی احادیث کے حریص ہونے کے باوجود نسائی جیسے محدثین نے بھی اسے ذکر نہیں کیا۔امام نسائی نے اپنی کتاب الخصائص میں فضائل علی سے متعلق روایات کو جمع کر دیا ہے۔امام ترمذی نے بھی متعدد احادیث آپ کے فضائل میں ذکر کی ہیں جن میں سے بعض ضعیف بلکہ موضوع بھی ہیں۔مگر یہ حدیث کسی نے بھی ذکر نہیں کی۔

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''ابوعمر زاہد [1] کا قول ہے کہ ابوالعباس نے کہا ہمیں سیدنا شیث سے لے کر نبی ﷺ تک کوئی نبی ایسا معلوم نہیں جس نے یہ الفاظ کہے ہوں کہ ''جو پوچھنا چاہو پوچھ لو۔'' البتہ سیدنا علی نے یہ الفاظ ارشاد فرمائے ۔ اکابر صحابہ مثلاً ابوبکر وعمر آپ سے مسائل دریافت کرتے رہے۔ یہاں تک کہ سوالات کا سلسلہ رک گیا۔ پھر سیدنا علی نے کہا:'' اے کمیل بن زیاد! میری ذات میں علم کی فراوانی ہے، اے کاش! اس علم کا کوئی حامل ہوتا۔''

ہے ''جب ائمہ کا بول بالا ہوگا تو وہ داؤد اور آل داؤد کے مطابق فیصلے کیا کریں گے، گواہ کی حاجت نہ ہوگی۔'' ہم بارگاہ ایزدی میں دست بدعا ہیں کہ وہ نبی کریم کی آخری رسالت کا یہ حشر نہ ہونے دے اور اس سے اسے محفوظ ومصئون رکھے۔

[1] ابوعمر زاہد المتوفی (۲۶۱۔۳۴۵) کا اصلی نام محمد بن عبدالواحد بن ابو ہاشم المطرز المعروف غلام ثعلب ہے۔ ابوالعباس کا نام احمد بن یحییٰ ثعلب المتوفی (۲۰۰۔۲۹۱) ہے۔ یہ ابوعمر زاہد کا استاد ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اس روایت کی نقل ثعلب سے درست بھی ہو تو یہ بے سند ہونے کی وجہ سے قابل احتجاج نہیں۔ ثعلب ائمہ حدیث میں سے نہیں ہے جس کی صحیح وسقیم روایات کا محدثین کو علم ہو۔ بڑے بڑے فقہاء بے اصل احادیث ذکر کرتے ہیں۔ ثعلب کی حیثیت ہی کیا ہے۔ مزید یہ کہ ثعلب نے یہ روایت ایسے لوگوں سے سنی ہے جو اپنے اساتذہ کا نام ہی بیان نہیں کرتے۔ سیدنا علی کا یہ ارشاد سیدنا ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کے زمانے کا نہیں بلکہ آپ نے یہ الفاظ کوفہ میں فرمائے۔ آپ کوفہ کے لوگوں کو کہا کرتے تھے کہ آپ سے دینی مسائل پوچھیں۔

جس طرح آپ نے کمیل کو مخاطب کر کے کہا۔ جہاں تک سیدنا ابوبکر کا تعلق ہے آپ سیدنا علی سے کچھ بھی دریافت نہیں کیا کرتے تھے، سیدنا عمر سیدنا علی سے اسی طرح مشورہ کیا کرتے تھے جس طرح باقی لوگوں سے۔

شیعہ کا اعتراض کہ سیدنا ابوبکر نے سیدنا خالد بن ولید سے قصاص نہ لیا:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''ابوبکر نے شرعی حدود کو ترک کر دیا تھا۔ چنانچہ جب خالد بن ولید نے مالک بن نویرہ کو قتل کر دیا تو ان سے قصاص نہیں لیا تھا۔ جب عمر نے خالد کو قتل کرنے کا مشورہ دیا تو ابوبکر نے قبول نہ کیا۔''

ہم جواباً کہتے ہیں کہ اگر کسی بے گناہ کے قتل کا قاتل سے قصاص نہ لینا جرم ہے تو سیدنا علی کے خلاف حامیان عثمان کی سب سے بڑی دلیل یہی ہوگی کہ وہ آپ کا قصاص لینے سے قاصر رہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ سیدنا عثمان مالک بن نویرہ جیسے لوگوں سے بدرجہا افضل تھے۔ آپ بحالت مظلومی شہید ہوئے اور سیدنا علی نے قاتلوں سے قصاص نہ لیا۔ اسی وجہ سے شامی لوگ سیدنا علی کی بیعت میں شریک نہ ہوئے۔

اگر سیدنا علی ترک قصاص میں معذور تھے تو شیعہ کو چاہئے کہ اہل سنت کی طرح ابوبکر و علی دونوں کو معذور قرار دیں۔ سیدنا عمر نے جو قاتل کے قتل کا مشورہ دیا تھا یہ ان کے اجتہاد پر مبنی تھا۔ شیعہ سیدنا عثمان پر جو اعتراض کرتے ہیں کہ جب عبید اللہ بن عمر نے ہرمزان کو قتل کر دیا تو انھوں نے عبید اللہ سے قصاص نہ لیا اس کا بھی یہی جواب ہے کہ آپ سیدنا علی کی طرح معذور تھے۔ (ہرمزان کے قتل کے لیے دیکھیے ''العواصم من القواصم، ص: ۱۰۶، ۱۰۸)

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''ابوبکر نے سیدہ فاطمہ کو فدک کی جاگیر نہ دے کر ارشاد رسول کی خلاف ورزی کی۔''

ہم کہتے ہیں کہ جاہل شیعہ کے سوا سب اہل اسلام ابوبکر کی تائید کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ ایسا کرنے میں حق بجانب تھے، اس لیے کہ صحابہ کی ایک جماعت نے نبی کریم ﷺ سے یہ حدیث روایت کی کہ: '' لَا نُوْرِثُ''

سیدنا ابوبکر وعمر کے آخری الفاظ پر شیعہ کا اعتراض:

رافضی قلم کار کا قول ہے:

''حلیۃ الاولیاء میں عمر سے مروی ہے کہ ابوبکر نے وفات کے وقت یہ الفاظ کہے: اے کاش! میں ایک مینڈھا ہوتا اور میری قوم کے لوگ مجھے ذبح کر دیتے۔'' یہ تو اسی طرح ہوا جیسے کافر بروز قیامت کہے گا: ﴿ یَا لَیْتَنِیْ کُنْتُ تُرَابًا ﴾

ابن عباس ذکر کرتے ہیں کہ عمر فاروق نے عند الموت کہا: ''اگر میرے پاس اتنا سونا ہوتا جس سے ساری کائنات بھر جاتی تو عذاب الٰہی سے بچنے کے لیے اسے فدیہ کے طور پر دے دیتا۔''

یہ بعینہٖ ایسے ہے جس طرح قرآن پاک میں فرمایا:

﴿وَ لَوْ اَنَّ لِلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا وَّ مِثْلَہٗ مَعَہٗ لَا فْتَدَوْا بِہٖ﴾

ایک طرف عند الموت ابوبکر وعمر کے قول کو پیش نظر رکھیے، دوسری طرف سیدنا علی کا قول ملاحظہ ہو کہ آپ اپنے آخری وقت میں فرماتے تھے کہ ''میں محمد اور آپ کی جماعت سے کب ملوں گا؟ شہید ہوتے وقت فرمایا: '' فُزْتُ وَ رَبِّ الْکَعْبَۃِ'' ''رب کعبہ کی قسم! میں نے اپنی مراد پالی۔''

اس کا جواب یہ ہے کہ مندرجہ بالا قول قائل کی جہالت کا آئینہ دار ہے۔ ایسے اقوال تو ان لوگوں سے بھی منقول ہیں جو سیدنا علی کے مرتبہ سے فروتر تھے۔ بلکہ بعض خوارج نے بھی ایسے الفاظ کہے۔ جب سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کا آخری وقت تھا اور آپ کی بیوی نے ''وَاحَزَنَاہُ'' (ہائے غم) کہا تو آپ نے فرمایا: خوشی کی بات ہے کہ میں کل نبی کریم اور آپ کی جماعت سے مل جاؤں گا۔''

بخاری میں سیدنا مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سیدنا عمر کو جب نیزہ لگا تو درد سے کراہنے لگے۔ سیدنا ابن عباس ان کو تسلی دے رہے تھے۔ ابن عباس نے کہا: ''امیر المومنین! کوئی فکر

کی بات نہیں، آپ رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں رہے اور آپ نے بہترین رفیق ہونے کا ثبوت بہم پہنچایا۔ جب نبی کریم کا آخری وقت آیا تو وہ آپ سے راضی تھے۔ پھر آپ سیدنا ابوبکر کی صحبت میں رہے اور آخر وقت تک وہ بھی آپ سے خوش رہے۔ پھر آپ مسلمانوں کی صحبت میں رہے اور اگر آپ ان سے تشریف لے جائیں گے تو سب امت آپ سے راضی ہوگی۔ سیدنا عمر نے فرمایا۔ آپ نے سرور کائنات اور سیدنا ابوبکر کی صحبت کا جو ذکر کیا ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کا مجھ پر عظیم احسان ہے۔ میری یہ بے قراری تم اور تمہارے اصحاب کی وجہ سے ہے۔ اللہ کی قسم! اگر میرے پاس روئے زمین کی دولت ہوتی تو میں عذاب الٰہی کو دیکھنے سے قبل اسے فدیہ کے طور پر دے ڈالتا۔ ❶

مذکورہ صدر حدیث سے مستفاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ، نبی کریم ﷺ اور جمیع امت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے راضی ہے، باقی رہا عذاب الٰہی سے سیدنا عمر کا خوف تو یہ ان کے کمال علم کی دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا﴾ (فاطر: ۲۸/۳۵)

’’بندگان الٰہی میں سے اصحاب علم ہی اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔‘‘

حدیث میں آیا ہے جب نبی کریم نماز پڑھتے تو رونے کی وجہ سے آپ کے سینہ میں ہنڈیا کی طرح جوش پایا جاتا تھا۔ ❷

صحیح مسلم میں مروی ہے کہ جب سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ قتل کیے گئے تو آپ نے فرمایا:

’’اللہ کا رسول ہونے کے باوجود مجھے معلوم نہیں کہ میرے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا۔‘‘ ❸

آپ نے یہ بھی فرمایا:

’’جو باتیں مجھے معلوم ہیں اگر تم جانتے ہوتے تو کم ہنستے اور زیادہ روتے۔‘‘ ❹

---

❶ صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللّٰہ علیه سلم، باب مناقب عمر بن الخطاب، رضی الله عنه (حدیث: ۳۶۹۲)

❷ سنن ابی داؤد۔ کتاب الصلاة، باب البکاء فی الصلاة (حدیث: ۹۰۴)، سنن نسائی (۱۲۱۵)

❸ صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب الدخول علی المیت بعد الموت، (حدیث: ۱۲۴۳، ۷۰۱۸)

❹ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب قول النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم ” لو تعلمون ما اعلم......“ (حدیث: ۶۴۸۵، ۶۴۸۶) ،صحیح مسلم، کتاب الفضائل ، باب توقیره صلی اللّٰہ علیه وسلم (حدیث: ۲۳۵۹)

سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

''اے کاش! میں ایک درخت ہوتا جسے کاٹ دیا جاتا۔''❶

جہاں تک کافر کا تعلق ہے وہ بروز قیامت کہے گا:﴿ یَا لَیْتَنِی کُنْتُ تُرَابًا﴾ بخلاف ازیں مومن دنیا میں اللہ سے ڈرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ مومن کا دنیا میں اللہ سے ڈرنا کافر کے بروز آخرت اللہ سے خائف ہونے کے برابر نہیں۔ نور وظلمت اور نور و سایہ کیوں کر مساوی ہو سکتے ہیں؟ جو شخص امارت وخلافت سے بہرہ ور ہو کر عدل وانصاف کی راہ پر گامزن ہے۔ اور اس کے باوصف اللہ سے ڈرتا ہو کہ مبادا وہ کسی پر ظلم کر چکا ہو، وہ اس شخص کی نسبت افضل ہے۔ جس کی رعیت اسے ظالم تصور کرتی ہو اور اس کے باوجود وہ اپنے اعمال پر ناز کرتا ہو۔ سیدنا عمر عدل میں ضرب المثل تھے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے حق میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی مدح وثنا:

امام ذہبی امام جعفر صادق کے والد سے نقل کرتے ہیں۔ کہ انھوں نے سیدنا جابر سے سنا کہ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی نعش پر پردہ ڈالا گیا تھا۔ تو سیدنا علی تشریف لائے اور کہا: ''اللہ کی تجھ پر اپنی رحمت نازل کرے۔''❷ یہ صحیح ترین روایت ہے۔ سیدنا عباس کے بیٹے عبد اللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ صحابہ کی ایک جماعت نے سیدنا عمر فاروق کی نعش کا احاطہ کر لیا اور آپ کے لیے دعائے خیر کرنے لگے۔ اتنے میں ایک شخص نے اچانک آ کر میرا کندھا تھام لیا۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ سیدنا علی تھے۔ انھوں نے سیدنا عمر کے لیے رحم کی دعا فرمائی اور کہا: ''اے عمر تو نے اپنے پیچھے کوئی آدمی نہیں چھوڑا جس کے اعمال کو لے کر اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرنا مجھے تجھ سے عزیز تر ہو۔''❸ یہ روایت بھی بہت صحیح ہے۔

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''ابن عباس سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت میں فرمایا: ''قلم دوات لاؤ

---

❶ مسند احمد(۵/۱۷۳)

❷ طبقات ابن سعد (۳/۳۶۹۔۳۷۰)

❸ صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم باب مناقب عمر بن الخطاب رضی الله عنه (حدیث:۳۶۷۷۔۳۶۸۵) صحیح مسلم ، کتاب فضائل الصحابة۔ باب من فضائل عمر رضی الله عنه(حدیث: ۲۳۸۹)

کہ میں تمھیں کچھ لکھ دوں، جس کی موجودگی میں تم میرے بعد گمراہ نہ ہوگے۔ عمر نے کہا آپ کے حواس بجا نہیں ہمارے لیے اللہ کی کتاب کافی ہے۔ جب شوروغل بپا ہوا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا یہاں سے چلے جاؤ نبی کے پاس شوروغل زیب نہیں دیتا۔ ابن عباس نے کہا مصیبت تو یہ ہے کہ نبی کریم کو لکھوانے کا موقع نہ مل سکا۔

جب نبی کریم کا انتقال ہوا تو عمر نے کہا آپ فوت نہیں ہوئے اور نہ ہوں گے جب ابوبکر نے اس سے منع کیا اور یہ آیت پڑھی: ﴿اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّ اِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ﴾ تو سیدنا عمر نے یہ آیت سن کر کہا گویا میں نے قبل ازیں یہ آیت نہیں سنی تھی۔''

ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ سیدنا عمر کا علم و فضل صحابہ میں مسلم تھا اور سیدنا ابوبکر کے سوا دوسرا کوئی صحابی اس ضمن میں آپ کا ہم سر نہ تھا۔

سرور کائنات ﷺ نے فرمایا:

''اُمَمِ سابقہ میں کچھ لوگ مُلہم ہوا کرتے تھے۔ میری امت میں اگر کوئی ایسا شخص ہے تو وہ عمر ہے۔'' ❶

نبی ﷺ نے فرمایا:

''بنی اسرائیل میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جن کو اللہ تعالیٰ شرف مکالمہ سے مشرف فرماتے تھے۔ میری امت میں اگر کوئی ایسا شخص ہوا تو وہ عمر ہے۔ ❷

سرور کائنات ﷺ کا ارشاد ہے:

حالت خواب میں مجھے دودھ کا ایک پیالہ پیش کیا گیا میں نے خوب سیر ہو کر پیا یہاں تک کہ سیری کا اثر میرے ناخنوں میں ظاہر ہونے لگا جو دودھ بچ گیا وہ میں نے عمر کو دے دیا۔ صحابہ نے دریافت کیا۔ پھر آپ نے اس خواب کی کیا تعبیر فرمائی؟ فرمایا: ''دودھ سے علم مراد ہے۔'' ❸

---

❶ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل عمر بن الخطاب رضی الله عنه (حدیث:۲۳۹۸)

❷ صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم۔ باب مناقب عمر بن الخطاب رضی الله عنه(حدیث: ۳۶۸۹)

❸ صحیح بخاری ،حواله سابق(حدیث:۳۶۸۱)،صحیح مسلم ۔ حواله سابق، (حدیث:۳۶۹۱)

سیدنا ابوسعید خدری سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''میں نے خواب میں دیکھا کہ لوگوں کو میرے روبرو پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ لوگ قمیص پہنے آئے تھے۔ بعض لوگوں کی قمیص چھاتی تک آتی تھی اور بعض کی کم و بیش۔ اسی دوران سیدنا عمر دامن کشاں گزرے صحابہ نے پوچھا پھر آپ نے اس سے کیا مراد لیا؟ فرمایا: ''دین''۔ ❶

بخاری و مسلم میں ہے کہ سیدنا عمر نے فرمایا میرے تین اقوال منشائے ایزدی کے موافق نکلے:

۱۔ مقام ابراہیم کے بارے میں۔

۲۔ پردہ سے متعلق۔

۳۔ بدر ❷ کے قیدیوں کے بارے میں۔ ❸

واقعۂ قرطاس:

قرطاس کا واقعہ ❹ بخاری و مسلم میں بروایت عائشہ صدیقہ تفصیلاً مذکور ہے۔ سیدہ عائشہ نے کہا

❶ صحيح بخاری حواله سابق(حديث: ٣٦٩١)، صحيح مسلم، حواله سابق (حديث: ٢٣٩٠)

❷ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا: کیا ہی اچھا ہوتا کہ آپ مقام ابراہیم کو جائے نماز بناتے۔ تب یہ آیت اتری: ﴿وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِيمَ مُصَلًّى﴾ (سورة بقرة: ۱۲۵) سیدنا عمر نے یہ بھی عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ کے یہاں نیک و بد ہر قسم کے لوگ آتے ہیں کیا ہی اچھا ہو کہ آپ ازواج مطہرات کو پردہ کا حکم دیں، تب آیت حجاب نازل ہوئی۔ (صحيح بخاری ، حواله سابق، (حديث: ٤٠٢) قبل ازیں بدر کے قیدیوں کے بارے میں مسند امام احمد کی حدیث گزر چکی ہے جس میں سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے مشورہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ آپ نے سیدنا عمر کے مشورہ پر عمل فرمایا تھا۔ (مسند احمد(١/٣٨٣) مستدرك حاكم (٣/٢١۔٢٢) تھوڑے اختلاف کے ساتھ یہ صحيح مسلم ، كتاب الجهاد، باب الامداد بالملائكة فى غزوة بدر (حديث: ١٧٦٣) میں بھی موجود ہے اور اس میں عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں ہے۔

❸ ان الفاظ کے ساتھ یہ روایت صرف صحيح مسلم(حديث: ٢٣٩٩) میں ہے۔ صحيح بخاری، كتاب الصلاة، باب ما جاء فى القبلة(حديث: ٤٠٢)، میں اساری بدر کی جگہ دوسری بات کا ذکر ہے۔

❹ صحيح بخاری، كتاب المغازی، باب مرض النبی صلی الله عليه وسلم و وفاته (حديث: ٤٤٣٢)، صحيح مسلم، كتاب الوصية، باب ترك الوصية ، لمن ليس له شی (حديث: ١٦٣٧)، من حديث عبدا لله بن عباس رضی الله عنهما

کہ آپ نے بیماری کی حالت میں فرمایا: پنے باپ اور بھائی کو بلاؤ کہ میں کچھ لکھ دوں ۔ مجھے ڈر ہے کہ میرے بعد بعض لوگ یہ کہیں کہ میں امامت وخلافت کے لیے زیادہ موزوں ہوں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ اور اہل ایمان ابوبکر کے سوا کسی کو خلیفہ تسلیم نہیں کرتے ۔ ❶

صحیح بخاری میں یہ الفاظ ہیں کہ سیدہ عائشہ نے کہا ''ہائے سر!'' نبی کریم نے یہ سن کر فرمایا، اگر یہ واقعہ میری زندگی میں پیش آیا تو میں آپ کے حق میں دعائے مغفرت کروں گا۔سیدہ عائشہ نے کہا۔ مقام افسوس ہے اللہ کی قسم! آپ چاہتے ہیں کہ میں مرجاؤں۔ اگر میں مرگئی تو آپ اسی روز اور شادی کرلیں گے۔'' نبی کریم نے فرمایا:

> ''میرے سر میں تکلیف ہے، میں ابوبکر اور ان کے بیٹے کو بلا کر ایک عہد نامہ تحریر کرنا چاہتا تھا۔ مبادا کوئی خلافت کا حریص اٹھ کھڑا ہو۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ اور اہل ایمان ایسا نہیں چاہتے۔'' ❷

صحیح مسلم میں ابن ابی ملیکہ سے مروی ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا گیا کہ اگر آپ کسی کو خلیفہ مقرر کرنا چاہتے تو کسے مقرر کرتے ؟ آپ نے جواباً فرمایا: ابوبکر کو، پھر پوچھا گیا، ان کے بعد کس کو؟'' سیدہ عائشہ نے کہا: ''سیدنا عمر کو'' پھر پوچھا گیا ان کے بعد کس کو؟ کہا ''ابوعبیدہ کو'' ❸

سیدنا عمر کو اس بات کا پتہ نہ چل سکا کہ آپ یہ حکم شدت مرض کی وجہ سے دے رہے ہیں یا حسب معمول (بقائمی ہوش وحواس) صحیح حالت میں یہ بات فرما رہے ہیں۔ انبیاء بیمار پڑ سکتے ہیں اس لیے کہ مرض اور نبوت و رسالت کے مابین کوئی منافات نہیں۔ اسی لیے سیدنا عمر نے فرمایا تھا کہ آپ کیا فرما رہے ہیں؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا عمر شک میں مبتلا تھے اور جزم و وثوق سے یہ بات نہیں فرما رہے تھے۔ سیدنا عمر شک میں مبتلا ہو سکتے ہیں کیوں کہ نبی کے سوا کوئی شخص معصوم نہیں۔

---

❶ صحیح مسلم۔ کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل ابی بکر الصدیق رضی الله عنه(حدیث:٢٣٨٧)

❷ صحیح بخاری ، کتاب المرضی، باب ما رخص للمریض ان یقول انی وجع، (حدیث:٥٦٦٦)

❸ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة باب من فضائل ابی بکر الصدیق رضی الله عنه،(حدیث: ٢٣٨٥)

بنابریں وہ اس بات کو جائز سمجھتے تھے کہ آپ شدت بخار کی وجہ سے یہ گفتگو فرما رہے ہوں۔ سیدنا عمر کا یہ قول بھی شک پر مبنی ہے کہ نبی کریم فوت نہیں ہوئے۔ یہاں تک کہ دلیل و برہان سے آپ کی وفات ثابت ہوگئی۔ نبی کریم ﷺ وہ عہد نامہ لکھنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ جب آپ نے دیکھا کہ اب لوگ شک میں مبتلا ہوگئے ہیں تو آپ نے سوچا کہ اب یہ عہد نامہ لکھنے سے بھی شک کا ازالہ نہ ہوگا۔ لہٰذا اب اس کے لکھنے کا کچھ فائدہ نہیں۔ آپ یہ بھی جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ حسب ارادہ ان کو کسی شخصیت پر جمع کردیں گے جس کا اظہار آپ نے ان الفاظ میں کیا: ''وَیَابَی اللّٰہُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلَّا اَبَا بَکْرٍ''[1]

حدیث قرطاس کی مزید توضیح:

سیدنا ابن عباس کے قول کا مطلب یہ ہے کہ عہد نامہ کا نہ لکھنا ان لوگوں کے لیے باعث مصیبت ہے جن کے نزدیک سیدنا ابوبکر کی خلافت مشتبہ ہے اگر آپ عہد نامہ لکھوا دیتے تو شک کا ازالہ ہوجاتا۔ جن کے نزدیک آپ کی خلافت برحق ہے ان کے نزدیک عدم کتابت سے کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ وللہ الحمد۔

بخلاف ازیں جن لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ آپ سیدنا علی کی خلافت کا عہد لکھنے والے تھے وہ علماء اہل سنت و شیعہ ہر دو کے نزدیک بالاتفاق گمراہ ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل سنت کے نزدیک بالاتفاق سیدنا ابوبکر افضل الامت تھے، لہٰذا آپ کی موجودگی میں دوسرا کوئی شخص خلیفہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ شیعہ جو سیدنا علی کو خلافت کا حق دار خیال کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ نبی کریم قبل ازیں ایک نصّ جلی کے ذریعہ سیدنا علی کو خلیفہ مقرر کرچکے تھے، لہٰذا عہد نامہ لکھنے کی مطلقاً ضرورت نہ تھی۔

یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ جب (بقول شیعہ) امت نبی کریم کی مشہور و معروف (سیدنا علی کی خلافت سے متعلق) نص کو چھپانے کی مرتکب ہوچکی تھی تو وہ اس عہد نامہ کو بھی بڑی آسانی سے چھپا سکتے تھے جس میں حاضرین کی تعداد بے حد قلیل تھی۔

نیز یہ کہ لوگوں کے شک کی بنا پر آپ عہد نامہ کو تاوفات کیوں کر ملتوی کر سکتے تھے؟ عہد نامہ میں جو کچھ آپ لکھنا چاہتے تھے اگر وہ کوئی واجب الاظہار بات ہوتی تو نبی کریم بہرکیف اسے لکھوا کر رہتے اور کسی کے قول کو بھی لائق التفات قرار نہ دیتے جب آپ نے کتابت ترک کردی تو اس سے

---

[1] صحیح مسلم ۔ کتاب فضائل الصحابة ، باب من فضائل ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنه(حدیث: ۲۳۸۷)

معلوم ہوا کہ وہ دین کی کوئی ضروری بات نہ تھی۔

ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ سیدنا علی جب نبی کریم کے فتویٰ کے خلاف فیصلہ صادر کر سکتے ہیں تو کیا سیدنا عمر سے غلطی کا صدور نہیں ہوسکتا ؟ سیدنا علی کا فعل سیدنا عمر کے فعل سے شنیع تر ہے، اس لیے کہ عمر شک میں مبتلا ہوئے تھے اور علی نے پورے جزم و یقین کے ساتھ نبی کریم کے خلاف حکم صادر کیا تھا۔ یہ دونوں فعل ایسی خطا سے تعلق رکھتے ہیں جو قابل عفو و درگزر ہے۔ مسئلہ کی توضیح یہ ہے کہ ایک حاملہ عورت کے بارے میں جس کا خاوند فوت ہو چکا تھا سیدنا علی نے فتویٰ دیا تھا کہ اس کی عدت ابعد الاجلین ہے۔ ❶ حالانکہ اس ضمن میں سُبَیعہ کی روایت بالکل صحیح ہے ❷ مگر وہ حدیث سیدنا علی رضی اللہ عنہ تک نہ پہنچ سکی۔

جس عورت کے ساتھ مہر مقرر کیے بغیر نکاح کیا جائے اس کے بارے میں سیدنا علی نے فیصلہ کیا تھا کہ خاوند کی موت کی صورت میں عورت کا مہر ساقط ہو جاتا ہے ❸ حالانکہ بروَع نامی عورت کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کیا تھا کہ اسے وہ مہر دیا جائے گا جو ان کے خاندان میں عام طور سے رائج ہے۔ ❹

سیدنا علی نے ابوجہل کی بیٹی کو اپنے نکاح میں لانے کا ارادہ کیا تھا۔ جب نبی کریم نے اس پر ناراضگی کا اظہار کیا تو یہ ارادہ ترک کر دیا۔ ❺ اس قسم کے اور بھی واقعات ہیں۔ ایسے واقعات جب مبنی

---

❶ سنن کبری بیهقی (۷/۴۳۰)، کتاب الام للشافعی(۷/۱۷۳)، المغنی لابن قدامة (۱۱/۲۸۹)

❷ صحیح بخاری، کتاب الطلاق، باب﴿ وَ أُولَاتُ الْأَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ......﴾ (حدیث: ۵۳۱۸)، صحیح مسلم، کتاب الطلاق، باب انقضاء عدة المتوفی عنها زوجها......" (حدیث:۱۴۸۵)

❸ مصنف عبد الرزاق،(۱۱۷۳۷)،۱۱۷۳۸)، سنن کبری بیهقی (۷/۲۴۷)، سنن سعید بن منصور(۹۲۰)

❹ سنن ابی داؤد ، کتاب النکاح، باب فیمن تزوج و لم یسم لها صداقا" (حدیث: (۲۱۱۴، ۲۱۱۶)، سنن ترمذی، (۱۱۴۵)، سنن نسائی(۳۳۵۴)، سنن ابن ماجه (۱۸۹۱)

❺ صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللّٰه علیه وسلم، باب ذکر اصهار النبی صلی اللّٰه علیه و سلم(حدیث:۳۷۲۹)، صحیح مسلم ، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل فاطمة رضی الله عنها،(حدیث:۲۴۴۹)

براجتہاد ہوں تو اس سے سیدنا علی یا دیگر اہل علم کی شان میں کچھ قدح وارد نہیں ہوتی۔ سیدنا علی کا قول ہے کہ جب خاوند اپنی بیوی کو طلاق کا اختیار دے اور بیوی کہے کہ میں طلاق کی بجائے خاوند کے گھر میں آباد رہنا چاہتی ہوں تو اس کے باوجود عورت مطلقہ ہو جائے گی۔ حالانکہ نبی کریم نے اپنی ازواج مطہرات کو اختیار دیا تھا اور ان پر طلاق واقعہ نہ ہوئی۔ [1]

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جن امور سے سیدنا علی کا رجوع کرنا ضروری تھا وہ ان امور کی نسبت تعداد میں بہت زیادہ ہیں جن سے رجوع کرنا سیدنا عمر کے لیے ناگزیر تھا۔ اس کے باوصف سیدنا عمر نے اکثر امور سے رجوع کر لیا تھا اور سیدنا علی کا رجوع صرف بعض امور سے ثابت ہے۔

جن امور سے سیدنا علی نے رجوع کیا ان میں ابوجہل کی بیٹی کے ساتھ نکاح کرنا بھی شامل ہے، جہاں تک دیگر مسائل کا تعلق ہے، مثلاً یہ مسئلہ کہ حاملہ عورت جس کا خاوند فوت ہو جائے اس کی عدت اَبْعَدَ الْاَ جَلَیْن ہے، نیز یہ مسئلہ جس عورت کا مہر مقرر نہ ہو اور اس کا خاوند فوت ہو جائے تو اسے مہر نہیں دیا جائے گا۔ علاوہ ازیں یہ کہ جس عورت کو طلاق کا اختیار دیا جائے اور وہ خاوند کے گھر میں رہنا چاہے، تو اسے طلاق ہو جائے گی، سیدنا علی تادم واپسیں ان مسائل پر قائم رہے اور ان سے رجوع نہ کیا۔

جن مسائل سے سیدنا علی کا رجوع کرنا ثابت نہیں وہ کثیر التعداد ہیں، امام شافعی نے اس قسم کے مسائل اپنی کتاب ''اختلاف علی وعبداللہ'' میں اور محمد بن نصر المروزی نے کتاب ''رفع الیدین فی الصلوٰۃ'' میں ذکر کیے ہیں۔

اس قسم کے اکثر مسائل ان کتب میں مذکور ہیں جن میں باسند یا بے سند اقوال صحابہ بیان کیے گئے ہیں۔ مثلاً مصنف عبدالرزاق، سنن سعید بن منصور، مصنف وکیع، مصنف ابوبکر بن ابی شیبہ، سنن الاثرم، مسائل حرب، عبداللہ بن احمد، صالح، کتاب ابن المنذر، ابن جریر الطبری، ابن نصر اور ابن حزم و دیگر مصنفین رحمۃ اللہ علیہم۔

شیعہ مصنف لکھتا ہے۔

''جب سیدہ فاطمہ نے فدک کے بارے میں ابوبکر سے بات چیت کی تو ابوبکر نے اس ضمن میں ایک کاغذ لکھ کر سیدہ فاطمہ کو دے دیا۔ جب وہ ابوبکر کے ہاں سے لوٹیں تو راستہ میں عمر (رضی اللہ عنہ)

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الطلاق، باب من خیر ازواجه (حدیث: ۵۲۶۲)، صحیح مسلم، کتاب الطلاق، باب بیان ان تخییره لامرته لا یکون طلاقاً، (حدیث: ۱۴۷۷)

ملے اور وہ کاغذ سیدہ فاطمہ (رضی اللہ عنہا) سے لے کر جلا ڈالا۔ سیدہ فاطمہ نے عمر کے حق میں بددعا کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابولؤلؤ نے عمر کو قتل کر دیا۔''

ہم کہتے ہیں اللہ کی قسم! یہ روافض کا بدترین خود ساختہ جھوٹ ہے، کیا شیعہ سیدنا عمر پر یہ عیب لگاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سیدہ فاطمہ کی وفات کے تیرہ سال بعد سیدنا عمر کو ابولؤلؤ کے ہاتھوں شہادت سے مشرف کیا[1] یہ سعادت سیدنا علی کے حصہ میں بھی آئی تھی۔

شیعہ کا اعتراض کہ فاروق اعظم شرعی حدود میں سہل انگاری سے کام لیتے تھے

شیعہ مصنف کا یہ قول کہ سیدنا عمر نے شرعی حدود کو معطل کر دیا تھا اور مغیرہ بن شعبہ پر حد قائم نہ کی۔''

اس کا جواب یہ ہے کہ جمہور علماء نے اس ضمن میں سیدنا عمر کو حق بجانب قرار دیا ہے۔ جب شہادت کا نصاب کامل نہ ہو تو حد مجرم کی بجائے گواہوں پر لگائی جائے گی۔ صحابہ کی موجودگی میں ایسا کیا گیا تھا۔ سیدنا علی بھی وہاں موجود تھے اور انھوں نے سیدنا عمر کی تائید کی تھی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جب تین گواہوں پر حد قذف لگائی جا چکی تھی تو ابوبکرہ نے از سر نو پھر کہنا شروع کیا کہ اللہ کی قسم! مغیرہ نے زنا کیا ہے، جب سیدنا عمر نے دوبارہ ابوبکرہ پر حد قذف لگانے کا ارادہ کیا تو سیدنا علی نے کہا ابوبکرہ کی بجائے اب مغیرہ کو رجم کرنا چاہیے۔ سیدنا علی کا مقصد یہ تھا کہ ابوبکرہ ایک گواہ ہیں، اور قبل ازیں شہادت دے چکے ہیں۔ اب ان کی تکرار شہادت چوتھے گواہ کے قائم مقام ہے، بایں طور چار گواہ پورے ہو گئے لہٰذا رجم واجب ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ سیدنا علی اس پر رضا مند تھے کہ ان پر حد لگائی جائے ورنہ آپ اس سے منع کر سکتے تھے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عدل و انصاف کا یہ عالم تھا کہ اپنے بیٹے پر شراب کی حد لگائی۔ واقعہ یہ تھا کہ

---

[1] اللہ تعالیٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ پر اپنی رحمت نازل فرمائے، وہ اس بات پر اظہار حیرت کر رہے ہیں کہ سیدنا عمر کا ایک مجوسی کے ہاتھوں شہید ہونا بھی شیعہ کے نزدیک ایک جرم ہے، انھیں کیا معلوم تھا کہ شیعہ سیدنا عمر کے قاتل مجوسی کو بابا شجاع الدین کہہ کر پکاریں گے۔ شیعہ کے مشہور شیخ احمد بن اسحاق احوص نے سیدنا عمر کی شہادت پر اظہار مسرت کرنے کے لیے اس مجوسی کے اعزاز میں جشن کا ایک دن مقرر کیا اور اس کا نام ''عید بابا شجاع الدین'' رکھا۔ فاروق اعظم کے یوم شہادت کو ''عید اکبر'' ''و یوم التسلیة'' اور ''یوم المفاخرہ'' کے ناموں سے یاد کرتے ہیں۔

ان کا بیٹا مصر میں شراب نوشی کا مرتکب ہوا، سیدنا عمرو بن عاص نے چپکے سے گھر میں ہی اس پر حد لگادی۔ حالانکہ باقی لوگوں پر علانیہ حد لگائی جاتی تھی، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا تو انھوں نے عمرو بن عاص کو ڈانٹا اور اپنے بیٹے کو مدینہ بلا کر دوبارہ حد لگائی۔ آپ شرعی حدود میں کسی کی ملامت کی پروانہ کرتے تھے آپ کے عدل و انصاف کا منکر ایک رافضی ہی ہوسکتا ہے۔ قاتلین عثمان پر حد قائم نہ کرنے کے بارے میں سیدنا علی پر بھی اعتراض نہیں کیا جاسکتا کیوں کہ سیدنا علی بھی سیدنا عمر کی طرح ایک مجتہد سے زیادہ نہ تھے۔

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''عمر ازواج مطہرات کو اس سے زیادہ مال دیا کرتے تھے جس قدر عطا کرنا ضروری تھا، عائشہ و حفصہ کو سالانہ دس ہزار درہم دیا کرتے تھے۔''

اس کا جواب یہ ہے کہ عطیہ جات دینے میں سیدنا عمر تفضیل کے مسلک پر عمل پیرا تھے۔ چنانچہ آپ بنی ہاشم کو سب سے پہلے دیتے اور سب سے زیادہ دیتے اور فرمایا کرتے تھے۔ اس مال کے حق دار ہونے میں سب لوگ مساوی ہیں۔ البتہ ہر شخص کی اپنی اپنی ضروریات ہوتی ہیں۔ پھر اسلام کی راہ میں صعوبات اٹھانے اور سبقت اسلام کا بھی لحاظ ہے۔

آپ اپنے بیٹے عبداللہ کو اسامہ بن زید سے کم دیا کرتے تھے۔ [1] اللہ کی قسم! سیدنا عمر کسی کی رو رعایت یا الفت و محبت کی اساس پر کسی کو زیادہ عطیہ جات دینے سے متہم نہ تھے۔

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''عمر شراب پینے والے کو ملک بدر کر کے شرعی حکم کی خلاف ورزی کیا کرتے تھے۔''

اس کا جواب یہ ہے کہ شراب نوشی کی حد میں جلا وطنی کا حکم حاکم کی صواب دید پر موقوف ہے۔ صحابہ سے شراب کی حد کے بارے میں چالیس اور اسّی کوڑے مارنے کی روایات ملتی ہیں۔ سیدنا علی نے فرمایا تھا کہ ان دونوں پر عمل کر سکتے ہیں اور یہ دونوں سنت ہیں؟ بعض علماء کا قول ہے کہ چالیس سے زیادہ کوڑے مارنا واجب ہے، امام ابوحنیفہ اور مالک بھی اسی کے قائل ہیں، امام احمد سے بھی ایک روایت یہی ہے، امام شافعی فرماتے ہیں کہ چالیس پر اضافہ کرنا حاکم کی مرضی پر منحصر ہے۔ سیدنا عمر

[1] سنن ترمذی ، کتاب المناقب ، باب مناقب زید بن حارثه رضی الله عنه، (حدیث: ٣٨١٣)، مستدرك حاكم(٣/ ٥٥٩)

شراب پینے والے کا سر منڈوا کر جلا وطن کر دیا کرتے تھے۔ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ جو شخص چوتھی مرتبہ شراب پیئے اس کو قتل کر دو۔ ❶ اس بات پر اختلاف ہے کہ آیا قتل کا حکم منسوخ ہو چکا ہے یا ہنوز باقی ہے؟ سیدنا علی چالیس سے زیادہ کوڑے لگاتے اور فرمایا کرتے تھے۔ ''اگر کسی شخص پر حد لگائی جائے اور وہ مر جائے تو مجھے اس کا کچھ افسوس نہیں البتہ اگر شراب پینے والا حد لگانے سے مر جائے تو میں اس کی دیت ادا کروں گا کیوں کہ یہ حد ہم نے اپنی رائے سے مقرر کی ہے۔'' ❷ یہ روایت امام شافعی نے ذکر کی ہے اور اس سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ حاکم اپنے اجتہاد کی بنا پر تعزیر میں اضافہ کرنے کا مجاز ہے۔

شیعہ لکھتا ہے:

''عمر شرعی احکام سے نابلد تھے ایک حاملہ عورت کو جب سنگسار کرنے کا حکم دیا تو سیدنا علی نے اس سے روکا۔''

ہم کہتے ہیں کہ اگر یہ واقعہ درست ہے تو ہو سکتا ہے کہ سیدنا عمر کو اس کے حاملہ ہونے کا علم نہ ہو۔ کیوں کہ عدم حمل اصل ہے۔ اس بات کا بھی احتمال ہے کہ آپ کو یہ حکم یاد نہ رہا ہو اور سیدنا علی نے یاد دلا دیا۔ ایسے معاملات کی بنا پر ائمہ ہدایت کو ہدف طعن و ملامت بنانا کہاں تک قرین انصاف ہے؟ سیدنا علی سے اس سے کئی گنا مسائل مخفی رہے آپ کے اجتہاد کا یہ حال ہے کہ جنگ جمل وصفین میں نوے ہزار انسان کو تہ تیغ کر دیا اس کے مقابلے میں سیدنا عمر کا قصور صرف یہ تھا کہ آپ نے حاملہ کو سنگسار کرنے کا حکم دے کر ایک ولد الحرام کو قتل کرنا چاہا تھا اور وہ ابھی قتل نہیں کیا گیا تھا اس سے ظاہر ہے کہ سیدنا علی کا جرم آپ کے مقابلے میں عظیم تر تھا۔

بقول شیعہ فاروق اعظم نے ایک مجنونہ کو سنگسار کرنے کا حکم دیا تھا:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''عمر نے ایک مجنون عورت کو سنگسار کرنے کا حکم دیا تھا۔ سیدنا علی نے فرمایا مجنون

---

❶ سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، باب اذا تتابع فی شرب الخمر(حدیث: ٤٤٨٢، ٤٤٨٤)، سنن ترمذی، کتاب الحدود، باب من شرب الخمر فاجلدوه، (حدیث: ١٤٤٤)، سنن ابن ماجة، کتاب الحدود۔ باب من شرب الخمر مراراً، (حدیث: ٢٥٧٢، ٢٥٧٣)

❷ سنن ابی داؤد، حواله سابق(حدیث:٤٤٨٦)، سنن ابن ماجة۔ کتاب الحدود، باب حد السکران(حدیث: ٢٥٦٩)

مرفوع القلم ہوتا ہے، یہاں تک کہ ہوش میں آئے، یہ سن کر اس سے عمر باز آ گئے اور کہا اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔''

ہم کہتے ہیں کہ '' لَوْلَا عَلِیٌّ لَھَلَکَ عُمَرُ'' کا اضافہ معروف نہیں ہے، یہ حدیث اگر سیدنا عمر کو معلوم نہ بھی تھی تو اس سے ان کی عظمت شان پر کوئی حرف نہیں آتا، یہ بھی ممکن ہے کہ آپ بھول گئے ہوں یا آپ کے اجتہاد پر مبنی ہو، آخر آپ معصوم تو نہیں کہ ان سے کوئی غلطی ہی صادر نہ ہو، خصوصاً جب کہ دیگر حضرات سے بھی ایسی غلطیاں صادر ہو چکی ہیں۔

شیعہ کا قول ہے:

''عمر نے خطبہ دیتے ہوئے کہا، جو شخص کسی عورت کا زیادہ مہر مقرر کرے گا تو میں مہر کی رقم بیت المال میں داخل کر دوں گا ایک عورت نے کھڑے ہو کر کہا جو چیز اللہ نے ہمیں اپنی کتاب عزیز میں عطا کی ہے، آپ اس سے کیوں منع کر رہے ہیں؟ ارشاد باری ہے، ﴿وَاٰتَیْتُمْ اِحْدٰھُنَّ قِنْطَارًا﴾ عمر نے یہ سن کر کہا ''ہر شخص عمر سے بڑا فقیہ ہے۔''

ہم کہتے ہیں یہی بات سیدنا عمر کے کمال فضل و تقویٰ کی دلیل ہے کہ جب حق آپ پر واضح ہو گیا تو آپ نے فی الفور کتاب عزیز کی طرف رجوع کیا اور ایک عورت کے قول سے بھی انحراف نہ کیا، افضل کے لیے یہ ضروری نہیں کہ مفضول اسے کسی بات پر بھی متنبہ نہ کر سکے، ہد ہد نے سیدنا سلیمان علیہ السلام سے کہا تھا۔

﴿اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ﴾ (سورۂ نمل: ۲۷/۲۲)

''مجھے وہ باتیں معلوم ہیں جو آپ نہیں جانتے۔''

سیدنا موسیٰ علیہ السلام خضر کے پاس علم حاصل کرنے کی غرض سے گئے تھے، حالانکہ خضر کا مرتبہ آپ سے فروتر تھا، سیدنا عمر نے جو بات کہی تھی وہ ایک فاضل مجتہد کہہ سکتا ہے اس لیے کہ مہر میں اللہ کا بھی حق ہے اور یہ سودا بازی کی قسم کی کوئی چیز نہیں۔

شیعہ مصنف لکھتا ہے۔

''سیدنا عمر نے قدامہ پر شراب کی حد نہیں لگائی تھی کیوں کہ اس نے یہ آیت تلاوت کی:

﴿لَیْسَ عَلَی الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِیْمَا طَعِمُوْا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّآمَنُوْا﴾

سیدنا علی نے یہ سن کر کہا کہ ''آیت میں جن لوگوں کا ذکر ہے قدامہ ان میں شمار نہیں ہوتا۔'' سیدنا عمر کو معلوم نہ تھا کہ کیا حد لگائیں، چنانچہ سیدنا علی نے کہا کہ ''قدامہ کو اسی چابک لگائیں۔''

شراب نوشی کی حد کے بارے میں سیدنا عمر کا علم کسی دلیل کا محتاج نہیں، بارہا آپ کو اس کا عملی تجربہ ہو چکا تھا، ذکر کردہ واقعہ کی تفصیل بروایت ابواسحاق جوزجانی از ابن عباس یہ ہے کہ قدامہ بن مظعون نے شراب پی، تو سیدنا عمر نے دریافت کیا ''تمہیں کس چیز نے شراب نوشی پر آمادہ کیا۔'' قدامہ نے ذکر کردہ آیت تلاوت کی اور کہا کہ میں مہاجرین اولین میں سے ہوں، سیدنا عمر نے فرمایا، ''اسے جواب دو۔'' سب صحابہ خاموش رہے، پھر آپ نے ابن عباس کو جواب دینے کا حکم دیا، تو آپ نے فرمایا: ''یہ آیت ان لوگوں کو معذور قرار دینے کے لیے نازل ہوئی جو شراب کی حرمت سے قبل شراب نوشی کے مرتکب ہو چکے تھے۔''

سیدنا علی نے فرمایا جب کوئی شخص شراب پیئے گا تو بے ہودہ بکے گا اور جب بے ہودہ بکے گا تو جھوٹ بولے گا، آپ قدامہ کو اسی درّے لگائیں، چنانچہ سیدنا عمر نے اس کی تعمیل کر دی، اس روایت کے مطابق سیدنا علی نے اسی درّے لگانے کا مشورہ دیا، روایات صحیحہ میں آیا ہے کہ سیدنا علی نے سیدنا عثمان کی موجودگی میں ولید بن عقبہ کو چالیس درے لگائے تھے اور اسی درّے کی روایت کو سیدنا عمر کی جانب منسوب کیا۔ [1] صحیح روایت سے ثابت ہے کہ اسی درّے لگانے کا مشورہ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف نے دیا تھا۔ [2] اور یہ حکم سیدنا علی سے اخذ نہیں کیا گیا تھا، ہم قبل ازیں سیدنا علی کا یہ قول نقل کر چکے ہیں کہ ''اگر شراب کی حد لگاتے ہوئے کوئی شخص مر جائے گا تو میں اس کی دیت ادا کروں گا، کیوں کہ آپ نے یہ حد مقرر نہیں فرمائی تھی۔''

بقول شیعہ فاروق اعظم کی اجتہادی غلطیاں:

شیعہ مصنف لکھتا ہے۔

''عمر نے ایک حاملہ عورت کو بلا بھیجا اور خوف کے مارے اس کا حمل ساقط ہو گیا، تو صحابہ نے کہا: ''آپ پر دیت وغیرہ نہیں آئے گی۔'' پھر عمر نے سیدنا علی سے دریافت کیا تو آپ

[1] صحيح مسلم، كتاب الحدود۔ باب حد الخمر (حديث: ۱۷۰۷/۳۸)

[2] صحيح مسلم، كتاب الحدود، باب حد الخمر (حديث: ۱۷۰۶)

نے فرمایا اس کے ورثاء کو دیت ادا کرنا واجب ہے۔‘‘

ہم کہتے ہیں کہ یہ اختلافی و اجتہادی مسائل میں سے ہے، فاروق اعظم کبار صحابہ مثلاً سیدنا عثمان، علی، ابن مسعود، زید اور ابن عباس وغیرہم رضی اللہ عنہم سے مشورہ فرمایا کرتے تھے، یہ آپ کے کمال علم و فضل کی دلیل ہے، ایک عورت کو بارگاہ فاروقی میں لایا گیا جس نے زنا کا اقرار کیا تھا، سیدنا عثمان نے فرمایا میرا خیال ہے کہ یہ عورت زنا کی حرمت سے آگاہ نہیں ہے، بنا بریں اس پر حد قائم نہ کی، جب سیدنا اسامہ نے ایک لا الہ الا اللہ کہنے والے شخص کو قتل کر دیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سزا نہ دی، [1] کیوں کہ اسامہ اس کے قتل کو جائز سمجھتے تھے، خالد بن جذیمہ اور مالک بن نویرہ کا قتل بھی اسی قبیل سے ہے۔

شیعہ مصنف لکھتا ہے۔

’’دو عورتیں ایک بچے کے بارے میں جھگڑتی ہوئیں سیدنا عمر کے پاس آئیں، اور وہ ان کا فیصلہ نہ کر سکے، تو سیدنا علی کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے دونوں عورتوں کو بلا کر سمجھایا، مگر وہ باز نہ آئیں، آپ نے فرمایا آری لاؤ تاکہ میں بچے کو چیر کر آدھا آدھا تقسیم کر دوں، ایک عورت بولی، ابوالحسن! ایسا نہ کیجئے اور یہ بچہ اس عورت کو دے دیجئے، سیدنا علی نے فرمایا: اللہ اکبر! یہ تیرا ہی بیٹا ہے، اگر اس کا بیٹا ہوتا تو اس کو بچے پر رحم آتا۔‘‘

ہم کہتے ہیں یہ واقعہ سیدنا عمر سے متعلق نہیں بلکہ جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہ سے مرفوعاً مروی ہے سیدنا سلیمان علیہ السلام کا واقعہ ہے، [2] اس روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی سمجھ سیدنا سلیمان کو عطا کی، اور سیدنا داؤد اسے نہ سمجھ سکے، جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہوا ہے۔

﴿فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ﴾ (سورۃ الانبیاء: ۲۱/۷۹)

’’ہم نے سلیمان کو اس کا فہم عطا کیا۔‘‘

سیدنا سلیمان نے بارگاہ ایزدی میں دعا کی تھی، کہ انھیں ایسی حکومت عطا کی جائے جو اس کی

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الدیات، باب (و من احیاها) (حدیث:۶۸۷۲)، صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب تحریم قتل الکافر بعد قوله لا اله الا الله (حدیث: ۹۶)

[2] صحیح بخاری، کتاب الفرائض، باب اذا دعت المرأة ابنا،(حدیث:۶۷۶۹)، صحیح مسلم، کتاب الاقضیة، باب اختلاف المجتهدین،(حدیث: ۱۷۲۰)

حکومت سے ملتی جلتی ہو، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ سیدنا سلیمان سیدنا داؤد سے افضل ہوں، خصوصاً احادیث میں یہ بھی آیا ہے کہ سیدنا داؤد سب انسانوں سے بڑھ کر عابد تھے۔ [1]

شیعہ مصنف لکھتا ہے۔

''سیدنا عمر نے ایک عورت کو سنگسار کرنے کا حکم دیا، جس کے ہاں نکاح کے چھ ماہ بعد بچہ پیدا ہوا تھا، سیدنا علی نے سیدنا کو مخاطب کر کے کہا اگر یہ عورت کتاب باری تعالیٰ کے مطابق آپ سے جھگڑے گی تو آپ پر غلبہ حاصل کر لے گی، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

﴿وَحَمْلُهٗ وَفِصَالُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا﴾ (سورۂ احقاف: ۱۵/۳۶)

نیز فرمایا:

﴿وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ﴾ (سورۂ البقرہ: ۲/۲۳۳)

''مائیں اپنے بچوں کو دو سال دودھ پلائیں۔''

ایک آیت میں حمل وفصال کی مدت دو سال چھ ماہ بتائی، دوسری میں ذکر کیا کہ مدت رضاعت دو سال ہے، تو اس سے سیدنا علی نے استدلال کیا کہ کم از کم مدت حمل چھ ماہ بھی ہو سکتی ہے۔''

ہم کہتے ہیں کہ سیدنا عمر صحابہ کرام سے مشورہ لیا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی مدح کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ﴾

''وہ اپنے کام باہم مشورہ سے طے کرتے ہیں۔''

غیر شادی شدہ حاملہ کا شرعی حکم:

یہ مسئلہ متنازع فیہا ہے کہ جب ایک عورت حاملہ ہو اور اس کا خاوند ہو نہ آقا اور نہ ہی اس کا یہ دعویٰ ہو کہ کسی نے شبہ کی بنا پر غلطی سے اس کے ساتھ مجامعت کر لی تو اس کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے......؟

امام مالک فرماتے ہیں کہ اسے رجم کیا جائے، امام احمد کا بھی ایک قول یہی ہے امام ابوحنیفہ اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ اسے رجم نہ کیا جائے، کیوں کہ اس بات کا احتمال ہے کہ اس کے ساتھ جبر کیا

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب النھی عن صوم الدھر لمن تضرر به، حدیث: ۱۸۲/ ۱۱۵۹) مطولاً۔

گیا ہو یا اسے بلا مجامعت حمل ٹھہر گیا ہو، خلفائے راشدین کا مسلک یہ ہے کہ اسے سنگسار کیا جائے، بخاری و مسلم میں ہے کہ سیدنا عمر نے اپنی زندگی کے آخری دور میں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا۔

''زانی کو رجم کرنا حق ہے، بشرطیکہ گواہ موجود ہوں یا استقرار حمل ہو جائے، یا وہ شخص بذات خود زنا کا اعتراف کر لے۔''[1]

ایک شرابی جب قے کر رہا ہو تو اس کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔

ممکن ہے سیدنا عمر یہ خیال کرتے ہوں کہ نکاح کے چھ ماہ بعد شاذ و نادر حالت میں بچہ پیدا ہو جاتا ہے جس طرح بعض اوقات یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ کسی عورت کو چار سال یا سات سال حمل رہا، اس کی تحدید میں علماء کا اختلاف ہے۔

جد کی میراث اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ:

شیعہ مصنف لکھتا ہے۔

''سیدنا عمر کے اقوال میں تناقض پایا جاتا ہے، چنانچہ دادا کے بارے میں آپ نے مختلف و متضاد فیصلے کیے۔''

اس کا جواب یہ ہے کہ جدّ (دادا) کے بارے میں سیدنا عمر کا فیصلہ دیگر صحابہ کی نسبت اقرب الی الحق ہے، جب میت کا دادا بھی زندہ ہو اور بھائی بھی موجود ہوں تو اس کے بارے میں صحابہ کے دو قول ہیں۔

۱۔ پہلا قول یہ ہے کہ دادا کی موجودگی میں بھائیوں کو ورثہ نہیں ملے گا، سیدنا ابوبکر و ابوموسیٰ و ابن عباس رضی اللہ عنہم اسی کے قائل ہیں، علاوہ ازیں امام ابوحنیفہ، شافعیہ میں سے ابن سریج اور حنابلہ میں سے ابوحفص برمکی کی بھی یہی رائے ہے، اور یہ مسلک اقرب الی الحق ہے۔

اس لیے کہ حقیقی بھائیوں کے بیٹوں کو دادا سے وہی نسبت ہے جو دادا کے بیٹوں یعنی چچوں کو دادا کی طرف، اس بات پر مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ دادا یہاں باپ کا قائم مقام ہے اور باپ چچوں سے اولیٰ ہے، لہٰذا دادا بھائیوں سے اولیٰ ہوگا۔

۲۔ دوسرا قول یہ ہے کہ دادا بھائیوں کے ساتھ ورثہ میں شریک ہوگا، سیدنا عثمان، علی و زید اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم اسی کے قائل ہیں، مگر اس کی تفصیل میں ان کے مابین بڑا اختلاف پایا جاتا ہے،

[1] صحیح بخاری، کتاب الحدود، باب الاعتراف بالزنا، (حدیث:٦٨٢٩)، صحیح مسلم، کتاب الحدود، باب رجم الثیب فی الزنی (حدیث:١٦٩١)

امام مالک و شافعی و احمد اور جمہور سیدنا زید بن ثابت کے نظریہ کو درست تسلیم کرتے ہیں۔

دادا کے بارے میں سیدنا علی نے جس نظریہ کا اظہار کیا ہے، ابن ابی لیلیٰ کے سوا فقہاء میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں ہے۔

اگر سیدنا عمر کے بارے میں راوی کا قول:

" قَضٰی فِیهَا بِمِائَةِ قَضِیَّةٍ "

درست بھی ہو تو راوی کا اس سے یہ مطلب نہیں کہ ایک ہی مسئلہ میں سیدنا عمر کے سو اقوال ہیں، کیوں کہ یہ ممکن ہی نہیں، جد کے مسئلہ میں جو نزاع پایا جاتا ہے، وہ ماں، بہن اور دادا کے مسئلہ سے زیادہ نہیں جسے علم وراثت میں " مسالة الخرقاء " کہتے ہیں، حالانکہ اس میں صرف چھ اقوال ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ راوی کی مراد دادا کے سو حوادث و واقعات ہیں، دادا کے بارے میں فاروق اعظم کے اقوال دو یا تین سے ہرگز زیادہ نہیں۔

دادا کے بارے میں سیدنا علی سے بھی مختلف اقوال منقول ہیں، علمائے فرائض سے یہ بات پوشیدہ نہیں، زیادہ قرین قیاس بات یہ ہے کہ سو اقوال والی روایت کذب کی آئینہ دار ہے، اس لیے کہ ایسی صورت شاذ و نادر ہی پیش آتی ہے کہ میت کے بھائی بھی زندہ ہوں اور دادا بھی، سیدنا عمر صرف دس سال منصب خلافت پر فائز رہے تھے اس قدر مختصر زمانہ میں ایسے سو واقعات کیوں کر پیش آ سکتے تھے، علاوہ ازیں آپ نے دادا کے بارے میں فتوی دینا بند کر دیا تھا، روایات صحیحہ سے ثابت ہے کہ سیدنا عمر نے فرمایا: " اے کاش! کہ نبی کریم ﷺ نے تین چیزیں ہمارے لیے اچھی طرح بیان فرمائی ہوتیں:

(۱) جد کی میراث (۲) کلالہ (۳) سود سے متعلق مسائل۔ [1]

شیعہ مصنف لکھتا ہے۔

" سیدنا عمر جب ان مسائل میں توقف فرماتے تھے تو آپ سے اس ضمن میں حکم صادر کرنے کی توقع کیوں کر کی جا سکتی ہے؟ سیدنا عمر مال تقسیم کرنے میں بعض لوگوں کو ترجیح دیتے تھے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے مساوات کو ضروری قرار دیا ہے۔ "

اس کا جواب یہ ہے کہ سیدنا عمر مال غنیمت خود تقسیم نہیں کیا کرتے تھے، بلکہ یہ امراء لشکر کا کام ہے۔

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الاشربة، باب ما جاء فی ان الخمر ما خامر العقل (حدیث: ۵۵۸۸)، صحیح مسلم، کتاب التفسیر، باب فی نزول تحریم الخمر (حدیث: ۳۰۳۲)

امیر جیش خمس (مال غنیمت کا پانچواں حصہ) فاروق اعظم کی خدمت میں بھیج دیا کرتا تھا۔

علماء کے یہاں اس مسئلہ میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ کیا کسی مصلحت کے پیش نظر کسی مجاہد سے مال غنیمت کی تقسیم میں ترجیحی سلوک روا رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے دو روایتیں منقول ہیں، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اسے جائز سمجھتے ہیں، اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کو جاتے وقت خمس نکال کر مال غنیمت کا ۴/۱ حصہ بعض مجاہدین کو انعام کے طور پر دے دیا تھا، واپسی کے وقت خمس نکال کر ۳/۱ انعام کے طور پر بانٹ دیا۔ ❶

صحیح مسلم میں مروی ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا سلمہ بن اکوع کو غزوہ الغابہ میں غیر معمولی کارنامہ سرانجام دینے کے صلہ میں ایک پیدل اور ایک سوار کا حصہ دیا تھا حالانکہ سلمہ پا پیادہ تھے۔ ❷

امام مالک و شافعی فرماتے ہیں کہ انعام خمس کے ۵/۱ یعنی کل مال غنیمت کے ۲۵/۱ میں سے دے سکتے ہیں اس سے زیادہ نہیں، عدل و انصاف میں بھلا سیدنا عمر کا ہم سر اور کون ہوگا جن کے قلب ولسان پر حق ہمہ وقت جاری وساری رہتا تھا، آپ تقسیم غنیمت میں فرق مراتب کو پیش نظر رکھتے تھے۔ سیدنا ابوبکر مساوات کے اصول پر عمل پیرا تھے، بہرکیف یہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے۔

شیعہ مصنف کی یہ بات بے اصل ہے کہ ''مساوات واجب ہے۔'' اس نے اس کی کوئی دلیل ذکر نہیں کی، اگر دلیل ذکر کرتا تو دیگر اجتہادی مسائل کی طرح ہم اسے بھی موضوع گفتگو ضرور بناتے۔

شیعہ مصنف لکھتا ہے۔

''سیدنا عمر ظن و قیاس کے مطابق فتوی دیا کرتے تھے۔''

ہم کہتے ہیں کہ اگر قیاس و رائے پر عمل کرنا جرم ہے تو سیدنا علی سیدنا عمر کی نسبت زیادہ قصوروار ہیں، آپ کا جنگ صفین کے لیے جانا بھی ان کی رائے پر مبنی تھا۔ سیدنا علی خود فرماتے ہیں:

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ضمن میں مجھے کوئی حکم نہیں دیا تھا۔ یہ میری ذاتی رائے پر مبنی ہے۔''

سیدنا علی نے خوارج سے جو جنگ لڑی اس کی داستان طویل ہے، جن لوگوں نے جنگ جمل و

---

❶ سنن ابی داؤد۔ کتاب الجهاد۔ باب فیمن قال الخمس قبل النفل (حدیث:۲۷۴۹، ۲۷۵۰)، سنن ابن ماجة۔ کتاب الجهاد، باب النفل (حدیث:۲۷۴۸)

❷ صحیح مسلم، کتاب الجهاد، باب غزوة ذی قرد وغیرها(حدیث:۱۸۰۷)، مطولاً

صفین میں عملی حصہ لیا تھا، ان میں سے کسی نے بھی اس سلسلہ میں کوئی نص بیان نہیں کی البتہ جو صحابہ ان جنگوں میں شریک نہ تھے انھوں نے فتنہ کے دوران ترک قتال کے بارے میں احادیث روایت کی ہیں۔

یہ ایک مسلمہ بات ہے کہ قیاس ورائے اگر قابل مذمت نہیں ہیں تو اس کا قائل کسی حال میں بھی قابل ملامت نہیں اور اگر رائے واجتہاد ایک مذموم چیز ہے تو اس رائے سے اور مذموم تر رائے کیا ہوگی جس کی بنا پر ہزاروں بے گناہ مسلمانوں کا خون (جنگ جمل وصفین میں) بہایا گیا اور اس سے مسلمانوں کو کوئی دینی و دنیوی فائدہ بھی نہ پہنچا۔ بلکہ شرّ میں اضافہ ہوتا چلا گیا اور خیر بتدریج کم ہوتی چلی گئی۔ جب ایسی رائے معیوب و مذموم نہیں ہے تو فرائض وطلاق کے مسائل میں فاروق اعظم کی رائے بالاولیٰ معیوب نہ ہوگی۔ حالانکہ سیدنا علی عملاً اس میں شریک تھے اور آپ کے بیٹے سیدنا حسن اور اکثر سابقین اوّلین صحابہ جنگ وقتال کو خلاف مصلحت تصور کرتے تھے اور یہ رائے یقیناً بدلائل کثیرہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی رائے سے اصلح واصوب تھی۔

یہ بھی معلوم ہے کہ جدّ کے مسئلہ میں بھی سیدنا علی کا فیصلہ قول بالرائے تھا۔ سیدنا علی نے فرمایا تھا'' میری اور سیدنا عمر دونوں کی رائے اس بات پر متفق ہوگئی تھی کہ ام الولد لونڈیوں کو فروخت نہ کیا جائے۔ مگر میں اب ان کے فروخت کرنے کی اجازت دیتا ہوں۔''

اس کے جواب میں سیدنا علی کے قاضی عبیدہ سلمانی نے کہا تھا۔

''آپ اور سیدنا عمر کی متفقہ رائے آپ کی انفرادی رائے سے ہمیں عزیز تر ہے۔''[1]

صحیح بخاری میں بروایت عبیدہ از علی مروی ہے کہ آپ (سیدنا علی) نے فرمایا: جس قسم کے فیصلے تم کیا کرتے ہو کرتے رہو۔ میں اختلاف کو ناپسند کرتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ یا تو جماعت کا نظم قائم رہے۔ یا اپنے اصحاب کی طرح میں بھی اس دنیا سے رخصت ہو جاؤں۔''[2]

یہ روایت ابن سیرین نے عبیدہ سے نقل کی ہے۔ ابن سیرین کا خیال تھا کہ سیدنا علی سے جو روایات نقل کی جاتی ہیں وہ عموماً جھوٹی ہوا کرتی ہیں [3] (کیوں کہ وہ اختلاف کی آئینہ داری کرتی ہیں،

---

[1] مصنف عبد الرزاق(١٣٢٢٤)، کتاب الام للشافعی(١٥٧/٧)، سنن کبریٰ بیهقی (٣٤٨/١٠)

[2] صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللّٰه علیه وسلم، باب مناقب علی بن ابی طالب، رضی الله عنه (حدیث:٣٧٠٧)

[3] صحیح بخاری (حواله سابق)

حالانکہ سیدنا علی اختلاف کو ناپسند فرمایا کرتے تھے)

باقی رہی وہ حدیث جس میں عہد شکنی کرنے والوں اور ظلم وخروج کرنے والوں کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے تو وہ موضوع ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں: ’’سیدنا فاروق اعظم جس چیز کے بارے میں جس خیال کا اظہار فرماتے وہ ہو بہو اسی طرح ہوا کرتی تھی۔‘‘ ❶

نصوص کتاب وسنت اور اجماع وقیاس سے یہ حقیقت اجاگر ہوتی ہے کہ فاروق اعظم کی رائے دیگر اکابر صحابہ مثلاً سیدنا عثمان وعلی اور طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہم کی نسبت بہت زیادہ صائب ہوا کرتی تھی اور اس کے نتائج وثمرات بھی قابل مدح وستائش ہوا کرتے تھے۔ جس شخص میں عدل وانصاف کا شائبہ بھی پایا جاتا ہے، وہ سیدنا عمر کی کمال سیرت وکردار وکثرت علم وفضل میں ذرہ بھر شک نہیں رکھتا۔ سیدنا ابوبکر وعمر کو ہدف طعن وملامت بنانے والا یا تو ناتجربہ کار جاہل ہوگا یا ملحد ومنافق جو ان پر طعن وتشنیع کرنے کو سرور کائنات کو نشان طعن بنانے کا ذریعہ بناتا ہے۔ روافض وباطنیہ کا یہی حال ہے۔

کیا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکر کی مخالفت کی؟:

اگر رافضی کہے چونکہ سیدنا علی معصوم تھے، اسی لیے آپ اپنی رائے سے جو بات فرماتے وہ نص کی طرح حجت ہوا کرتی تھی، اس کے جواب میں ہم کہیں گے ذرا خوارج کو تو دیکھو جو سیدنا علی کو دائرہ اسلام ہی سے خارج کر رہے ہیں۔

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

’’عمر نے اپنے بعد انتخاب خلیفہ کو شوریٰ کے حوالہ کر کے سیدنا ابوبکر کی مخالفت کی۔ عمر کہا کرتے تھے کہ اگر سالم مولیٰ ابوحذیفہ زندہ ہوتے میں انھیں خلیفہ مقرر کر دیتا۔ حالانکہ سیدنا علی اس وقت موجود تھے۔‘‘

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ گفتگو دو قسم سے خالی نہیں۔

۱۔ جو نقل کے اعتبار صریح کذب ہے۔

۲۔ جس میں دانستہ حق کو ٹھکرایا گیا ہے۔

---

❶ صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب اسلام عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ (حدیث: ۳۸۶۶)

پہلی قسم کا کلام صاف جھوٹ ہے یا کم از کم اس کی صداقت کا علم نہیں، دوسری قسم کا کلام سچا ہے، مگر اس میں کوئی چیز موجب طعن نہیں ہے۔ بلکہ وہ باتیں سیدنا عمر کے فضائل ومحاسن میں شامل ہیں۔

مگر اس بات کا کیا علاج کہ شیعہ فرط ضلالت و جہالت کی بنا پر نقلی و عقلی حقائق کو قبول نہیں کرتے۔ چنانچہ وہ ان امور کی جانب متوجہ ہوتے ہیں جو وقوع پذیر ہو چکے ہیں اور وہ اس بات کو جانتے بھی ہیں، مگر اس کے باوصف کہتے ہیں کہ وہ واقع نہیں ہوئے، پھر جو امور وقوع میں نہیں آئے اور ان کے عدم وقوع سے وہ آگاہ بھی ہیں بکمال دیدہ دلیری کہتے ہیں کہ وہ وقوع میں آچکے ہیں۔
خیر وصلاح کا نام اس کی اصطلاح میں فساد ہے اور فساد کا نام خیر وصلاح۔ کسی شاعر نے کہا ہے:

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

وہ عقل ونقل دونوں سے عاری ہیں۔ وہ صحیح معنی میں آیت ہذا کے مصداق ہیں:

﴿لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْ اَصْحَابِ السَّعِيْرِ﴾

(سورۃ الملك:٦٧/١٠)

''اگر ہم سنتے یا عقل رکھتے آج دوزخ والوں میں نہ ہوتے۔''

باقی رہا رافضی مصنف کا یہ قول کہ سیدنا عمر نے انتخاب خلیفہ کے معاملہ کو شوریٰ کے حوالہ کر کے سیدنا ابوبکر کی مخالفت کی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اختلاف کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ اختلاف تضاد

۲۔ اختلاف تنوع۔

اختلاف کی قسم اوّل کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص ایک امر کو واجب ٹھہراتا ہو اور دوسرا اسے حرام قرار دیتا ہو۔

اختلاف کی دوسری قسم کی مثال وہ اختلاف ہے جو قراءت میں پایا جاتا ہے۔ ہر قراءت بجائے خود جائز ہے۔ تاہم ایک قاری کے نزدیک ایک قراءت مختار ہوتی ہے اور دوسرا کسی اور کو مختار تصور کرتا ہے۔ جیسا کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔

حدیث مشہور میں نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

’’قرآن کریم سات حروف پر نازل کیا گیا ہے۔ ہر حرف شافی و کافی ہے۔‘‘ ❶

روایات میں مذکور ہے کہ عمر اور ہشام بن حکیم بن حزام رضی اللہ عنہما کے مابین سورۂ فرقان کی تلاوت میں اختلاف پیدا ہوا۔ جب دونوں نے مختلف طریقہ سے پڑھ کر سنایا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں سے کہا: ’’یہ سورت اسی طرح اتاری گئی ہے۔‘‘ ❷

خلیفۃ المسلمین کا مسلمانوں کے لیے تصرف اسی قبیل سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب جنگ بدر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اساری بدر کے بارے میں صحابہ سے مشورہ لیا تو سیدنا ابوبکر نے فدیہ لینے کا مشورہ دیا اور آپ نے انھیں سیدنا ابراہیم و عیسیٰ کے ساتھ تشبیہ دی۔ سیدنا عمر نے ان کو قتل کرنے کا مشورہ دیا۔ آپ نے ان کو نوح و موسیٰ کے مشابہ قرار دیا۔ ❸ آپ نے دونوں میں سے کی مذمت نہ کی بلکہ انبیاء کے ساتھ تشبیہ دے کر ان کی مدح و ستائش فرمائی۔ اگر نبی کریم حتمی طور پر ایک بات پر عمل کرنے کے مامور ہوتے تو صحابہ سے مشورہ نہ لیتے۔

علاوہ ازیں اجتہادی امور میں اختلاف کا امکان ہے اور ہر اجتہاد مبنی بر صواب ہوتا ہے۔ مثلاً سیدنا ابوبکر غزوات میں سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو سپہ سالار مقرر کیا کرتے تھے، سیدنا عمران کو معزول کرنے کا مشورہ دیا کرتے تھے، مگر سیدنا ابوبکر اس مشورہ پر عمل نہیں کیا کرتے تھے، بلکہ فرمایا کرتے تھے۔ ’’خالد مشرکین پر اللہ کی شمشیر برہنہ ہیں۔‘‘ سیدنا عمر جب مسند خلافت پر فائز ہوئے، تو انھوں نے سیدنا خالد کو معزول کر کے ان کی جگہ سیدنا ابوعبیدہ بن جراح کو مقرر کیا۔ دونوں کا طرز عمل اپنے اپنے وقت پر درست تھا۔ سیدنا ابوبکر نرم مزاج تھے۔ اور سیدنا عمران کے مقابلہ میں جابر و سخت گیر تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دونوں سے مشورلیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے:

---

❶ سنن نسائی، کتاب الافتتاح ، باب جامع ما جاء فی القرآن(حدیث:٩٤٢)، مسند احمد (١٢٢،١١٤/٥)

❷ صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن ، باب انزل القرآن علی سبعة احرف(حدیث: ٤٩٩٢)، صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرین ، باب بیان ان القرآن انزل علی سبعة احرف(حدیث:٨١٨)

❸ مستدرك حاکم(٣/٢١۔٢٢)، مسند احمد(١/٣٨٣)، و اسناده ضعیف لانقطاعه

''جب عمر وابوبکر دونوں کسی بات پر متفق ہو جائیں تو میں ان کی خلاف ورزی نہیں کروں گا۔''[1]

احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بعض غزوات میں فرمایا:

''اگر لوگ ابوبکر وعمر کی اطاعت کریں گے تو سیدھی راہ پر چلیں گے۔''[2]

روایات صحیحہ میں آیا ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے دریافت کیا: ''جب نبی موجود نہ ہوں اور نماز کا وقت آ جائے تو لوگ اس وقت کیا کریں گے؟'' صحابہ نے جواب دیا: اللہ و رسول ہی کو علم ہو گا۔ آپ نے فرمایا: ''کیا ابوبکر وعمر موجود نہیں؟ اگر ان دونوں کی اطاعت کرتے رہیں گے تو راہ راست پر آ جائیں گے اور اگر ان کی نافرمانی کریں گے تو گمراہ ہو جائیں گے اور پوری امت گمراہی سے ہم کنار ہو جائے گی۔ نبی کریم نے تین مرتبہ یہ الفاظ دہرائے۔

صحیح مسلم میں سیدنا عبداللہ بن عباس، سیدنا عمر سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا: ''جنگ بدر کے دن نبی کریم ﷺ نے مشرکین کی طرف دیکھا۔ ان کی تعداد ایک ہزار تھی۔ آپ کے رفقاء تین سو انیس تھے۔ نبی کریم قبلہ رخ ہوئے، پھر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے لگے۔ ''اے اللہ! اپنے وعدہ کو پورا کر اور جو چیز دینے کا وعدہ کیا ہے وہ عطا کر اے اللہ! اگر مسلمانوں کی یہ جماعت ہلاک ہو گئی تو دنیا میں تیری عبادت کرنے والا کوئی نہ ہو گا۔'' آپ ہاتھ اٹھائے قبلہ رو دعا کرنے میں مصروف رہے۔ یہاں تک کہ آپ کی چادر کندھوں پر سے گر پڑی۔ ابوبکر آئے اور چادر اٹھا کر آپ کے کندھوں پر ڈال دی۔ پھر پیچھے سے ہو کر نبی کریم کے ساتھ چمٹ گئے اور کہا:

''اللہ کے نبی! بس کیجیے، اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ پورا کرے گا۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی:

﴿اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ﴾ (سورۃ الانفال: ۸/۹)[3]

---

[1] مسند احمد(۴/۲۲۷)، تاریخ الاسلام للذهبی (عهد الخلفاء، ص: ۲۵۶)

[2] صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب قضاء الصلاة الفائتة، (حدیث: ۶۸۱) مطولاً

[3] صحیح مسلم، کتاب الجهاد، باب الامداد بالملائکة فی غزوة بدر، (حدیث: ۱۷۶۳)

ائمہ سلف کے یہاں سیدنا ابوبکر وعمر کی عظمت وفضیلت کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا تھا۔اس کی حد یہ ہے کہ شیعان علی تک اس سے متفق ہیں۔ابن بطہ اپنے شیخ سے روایت کرتے ہیں جو ابوالعباس بن مسروق کے نام سے مشہور ہیں کہ ابواسحاق سبیعی جب کوفہ آئے تو شمر بن عطیہ نے ہمیں تعظیماً کھڑا ہونے کا حکم دیا۔ابواسحاق بیٹھ کر ہم سے بات چیت کرنے لگے۔انھوں نے کہا جب میں کوفہ سے نکلا تھا تو میں نے کوفہ میں ایک شخص بھی ایسا نہیں پایا جو سیدنا ابوبکر وعمر کی عظمت شان میں شک رکھتا ہو۔اب میں واپس لوٹا ہوں تو لوگ طرح طرح کی باتیں کر رہے ہیں۔اللہ کی قسم! مجھے کچھ علم نہیں کہ یہ کیا کہہ رہے ہیں؟ [1]

ضمرہ سعید بن حسن سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے لیث [2] بن ابی سُلَیم کو یہ کہتے سنا: ''میں نے متقدمین شیعہ کو دیکھا کہ وہ کسی کو بھی ابوبکر وعمر سے افضل نہیں سمجھتے تھے۔

---

1. یہ اس باب میں ایک تاریخی شہادت ہے کہ شیعہ کے نظریات کس عجلت کے ساتھ تغیر پذیر رہے۔ابو اسحاق سُبیعی کوفہ کے مشہور شیخ اور عالم تھے۔خلافت عثمانی میں سیدنا عثمان کی شہادت سے تین سال قبل پیدا ہوئے۔طویل عمر پائی اور ۱۲۷ھ میں فوت ہوئے۔سیدنا علی کے عہد خلافت میں کمسن تھے وہ خود کہتے ہیں: ''میرے والد مجھے اٹھا کر سیدنا علی کی خدمت میں لے گئے۔سیدنا علی کا سر اور داڑھی سفید تھی اور آپ خطبہ دے رہے تھے'' اگر ہمیں یہ بات معلوم ہو جائے کہ آپ کب کوفہ سے گئے اور کب واپس لوٹے تو ہم جان سکیں گے کہ وہ زمانہ کون سا تھا جس میں شیعہ سیدنا علی کے اتباع میں شیخین کی عظمت و فضیلت کے قائل تھے اور تاریخ کے کس دور میں شیعان علی نے آپ کی پیروی چھوڑ دی اور ان نظریات سے منحرف ہو گئے جن کا اظہار سیدنا علی کوفہ کے منبر پر کیا کرتے تھے۔مثلاً یہ کہ سیدنا ابوبکر وعمر افضل الامت اور آپ کے وزیر وخلیفہ تھے۔یہ امر موجب حیرت ہے کہ خوارج اور اباضیہ نے سیدنا ابوبکر وعمر کے بارے میں اپنے اس نظریہ کو تبدیل نہ کیا جو انھوں نے سیدنا علی کی رفاقت میں واقعۂ تحکیم تک اختیار کر رکھا تھا۔سیدنا ابواسحاق سبیعی کی زندگی کے آخری دور میں شیعہ نے اپنا یہ نظریہ تبدیل کر دیا اور اس ضمن میں سیدنا علی کی نافرمانی کرنے لگے۔

2. اس حدیث کے راوی لیث بن ابی سلیم قرشی کوفی بہت بڑے عالم وزاہد تھے۔انھوں نے عکرمہ سے استفادہ کیا۔یہ معمر وشعبہ اور ثوری کے استاد تھے۔یہ مسائل حج کے مشہور کوفی عالم تھے اور کوفہ بھر میں ممتاز تھے۔ان کی وفات ۱۴۳ھ میں ہوئی۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سفیان بن عُیینہ سے بطریق خالد بن سلمہ از مسروق روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا:

''ابوبکر و عمر کی محبت اور ان کی فضیلت کی معرفت حاصل کرنا اتباع سنت میں داخل ہے۔''

سیدنا مسروق و طاؤس جلیل القدر تابعین کوفہ میں سے تھے۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

متقدمین شیعہ کیوں نہ سیدنا ابوبکر و عمر کی فضیلت کے قائل ہوتے جب کہ سیدنا علی کا قول ہے۔

''نبی کریم کے بعد امت محمدی میں سب سے افضل ابوبکر ہیں پھر عمر۔'' ❶

سیدنا علی کا یہ قول قریباً اسّی طرق سے روایت کیا گیا ہے۔

قبیلہ ہمدان والوں کے ساتھ سیدنا علی کے خصوصی مراسم تھے۔ آپ یہ شعر گنگنایا کرتے تھے۔

وَ لَوْ كُنْتُ بَوَّابًا عَلٰى بَابِ جَنَّةٍ
لَقُلْتُ لِهَمْدَانَ ادْخُلِيْ بِسَلَامٍ

''اگر میں جنت کے دروازے کا دربان ہوتا تو قبیلہ ہمدان والوں سے کہتا کہ آرام سے جنت میں داخل ہو جاؤ۔''

قبیلہ ہمدان والوں سے بھی امام بخاری نے سیدنا علی کے بارے میں یہ روایت نقل کی ہے مثلاً سفیان ثوری بطریق جامع بن شداد، منذر سے روایت کرتے ہیں اور یہ دونوں ہمدانی ہیں کہ سیدنا علی کے بیٹے محمد بن حنفیہ نے ان سے دریافت کیا: ''نبی کریم کے بعد سب سے افضل کون ہیں؟'' سیدنا علی نے فرمایا: '' بیٹا کیا تمھیں یہ بات معلوم نہیں؟'' محمد بن حنفیہ نے کہا: ''نہیں'' سیدنا علی نے فرمایا: ''سب سے افضل سیدنا ابوبکر ہیں۔'' ابن حنفیہ نے پوچھا: ''ان کے بعد کون؟'' فرمایا: ''عمر'' ❷

یہ محمد بن حنفیہ اور سیدنا علی باپ بیٹے کا مکالمہ ہے۔ اسے تقیہ پر محمول نہیں کر سکتے، ابن حنفیہ نے یہ روایت خاص طور سے اپنے والد سے نقل کی ہے اور یہ بات انھوں نے منبر پر کہی تھی۔ سیدنا علی فرمایا کرتے تھے:

---

❶ سنن ابن ماجة۔ المقدمة، باب من فضائل عمر رضی الله عنه (حديث: ١٠٦)، مسند احمد(١/١٠٦)

❷ صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم ، باب قول النبی صلی اللّٰہ علیه و سلم "لو کنت متخذاً خلیلاً" (حدیث: ٣٦٧١)

''جو شخص مجھے سیدنا ابوبکر و عمر سے افضل قرار دے گا میں اس پر حد قذف لگاؤں گا۔''

سنن میں سیدنا علی سے مروی ہے کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا:

''وہ دونوں جو میرے بعد ہیں یعنی ابوبکر و عمر کی اطاعت کیجیے۔''[1]

علماء سے ایک قول یہ منقول ہے اور امام احمد کا بھی ایک قول یہی ہے کہ سیدنا ابوبکر و عمر کا متفق علیہ قول لازم الاتباع ہے، کیوں کہ نبی کریم نے ان کی سنت کی پیروی کا حکم دیا ہے۔

سرکار دو عالم ﷺ کو اعدل و اکمل امور دے کر مبعوث کیا گیا تھا، چنانچہ آپ ہنس مکھ بھی تھے اور مجاہد بھی۔ آپ نبی الرحمۃ بھی تھے اور صاحب قتال و جہاد بھی۔ یہ صرف آپ ہی کی خصوصیت نہیں، بلکہ آپ کی امت بھی دونوں اوصاف کی حامل تھی۔ قرآن میں فرمایا:

﴿اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾ (سورۃ الفتح:۴۸/۲۹)

نیز فرمایا:

﴿اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِيْنَ﴾ (سورۃ المائدۃ:۵/۵۴)

چنانچہ نبی کریم فاروقی شدت وحدت اور صدیقی لطف و کرم دونوں کے جامع تھے۔ اور اسی بات کا حکم دیتے تھے جو عدل و انصاف پر مبنی ہوا کرتی تھی۔ سیدنا ابوبکر و عمر آپ کی اطاعت کا دم بھرتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں حضرات کے امور و افعال کمالِ استقامت کے آئینہ دار تھے۔ جب نبی کریم اس دنیا سے تشریف لے گئے اور یہ دونوں اکابر یکے بعد دیگرے آپ کے خلیفہ و نائب قرار پائے۔ تو ابوبکر نے اپنے کمال کا یوں اظہار فرمایا کہ سیدنا عمر سے مشورہ لے کر اپنی روایتی نرمی کے ساتھ ان کی غلظت و شدت کو مخلوط کرتے رہے تاکہ اعتدال قائم رہے یہ حقیقت ہے کہ خالص نرمی اور خالص درشتی و سختی دونوں بگاڑ کی موجب ہوا کرتی ہیں۔ سیدنا ابوبکر نے یہ طرز عمل اسوۂ نبوی کی پیروی میں اختیار کیا تھا۔ نبی کریم سیدنا عمر فاروق سے بھی مشورہ لیا کرتے تھے اور بعض امور میں سیدنا خالد بن ولید کو بھی شرف نیابت سے سرفراز فرمایا کرتے تھے۔ اسی خصوصیت کی بنا پر آپ اوّلین خلیفہ رسول قرار پائے۔ مرتدین کے خلاف سیدنا ابوبکر نے جس شدت و غلظت کا ثبوت دیا تھا وہ فاروقی

---

[1] سنن ترمذی، کتاب المناقب باب(۳۵/۱۶) ،(حدیث:۳۶۶۲،۳۶۶۳)، سنن ابن ماجة، المقدمة، باب فضائل ابی بکر الصدیق رضی الله عنه، (حدیث: ۹۷)، من حدیث حذیفة رضی الله عنه۔

شدت وحدت سے بھی بڑھ کر تھی۔ سیدنا عمر نے آپ سے کہا تھا: ’’اے نائب رسول! لوگوں پر رحم کیجیے۔‘‘ سیدنا ابوبکر نے کہا: ’’کس بات پر رحم کروں آیا کسی جھوٹی بات پر یا کسی خودساختہ شعر پر۔‘‘

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

’’نبی کریم کی وفات کے بعد سیدنا ابوبکر نے خطبہ دیا۔ یہ حقیقت ہے کہ ہم لومڑی کی طرح بزدل تھے آپ کی حوصلہ افزائی نے ہمیں شیر بنا دیا۔‘‘

جہاں تک سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ذات کا تعلق ہے آپ بذات خود سخت گیر تھے آپ کا کمال یہ ہے کہ آپ نرم طبع صحابہ سے مشورہ لے کر اعتدال کو قائم رکھتے تھے، چنانچہ سیدنا ابوعبیدہ بن جراح، سعد بن ابی وقاص، ابوعبید ثقفی، نعمان بن مقرن اور سعید بن عامر جیسے اہل صلاح و زہد جو سیدنا خالد بن ولید جیسے صحابہ سے بھی بڑے عابد و زاہد تھے آپ کے مشیر تھے۔

شوریٰ کا معاملہ بھی اسی قبیل میں شامل ہے جن معاملات میں اللہ و رسول کا حکم سیدنا عمر کو معلوم نہیں ہوا کرتا تھا۔ آپ ان میں صحابہ سے مشورہ فرمایا کرتے تھے، اصل بات یہ ہے کہ شرعی نصوص جامع کلمات، قضایا کلیہ اور قواعد عامہ کی حیثیت رکھتے ہیں شارع کے لیے یہ ممکن نہیں کہ روز قیامت تک پیدا ہونے والے جملہ مسائل ایک ایک فرد کو بوضاحت وصراحت بیان کر دے۔ نظر بریں امور متعینہ میں غور و فکر کر کے اجتہاد کے ذریعہ سے یہ معلوم کرنے کی ضرورت ہے کہ آیا وہ شارع کے کلمات جامعہ میں داخل بھی ہیں یا نہیں؟ فقہی اصطلاح میں اس اجتہاد کو تحقیق المناط کہتے ہیں جس پر مثبتین و منکرین قیاس سب کا اتفاق ہے۔

مثلاً اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ دو عادل اشخاص کو گواہ بنا لینا چاہیے، اب کسی مخصوص شخص کے بارے میں ہمیں نص کے ذریعہ یہ معلوم نہیں ہوسکتا کہ وہ عادل ہے یا نہیں، بلکہ یہ بات اجتہاد خاص سے معلوم ہوگی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ امانت اس کے حق دار کو ادا کر دینی چاہیے اور فرائض و مناصب بھی اسی شخص کو تفویض کرنا چاہیے جو ان کا اہل ہو مگر کسی متعین شخص کا کسی منصب کے لیے موزوں ہونا نص سے نہیں بلکہ اجتہاد خاص سے معلوم کیا جاتا ہے۔

اگر روافض کا خیال ہے کہ خلیفہ منصوص علیہ ہوتا ہے (اس کا تقرر شرعی نص کی بنا پر وجود میں آتا ہے) اور اس کے پہلو بہ پہلو وہ معصوم بھی ہوتا ہے تو یہ غلط ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ جب رسول علیہ السلام کے خلفاء وعملاً غیر معصوم تھے تو امام و خلیفہ کیوں کر معصوم ہوسکتا ہے؟ یہ ممکن نہیں ہے کہ شارع ہر مخصوص

ومتعین چیز کو صراحتاً بیان کر دے اسی طرح یہ بھی ممکن نہیں کہ نبی و امام کو کسی مخصوص شخص کے باطنی احوال کا علم ہو۔ جہاں تک سیدنا علی کا تعلق ہے جزئیات کے بارے میں آپ کا ظن اکثر مرتبہ غلط نکلا۔ اس سے معلوم ہوا کہ معصوم و غیر معصوم دونوں کے لیے جزئیات میں اجتہاد کرنا ضروری ہے۔

حدیث صحیح میں آیا ہے کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''آپ میرے پاس جھگڑے چکانے آتے ہیں، ممکن ہے کہ کوئی شخص اپنے دعوی کو زیادہ واضح الفاظ میں بیان کر سکتا ہو۔ میں تو اسی طرح فیصلہ کرتا ہوں جیسے سنتا ہوں۔ جس شخص کو میں نے اس کے بھائی کا حق دے دیا تو وہ اسے وصول نہ کرے، یہ تو اسی طرح ہے جیسے میں اسے دوزخ کا ٹکڑا کاٹ کر دے دوں۔''[1]

کسی مخصوص معاملہ میں نبی کریم کا فیصلہ اجتہاد پر مبنی ہوتا ہے۔ اسی لیے آپ نے دوسرے کا حصہ وصول کرنے سے منع فرمایا، جب کہ وہ درحقیقت اس کا حق دار نہ ہو۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ تھے، اس اعتبار سے آپ پر یہ فریضہ عائد ہوتا تھا کہ مسلمانوں میں جو سب سے زیادہ موزوں ہو، اس کو منصب خلافت پر فائز کریں۔ لہٰذا اجتہاد کی بنا پر آپ کو معلوم ہوا کہ یہ چھ حضرات باقی لوگوں کی نسبت خلافت کا زیادہ استحقاق رکھتے ہیں۔ آپ کا یہ اجتہاد اپنی جگہ درست تھا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ کسی شخص نے یہ بات نہ کہی کہ دوسرا کوئی شخص ان سے موزوں تر ہے۔ خلیفہ مقرر کرنے کا کام چھ اشخاص کی اس کمیٹی کے سپرد کیا۔ مبادا آپ ان چھ میں سے کسی کو امام مقرر کر دیں۔ اور دوسرا شخص اس سے اصلح و انسب ہو، چھ حضرات کو یہ کام تفویض کرنا کسی ایک شخص کی تعیین کی نسبت آپ کو زیادہ موزوں نظر آیا۔ یہ ایک بے غرض خلیفہ عادل و مخلص کا عمدہ ترین اجتہاد تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ﴾ (سورۂ شوریٰ:۴۲/ ۳۸) ''وہ اپنے معاملات شوریٰ سے طے کرتے ہیں۔''

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

﴿وَ شَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ﴾ (سورۃ آل عمران:۳/ ۱۵۹)

''معاملات میں صحابہ کے ساتھ مشورہ کیجیے۔''

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الشھادات، باب من اقام البینة بعد الیمین(حدیث: ۲۶۸۰)، صحیح مسلم، کتاب الاقضیة، باب بیان ان حکم الحاکم لا یغیر الباطن (حدیث:۱۷۱۳)

نظر بریں سیدنا عمر کا شوریٰ کو اختیار کرنا مصلحت کے پیش نظر تھا۔ اسی طرح سیدنا ابوبکر کا سیدنا عمر کو خلیفہ مقرر کرنا بھی مصلحت سے خالی نہ تھا۔ سیدنا ابوبکر پر یہ حقیقت واضح ہوگئی تھی کہ علم وفضل اور استحقاق خلافت کے اعتبار سے کوئی شخص سیدنا عمر کا ہم سر نہیں ہوسکتا۔ اس لیے آپ نے شوریٰ کی ضرورت محسوس نہ کی۔ اس مبارک انتخاب کا اثر بھی مسلمانوں پر ظاہر ہوئے بغیر نہ رہا۔ ہر با انصاف دانش منداس حقیقت سے باخبر ہے کہ عثمان وعلی وطلحہ وزبیر اور سعد وعبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم میں سے کوئی بھی سیدنا عمر کا حریف نہیں ہوسکتا۔ اس لیے سیدنا ابوبکر وعمر کے طرز عمل میں چنداں فرق وامتیاز نہیں ہے۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا:

''دنیا میں عاقل ترین افراد تین تھے: سیدنا شعیب علیہ السلام کی بیٹی جس نے کہا ﴿یٰاَبَتِ اسْتَاْجِرْہُ﴾ (سورۃ القصص: ۲۸/۲۶) ''اباجی! اس کو مزدور بنالو۔'' فرعون کی بیوی جس نے کہا تھا: ﴿عَسٰی اَنْ یَّنْفَعَنَا اَوْ نَتَّخِذَہٗ وَلَدًا﴾ (سورۃ القصص: (۲۸/۹) ''ممکن ہے ہمیں فائدہ دے یا ہم اسے اپنا لڑکا بنالیں۔'' سیدنا ابوبکر جنھوں نے سیدنا عمر کو خلیفہ مقرر کیا۔ [1]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا تھا:

میرے والد محترم کے کیا کہنے؟ وہ ایک بلند پہاڑ اور اونچی شاخ تھے۔ لوگوں کے سب خیالات جھوٹے ثابت ہوئے۔ وہ کامیاب ہوئے اور تم ناکام ٹھہرے، وہ آگے بڑھ گئے اور تم پیچھے رہے، جیسے گھوڑا منزل مقصود پر پہنچ کر تیز ہو جاتا ہے۔ عنفوان شباب میں وہ نوجوان قریش تھے۔ ادھیڑ عمر کو پہنچ کر قریش کی جائے پناہ تھے۔ قیدیوں کو چھڑاتے، تنگ دست کو کپڑے پہناتے۔ پراگندہ خاطر کو تسلی دلاتے۔ یہاں تک کہ ان کے دلوں کو آپ نے موہ لیا۔ پھر دینی کوششوں میں لگ گئے اور آپ کی غیرت وخودداری بڑھتی ہی چلی گئی۔ آپ نے اپنے گھر کے صحن میں مسجد بنا کر اسلامی رسوم کو زندگی بخشی۔ آپ حزین القلب اور کثرت سے رونے والے تھے۔ آپ کی آواز بڑی درد بھری تھی۔ مکہ کی عورتیں اور بچے آپ کی آواز سننے کے لیے جمع ہو جاتے اور آپ کا مذاق اڑاتے۔ قریش کو اس پر بڑی حیرت ہوئی اور انھوں نے تیراندازی کے لیے اپنی کمانیں تان لیں اور آپ کو تیروں کا نشانہ بنالیا۔ مگر آپ کا بال بیکا بھی نہ کرسکے اور آپ کی رفتار میں کچھ فرق نہ آیا جب دین کو استحکام نصیب ہوا۔ اس کی جڑیں

---

[1] مستدرك حاكم(۲/۳۴۵،۳۴۶)، معجم كبير طبراني(۸۸۲۹،۸۸۳۰)

مضبوط ہوگئیں۔لوگ فوج درفوج اس میں داخل ہونے لگےاور ہر قبیلہ جماعت در جماعت مشرف بہ اسلام ہونے لگا تو نبی کریم ﷺ نے اس دنیائے فانی سے رحلت فرمائی۔

نبی کریم کے وصال پر شیطان نے اپنے خیمے گاڑ دیے۔ان کی طنابیں کھینچ دیں اور اپنے تمام حربے استعمال کرنا شروع کر دیے۔لوگوں کے جی میں خیال آیا کہ اب ان کی امیدیں پوری ہوں گی۔حالانکہ یہ بات غلط تھی، بھلا سیدنا صدیق کی موجودگی میں یہ کیسے ممکن تھا؟ چنانچہ آپ ہمہ تن اس کے لیے تیار ہوگئے۔اپنے احباب و انصار کو جمع کرلیا۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام کی رونق رفتہ لوٹ آئی۔اس کا بکھرا ہوا شیرازہ پھر سے جمع ہوگیا اور اس کی کجی جاتی رہی۔آپ نے نفاق کو لتاڑا اور اسلام کو حیاتِ نو بخشی۔ جب حق داروں نے حق کو پا لیا اور جان و مال ضائع ہونے سے بچ گئے تو آپ کا آخری وقت آ پہنچا۔آپ کی وفات سے جو خلا پیدا ہوگیا تھا وہ اس شخصیت سے پر کیا گیا جو رحم و کرم اور عدل و انصاف میں ان ہی جیسی تھی۔ وہ عمر بن خطاب تھے...... وہ ماں قابل تحسین ہے جس نے عمر جیسے بیٹے کو شکم میں رکھا اور اسے دودھ پلایا۔اس باب میں اس کا کوئی نظیر نہیں۔آپ نے کفر کی مٹی پلید کردی۔شرک کو پارہ پارہ کردیا اور دور افتادہ علاقوں کو فتح کرلیا۔ زمین نے اپنے خزانے اگل دیے اور جو کچھ چھپا رکھا تھا وہ نکال پھینکا۔یہ مال و زر آپ کے پیچھے پیچھے بھاگتا اور آپ اس سے کنارہ کشی اختیار کرتے، یہ تعاقب کرتا اور آپ بچ نکلتے۔زندگی بھر ورع و زہد سے رہے اور اسی حالت میں دنیا چھوڑ کر راہیٔ ملک بقا ہوئے۔

اب مجھے بتایئے کہ تمھیں کس بات میں شک ہے اور تم میرے والد پر کیا حرف گیری کرتے ہو؟ آیا ان کے عہد خلافت پر جب وہ عدل و انصاف کے تقاضوں پر عمل پیرا تھے۔یا ان کے یوم وفات پر جب وہ تم پر مہربان تھے (کہ سیدنا عمر جیسے شخص کو مسلمانوں کا خلیفہ مقرر کیا)، یہ خطبہ جعفر بن عون نے اپنے والد سے اور اس نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔یہ سب بخاری و مسلم کے راوی ہیں۔

اب باقی رہا سیدنا عمر کا معاملہ تو آپ نے ان چھ حضرات کو متقارب الصفات خیال کیا تھا اور کسی کو بھی ترجیح نہ دی۔ بروایت صحیحہ آپ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا:

’’اگر میں کسی کو خلیفہ مقرر کردوں تو سیدنا ابوبکر نے جو مجھ سے افضل تھے ایسا کیا تھا اور

اگر کسی کو خلیفہ نہ بناؤں تو سرور کائنات ﷺ کا اسوہ حسنہ میرے سامنے موجود ہے۔''[1]

اختلاف بجائے خود کوئی معیوب چیز نہیں۔ اختلاف تو مختلف قراءتوں اور فقہی مسائل میں بھی پایا جاتا ہے۔ اس کی حد یہ ہے کہ ایک ہی عالم سے ایک ہی مسئلہ میں دو دو قول منقول ہیں۔ ائمہ کبار میں اختلاف ہمیشہ موجود رہا۔ نبی کریم ﷺ نے بعض غزوات کے موقع پر فرمایا تھا:

''اگر لوگ ابوبکر و عمر کی اطاعت کریں گے تو سیدھی راہ پر قائم رہیں گے۔''[2]

نیز نبی کریم سے مروی ہے کہ آپ نے سیدنا ابوبکر و عمر کو مخاطب کر کے فرمایا:

''اگر تم دونوں کسی بات پر متفق ہو جاؤ گے تو میں تم سے اختلاف نہیں کروں گا۔''[3]

سرور کائنات ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

''میرے بعد ابوبکر و عمر کی پیروی کیجیے''[4]

سیدنا ابوبکر کا سیدنا عمر کو خلیفہ بنانا مبنی بر مصلحت تھا، کیوں کہ آپ ہر اعتبار سے اس کے مستحق تھے اور جملہ کمالات سے بہرور تھے۔ بعد میں ہر عاقل نے سیدنا ابوبکر کے اس اقدام کی داد دی۔ سیدنا عمر کا فعل بھی مصلحت سے عاری نہ تھا۔ آپ کے نزدیک وہ چھ حضرات صفات و کمالات میں ایک دوسرے کے لگ بھگ تھے۔ اس لیے آپ کسی کو بھی ترجیح نہ دے سکے۔ ہر شخص میں ایک ایسی انفرادی فضیلت تھی جو دوسرے میں نہ تھی، بنا بریں زہد و ورع کے تقاضا سے آپ نے کسی کی تعیین نہ کی اور امکانی حد تک امت کی مصلحت کو پیش نظر رکھا۔

ان چھ حضرات نے بالاتفاق سیدنا عثمان کو خلیفہ مقرر کر دیا۔ آپ کے انتخاب میں مصلحت زیادہ اور فساد کم تھا۔ واجب بھی یہی ہے کہ ایسے شخص کو منصب خلافت پر فائز کیا جائے جس کی مصلحت فساد

---

1. صحیح بخاری، کتاب الاحکام، باب الاستخلاف(حدیث۷۲۱۸)، صحیح مسلم، کتاب الامارۃ۔ باب الاستخلاف و ترکہ(حدیث:۱۸۲۳)
2. صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب قضاء الصلاۃ الفائتۃ(حدیث:۶۸۱)
3. مسند احمد(۴/۲۷۷)، تاریخ الاسلام للذہبی(عہد الخلفاء،ص:۲۵۶)
4. سنن ترمذی ، کتاب المناقب ، باب(۱۶/۳۵)، (حدیث:۳۶۶۲)، سنن ابن ماجۃ، المقدمۃ، باب فضائل ابی بکر الصدیق ، رضی اللہ عنہ(حدیث:۹۷)

پر غالب ہو۔

خلیفہ کے لیے شرعاً ضروری نہیں کہ وہ اپنی موت کے بعد کسی کو خلیفہ مقرر کر دے۔ یہی وجہ ہے کہ فاروق اعظم نے یہ معاملہ چھ صحابہ کی کمیٹی کے سپرد کر دیا۔ جن سے آخری وقت تک نبی کریم ﷺ راضی رہے تھے۔

شیعہ مصنف نے سالم مولیٰ ابی حذیفہ کا جو ذکر کیا ہے، اس ضمن میں واضح ہو کہ صحابہ کے نزدیک احادیث نبویہ کے پیش نظر امامت و خلافت قریش کے قبیلہ میں محدود و محصور تھی۔ اسی دلیل سے سقیفہ بنی ساعدہ کے دن انھوں نے انصار کے خلاف احتجاج کیا تھا۔ پھر سیدنا عمر سالم کو خلیفہ کیوں کہ مقرر کر سکتے تھے؟ البتہ یہ ممکن ہے کہ انھیں جزئی امامت و ولایت تفویض کرنا چاہتے ہوں یا اس ضمن میں ان سے مشورہ لینا چاہتے ہوں یا اس قسم کے دیگر امور جن کے لیے سالم موزوں تھے۔ اس لیے کہ سالم بہترین صحابہ میں سے تھے۔

استخلافِ عثمان اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ:

شیعہ مصنف کا یہ قول کہ سیدنا عمر نے فاضل و مفضول کو جمع کر دیا تھا:'' ہم کہتے ہیں کہ یہ روافض کے نزدیک ہے۔ اہل سنت ان چھ حضرات کو متقارب الصفات قرار دیتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ صحابہ شوریٰ میں متردد تھے۔ اگر شیعہ کہیں کہ علی افضل تھے اور عثمان مفضول تو ہم کہیں گے کہ پھر انصار و مہاجرین نے بالاتفاق مفضول کو خلیفہ کیوں بنا دیا؟ بعض علماء کا قول ہے (سیدنا ایوب سختیانی کا نظریہ بھی یہی ہے) جو شخص سیدنا علی کو سیدنا عثمان سے افضل قرار دیتا ہے۔ وہ مہاجرین و انصار پر عیب لگاتا ہے۔''

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ہم عہد نبوی میں صحابہ کی درجہ بندی کرتے ہوئے کہا کرتے تھے:

''سب سے افضل ابوبکر ہیں پھر عمر اور پھر عثمان رضی اللہ عنہم۔''[1]

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ:

''تینوں کے بعد ہم دیگر صحابہ میں تفاوت و مراتب قائم نہیں کرتے تھے۔''[2]

---

[1] صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، باب فضل ابی بکر بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم (حدیث: ۳۶۵۵)

[2] صحیح بخاری، باب مناقب عثمان رضی اللہ عنہ، (حدیث: ۳۶۹۸)

یہ تھے صحابہ کے نظریات عہد نبوت میں ! اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ صحابہ نے بالاتفاق کسی خوف و رغبت کے بغیر سیدنا عثمان کی بیعت کرلی۔ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کی شان میں فرمایا:

﴿اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ لَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَائِمٍ﴾(المائدۃ: ۵/ ۵۴)

''وہ مومنوں پر بڑے رحم دل اور کافروں کے مقابلہ میں سخت تھے، اللہ کی راہ میں جہاد کیا کرتے تھے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے ڈرتے نہ تھے۔''

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا:

''ہم نے سب سے بہتر شخص کو خلیفہ بنایا اور اس میں کوتاہی نہیں کی۔''

صحابہ میں سیدنا عباس بن عبدالمطلب، عبادہ بن صامت، اور ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہم جیسے لوگ تھے۔ اگر یہ حق و صداقت پر مشتمل بات کہتے تو کوئی وجہ نہ تھی کہ اسے نظر انداز کردیا جاتا۔ بعض صحابہ عمّال کے نصب وعزل کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی بات چیت کیا کرتے تھے اور آپ انھیں کوئی نقصان نہ پہنچاتے۔ جب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر کو خلیفہ مقرر کیا تو طلحہ وغیرہ صحابہ نے اس پر اعتراض کیا۔ [1] عہد نبوت میں سیدنا اُسید بن حضیر نے اسامہ کے تقرر پر جرح کی تھی۔ سیدنا عمر جب بعض حکام کو مقرر کرتے یا معزول کرتے تو صحابہ اس پر بھی معترض ہوا کرتے تھے۔ باوجودیکہ بنو امیہ کا بڑا زور تھا اور سیدنا عثمان کے اعوان وانصار کی تعداد بہت تھی، تاہم سیدنا عثمان کے عزل ونصب پر لوگ نقد وجرح کیا کرتے تھے۔ خلافت عثمانی کے آخری دَور میں جب لوگوں نے بعض عمال پر اعتراض کیا تو سیدنا عثمان نے ان کو معزول کردیا۔

جب لوگوں نے سیدنا عثمان سے بعض عمال کی شکایت کی کہ وہ ناجائز طور سے مال وصول کرتے ہیں تو آپ نے ان کو معزول کرکے مال اخذ کرنے سے روک دیا۔ حالانکہ یہ اعتراض کرنے والے معمولی درجہ کے لوگ تھے اور سیدنا عثمان خلیفہ محتشم ہونے کے باوصف ان کی شکایات سنتے تھے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ عزت وقوت کے باوجود جلیل القدر صحابہ کی بات سیدنا عثمان کے بارے میں سنی نہ جاتی اور اس کے باوجود وہ خلیفہ قرار پاتے۔

---

[1] طبقات ابن سعد(۳/ ۴۲)

خلافت عثمانی کی کثیر فتوحات تاریخ اسلام کا زریں باب ہیں: ❶ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ سیدنا عثمان نے اپنے اقارب کو مناصب جلیلہ پر فائز کیا اور ان کو بھاری انعامات دیے تو اس کا جواب یہ ہے کہ سیدنا عثمان کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ اور اقرب کو ولایت و امارت پر فائز کیا جاتا رہا۔ اس دور میں جو فتنے اٹھے وہ اس پر مزید ہیں ❷ صحابہ کرام تلخ گھونٹ پی کر چپ رہنے کے خوگر

---

❶ سیدنا حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''میں نے سیدنا عثمان کے منادی کو یہ آواز دیتے سنا ارے لوگو! صبح حاضر ہو کر اپنی تنخواہ وصول کرو۔ چنانچہ لوگ حاضر ہو کر اپنا مشاہرہ وصول کر لیتے، بعض اوقات منادی کہتا اے لوگو! مال غنیمت میں سے اپنا حصہ لے لو۔ لوگ جاتے اور پورا حصہ وصول کر لیتے۔ اللہ کی قسم! میں نے بگوش خود منادی کو یہ پکارتے سنا: ارے لوگو! حاضر ہو کپڑے لے لو۔ لوگ جاتے اور کپڑے لے لیتے۔ اسی طرح گھی اور شہد بھی تقسیم کیا جاتا تھا۔

سیدنا حسن بصری فرماتے ہیں خلافت عثمانی میں مال و دولت اور روپیہ پیسہ کی فراوانی تھی۔ کرۂ ارضی پر کوئی مومن دوسرے مومن سے ڈرتا نہ تھا بلکہ الفت و محبت کا سلوک کرتا اور اس کی مدد کرتا تھا۔ (یہ روایت محدث ابن عبدالبر نے ذکر کی ہے)

سیدنا حسن بصری کے مشہور معاصر اور رفیق کار ابن سیرین جو سیدنا عثمان کے ہم عصر تھے۔ فرماتے ہیں:

''سیدنا عثمان کے عہد خلافت میں مال و دولت کی افراط تھی۔ اس کی حد یہ ہے کہ ایک لونڈی سونے میں تول کر فروخت کی گئی تھی۔ ایک گھوڑا لاکھ درہم اور کھجور کا ایک درخت ہزار درہم کے عوض فروخت کیا گیا تھا۔''

سیدنا عبداللہ بن عمر سے سیدنا علی و عثمان کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا:'' تیرا برا ہو تو ایسے دو حضرات کے بارے میں مجھ سے پوچھ رہا ہے جو دونوں مجھ سے افضل ہیں، تم چاہتے ہو کہ میں ایک کی قدر بڑھاؤں اور دوسرے کی گھٹاؤں۔''(صحیح بخاری، كتاب فضائل اصحاب النبی صلی الله عليه وسلم، باب مناقب علی بن ابی طالب رضی الله عنه (حديث: ٣٧٠٤)، بمعناه

❷ مؤرخ طبری اپنی تاریخ کی جلد پنجم، صفحہ: ۱۹۵، پر لکھتے ہیں:''سیدنا علی جب جنگ جمل کے بعد بیعت لینے سے فارغ ہوئے اور عبداللہ بن عباس کو والی بصرہ مقرر کیا تو اشتر نخعی یہ بات سن کر سخت ناراض ہوا اور کہا، پھر ہمیں سیدنا عثمان کو قتل کر کے کیا فائدہ پہنچا؟ یمن عبیداللہ کو مل گیا۔ حجاز قثم کو، بصرہ عبداللہ کو اور کوفہ سیدنا علی کے حصہ میں آیا'' پھر سوار ہو کر واپس چل دیا۔ جب سیدنا علی کو اشتر کی واپسی کا علم ہوا تو

نہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب سیدنا ابوبکر نے فاروق اعظم کو خلیفہ مقرر کیا تو وہ اس پر بھی چپ نہ رہ سکے اور ابوبکر صدیق کو مخاطب کر کے کہا:

آپ نے عمر جیسے متشدد کو ہم پر خلیفہ مقرر کر دیا ہے۔ آپ اللہ کو کیا جواب دیں گے؟

سیدنا ابوبکر نے کہا:

''میں بارگاہ ایزدی میں حاضر ہو کر کہوں گا کہ ''میں نے سب سے بہتر شخص کو خلیفہ بنایا تھا۔'' [1]

لوگوں کی عادت ہے کہ جس شخص کے خلیفہ مقرر کیے جانے کی امید ہو، اس کی رعایت کرتے ہیں، مبادا برسر اقتدار ہو کر وہ ان سے انتقام لینے پر آمادہ ہو جائے مگر سیدنا عثمان کی رو رعایت کی اس

کوچ کا حکم دیا اور تیزی سے اشتر کے پاس جا پہنچے۔ مگر آپ نے اسے جتلایا نہیں اور کہا ہم آپ سے آگے نکل گئے۔''

سیدنا عثمان پر اقرباء نوازی کا اعتراض لغوی ہے، یہ بات دراصل ان کے فضائل ومناقب میں شمار ہوتی ہے۔ سیدنا علی سیدنا عثمان کی مدح میں فرمایا کرتے تھے: آپ صلہ رحمی کرنے میں سب صحابہ سے پیش پیش ہیں۔ سیدنا عثمان نے بذاتِ خود اس اعتراض کا یہ جواب دیا تھا: ''مجھ پر طعن کیا جاتا ہے کہ میں اپنے کنبہ وقبیلہ سے محبت رکھتا ہوں، میں بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں ان پر جملہ حقوق بھی عائد کرتا ہوں۔ جہاں تک ان کو عطیہ جات دینے کا تعلق ہے میں اپنے مال سے ان کو تحائف دیتا ہوں اور مسلمانوں کے مال کو اپنے لیے یا کسی اور کے لیے حلال نہیں سمجھتا۔ میں عہد رسالت اور سیدنا ابوبکر وعمر کے زمانہ میں بھی اپنے مال سے اقارب کو دیا کرتا تھا، جب کہ مجھے مال کی شدید ضرورت تھی اور میں اس کا حریص بھی تھا۔ اب جب کہ میں بوڑھا ہو چکا ہوں اور میں نے اپنا سب اثاثہ اپنے قبیلہ والوں کو دے دیا ہے مجھے ہدف ملامت بنایا جاتا ہے۔ مورخ طبری اپنی تاریخ کی جلد پنجم، صفحہ:۱۰۳، پر لکھتے ہیں:

''سیدنا عثمان نے اپنا مال ودولت اور اراضی بنو امیہ میں بانٹ دی تھی اور اپنے بیٹوں کو بھی وہی حصہ دیا جو دیگر اموی افراد کو ملا تھا۔ ابوالعاص کے بیٹوں سے شروع کر کے آپ نے آل حکم کے مردوں میں سے ہر ایک کو دس دس ہزار درہم دیے، چنانچہ انھوں نے ایک لاکھ درہم وصول کیے۔ بنو عثمان کو بھی اتنا ہی دیا۔

آپ نے بنو العاص، بنو العیص اور بنو حرب میں اپنا سب اثاثہ تقسیم کر دیا۔''

[1] طبقات ابن سعد(۳/ ۴۲)

وقت کیا ضرورت تھی؟ اس لیے کہ آپ کے ہاتھ میں کوئی اختیار نہ تھا۔

مندرجہ بالا بیانات اس بات کی غمازی کرتے ہیں سیدنا عثمان کو استحقاق کی بنا پر خلیفہ مقرر کیا گیا تھا۔ یہ ایسے دلائل و براہین ہیں کہ ان پر غور وفکر کرنے سے ایک دانا شخص کی بصیرت وفراست میں اضافہ ہوتا ہے، مگر جاہل اور صاحب غرض عقل کا اندھا ہوتا ہے۔ جو شخص واقعات سے آگاہ اور دلائل سے باخبر ہو وہ ان دلائل کو دیکھ کر حق وانصاف کا ساتھ دے گا۔

بقول شیعہ سیدنا عمر کے اقوال وافعال میں تناقض پایا جاتا ہے:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''سیدنا عمر نے شوریٰ کے لیے جن صحابہ کو چنا تھا، ان میں سے ہر ایک کو آپ نے موردِ طعن بنایا اور یہ ظاہر کیا کہ آپ اپنی موت کے بعد کسی کو خلیفہ مقرر نہیں کرنا چاہتے۔ اس کے برعکس تعیین امام کے لیے چھ آدمیوں کی ایک کمیٹی بھی بنا دی۔''

اس کا جواب یہ ہے کہ آپ نے ان چھ حضرات پر اس طرح نقد وجرح نہیں کیا تھا۔ جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہو کہ کوئی اور شخص ان کی نسبت خلافت کا زیادہ حق دار ہے بلکہ آپ نے صرف خلیفہ مقرر نہ کرنے کی وجہ بتائی تھی کہ چونکہ ان حضرات میں یہ نقائص موجود ہیں اس لیے میں ان کو خلیفہ نہیں بناتا۔

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''سیدنا عمر کے افعال میں تناقض پایا جاتا ہے، جس کا ثبوت یہ ہے کہ پہلے آپ نے چار آدمیوں کی ایک کمیٹی بنائی کہ خلیفہ ان میں سے ایک آدمی ہوگا۔ پھر تین آدمی مقرر کیے اور پھر ایک شخص کو یہ اختیار دے دیا۔''

اس کا جواب یہ ہے کہ جو شخص نقلی دلائل سے احتجاج کر رہا ہو، اسے چاہیے کہ کسی نقلی دلائل سے اسے ثابت کرے۔ بخاری میں یہ واقعہ مذکور ہے [1] مگر اس میں ایسی کوئی بات مذکور نہیں بلکہ اس میں جو کچھ لکھا ہے وہ اس کے برعکس ہے اور وہ یہ ہے کہ ان چھ حضرات نے یہ معاملہ تین اشخاص کو تفویض کر دیا تھا، پھر تینوں نے مل کر عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو یہ اختیار دیا۔

سیدنا عمر نے صرف یہ کہا تھا کہ اگر سعد کو خلافت مل گئی تو بہتر ورنہ جو چاہے اس سے مدد حاصل

---

[1] صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، باب قصة البیعة والاتفاق علی عثمان بن عفان، (حدیث: ۳۷۰۰)

کرے۔ کیوں کہ میں نے اسے عجز وخیانت کی بنا پر خلافت سے محروم نہیں رکھا۔ پھر فرمایا، میرے بعد جو شخص خلیفہ مقرر ہو گا۔ میں اسے تقویٰ اوراس بات کی وصیت کرتا ہوں کہ انصار ومہاجرین کا حق پہچانے جن کو اپنے گھر بار چھوڑنے پر مجبور کیا گیا تھا۔ نیز یہ کہ وہ ان کی عزت وآبرو کا خیال رکھے۔ یہ طویل حدیث ہے۔

سیدنا فاروق اعظم کسی سے ڈرا نہیں کرتے تھے۔ یہاں تک روافض (قاتلہم اللہ) ان کو امت محمدی کا فرعون کہہ کر پکارتے ہیں۔ [1] جب زندگی بھر آپ کسی سے نہیں ڈرا کرتے تھے تو سیدنا عثمان کو خلیفہ بنانے سے انھیں کون سی چیز مانع ہوسکتی تھی ، اگر آپ ایسا کرتے تو سب لوگ آپ کا حکم مان لیتے۔ پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ سیدنا عثمان سے سیدنا عمر کو کیا فائدہ حاصل ہوتا جو سیدنا علی سے نہیں ہوسکتا تھا؟ سیدنا عمر نے تو اپنے بیٹے کو بھی خلافت کے امیدواروں میں سے نکال دیا تھا۔ سعید بن زید رضی اللہ عنہ کو قریبی رشتہ دار ہونے کے باوجود اہل شوریٰ میں داخل نہ کیا۔ پھر آپ نے اپنے آخری وقت میں جب کہ کافر بھی مومن ہو جاتا ہے اور فاسق وفاجر بھی اللہ سے ڈرنے لگتا ہے کسی کا لحاظ کیوں کر کر سکتے تھے؟ اگر آپ جانتے ہوتے کہ سیدنا علی بنا برنص یا عظمت وفضیلت کی وجہ سے زیادہ حق دار ہیں تو آپ رضائے الٰہی حاصل کرنے کے لیے ان کو منصب خلافت پر فائز کرتے۔ یہ بات عادۃً محال ہے کہ سیدنا عمر اللہ سے ملتے وقت ایک ایسا کام کرتے جو دین ودنیا میں آپ کے لیے مفید نہ تھا اور جس پر عذاب الٰہی میں گرفتار ہونا ناگزیر تھا۔ بفرض محال اگر سیدنا عمر دشمن رسول بھی تھے (جیسا کہ شیعہ کہتے ہیں) تاہم صحبت نبوی کی برکت سے آپ بہت کچھ حاصل کر چکے تھے۔ پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ سیدنا عمر بے حد ذہین وفطین تھے۔ دلائل نبوت جن سے نبی کریم بہرہ ور تھے آفتاب نصف النہار کی طرح واضح تھے۔ سیدنا عمر جانتے تھے کہ اگر میں نے عداوت رسول کو ترک نہ کیا تو بروز آخرت عذاب الٰہی میں گرفتار ہونا پڑے گا۔ اس پر مزید یہ کہ موت کے وقت سیدنا عثمان کو خلیفہ بنانے سے آپ کا کون سا مقصد حل ہو جاتا؟ آخر کیا وجہ تھی کہ (بقول شیعہ) آپ آخری دم تک آلِ رسول

---

[1] شیعہ سیدنا صدیق اعظم کو الجبت اور سیدنا فاروق کو الطاغوت کے نام سے پکارتے ہیں۔ حوالہ کے لیے جرح و تعدیل کے فن میں شیعہ کی اہم کتاب ”تنقیح المقال فی احوال الرجال للمامقانی“ (۱/۲۰۷) حالانکہ سیدنا ابوبکر وہ عظیم شخصیت ہیں جن کی مدح وثنا پر مشتمل سورۂ توبہ کو لے کر سیدنا علی خود نبی کریم کے حکم کے مطابق مکہ مکرمہ پہنچے تھے۔

اور آپ کے چچا زاد بھائی سیدنا علی کی عداوت پر تلے رہے۔ حالانکہ عمر وہ شخص تھے جس نے اپنی خلافت کے زمانہ میں انتہائی سادہ زندگی بسر کی۔ موٹے جھوٹے پہنے۔ عدل وانصاف کے تقاضوں پر عمل کیا، مال جمع کرنے اور جاہ ومنصب سے گریزاں رہے۔

شیعہ کا یہ قول کہ اگر سیدنا علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتے۔'' امام ابو المعالی الجوینی فرماتے ہیں: ''فلک کج رفتار نے عمر جیسا انسان نہیں دیکھا تھا۔'' نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا:

''جب عمر ایک راہ پر چلتے ہیں تو شیطان اسے چھوڑ کر دوسری راہ اختیار کرتا ہے۔''[1]

سیدنا عمر کے فضائل ومناقب اظہر من الشمس اور ''آفتاب آمد دلیل آفتاب'' کے مصداق ہیں۔

بنو ہاشم وبنو امیہ کے باہمی روابط:

عہد رسالت اور خلافت صدیقی وفاروقی میں بنو ہاشم وبنو امیہ کے مابین حد درجہ یگانگت واتحاد پایا جاتا تھا۔ فتح مکہ کے سال جب ابوسفیان مسلمانوں کے حالات معلوم کرنے کے لیے مکہ سے نکلا اور سیدنا عباس نے اسے دیکھ لیا تو اپنے پیچھے سواری پر بٹھا کر نبی کریم کی خدمت میں لائے اور عرض کیا، اے اللہ کے رسول! ابوسفیان کو کوئی منصب عطا کیجیے کیوں کہ یہ عز وجاہ کا حریص ہے۔[2] یہ سب محبت کی کرشمہ سازی ہے اس لیے کہ بنو ہاشم وبنو امیہ دونوں بنی عبد مناف سے تعلق رکھتے ہیں۔

سیدنا علی کا حد بندی کے بارے میں کسی مسلمان کے ساتھ جھگڑا تھا۔ سیدنا عثمان چند آدمیوں کے ساتھ نکلے، ان میں سیدنا معاویہ بھی تھے۔ سیدنا معاویہ نے آگے بڑھ کر حد کے ایک نشان کے بارے میں دریافت کیا کہ آیا یہ سیدنا عمر کے زمانہ میں بھی موجود تھا؟ لوگوں نے اثبات میں جواب دیا تو سیدنا معاویہ نے کہا۔ اگر یہ ناروا ہوتا تو سیدنا عمر اسے تبدیل کر دیتے۔'' اس جھگڑا میں سیدنا معاویہ نے سیدنا علی کا ساتھ دیا حالانکہ علی موجود نہ تھے۔ بلکہ آپ نے ابن جعفر کو اپنا وکیل بنا کر بھیجا تھا۔ سیدنا علی فرمایا کرتے تھے۔ ''خصومات کا معاملہ بڑا دشوار ہوتا ہے اور شیطان ان میں آدھمکتا ہے۔''

اس محاکمہ میں سیدنا علی نے ابن جعفر کو اپنا وکیل بنا کر بھیجا تھا۔ امام شافعی اور دیگر فقہاء نے اس

---

[1] صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم، باب مناقب عمر بن الخطاب، رضی الله عنه(حدیث:٣٦٨٣)، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل عمر بن الخطاب رضی الله عنه(حدیث: ٢٣٩٦)

[2] سنن ابی داؤد۔ کتاب الخراج باب فی خبر مکة(حدیث:٣٠٢١،٣٠٢٢)

سے احتجاج کیا ہے کہ فریق مخالف کی مرضی کے بغیر خصومات میں وکیل بنانا جائز ہے۔ امام شافعی اور اصحاب احمد بن حنبل اسی کے قائل ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا بھی ایک قول یہی ہے۔

سیدنا علی کے رفقاء جب واپس آئے تو ماجرا کہہ سنایا۔ آپ نے فرمایا: تمھیں معلوم ہے کہ معاویہ نے ہمارا ساتھ کیوں دیا؟ پھر خود ہی اس کی وجہ بتائی کہ ہم (بنو ہاشم) اور بنو امیہ دونوں بنی عبد مناف سے تعلق رکھتے ہیں۔''

ایک مرتبہ ایک محاکمہ پیش آیا جس میں ایک قاضی القضاۃ نے ہم سے مشورہ لینا چاہا، انھوں نے ایک کتاب پیش کی جس میں سیدنا علی کے اس محاکمہ کا ذکر تھا وہ ''المنافیہ'' کا مطلب نہ سمجھ سکے تو میں نے انھیں اس کا مطلب سمجھایا کہ سب بنو عبد مناف عہد رسالت اور سیدنا ابوبکر و عمر کی خلافت میں متحد تھے۔

سیدنا عثمان و علی نے اپنی مرضی سے بلا جبر و اکراہ سیدنا عبد الرحمٰن بن عوف کو انتخاب امام کا اختیار تفویض کر دیا تھا۔

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''عمر جانتے تھے کہ عبد الرحمٰن بن عوف اپنے بھائی اور ابن العم (سیدنا عثمان) کے سوا کسی اور کو خلیفہ مقرر نہیں کر سکتے۔''

یہ صاف جھوٹ اور شیعہ کی علم الانساب سے جہالت کا بین ثبوت ہے، اس لیے کہ عبد الرحمٰن بن عوف سیدنا عثمان کے برادر اور ابن العم ہرگز نہ تھے، بلکہ وہ سیدنا عثمان کے ہم قبیلہ بھی نہ تھے۔ بخلاف ازیں وہ بنو زہرہ کے قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ چونکہ بنو زہرہ نبی کریم کے ننھال تھے، اس لیے اس کا میلان بنی ہاشم کی جانب تھا۔ البتہ سیدنا سعد قبیلہ بنو زہرہ میں سے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد کے بارے میں فرمایا تھا کہ ''یہ میرے ماموں ہیں''[1] یہ کہا جا سکتا ہے کہ سیدنا سعد عبد الرحمٰن بن عوف کے قبیلہ بنو زہرہ سے تعلق رکھتے تھے پھر ان کو خلیفہ کیوں نہ مقرر کر دیا؟

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''سیدنا عمر نے حکم دیا تھا کہ اگر تین دن تک بیعت نہ کریں تو ان سب کو قتل کر دیا جائے۔''

---

[1] سنن ترمذی، کتاب المناقب، باب مناقب ابی اسحاق سعد بن ابی وقاص رضی الله عنه (حدیث: ۳۷۵۲)

ہم دریافت کرتے ہیں کہ یہ کس دلیل سے ثابت ہے؟ مشہور بات یہ ہے کہ سیدنا عمر نے انصار کو حکم دیا تھا کہ جانے سے پہلے چھ اشخاص میں سے ایک کی بیعت کرلیں یہ چھ اشخاص سیدنا عمر کے نزدیک منتخب روزگار تھے۔ پھر آپ ان کے قتل کا حکم کیوں کر صادر کر سکتے تھے؟ نیز یہ کہ انصار ان کو قتل کرنے کے بارے میں سیدنا عمر کی اطاعت کیسے کر سکتے تھے؟ اگر آپ قتل کا حکم صادر کرتے تو یہ بھی بتاتے کہ ان کے بعد کس شخص کو اس منصب پر فائز کیا جائے۔ پھر یہ امر بھی قابل غور ہے کہ یہ سب اپنے اپنے قبیلہ کے سردار تھے۔ ان کو قتل کرنے کی جرأت کون کرتا؟ کسے معلوم نہیں کہ صرف سیدنا عثمان کے قتل سے کس قدر فتنوں کا ظہور ہوا تھا۔ اگر ہم فرض کرلیں کہ یہ چھ حضرات خلیفہ بننا پسند نہیں کرتے تھے تو پھر ان کو قتل کرنا کس بنا پر جائز ہوا؟ ہم نے ایسا کبھی نہیں سنا کہ کسی شخص نے خلیفہ بننے سے انکار کیا ہو اور اس جرم میں اسے موت کے گھاٹ اتارا جائے۔

یہ امر موجب حیرت ہے کہ روافض کے نزدیک وہ چھ حضرات سیدنا علی کے سوا واجب القتل تھے۔ سیدنا عمر ان کو خلیفہ بنا کر ان کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتے ہیں اور لطف یہ ہے کہ پھر ان کو تہ تیغ کرنے کا حکم بھی دیتے ہیں یہ ''جمع بین الضدین'' نہیں تو اور کیا ہے؟ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ سعد بن عبادہ نے سیدنا ابوبکر کی بیعت میں شرکت نہ کی مگر کسی شخص نے انھیں پیٹا نہ قید کیا جب کہ قتل کرنا تو درکنار۔ سیدنا علی نے کافی مدت تک سیدنا ابوبکر کی بیعت نہ کی تاہم آپ نے انھیں کچھ نہ کہا۔ یہاں تک کہ بلا جبر و اکراہ خود حاضر ہو کر انھوں نے بیعت کرلی اس کے باوجود سیدنا ابوبکر و عمر دونوں سیدنا علی کی تعظیم و تکریم بجالاتے رہے۔

سیدنا ابوبکر فرمایا کرتے تھے:

''لوگو! سیدنا محمد ﷺ کی وجہ سے آپ کے اہل بیت کا خیال رکھو۔''[1]

اکرام اہل بیت اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما

سیدنا ابوبکر ایک مرتبہ تنہا سیدنا علی کے گھر تشریف لے گئے، وہاں دیگر بنو ہاشم بھی تھے۔ سیدنا ابوبکر نے ان کی مدح و ستائش کی۔ اس کے جواب میں بنو ہاشم نے آپ کے مستحق خلافت ہونے

[1] صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم، باب مناقب قرابة رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه و سلم(حدیث:۳۷۱۳)

کا اعتراف کیا۔ [1] اگر سیدنا ابوبکر و عمر اپنے اپنے عہد خلافت میں سیدنا علی کو الم و رنج پہنچانا چاہتے تو وہ بہمہ وجوہ اس کی قدرت رکھتے تھے۔ مگر ان کا مقام بلحاظ تقویٰ اس سے کہیں بلند تھا کہ وہ ایسی پست حرکات پر اتر آتے۔

جاہل شیعہ اس زعم فاسد میں مبتلا ہیں کہ سیدنا ابوبکر و عمر نے سیدنا علی کو اس وقت ظلم کا نشانہ بنایا جب وہ ظلم کی مدافعت کر سکتے تھے اور ابوبکر و عمر اگر ظلم کرنا چاہتے تب بھی ایسا نہیں کر سکتے تھے اس پر طبعاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ سیدنا ابوبکر و عمر نے قوت و شوکت کے زمانہ میں جب سب لوگ آپ کے زیر فرمان تھے سیدنا علی پر ظلم و ستم کیوں نہ ڈھایا؟ جیسے سلاطین و ملوک کی عادت ہے کہ جس کا خوف انھیں دامن گیر رہتا ہو وہ اپنے عروج کے زمانہ میں اس پر کاری ضرب لگاتے ہیں اگر ابوبکر و عمر سیدنا علی پر مظالم توڑنا چاہتے تو یہ بات ان کے لیے نبی کریم کی وفات کے بعد وجود نص کے باوجود (جیسا کہ شیعہ کا خیال ہے) سیدنا علی کو محروم خلافت کرنے سے بھی آسان تر تھی۔

اس کے عین برعکس یہ دونوں حضرات سیدنا علی سے بہترین سلوک روا رکھتے تھے سیدنا علی نے بھی ان کی شان میں کبھی ایک لفظ تک نہ کہا۔ نہ کبھی ان کے ظلم سے فریاد کی۔ بلکہ سیدنا علی ابوبکر و عمر سے الفت و محبت کا سلوک کرتے اور ظاہراً و باطناً ان کی تعظیم بجالاتے رہے۔ یہ ایک مشہور بات ہے اور ہر تاریخ دان اس سے آگاہ ہے اور اگر کوئی شخص روافض کے کذب و بہتان کا دل دادہ ہو جو اس امت میں منقولات سے نابلد محض علم الآثار سے یک سر بیگانہ اور محال و متناقض جھوٹ کے پجاری ہیں جس کو ایک چوپایہ ہی باور کرسکتا ہے۔ تو یہ ایک الگ بات ہے۔ روافض دیہات کے ان افسانہ گو لوگوں کی مانند ہیں جو دیہاتی عوام کو جھوٹی کہانیاں سناتے ہیں اور پہاڑی و جنگلی باشندے اس پر سر دھنتے ہیں۔

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

’’جہاں تک عثمان کا تعلق ہے اس نے نا اہل لوگوں کو بڑے بڑے منصب عطا کیے

---

[1] صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ خیبر، (حدیث: ۴۲۴۰، ۴۲۴۱)، صحیح مسلم، کتاب الجهاد۔ باب قول النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم، ’’لا نورث ما ترکنا فهو صدقة‘‘ (حدیث: ۱۷۵۹)

تھے۔ ان میں سے بعض خائن و فاسق بھی تھے۔ ❶ اقارب کو بڑے بڑے علاقے عطا کیے اور عتاب کے باوجود اس سے باز نہ رہے۔ ولید بن عقبہ کو عامل مقرر کیا اس نے نشہ کی حالت میں نماز پڑھائی۔ ❷

سعید بن عاص ❸ کو کوفہ کا والی مقرر کیا اس نے وہاں ایسے کام کیے جن کی بنا پر اسے کوفہ سے

---

❶ اعداء صحابہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو جن مطاعن کا نشانہ بنایا ہے قاضی ابوبکر بن العربی نے ان کا نام قواصم رکھا ہے۔ اور ہر ''قاصمہ'' کا جواب کتاب وسنت کے دلائل و براہین سے ''عاصمہ'' کے نام سے دیا ہے اس مجموعے کا نام ''العواصم من القواصم'' ہے جس پر علامہ محبّ الدین نے بڑے عالمانہ حواشی تحریر کیے ہیں۔ صحابہ کے بغض وعناد سے نجات حاصل کرنے کے لیے اس کا مطالعہ بے حد مفید ہے۔ اعداء صحابہ نے اپنی تصانیف کو جھوٹ کا پلندہ بنا دیا تھا۔ یہ جھوٹ لوگوں میں خوب پھیلتا رہا اور بعض مسلمان حضرات صحابہ سے بد دل ہونے لگے قاضی ابن العربی کی اس قابل قدر تصنیف کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے حق کا بول بالا کیا اور لوگ بڑی حد تک مستفید ہوئے۔ وللہ الحمد

❷ اس کی تحقیق کے لیے دیکھیے العواصم من القواصم، ص: ۸۵۔ ۸۷، نیز ۹۰۔ ۹۳۔

❸ سیدنا سعید بن عاص فصحائے قریش میں سے تھے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جب قرآن کریم لکھوانا شروع کیا تو سعید بن عاص کو بلا کر اس کی عبارت درست کی، کیوں کہ سعید کا لہجہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت ملتا جلتا تھا۔ سعید اس حد تک مخلص مسلمان تھے کہ جب ایک مرتبہ سیدنا عمر نے کہا کہ: ''میں نے تمہارے والد کو قتل نہیں کیا، بلکہ اپنے ماموں عاص بن ہشام کو قتل کیا تھا۔'' اس کے جواب میں سعید نے کہا: ''اگر آپ قتل بھی کرتے تو آپ حق پر ہوتے اور وہ باطل پر۔''

سعید بن عاص نے طبرستان کا علاقہ فتح کیا اور جرجان پر بھی چڑھائی کی تھی۔ آپ کی فوج میں سیدنا حذیفہ اور دیگر کبار صحابہ شامل تھے۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت دھاری دار چادر لے کر نبی کریم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے نذر مانی تھی کہ یہ چادر اس شخص کو دوں گی جو عرب بھر میں سب سے زیادہ باعزت ہو۔ آپ نے فرمایا، اس لڑکے کو دے دو وہ لڑکا نامی گرامی مجاہد و فاتح سعید بن عاص تھا۔ (الاصابہ (۲/ ۴۸) مختصر تاریخ دمشق لابن عساکر (۶/ ۱۳۴) جس کے بارے میں رافضی نے سیدنا عثمان پر تنقید کی ہے کہ انھوں نے اسے کوفہ کا والی مقرر کیا۔

اگر قرآن کی عربیت کی تصحیح شیعہ کے نزدیک قابل فخر کارنامہ نہیں ہے تو نبی کریم کا سیدنا سعید کو اکرم العرب قرار دینا یقیناً دین و دنیا میں باعث فخر ہے۔ سیدنا سعید میں صرف ایک ہی عیب پایا گیا ہے اور وہ

نکال دیا گیا۔

یہ کہ اس نے طبرستان کو فتح کیا اور کبار صحابہ نے اس کے قائد کی حیثیت سے جرجان پر حملہ کر کے اہل ایران کو مجوسیت سے نکال کر دین اسلام سے روشناس کرایا۔ سیدنا سعید کی مرویات صحیح مسلم، نسائی اور ترمذی میں موجود ہیں۔ مگر شیعہ کے نزدیک احادیث نبویہ کے یہ سب ذخیرے بے کار ہیں اور الکافی کی موجودگی میں...... جو اکاذیب کا ایک عظیم طومار ہے۔۔۔۔ ان کی کچھ حاجت نہیں۔

حضرت سعید کے مفاخر میں سے یہ حدیث ہے جس کو دیکھ کر شیعہ غصہ سے دانت پیسنے لگتے ہیں۔ محدث طبرانی بطریق محمد بن قانع بن جبیر بن مطعم وہ اپنے باپ سے اور وہ دادا سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو سعید بن عاص کی عیادت کرتے دیکھا۔ آپ ایک کپڑے کو گرم کر کے سعید کو ٹکور کر رہے تھے۔ (الاصابة: ۲/ ٤٨) بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ واقعہ سعید بن عاص کے دادا سے متعلق ہے۔ اس کا نام بھی سعید بن عاص ہے۔ اس صورت میں یہ واقعہ مکہ میں قبل از ہجرت پیش آیا، حالانکہ سعید کا دادا سعید بن عاص اس وقت مشرک تھا، اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ عیادت کا واقعہ سعید کے دادا سے متعلق ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے قرابت داری کی بنا پر ایسا نہیں، کیوں کہ سعید کا دادا بنوامیہ کے قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا اور بنو ہاشم و بنوامیہ دونوں بنی عبد مناف کے خاندان سے ہیں۔ اس صورت میں بھی نبی کریم کا یہ فعل شیعہ کے منافی ہے جو جاہلیت و اسلام کے ہر دور میں بنوامیہ کو برا بھلا کہتے ہیں۔ اس کے برخلاف نبی کریم نے قرابت داری کے پیش نظر بنوامیہ سے دوستانہ مراسم استوار کر رکھے تھے۔ قبل ازیں ابوسفیان کا واقعہ ذکر کیا جا چکا ہے نبی کریم کا یہ ارشاد کہ سعید بن عاص اکرم العرب ہے، اعلام نبوت میں سے ہے۔ نبی کریم کو نور وحی کے ذریعہ یہ بات معلوم ہوگئی تھی کہ سعید بہت بڑے فاتح ہوں گے اور اسی طرح اکرم العرب قرار پائیں گے۔

ابن ابی خیثمہ بطریق یحییٰ بن سعید روایت کرتے ہیں کہ محمد بن عقیل بن ابی طالب اپنے والد کے پاس آئے اور پوچھا سب لوگوں میں سے افضل کون ہے؟ فرمایا: میں اور میرا بھائی۔'' سیدنا معاویہ فرمایا کرتے تھے: ''سعید بن عاص قریش کے نور نظر ہیں۔''

سعید بن عاص بڑے سخی تھے۔ جب سائل کوئی چیز مانگتا اور آپ کے پاس موجود نہ ہوتی تو اسے لکھ کر دے دیتے کہ میں فلاں چیز تجھے دے دوں گا، جب فوت ہوئے تو ان پر اسی ہزار دینار قرض تھا جو ان کے بیٹے عمرو نے ادا کیا۔ صالح بن کیسان روایت کرتے ہیں کہ سعید بڑے باوقار اور متحمل مزاج تھے، جب کسی چیز کو پسند یا ناپسند کرتے تو اس کا اظہار نہیں کیا کرتے تھے۔ ان کا قول ہے: ''دل کی حالت

سیدنا عثمان ❶ نے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو حاکم مصر مقرر کیا جہاں اس نے بہت مظالم

بدلتی رہتی ہے، یہ موزوں نہیں کہ آدمی ایک چیز کی آج تعریف کرے اور کل اسی کی مذمت کرنے لگے۔''

یہ ہیں سیدنا سعید بن عاص اموی کے فضائل و مناقب جن کے بارے میں رافضی امیر المومنین عثمان کو مطعون کرتا ہے کہ انھوں نے سعید کو والی کوفہ مقرر کیا۔

❶ عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح نبی کریم کے صحابی ہیں۔ یہ قریش کے قبیلہ عامر بن لویّ سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ سیدنا عثمان کے رضاعی بھائی تھے۔ فتح مکہ کے روز سیدنا عثمان نے جب ان کے لیے پناہ طلب کی تو نبی کریم نے ان کو پناہ دے دی۔ یہ مخلص مسلمان اور عظیم مجاہد و فاتح تھے۔ جب ملک مصر دین اسلام کے حلقہ میں داخل ہوا تو ابن ابی سرح ان مجاہدین صحابہ کے سرخیل تھے۔ جن کو مصر فتح کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ جہاد مصر میں یہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے لشکر کے دائیں بازو میں تھے اور بڑے کارہائے نمایاں انجام دیے۔ جب وادی نیل میں مسلمانوں کے قدم جم گئے تو ابن ابی سرح نے فسطاط کے گردونواح میں جہاں مصر میں اوّلیں مسجد تعمیر ہوئی۔ اپنے لیے ایک جگہ کا انتخاب کیا اور وہیں کے ہو کر رہے گئے۔ ابن سعد نے طبقات میں ابن ابی سرح کا ذکر ان صحابہ میں کیا ہے جنھوں نے مصر میں بودوباش اختیار کر لی تھی۔

حافظ ابن حجر نے الاصابہ (۲/ ۳۱۷) میں البرقی کی تاریخ سے بروایت ابی صالح کاتب لیث بن سعد امام مصر سیدنا لیث بن سعد سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا:

''خلافت فاروقی میں ابن ابی سرح علاقہ الصعید کے حاکم تھے۔ جب سیدنا عثمان منصب خلافت پر فائز ہوئے تو آپ نے مصر کا سب علاقہ ان کو تفویض کر دیا۔ امارت کے زمانہ میں ان کی تعریف کی جاتی تھی۔''

مصر کے عظیم امام و فاضل سیدنا لیث بن سعد کے مندرجہ بالا بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ روافض نے ابن ابی سرح پر کس قدر جھوٹ باندھا ہے۔ ۲۵ھ میں ابن ابی سرح پورے مصر کے حاکم اعلیٰ تھے۔ ۲۷ھ میں پورا افریقہ فتح ہو گیا۔ یہ عظیم ترین فتح تھی جو مسلمانوں کو حاصل ہوئی، مال غنیمت کی یہ فراوانی تھی کہ ایک سوار کے حصہ میں تین ہزار دینار آئے۔ چاروں عبادلہ (عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم) جلالت قدر کے باوصف ابن ابی سرح کے زیر قیادت تھے۔

شمالی افریقہ فتح ہونے کے بعد بھی ابن ابی سرح نے ۳۱ھ تک جہاد کا سلسلہ جاری رکھا۔ ۳۴ھ میں ذات السواری پر چڑھائی کی۔ اسی دوران باغیوں نے سیدنا عثمان کے خلاف خروج کیا۔ ابن ابی سرح نے

ڈھائے۔ لوگوں نے جب اس کی شکایت کی تو سیدنا عثمان نے پوشیدہ طور پر اسے لکھا کہ وہ اپنے عہدے پر ڈٹا رہے اور محمد بن ابی بکر [1] کو قتل کر دے۔ سیدنا عثمان نے معاویہ کو امیر شام مقرر کیا

سیدنا عثمان کو لکھ کر امداد کی پیشکش کی اور براستہ عریش وعقبہ مدینہ پہنچنے کی اجازت چاہی۔ سائب بن ہشام بن عمیر کو حاکم مقرر کیا۔ ابھی مدینہ نہیں پہنچ سکے تھے کہ ابن ابی سرح کو سیدنا عثمان کی شہادت کی خبر پہنچی اور آپ مصر لوٹ آئے۔

مصر پر ابن ابی حذیفہ نے قبضہ جما لیا تھا۔ اس نے ابن ابی سرح کو حدود مصر میں داخل ہونے سے روکا، چنانچہ آپ فلسطین چلے گئے اور عسقلان و رملہ کے درمیان سکونت اختیار کی۔ ۵۷ھ تک فلسطین میں گوشہ نشین رہے۔

بغوی نے بسند صحیح یزید بن ابی حبیب سے روایت کیا ہے کہ اس نے کہا:

ابن ابی سرح مقام رملہ کی طرف چل دیے، جب صبح ہوئی تو کہا ''اے اللہ! اس صبح کو میرا آخری عمل بنا دے۔'' پھر وضوء کیا اور نماز ادا کی۔ پھر دائیں جانب سے سلام پھیرا۔ جب بائیں جانب سلام پھیرنے لگے تو ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔'' اسد الغابہ (٢٦٤/٢)۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ روایت اسی سند سے ذکر کی ہے۔ تاریخ کبیر (٢٩/٥) مختصراً

[1] ہم نے العواصم من القواصم، ص (۱۰۹۔۱۱۰)، نیز (۱۲۶۔۱۲۹) کے حواشی پر اس خط کے بارے میں علمی تحقیق کی ہے جو بقول شیعہ سیدنا عثمان یا مروان نے ابن ابی سرح کے نام ارسال کیا تھا۔ نیز سیدنا علی کے اظہار حیرت کرنے پر گفتگو کی ہے کہ عراقی فتنہ پرداز اور مصر کے شریر لوگ مختلف راستوں سے بہ یک وقت مدینہ پہنچ گئے جیسے پہلے انھوں نے یہ بات طے کر رکھی ہو، حالانکہ عراق والوں کو مطلقاً اس خط کا علم نہ تھا جو اہل مصر نے حامل خط سے لے لیا تھا۔ جب سیدنا علی نے اس پر اظہار تعجب کیا تو اہل عراق نے کہا: ''کیا آپ نے ہمیں تحریر نہیں کیا تھا۔ کہ واپس مدینہ آجاؤ۔'' سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے حلف اٹھا کر کہا کہ انھیں اس خط کا کوئی علم نہیں۔''

مندرجہ بالا بیان اس حقیقت کا مظہر ہے کہ دو جعلی خط تحریر کیے گئے تھے۔ ایک سیدنا علی کی جانب سے اہل عراق کے نام اور دوسرا سیدنا عثمان کی طرف سے اہل مصر کی طرف، یہ بات عقل وقیاس کے منافی ہے کہ یہ خط سیدنا عثمان یا مروان نے ابن ابی سرح کے نام لکھا، خصوصاً جب کہ انھیں معلوم تھا کہ اس نے مدینہ حاضر ہونے کی اجازت چاہی ہے اور وہ اس وقت فلسطین اور مدینہ کے درمیان غالباً عقبہ کے مقام

جہاں اس نے فتنے بپا کیے۔

سیدنا عثمان پر شیعہ کے اعتراضات:

سیدنا عثمان نے عبداللہ بن عامر بن کریز کو بصرہ کا والی مقرر کیا جہاں اس نے بہت برے کام کیے۔ ❶

پر پہنچ چکا تھا۔ جب ابن ابی سرح مصر میں موجود ہی نہیں تھے۔ تو یہ خط ان کی جانب مصر کیوں کر بھیجا گیا؟ فتنہ سامانی کے دور کی تاریخ لکھنے والے مصنفین اس حقیقت سے مطلع نہ ہو سکے کہ جب عراق و مصر کے انقلابی مدینہ سے چلے گئے تھے تو انقلاب کے دو عظیم لیڈر اور سیدنا عثمان کے شدید مخالف یعنی اشترنخعی و حکیم بن جبلہ مدینہ سے نہیں گئے تھے۔ مدینہ قیام پذیر رہنے سے ان کا مقصد وحید یہ تھا کہ جس مشن کے لیے وہ مدینہ آئے تھے (سیدنا عثمان کا قتل) اس کو بہر صورت پایہ تکمیل تک پہنچایا جائے، چنانچہ انھوں نے سیدنا عثمان و علی کی جانب سے دو جعلی خط تیار کیے اور زکوٰۃ کے اونٹوں میں سے دو اونٹ کرایہ پر لے کر دو اعرابیوں کے ذریعہ ایک کو مشرقی راستہ سے عراق اور دوسرے کو مصریوں کی طرف بھیجا جو غربی جانب ساحل کے ساتھ ساتھ جا رہے تھے۔ خطوط نویسی کا واحد مقصد سوئے ہوئے فتنہ کو جگانا اور از سر نو شرّ کو امت میں پھیلانا تھا۔ فتنہ کے ان دونوں بانیوں کے سوا کسی اور کو اس فتنہ پردازی میں ہرگز دلچسپی نہ تھی۔ مزید تفصیلات کے لیے دیکھیے: العواصم من القواصم

❶ امت محمدی کے مجوس (شیعہ) کی نگاہ میں سیدنا عبداللہ بن عامر کا بدترین فعل یہ تھا کہ اس نے ایران میں کسریٰ کی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔ چنانچہ عبداللہ بن عامر کے عہد امارت میں فارس کے آخری بادشاہ یزدگرد کو قتل کر دیا گیا تھا۔ عبداللہ بن عامر والد کے اعتبار سے نسباً عبشمی اور والدہ کی طرف سے ہاشمی تھے، ان کی دادی اروی بنت کریز تھیں۔ والدہ کا نام البیضاء بنت عبدالمطلب بن ہاشم تھا۔ یہ نبی کریم کی پھوپھی تھیں۔ جب عبداللہ بن عامر پیدا ہوئے۔ اور انھیں نبی کریم کی خدمت میں لایا گیا تو آپ نے بنو عبد شمس کو مخاطب کر کے فرمایا۔ ''یہ بچہ تمہاری نسبت ہم سے زیادہ ملتا جلتا ہے۔'' آپ بچے کے منہ میں تھوک ڈالتے جاتے تھے اور وہ نگلتا جاتا تھا آپ نے فرمایا: ''یہ بچہ تر و تازہ ہے۔'' نبی کریم کے ارشاد مبارک کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابن عامر جس زمین میں بھی کام کرتے، وہاں پانی نکل آتا۔ ابن عامر پہلا شخص ہے جس نے عرفات میں حوض بنائے اور چشمے کا پانی وہاں پہنچایا۔ مستدرك حاكم (۳/ ٦٣٩-٦٤٠) وسنده ضعيف۔

ابن عامر بڑے سخی، شجاع اور نیک فال تھے۔ سیدنا عثمان نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے بعد ۲۹ھ میں ابن عامر کو بصرہ کا والی مقرر کیا، پھر عثمان بن ابوالعاص کے بعد فارس کا علاقہ بھی ان کو سونپ دیا۔ ابن عامر

مروان کو والی مقرر کر کے اپنی انگوٹھی اس کے حوالے کر دی [1] جس کا نتیجہ قتل عثمان کی صورت

نے پورا خراسان۔ اطراف فارس وسیستان اور کرمان کے ممالک فتح کر لیے اور غزنہ کے قریب جا پہنچے۔
ان فتوحات کا شکریہ ادا کرنے کے لیے ابن عامر نے نیشا پور سے احرام باندھا اور حالت احرام میں پاپیادہ حجاز پہنچے۔ اتفاق سے وہ سردی کا موسم تھا۔ جب سیدنا عثمان کی خدمت میں پہنچے تو آپ نے ملامت کی اور فرمایا: ''آپ نے یہ اقدام فریب دہی کے لیے کیا ہے۔''
ان فتوحات سے کثیر مال غنیمت ہاتھ آیا۔ سیدنا عثمان نے یہ سب مال مہاجرین وانصار میں تقسیم کر دیا اور اس سے اسلامی جہاد وفتوحات کا سلسلہ جاری رکھنے میں مدد ملی۔

یہ ہیں سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے وہ افعال ''شنیعہ'' جن پر رافضی قلم کار نقد وجرح کر رہا ہے۔ اس پر جس قدر حیرت واستعجاب کا اظہار کیا جائے کم ہے۔ یہ مجاہدین وفاتحین شیعہ کی نگاہ میں مذموم ہیں اور ان کے مقابلہ میں ہلاکو خاں اور سلطان خدابندہ تک اس کی نسل قابل مدح وستائش ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا: کہ بروز حشر آدمی کو اس شخص کی رفاقت نصیب ہوگی۔ جس کے ساتھ وہ محبت رکھتا ہو۔''
شیعہ کی یہ تضاد خیالی صرف دینی مرض ہی نہیں، بلکہ عقلی واخلاقی بیماری بھی ہے۔
''وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ عَافَانَا مِمَّا ابْتَلٰی بِهٖ كَثِيْرًا مِّنْ خَلْقِهٖ''

[1] انگوٹھی سپرد کرنے سے رافضی مصنف کا اشارہ اس جعلی خط کی جانب ہے، جس کا تذکرہ ہم قبل ازیں کر چکے ہیں۔ ہم نے بیان کیا تھا کہ قائد کوفہ اشتر نخعی اور قائد بصرہ حُکیم بن جبلہ جب اپنے مقصد میں ناکام رہے اور کوفہ وبصرہ کے انقلابی سیدنا عثمان کے دلائل سے مطمئن ہو کر واپس چلے گئے۔ عراقیوں نے مشرق کی جانب عراق کا رخ کیا اور مصری جانب غرب عازم مصر ہوئے؟ یہ دونوں لیڈر مدینہ میں مقیم رہے اور اپنے رفقاء کے ساتھ واپس نہ گئے۔

چند دنوں کے بعد بہ یک وقت دو سوار مصری وعراقی قافلہ سے ملے جو سوار مصری قافلہ سے ملا تھا وہ ان کے قریب پہنچ کر عجیب وغریب حرکات کرنے لگا۔ جب اسے یقین ہو گیا کہ قافلہ والوں نے اسے دیکھ لیا ہے تو پھر چھپنے کی کوشش کی، جب انھوں نے وجہ پوچھی تو اس نے ایک خط دکھایا جس پر سیدنا عثمان جیسی مہر لگی تھی، اس نے بتایا کہ وہ یہ خط لے کر امیر مصر عبداللہ بن ابی سرح کی طرف جا رہا ہے۔ خط میں لکھا تھا کہ محمد بن ابی بکر کو قتل کر دو بعینہ اسی وقت عراقی قافلہ کو ایک شخص ملا جس کے پاس ایک خط تھا جس پر سیدنا علی کی مہر کی مانند مہر لگی ہوئی تھی، خط میں لکھا تھا کہ ''مدینہ واپس آ جاؤ۔''
جب دونوں فریق مدینہ پہنچے تو سیدنا علی اور اکابر صحابہ وجہ دریافت کرنے کے لیے نکلے، مصری لوگوں نے

میں ظہور پذیر ہوا۔ سیدنا عثمان اپنے اقارب کو بہت مال دیا کرتے تھے۔ سیدنا عثمان کی کثرتِ جود وسخا

سیدنا عثمان کے جعلی خط کا ذکر کیا۔ سیدنا علی نے پھر عراقیوں سے وجہ دریافت کی انھوں نے کہا کیا آپ نے خط کے ذریعہ ہمیں واپس آنے کا حکم نہیں دیا؟ سیدنا علی نے حلف اٹھا کر کہا کہ مجھے اس خط کے بارے میں کچھ علم نہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ سیدنا عثمان وعلی کے نام سے یہ جعلی خط تیار کیے گئے تھے خصوصاً جب کہ سیدنا عثمان و مروان کو معلوم تھا کہ عبداللہ بن ابی سرح مصر میں موجود ہی نہیں۔ مروان ایک ادنیٰ آدمی کے ساتھ بھی خیانت کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ پھر وہ ازراہ خیانت سیدنا عثمان کی انگوٹھی کیوں کر استعمال کر سکتے تھے جو امور خلافت میں بڑی اہم چیز سمجھی جاتی ہے بفرض محال اگر سیدنا عثمان کی انگوٹھی ازراہ فریب مروان نے استعمال کی تھی تو سیدنا علی کی انگوٹھی استعمال کرنے والا کون تھا؟

روافض اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہیں کہ مروان وہ شخص ہے کہ سیدنا زین العابدین جیسے لوگ اس سے دینی احکام پر مشتمل روایات اخذ کرتے ہیں۔ مروان سے جن لوگوں نے روایت کی ہے ایک سیدنا زین العابدین علی بن حسین بھی ہیں۔ جن حفاظ وائمہ حدیث نے یہ بات بیان کی ہے ان میں سے آخری محدث حافظ ابن حجر عسقلانی ہیں جنھوں نے ''الاصابہ'' میں اس پر روشنی ڈالی ہے۔ اس کی تفصیل کے لیے دیکھیے طبقات الشافعیہ الکبریٰ از تاج الدین السبکی زیر ترجمہ ابومنصور محمد بن احمد بن الازہر صاحب تہذیب اللغہ: ۲۸۲۔۳۷۰)

حافظ ابن حجر نے مروان کو جن رواۃ وتلامذہ کا ذکر کیا ہے ان میں سرخیل تابعین سعید بن مسیّب اور ان کے برادر فقہائے سبعہ ابوبکر بن عبدالرحمٰن وعُبید اللہ بن عبداللہ وعروہ بن زبیر اور ان کے نظائر وامثال مثلاً عراک بن مالک غفاری مدنی جو صائم الدہر تھے۔ نیز عبداللہ بن شداد جو سیدنا عمر وعلی ومعاذ سے روایت اخذ کیا کرتے تھے۔ عروہ بن زبیر کی مروان سے روایت صحیح بخاری، کتاب الوکالۃ میں موجود ہے۔ نیز دیکھیے مسند احمد (۳/۳۲۱و۳۲۳و۳۲۶و۳۲۸، نیز ۵/۱۸۹)

عراک کی مروان سے روایت امام اہل مصر لیث بن سعد نے یزید بن حبیبہ سے ذکر کی ہے دیکھیے، مسند احمد (۴/ ۳۲۸) عبداللہ بن شداد کی مروان سے روایت مسند احمد (۶/ ۳۱۷و۳۲۳) پر موجود ہے۔

مروان کے رواۃ وتلامذہ میں امام یمن عبدالرزاق کا نام بھی شامل ہے جو کسی حد تک شیعہ تھا، جب مروان امام زین العابدین سے لے کر عبدالرزاق بن ہمام صنعانی جیسے ائمہ حدیث کے نزدیک قابل اعتماد ہے تو ایک رافضی کا اسے مورد طعن بنانا کیوں کر صحیح ہوسکتا ہے۔

کا یہ عالم تھا کہ ان کے چار داماد تھے، ان کو چار لاکھ دینار عطا کیے۔ [1] ابن مسعود سیدنا عثمان کو مورد طعن بناتے اور ان کی تکفیر کیا کرتے تھے۔ [2] سیدنا عثمان نے ان کو اس قدر پٹوایا کہ ان کی موت واقع ہوگئی۔ [3] عمار کو اس قدر پٹوایا تھا کہ ان کو فتق کا عارضہ لاحق ہوگیا تھا۔ [4] حالانکہ نبی کریم نے فرمایا تھا: ''عمار میرا نور نظر ہے، اسے ایسی باغی جماعت قتل کرے گی جو میری شفاعت کی مستحق نہیں ہے۔عمار بھی سیدنا عثمان پر طعن کیا کرتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عثمان کے چچا حکم کو مدینہ سے نکال دیا تھا، عثمان نے پھر مدینہ میں بلا لیا۔ [5] ابو ذر غفاری کو مار پیٹ کر ربذہ کی طرف نکال دیا تھا۔ [6] حالانکہ نبی کریم نے فرمایا تھا اس کرۂ ارضی کے اوپر اور فلک نیلگوں کے نیچے ابو ذر سے زیادہ سچا اور کوئی

---

1. قبل ازیں اس کا جواب دیا جا چکا ہے کہ سیدنا عثمان اپنے ذاتی مال سے یہ عطیہ جات دیا کرتے تھے۔
2. یہ صریح کذب ہے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سیدنا عثمان کی شان میں فرمایا کرتے تھے: ''ہم نے بہترین آدمی کو خلیفہ بنایا ہے اور سہل انگاری سے کام نہیں لیا۔''
3. جھوٹے کلمات جو دروغ گو کے منہ سے نکلتے ہیں اگر اس شرابی کی طرح بدبودار ہوتے جو ہمیشہ شراب کے نشہ میں سرشار رہنے کا عادی ہو تو روافض کا یہ جھوٹ اتنا بڑا ہے کہ اس کا تعفن اور بدبو تا قیام قیامت ختم ہونے میں نہ آتی۔ (دیکھیے العواصم من القواصم، ص: ۶۳۔۶۴)
4. اس کے جواب کے لیے دیکھیے: العواصم من القواصم، ص: ۶۴۔۶۶
5. اس کے جواب کے لیے دیکھیے العواصم من القواصم: ۷۷۔۷۹
6. یہ صاف جھوٹ ہے۔ مورخ ابن خلدون اپنی تاریخ جلد دوم، صفحہ: ۱۳۹ پر لکھتے ہیں۔

''سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین عثمان سے مدینہ سے باہر جانے کی اجازت حاصل کر لی تھی۔ ابو ذر نے کہا: ''مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مامور فرمایا تھا کہ جب مدینہ کی آبادی سَلع نامی مقام تک پہنچ جائے تو اس سے نکل جائیں۔'' چنانچہ سیدنا عثمان نے ان کو اجازت دے دی تھی۔(مستدرك حاکم (۳/ ۳۴۳)، ابو ذر ربذہ نامی جگہ میں قیام پذیر ہوئے اور وہاں مسجد بنوائی۔ سیدنا عثمان نے ابو ذر کو اونٹوں کا ایک ریوڑ اور دو غلام عطا کیے تھے۔ ان کی تنخواہ بھی مقرر کر دی تھی۔ سیدنا ابو ذر مدینہ میں آیا جایا کرتے تھے، وہ جگہ جہاں وہ اقامت پذیر تھے مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر تھی۔ مشہور جغرافیہ دان یاقوت لکھتا ہے: ''مدینہ کے راستہ پر یہ بہترین جگہ تھی۔''

نہیں: ’’ سیدنا عثمان کے زمانہ میں شرعی حدود کی پروانہیں کی جاتی تھی۔ چنانچہ ہرمزان کے قصاص میں عبیداللہ بن عمر کو قتل نہیں کیا تھا۔ ہرمزان سیدنا علی کا آزاد کردہ غلام تھا۔ ❶

ولید جب شراب نوشی کا مرتکب ہوا تو عثمان اس پر حد نہیں لگانا چاہتے تھے۔ سیدنا علی نے حد شرعی قائم کی اور فرمایا میری موجودگی میں شرعی حدود کو پامال نہیں کیا جا سکتا۔ ❷ جمعہ کے دن ایک اذان کا اضافہ کیا جو کہ بدعت ہے۔ ❸ مسلمانوں نے عثمان کی مخالفت کی اور اس کے کاموں پر تنقید کی۔ ❸ یہاں تک کہ ان کو قتل کر دیا گیا۔ لوگوں نے سیدنا عثمان سے کہا تھا آپ نے بدر میں شرکت نہ کی۔ ❹ اور غزوۂ احد کے دن بھاگ گئے۔ ❺ بیعت الرضوان میں بھی شامل

---

❶ یہ صریح کذب اور شیعہ کی اختراع ہے۔ ہرمزان سیدنا علی کا آزاد کردہ غلام ہرگز نہ تھا۔ دیکھیے: العواصم من القواصم، ص: ۱۰۶۔۱۰۸۔

❷ اس کے جواب کے لیے دیکھیے العواصم من القواصم: ۹۴۔۹۹

❸ جب مدینہ کی آبادی بڑھ گئی تو اس کی ضرورت پیش آئی تھی۔

❹ سیدنا عثمان کی مخالفت کرنے والے باغی تھے اور آپ کی امداد کرنے والے سیدنا حسن و حسین رضی اللہ عنہما جیسے لوگ تھے۔

❺ بدر میں شرکت نہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی بیوی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرض الموت میں مبتلا تھیں، نبی کریم نے سیدہ رقیہ کی تیمارداری کے لیے آپ کو مدینہ میں رہنے دیا اور فرمایا۔ آپ کو بدر میں شرکت کرنے والوں جیسا اجر و ثواب اور مال غنیمت کا حصہ ملے گا۔ (صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، باب مناقب عثمان بن عفان رضی الله عنه، (حدیث: ۳٦۹۹، ٤۰٦٦) سیدنا اسامہ بن زید کو بھی سیدنا عثمان کی رفاقت میں رہنے دیا۔ (مستدرك حاكم (٤/ ٤٧، ٤٨) جنگ بدر میں جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عنایت فرمائی تو نبی کریم نے سیدنا عثمان کو فتح کی بشارت بھیجی۔ سیدنا اسامہ کا بیان ہے: ’’ہم کو فتح کا مژدہ اس وقت ملا جب ہم سیدہ رقیہ کی قبر پر مٹی برابر کر چکے تھے۔‘‘

❻ غزوہ احد میں جو واقعہ پیش آیا اس میں بہت سے لوگ شریک تھے۔ اس بات کی تعیین میں اختلاف ہے کہ کون ثابت قدم رہا اور کون نہ رہا۔ جب اللہ تعالیٰ نے صحابہ کی یہ لغزش معاف کر دی ہے تو اس کا تذکرہ کسی مسلم کے شایان شان نہیں۔

نہ ہوئے۔ ❶ خلاصہ یہ کہ ایسے واقعات لاتعداد ہیں۔'' (شیعہ مصنف کا بیان ختم ہوا)

شیعہ مصنف کے وارد کردہ جملہ اعتراضات کا جواب علی الترتیب یہ ہے کہ اگر سیدنا عثمان کے عمال و حکام نے ان سے خیانت کی اور ان کی نافرمانی کا ارتکاب کیا تھا تو سیدنا علی کے نائبین اس ضمن

---

❶ سیدنا عثمان بیعت الرضوان میں اس لیے شرکت نہ کر سکے کہ نبی کریم نے انھیں قریش مکہ کی طرف سفیر بنا کر بھیجا تھا۔ نبی کریم نے سفارت کا منصب پہلے سیدنا عمر کو پیش کیا انھوں نے کہا اے اللہ کے رسول! مکہ میں میرے قبیلہ کا ایک آدمی بھی نہیں جو میری حفاظت کر سکے۔ میں آپ کو ایک شخص بتاتا ہوں جو اس مقصد کے لیے مجھ سے زیادہ موزوں ہے...... وہ عثمان بن عفان ہے'' ...... چنانچہ آپ نے سیدنا کو بلا کر اس خدمت پر مامور کیا۔ اگر مسلمانوں میں کوئی اور شخص ہوتا جو وادی مکہ میں زیادہ پرقوت و شوکت ہوتا تو آپ عثمان کی جگہ اسے اس کام پر مامور فرماتے۔(صحیح بخاری، حواله سابق سیرة ابن هشام (ص: ۵۰۲۔ ۵۰۳)

تاریخ اسلام کی اس اوّلین سفارت کے جرم میں عثمان مکہ میں چند روز محبوس رہے۔ چنانچہ مسلمانوں میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ عثمان قتل کر دیے گئے ہیں۔ نبی کریم نے سیدنا عثمان کا قصاص لینے کے لیے صحابہ سے بیعت رضوان لی۔ اس سے معلوم ہوا کہ بیعت رضوان سیدنا عثمان کی عظمت و فضیلت کا بین ثبوت ہے۔ عظمت عثمان کی اس سے بڑی دلیل اور کیا ہوگی کہ آپ کا انتقام لینے کے لیے اسلام کی پوری قوت و شوکت سید الاوّلین والآخرین کے زیر قیادت اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ اپنے اس داماد سے کتنی گہری الفت و محبت رکھتے تھے۔

جب سب صحابہ عقد بیعت کے لیے جمع ہو گئے تو اس آخری لمحہ میں نبی کریم کو پتہ چلا کہ عثمان بخیر و عافیت ہیں۔ تاہم آپ نے بیعت کے معاملہ کو تشنۂ تکمیل چھوڑنا مناسب خیال نہ کیا۔ سیدنا عثمان کو دہرا شرف یہ حاصل ہوا کہ بیعت کرتے وقت نبی کریم کے ہاتھ نے سیدنا عثمان کے ہاتھ کی جگہ کام کیا۔ چنانچہ آپ نے اپنے دائیں ہاتھ کو سیدنا عثمان کا ہاتھ قرار دیا اور کہا: ''یہ عثمان کا ہاتھ ہے'' پھر اسے دوسرے ہاتھ پر مار کر فرمایا: ''یہ بیعت عثمان کے لیے ہے۔'' صحیح بخاری، حواله سابق۔ مقام افسوس ہے کہ شیعہ تاریخ اسلام کی اس عظیم مدح و ثنا کو نقص و عیب پر محمول کرتے ہیں، رفض کی اصل حقیقت یہی ہے، اگر وہ یوں نہ کرتے تو رافضی نہ کہلاتے۔ (محبّ الدین الخطیب) یہ بیعت اتنی اہم تھی کہ نبی کریم کے زیر قیادت اسلام کی پوری قوت اٹھ کھڑی ہوئی اور اسی سابقہ بیعت نے صحابہ کرام کو شہادت عثمان پر قصاص کا مطالبہ کرنے پر مجبور کر دیا ورنہ انھیں سیدنا علی سے کوئی عناد نہ تھا۔ (ناشر)

میں ان سے دو قدم آگے ہی تھے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے قاتل عبید اللہ بن زیاد کے والد زیاد بن ابی سفیان کو والی مقرر کیا تھا۔ آپ نے اشتر نخعی اور محمد بن ابی بکر جیسے لوگوں کو بھی حاکم مقرر کیا تھا۔ حالانکہ سیدنا معاویہ ان سب سے بہتر تھے۔

یہ امر باعث حیرت ہے کہ شیعہ جس امر میں سیدنا عثمان کو ہدف ملامت بناتے ہیں اسی بات کے بارے میں یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ سیدنا علی اس میں سیدنا عثمان سے سبقت لے گئے تھے۔ مثلاً شیعہ کہتے ہیں کہ سیدنا عثمان نے اپنے قرابت دار اور بنو امیہ کو مناصب جلیلہ پر فائز کیا تھا۔ دوسری جانب سیدنا علی نے والد اور والدہ کی جانب سے اپنے قرابت داروں کو حاکم و والی مقرر کیا۔ مثلاً سیدنا عباس کے بیٹے عبد اللہ و عبید اللہ نیز قثم بن عباس و ثمامہ بن عباس یہ سب سیدنا علی کے چچا زاد بھائی تھے، سیدنا علی نے محمد بن ابی بکر کو والیٔ مصر مقرر کیا جو آپ کا تربیت کردہ تھا (کیوں کہ سیدنا صدیق اعظم کے انتقال کے بعد سیدنا علی نے محمد بن ابی بکر کی والدہ کے ساتھ نکاح کر لیا تھا)

سیدنا علی نے اپنی ہمشیرہ ام ہانی کے بیٹے جعدہ بن ابی ہبیرہ کو خراسان کا والی مقرر کیا تھا۔ امامیہ کا دعویٰ ہے کہ سیدنا علی نے اپنی اولاد کو صراحۃً والی و امیر مقرر کیا تھا۔ [1] یہ ایک بدیہی بات ہے کہ اگر اقارب کو عہدے تفویض کرنا جرم ہے تو ان کو خلافت عظمیٰ پر فائز کرنا جرم عظیم ہے۔ نیز یہ کہ چچا زاد بھائیوں کی نسبت اولاد کو والی مقرر کرنا مذموم تر ہے اگر سیدنا علی معصوم ہونے کے باوجود اس اقارب نوازی کا ارتکاب کر سکتے ہیں اور کسی شخص کو بنا بر عصمت آپ پر حرف گیری کی مجال نہیں ہے۔ تو سیدنا عثمان کی مدافعت اس دعویٰ سے ممکن ہے کہ آپ ایک مجتہد تھے۔ لہٰذا یہ امور ان سے اجتہادی غلطی کی بنا پر صادر ہوئے۔ ظاہر ہے کہ یہ دعویٰ عقل و نقل سے زیادہ میل کھاتا ہے۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ عذر بھی صحیح ہے کہ بنو امیہ کو عہدہ ہائے جلیلہ عطا کرنے میں ان کے سامنے اسوۂ نبوی موجود تھا۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے عتاب بن اُسید اموی کو حاکم مکہ مقرر کیا۔ [2]

---

[1] امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ پر یہ شیعہ کا عظیم بہتان ہے، ہم نے العواصم من القواصم، ص: ۱۹۸۔۱۹۹ کے حواشی پر سیدنا علی کے ارشادات اس ضمن میں نقل کیے ہیں۔ (محبّ الدین الخطیب)

[2] سنن نسائی، کتاب الاذان، باب کیف الاذان (حدیث: ٦٣٣)، سنن ابن ماجة۔ کتاب الاذان۔ باب الترجیع فی الاذان (حدیث: ٧٠٨)، و کتاب التجارات، باب النهی عن بیع ما لیس عندك (حدیث: ٢١٨٩)

اور ابوسفیان اموی کو نجران کا۔ علاوہ ازیں نبی کریم نے خالد بن سعید بن العاص اموی کو بھی عامل مقرر کیا تھا۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ولید بن عقبہ کو عامل مقرر کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿اِنْ جَآءَ كُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ﴾ [1]

نظر بریں سیدنا عثمان یہ کہہ سکتے ہیں کہ میں نے انہی افراد اور اسی جنس وقبیلہ کے لوگوں کو عہدے عطا کیے ہیں جن کو نبی کریم دیا کرتے تھے۔ سیدنا ابوبکر وعمر بھی اسی ڈگر پر گامزن رہے۔ چنانچہ سیدنا ابوبکر نے فتوحات شام کے سلسلہ میں یزید بن ابوسفیان کو حاکم مقرر کیا۔ سیدنا عمر نے اسے اس عہدہ پر قائم رکھا۔ پھر سیدنا عمر نے یزید کے بعد اس کے بھائی سیدنا معاویہ کو یہ منصب عطا کیا۔ بنوامیہ کو حاکم و عامل مقرر کرنے کی روایت نبی کریم سے نہ صرف ثابت ومشہور بلکہ اہل علم کے نزدیک متواتر کی حد تک معروف ہے۔ لہٰذا اس سے بنوامیہ کو عہدے عطا کرنے پر احتجاج کرنا نبی کریم کی نص کے مطابق اور ہر عاقل کے نزدیک خلافت کو بنی ہاشم کے ایک ہی فرد میں محدود کرنے کی نسبت اظہر ہے۔

کیوں کہ بنوہاشم میں مناصب جلیلہ کو محدود کرنے کا دعویٰ باتفاق محدثین کذب ہے اور بنوامیہ کو عہدے تفویض کرنے کی روایت بالاتفاق صدق ہے۔ جہاں تک بنوہاشم کو عامل وحاکم بنانے کا تعلق ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف سیدنا علی کو یمن کا حاکم مقرر کیا اور سیدنا جعفر کو زید اور ابن رواحہ کی معیت میں غزوہ موتہ کا سپہ سالار بنا کر بھیجا تھا۔

سیدنا عثمان معصوم نہ تھے:

ہم سیدنا عثمان کے معصوم ہونے کے مدعی نہیں ہیں، بلکہ آپ نے یقیناً گناہوں کا ارتکاب کیا ہوگا جن کو اللہ تعالیٰ معاف کردیں گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو جنت کا مژدہ بھی سنایا تھا۔ ادھر روافض کا یہ حال ہے کہ ایک شخص میں غلو کرکے اس کے گناہوں کو بھی نیکیاں قرار دیتے ہیں اور دوسری طرف ایک شخص کے جملہ اعمال صالحہ کو فراموش کردیتے ہیں جو اسے جنت میں لے جانے کے موجب ہیں اور اس کے گناہوں کو شمار کرنے لگتے ہیں۔ یہ ظلم نہیں تو اور کیا ہے؟ اس بات پر پوری امت کا اتفاق ہے کہ توبہ سے گناہ مٹ جاتے ہیں۔ کوئی شخص یہ کہنے کی جرأت نہیں کرسکتا کہ سیدنا عثمان نے

---

[1] مسند احمد(٤/٢٧٩)

گناہوں سے توبہ نہیں کی تھی۔

آیات واحادیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ سب گناہ بخش دیتے ہیں۔ نمازوں سے بھی گناہوں کی مغفرت ہو جاتی ہے۔ یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ نماز کے درمیانی اوقات میں جو گناہ ہوتے ہیں جب وہ نمازوں سے معاف ہو جاتے ہیں تو پھر جمعہ، رمضان، عرفہ و عاشوراء کے روزہ سے کون سے گناہ معاف کیے جاتے ہیں۔

بعض لوگ اس سوال کا یہ جواب دیتے ہیں کہ جب گناہ باقی نہ ہوں تو ان کے درجے بلند کیے جاتے ہیں۔ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ جن اعمال سے گناہوں کو معاف کیا جاتا ہے وہ اعمال مقبولہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ﴾ (المائدة: ٥/ ٢٧)

''اللہ تعالیٰ متقیوں کے اعمال کو قبول کرتے ہیں۔''

علماء کے اس آیت کی تفسیر میں تین اقوال ہیں۔

۱۔ خوارج ومعتزلہ کا قول ہے کہ جو شخص کبائر سے بچتا ہے اس کے اعمال قبول کیے جاتے ہیں۔ ان کے نزدیک صاحب کبائر کا کوئی عمل مقبول نہیں۔

۲۔ مُرجیہ کہتے ہیں کہ جو شرک سے اجتناب کرتا ہے وہ متقیوں میں داخل ہے۔ اگر چہ وہ کبائر کا ارتکاب کرتا ہو۔

۳۔ علمائے سلف وائمہ کہتے ہیں کہ جو شخص خلوص دل سے اور خوف الٰہی سے کوئی کام کرتا ہے تو اس کا وہ عمل قبول کیا جاتا ہے۔

سیدنا فُضَیل بن عیاض رحمہ اللہ آیت کریمہ ﴿لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ''احسن'' سے مراد وہ عمل ہے جو شرعاً درست ہو اور خلوص پر مبنی ہو۔ اس لیے کہ عمل اگر پر خلوص بھی ہو مگر شرعاً درست نہ ہو تو وہ مقبول نہیں ہوگا اور اگر شرعاً درست ہو اور خلوص سے عاری ہو تب بھی قبول نہیں کیا جائے گا۔ عمل خالص کا مطلب یہ ہے کہ صرف اللہ کے لیے ہو اور شرعاً درست ہونے کا مطلب یہ ہے کہ سنت نبوی کے مطابق ہو۔

سنن میں سیدنا عمار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم نے فرمایا ''بعض آدمی نماز سے فارغ ہوتے ہیں اور ان کی نصف یا تہائی یا چوتھائی نماز لکھی جاتی ہے۔ آپ نے یہاں تک فرمایا کہ بعض آدمیوں کو

نماز کا دسواں حصہ (۱/۱۰) نصیب ہوتا ہے۔ ❶

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تمھیں نماز، روزہ، حج اور جہاد میں سے صرف اسی عبادت کا ثواب ملے گا جو عقل و فہم سے ادا کرو۔

بہر کیف گناہوں سے معافی ایسے اعمال کی بنا پر ملتی ہے جو بارگاہ ربانی میں مقبول ہوں۔ وہ خوش نصیب آدمی ہوگا جس کی آدھی نماز قبولیت سے مشرف ہو۔ اندریں صورت کچھ گناہ مقبول نمازوں سے معاف ہو جائیں گے اور جو بچیں گے وہ جمعہ و رمضان سے معاف ہوں گے۔ معافی کا امکان صغائر و کبائر دونوں قسم کے گناہوں میں ہے۔ جس حدیث میں صاحب البطاقہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ ❷ اس میں مذکور ہے کہ اس کا عمل سب گناہوں پر چھا جائے گا، یہ اس شخص کا حال ہے جس کے اعمال صدق و اخلاص اور عجز و انکسار کے آئینہ دار ہوں، ورنہ اہل کبائر جو دوزخ میں داخل ہوں گے وہ سبھی کلمہ گو ہوں گے۔

اسی طرح حدیث میں مذکور ہے کہ ایک زانیہ نے بہ کمال اخلاص ایک کتے کو پانی پلایا اور اسے بخش دیا گیا۔ ❸ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ دو آدمی نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں اور ان کی نمازوں

---

❶ سنن ابی داؤد۔ کتاب الصلاة، باب ما جاء فی نقصان الصلاة، (حدیث:۷۹۶)

❷ ترمذی اور ابن ماجہ میں سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ نبی کریم نے فرمایا: بروز قیامت میری امت کے ایک شخص کو لوگوں کے روبرو پکارا جائے گا۔ اس کے سامنے ننانوے رجسٹر کھول کر رکھ دیے جائیں گے جن میں اس کے اعمال قبیحہ درج ہوں گے، ہر رجسٹر وہاں تک پھیلا ہوا ہوگا جہاں تک نظر پہنچے۔ اس سے کہا جائے گا۔ ان میں جو اعمال مندرج ہیں کیا تم ان میں سے کسی کے منکر ہو؟ وہ کہے گا نہیں، اے میرے رب! پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا، پھر کاغذ کا ایک ٹکڑا ہتھیلی کے برابر لایا جائے گا جس میں ''لا الہ الا اللہ'' تحریر ہوگا۔ وہ شخص کہے گا، کاغذ کا یہ پرزہ ان رجسٹروں کے مقابلہ میں کیا حیثیت رکھتا ہے؟ چنانچہ یہ پرزہ ایک پلڑے میں اور وہ رجسٹر دوسرے پلڑے میں رکھے جائیں گے ۔ کاغذ کے پرزے والا پلڑا جھک جائے گا اور رجسٹروں والا پلڑا اوپر کو اٹھ جائے گا۔ سنن ترمذی کتاب الایمان ، باب ما جاء فیمن یموت و هو یشهد ان لا اله الا الله (حدیث: ۴۳۰۰)، سنن ابن ماجة کتاب الزهد، باب ما یرجی من رحمة الله یوم القیامة(حدیث: ۴۳۰۰)

❸ صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب(۵۴)، (حدیث:۳۴۶۷)، صحیح مسلم، کتاب السلام، باب فضل سقی البهائم المحترمة(حدیث:۲۲۴۵)

میں اتنا فرق ہوتا ہے جتنا کہ فاصلہ مشرق ومغرب میں پایا جاتا ہے۔

اعمال کا معیار ومدار:

نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

''اگر تم میں سے کوئی شخص احد پہاڑ جتنا سونا بھی خرچ کرے تو وہ صحابہ کے عشر عشیر کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔'' ❶

ابوبکر بن عیاش فرماتے ہیں: سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حصہ میں جو فضیلت آئی وہ کثرت صوم وصلوٰۃ کی وجہ سے نہیں، بلکہ اس (صدق وخلوص) کی وجہ سے حاصل ہوئی جو آپ کے دل میں جا گزیں تھا۔''

سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھا کر فرمایا: ستارے آسمان کے لیے باعث امن ہیں جب ستارے رخصت ہو جائیں گے تو آسمان سے جس چیز کا وعدہ کیا گیا ہے وہ پورا کر دیا جائے گا۔ اسی طرح میری ذات صحابہ کے لیے باعث امن وسکون ہے جب میں نہیں ہوں گا تو صحابہ موعود مصائب سے دوچار ہو جائیں گے۔ میرے صحابہ میری امت کے لیے باعث امن ہے جب میرے صحابہ رخصت ہو جائیں گے تو امن وامان اٹھ جائے گا۔ ❷

احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:'' لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ ایک جماعت مصروف جنگ ہوگی۔ ان سے دریافت کیا جائے گا، کیا تم میں کوئی صحابی ہے؟ وہ کہیں گے ''ہاں'' چنانچہ انھیں فتح نصیب ہوگی۔ پھر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ لوگوں کی ایک جماعت جنگ کر رہی ہوگی۔ اس سے پوچھا جائے گا کیا تم میں کوئی ایسا شخص موجود ہے جس نے کسی صحابی کو دیکھا ہو؟ کہیں گے:''ہاں'' چنانچہ ان کو فتح حاصل ہوگی۔ پھر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ ایک جماعت مصروف پیکار ہوگی۔ اس سے پوچھا جائے گا کیا تم میں سے کسی نے کسی تابعی کو دیکھا ہے؟ کہیں گے:''ہاں''

---

❶ صحيح بخاری، كتاب فضائل أصحاب النبی صلی الله عليه وسلم۔ باب قول النبی صلی الله عليه وسلم " لو كنت متخذا خليلاً" (حديث:٣٦٧٣)، صحيح مسلم ، كتاب فضائل الصحابة۔ باب تحريم سب الصحابة(حديث: ٢٥٤٠، ٢٥٤١)

❷ صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب بيان ان بقاء النبی صلی اللهعليه وسلم امان لا صحابه(حديث: ٢٥٣١)

چنانچہ وہ فتح ونصرت سے ہم کنار ہوں گے۔ ❶

حدیث ہذا کے تمام طرق میں تینوں طبقات (صحابہ تابعین، تبع تابعین) کا ذکر کیا گیا ہے۔ چوتھے طبقے کا ذکر بعض روایات میں ملتا ہے۔ ❷ متعدد روایات صحیحہ میں آیا ہے کہ آپ نے قرون ثلاثہ کی مدح وستائش فرمائی۔ ❸

مقصود یہ ہے کہ اعمال کی فضیلت کا انحصار ان کی ظاہری صورت پر نہیں، بلکہ ان کی روحانی کیفیت پر ہے جو کہ دل میں پنہاں ہوتی ہے۔ظاہر ہے کہ اس میں بڑا فرق وامتیاز پایا جاتا ہے۔اس سے ان علماء نے احتجاج کیا ہے جو کہتے ہیں کہ ہر صحابی بعد میں آنے والے ہر شخص سے افضل ہے۔ جمہور علماء اس مسئلہ میں متحد الخیال ہیں کہ جملہ صحابہ جملہ تابعین سے افضل ہیں، البتہ اس بات میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ آیا ہر صحابی ہر تابعی سے افضل ہے یا نہیں؟ اسی قاعدہ کے مطابق کیا سیدنا معاویہ عمر بن عبدالعزیز سے افضل ہیں یا نہیں؟۔

قاضی عیاض وغیرہ نے اس مسئلہ میں دو قول ذکر کیے ہیں۔اکثر علماء صحابہ کے ہر فرد کو ہر تابعی سے افضل قرار دیتے ہیں۔

سیدنا عبداللہ بن مبارک اور احمد بن حنبل سے یہی منقول ہے۔ان کی دلیل یہ ہے کہ اگرچہ تابعین کے اعمال صالحہ صحابہ کے مقابلہ میں زیادہ ہیں۔ اسی طرح سیدنا عمر بن عبدالعزیز امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے زہد وعدل میں بڑھ کر تھے۔مگر فضیلت کا انحصار حقیقت ایمان پر ہے جو کہ ایک قلبی چیز ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

''اگر تم میں سے کوئی شخص احد پہاڑ جتنا سونا بھی خرچ کرے تو صحابہ کے عشر عشیر کو بھی

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الجهاد۔ باب من استعان بالضعفاء والصالحین فی الحرب (حدیث:۲۸۹۷)، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب فضل الصحابة ثم الذین یلونهم(حدیث:۲۵۳۲)

❷ صحیح مسلم، حواله سابق(حدیث:۲۵۳۲/۲۰۹)

❸ صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم، باب فضائل أصحاب النبی صلی اللهعلیه وسلم(حدیث:۳۶۵۰، ۳۶۵۱)، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب فضل الصحابة ثم الذین یلونهم(حدیث: ۲۵۳۳۔ ۲۵۳۵)

نہیں پہنچ سکتا۔ ❶

اس نظریہ کے حامل علماء یہ کہتے ہیں کہ بلا شبہ بعض تابعین کے اعمال صحابہ سے بڑھ کر تھے، مگر ہم یہ کیسے معلوم کر سکتے ہیں کہ ان کا ایمان بھی صحابہ کے ایمان پر فائق تھا۔ اس حدیث میں نبی کریم نے فرمایا کہ متاخرین جو صلح حدیبیہ کے بعد اسلام لائے اگر سونے کا پہاڑ بھی خرچ کریں تو اولین صحابہ کے نصف مد (ایک عربی پیمانہ جو کہ قریباً گیارہ چھٹانک کا ہوتا ہے) کے برابر بھی نہیں ہوسکتا۔

اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ سیدنا عمر بن عبدالعزیز نے لوگوں کے حقوق ادا کیے اور عدل وانصاف کے تقاضوں کو پورا کیا۔ اگر فرض کیا جائے کہ آپ نے لوگوں کو جو کچھ دیا وہ آپ کی ملکیت تھا اور آپ نے صدقہ کر دیا۔ تاہم اس سے صحابہ کے انفاق فی سبیل اللہ کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ اور احد پہاڑ جتنا سونا آئے کہاں سے کہ اسے خرچ کیا جا سکے؟ پھر جب کہ بفرض محال اسے خرچ بھی کیا جائے تو بقول نبی کریم وہ نصف مد کے برابر بھی نہ ہوگا۔

علماء سلف میں سے بعض کا قول ہے کہ:

''سرور کائنات ﷺ کی رفاقت میں جو غبار سیدنا معاویہ کی ناک میں داخل ہوا وہ عمر بن عبدالعزیز کے سب اعمال سے افضل ہے۔''

بہر کیف یہ مسئلہ بسط وتفصیل کا مقتضی ہے اور یہاں اس کا موقع نہیں ہے۔ مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نیکیوں سے برے اعمال کو ملیا میٹ کر دیتے ہیں۔ نیز یہ کہ اعمال درجہ بدرجہ ہوتے ہیں، کسی شخص میں جس قدر ایمان وتقویٰ ہوگا، اس کے اعمال اسی قدر دوسروں سے افضل ہوں گے۔ خلاصہ یہ کہ جب اعمال صالحہ کی بنا پر دوسرے لوگوں کے برے اعمال نیست و نابود ہو جاتے ہیں تو حضرات صحابہ بالاولیٰ اس کے مستحق ہیں۔

گناہوں کا ازالہ اور طریقوں سے بھی ہو جاتا ہے۔ مثلاً کوئی شخص اس کے حق میں دعا کرے یا اس کی موت کے بعد اس کا جنازہ پڑھے اور اس کے حق میں دعائے مغفرت کرے یا نبی ﷺ کسی کے لیے دعاء مغفرت فرمائیں۔ کسی کو موت کے بعد نیک اعمال مثلاً صدقہ، حج اور روزہ وغیرہ کا جو تحفہ

---

❶ صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم، باب قول النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم،" لو کنت متخذاً خلیلاً" (حدیث:۳۶۷۳)، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب تحریم سب الصحابة (حدیث:۲۵۴۱)

اسے بھیجا جاتا ہے۔ وہ بھی اسی قبیل سے ہے۔

حدیث میں آیا ہے کہ یہ ہدیہ میت کو وصول ہوتا ہے [1] لڑکوں کی نیک دعا اس سے جداگانہ چیز ہے، کیوں کہ یہ اس کے اپنے عمل و کسب میں شامل ہے۔ دنیوی حوادث و آلام بھی گناہوں کا کفارہ بن جاتے ہیں۔ جیسا کہ نصوص متواترہ سے ثابت ہے۔ صحیح حدیث میں نبی کریم سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

''میں نے اپنے رب سے تین چیزیں طلب کیں، اس نے دو چیزیں مجھے عطا کیں اور تیسری نہیں دی۔''

۱۔ میں نے بارگاہ ربانی میں التجا کی کہ میری امت کو عام قحط سے ہلاک نہ کرے، اس نے یہ دعا قبول کر لی۔

۲۔ میں نے درخواست کی کہ میری امت پر بیرونی دشمن ایسا مسلط نہ کرے جو ان کا استیصال کر دے۔ اس نے یہ دعا بھی قبول کر لی۔

۳۔ میں نے درخواست کی کہ میری امت میں خانہ جنگی رونما نہ ہو۔ یہ دعا مقبول نہیں ہوئی۔ [2]

صحیح حدیث میں آیا ہے کہ جب یہ آیت ﴿ **قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰی اَنْ یَّبْعَثَ عَلَیْکُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِکُمْ** ﴾ نازل ہوئی تو آپ نے فرمایا: ''**أَعُوْذُ بِوَجْهِکَ**'' پھر یہ الفاظ پڑھے ''**اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِکُمْ**''، تو فرمایا: ''**أَعُوْذُ بِوَجْهِکَ**'' پھر پڑھا ''**اَوْ یَلْبِسَکُمْ شِیَعًا**''، تو فرمایا: ''یہ بہت آسان ہے۔'' [3]

---

[1] صحیح بخاری، کتاب جزاء الصید ،باب الحج والنذور عن المیت (حدیث: ۱۸۵۲)، و کتاب الجنائز، باب موت الفجأة البغتة(حدیث:۱۳۸۸)، و کتاب الصوم، باب من مات و علیه صوم (حدیث:۱۹۵۳)، صحیح مسلم ، کتاب الزکاة، باب وصول ثواب الصدقة، عن المیت (حدیث:۱۰۰۴)، کتاب الصیام، باب قضاء الصوم عن المیت (حدیث: ۱۱۴۸)

[2] سنن ترمذی، کتاب الفتن،باب ما جاء فی سؤال النبی صلی اللّٰه علیه وسلم ثلاثا فی امته (حدیث: ۲۱۷۵)، سنن نسائی۔ کتاب قیام اللیل، باب احیاء اللیل (حدیث: ۱۶۳۹)

[3] صحیح بخاری، کتاب الاعتصام، باب فی قول النبی صلی اللّٰه علیه وسلم ﴿**او یلبسکم شیعاً**﴾ (حدیث:۷۳۱۳)

اس سے معلوم ہوا کہ امت میں باہمی اختلافات کا ظہور و شیوع ایک ناگزیر امر ہے، تاہم بعد والے لوگوں کی نسبت صحابہ کے مابین فتنہ بازی کا ظہور کم ہوا ہے۔ عہد نبوت سے جتنی دوری ہوتی چلی گئی فتنہ بازی روبترقی رہی۔

یہی وجہ ہے کہ خلافت عثمانی میں کوئی ظاہری بدعت رونما نہیں ہوئی تھی۔ جب آپ نے شہادت پائی اور امت کا شیرازہ بکھر گیا تو بیک وقت دو متقابل بدعتیں سامنے آ گئیں۔

۱۔ ایک خوارج کی بدعت جو سیدنا علی کی تکفیر کرتے تھے۔

۲۔ روافض جو سیدنا علی کی عصمت و امامت بلکہ اس سے بڑھ کر نبوت و الوہیت کے مدعی تھے۔

عصر صحابہ کے آخری دور اور سیدنا عبداللہ بن زبیر و عبدالملک اموی کے عہد امارت میں مرجیہ و قدریہ کے فرقوں نے پَر پرزے نکالنے شروع کیے۔ پھر عصر تابعین کے اوائل اور اموی خلافت کے آخری دور میں جہمیہ و مشبہ کا ظہور ہوا۔ حالانکہ عہد رسالت میں ایسی کوئی بدعت بھی موجود نہ تھی۔

پھر شمشیر کی فتنہ گری نے اس کی جگہ لی۔ سیدنا معاویہ کی امارت کے زمانہ میں سب مسلمان مل کر کفار کے خلاف صف آراء ہوا کرتے تھے۔ جب سیدنا معاویہ نے وفات پائی تو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا سانحہ دل گداز وقوع پذیر ہوا۔ مکہ کا محاصرہ کر لیا گیا۔ ادھر مدینہ میں حرہ کا فتنہ بپا ہوا۔ یزید کی موت کے بعد ملک شام میں مروان اور ضحاک کے مابین مرج رابط کے مقام پر گھمسان کا رن پڑا۔ پھر مختار نے ابن زیاد کو قتل کیا تو زبردست فتنہ اٹھا۔ بعد ازاں مصعب بن زبیر نے مختار کو قتل کر دیا۔ دوسری جانب عبدالملک اموی نے مصعب کا کام تمام کر دیا اور سخت فتنہ اٹھا۔ حجاج نے عرصہ دراز تک سیدنا ابن زبیر کا محاصرہ کیے رکھا، پھر آپ کو قتل کر دیا۔ جب حجاج عراق کا والی قرار پایا تو ابن الاشعث نے عراق کے ایک جم غفیر کے ساتھ اس کے خلاف خروج کیا۔ یہ افسوسناک حوادث سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد پیش آئے۔ پھر خراسان میں ابن مہلب نے سر اٹھایا اور زید بن علی کوفہ میں قتل کیے گئے، علاوہ ازیں کافی عرصہ تک قتل و غارت کا بازار گرم رہا۔ ادھر خراسان میں ابومسلم خراسانی بنوعباس کی حمایت میں اٹھ کھڑا ہوا اور اس قدر خون ریز جنگیں ہوئیں جن کا ذکر طوالت کا موجب ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ سیدنا معاویہ سب مسلم سلاطین سے بڑھ کر تھے۔ لوگوں نے جو امن و عافیت اور خوشحالی آپ کے دور میں دیکھی وہ بعد میں نصیب نہ ہو سکی۔ البتہ سیدنا ابوبکر و عمر کا عہد خلافت اس سے یقیناً بڑھ کر تھا۔

سیدنا معاویہ کے فضائل و مناقب:

سیدنا معاویہ گناہ گار ہو سکتے ہیں۔ مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ مسلمانوں میں ان کا ہم پلہ کوئی سلطان پیدا نہیں ہوا۔ سیدنا قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اگر تم سیدنا معاویہ جیسے کام کرنے لگو تو لوگ پکار اٹھیں یہ مہدی ہے۔''

احمد بن جواس کہتے ہیں مجھے ابو ہریرہ المکتب نے بتایا کہ اعمش کے ہاں عمر بن عبدالعزیز اور ان کے عدل و انصاف کا ذکر چل پڑا تو اعمش نے کہا: ''اگر تم سیدنا معاویہ کا عہد خلافت دیکھ لیتے تو پھر کیا ہوتا؟ لوگوں نے کہا: ''کیا آپ معاویہ کی بردباری کے بارے میں کہہ رہے ہیں؟'' اعمش نے کہا: ''نہیں اللہ کی قسم! میں سیدنا معاویہ کے عدل کی بات کر رہا ہوں۔''

ابو اسحاق سُبعی نے سیدنا معاویہ کی شان میں فرمایا:

''اگر تم سیدنا امیر معاویہ کو دیکھ پاتے تو کہہ اٹھتے کہ امام مہدی یہی ہیں۔''

ابوبکر بن عیاش، ابو اسحاق سے روایت کرتے ہیں کہ اس نے کہا: ''میں نے سیدنا معاویہ کے بعد ان کا ثانی نہیں دیکھا۔''

امام بغوی، ابو قیس سے روایت کرتے ہیں کہ سیدنا معاویہ نے ہر قبیلہ میں ایک آدمی مقرر کر رکھا تھا جو اس کے حالات سے ان کو باخبر رکھتا تھا، ایک شخص جس کی کنیت ابو یحییٰ تھی علی الصبح ہر مجلس میں جا کر پوچھتا تھا۔ کیا تمہارے ہاں شب گزشتہ کوئی بچہ پیدا ہوا۔ یا کوئی نیا واقعہ پیش آیا ہے یا کوئی مہمان باہر سے آیا ہے؟ لوگ بتایا کرتے تھے کہ ہاں اہل یمن میں سے فلاں آدمی اپنے کنبہ میں آیا ہے، وہ اس شخص اور اس کے قبیلہ کا نام ذکر کر دیا کرتے تھے۔ قبائل سے فارغ ہو کر وہ دفتر میں آتا اور وہاں ان کے نام تحریر کیا کرتا تھا۔

عطیہ بن قیس کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا معاویہ کو خطبہ دیتے ہوئے سنا فرماتے تھے:

''تنخواہ تقسیم کرنے کے بعد بیت المال میں کچھ مال بچ گیا ہے۔ اب میں وہ تقسیم کرنا چاہتا ہوں۔ اگر آئندہ سال بھی حسب دستور کچھ مال بچ گیا تو تمہارے درمیان تقسیم کر دوں گا ورنہ مجھے معتوب نہ کریں۔ اس لیے کہ یہ میرا نہیں، بلکہ اس اللہ کا مال ہے جس نے تمھیں یہ عطا کیا۔''

سیرت و کردار اور عدل و احسان کے اعتبار سے سیدنا معاویہ کا دامن ایسے فضائل و مناقب

سے پر ہے۔

حدیث صحیح میں آیا ہے کہ ایک شخ نے سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے عرض کیا۔ امیر المومنین معاویہ ایک رکعت وتر پڑھتے ہیں۔ اس مسئلہ میں آپ کی کیا رائے ہے؟ سیدنا ابن عباس نے کہا: معاویہ نے ٹھیک کیا، وہ فقیہ ہیں۔'' [1]

سیدنا ابودرداء رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

''میں نے سیدنا معاویہ سے بڑھ کر کسی شخص کو نہیں دیکھا جس کی نماز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ ملتی جلتی ہو۔'' [2]

یہ ہے حضرات صحابہ کی شہادت سیدنا معاویہ کے تدین وتفقہ کے بارے میں! فقاہت معاویہ کے گواہ ابن عباس ہیں، اور حسن صلوٰۃ کی گواہی دینے والے ابودرداء، دونوں جس پایہ کے صحابی ہیں وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ اس کے موید آثار اور بھی بہت ہیں۔

اس میں شبہ نہیں کہ سیدنا معاویہ سابقین اوّلین صحابہ میں شمار نہیں ہوتے۔ بخلاف ازیں کہا گیا ہے کہ آپ فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ آپ فتح مکہ سے پہلے مسلمان ہو چکے تھے۔ سیدنا معاویہ خود اس بات کے معترف تھے کہ وہ فضلاء صحابہ میں شامل نہیں ہیں۔ اس کے باوصف آپ کثیر اوصاف کے حامل تھے۔ آپ کی سلطنت حدود خراُسان سے لے کر مغرب میں بلاد افریقہ اور قبرص سے لے کر یمن تک پھیلی ہوئی تھی، اس بات پر سب مسلمانوں کا اجماع ہے کہ معاویہ ابوبکر وعمر تو درکنار عظمت وفضیلت میں سیدنا عثمان وعلی کے قریب بھی نہ تھے۔ پھر کسی اور بادشاہ کو ان کے مشابہ کیوں کر قرار دیا جا سکتا ہے؟ نیز مسلم سلاطین میں سے کوئی مسلم سلطان سیرت وکردار کے اعتبار سے سیدنا معاویہ کا حریف کیسے ہو سکے گا؟

اکابر صحابہ نے فتنہ پردازی میں حصہ نہیں لیا تھا ایوب سجستانی ابن سیرین سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا:

جب فتنہ کی آگ بھڑکی تو اس وقت دس ہزار صحابہ بقید حیات تھے، مگر سو صحابہ نے بھی فتنہ

---

[1] صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیه وسلم، باب ذکر معاویة رضی الله عنه (حدیث: ۳۷۶۵)

[2] طبرانی کما فی المجمع (۳۵۷/۹)

پردازی میں شرکت نہ کی، بلکہ بالفاظ صحیح تر تیس صحابہ بھی اس میں شریک نہیں ہوئے۔

یہ ابن سیرین کا قول ہے جو زہد و ورع کی وجہ سے بڑی محتاط گفتگو کرنے کے خوگر تھے۔ منصور بن عبدالرحمان نے کہا کہ امام شعبی کا قول ہے:

''نبی کریم کے صحابہ میں سے جنگ جمل میں صرف سیدنا علی، عمار، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم شامل ہوئے، اگر کوئی شخص پانچویں صحابی کا نام بتا دے تو میں کاذب ٹھہروں گا۔''

امام شعبی کا مطلب سابقین مہاجرین صحابہ کا ذکر کرنا تھا۔

عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ فرماتے ہیں:

''جنگ صفین میں ستر بدری صحابہ نے شرکت کی تھی۔''

جب شیعہ نے یہ بات سنی تو انھوں نے کہا اللہ کی قسم! یہ جھوٹ ہے، صرف خزیمہ بن ثابت نے صفین میں شرکت کی تھی۔ امام ذہبی فرماتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جمل وصفین میں بہت تھوڑے صحابہ شامل ہوئے تھے۔

جن اسباب کی بنا پر ایک مومن عذاب دوزخ سے نجات پائے گا۔ ان میں وہ تکلیف بھی شامل ہے جو مومن قبر میں اٹھائے گا۔ نیز منکر ونکیر کا سوال کرنا اور روز محشر کا درد و کرب سب اس میں داخل ہے۔

بخاری و مسلم میں مروی ہے کہ مومن جب پل صراط سے گزریں گے تو جنت و جہنم کے درمیان انھیں ایک پل پر ٹھہرا لیا جائے گا، جہاں وہ ایک دوسرے سے بدلہ لینے کے بعد پاک صاف ہو کر جنت میں جا داخل ہوں گے۔ [1]

یہ ایسے امور ہیں جو شاذ و نادر ہی مسلمانوں کی نگاہوں سے اوجھل ہوتے ہیں، پھر صحابہ خیر القرون کے مصداق ہونے کے باوجود انھیں کیوں کر نظر انداز کر سکتے ہیں۔ یہ صحیح روایت ہے کہ ایک شخص نے سیدنا ابن عمر کی موجودگی میں سیدنا عثمان پر تنقید کی اور کہا کہ وہ جنگ احد میں بھاگ گئے تھے یہ سن کر ابن عمر نے کہا:

''اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ لغزش معاف کر دی تھی۔''

معترض نے کہا: ''عثمان بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے۔''

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب القصاص، یوم القیامة، (حدیث: ٦٥٣٥)

سیدنا ابن عمر نے کہا: ''نبی کریم نے سیدنا عثمان کو اپنی بیٹی کی تیمار داری کے لیے پیچھے چھوڑ دیا اور مال غنیمت میں سے ان کو حصہ بھی دیا تھا۔''

مخالف نے پھر کہا: سیدنا عثمان نے بیعت رضوان میں شرکت نہیں کی تھی۔''

سیدنا ابن عمر نے فرمایا: ''بیعت رضوان سیدنا عثمان ہی کی وجہ سے عمل میں آئی تھی نبی کریم نے سیدنا عثمان کی جگہ بیعت کرتے وقت اپنا ہاتھ استعمال کیا تھا اور آپ کا ہاتھ عثمان کے ہاتھ سے بہتر تھا۔[1]

معائب صحابہ حسد یا کذب پر مبنی ہیں:

حضرات صحابہ پر وارد کیے جانے والے عام اعتراضات یا تو بغض و حسد کے آئینہ دار ہیں یا کذب و دروغ گوئی پر مبنی ہیں۔

شیعہ مصنف کا یہ قول کہ ''سیدنا عثمان نے نا اہل لوگوں کو عہدے عطا کیے تھے۔'' اس کا جواب یہ ہے کہ سیدنا عثمان ایک مجتہد تھے، ان سے اجتہادی غلطی سرزد ہوئی۔ جو اللہ تعالیٰ نے معاف کر دی۔ اس کی مثال یہ ہے کہ عبداللہ بن سعد مرتد ہو گیا تھا، پھر مسلمان ہو کر بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا، تو آپ نے اس کی معذرت قبول کی حالانکہ آپ نے اسے مباح الدم قرار دیا تھا، مزید یہ کہ سیدنا علی کو بھی اس سے سابقہ پڑا تھا اور عمّال کی ایسی حرکات ان کے علم میں آئیں جن کی آپ کو توقع نہ تھی۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ سیدنا عثمان کو جب ولید کی شراب نوشی کا علم ہوا تو طلب کر کے اس پر شرعی حد لگائی تھی۔

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''سیدنا عثمان نے اپنے اقارب میں مال تقسیم کیا تھا۔''

ہم کہتے ہیں کہ یہ ایسا گناہ نہیں جس پر آخرت میں سزا دی جائے۔ اسے ایک اجتہادی غلطی بھی قرار دے سکتے ہیں۔

یہ مسئلہ علماء کے یہاں مختلف فیہا ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنی زندگی میں جن اختیارات سے بہرہ ور تھے۔ آپ کے امام و خلیفہ کو وہ اختیارات حاصل ہوں گے یا نہیں؟ اس میں علماء کے دو قول ہیں۔

---

[1] صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم، باب مناقب عثمان بن عفان رضی الله عنه (حدیث: ٣٦٩٩)

اس مسئلہ میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے کہ جب یتیم کا ولی دولت مند ہو تو کیا وہ یتیم کے مال میں سے اپنی اجرت وصول کر سکتا ہے یا نہیں؟ نیز یہ کہ آیا اجرت کا ترک کرنا واجب ہے یا افضل ؟ جو علماء تونگری کے باوجود یتیم کے مال میں سے اجرت لینے کو جائز تصور کرتے ہیں، ان کے نزدیک امام و خلیفہ بھی بیت المال میں سے اپنی اجرت وصول کر سکتا ہے، اسی طرح قاضی و حاکم کو بھی یہ حق حاصل ہے جو علماء یتیم کے مال میں سے اجرت وصول کرنے کو ناروا تصور کرتے ہیں، ان میں سے بعض بیت المال میں سے اپنی اجرت لینے کو جائز قرار دیتے ہیں، جس طرح فراہم کرنے والا تونگری کے باوجود اس میں سے اپنی اجرت لینے کا مجاز ہے۔ یتیم کے ولی کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ مَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَ مَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ﴾(سورۃ نساء: ٤/٦)

''جو دولت مند ہو وہ اس سے پرہیز کرے اور جو تنگ دست ہو وہ حسب دستور اس میں سے کھا لیا کرے۔''

بعض فقہاء نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ اقارب کا حصہ خلیفہ و امام کے رشتہ داروں کو ملے گا۔ حسن اور ابو ثور اسی کے قائل ہیں۔ نبی ﷺ اپنے اقارب کو بحکم ولایت عطیہ جات دیا کرتے تھے۔ اکثر علماء کے نزدیک نبی کریم کی وفات سے اقارب کا حق ساقط ہو گیا۔ امام ابوحنیفہ کا نظریہ یہی ہے۔ علماء کی ایک جماعت یہ نظریہ رکھتی ہے کہ یہ ساقط شدہ حق گھوڑے اور دیگر سامان حرب خریدنے پر خرچ کیا جائے۔ سیدنا ابوبکر و عمر اسی پر عمل فرماتے تھے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ سیدنا عثمان نے اس میں تاویل سے کام لیا ہے، ان سے منقول ہے کہ وہ اپنے کام کی اجرت لے لیا کرتے تھے، اور اسے جائز خیال کیا کرتے تھے، اگرچہ سیدنا ابوبکر و عمر کا طرز عمل بلاشبہ افضل تھا۔ تاہم سیدنا عثمان دونوں باتوں پر عمل کرنے کے مجاز تھے۔

وہ اپنے اقارب کو اس خیال سے عطیہ جات دیا کرتے تھے کہ وہ بقول مجوزین امام و خلیفہ کے اقارب تھے۔ خلاصہ کلام ! جو لوگ سیدنا عمر کے بعد منصب خلافت پر فائز ہوئے وہ اپنے اقارب کو مال دیا کرتے تھے یا ان کو مناصب جلیلہ پر فائز کیا کرتے تھے۔ سیدنا علی نے بھی اپنے اقارب کو بعض علاقوں کا والی مقرر کیا تھا۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ اہل کوفہ نے سعید بن عاص کے خلاف خروج کیا [1] اور انھیں کوفہ سے نکال دیا تھا تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ سعید قصوروار بھی ہوں۔ اس لیے کہ اہل کوفہ اپنے امراء کے خلاف ہمیشہ بغاوت و سرکشی کا مظاہرہ کرنے کے خوگر تھے۔ اسی قدیم عادت کے پیش نظر انھوں نے سعید سے یہ سلوک روا رکھا۔ بھلا سعید جیسا امیر کوفہ والوں کو کہاں نصیب؟

شیعہ مصنف کا یہ قول کہ سیدنا عثمان نے پوشیدہ طور پر ابن ابی سرح کو لکھا تھا کہ وہ اپنے منصب پر قائم رہے اور بظاہر لوگوں کو بتایا کہ میں نے اسے معزول کر دیا ہے۔'' یہ صریح جھوٹ ہے اس لیے کہ سیدنا عثمان نے حلف اٹھا کر کہا تھا کہ انھوں نے یہ نہیں لکھا اور سیدنا عثمان یقیناً سچے تھے، بلکہ یہ کہا گیا ہے کہ مروان نے سیدنا عثمان کو بتائے بغیر یہ خط لکھا تھا۔ جب انھوں نے مروان کو قتل کرنے کا مطالبہ کیا تھا تو آپ نے اس سے انکار کر دیا۔

اگر مروان کا قتل ناروا تھا تو سیدنا عثمان کا فعل درست ہے اور اگر اسے قتل کرنا جائز تھا اور واجب نہ تھا تو آپ نے ایک جائز کام کیا اور اگر وہ واجب القتل تھا اور آپ نے اسے قتل نہ کیا تو آپ ایک غلطی کے مرتکب ہوئے۔ حالانکہ کسی دلیل سے مروان کا واجب القتل ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

اگر فرض کر لیا جائے کہ سیدنا عثمان نے مروان کو قتل نہ کر کے ایک گناہ کا ارتکاب کیا ہے۔ (اجتہادی غلطی کا نہیں) تو ہم نے یہ دعویٰ کب کیا ہے کہ عثمان گناہوں سے پاک تھے؟ اس میں شبہ نہیں کہ آپ نے بے شمار اچھے کام بھی کیے ہیں۔ مزید برآں آپ بدری صحابہ میں شامل ہیں، جن کی مغفرت کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے۔

شیعہ مصنف کا یہ قول کہ: ''سیدنا عثمان نے محمد بن ابی بکر کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا۔'' یہ صریح افتراء پردازی ہے جو شخص سیدنا عثمان کی سیرت و کردار سے آگاہ ہے، وہ جانتا ہے کہ یہ کھلا ہوا جھوٹ ہے۔ لوگ ان کو قتل کرنے کی کوشش کر رہے تھے اور آپ ان کو روکتے تھے۔ پھر آپ ایک معصوم الدم کو بلا وجہ کیوں کر قتل کر سکتے تھے؟ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ سیدنا عثمان نے اسے قتل کرنے کا حکم دیا تھا

[1] ہم قبل ازیں سعید بن عاص کے سیرت و سوانح اور مکارم اخلاق پر روشنی ڈال چکے اور بتا چکے ہیں کہ انھوں نے دعوت اسلام کو فروغ دینے میں کس حد تک مساعی جمیلہ انجام دی تھیں۔ اہل کوفہ کی یہ حالت تھی کہ اگر ابوبکر و عمر کو بھی ان کا امیر بنا دیا جاتا تو ان کے ساتھ وہ وہی سلوک کرتے جو سعید بن عاص کے ساتھ روا رکھا تھا۔

تو اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کے شر کا ازالہ کیا جائے۔ لہٰذا امت کی مصلحت کے نقطۂ خیال سے ایسا کیا۔

باقی رہا سیدنا معاویہ کا معاملہ تو سیدنا عثمان نے ان کو والی شام مقرر کیا اور آپ اس منصب پر قائم رہے یہاں تک کہ سیدنا حسن نے خلافت سے دست بردار ہو کر امور سلطنت امیر معاویہ کو تفویض کر دیے۔ سیدنا معاویہ حلم و کرم اور کثرت تجربہ کی بنا پر رعایا میں بڑے محبوب تھے۔ سیدنا معاویہ سیدنا علی کے وُلاۃ وحُکام مثلاً اَشتر نخعی و محمد بن ابی بکر وعبید اللہ بن عمرو ابواعور سلمی و بشر بن ارطاۃ سے یقیناً افضل تھے۔

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سیدنا عثمان سے اس لیے ناراض ہو گئے تھے کہ آپ نے قرآن کریم کی کتابت ان کی بجائے سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو سپرد کی تھی۔ جمہور صحابہ [1] اس ضمن میں

---

[1] ابو عبد اللہ زنجانی ایک شیعہ معاصر نے اپنی کتاب تاریخ القرآن کے صفحہ ۴۶ پر لکھا ہے کہ علی بن موسیٰ المعروف ابن طاؤس المتوفی (۵۸۹۔۶۶۴) ایک شیعہ عالم نے اپنی کتاب ''سعد السعود'' میں علامہ شہرستانی کی تفسیر کے مقدمہ سے بروایت سوید بن علقمہ نقل کیا ہے کہ میں نے سیدنا علی سے سنا فرماتے تھے: ''ارے لوگو! اللہ سے ڈرو اور عثمان کے معاملہ میں مبالغہ آمیزی سے کام نہ لو اور یہ نہ کہو کہ انھوں نے قرآن کے اوراق جلا دیے تھے۔ اللہ کی قسم یہ اوراق انھوں نے صحابہ کی ایک جماعت کے روبرو جلائے تھے۔ سیدنا عثمان نے ہمیں جمع کیا اور کہا: ''ان مختلف قراءتوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔ ایک شخص دوسرے سے مل کر کہتا ہے کہ میری قراءت تم سے بہتر ہے اس کا نتیجہ کفر کی صورت میں برآمد ہوگا۔'' ہم نے کہا آپ کی کیا رائے ہے؟ سیدنا عثمان نے کہا: ''میں لوگوں کو ایک قرآن پر جمع کرنا چاہتا ہوں۔ اگر قراءت قرآن میں ابھی تمہارے یہاں اختلاف پیدا ہو گیا۔ تو بعد میں آنے والے مسلمان شدید اختلافات میں مبتلا ہو جائیں گے۔'' ہم نے کہا: ''آپ ٹھیک فرماتے ہیں: '' ہم نے العواصم من القواصم، ص: ۶۳۔۶۴، کے حواشی میں لکھا ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جملہ بلاد اسلامیہ میں قرآن کے ایک ہی نسخہ کو پھیلانا اور صحابہ کرام کو اس بات پر متفق کرنا چاہا۔ مصحف عثمانی ہی قرآن کریم کا وہ کامل نسخہ ہے جو قرآن کریم کی اس قراءت کے مطابق ہے جس کے مطابق سیدنا جرائیل نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری مرتبہ قرآن کریم سنایا تھا۔ سیدنا ابن مسعود چاہتے تھے کہ کتابت قرآن کی خدمت انھیں سپرد کی جائے، آپ یہ بھی چاہتے تھے کہ قبل ازیں قرآن کا جو نسخہ وہ جمع کر چکے ہیں اسے باقی رکھا جائے۔ سیدنا عثمان نے یہ دونوں باتیں تسلیم نہ کیں۔

سیدنا زید بن ثابت کو یہ خدمت تجویز کرنے کی وجہ یہ تھی کہ سیدنا ابوبکر وعمر نے آپ کو خلافت صدیقی میں

سیدنا عثمان کے ساتھ تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ نبی کریم نے آخری مرتبہ سیدنا جبرائیل کو جب قرآن مجید سنایا تھا، سیدنا زید اس قراءت کے دیگر صحابہ سے زیادہ واقف تھے۔

سیدنا عثمان سے پہلے سیدنا ابوبکر وعمر نے بھی زید بن ثابت کو قرآن کی جمع وتدوین پر مامور فرمایا تھا:

مشاجرات صحابہ میں کف لسان کی افضلیت:

جب ولید بن عقبہ نے شراب پی۔ [1] تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کی مذمت کی تھی۔ پھر ابن مسعود مدینہ آئے۔ ابھی سیدنا عثمان کی شہادت کا سانحہ پیش نہیں آیا تھا۔ سیدنا عثمان نے ابن مسعود کو شادی کرنے کے لیے کہا۔ ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر بفرض محال ابن مسعود نے سیدنا عثمان پر طعن کیا تھا تو یہ امر دونوں حضرات کے لیے موجب قدح ہے صرف سیدنا عثمان ہی کے لیے نہیں، بلکہ اسے دونوں کی اجتہادی غلطی پر محمول کرنا زیادہ بہتر ہے۔ یہ دونوں حضرات جلیل القدر بدری صحابہ میں شامل تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی خطائیں معاف کر دی ہیں، پھر یہ امر بھی پیش نظر ہے کہ مشاجرات صحابہ کے بارے میں زبان کو بند رکھنا اولیٰ وافضل ہے۔

اس کام پر مامور فرمایا تھا۔ کیوں کہ آخری مرتبہ جس قراءت کے مطابق قرآن نبی کریم کو سنایا گیا تھا۔ سیدنا زید کو وہ قراءت یاد تھی، لہٰذا سیدنا عثمان سیدنا زید کو یہ خدمت تفویض کرنے میں حق بجانب تھے۔ یہ مطلب نہیں کہ سیدنا عثمان سیدنا ابن مسعود کے علم وفضل اور صدق ایمان سے آگاہ نہ تھے۔ سیدنا عثمان اس فعل میں بھی حق بجانب تھے کہ آپ نے قرآن کریم کے تمام نسخوں کو دھو ڈالا تھا، اس میں عبداللہ بن مسعود کا مصحف بھی شامل تھا۔ اجماع صحابہ کے مطابق پوری امت کو قرآن کریم کے ایک صحیح تر اور کامل نسخہ پر جمع کرنا سیدنا عثمان کا عظیم ترین کارنامہ ہے۔ تاہم سیدنا عثمان سیدنا ابن مسعود کی قدر افزائی کرتے رہے اور اس میں کچھ فرق نہ آیا۔

اسی طرح سیدنا عبداللہ بن مسعود سیدنا عثمان کے مطیع فرمان رہے اور انھیں سب مسلمانوں سے افضل خیال کرتے رہے، کیوں کہ آپ نے صدق دل سے ان کی بیعت کی تھی اور آخری دم تک اس پر قائم رہے تھے۔

[1] حقیقت یہ ہے کہ خلافت عثمانی کے مخالفین اور ولید بن عقبہ کے دشمنوں نے ولید پر افتراء باندھا تھا۔ ولید کے خلاف شراب نوشی کی شہادت دینے والے سب جھوٹے، چور اور کمینے آدمی تھے۔ ان کی یہ شہادت صاف جھوٹ تھی۔ دیکھیے: (العواصم من القواصم: ۹۴۔ ۹۹)

سیدنا عمر بن عبدالعزیز فرمایا کرتے تھے:

''اللہ تعالیٰ نے میرے ہاتھ کو صحابہ کے خون سے آلودہ نہیں کیا۔ میں اپنی زبان کو بھی اس سے ملوث نہیں کرنا چاہتا۔''

سیدنا عمار سے منقول ہے کہ انھوں نے کہا: ''عثمان صراحۃً کافر ہو گئے تھے۔''

سیدنا حسن نے سیدنا عمار کی یہ بات ناپسند کی تھی۔ سیدنا علی سے منقول ہے کہ انھوں نے کہا:

''اے عمار! کیا آپ اس اللہ سے منکر ہیں جس پر عثمان ایمان لائے تھے۔؟

ہم اس حقیقت سے آگاہ ہیں کہ بعض اوقات ایک ولی اللہ اور مومن شخص دوسرے ولی کی ازراہ خطا تکفیر کرتا ہے، مگر اس کے باوصف دونوں کے ایمان میں قدح وارد نہیں ہوتی۔

صحیح حدیث میں آیا ہے کہ اُسید بن حضیر نے نبی کریم کی موجودگی میں سعد بن عبادہ سے کہا تھا کہ تو منافق ہے اور منافقین کی وکالت کرتا ہے۔ [1] اسی طرح سیدنا عمر نے حاطب کے بارے میں کہا تھا۔

اے اللہ کے رسول! مجھے اجازت دیجیے کہ اس منافق کی گردن اڑا دوں۔''

نبی کریم نے فرمایا: ''حاطب غزوہ بدر میں شرکت کر چکا ہے۔'' [2]

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''سیدنا عثمان نے ابن مسعود کو اس قدر پیٹا کہ ان کی موت واقع ہو گئی۔''

یہ بڑا ذلیل جھوٹ ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ سیدنا عثمان نے عمار و ابن مسعود دونوں کو پیٹا تھا۔ بشرط صحت سیدنا عثمان خلیفہ تھے اور بنا بر اجتہاد انھیں تعذیر کا حق حاصل تھا خواہ یہ اجتہاد صحیح ہو یا غلط۔ سیدنا عمر نے ابیّ بن کعب کو درّہ سے مارا جب دیکھا کہ لوگ آپ کے پیچھے پیچھے چل رہے ہیں۔ سیدنا عمر نے فرمایا: ''یہ متبوع کے لیے باعث فتنہ اور تابع کی رسوائی کا موجب ہے۔''

---

[1] صحیح بخاری ، کتاب المغازی، باب حدیث الافك(حدیث:٤١٤١)، وصحیح مسلم، کتاب التوبة، باب فی حدیث الافك(حدیث: ٢٧٧٠)

[2] صحیح بخاری، کتاب المغازی ،باب فضل من شهد بدراً(حدیث:٣٩٨٣، ٤٢٧٣)، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل حاطب بن ابی بلتعة رضی الله عنه(حدیث:٢٤٩٤)

سیدنا عمار جانتے تھے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا دنیا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی ہیں اور آخرت میں بھی۔اس کے باوجود فرمایا:

''سیدہ عائشہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں آزمایا ہے کہ آیا تم سیدنا علی کی اطاعت کرتے ہو یا سیدہ عائشہ کی۔ ❶

سیدنا عمار لوگوں کو سیدہ عائشہ کے خلاف جنگ آزما ہونے پر ابھارتے بھی تھے۔تاہم سیدہ عائشہ کو جنتی قرار دیتے تھے۔

احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''عمار کو ایک باغی جماعت قتل کرے گی۔ ❷ صحیح حدیث صرف اتنی بات ہے باقی اضافہ سب جھوٹ ہے۔

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم اور ان کے بیٹے کو مدینہ سے نکال دیا تھا۔''

ہم کہتے ہیں کہ مروان کے سات یا اس سے کم وبیش بیٹے تھے۔یہ معلوم نہ ہوسکا کہ بلا وجہ ان کو مدینہ سے کیوں نکالا گیا؟ ہمیں یہ بھی معلوم نہیں کہ اس کے والد نے مدینہ ہجرت کی تھی یا نہیں تاکہ وہاں سے نکالنے کی ضرورت پیش آتی۔ اس لیے کہ جو لوگ فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے تھے۔(طلقاء) ان میں سے کسی نے بھی ہجرت نہیں کی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:''**لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ**'' ❸''فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں'' یہی وجہ تھی کہ جب صفوان بن امیہ ہجرت کر کے مدینہ وارد ہوئے تو نبی کریم نے انھیں مکہ لوٹ جانے کا حکم دیا۔ ❹ حکم کو مدینہ سے جلا وطن کرنے کا واقعہ بلا سند ہے۔اگر اس کی اسناد ہوتی تو اس کی صحت معلوم کی جاسکتی تھی۔اگر خارج از بلد کیا بھی تھا تو مکہ

---

❶ صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم، باب فضل عائشة رضی الله عنها۔ (حدیث:۳۷۷۲، ۷۱۰۰)

❷ صحیح بخاری، کتاب الجهاد، باب مسح الغبار عن الرأس فی سبیل الله (حدیث:۲۸۱۲)

❸ صحیح بخاری، کتاب الجهاد، باب فضل الجهاد والسیر، (حدیث:۲۷۸۳)، صحیح مسلم، کتاب الامارة، باب المبایعة بعد فتح مکة، علی الاسلام (حدیث:۱۳۵۳/۸۵)

❹ سنن نسائی، کتاب البیعة۔ باب ذکر الاختلاف فی انقطاع الهجرة (حدیث: ٤١٧٤)، مسند احمد(۴۰۱/۳) طبقات ابن سعد(۴۴۹/۵)، اسد الغابة(۲۶/۳)

سے کیا ہوگا نہ کہ مدینہ سے، اور اگر مدینہ سے نکالا تھا تو وہاں سے مکہ جانے کا حکم دیا ہوگا۔

شیعہ کا یہ دعویٰ کہ حکم اور اس کے بیٹے کو خارج از مدینہ کیا گیا تھا:

بہت سے اہل علم نے حکم کو جلا وطن کرنے کی روایت پر طعن کیا ہے، اور کہا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے گیا تھا۔ خارج از بلد کرنے کی سزا تعذیراً زانی یا مخنث کو دی جاسکتی ہے اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ نبی کریم نے کسی کو جلا وطن کیا تھا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ہمیشہ کے لیے اس شہر میں قدم نہ رکھ سکے۔ یہ سزا شرعاً کسی جرم میں بھی ثابت نہیں کہ دائماً کسی شخص کو خارج از بلد کردیا جائے۔ بخلاف ازیں جلا وطن کرنے کی سزا سنت میں صرف ایک سال کے لیے ہے۔ زنا کا ارتکاب کرنے والا اگر صحابی ومجاہد بھی ہوتو اسے ایک سال کے لیے جلاوطن کیا جائے گا۔ یہ بات قطعی طور پر معلوم ہے کہ سیدنا عثمان نے حکم کو نبی کریم کی نافرمانی اور اسلام کی تذلیل کے لیے مدینہ نہیں بلایا تھا، بلکہ اس لیے کہ سیدنا عثمان کے خیال میں حکم کی حالت سدھر گئی تھی۔ یہ معلوم نہیں کہ آپ کا یہ اجتہاد صحیح تھا یا غلط۔ [1]

---

[1] قاضی ابن العربی العواصم من القواصم، ص: ۷۷ پر لکھتے ہیں:

''ہمارے علماء کا قول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حکم کو مدینہ واپس آنے کی اجازت دے دی تھی۔ سیدنا عثمان نے جب ابوبکر وعمر سے اس کا ذکر کیا تو انھوں نے فرمایا: ''اگر آپ اس بات کا کوئی گواہ پیش کریں تو ہم حکم کو واپس بلالیں گے۔'' سیدنا عثمان منصب خلافت پر فائز ہوئے تو اپنے علم کے مطابق انھوں نے حکم کو واپس بلا لیا۔ سیدنا عثمان سے یہ توقع نہیں کی جاتی کہ جس شخص کو نبی کریم ﷺ نے نکال دیا ہو اس کو واپس بلالیں اگرچہ وہ آپ کا باپ ہی کیوں نہ ہو۔''

مشہور محدث امام ابن حزم نے اپنی کتاب ''الامامت والمفاضلۃ'' میں جو ان کی کتاب الفِصَل کی جلد چہارم میں شامل ہے، صفحہ: ۱۵۴، پر علماء کا یہ قول نقل کیا ہے کہ حکم کو جلا وطن کرنا ایک واجب حد شرعی کی حیثیت نہیں رکھتا اور ہمیشہ کے لیے بھی نہ تھا۔ بخلاف ازیں آپ نے حکم کو کسی جرم کی سزا دی تھی جس کی بنا پر وہ خارج از بلد ہونے کا مستحق قرار پایا۔ دین اسلام میں توبہ کا دروازہ ہر وقت کھلا ہے، بصورت توبہ اس کی یہ سزا باتفاق اہل اسلام ساقط ہوجائے گی اور وہ جہاں چاہے جاسکتا ہے۔''

فرقہ زیدیہ کے عظیم مجتہد سید محمد بن ابراہیم الوزیر یمنی المتوفی ۸۴۰ھ نے اپنی کتاب الروض الباسم (۱/۱۴۱۔۱۴۲) پر مشہور شیعہ معتزلی محسن بن کرامہ کی کتاب ''سرح العیون'' سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سیدنا عثمان کو اجازت دے دی تھی کہ حکم کو مدینہ بلالیں۔ ابن الوزیر کہتے ہیں۔ معتزلہ اور

مروان میں خامیاں ہوسکتی ہیں، مگر اس کے ظاہراً و باطناً مسلمان ہونے میں شبہ نہیں وہ قرآن کریم کی تلاوت کیا کرتا اور اس پر عمل پیرا تھا۔ لہٰذا یہ اعتراض لغو ہے کہ سیدنا عثمان نے اسے کاتب کیوں مقرر کیا۔

جہاں تک ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کا تعلق ہے سیدنا عبداللہ بن صامت سے ثابت ہے کہ سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ کی بیوی ام ذر نے کہا: ''اللہ کی قسم! سیدنا عثمان نے ابو ذر کو ربذہ کی طرف نہیں نکالا بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو ذر کو فرمایا تھا کہ جب مدینہ کی آبادی سلع تک پہنچ جائے تو وہاں سے نکل جانا۔'' [1]

سیدنا حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''پناہ اللہ کی قسم! کہ ابو ذر رضی اللہ عنہ کو سیدنا عثمان نے مدینہ سے نکالا ہو۔''

اس میں شبہ نہیں کہ ابو ذر رضی اللہ عنہ ایک عابد و زاہد شخص تھے، آپ کا زاویہ نگاہ یہ تھا کہ جو مال بھی ضرورت سے زائد ہو اسے خرچ کر دینا چاہیے۔ جو شخص ایسا مال جمع کرے گا بروز قیامت اس مال کو آگ میں گرم کر کے اس شخص کو داغا جائے گا۔

وہ اس آیت سے استدلال کیا کرتے تھے۔

﴿وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَ لَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾ (سورة التوبة: ۹/ ۳٤) [2]

شیعہ زیدیہ کو چاہیے کہ اس حدیث کو قبول کر کے سیدنا عثمان کو مورد طعن بنانا ترک کر دیں، کیوں کہ اس حدیث کا راوی شیعہ کے نزدیک قابل اعتماد ہے اور صحت عقیدہ و علم و فضل کے لحاظ سے بھی ممتاز ہے۔ پھر ابن الوزیر نے اس پر کھل کر کلام کیا ہے اور امیر المومنین عثمان سے دفاع کرنے میں دلائل و براہین کا انبار لگا دیا ہے جو تین صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ اس حدیث کا راوی ایک شیعہ عالم ہے، ابن الوزیر جنھوں نے سیدنا عثمان کی مدافعت میں دلائل دیے ہیں وہ بھی زیدی شیعہ ہے۔ اس کے علاوہ اہل سنت میں سے ابن تیمیہ، ابن حزم، اور ابن العربی کے نظریات آپ ملاحظہ کر چکے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ شیعہ و اہل سنت علماء سب سیدنا عثمان کی بریت پر متفق ہیں۔

[1] مستدرك حاكم ۳۰/ ۳٤٤)

[2] صحيح بخاری، كتاب الزكاة، باب ما ادى زكاته فليس بكنز (حديث: ۱٤۰٦، ۱٤۰۸)، صحيح مسلم، كتاب الزكاة ، باب فی الكنازين للاموال (حديث:۹۹۲)

نیز نبی کریم ﷺ کا یہ قول پیش کرتے تھے۔

''اے ابوذر! میں نہیں چاہتا کہ میرے پاس خود احد پہاڑ کے برابر سونا ہو۔ تیسری رات گزر جائے اور اس میں سے ایک دینار بھی میرے پاس باقی ہو۔''

نیز نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں:

''زیادہ مال دار لوگ بروز قیامت کم درجہ والے ہوں گے سوا ان لوگوں کے جو مال کو ادھر اُدھر بکھیر دیں۔'' ❶

جب سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف نے وفات پائی اور بہت سا مال پیچھے چھوڑا تو سیدنا ابوذر نے اسے کنز (خزانہ) پر محمول کیا جس پر سزا دی جائے گی۔ اس ضمن میں سیدنا عثمان ابوذر سے تبادلۂ افکار کر رہے تھے۔ اتنے میں کعب داخل ہوئے اور انھوں نے عثمان کی تائید کی تو ابوذر نے ان کو پیٹا۔ انہی نظریات کی بنا پر سیدنا ابوذر اور سیدنا معاویہ کے مابین ملک شام میں اختلاف پیدا ہو گیا تھا۔ مگر پوری امت ابوذر کی اس رائے کے خلاف ہے۔ جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ جس مال میں سے زکوٰۃ ادا کی جائے وہ کنز نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ورثاء کے حصص مقرر کیے ہیں۔ ظاہر ہے کہ میراث اسی شخص کی ہوتی ہے جس نے اپنے پیچھے مال چھوڑا ہو۔ صحابہ میں ایسے لوگ کثیر التعداد تھے جن کے پاس بہت سا مال تھا مگر کسی نے ان کو ہدف ملامت نہ بنایا۔ بہت سے انبیاء بھی مال دار ہوئے۔ ابوذر رضی اللہ عنہ نے اس میں اس حد تک مبالغہ آمیزی سے کام لیا کہ لوگوں کو ایک مباح چیز سے بھی روک دیا اور پھر ان سے الگ ہو گئے۔ ابوذر مومن تھے مگر ان میں یہ کمزوری موجود تھی۔ نبی کریم ﷺ نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا تھا۔

اے ابوذر! میں دیکھتا ہوں کہ تم کمزور ہو میں تمہارے لیے وہی چیز پسند کرتا ہوں جو اپنے لیے۔ دیکھیے دو آدمیوں کا بھی امیر نہ بننا۔ اور نہ کسی یتیم کے سرپرست بننا۔'' ❷

نبی کریم کا ارشاد ہے:

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الرقاق۔ باب المکثرون هم المقلون(حدیث:٦٤٤٤)، صحیح مسلم۔ کتاب الزکاة، باب الترغیب فی الصدقة(حدیث:٩٤/٣٢)

❷ صحیح مسلم، کتاب الامارة، باب کراهة الامارة بغیر ضرورة(حدیث: ١٨٢٦)

''طاقت ور مومن اللہ تعالیٰ کو کمزور مومن سے عزیز تر ہے۔یوں دونوں اچھے ہیں۔''[1]

چونکہ اہل شوریٰ صحابہ سیدنا ابو ذر کی نسبت اقوی ہیں، بدیں وجہ وہ ان سے افضل ہیں، شیعہ مصنف کا یہ قول کہ سیدنا عثمان نے شرعی حدود کو پامال کیا اور علی رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ہرمزان کے قصاص میں عبید اللہ بن عمر کو قتل نہ کیا۔''

ہم کہتے ہیں یہ صاف جھوٹ ہے۔ ہرمزان سیدنا علی کا آزاد کردہ غلام نہ تھا، بلکہ مسلمانوں نے اسے قید کیا تھا، سیدنا عمر نے اس پر احسان کر کے اسے آزاد کر دیا تھا یہ اسلام لایا، اس کو غلام بنانے اور آزاد کرنے میں سیدنا علی کی جہد وسعی کو کوئی دخل نہیں ہے ہرمزان اس بات سے متہم تھا کہ اس نے سیدنا عمر کے قاتل کی امداد کی ہے۔

سیدنا عمر نے عبد اللہ بن عباس کو کہا تھا۔'' تم باپ بیٹا دونوں یہ چاہتے تھے کہ مدینہ میں عجمی کافروں کی بھرمار ہو جائے گی۔'' ابن عباس نے دریافت کیا۔ ہم ان کو قتل نہ کر دیں۔'' سیدنا عمر نے فرمایا:'' جب یہ تمہاری بولی بولتے اور تمہارے قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر نماز پڑھتے ہیں تو تم ان کو کیوں کر قتل کر سکتے ہو؟

شیعہ کا یہ اعتراض کہ سیدنا عثمان نے عبید اللہ بن عمر سے قصاص نہ لیا:

غور کیجیے ابن عباس فقہ دانی کے باوجود سیدنا عمر سے عجمی کفار کو قتل کرنے کی اجازت طلب کرتے ہیں، اس لیے کہ وہ فساد بپا کرتے ہیں، پھر عبید اللہ ہرمزان کے قتل کو کیوں کر جائز نہ سمجھتے ہوں گے؟ جب عبید اللہ نے ہرمزان کو قتل کر دیا اور سیدنا عثمان مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو آپ نے عبید اللہ کو ہرمزان کے قصاص میں قتل کرنے کے بارے میں صحابہ سے مشورہ لیا۔ متعدد صحابہ نے اس کو قتل نہ کرنے کا مشورہ دیا اور کہا ابھی کل اس کے والد سیدنا عمر شہید ہوئے اور آج اسے قتل کر دیا جائے تو اس سے بڑا فساد رونما ہو گا۔

گویا ان کے نزدیک ہرمزان کا معصوم الدم ہونا مشتبہ تھا۔ اگر فرض کر لیا جائے کہ ہرمزان معصوم الدم تھا۔ تاہم عبید اللہ نے اس کے قتل کو حلال تصور کیا تھا۔ اس شبہ کی بنا پر اس کو قتل نہیں کیا جا سکتا تھا۔ جس طرح سیدنا اسامہ نے اس شخص کو قتل کر دیا تھا جس نے لا الہ الا اللہ پڑھا تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

[1] صحیح مسلم، کتاب القدر، باب الایمان بالقدر والاذعان له (حدیث: ٢٦٦٤)

اسامہ کو معذور قرار دیے کر اس کے عوض اسے قتل نہیں کیا تھا۔ [1] علاوہ ازیں دونوں مقتولوں کے خون کا مطالبہ کرنے والا بھی کوئی نہ تھا۔ حاکم وقت کو شرعاً اختیار حاصل ہے کہ قاتل کو معاف کر دے یا دیت وصول کرے یا اسے قتل کر دے بنا بریں سیدنا عثمان نے آل عمر کو معاف کر دیا اور ان سے دیت وصول نہ کی۔ جب اس طرح سیدنا عثمان نے عبیداللہ کی جان بچالی تھی تو اب اسے قتل کرنا کسی طرح روانہ تھا۔

یہ عجیب بات ہے کہ ہرمزان کے خون کا دعویٰ کھڑا کیا جاتا ہے حالانکہ وہ سیدنا عمر کے قتل سے متہم تھا۔ اس کے برعکس امام المسلمین سیدنا عثمان کے خون کا کچھ احترام ملحوظ نہیں رکھا جاتا۔ جن کو بے گناہ ہونے کی حالت میں قتل کیا گیا تھا۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے۔

''تین باتیں ہیں جس نے ان سے نجات حاصل کر لی وہ فلاح و بہبود سے ہم کنار ہوا۔ (۱) میری وفات (۲) خلیفہ مظلوم کا ناحق قتل (۳) دجال۔'' [2]

باقی رہا ولید کا معاملہ تو اس کی اصل حقیقت یہ ہے کہ سیدنا علی نے سیدنا عثمان کے حکم سے ولید پر حد لگائی تھی۔ رافضی کا یہ قول کہ'' میری موجودگی میں شرعی حدود کو پامال نہیں کیا جا سکتا۔'' صریح کذب ہے۔ یہ امر باعث حیرت و استعجاب ہے کہ شیعہ خود اس بات کے دعوے دار ہیں کہ سیدنا علی کے زمانہ میں شرعی حدود کو پامال کیا جاتا رہا اور آپ موجود ہوتے ہوئے تقیہ کی بنا پر خاموش رہا کرتے تھے۔ اگر آپ نے سیدنا عثمان کی موجودگی میں یہ بات کہی بھی تھی تو اس لیے کہی ہوگی کہ سیدنا عثمان اور اس کے اعوان و انصار اقامت حدود میں ان کی اعانت کرتے تھے، اگر آپ اس سے تقیہ کرتے ہوتے تو یوں نہ کہتے۔

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''عثمان نے جمعہ میں ایک اذان کا اضافہ کیا جو بدعت ہے۔''

ہم کہتے ہیں کہ حضرت علی نے اپنے عہد خلافت میں اسی پر عمل کیا اور اس اذان کو بند نہ کیا حالانکہ اس کا بند کرنا سیدنا معاویہ کو معزول کرنے اور ان کے خلاف نبرد آزما ہونے سے آسان تر تھا۔

اگر کہا جائے کہ اگر سیدنا علی اس اذان کو بند کر دیتے تو لوگ اس کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الدیات باب (ومن احیاھا) حدیث:٦٨٧٢)،صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب تحریم قتل الکافر بعد قوله لااله الا الله (حدیث: ٩٦)

[2] مسند احمد(٤/١٠٥-١٠٦) ،مستدرك حاكم (١٠١/٣)

تھے۔ہم کہیں گے کہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ لوگ اس اذان کے مستحب ہونے میں سیدنا عثمان کے ہم نوا تھے۔اس کی حد یہ ہے کہ سیدنا عمار بن یاسر، سہل بن حُنَیف اور دیگر سابقین اوّلین صحابہ بھی سیدنا عثمان کے موید تھے اور اگر وہ ان سے اختلاف بھی کرتے تو اجتہادی امور میں اختلاف ایک عام بات ہے اور اگر کہا جائے کہ یہ اذان بدعت ہے تو ہم کہیں گے کہ اہل قبلہ سے لڑنا بھی بدعت ہے۔مزید براں شیعہ نے اذان میں ''حَیَّ عَلٰی خَیرِ الْعَمَلِ''کا اضافہ کیا ہے جو نبی کریم سے ثابت نہیں، تو کیا یہ بدعت نہیں؟ اگر نقلاً یہ ثابت ہو بھی جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ابن عمر بعض اوقات یہ الفاظ کہا کرتے تھے جس طرح بعض صحابہ اذان و اقامت کے درمیان کہا کرتے تھے ''حَیَّی عَلٰی خَیرِ الْعَمَلِ، اَلصَّلٰوۃُ ، حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ''اس کو نداء الامرا کہتے تھے اکثر علماء کے نزدیک یہ مکروہ ہے۔

شیعہ کا یہ الزام کہ سب مسلمان سیدنا عثمان کے خلاف تھے:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''سب مسلمان سیدنا عثمان کے خلاف تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کو قتل کر دیا گیا۔''

اگر اس سے مراد یہ ہے کہ مسلمان سیدنا عثمان کے اس حد تک مخالف تھے کہ وہ آپ کو مباح الدم خیال کرتے تھے تو یہ کذب و بہتان ہے'' اس لیے کہ آپ کو چند ظالم باغیوں نے قتل کیا تھا۔ سابقین اوّلین صحابہ اس پر رضا مند نہ تھے۔

سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

''خدا قاتلین عثمان پر لعنت کرے، وہ چوروں کی طرح بستی کی پچھلی جانب سے داخل ہوئے۔اللہ ان کو غارت کرے۔ان میں سے وہی لوگ بھاگنے میں کامیاب ہوئے جو راتوں رات بھاگ گئے تھے اور مسلمانوں کو خبر بھی نہ تھی۔مدینہ میں جو لوگ موجود تھے انھیں معلوم نہ تھا کہ یہ سیدنا عثمان کو قتل کرنا چاہتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ آپ کو شہید کرنے میں کامیاب ہو گئے۔''

علاوہ ازیں سب لوگ آپ کے خلاف نہ تھے، بلکہ اکثر ہم خیال تھے۔آپ پر جو جو اعتراضات کیے گئے تھے۔ان میں اکثر مسلمان آپ کو حق بجانب قرار دیتے تھے۔اس کی حد یہ ہے کہ جو شیعہ علماء مداہنت فی الدین کے عادی نہیں ہیں وہ بھی سیدنا عثمان کی تائید کرتے ہیں۔جن لوگوں نے ان اعتراضات کے بارے میں سیدنا عثمان کا ساتھ دیا ہے وہ ان مسلمانوں کی نسبت اکثر و

افضل ہیں جنھوں نے سیدنا علی پر وارد کردہ مطاعن سے متعلق جملہ امور یا اکثر امور میں سیدنا علی کی پشت پناہی کی تھی۔

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''لوگوں نے سیدنا عثمان سے کہا آپ نے بدر میں شرکت نہ کی۔ آپ احد میں بھاگ گئے اور بیعت رضوان میں شریک نہیں ہوئے تھے۔''

ہم کہتے ہیں یہ جاہل شیعہ کا قول ہے، سیدنا عثمان و ابن عمر نے ان معترضین کو جواب دیا تھا کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی بیٹی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی تیمارداری کے لیے سیدنا عثمان کو مدینہ میں رہنے دیا تھا۔ صلح حدیبیہ میں آپ نے سیدنا عثمان کو سفیر بنا کر مکہ بھیجا تھا۔ جب آپ کو خبر پہنچی کہ سیدنا عثمان کو قتل کر دیا گیا ہے تو آپ نے صحابہ سے موت کی بیعت لی صحابہ میں سے جو لوگ جنگ احد سے واپس آ گئے تھے اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

﴿ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ وَ لَقَدْ عَفٰى عَنْكُمْ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ﴾(آل عمران:۳/۱۵۵)

''پھر تم کو ان سے پھیر دیا تاکہ تمھیں آزمائے اور تمھیں معاف کر دیا اور اللہ تعالیٰ مومنوں پر فضل کرنے والا ہے۔''

نیز فرمایا:

﴿وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ اِنَّهٗ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ﴾(آل عمران:۳/۱۵۵)

''اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کر دیا وہ بخشنے والا بردبار ہے۔''[1]

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''انھوں نے جیش اسامہ کو تیار کیا، جو اس سے پیچھے رہا۔ اللہ تعالیٰ اس پر لعنت بھیجے۔''

یہ صریح کذب ہے۔ مقام افسوس ہے کہ شیعہ جھوٹ کو قبول کرنے میں بہت جلد بازی سے کام لیتے ہیں اور سچائی کو ٹھکرا دیتے ہیں۔ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ نے لشکر کے ساتھ جانے سے توقف کیا اور کہا تھا۔

---

[1] صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم، باب مناقب عثمان بن عفان رضی الله عنه(حدیث:۳۶۹۹)، عن ابن عمر رضی الله عنهما دون ذکر الآیات

''میں لشکر لے کر کیسے جاؤں، حالانکہ میں سواروں سے آپ کے بارے میں پوچھتا پھرتا ہوں۔'' چنانچہ آپ نے ان کو پیچھے رہنے کی اجازت دے دی۔ پھر آپ کی وفات کے بعد سب صحابہ سیدنا اسامہ کے ساتھ باہر نکلے۔ [1] اگر آپ اسامہ کو جانے کا حکم دیتے تو وہ لشکر کے ساتھ روانہ ہو جاتے۔

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''اسلام میں اوّلین اختلاف مسئلہ امامت میں رونما ہوا۔''

ہم کہتے ہیں کہ اللہ کا شکر ہے کہ صحابہ میں اختلاف پیدا نہیں ہوا تھا اور انھوں نے بالاتفاق سیدنا ابوبکر و عمر و عثمان کو خلیفہ تسلیم کر لیا تھا۔ ایسا اتفاق سیدنا علی کے عہد خلافت میں نہیں دیکھا گیا۔ اس لیے کہ اہل شام نے آپ کی بیعت نہیں کی تھی۔ اس کے باوجود جب بعض شیعان علی نے آپ کی موجودگی میں اہل شام کو برا بھلا کہا تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ اس سے منع کیا اور فرمایا:

''اہل شام کو گالیاں نہ دو ان میں ابدال بھی ہیں۔''

ایک مرتبہ سیدنا علی نے فرمایا:

''اہل شام ہمارے بھائی ہیں مگر انھوں نے ہمارے خلاف بغاوت کر دی ہے۔''

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ﴾

''سب مومن بھائی بھائی ہیں۔ بھائیوں میں صلح رکھو۔''

خلاصہ کلام! سیدنا علی کی خلافت حق ہے اور آپ بلاشبہ ایک امام راشد تھے۔ یہ دوسری بات ہے کہ صحابہ کی ایک بڑی جماعت آپ کی بیعت میں شریک نہیں ہوئی، اس لیے کہ بیعت خلافت میں جمہور اہل حلّ و عقد کا لحاظ ہوتا ہے اور وہ سب بیعت میں شریک ہو گئے تھے۔

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''پانچواں اختلاف فدک اور توارث کے مسئلہ میں ہے اہل سنت یہ روایت بیان کرتے ہیں: ''لَا نُوْرِثُ مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ''

ہم کہتے ہیں یہ ایک شرعی مسئلہ میں اختلاف تھا جواب زائل ہو چکا ہے، اس میں جو اختلاف تھا

[1] سیرۃ ابن هشام (ص: ٦٦٥)، طبقات ابن سعد (٢/١٣٦-١٣٧)

وہ اس اختلاف سے کم ہے جو اس مسئلہ میں پایا جاتا ہے کہ میت کے بھائیوں کو دادا اور چچا کی موجودگی میں کیا حصہ ملے گا؟ علاوہ ازیں مسئلہ اقاربہ اور اس مسئلہ میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے کہ دادی کو اس کے بیٹے کی موجودگی میں کیا حصہ ملے گا؟ اسی طرح وہ مسئلہ بھی اختلافی ہے کہ ماں کی موجودگی میں دو بھائیوں کو حصہ نہیں ملے گا۔ نیز یہ کہ اگر میت کا دادا اور ماں دونوں زندہ ہوں تو دادا اس وقت باپ کا حکم رکھتا ہے اور اس قسم کے دیگر مسائل۔ ظاہر ہے کہ ان مسائل میں مسئلہ فدک کی نسبت عظیم تر اختلاف پایا جاتا ہے۔ ان مسائل میں اہمیت اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ ان مسائل میں شیعہ نے ہم سے اختلاف کیا اور ہمارے ساتھ متحد الخیال نہیں ہوئے۔ بلکہ اہل سنت و شیعہ دونوں اپنے اپنے دلائل پیش کرتے ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ اختلاف مکرر نہیں، بلکہ ایک ہی معاملہ پر مبنی ہے اور وہ بھی معمولی سے مال میں علاوہ ازیں سیدنا ابوبکر و عمر نے فدک کی جاگیر سے کئی گنا زائد مال اہل بیت کو عطا کیا تھا۔ اصل قصہ یہ ہے کہ جہلاء اور شرارت پسند لوگ بات کا بتنگڑ بنا کر فدک کے واقعہ کو پیش کرتے ہیں، اس ضمن میں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ سیدنا علی کے عہد خلافت میں یہ جملہ اموال سیدنا علی کے زیر تصرف تھے، مگر آپ نے اولاد فاطمہ کو واپس نہیں کیے تھے اور نہ نبی کریم کا ترکہ ورثاء میں تقسیم کیا۔ بقول شیعہ اگر سیدنا ابوبکر و عمر نے ظلم کیا تھا تو سیدنا علی نے اپنے عہد خلافت میں اس کا ازالہ کیوں نہ کیا؟

منکرین زکوٰۃ سے جنگ کے بارے میں شیعہ کا اعتراض:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''چھٹا اختلاف منکرین زکوٰۃ کے بارے میں ہے۔ سیدنا ابوبکر نے ان سے جنگ کی تھی۔ سیدنا عمر نے اپنے عہد خلافت میں اجتہاد سے کام لے کر لونڈی، غلام اور مال ان کو واپس کیا اور قیدیوں کو رہا کر دیا۔''

ہم کہتے ہیں یہ کھلا ہوا جھوٹ ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ ابوبکر و عمر دونوں منکرین زکوٰۃ کے خلاف جنگ آزما ہونے میں متفق تھے۔ دونوں نے نبی کریم ﷺ کی مذکورہ ذیل حدیث سے احتجاج کیا تھا۔ آپ فرماتے ہیں:

''مجھے لوگوں سے لڑنے کا حکم دیا گیا ہے یہاں تک کہ وہ اس بات کی شہادت دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ جب یہ بات کہہ دی تو ان کا خون

و مال محفوظ ہو گیا۔ یہ دوسری بات ہے کہ اسلام کے کسی حق کی وجہ سے ان کا خون و مال مباح ٹھہرے اوران کا حساب اللہ پر ہوگا۔‘‘

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے۔زکوٰۃ بھی حقوق اسلامی میں سے ایک ہے۔ [1]

چنانچہ سیدنا ابوبکر نے باتفاق صحابہ منکرین زکوٰۃ سے جنگ کی تھی۔ان لوگوں نے زکوٰۃ کا اقرار کرلیا تھا۔آپ نے کسی کو قیدی بنایا نہ کسی کو محبوس رکھا۔ بلکہ خلافت صدیقی میں سرے سے کوئی قید خانہ ہی نہ تھا لہٰذا یہ جھوٹ ہے کہ بہت سے لوگ قید خانہ میں مر گئے۔

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

’’لوگ ابوبکر پر اعتراض کرتے تھے کہ تو نے ایک سنگ دل آدمی (سیدنا عمر) کو ہمارا حاکم بنادیا۔‘‘

اس کا جواب یہ ہے کہ ایسی باتوں کو اختلاف پر محمول کرنا متکلم کے جاہل اور مبتدع ہونے کی دلیل ہے۔صرف طعن کرنے سے کیا ہوتا ہے۔بعض صحابہ سیدنا اسامہ اوران کے والد کو امیر بنانے پر معترض ہوئے تھے،مگراس کا نتیجہ کچھ بھی نہ نکلا۔ یہ بھی معلوم ہے کہ اعتراض سیدنا طلحہ نے کیا تھا، بعد ازں وہ سب لوگوں سے زیادہ سیدنا عمر کی تعظیم بجالایا کرتے تھے۔

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

’’آٹھواں اختلاف شوریٰ کا معاملہ ہے۔اختلاف کے بعد صحابہ سیدنا عثمان کی خلافت پر جمع ہو گئے تھے۔‘‘

ہم کہتے ہیں یہ جھوٹ ہے، جو شیعہ کی فطرت میں داخل ہو چکا ہے۔ بیعت عثمان میں کسی نے بھی اختلاف نہیں کیا تھا۔سیدنا عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ تین روز تک لوگوں سے مشورہ کرتے رہے تھے۔مشورہ کے بعد آپ نے بتایا کہ لوگوں کی نگاہ میں سیدنا عثمان کا کوئی ہم سر نہیں ہے اگر کوئی شخص آپ کی بیعت میں اختلاف کرتا تو اس کا قول ہم تک پہنچ کر رہتا جیسے انصار کا یہ قول ہم تک پہنچ گیا کہ ایک امیر ہم میں سے ہوگا اور ایک تم میں سے۔‘‘

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الزکاۃ۔ باب وجوب الزکاۃ، (حدیث: ۱۳۹۹، ۱٤۰۰)، صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الامر بقتال الناس حتی یقولوا لا الہ الا اللہ (حدیث: ۲۰)، سنن نسائی(۳۹۷٦)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''کسی خلیفہ کی بیعت پر اس قدر اتفاق نہیں ہوا جیسا سیدنا عثمان کی بیعت پر ہوا تھا۔''

صحابہ میں اختلافات:

شیعہ مصنف کا یہ قول کہ ''صحابہ میں لاتعداد اختلافات پیدا ہو گئے تھے۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ سیدنا عثمان نے حکم کو واپس مدینہ بلا لیا۔''

ہم کہتے ہیں کہ اگر ایسی معمولی باتوں کا نام اختلاف ہے تو خلیفہ جو حکم بھی صادر کرے گا اور دوسرا کوئی اس کی خلاف ورزی کرے تو اس کا نام اختلاف رکھا جائے گا اس طرح اختلاف ایک غیر محدود چیز ٹھہرے گا۔ جس کا کوئی ٹھکانا ہی نہیں۔

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''سیدنا عثمان نے اپنی بیٹی مروان کے نکاح میں دے دی تھی، آپ نے مروان کو افریقہ کے مال غنیمت کا خُمس (۱/۵) دیا جس کی مالیت دو لاکھ دینار تھی۔''

ہم کہتے ہیں کہ اس واقعہ کا اختلاف سے کیا تعلق؟ نیز اس کی دلیل کیا ہے کہ سیدنا عثمان نے اس قدر مال دیا تھا، ہم اس سے انکار نہیں کرتے کہ سیدنا عثمان اپنے اقارب سے الفت و محبت رکھتے اور ان کو عطیہ جات دیا کرتے تھے۔ اس میں شبہ نہیں کہ سیدنا علی نے بھی اپنے اقارب و شیعہ کو مناصب جلیلہ عطا کیے اور انھیں بڑے بڑے تحائف دیے تھے۔ مزید براں بنا بر اجتہاد مسلمانوں کے خلاف نبرد آزما ہوئے اور بڑے بڑے معاملات پیش آئے۔ تاہم ہمارا عقیدہ ہے کہ عثمان و علی دونوں جنتی اور غیر معصوم تھے اور ان کے افعال سب اجتہاد پر مبنی ہیں۔

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن ابی سرح کو مباح الدم قرار دیا تھا مگر سیدنا عثمان نے اس کو پناہ دی تھی۔''

اصل واقعہ یہ ہے کہ ابن ابی سرح ہجرت و اسلام سے مشرف ہو کر مدینہ میں کتابت وحی پر مامور تھا۔ پھر مرتد ہو کر مشرکین سے جا ملا اور آپ کے خلاف افتراء پردازی کرنے لگا۔ نبی کریم نے اسے مباح الدم قرار دیا۔ جب مکہ فتح ہوا تو سیدنا عثمان نے اسے بارگاہ نبوی میں پیش کیا تو آپ نے منہ پھیر لیا۔ سیدنا عثمان نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! عبداللہ کو بیعت فرمائیے۔ مگر آپ نے جواب نہ دیا اور دو

دفعہ یا تین دفعہ اعراض فرمایا، پھر بیعت کرلیا اور فرمایا: ''تم میں کوئی دانش مند آدمی نہیں جو مجھے دیکھتا اور جب میں نے اعراض کیا تھا اس وقت اس کا کام تمام کردیتا۔'' ایک انصاری نے عرض کیا: ''آپ نے مجھے اشارہ کردیا ہوتا۔'' آپ نے فرمایا: ''نبی کے لیے موزوں نہیں کہ اس کی آنکھ خیانت کار ہو۔'' ❶

اس کے بعد عبداللہ بن ابی سرح خلوص دل سے اسلام لایا اور اس سے کوئی برا کام منقول نہیں۔ یہ بڑا مجاہد اور جانباز سپاہی تھا۔ مکہ کے بعض لوگ اس سے بھی بڑے دشمن تھے۔ مثلاً صفوان اور ابوسفیان وغیرہ۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ﴾ (الممتحنة: ۶۰/۷)

''عین ممکن ہے کہ جن کے ساتھ تمہاری عداوت ہے، اللہ تعالیٰ ان کے اور تمہارے درمیان دوستی پیدا کردے وہ اس بات پر بخوبی قدرت رکھتا ہے۔''

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اختلاف کا ظہور و شیوع:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''نواں اختلاف وہ ہے جو سیدنا علی کی بیعت کرنے کے بعد پیدا ہوا۔ پہلے طلحہ و زبیر نے خروج کیا۔ پھر سیدنا علی و معاویہ کے مابین اختلاف رونما ہوا۔ جس کا نتیجہ جنگ صفین کی صورت میں برآمد ہوا۔ پھر ابوموسیٰ کے خلاف عمرو بن عاص کی وعدہ خلافی قابل ذکر ہے۔ پھر خوارج کا ظہور ہوا۔ سیدنا علی خلیفہ برحق تھے مگر خوارج نے آپ کے خلاف خروج کیا۔ مثلاً اشعث بن قیس و مسعر بن فدَکی و زید بن حصن وغیرہ۔ سیدنا علی کے عہد خلافت میں عبداللہ بن سبا ❷ جیسے غالی پیدا ہوئے اور ان دونوں فرقوں سے

---

❶ سنن نسائی، کتاب تحریم الدم۔ باب الحکم فی المرتد، (حدیث: ۴۰۷۲)، سنن ابی داؤد، کتاب الجهاد۔ باب قتل الاسیر (حدیث: ۲۶۸۲)

❷ اس شخص نے یہ عقیدہ اختراع کیا تھا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی ہیں، جس طرح یوشع علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کے وصی تھے اس کے بعد دوسرا مخترع شیطان الطاق محمد بن جعفر رافضی تھا جس نے یہ عقیدہ گھڑ لیا تھا کہ امامت کے منصب پر چند مخصوص اشخاص فائز ہوں گے۔

بدعت وضلالت نے پَر پُرزے نکالے۔‘‘

ہم کہتے ہیں کہ سیدنا علی سے پہلے تینوں خلفاء بھی حق وصداقت کے حامل تھے۔صرف سیدنا علی کوخلیفۂ برحق قرار دینا دعویٰ بلا دلیل ہے۔شیعہ مصنف کا یہ دعویٰ غلط ہے کہ سیدنا علی کے عہد خلافت میں اتفاق کے بعد اختلاف پیدا ہو گیا تھا۔اس لیے کہ اہل شام نے بالاتفاق سیدنا علی کی بیعت نہیں کی تھی۔اسی طرح مدینہ کی ایک جماعت اور بہت سے مصری اور اہل مغرب نے بھی اس میں شرکت نہیں کی تھی۔سیدنا طلحہ و زبیر کی معذرت کا ذکر کیے بغیر ان پر زبان طعن دراز کرنا بہت بڑی زیادتی ہے۔ اہل علم اس حقیقت سے آگاہ ہیں کہ طلحہ و زبیر و سیدنا علی رضی اللہ عنہم میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کے خلاف لڑنا نہیں چاہتا تھا بلکہ یہ لڑائی اچانک بپا ہو گئی تھی۔اس پر طرہ یہ کہ فریقین صلح پر آمادہ ہو گئے تھے اور بالاتفاق یہ طے پایا کہ قاتلین عثمان سے انتقام لیا جائے۔دوسری جانب قاتلین عثمان فتنہ پردازی پر اتر آئے اور انھوں نے سیدہ عائشہ کی جماعت پر دھاوا بول دیا۔سیدہ عائشہ کے رفقاء نے مدافعت کی سعی کی۔قاتلوں نے سیدنا علی کو بتایا کہ سیدہ عائشہ کی فوج نے حملہ کر دیا۔سیدنا علی نے مدافعت کی کوشش کی۔اس اعتبار سے فریقین دفاع کر رہے تھے۔ابتداءً حملہ کرنے والا کوئی بھی نہ تھا۔

مگر روافض بھی عجیب لوگ ہیں سچی بات کہتے ہیں نہ سچی بات مانتے ہیں۔ہر چیخ و پکار پر سر دھننے لگتے ہیں۔صحابہ کبار کے جانی دشمن اور اعداء اسلام تاتاریوں کے گہرے دوست ہیں،اہل سنت عوام کو ایذاء پہنچانے کے لیے تاتاری کفار کی طرف طلب امداد کا ہاتھ بڑھاتے ہیں۔عراق و دیگر بلاد و امصار کو برباد کرنے کا فن کوئی ان سے سیکھے جیسے خلافت عباسیہ کے وزیر ابن العلقمی نے کیا تھا۔اس نے ہلاکو خاں سے مراسلت کر کے اسے عراق آنے کی دعوت دی۔چنانچہ وہ بڑے پختہ ارادے کے ساتھ عراق آیا اور ہر طرف تباہی پھیلا دی۔بغداد میں خون کی ندیاں بہا دیں۔علوی و عباسی خواتین کو قیدی بنا لیا۔مسلمانوں کی اولاد کفر و شرک کی گود میں پرورش پانے لگی۔بہر کیف شیعہ کا وجود اسلام اور اہل اسلام کے لیے نار آستین سے کم نہیں۔وہ ملاحدہ اور غالی روافض کی تعظیم بجا لاتے ہیں اور اصحاب رسول سے بغض و کینہ رکھتے ہیں۔

گویا روافض صحیح معنی میں اس آیت کے مصداق ہیں:

﴿اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْکِتٰبِ یُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ

وَالطَّاغُوْتِ وَ یَقُوْلُوْنَ لِلَّذِیْنَ کَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰی مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سَبِیْلًا﴾(سورۂ نساء: ٤/٥١)

''کیا آپ نے ان لوگوں کونہیں دیکھا جن کو کتاب کا ایک حصہ دیا گیا ہے وہ جبت و طاغوت پر ایمان رکھتے اور کافروں کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ اہل ایمان کی نسبت زیادہ صحیح راستہ پر ہیں۔''

شیعہ کا طرز فکر وعمل:

اس بات کا کیا علاج کہ شیعہ جھوٹی روایات سے ہمارے خلاف احتجاج کرتے ہیں اور منقولات میں سے صرف انہی دلائل کو قبول کرتے ہیں جو ان کی خواہشات کے موافق ہوں، وہ معرفت اسناد سے بے گانہ اور فن حدیث سے نابلد محض ہیں، جب ان میں سے کوئی شخص جھوٹی یا سچی کوئی دلیل پیش کرتا ہے تو وہ اس سے کتاب وسنت کی دلیل کا مطالبہ نہیں کرتے اور نہ یہ دیکھتے ہیں کہ کون سی دلیل اس کی معارض ہے۔ جب ان کی تردید میں مخالف احادیث صحیحہ پیش کرتا ہے تو ضد وعناد سے ان کی تکذیب کرتے ہیں۔ آیات قرآنیہ کی تحریف کرتے ہیں۔ اگر مخالف بالا دست ہو اور شیعہ اس سے خائف ہوں تو فوراً اس کے پیش کردہ دلائل کی تائید کرتے اور کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں اس وقت وہ امامیہ سے اظہار براءت کرنے لگتے ہیں، ظاہر ہے کہ ایسے منافقین سے مناظرہ کا حق کون ادا کرسکتا ہے؟

شیعہ نے تین اصول مقرر کر رکھے ہیں:

۱۔ ائمہ معصوم ہیں۔

۲۔ جو بات ائمہ سے نقل کی جائے وہ اسی طرح ہے جیسے نبی کریم ﷺ سے منقول ہو۔

۳۔ اہل بیت کا اجماع حجت ہے۔

شیعہ کے ائمہ اہل بیت میں شامل ہیں، اس لیے گویا ان کے ہاں کوئی شرعی دلیل ہے نہ تعلیل۔ یہی وجہ ہے کہ شیعہ فقہ وتحقیق اور علم وتوفیق سے محروم ہیں۔ شیعہ جن مسائل میں باقی امت سے منفرد ہیں ان میں شیعہ کا اعتماد انہیں اصول سہ گانہ پر ہے جو کتاب وسنت، عقل وفکر اور اجماع امت کے خلاف ہیں۔

امامت علی رضی اللہ عنہ کے دلائل:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''تیسری فصل میں سیدنا علی کی امامت کے دلائل بیان کیے جائیں گے ہم کہتے ہیں کہ امام کا معصوم ہونا ضروری ہے۔ اگر امام کے لیے عصمت کی شرط تسلیم کر لی جائے تو اس سے سیدنا علی کا امام ہونا خود بخود لازم آتا ہے۔ امام کا وجود اس لیے ضروری ہے کہ انسان تنہا زندگی بسر نہیں کرسکتا۔ بلکہ اپنی بقاء میں اکل وشرب، لباس اور جائے سکونت کا محتاج ہے۔ بنا بریں قیام نوع کے لیے وہ اعوان و انصار کا محتاج ہے، جب بہت سے انسان ایک جگہ اکٹھے ہوں گے تو ان میں دنگہ وفساد کا خطرہ لاحق ہوگا، اس لیے کہ بسا اوقات انسان کو ایسی چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے جس پر دوسرا شخص قابض ہوتا ہے۔ چنانچہ قوت شہوانیہ اسے وہ چیز جبراً حاصل کرنے پر مجبور کرتی ہے جس کا نتیجہ فتنہ و فساد کی صورت میں نمودار ہوتا ہے۔

بنا بریں ایک امام معصوم کی ضرورت لاحق ہوتی ہے جو ان کو فساد سے روکے اور حق دار کو اس کا حق پہنچائے یہ امام سہو وخطا سے پاک ہو ورنہ ایک اور امام کی ضرورت پڑے گی۔ اس لیے کہ امام کو اس ضرورت کے پیش نظر نصب کیا گیا تھا کہ امت سے خطا کا صدور ممکن ہے، اگر امام سے بھی خطا سرزد ہوسکتی ہو تو کسی اور امام کی ضرورت پڑے گی، اگر وہ خطا سے معصوم ہوا تو پھر اس کی امامت درست ہے ورنہ ایک اور امام نصب کرنا پڑے گا، اور اس طرح تسلسل لازم لائے گا، چونکہ ابوبکر وعمر بالاتفاق معصوم نہ تھے جب کہ علی معصوم تھے لہٰذا وہی امام ہوں گے۔''

ہم جواباً کہتے ہیں کہ معصوم صرف رسول کی ذات ہوتی ہے اور اطاعت بھی اسی کی واجب ہے۔ رسول کے اوامر و احکام کا علم حاصل کرنا امام منتظر کے احکام معلوم کرنے سے آسان تر ہے۔ لہٰذا رسول ہی امام معصوم ہوتا ہے جس کے اوامر امت کے لیے واجب التعمیل ہوا کرتے ہیں۔ لہٰذا اس کے ہوتے ہوئے دوسرے کسی امام کی حاجت نہیں۔ اولی الامر رسول کے احکام کو دنیا میں نافذ کرتے ہیں۔ یہ بات قطعی طور سے معلوم ہے کہ نبی کریم کے مقرر کردہ حکام یمن اور دیگر بلاد اسلامیہ میں اپنے اجتہاد کی روشنی میں رعیت کے امور کا فیصلہ کیا کرتے تھے، حالانکہ وہ معصوم نہ تھے، مگر شیعہ صرف سیدنا

علی ہی کو امام تصور کرتے ہیں، حالانکہ سیدنا علی کے نائبین ملک کے دور افتادہ گوشوں تک پھیلے ہوئے تھے۔ اور ان میں ایسے بھی تھے جن کو شرعی اوامر و نواہی کا کچھ پتہ نہ تھا۔ بلکہ وہ ایسے امور میں بھی تصرف کرتے تھے جن سے سیدنا علی بھی واقف نہ تھے۔

مزید براں جو صفات شیعہ نے امام میں ضروری قرار دی ہیں، ایسا امام ہمارے زمانے میں کہیں موجود نہیں۔

شیعہ کے نزدیک وہ مفقود اور بے حقیقت ہے۔ بھلا ایسے امام سے امامت کے مقاصد کس حد تک پورے ہو سکتے ہیں؟ ایسے فرضی امام سے تو ایک جاہل و ظالم بھی بہتر ہے۔ امام کی ضرورت اس لیے پیش آتی ہے کہ اس سے علم حاصل کیا جائے اور اس کے اعمال کی پیروی کی جائے۔

شیعہ کا یہ قول ''کہ امام معصوم کا تقرر ضروری ہے۔'' ہم پوچھتے ہیں کہ اس کا کیا مطلب ہے؟ آیا تمہاری مراد یہ ہے کہ ایسے امام کو پیدا کرنا اور نصب کرنا اللہ کے لیے ضروری ہے، جو معصوم ہو، یا یہ مطلب ہے کہ لوگوں کے لیے ایسے امام کی بیعت کرنا ناگزیر ہے۔ شیعہ سیدنا علی کو معصوم قرار دیتے ہیں مگر وہ خلفاء ثلاثہ کے زمانہ میں مسند خلافت پر متمکن نہ ہو سکے، بلکہ وہ اپنے عہد خلافت میں بھی محروم اقتدار رہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ شیعہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ نے تین ظالموں کو یکے بعد دیگرے خلافت پر فائز کیا اور انھوں نے امت کے لیے بڑے مفید کام کیے، مگر سیدنا علی کو یہ توفیق نہ بخشی اور اللہ تعالیٰ نے ایسی ضرورت کے زمانہ میں اس معصوم کو پیدا نہ کیا۔

اگر شیعہ کہیں کہ امت کے لیے ایسے امام کا تقرر اور اس کی اعانت ضروری ہے تو ہم کہیں گے کہ جب وہ ائمہ کی اطاعت کے پہلو بہ پہلو ان کی نافرمانی بھی کرتے ہیں تو امام کا فائدہ کیا ہوا؟ نیز یہ کہ جب ان کے وجود سے جملہ مقاصد حاصل نہیں ہوئے بلکہ بہت سے شرائط مفقود ہوتے ہیں تو عصمت کی شرط کس لیے باقی رکھی جائے؟ علاوہ ازیں جب عدم عصمت یا معصوم کے عاجز ہونے کی وجہ سے مقصود حاصل نہ ہو تو عصمت کا وجود و عدم یکساں ہے۔ پھر عقلی دلیل کی مدد سے یہ کیوں کر ثابت ہوا کہ امام معصوم کا پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے ضروری ہے؟ اور اگر اللہ تعالیٰ نے ایسا امام پیدا کیا ہے تو اس کی مصلحت اور لطف و کرم کہاں گیا؟ جمہور اس کا انکار کرتے اور شیعہ کو بہ نظر استحسان نہیں دیکھتے۔ بنابریں معتزلہ کی اس فریب دہی کو ترک کر دینا چاہیے جس کی بنا پر وہ ایسے امور کو اللہ تعالیٰ کے لیے واجب قرار دیتے ہیں۔ ان کا یہ نقطہ نگاہ اس لیے غلط ہے کہ وہ مصلحت عامہ کلیہ اور مصلحت جزئیہ کے

مابین فرق و امتیاز قائم نہیں کر سکتے۔

روافض و نصاریٰ کی مشابہت:

روافض کا یہ قول نصاریٰ کے اس قول کی مانند ہے کہ اللہ تعالیٰ مجسم ہو کر اتر آیا یا اس نے اپنے بیٹے کو زمین پر بھیجا تا کہ اسے سولی دیا جائے اور یہ سولی دیا جانا سب بنی آدم کی مغفرت کا باعث ہو اور شیطان کو بھی اس سے دور کیا جائے۔ نصاریٰ کو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ جب مسیح کا قتل وصلیب اور تکذیب عظیم شرارت وضلالت ہے تو گویا اس نے خود بہت بڑے گناہ کا ارتکاب کر کے چھوٹے گناہ کو معاف کرنا چاہا۔ اس کے باوجود اس نے شر کو کم کرنے کے بجائے اس میں اور اضافہ کیا۔

معصومیت ائمہ کا مسئلہ:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''جب انسان مدنی الطبع ہے تو اہل مدینہ سے شر کو دور کرنے کے لیے امام معصوم کا تقرر ضروری ہے۔''

ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ جب سے اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو پیدا کیا ہے، کیا ہر شہر میں ایک ایسا امام معصوم موجود رہا ہے جو ان سے ظلم کا ازالہ کرتا رہا ہو یا نہیں؟ اگر شیعہ اس کا جواب اثبات میں دیں تو یہ ظاہر مجادلہ ہے، اس سے لازم آئے گا کہ کفار و مشرکین کے شہروں میں بھی امام معصوم ہو گا۔

پھر یہ سوال بھی پیدا ہو گا کہ آیا شام میں سیدنا معاویہ کے ہاں بھی کوئی معصوم امام موجود تھا؟ اگر شیعہ کہیں کہ امام معصوم کے نائبین ہر جگہ موجود ہوتے ہیں تو یہ خلاف ظاہر ہے اور اگر کہیں کہ ان کے نائب بعض شہروں میں ہوتے ہیں اور بعض میں نہیں تو یہ اللہ پر واجب کیسے ہوا؟ ہم شیعہ سے پوچھتے ہیں کہ امام معصوم کے نائب بھی معصوم ہوتے ہیں یا نہیں؟ اگر وہ غیر معصوم ہیں تو لوگوں کو امام معصوم سے کیا فائدہ پہنچا؟ خصوصاً جب کہ وہ غیر معصوم کی اقتدار میں نماز پڑھتے اور اس کی اطاعت کرتے ہیں۔ اگر شیعہ کہیں کہ ان امور کا ذمہ دار امام معصوم ہے تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ اگر وہ سیدنا ابوبکر و عمر کی طرح با اقتداء ہو تب بھی اس کا عدل سب لوگوں تک نہیں پہنچ سکے گا۔ ہر شہر کے لیے ایک طاقت ور عادل کا دست یاب ہونا یوں بھی مشکل ہے۔ جب امام معصوم کو ایسا شخص نہیں مل سکے گا

تو اس سے یہ فریضہ ساقط ہو جائے گا۔ اب سوال یہ ہے کہ امام معصوم کا تقرر پھر اللہ پر واجب کیسے ٹھہرا؟ یہ کیوں کر ممکن ہے جب کہ امام معصوم شیعہ کے نزدیک عاجز ہے اور ہمارے نزدیک معدوم ہے۔

ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ امام معصوم اسی صورت میں ظلم کا ازالہ کر سکتا اور اپنی رعیت سے عدل و انصاف کا سلوک کر سکتا ہے جب وہ ظلم کے روکنے اور اپنا حق وصول کرنے پر قدرت رکھتا ہو، جب وہ خود ہی عاجز ہوگا تو رعیت سے ظلم کو کیوں کر دور کر سکے گا؟ شیعہ خود اعتراف کرتے ہیں کہ ان کا امام خائف ہے اور خوف قتل کی بنا پر چار سو ساٹھ سال سے باہر نہیں نکل رہا۔ اللہ تعالیٰ سے ظلم کا صدور ہوتا ہے نہ وہ امر واجب میں خلل ڈالتا ہے اس نے امر واجب کو پورا کر دیا ہے، مگر اس کے باوجود جن مصالح کا ظہور امام معصوم سے ضروری تھا وہ بروئے کار نہیں آئے۔ اگر ان مصالح کا حصول صرف امام کی تخلیق سے ہی پورا کر دیا ہے اور وہ حاصل نہیں ہوئے تو امام کو پیدا کرنا واجب نہیں ہوگا۔ اور اگر ان مقاصد و مصالح کا حصول تخلیق امام کے علاوہ چند دیگر امور کے پیدا کرنے پر موقوف تھا اور ان دونوں کے مجموعہ سے مقصد کا حاصل ہونا ضروری تھا تو اس نے وہ مجموعہ پیدا نہیں کیا۔ قلیل ہو یا کثیر اخلال بالواجب اللہ تعالیٰ پر ممتنع ہے۔ بنا بریں دونوں صورتوں میں ان مقاصد کے موجبات کا پیدا کرنا اس پر ضروری نہ ٹھہرا۔ اور جب واجب نہ ہوا تو اس میں کچھ فرق نہیں کہ وہ معصوم کو پیدا کرے جس سے یہ مقصد حاصل نہ ہو یا اسے پیدا نہ کرے اور اس پر یہ واجب بھی نہ ہو۔ بنا بریں اس کا وجود بھی ضروری نہ ہوگا۔ لہٰذا ہر صورت میں اس کے وجود کو ضروری قرار دینا باطل ٹھہرے گا۔

اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ پر معصوم کو پیدا کرنا واجب تھا، وہ اس نے کر دیا۔ مگر لوگوں نے اس کی نافرمانی کر کے اس مصلحت کو پورا نہ ہونے دیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ لوگ مصلحت کی تحصیل کے سلسلہ میں امام معصوم کے ساتھ تعاون نہیں کریں گے، بلکہ نافرمانی کر کے عذاب میں مبتلا ہوں گے تو اس کا پیدا کرنا واجب نہ ہوا۔ اور نہ اس میں کچھ حکمت و مصلحت مضمر ہوئی۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ سب لوگ اس کے نافرمان نہیں بخلاف ازیں کچھ لوگ نافرمانی کرتے ہیں اور بعض اس کی اطاعت کا دم بھرتے ہیں، پھر وہ ان لوگوں کو اطاعت کی توفیق کیوں نہیں دیتا۔

عصمت ائمہ کا مسئلہ اس لیے بھی درست نہیں کہ شہر کی اصلاح کے لیے جس قدر ایک ناظم و مدبّر کی ضرورت ہوتی ہے اس سے کہیں زیادہ اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ آدمی بذات خود اپنے بدن

کی اصلاح کرے۔ جب اللہ تعالیٰ نے نفس انسانی کو معصوم پیدا نہیں کیا تو اس پر معصوم رئیس کو پیدا کرنا کیوں کہ واجب ٹھہرا؟

ایک سوال یہ بھی ہے کہ معصوم کو پیدا کرنے کا مقصد آیا دنیا سے فساد کو ختم کرنا ہے یا کم کرنا؟ اگر ختم کرنا مقصود ہے تو دنیا میں ایسا کبھی نہیں ہوا اور اگر فساد کی تقلیل مقصود ہے تو یہ کام معصوم کے بغیر بھی ممکن ہے۔ سیدنا ابوبکر و عمر کے عہد خلافت میں فساد میں جو کمی آئی تھی وہ سیدنا علی کے عہد خلافت میں رونما نہیں ہوئی۔ اسی طرح بارہ اماموں کے وجود سے فساد جس حد تک زائل ہوا اسی قدر دیگر خلفاء کے زمانے میں بھی اس میں انحطاط پیدا ہوا۔

کہا گیا ہے کہ ظالم امام کے زیر تسلط ساٹھ سال بسر کرنا ایک رات بدوں امام و حاکم گزارنے سے بہتر ہے۔

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''اگر امام معصوم نہ ہو تو کسی اور امام کی ضرورت لاحق ہوگی۔''

ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں، اس بات کا بھی احتمال ہے کہ جب امام سے غلطی صادر ہو تو امت کا کوئی فرد اس کی اصلاح کر دے، تاکہ سب لوگوں کا غلطی پر جمع ہونا لازم نہ آئے جس طرح رعیت کا کوئی فرد غلطی کر رہا ہو تو امام یا اس کا نائب اس کی اصلاح کرتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سب لوگ گناہ سے بچ جاتے ہیں اور اس پر جمع نہیں ہوتے جیسا کہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے۔

اس کی نظیر یہ ہے کہ خبر متواتر میں ایک ایک کر کے ہر شخص کے بارے میں کذب و خطا کا احتمال ہوتا ہے، مگر بہ حیثیت مجموعی عادۃً یہ احتمال باقی نہیں رہتا، بنا بریں بہ حیثیت مجموعی پوری امت کو معصوم قرار دینا ایک شخص کو معصوم قرار دینے سے بہتر ہے، اس سے عصمت امام کا مقصد پورا ہو جاتا ہے اور امام کو معصوم قرار دینے کی ضرورت نہیں رہتی۔

عقیدہ رفض کا بانی ایک زندیق تھا:

روافض کی جہالت کا یہ عالم ہے کہ ان کے خیال میں سب اہل اسلام غلطی پر ہو سکتے ہیں، مگر ایک شخص کا غلطی سے پاک ہونا ضروری ہے۔ متعدد علماء نے ذکر کیا ہے کہ جس شخص نے تشیّع کی بنا ڈالی اور بنا برنصّ سیدنا علی کو خلیفہ قرار دیا وہ ایک زندیق تھا اور دین میں بگاڑ پیدا کرنے کے لیے اس نے ایسا کیا تھا۔ وہ مسلمانوں کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہتا تھا جو پولوس نے نصاریٰ کے ساتھ کیا تھا

مگر اسے اپنے مقصد میں وہ کامیابی حاصل نہ ہوسکی جو پولوس کو ہوئی تھی، اس کی وجہ یہ تھی کہ سب نصاریٰ ضعیف العقل تھے۔ سیدنا مسیح علیہ السلام آسمان پر اٹھا لیے گئے تھے اور آپ کے پیرو ایسے نہ تھے جو صحیح معنی میں دین عیسوی سے باخبر ہوں اور اس پر عمل پیرا بھی ہوں، جب پولوس نے سیدنا مسیح کے بارے میں غلوّ کا عقیدہ اختراع کیا تو بہت سے عیسائی اس کی پیروی کرنے لگے، بلکہ بہت سے سلاطین اس کے ہم نوا بن گئے۔ نصاریٰ کی ایک جماعت نے جب ان کی تردید کا بیڑا اٹھایا تو پولوس کے ہم نوا سلاطین نے ان کو موت کے گھاٹ اتار دیا، بعض نصاریٰ نے بادشاہوں کے ساتھ رواداری کا سلوک کیا اور عبادت گاہوں میں عزلت گزیں ہوگئے۔ للہ الحمد۔ کہ امت مسلمہ کا معاملہ نصاریٰ سے یکسر مختلف ہے۔ حدیث نبوی کے مطابق مسلمانوں کی ایک جماعت حق و صداقت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑے گی۔ [1] بنابریں کوئی ملحد و بے دین اپنے غلو کی بنا پر یا حق پر غلبہ پا کر اس میں بگاڑ نہیں پیدا کر سکتا۔ البتہ جو شخص اس کی پیروی کرے گا وہ یقیناً گمراہ ٹھہرے گا۔

علاوہ ازیں امام معصوم کے نائب جزئیات میں معصوم نہیں ہو سکتے، اس کے باوصف اکثر بلکہ تمام امور وہی فیصل کرتے ہیں۔ اب کلیات میں معصوم ہونے کا مسئلہ باقی رہا۔ تو اس ضمن میں واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ کلیات کی اسی طرح تصریح کر سکتا ہے کہ اس کی موجودگی میں کلیات کی معرفت حاصل کرنے میں امام کی ضرورت پیش نہ آئے۔ وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ نص نبوی کو نص امام سے اکمل بنا دے، بنابریں ہم کلیات و جزئیات دونوں میں عصمت امام کے محتاج نہیں ہیں۔

ہم شیعہ سے دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ ان کی رائے میں عصمت امام سے کیا مراد ہے؟ کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ امام اداء عبادات یا ترک معاصی میں مختار ہے؟ حالانکہ شیعہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ اپنے اختیار کا خالق نہیں ہے۔ یا اس کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ارادہ کا خالق ہے یا یہ معنی کہ وہ معصیت کی قدرت کو سلب کر سکتا ہے حالانکہ شیعہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ ہمارے اختیار کا خالق نہیں ہے۔ اس سے یہ لازم آیا کہ اللہ تعالیٰ معصوم کو پیدا کرنے پر قادر نہیں ہے۔ اگر شیعہ تقدیر کے بارے میں اپنے نظریہ کی خلاف ورزی کریں تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ معصوم کو طاعت و عبادت کا اجر نہیں دیا جائے گا۔

---

[1] صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب(۲۸) (حدیث: ۳۶۴۰،۳۶۴۱)، صحیح مسلم، کتاب الامارة، باب قوله ﷺ "لا تزال طائفة من امتی......" (حدیث: ۱۹۲۰-۱۹۲۳)

امامیہ عصمت علی کے دعویٰ میں منفرد ہیں:

شیعہ کا قول ہے:

''علی کے سوا کوئی بھی معصوم نہیں۔''

یہ صحیح نہیں، اس لیے کہ بہت سے عابد و زاہد اور عوام شیعہ کی طرح اپنے مشائخ کو معصوم قرار دیتے ہیں۔ اس کے باوجود ان کا عقیدہ ہے کہ عام صحابہ کرام ان کے شیوخ سے افضل ہیں۔ خلفائے راشدین تو بالاولیٰ افضل ہوں گے۔ فرقہ اسماعیلیہ والے اپنے اماموں کو معصوم سمجھتے ہیں، ان کے امام بارہ اماموں سے الگ ہیں۔ بنو امیہ کے متبعین کہا کرتے تھے کہ خلفاء پر حساب و کتاب نہیں ہو گا۔ جو شخص یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ امام کا ہر حکم واجب الاطاعت ہے اسے معصوم کی ضرورت نہیں، وہ کہہ سکتا ہے میرے لیے اس امام یا شیخ یا امیر کی عصمت ہی کافی ہے جس کا میں پیرو ہوں۔ اس کی دلیل میں وہ یہ آیت پیش کرتے ہیں۔

﴿اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ﴾

(النساء: ٤/ ٥٩)

''اللہ تعالیٰ، رسول علیہ السلام اور اپنے اولی الامر کی اطاعت کرتے رہو۔''

اگر شیعہ کہیں کہ ان لوگوں کی مخالفت کچھ اہمیت نہیں رکھتی تو یہ بات نا قابل قبول ہے، اس لیے کہ وہ جس امام کے پیرو ہیں وہ موجود ہے۔ بخلاف ازیں روافض جس امام کی پیروی کے مدعی ہیں وہ امام منتظر معدوم ہے جس کی اطاعت قطعی طور پر بے سود ہے۔ مزید براں اصحاب رسول تابعین اور اصحاب علم میں سے کوئی بھی عصمتِ علی کا مدعی نہیں ہے۔ البتہ جاہل امامیہ اس دعویٰ میں اسی طرح منفرد ہیں جس طرح گمراہ خوارج سیدنا علی کو کافر قرار دینے میں اور نواصب آپ کو فاسق تصور کرتے ہیں۔ ہم شیعہ سے کہیں گے کہ دو ہی صورتیں ممکن ہیں۔

۱۔ امام معصوم کا وجود ضروری ہے۔

۲۔ امام معصوم کا وجود ضروری نہیں۔

بصورت ثانی شیعہ کا قول باطل ٹھہرا اور اگر معصوم کا وجود ضروری ہے تو ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ وہ معصوم علی ہیں اور خلفاء ثلاثہ معصوم نہیں ہیں، بخلاف ازیں اگر یہ نظریہ درست ہے تو معصوم صرف سیدنا ابوبکر و عمر ہوں گے، اس لیے کہ اہل سنت ان کو بالاتفاق سیدنا علی سے افضل قرار

دیتے ہیں اور اگر سیدنا ابوبکر و عمر معصوم نہیں تو سیدنا علی بالا ولی معصوم نہیں ہو سکتے۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ مسلمان صرف موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کی نبوت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے پہلو بہ پہلو تسلیم کرتے ہیں۔ اسی طرح سیدنا علی کے ایمان کو اصحاب ثلاثہ کے ایمان سے مقرون و متصل مانتے ہیں۔ اصحاب ثلاثہ سے جب عصمت کی نفی کی جائے گی تو اس کے پہلو بہ پہلو عصمت علی کو بھی ٹھکرا دیا جائے گا۔ [1]

شیعہ کا یہ قول کہ ''سیدنا علی کی امامت اجماع سے ثابت ہے، مگر اصحاب ثلاثہ کی امامت اجماعاً ثابت نہیں۔'' یہود کے اس قول سے بڑی حد تک ملتا جلتا ہے کہ سیدنا موسیٰ کی نبوت اجماع سے ثابت ہے جب کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اجماع سے ثابت نہیں۔ یا نصاریٰ کے اس قول کی مانند کہ محمد و موسیٰ علیہما السلام اجماع کی رو سے الٰہ نہیں مگر عیسیٰ الٰہ ہیں۔''

ہم بداہۃً اس حقیقت سے آگاہ ہیں کہ سیدنا عیسیٰ میں الوہیت کی ایسی کوئی خصوصیت موجود نہیں جو محمد و موسیٰ علیہما السلام میں موجود نہ ہو۔ اسی طرح ہمیں قطعیت کے ساتھ اس مسلمہ صداقت کا علم حاصل ہے کہ سیدنا علی میں ایسی کوئی مزیت نہیں پائی جاتی جس سے سیدنا ابوبکر و عمر محروم ہوں۔

ہم شیعہ سے پوچھتے ہیں کہ انھیں یہ بات کیوں کر معلوم ہوئی کہ علی معصوم تھے اور ابوبکر و عمر معصوم نہ تھے؟ اگر شیعہ کہیں کہ ہمیں اجماع سے اس بات کا علم حاصل ہوا کہ سیدنا علی کے سوا کوئی بھی معصوم نہ تھا۔ ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ اگر اجماع دین میں حجت نہیں ہے تو شیعہ کا دعویٰ غلط ٹھہرا۔ اور اگر سیدنا علی کی عصمت کے اثبات میں اجماع حجت ہے جو کہ اصل ہے تو آپ کی عصمت سے جو چیز مقصود ہے یعنی شریعت کے حفظ و نقل کے بارے میں بھی اجماع حجت ہوگا۔ یہ عجیب بات ہے کہ شیعہ اجماع کو حجت قرار نہیں دیتے مگر اپنے نظریات کے اثبات میں اجماع سے احتجاج کرتے ہیں۔

اگر شیعہ کہیں کہ سیدنا علی کا معصوم ہونا خبر متواتر سے ثابت ہے، تو یہ دعویٰ اسی طرح ہے جیسے ان

---

[1] لکھنؤ کے کسی محلّہ میں شیعہ روزانہ رات کو دیواروں پر اصحاب ثلاثہ کو تبرا (گالیاں) لکھ دیا کرتے تھے اور سنی مٹاتے رہتے۔ ایک سنی مولوی صاحب نے کہا کہ آئندہ نہیں لکھیں گے ہم ان کا علاج کر لیتے ہیں، چنانچہ انھوں نے اصحاب ثلاثہ کے ساتھ سیدنا علی کا نام بھی لکھ دیا اور فرمایا کہ جب نیکی اور ہدایت کی زندگی میں ان سب نے ایک دوسرے کا ساتھ دیا تھا تو اب مشکل میں سیدنا علی الگ کیسے رہ سکتے ہیں، چنانچہ دوسرے دن شیعہ نے مٹانا شروع کر دیا اور معاملہ ختم ہوگیا۔

کا یہ دعویٰ کہ سیدنا علی کی خلافت نص سے ثابت ہے۔ مزید براں شیعہ کے نزدیک اجماع اس صورت میں حجت ہے جب اس میں معصوم کا قول ثابت ہو۔ اگر معصوم کی معرفت اجماع پر موقوف ہو تو دور لازم آئے گا، اس لیے کہ اس کا معصوم ہونا اس کے اپنے قول پر منحصر ہے اور اس کے قول کا حجت ہونا اسی صورت میں پہچانا جاتا ہے جب یہ بات معلوم ہو کہ وہ معصوم ہے، لہٰذا دونوں میں سے کوئی بات بھی ثابت نہ ہوگی اور اس کا نتیجہ اس صورت میں برآمد ہوگا کہ گویا شیعہ نے کہا: ''فلاں شخص اس لیے معصوم ہے کہ اس نے کہا میں معصوم ہوں اور میرے سوا کوئی بھی معصوم نہیں ہے۔'' ظاہر ہے کہ ہر شخص یہ بات کہہ سکتا ہے یہ اسی طرح ہے جیسے کوئی شخص کہے ''میری ہر بات سچی ہے۔'' اگر اس کی سچائی اسی بات پر موقوف ہے تو اس کی صداقت معلوم نہ ہوگی۔

سیدنا علی منصوص علیہ امام نہ تھے:

اسماعیلیہ کا دعویٰ بھی اسی طرح ہے وہ کہتے ہیں کہ امام معصوم ہوتا ہے اور اس پر امامت کا نشان لگا ہوتا ہے۔ اسماعیلیہ کہتے ہیں حصول علم کا ذریعہ سمع وعقل ہے اور اس کی صحت امام معصوم اور اس کی تعلیمات سے حاصل ہوتی ہے۔ جب کسی معین ومخصوص امام کے معصوم ہونے کی دلیل پوچھی جائے تو وہ اس کا جواب نہیں دے سکیں گے اور ثابت ہو جائے گا کہ ان کے قول میں تناقض پایا جاتا ہے۔ اگر ہم سیدنا علی کے اس قول پر عمل کرنے کے لیے تیار بھی ہوں کہ ''میں معصوم ہوں'' تو ہم شیعہ سے پوچھتے ہیں کہ یہ قول ان سے کس نے نقل کیا؟ بخلاف ازیں بتواتر آپ سے اس کے خلاف منقول ہے۔ سیدنا علی نے اپنے قاضیوں کو بتاکید حکم دیا تھا کہ ان کی رائے کے برخلاف فیصلہ صادر کریں، بہ نقل صحیح ثابت ہے کہ سیدنا علی نے فرمایا:

> ''میری اور عمر کی رائے اس بات پر متفق ہوگئی تھی کہ صاحب اولاد لونڈیوں کو فروخت نہ کیا جائے۔ اب میں ان کے فروخت کرنے کے حق میں ہوں۔''

یہ سن کر سیدنا علی کے قاضی عبیدہ سلمانی نے کہا:

> ''سیدنا عمر کے ساتھ آپ کی متفقہ رائے ہمیں آپ کی انفرادی رائے سے عزیز تر ہے۔''[1]

---

[1] مصنف عبد الرزاق،(١٣٢٢٤)، کتاب الام للامام الشافعی(١٥٧/٧)، سنن کبریٰ، بیہقی(٣٤٨/١٠)

قاضی شریح اپنے اجتہاد کے مطابق فیصلہ کیا کرتے تھے اور سیدنا علی سے مشورہ نہیں لیا کرتے تھے۔ سیدنا علی اس ضمن میں ان کے موید تھے۔ سیدنا علی اپنے اجتہاد کے مطابق فتوی دیتے اور فیصلہ صادر کیا کرتے تھے، پھر اپنے اجتہاد ہی سے اپنے سابقہ فتویٰ سے رجوع کیا کرتے تھے۔ اس ضمن میں آپ کے اقوال باسانید صحیحہ ثابت ہیں۔

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''یہ ضروری ہے کہ خلیفہ و امام کا تقرر نص کی بنا پر ہو، اس لیے کہ ہم طریق انتخاب کا بطلان ثابت کر چکے ہیں۔ وجہ بطلان یہ ہے کہ بعض لوگ جو امام کو منتخب کرتے ہیں، وہ دوسرے لوگوں سے افضل نہیں ہیں جو کسی اور امام کا انتخاب عمل میں لاتے ہیں، ورنہ تنازع بپا ہو جائے گا، سیدنا علی کے سوا دوسرے ائمہ وخلفاء بالاتفاق منصوص علیہ نہ تھے، لہٰذا سیدنا علی کے سوا کوئی بھی امام برحق نہ ہوگا۔''

ہم دونوں مقدمات کو تسلیم نہیں کرتے۔ علمائے سلف و خلف کے نزدیک سیدنا ابوبکر کی خلافت نص سے ثابت ہے۔ ایک قلیل جماعت کے نزدیک سیدنا عباس بھی منصوص علیہ امام تھے۔ پھر سیدنا علی کے منصوص علیہ امام ہونے پر اجماع کیسے رہا؟

ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ دو ہی صورتیں ممکن ہیں:

(۱) خلیفہ کے تقرر میں نص معتبر ہے۔

(۲) خلیفہ کے تقرر میں نص معتبر نہیں ہے۔

بصورت اوّل ہم کہیں گے کہ نص سیدنا ابوبکر کے حق میں ہے نہ کہ سیدنا علی کے بارے میں۔

بصورت ثانی اگر نص معتبر نہیں تو شیعہ کا دعویٰ باطل ٹھہرا۔

شیعہ کے نزدیک امام معصوم کا قول حجت ہے اور اجماع حجت نہیں ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اثبات نص کے لیے امام معصوم کا قول ضروری ہوگا اور اس طرح نص ثابت ہوگی نہ امام کی معصومیت، بخلاف ازیں اس کی صورت منطقی اعتبار سے یوں ہوگی۔

''میں امام معصوم ہوں اور میں خود ہی معصومیت کی دلیل ہوں۔''

ہم شیعہ سے پوچھتے ہیں کہ تمہارے اس قول کا کیا مطلب ہے کہ امام کا معصوم اور منصوص علیہ ہونا واجب ہے۔

آیا اس کا مطلب یہ ہے کہ نبی ﷺ بصراحت فرمائیں کہ فلاں شخص میرے بعد امام و خلیفہ ہو گا ؟ یا یہ کہ اس کی امامت اس وقت تک درست نہ ہو گی جب تک اس کی بیعت خلافت نہ کی جائے؟ پہلی صورت میں نص کا ہونا ضروری نہیں۔ شیعہ کا فرقہ زیدیہ اہل سنت کی طرح ایسی نص کا انکار کرتا ہے، ہم سیدنا علی پر بہتان نہیں لگاتے۔

سیدنا ابوبکر کی افضلیت:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''امام معصوم نہ ہونے کی صورت میں تنازع پیدا ہو گا۔''

ہم کہتے ہیں جن نصوص سے نظر و استدلال کی بنا پر سیدنا ابوبکر کی افضلیت ثابت ہوتی ہے، ان سے مقصد حاصل ہو جاتا ہے۔ آپ کی افضلیت کے دلائل ہی اس ضمن میں کافی ہیں، جن انصار نے سیدنا ابوبکر سے جھگڑا کیا تھا وہ سیدنا ابوبکر کی افضلیت کے منکر نہ تھے بخلاف ازیں وہ آپ کی افضلیت کا اعتراف کرنے کے باوجود ان پر تفوق حاصل کرنا چاہتے تھے۔

شیعہ کے نزدیک نص کا وجود قطع نزاع کے لیے ضروری ہے، مگر معاملہ اس کے برعکس ہوا۔ سیدنا ابوبکر و عمر و عثمان یکے بعد دیگرے منصب خلافت پر فائز ہوئے مگر فساد و نزاع ختم نہ ہوا۔ فتنہ پردازی کا آغاز خلافت عثمانی کے آخری دور میں ہوا۔ جب بقول شیعہ امام منصوص و معصوم (سیدنا علی) خلیفہ قرار پائے تو فتنہ بازی اوج کمال پر پہنچ گئی۔ گویا امام معصوم سے جو مقصود تھا وہ حاصل نہ ہوا بلکہ مقصود کی نقیض حاصل ہوئی۔

ہم کہتے ہیں کہ کسی امام کے بارے میں وجود نص سے فساد کا ازالہ ہو جاتا ہے۔ نص کے متعدد طرق ہیں:

۱۔ نص کا ایک طریق یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کسی شخص کی خلافت کے بارے میں پیش گوئی فرمائیں اور اس کی تعریف کریں۔ امت کو اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اگر یہ شخص مسند امارت پر فائز ہوا تو لوگوں کے حق میں مفید ثابت ہو گا بلاشبہ اس سے نزاع اٹھ جاتا ہے اگرچہ آپ یہ نہیں فرماتے کہ فلاں شخص کو امام مقرر کرلو ظاہر ہے کہ سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں آپ ﷺ نے ایسی پیش گوئی فرمائی تھی۔

۲۔ نص کا دوسرا طریق یہ ہے کہ نبی کریم ایسے امور کی پیش گوئی فرمائیں جو کسی شخص کی خلافت و

امارت کی عمدگی کی دلیل ہوں جیسے آپ نے فارس [1] و روم کے فتح ہونے کی بشارت دی تھی۔ [2] جو خلافت صدیقی و فاروقی میں پوری ہوئی۔

۳۔ تیسرا طریقہ یہ ہے کہ نبی کریم اپنے بعد میں آنے والے کو کسی شخص کے پاس جانے کا حکم دیں، یہ حکم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ شخص خلیفہ ہوگا۔ سیدنا ابوبکر کے بارے میں یہ واقعہ پیش آچکا ہے۔

۴۔ چوتھا طریقہ یہ ہے کہ آپ خلافت کے بارے میں ایک عہد نامہ لکھنا چاہتے ہوں اور جب اس کی تکمیل نہ ہو سکے تو فرمائیں: ''اللہ تعالیٰ اور مومن ابوبکر کے سوا کسی کو خلیفہ تسلیم نہیں کر سکتے۔'' [3] جیسے آپ نے فرمایا تھا، اسی طرح وقوع پذیر ہوا۔

۵۔ پانچواں طریقہ یہ ہے کہ نبی کریم اپنے بعد کسی شخص کی پیروی کا حکم صادر کریں اور وہ منصب خلافت پر فائز بھی ہو جائے۔

۶۔ چھٹا طریقہ یہ ہے کہ آپ خلفائے راشدین کی سنت کی پیروی کا حکم دیں اور ان کی مدت خلافت کی تعیین کر دیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مدت کے اندر اندر جو لوگ منصب امامت پر فائز ہوں گے وہ خلیفہ راشد اور ہدایت یافتہ ہوں گے۔

۷۔ ساتواں طریقہ یہ ہے کہ آپ کسی شخص کو چند باتوں کے ساتھ مختص کر دیں جو اس بات کی مقتضی ہوں کہ یہ سب پر فائق ہے، یہ صفت صرف ابوبکر میں موجود تھی۔

۸۔ آٹھواں طریقہ یہ ہے کہ ترک نص رسول کے لیے موزوں تر ہے، اس لیے کہ اگر نص معصوم کے حق میں ہو تو نبی کریم کے بعد کوئی شخص معصوم نہیں اور اگر غیر معصوم کے حق میں ہو تو اس کی ہر بات کے واجب الاطاعت ہونے میں بعض اوقات نص سے احتجاج کرنا پڑتا ہے۔ حالانکہ رسول علیہ السلام کی وفات کے بعد اس بات کا امکان باقی نہیں رہتا کہ آپ سے مراجعت کر کے

---

[1] صحيح بخاری، كتاب فضائل المدينة۔ باب من رغب عن المدينة، (حديث: ١٨٧٥)، صحيح مسلم، كتاب الحج، باب ترغيب الناس فی المدينة (حديث: ١٣٨٨)

[2] مسند احمد(٥/٢٨٨)

[3] صحيح مسلم۔ كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل ابی بكر الصديق رضی الله عنه (حديث:٢٣٨٧)

اس امام وخلیفہ کی بات کومسترد کر دیا جائے یا اسے معزول کیا جائے البتہ جس شخص کو نبی کریم اپنی زندگی میں تعینات کریں گے تو آپ اسے غلطی پر متنبہ کر سکیں گے اور اسے اس منصب سے معزول بھی کر سکیں گے، اگر رسول اپنے بعد کسی کو بصراحت اس بات کے لیے مقرر فرمائیں کہ ہم اس سے دین اخذ کریں تو اللہ کی حجت باطل ٹھہرے گی اور رسول کے سوا دوسرا کوئی شخص اس کا اہل بھی نہیں ہو سکتا کیوں کہ معصوم صرف رسول ہی ہوتا ہے دوسرا کوئی شخص معصوم نہیں ہوتا۔

جزئیات کی تنصیص ممکن نہیں:

۹۔ نواں جواب یہ ہے کہ جزئیات کی تنصیص ممکن نہیں اور کلیات قبل ازیں منصوص ہیں۔اگر رسول کسی مخصوص آدمی کو اس منصب پر مقرر کر دے اور کلیات کی تنصیص میں اس کی اطاعت کا حکم صادر کریں تو یہ باطل ہوگا اور اگر جزئیات میں اس کی اطاعت کا حکم دے خواہ وہ جزئیات کلیات کے موافق ہوں یا مخالف تو یہ بھی باطل ہے اور اگر جزئیات میں اس کی اطاعت اس صورت میں ضروری ٹھہرائے۔ جب وہ کلیات سے ہم آہنگ ہوں تو ہر والی ایسا حکم صادر کرتا ہے، اس میں اس کی کیا خصوصیت ہے اور اگر رسول علیہ السلام تصریحاً کسی کو اس منصب پر مقرر کر دیں تو بھی بعض اوقات اس کی اطاعت امام سابق کی طرح نہیں کی جاتی، کیوں کہ دوسرے امام کی امامت کسی نص قطعی سے ثابت نہیں ہوئی۔

اگر سوال کیا جائے کہ ہر امام اپنے بعد والے امام کا ذکر تصریحاً کرتا ہے تو یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب دوسرا امام معصوم ہو حالانکہ نبی کریم کے بعد کوئی شخص معصوم نہیں، بنا بریں قول بالنص عصمت امام کے عقیدہ کی فرع ہے، واضح ہو کہ یہ فاسد ترین قول ہے، اسی طرح روافض جس نص کے دعوے دار ہیں کہ حاکم و امیر کی ہر بات واجب الاطاعت ہوا کرتی ہے اور اسے کتاب وسنت کے معیار پر رکھ کر پرکھنے کی ضرورت نہیں، یہ بھی فاسد ہے اگر ہم ارشاد باری کے مطابق اپنے قول کو کتاب وسنت پر پرکھ کر دیکھیں تو نص کی حاجت باقی نہیں رہتی۔اس لیے کہ دین محفوظ ہے اور یہ ممکن نہیں کہ کوئی شخص رسول کے جملہ علوم سے آگاہ ہو یا اس کی طرف وحی آتی ہو۔

سیدنا علی شیخین سے بڑے عالم نہ تھے:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

’’تیسری بات یہ ہے کہ امام کا حافظ شرع ہونا ضروری ہے، اس لیے کہ وحی ختم ہو چکی

ہے اور کتاب وسنت میں جزئیات کی تفصیل نہیں ہے۔ لہٰذا ایک منصوص من اللہ امام کا وجود ناگزیر ہے، جو معصوم بھی ہو، تاکہ شرعی احکام میں عمداً یا سہواً کمی بیشی نہ کر دے۔ یہ ظاہر ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے سوا دوسرا کوئی شخص ان صفات کا حامل نہ تھا۔''

ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ امام کا حافظ شریعت ہونا ضروری ہے بخلاف ازیں امت کا حافظ شرع ہونا ضروری ہے۔ یہ مقصد جس طرح ایک سے حاصل ہوتا ہے اجتماعی طور پر بھی حاصل ہو سکتا ہے، بلکہ اہل تواتر کا شریعت کو نقل کرنا ایک شخص کے نقل کرنے سے بہتر ہے۔ ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ سیدنا علی سب سے بڑے حافظ شرع تھے، بلکہ سیدنا ابوبکر و عمر آپ سے بڑھ عالم دین تھے۔ لہٰذا شیعہ کا اجماع باطل ٹھہرا اور اگر شیعہ کہیں کہ سیدنا علی معصوم تھے، لہٰذا شرع کی صحت معلوم کرنے کے لیے کسی مسئلہ کا آپ سے منقول ہونا ضروری ہے، اس سے یہ لازم آیا کہ اہل زمین پر حجت قائم کرنے کے لیے آپ سے نقل کا ہونا ضروری ہے اور نقل کی صحت اس وقت تک معلوم نہیں ہوتی جب تک آپ کا معصوم ہونا ثابت نہ ہو جائے۔ سیدنا علی کے معصوم ہونے کا علم ہمیں اس بات سے حاصل ہوا کہ دوسرا کوئی شخص بالا جماع معصوم نہیں۔

اگر معصومین کا اجماع ہو تو شریعت کی حفاظت اس سے ممکن ہے اور اگر وہ معصومین کا اجماع نہیں ہے تو ہمیں اس کا غلطی سے پاک ہونا بھی معلوم نہیں ہے۔

ہم شیعہ سے پوچھتے ہیں کہ کیا امام ہر فرد بشر تک شرعی احکام کو بتواتر پہنچا سکتا ہے یا یہ کہ شرعی احکام ایک معصوم سے دوسرے معصوم تک منتقل ہوتے رہتے ہیں، اگر امام کے لیے ایسا کرنا ممکن ہے تو رسول کے لیے بطریق اولیٰ ممکن ہے۔ اندریں صورت نقل امام کی حاجت نہ ہوگی، اور اگر شیعہ کہیں کہ امام ایسا نہیں کر سکتا تو اس سے یہ لازم آیا کہ دین اسلام کا نقل کرنے والا اقارب رسول میں سے ایک شخص فرد واحد ہوتا ہے جس کے بارے میں منکر رسالت یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ اقارب جو چاہتے ہیں، رسول کے بارے میں کہتے ہیں اس سے یہ بھی لازم آیا کہ رسول اللہ حکومت وسلطنت کے حریص تھے اور اب آپ کے بعد ان کے اقارب امور سلطنت کی دیکھ بھال کر رہے ہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ بلاشبہ دین کے تحفظ اور اس کی نشر واشاعت کے لیے معصومین کی ضرورت ہے۔ آخر اس میں کیا قباحت ہے کہ صحابہ کرام ہی وہ معصوم ہوں جن سے دین کا مقصد پورا ہوا اور جنھوں نے دین کو کائنات ارضی کے گوشہ گوشہ تک پہنچایا اور اس میں کیا برائی ہے کہ ہر گروہ کو دین کے تحفظ اور

اس کی نشر و اشاعت کے سلسلہ میں اسی قدر عصمت حاصل ہو جس حد تک وہ اس کا حامل ہے۔ مثلاً قراء حفظ قرآن اور اس کی تبلیغ میں معصوم ہیں، اسی طرح محدثین احادیث صحیحہ کے حفظ و ابلاغ اور فقہاء فہم کلام اور استدلال اور احتجاج میں معصوم ہیں۔ یہی وہ چیز ہے جس کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک معدوم امام سے بے نیاز کر دیا ہے۔ علاوہ ازیں اگر شریعت کے حفظ و ابلاغ کا کام ایک معصوم ہی انجام دے سکتا ہے جو دوسرے معصوم سے اخذ کر رہا ہو تو یہ کیا بات ہے کہ چار سو ساٹھ سال کے طویل عرصہ میں کسی نے امام منتظر سے ایک مسئلہ بھی نہیں سیکھا؟ اب سوال یہ ہے کہ پھر شیعہ نے قرآن کریم اور دین کا علم کہاں سے حاصل کیا؟ اور کیا یہ ممکن نہیں کہ جو قرآن وہ پڑھ رہے ہیں وہ اس قرآن سے الگ ہو جو نازل ہوا تھا؟

ہم شیعہ سے پوچھتے ہیں کہ تمھیں نبی کریم ﷺ اور سیدنا علی کے حالات سے کیوں کر آگاہی ہوئی۔ جب کہ بذات خود تم نے کسی معصوم سے اس ضمن میں کچھ نہیں سنا۔ اگر شیعہ کہیں کہ ہمارے نزدیک یہ تواتر کی حد تک معروف ہے، تو ہم کہیں گے کہ جب تمہارے ائمہ کا تواتر تحفظ شرع کا موجب ہے تو پوری امت کا تواتر اس کی نسبت اولیٰ و احریٰ ہے کہ اس پر اعتماد کیا جائے نہ کہ ایک شخص کی نقل کو دوسرے سے معتبر تسلیم کیا جائے۔

دین اسلام کا تحفظ:

شیعہ مصنف کا یہ قول کہ ''نصوص تفاصیل احکام سے قاصر ہیں۔''

ہم کہتے ہیں کہ ہر امیر کا طریق کار یہی ہوتا ہے۔ امیر جب عوام الناس سے مخاطب ہوتا ہے تو عوامی طرز تخاطب اختیار کرتا ہے اور اس کے لیے یہ ممکن نہیں ہوتا کہ فاعل کے ہر فعل کو ہر وقت میں معین کر دے، جہاں تک خطاب کلی کا تعلق ہے وہ خاصہ رسول ہے، اگر روافض کہیں کہ نصوص رسول قواعد کلیہ کی حیثیت نہیں رکھتے، تو ہم کہیں گے کہ یہ غیر مسموع ہے، ہم اسے تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں اور اگر نصوص رسول میں یہ بات ممنوع ہے تو خطاب امام میں شیعہ کو یہ ثابت کرنا پڑے گا کہ اس کے الفاظ یا معانی میں عموم پایا جاتا ہے، ان دونوں میں سے جو بات بھی ہو گی اسے کلام رسول سے ثابت کرنا ممکن ہو گا اور اس طرح امام کی ضرورت باقی نہ رہے گی۔ یہ حقیقت ہے کہ لوگوں پر رسول ہی کی وجہ سے حجت تمام کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ﴾(سورۂ نحل:١٦/٤٤)

''تاکہ آپ لوگوں پر اس چیز کو واضح کر دیں جو ان کی طرف اتاری گئی ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی حفاظت کا ذمہ خود لیا ہے، بنا بریں کلام پاک تبدیل و تغییر سے مامون و مصئون ہے۔ پھر یہ بات ہر کس و ناکس کو معلوم ہے کہ اکثر مسلمانوں کو قرآن و حدیث کا علم سیدنا علی کی وساطت کے بغیر حاصل ہوا۔ فاروق اعظم نے جب بلاد و امصار کو فتح کیا تو وہاں ایسے معلم صحابہ بھیجے، جنھوں نے لوگوں کو دینی و فقہی مسائل کی تعلیم دی۔ پھر ان لوگوں کی بدولت باقی مسلمانوں نے علم دین سیکھا۔ سیدنا علی نے علم دین کو اسی حد تک پہنچایا جیسے سیدنا عبداللہ بن مسعود، معاذ بن جبل، ابی بن کعب اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے۔ ماشاء اللہ! روافض کی جہالت کے کیا کہنے؟

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''اللہ تعالیٰ نصب امام کی قدرت سے بہرہ ور ہے اور اس میں کچھ خرابی بھی نہیں۔ بلکہ ضرورت اس کی داعی ہے، جب سیدنا علی کے سوا کسی اور میں یہ اوصاف موجود ہی نہیں تو صرف وہی خلیفہ برحق ہوں گے۔''

یہ محض تکرار ہے ہم قبل ازیں بیان کر چکے ہیں کہ اجماع اگر معصوم ہے تو عصمت علی کی حاجت نہیں۔ اور اگر معصوم نہیں تو عصمت علی پر اس کا دلالت کرنا باطل ہے اور اگر شیعہ یہ کہیں کہ معصوم کے موجود ہونے کی صورت میں امت کی حالت اکمل ہوگی تو بلاشبہ معصوم نائبین کی موجودگی میں بھی ان کی حالت تمام و کمال سے بہرہ ور ہوگی اور اگر وہ بذات خود معصوم ہوں تو یہ اور بھی بہتر ہے، مگر اللہ تعالیٰ پر یہ واجب نہیں ہے۔

شیعہ کا یہ دعویٰ کہ ''جب معصوم نہ ہوگا تو لوگ جہنم میں جائیں گے اور دنیا میں زندہ نہ رہ سکیں گے یا یہ کہ سخت مصیبتیں آئیں گی۔''

ہم کہتے ہیں کہ بفرض محال اگر یہ درست ہے تو تم نے یوں کیا کہا۔ کہ مصائب و آلام کا ازالہ ضروری ہے؟ ظاہر ہے کہ دنیا میں بیماریاں اور ہموم و غموم موجود ہیں، اس کے علاوہ گرانی اور حوادث و آلام بھی پائے جاتے ہیں۔ امام مظلوم کے ظہور پذیر ہونے کی صورت میں اسے جو ضرر لاحق ہوتا وہ ان مصائب سے زیادہ نہ ہوتا اور اللہ تعالیٰ نے اس کا ازالہ بھی نہیں کیا۔ اس پر مزید یہ کہ بشری حوائج و ضروریات کا کوئی ٹھکانہ نہیں۔ مثلاً انسان کو صحت و قوت مال و سرور اور لاتعداد امور کی ضرورت ہے۔

اگر شیعہ کے اصل فاسد کو پیش نظر رکھا جائے تو اللہ تعالیٰ مومن و کافر کو پیدا کرنے پر قادر نہیں ہے۔اب سوال یہ ہے کہ وہ معصوم کو پیدا کرنے پر کس طرح قادر ہے؟ یہ بات پہلے گزر چکی ہے،اس سے شیعہ کا تناقض بھی کھل کر سامنے آیا۔ایک طرف ان کا یہ دعویٰ ہے کہ معصوم کو پیدا کرنا اللہ تعالیٰ پر واجب ہے۔ دوسری جانب ان کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اختیار سے کسی کو اس طرح معصوم نہیں بنا سکتا کہ اسے طاعات وعبادات کا اجر دیا جائے اور معاصی کی سزا دی جائے۔

ہم شیعہ سے پوچھتے ہیں کہ کیا معصوم تحصیل مصالح اور ازالہ مفاسد پر قادر ہے یا نہیں؟ نیز یہ کہ آیا معصوم عاجز ہونے کی صورت میں بھی معصوم رہے گا؟ ہم یہ بات تسلیم نہیں کر سکتے کہ بصورت عجز بھی وہ معصوم ہی رہے گا، کیوں کہ عاجز سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوسکتا، بلکہ قدرت کا ہونا اس میں شرط ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ وہ تحصیل مصالح پر قادر ہے تو یہ بات اس سے ظاہر نہیں ہوئی ،لہٰذا یا وہ معصوم نہیں بلکہ عاصی ہوگا اور یا عاجز ہوگا۔

سیدنا علی افضل اہل زمان نہ تھے:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''امام کا اپنی رعیت سے افضل ہونا ضروری ہے، یہ ایک بدیہی بات ہے کہ سیدنا علی فاضل دوراں و یک نائے زبان تھے، لہٰذا وہی امام ہوں گے اس لیے کہ فاضل کی موجودگی میں مفضول کا تقدم عقلاً وشرعاً قبیح ہے۔''

ہم کہتے ہیں کہ سیدنا علی افضل اہل زمان نہ تھے۔آپ نے کوفہ کے منبر پر کھڑے ہوکر فرمایا تھا:

''اس امت میں نبی ﷺ کے بعد سب سے افضل ابوبکر اور پھر عمر ہیں۔''[1]

مزید براں اکثر علماء کے نزدیک افضل کو حاکم بنانا ضروری نہیں۔بعض کے نزدیک مفضول کو والی بنانا جائز ہے۔ جب کہ اس میں کوئی مصلحت پائی جاتی ہو۔شیعہ کا فرقہ زیدیہ یہی نظریہ رکھتا ہے۔

شیعہ مصنف امامت علی پر قرآنی دلائل پیش کرتا ہوا لکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''تمہارا ولی، اللہ تعالیٰ اس کا رسول اور وہ مومن ہیں جو نماز کی پابندی کرتے ، زکوٰۃ ادا

---

[1] سنن ابن ماجة ، المقدمة- باب فضائل عمر بن الخطاب، رضی الله عنه (حدیث: ١٠٦)، مسند احمد(١٠٦/١)، من عدة طرق

کرتے اور رکوع کرنے والے ہیں۔'' (سورۃ مائدہ:۵۵)

علماء کا اجماع اس بات پر منعقد ہو چکا ہے کہ یہ آیت سیدنا علی کے بارے میں نازل ہوئی۔ ثعلبی سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم سے اپنے ان دو کانوں کے ساتھ سنا اور اگر نہ سنا ہو تو یہ بہرے ہو جائیں۔ فرماتے تھے، ''علی نیکیوں کے قائد اور کفار کے قاتل ہیں، جو ان کی مدد کرے گا اس کی مدد کی جائے گی، اور جو ان کو بے یار و مددگار چھوڑے گا تو اسے بے یار و مددگار چھوڑ دیا جائے گا''۔ میں نے ایک دن نبی کریم کے ساتھ ظہر کی نماز ادا کی۔ اتنے میں ایک سائل نے آ کر سوال کیا مگر کسی نے اسے کچھ بھی نہ دیا، اس نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا: ''اے اللہ! تو گواہ رہ کہ میں نے تیرے نبی کی مسجد میں سوال کیا اور مجھے کچھ بھی نہیں دیا گیا۔'' سیدنا علی رکوع کی حالت میں تھے آپ نے حالت رکوع میں اپنی چھوٹی انگلی کی جانب اشارہ کیا۔ سائل نے آگے بڑھ کر آپ کی انگوٹھی اتار لی۔

نبی کریم یہ ماجرا دیکھ رہے تھے، جب فارغ ہوئے تو آسمان کی جانب سر اٹھا کر کہا: اے اللہ! موسیٰ علیہ السلام نے تجھ سے سوال کیا تھا: ﴿وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَھْلِیْ﴾ ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿ سَنَشُدُّ عَضُدَکَ بِاَخِیْکَ﴾ اے اللہ! میں تیرا نبی و برگزیدہ ہوں، اس لیے میرا سینہ کھول دے۔ میرا کام آسان کر دے اور میرے گھر کے ایک آدمی کو میرا وزیر بنا دے''

آپ اپنی گفتگو ختم نہ کر پائے تھے کہ جبرائیل مذکورہ بالا آیت لے کر حاضر ہوئے۔ فقیہ ابن المغازی سیدنا ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ یہ آیت سیدنا علی کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس آیت میں جو ولی کا لفظ مذکور ہے اس سے متصرف مراد ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے جس طرح اپنے اور رسول علیہ السلام کے لیے ولایت فی الامہ کا اثبات کیا ہے، اسی طرح سیدنا علی کے لیے بھی کیا۔'' (شیعہ کا بیان ختم ہوا)

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت سیدنا علی کے بارے میں نازل نہیں ہوئی، اور اس ضمن میں اجماع کا دعویٰ سراسر بے بنیاد اور کذب صریح ہے، بلکہ اجماع اس بات پر منعقد ہوا ہے کہ یہ آیت خاص طور پر سیدنا علی کے بارے میں نازل نہیں ہوئی۔ شیعہ کی بیان کردہ روایت صاف جھوٹ ہے۔

ثعلبی کی تفسیر موضوعات کا طومار ہے، ثعلبی اور اس کا تلمیذ واحدی دونوں ''حاطب لیل (رات کا لکڑ ہارا جو خشک و تر میں تمیز کیے بغیر ہر قسم کی لکڑیاں جمع کرتا ہے) تھے۔ علاوہ ازیں شیعہ مصنف کے ذکر کردہ دلائل سب باطل ہیں اور وہی شخص ان کو تسلیم کر سکتا ہے جو گونگا، بہرہ، صاحب ہویٰ وضلالت ہو اور اللہ تعالیٰ نے اس کے دل کو قبول حق سے اندھا کر دیا ہو۔

یہی وجہ ہے کہ اکثر زنادقہ اسلام میں تشیع کے دروازہ سے داخل ہوئے، اور ان اکاذیب کے بل بوتے پر اسلام کو مطعون کرنا شروع کیا۔ جہلاء ان مکذوبات کی بنا پر شبہات کا شکار ہو گئے۔ فرقہ ہائے اسماعیلیہ ونصیریہ بھی اسی وجہ سے گمراہ ہوئے، انھوں نے تفسیر اور مناقب ومثالب سے متعلق شیعہ کی روایت کردہ اکاذیب پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ چنانچہ انھوں نے سب سے پہلے آل محمد پر اظہار رحم وکرم کا آغاز کیا، پھر صحابہ پر نقد وجرح اور گالی گلوچ کا بیڑا اٹھایا۔ بعد ازاں سیدنا علی کو ہدف ملامت بنایا، کیوں کہ آپ یہ سب باتیں سن کر خاموش رہے تھے، پھر رسول علیہ السلام کو تنقید کا نشانہ بنایا اور بعد ازاں اللہ کی تردید وتکذیب پر اتر آئے۔ جیسا کہ صاحب البلاغ الاکبر نے اس ترتیب پر روشنی ڈالی ہے۔

شیعہ مصنف نے اپنی تائید میں ثعلبی کا حوالہ دیا ہے، ہم کہتے ہیں کہ ثعلبی نے سیدنا ابن عباس کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ یہ آیت ابوبکر کی شان میں نازل ہوئی۔'' نیز ثعلبی نے عبدالملک سے نقل کیا ہے کہ میں نے ابوجعفر باقر سے اس آیت کی تفسیر پوچھی۔ تو انھوں نے فرمایا: ''اس سے سب مومن مراد ہیں۔'' میں نے عرض کیا، بعض لوگ اس سے سیدنا علی مراد لیتے ہیں، یہ سن کر امام باقر نے فرمایا: ''اہل ایمان میں علی بھی شامل ہیں۔'' ضحاک سے بھی یہی مروی ہے۔

علی بن ابی طلحہ سیدنا ابن عباس سے اس آیت کی تفسیر میں نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا:

''سب مومن ومسلم اللہ تعالیٰ کے ولی ہیں۔''

ہم شیعہ کے ادعاء اجماع کو معاف کرتے اور ان سے مطالبہ کرتے ہیں کہ اپنے دعویٰ کے اثبات میں ایک سند صحیح ہی پیش کریں۔ ثعلبی سے ذکر کردہ روایت ضعیف ہے اور اس کے راوی متہم بالکذب ہیں۔ باقی رہا فقیہ ابن المغازی واسطی تو اس کی کتاب اکاذیب کا پلندہ ہے۔ اس حقیت سے ہر وہ شخص آشنا ہے جو علم حدیث سے معمولی سی واقفیت بھی رکھتا ہے۔

اگر آیت کا مطلب یہ قرار دیا جائے کہ حالت رکوع میں بھی زکوۃ ادا کی جا سکتی ہے تو یہ

موالات کی شرط ٹھہرے گی اور سیدنا علی کے سوا کوئی مسلمان ولی نہیں بن سکے گا۔ بنا بریں حسن و حسین رضی اللہ عنہما بھی امام نہیں ہوں گے، علاوہ ازیں اس آیت میں ﴿یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ﴾ جمع کا صیغہ ہے۔ لہٰذا فرد واحد اس کا مصداق نہیں ہوسکتا۔ علاوہ ازیں تعریف کسی اچھے کام پر کی جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ نماز میں یہ کام کرنا فعل محمود نہیں ہے، اگر یہ اچھا کام ہوتا تو نبی کریم بھی ایسا کرتے اور اس کی ترغیب دیتے۔ نیز سیدنا علی رضی اللہ عنہ بار بار یہ فعل سرانجام دیتے۔ ظاہر ہے کہ نماز میں ایک طرح کا انہماک ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ فعل نماز کے منافی ہے پھر یہ کہنا کس حد تک درست ہے کہ ولی وہی شخص ہوگا جو حالت رکوع میں سجدہ کرے۔ علاوہ ازیں ﴿وَ یُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ﴾ کے الفاظ وجود زکوٰۃ پر دلالت کرتے ہیں، حالانکہ عہد رسالت میں سیدنا علی تنگ دست تھے اور زکوٰۃ ان پر فرض نہ تھی۔ چاندی کی زکوٰۃ اس شخص پر فرض ہوتی ہے جو نصاب کا مالک ہو اور اس پر ایک سال گزر جائے، مگر سیدنا علی صاحب نصاب نہ تھے، مزید براں اکثر علماء کے نزدیک زکوٰۃ میں انگوٹھی کا دینا کافی نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ شیعہ مصنف کی ذکر کردہ آیت مندرجہ ذیل آیات کی مانند ہے اور ان میں کوئی فرق نہیں پایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

۱۔ ﴿وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَارْکَعُوْا مَعَ الرّٰکِعِیْنَ﴾

(البقرۃ: ۲/ ۴۳)

۲۔ ﴿اُقْنُتِیْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِیْ وَارْکَعِیْ مَعَ الرّٰکِعِیْنَ﴾ (آل عمران: ۳/۴۳)

متنازعہ آیت کی صحیح تفسیر:

مفسرین کے ہاں یہ بات عام طور سے معروف ہے کہ زیر نظر آیت موالات کفار سے روکنے اور اہل اسلام کے ساتھ دوستانہ مراسم استوار کرنے کے سلسلہ میں نازل ہوئی۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سیاق کلام بھی اسی پر دلالت کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

”اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو دوست مت بناؤ۔ تم میں سے جو شخص ان سے دوستی لگائے گا وہ انہی میں سے ہوگا بے شک اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔“

(المائدہ ۵/ ۵۱-۵۲)

اس آیت میں یہود و نصاریٰ کے ساتھ دوستانہ مراسم قائم کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ اس کے

بعد فرمایا:

''جن لوگوں کے دلوں میں کھوٹ ہے آپ دیکھتے ہیں کہ وہ بھاگ بھاگ کران (یہود ونصاریٰ) کی طرف جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں (ان کے ساتھ دوستی نہ لگانے کی صورت میں) کسی مصیبت میں گرفتار ہوجانے کا اندیشہ ہے۔ اللہ تعالیٰ عنقریب ہی کسی فتح یا کسی اور بات کی بشارت سنائے گا، جس سے وہ ان باتوں پر نادم ہوں گے، جو انھوں نے اپنے جی میں پوشیدہ رکھی تھیں۔''

اس کے بعد فرمایا: ﴿اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ﴾ اس سے معلوم ہوا کہ یہ مومنین کا عام وصف ہے۔ مگر سیدنا ابوبکر وعلی اور سابقین اوّلین صحابہ ان میں بالاولیٰ داخل ہیں۔ جو شخص حدیث نبوی میں غور وفکر کرے گا اس پر شیعہ مصنف کی دروغ گوئی واضح ہوگی اور اگر شیعہ کی ذکر کردہ تفسیر صحیح ہوتی تو جن لوگوں نے سیدنا علی کا ساتھ چھوڑا تھا اور ان کی مدد کا حق ادا نہیں کیا تھا وہ ذلیل وخوار ہوجاتے حالانکہ ایسا نہیں ہوا۔ بلکہ وہ مظفر ومنصور ہوئے اور انھوں نے بلاد فارس وروم اور قبط کو فتح کیا۔ شیعہ کا دعویٰ ہے کہ شہادت عثمان تک سب امت نے سیدنا علی کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔

یہ تاریخ کی مسلمہ حقیقت ہے کہ امت مسلمہ سیدنا عثمان کی شہادت تک ہر میدان میں کامیاب و کامران رہی، ایسا غلبہ بعد میں کبھی حاصل نہیں ہوا۔ سیدنا عثمان کی شہادت کے بعد امت کا شیرازہ بکھر گیا۔ ایک گروہ سیدنا علی کا معاون تھا اور دوسرا مخالف۔ تیسرا گروہ غیر جانبدار تھا۔

بقول شیعہ اہل اسلام سیدنا علی سے بغض رکھتے ہیں:

یہ ایک بدیہی بات ہے کہ لوگوں کا نبی کریم پر ایمان اور آپ کی اطاعت شعاری سیدنا علی کی وجہ سے نہ تھی۔ بخلاف ازیں بنی اسرائیل ہارون علیہ السلام کو بے حد چاہتے تھے اور موسیٰ علیہ السلام سے خائف و ہراساں رہتے تھے، ہارون سیدنا موسیٰ سے الفت ومحبت کا سلوک روا رکھتے تھے۔ روافض کا دعویٰ ہے کہ اہل اسلام سیدنا علی سے بغض رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے سیدنا علی کی بیعت نہ کی اور ان کے بارے میں جو نص تھی اس کو پوشیدہ رکھا۔ پھر یہ کہنا کیوں کر درست ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا علی کے اسی طرح محتاج تھے۔ جس طرح موسیٰ ہارون کے؟ سیدنا ابوبکر کو لیجیے ان کے دستِ حق پرست پر پانچ ایسے صحابہ نے بیعت کی تھی جو عشرہ مبشرہ میں شمار کیے جاتے ہیں، وہ یہ صحابہ تھے:

عثمان، طلحہ، سعد، عبدالرحمٰن بن عوف، ابوعبیدہ (رضی اللہ عنہم)

مگر ہمیں نہیں معلوم کہ سابقین اوّلین صحابہ میں سے کسی نے بھی سیدنا علی کے ہاتھ پر بیعت کی ہو۔ سیدنا مصعب بن عمیر سابقین صحابہ میں شامل ہیں، ان کے ہاتھ پر سیدنا اُسید بن حضیر اور سعد بن معاذ نے بیعت کی تھی۔

اللہ تعالیٰ موالات کے بارے میں فرماتے ہیں:

﴿فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰهُ وَ جِبْرِيْلُ وَ صَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾(التحریم:٦٦/٤)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو بھی صالح مومن ہو اللہ تعالیٰ، رسول علیہ السلام اور جبریل امین سب اس کے مولیٰ ہیں اور وہ ان کا مولیٰ ہے۔ مولا ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ نبی کریم کا متولی و متصرف ہوگا۔ جیسے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ﴾(التوبة:٩/٧١)

مومن مرد اور عورتیں باہم ایک دوسرے کے مولیٰ ہیں۔"

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر مومن و متقی اللہ کا ولی ہے۔ اور اللہ اس کا ولی (دوست) ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾(البقرة:٢/٢٤٧)

"اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا دوست ہے۔"

نیز فرمایا:

﴿اَلَا اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ﴾(یونس:١٠/٦٢)

"اللہ کے دوستوں پر کوئی خوف نہیں ہے۔"

مذکورہ صدر آیات میں یہ کہیں بھی مذکور نہیں کہ جو کسی کا ولی ہوگا وہ اس کا متولی بھی ہوگا، وِلایت اور وَلایت کا فرق علماء میں عام طور پر معروف ہے۔ چنانچہ امیر کو والی کہتے ہیں اور ولی نہیں کہتے۔ فقہاء نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے کہ جب والی اور ولی دونوں جنازہ میں موجود ہوں تو جنازہ کون پڑھائے، اس سے معلوم ہوا کہ موالات معادات کی ضد ہے۔

امامِ علی کے اثبات میں دوسری دلیل:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

"امامت علی (بلافصل) کی دوسری دلیل یہ آیت قرآنی ہے:

﴿يَاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ﴾ (المائدة: ٥/ ٦٧)

’’اے رسول! جو کچھ آپ کی طرف اتارا گیا ہے وہ پہنچا دیجیے۔‘‘

بالاتفاق یہ آیت کریمہ سیدنا علی کے بارے میں نازل ہوئی۔ ابونعیم سنداً بیان کرتے ہیں کہ یہ ’’آیت سیدنا علی کے بارے میں اتری۔‘‘ تفسیر ثعلبی میں ہے:

’’یہ آیت سیدنا علی کے بارے میں نازل ہوئی۔‘‘ اس کے نزول کے بعد نبی کریم نے سیدنا علی کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا:

’’مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ‘‘

ظاہر ہے کہ نبی ﷺ سیدنا ابوبکر و عمر کے اجماعاً مولیٰ تھے، بنا بریں سیدنا علی ان کے بھی مولیٰ ہوں گے۔ لہٰذا وہی امام برحق ہوں گے۔

تفسیر ثعلبی میں ہے۔

’’سرور کائنات ﷺ نے غدیر خُم کے روز صحابہ کو پکارا جب سب جمع ہو گئے تو آپ نے سیدنا علی کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا:

’’مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ‘‘

چنانچہ یہ بات جنگل کی آگ کی طرح مشہور ہوگئی، جب حارث بن نعمان فہری نے آپ کا یہ ارشاد مبارک سنا تو مدینہ پہنچا۔ اپنا اونٹ وادی میں بٹھایا اور بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا۔ آپ چند صحابہ سمیت تشریف فرما تھے۔ اس نے کہا:

’’اے محمد! آپ نے ہمیں دو شہادتوں، نماز، روزہ حج اور زکوٰۃ کا حکم دیا تھا، وہ ہم نے قبول کر لیا اب آپ نے اپنے چچا زاد بھائی علی کا سر اونچا کر دیا اور اس کو ہم پر فوقیت بخشی ہے، کیا آپ اللہ کے حکم سے یہ بات کہہ رہے ہیں؟

نبی کریم ﷺ نے یہ سن کر فرمایا: اللہ کی قسم! یہ اللہ کا حکم ہے۔‘‘ چنانچہ حارث یہ کہتے ہوئے رخصت ہو گیا کہ:

’’اگر یہ بات من جانب اللہ ہے تو ہم پر پتھروں کی بارش برسا یا ہمیں دردناک عذاب میں مبتلا کر۔‘‘

ابھی وہ منزل مقصود پر نہیں پہنچا تھا کہ ایک پتھر اس کے سر پر گرا اور دُبر سے نکل گیا جس

سے اس کی موت واقع ہوگئی۔ تب یہ آیت اتری:﴿سَاَلَ سَائِلٌ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ﴾
نقاش نے بھی اپنی تفسیر میں یہ روایت بیان کی ہے۔ (شیعہ مصنف کا بیان ختم ہوا)

ہم کہتے ہیں کہ یہ دلیل پہلی دلیل سے بھی زیادہ جھوٹی ہے۔ رافضی کا یہ قول کہ یہ آیت بالاتفاق سیدنا علی کے بارے میں نازل ہوئی۔'' صریح کذب ہے بلکہ یہ بات کسی عالم نے بھی نہیں کہی۔ باقی رہیں ابونعیم، ثعلبی اور نقاش کی تصانیف تو ان میں لاتعداد جھوٹی روایات موجود ہیں۔ احادیث و روایات کے بارے میں ان علماء پر اعتماد کیا جائے گا جو حدیث رسول اللہ کے امین ہیں۔ جس طرح نحوی مسائل میں علمائے نحو کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اور قراءت، لغت اور طب کے مسائل میں ان علماء کی طرف رخ کیا جاتا ہے جو ان علوم میں ماہرانہ بصیرت رکھتے ہیں اس لیے کہ ''لِکُلِّ فَنٍّ رِجَالٌ''

محدثین کرام سب لوگوں کی نسبت حق وصداقت کے زیادہ طلب گار تھے، جیسا کہ علم حدیث سے واقفیت رکھنے والے حضرات کلیۃً اس سے آگاہ ہیں۔ چنانچہ جس روایت کو وہ بالاتفاق ضعیف یا لغو قرار دیں وہ ساقط عن الاحتجاج ہوگئی اور جس کی صحت پر متفق ہوں وہ صحیح ہوگی اور جس میں وہ مختلف الخیال ہوں اس میں عدل و انصاف کے تقاضا کے مطابق غور و فکر کیا جائے گا۔ محدثین کرام علم حدیث کا معیار و مدار ہیں۔ شہرۂ آفاق محدثین حضرات کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں۔

محدثین کرام اور ان کی خدمات جلیلہ:

امام مالک، شعبہ، اوزاعی، لیث، سفیان بن عیینہ، سفیان ثوری، ذوالنون، حماد، ابن مبارک، یحییٰ قطان، عبدالرحمٰن بن مہدی، وکیع، ابن علیہ، شافعی، عبدالرزاق، فریابی، ابونعیم، قعنبی، حمیدی، ابو عبید، ابن المدینی، احمد، اسحاق، ابن معین، ابوبکر بن ابی شیبہ، ذہلی، بخاری، ابوزرعہ، ابوحاتم، ابوداود، مسلم، موسیٰ بن ہارون، صالح جزرہ، نسائی، ابن خزیمہ، ابواحمد بن عدی۔ ابن حبان، دارقطنی اور دیگر محدثین و ماہرین علم الرجال و جرح و تعدیل (رحمۃ اللہ علیہم)

معرفت رجال کے موضوع پر متعدد کتب تصنیف کی گئی ہیں۔ چند ایک کتب کے نام حسب ذیل ہیں۔

طبقات ابن سعد، تاریخ صغیر بخاری، تاریخ کبیر بخاری، کلام ابن معین، کلام احمد بروایت تلامذہ، کتاب یحییٰ بن سعید القطان، کتاب علی بن مدینی، تاریخ یعقوب الفسوی، ابن ابی خیثمہ، ابن ابی حاتم، عقیلی، ابن عدی، ابن حبان، دارقطنی، مسند طبرانی، مسند احمد، مسند اسحاق، مسند ابوداود، مسند ابن ابی شیبہ، مسند العدنی، مسند ابن منیع، مسند ابویعلی، مسند بزار۔

مندرجہ ذیل کتب حدیث فقہی ابواب کی ترتیب کے مطابق جمع کی گئی ہیں:
موطا، سنن سعید بن منصور، صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ترمذی، سنن نسائی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ اور دیگر لاتعداد کتب حدیث جن کا ذکر طوالت کا موجب ہے۔

خلاصہ کلام! فرقہ ہائے اسلامیہ میں روافض سے بڑھ کر کوئی فرقہ احادیث و آثار سے اس قدر نابلد ہے نہ باطل کو اتنی تیزی سے قبول کرنے والا ہے اور نہ احادیث صحیحہ کو اس حد تک ٹھکراتا ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ خوارج و معتزلہ جو روافض کا توڑ ہیں صدق کے طلب گار رہتے ہیں۔ اور جھوٹی روایات سے احتجاج نہیں کرتے۔ اس پر طرہ یہ کہ وہ صحیح روایات سے بھی استناد نہیں کرتے۔ انھوں نے ازخود کچھ قواعد گھڑ رکھے ہیں اور وہ انہی کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ روافض کا یہ عالم ہے کہ عقل و نقل دونوں سے تہی دامن ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ احادیث و آثار اور اسانید کی پہچان اہل سنت والجماعت کا خاصہ بن کر رہ گیا ہے۔ روافض کے نزدیک کسی حدیث کی صحت کی علامت یہ ہے کہ وہ اس کے افکار و معتقدات سے ہم آہنگ ہو، امام عبدالرحمٰن بن مہدی فرماتے ہیں:

> ''اہل علم موافق و مخالف سب احادیث لکھتے ہیں، مگر مبتدعین وہی روایات لکھتے ہیں جن سے ان کے نظریات کی تائید ہوتی ہو۔''

ہم شیعہ سے پوچھتے ہیں کہ آیا تم نقاش و ثعلبی و ابونعیم کی مرویات ہر حال میں قبول کرتے ہو، مخالف یا موافق ہوں یا مطلقاً ان کو ٹھکرا دیتے ہوں یا موافق روایات کو قبول کرتے اور مخالف کی تکذیب کرتے ہو؟ اگر ہر حال میں ان کی روایات تمہارے نزدیک قابل قبول ہیں تو ان میں فضائل شیخین کی صحیح و ضعیف روایات بھی موجود ہیں اور اگر موافق و مخالف کسی قسم کی روایات بھی تمہارے نزدیک قابل احتجاج نہیں ہیں تو تمہارا دعویٰ ان منقولات کے بارے میں باطل ٹھہرا۔ اور اگر موافق روایات کو قبول کرتے ہو تو تمہارے مخالف کو یہ حق حاصل ہے کہ تمہاری مقبول روایات کو مسترد کر دے اور تمہاری رد کردہ روایات سے استناد کرے۔ لوگوں میں یہ بات عام طور سے رائج ہے کہ وہ مناقب و مثالب کے بارے میں ہر قسم کی روایات کو قبول کر لیتے ہیں۔

بے بنیاد روایات:

ہم کہتے ہیں کہ یہ روایت باتفاق محدثین جھوٹی ہے اور حدیث کی کسی قابل اعتماد کتاب میں مندرج نہیں۔ اس حدیث کی صحت کا دعویٰ وہی شخص کرتا ہے جو اس حد تک جھوٹا ہے کہ نبی کریم ﷺ

کو مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک کا پیرو خیال کرتا ہے اور اس بات کا دعویٰ دار ہے کہ امام ابوحنیفہ اور دیگر ائمہ نبی کریم ﷺ سے پہلے پیدا ہوئے ہیں۔ یا جس طرح ترکوں کا ایک گروہ کہتا ہے کہ سید الشہداء سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ نے بہت سی لڑائیاں لڑی تھیں اور وہ ان لڑائیوں کا ذکر بھی کرتے ہیں، حالانکہ سیدنا حمزہ نے بدر میں شرکت کی تھی اور غزوہ احد میں شہادت سے مشرف ہوئے۔ یا جس طرح بہت سے عوام یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ سیدنا ابی بن کعب اور سیدہ ام سلمہ دمشق میں مدفون ہیں۔ یا عوام کا یہ نظریہ کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جامع دمشق کے باب القبہ میں احادیث روایت کیا کرتی تھیں۔ اسی طرح یہ افواہ بھی بے بنیاد ہے کہ سیدنا علی نجف میں مدفون ہیں، حالانکہ اہل علم سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں کہ سیدنا علی و معاویہ اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم کو قصر الامارت میں دفن کیا گیا تھا کیوں کہ اس بات کا خطرہ دامن گیر تھا کہ خوارج ان کی قبریں نہ کھود ڈالیں۔ [1]

---

[1] کوفہ کا قصر الامارت جس میں سیدنا علی مدفون ہیں جامع کوفہ سے جانب قبلہ واقع ہے۔ مشہور شیعہ مورخ لوط بن یحییٰ کہتا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ جامع کوفہ کے ایک کونہ اور قصر الامارت کے صحن میں ابواب کندہ کے قریب دفن کیے گئے تھے۔ شیعہ نے تیسری صدی ہجری میں سیدنا علی اور سیدنا حسن و حسین رضی اللہ عنہم کے ایک مدت بعد یہ دعویٰ کیا کہ آپ نجف میں مدفون ہیں، حقیقت شناس لوگوں کا قول ہے کہ نجف میں جو قبر سیدنا علی کی جانب منسوب ہے دراصل وہ سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی قبر ہے۔

دمشق کا قصر الامارت جہاں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ مدفون ہیں اس کو الخضراء کہتے ہیں، یہ مسجد دمشق کی اس دیوار سے متصل ہے جو جانب قبلہ واقع ہے، اس کی مشرقی جانب جیرون نامی حوض ہے۔ مغرب میں باب البرید اور جنوب میں قصر اسعد پاشا واقع ہے۔

دمشق کے معمر لوگ اپنے آباؤ اجداد سے نقل کرتے ہیں کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اس دیوار کے نیچے مدفون ہیں جو جامع دمشق اور الدار الخضراء کے درمیان واقع ہے دولت عباسیہ کے عہد اقبال میں متقدمین نے جامع دمشق کی قبلہ والی دیوار پر سیدنا معاویہ کی قبر کے نزدیک ایک کتبہ لگا دیا تھا جس پر لکھا تھا:

''یہ اللہ کے نبی ہود علیہ السلام کی قبر ہے۔''

اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ حاسد لوگ آپ کی قبر نہ کھود ڈالیں۔

الدار الخضراء میں ایک اور قبر بھی تھی جو آج کل ''البزوریہ'' نامی بازار میں واقع ہے۔ غالباً یہ معاویہ بن یزید بن معاویہ کی قبر ہے۔

اس بات پر علماء کا اتفاق ہے کہ ''غدیر خُم'' پر نبی کریم نے جو الفاظ کہے وہ حجۃ الوداع سے واپسی کے وقت کہے تھے، اس کی دلیل شیعہ کا یہ عمل ہے کہ وہ بارہ ذی الحجہ کو عید مناتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ نبی کریم حجۃ الوداع کے بعد پھر کبھی مکہ تشریف نہ لائے۔ کہیں باہر جانے کی ضرورت نہیں اس حدیث کے اندر ایسے شواہد موجود ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ من گھڑت حدیث ہے۔ مثلاً یہ الفاظ کہ آپ مکہ میں تشریف فرما تھے کہ ''حارث آپ کے پاس آیا۔'' نیز یہ بات کہ پھر ﴿ سَأَلَ سَائِلٌ ﴾ والی آیت نازل ہوئی۔ حالانکہ یہ آیت ہجرت سے پہلے مکہ میں نازل ہوئی تھی۔ علاوہ ازیں یہ آیت ﴿اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقُّ﴾ بالاتفاق غزوہ بدر کے بعد نازل ہوئی تھی۔ مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ آیت مشرکین مکہ مثلاً ابوجہل کے اقوال کی وجہ سے نازل ہوئی تھی۔ اس کے باوجود ان پر پتھر نہیں برسائے گئے تھے اگر یہ واقعہ درست ہوتا کہ پتھر حارث کے سر پر گرا اور دبر کے راستہ نکل گیا تو اصحاب الفیل کے واقعہ کی طرح یہ عظیم معجزہ تھا اور ہر کس و ناکس اس کو جانتے ہوتے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

امامت علی کی تیسری دلیل:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''امام علی کی تیسری دلیل یہ آیت ہے: ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ﴾

ابونعیم ابوسعید سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے لوگوں کو غدیر خُم پر بلایا۔ ہمیں کانٹے اور جھاڑیاں ہٹانے کا حکم دیا۔ پھر آپ نے کھڑے ہو کر سیدنا علی کے دونوں بازو تھام لیے اور انھیں بلند کیا، یہاں تک کہ لوگوں کو نبی کریم کی بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگی۔ ابھی لوگ جدا نہیں ہو پائے تھے کہ یہ آیت اتری: ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ﴾ نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ کا شکر ہے کہ اس نے

سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے عید الفطر ۴۳ھ میں وفات پائی آپ کے بیٹے عبداللہ نے نماز جنازہ پڑھائی، مجھے تادم تحریر اس بات کی کوئی دلیل معلوم نہیں ہوسکی کہ آپ دارالامارۃ میں مدفون ہیں۔ مشہور یہ ہے کہ آپ وادی المعظم میں گھاٹی کے دروازہ کے نزدیک مدفون ہیں، صحابہ کا نقطہ نظر یہ تھا کہ آدمی اعمال سے زندہ جاوید ہوتا ہے، پکی قبر سے نہیں، یہی وجہ ہے کہ فراعنہ و جبابرہ کی طرح وہ اس بات کو پسند نہیں کرتے تھے کہ صلحاء اور نامور فاتحین صحابہ کی قبروں پر مقبرے بنائے جائیں اور ان پر عالی شان عمارتیں تعمیر کی جائیں۔

دین کو تکمیل بخشی اور میری رسالت اور علی کی ولایت پر رضا مندی کا اظہار کیا، پھر آپ نے فرمایا:''مَنْ کُنتُ مَوْلَاهُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاهُ'' اے اللہ جو علی سے دوستی رکھے تو بھی اس سے دوستی رکھ۔ جو اس کی مدد کرے تو بھی اس کی مدد کر اور جو اس کی نصرت و تائید سے ہاتھ کھینچ لے تو اس کی مدد نہ کر۔''

ہم کہتے ہیں موضوعات کے علماء کے نزدیک یہ حدیث بالاتفاق جھوٹی ہے۔ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ یہ آیت غدیر خم کے واقعہ سے سات روز پہلے اس وقت نازل ہوئی جب نبی کریم عرفات میں قیام پذیر تھے۔ [1] اس میں سیدنا علی کی امامت کی طرف کوئی اشارہ بھی نہیں پایا جاتا۔ نظر بریں شیعہ کا یہ دعویٰ کہ قرآنی دلائل سے امامت علی کا ثبوت ملتا ہے صاف جھوٹ ہے۔ البتہ صحیح احادیث سے انھیں اس بات کا ثبوت پیش کرنا چاہیے۔

امامت علی کی چوتھی دلیل:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''امامت علی کی چوتھی دلیل یہ آیت ہے:﴿وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰی﴾

فقیہ ابن مغازلی شافعی سیدنا ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ میں بنی ہاشم کی ایک جماعت کے ساتھ بارگاہ نبوی میں بیٹھا تھا کہ اتنے میں آسمان کا ایک ستارہ ٹوٹا، نبی کریم نے فرمایا: جس کے گھر میں یہ ستارہ ٹوٹا وہ میرے بعد میرا وصی ہو گیا۔ معلوم ہوا کہ وہ ستارہ سیدنا علی کے گھر پر ٹوٹا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا:'' آپ سیدنا علی کی محبت میں سیدھی راہ سے بھٹک گئے ہیں:'' تب یہ آیت اتری:﴿وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰی﴾

ہم کہتے ہیں یہ کھلا ہوا جھوٹ ہے اور بلا علم و معرفت اللہ کے بارے میں کوئی بات کہنا حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ﴾(الاسراء:۱۷/۳۶)

''جس بات کا تجھے علم نہیں وہ بیان نہ کر۔''

جو شخص حدیث نبوی سے استدلال کرنا چاہے اس پر لازم ہے کہ احتجاج کرنے سے قبل اس کی صحت معلوم کرلے، اور جب اس سے کسی دوسرے کے خلاف احتجاج کرے تو ساتھ ہی اس کی صحت

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الإیمان، باب زیادة الایمان و نقصانه،(حدیث:٤٥)، صحیح مسلم۔ کتاب التفسیر۔ باب فی تفسیر آیات متفرقة(حدیث:۳۰۱۷)

بھی بیان کر دے، جب یہ بات معلوم ہے کہ کتابوں میں جھوٹی روایات بھی پائی جاتی ہیں تو ان کے مندرجات پر اعتماد کرنا اسی طرح ہے جیسے فاسق کی شہادت سے استدلال کرنا جو سچ بھی بولتا ہو اور جھوٹ بھی۔

علاوہ ازیں محدث ابن الجوزی نے اس حدیث کو بالفاظ دیگر موضوعات میں شمار کیا ہے۔ ابن الجوزی نے یہ حدیث بروایت محمد بن مروان ذکر کی ہے، اس نے کلبی سے، اس نے ابوصالح سے، اس نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سنا کہ جب نبی کریم کو ساتویں آسمان کی سیر کرائی گئی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت سے عجائبات دکھائے تو علی الصبح آپ نے وہ واقعات بیان کر دیے۔ اہل مکہ نے آپ کی تکذیب کی، اسی دوران آسمان سے ایک ستارہ ٹوٹا۔ نبی کریم نے فرمایا جس کے گھر میں یہ ستارہ گرے گا وہ میرے بعد میرا خلیفہ ہوگا؟ چنانچہ وہ ستارہ حضرت علی کے گھر میں گرا، اہل مکہ کہنے لگے محمد گمراہ ہو گئے اپنے اہل بیت کی محبت میں گمراہ ہو گئے اور اپنے چچا زاد بھائی کی طرف جھک گئے۔ تب یہ آیت اتری۔ ﴿وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰی﴾

محدث ابن الجوزی فرماتے ہیں، یہ حدیث موضوع ہے، اس کا واضع کتنا برا آدمی ہے اور اس نے کس قدر بعید از عقل بات بیان کی ہے۔ اس کی سند میں اندھیرا ہی اندھیرا (کذاب راوی) ہے۔ مثلاً ابوصالح نیز کلبی اور محمد بن مروان سدّی، کلبی متہم بالکذب ہے ابوحاتم بن حبان لکھتے ہیں۔

''کلبی ان لوگوں میں سے تھا جو کہتے ہیں کہ سیدنا علی فوت نہیں ہوئے اور وہ لوٹ کر دنیا میں آئیں گے۔ جب بادل کو دیکھتا تو کہتا اس میں سیدنا علی ہیں۔ اس کی روایت سے احتجاج کرنا حلال نہیں ہے۔ حیرانی کی بات ہے اس حدیث کو وضع کرنے والے نے یہ بھی نہ سوچا کہ یہ عقل کے منافی ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ستارہ کسی جگہ گرے اور وہ اتنی دیر وہاں موجود رہے کہ دوسرا شخص اسے دیکھ سکے، اس کی حماقت کا اندازہ لگائیے کہ اس نے اس روایت کو سیدنا ابن عباس کی طرف منسوب کیا ہے، حالانکہ ابن عباس کی عمر اس وقت دو سال تھی۔ پھر ابن عباس اس واقعہ کے شاہد کیسے ہو سکتے تھے؟''

محدث ذہبی فرماتے ہیں: ''میں کہتا ہوں چونکہ یہ روایت کلبی کی معروف تفسیر میں نہیں ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ حدیث اس کے بعد وضع کی گئی ہے۔ اقرب الی الصحت یہی بات ہے۔

ابوالفرج ابن الجوزی فرماتے ہیں:

''بعض لوگوں نے اس حدیث کے الفاظ چرا لیے، اس کی اسناد تبدیل کردی اور ایک غریب سند کے ساتھ اسے روایت کیا ہے۔''

مزید براں ستارہ ٹوٹنے کا واقعہ صحیح نہیں۔ مکہ و مدینہ بلکہ کسی جگہ بھی یہ واقعہ پیش نہیں آیا۔ جب نبی کریم ﷺ مبعوث ہوئے تھے، اس وقت بکثرت انگارے آسمان سے پھینکے جایا کرتے تھے بایں ہمہ ایسی من گھڑت روایت بیان کرنا بڑے ڈھیٹ اور بے حیا آدمی کا کام ہے۔ علاوہ ازیں اگر یہ واقعہ پیش آچکا تھا، تو غدیر خُم کے موقع پر وصیت کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

امامت علی کی پانچویں دلیل:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''پانچویں دلیل قرآن کریم کی یہ آیت ہے:

﴿اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ﴾

امام احمد نے اپنی مسند میں واثلہ بن اسقع سے روایت کیا ہے کہ میں نے سیدنا علی کو ان کے گھر میں تلاش کیا۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ وہ نبی کریم کی طرف گئے ہیں۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ اور سیدنا علی دونوں آئے۔ سیدہ فاطمہ بھی وہاں پہنچ گئیں، آپ نے علی کو بائیں جانب اور فاطمہ کو دائیں طرف اور حسن وحسین کو اپنے سامنے بٹھایا پھر ان پر اپنی چادر تان لی اور فرمایا: ﴿ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ﴾ اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں۔ ام سلمہ کا قول ہے کہ نبی کریم اس وقت میرے گھر میں تشریف فرما تھے۔ اس روایت کے آخر میں ہے: ''اِنَّکِ عَلٰی خَیْرٍ''

مذکورہ صدر آیت میں ﴿اِنَّمَا﴾ کا لفظ بتاکید اہل بیت کی عصمت پر دلالت کرتا ہے، مزید براں خبر پر ''لام'' داخل کیا گیا ہے اس سے بھی تاکید کا مفہوم نکل رہا ہے، اس آیت سے مستفاد ہوا کہ اہل بیت کے سوا کوئی بھی معصوم نہیں۔ لہٰذا امام صرف سیدنا علی ہوں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے متعدد اقوال میں اس کا دعویٰ کیا ہے، جیسے آپ کا یہ قول:

''ابن ابی قحافہ نے یہ لباس اوڑھا (منصب خلافت پر فائز ہوئے) حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ مجھے وہی مرتبہ حاصل ہے جو ایک چکی میں درمیانی سیخ کو حاصل ہوتا ہے۔'' علاوہ

ازیں آپ سے نجاست کی نفی بھی کردی گئی ہے، لہٰذا سیدنا علی ہی خلیفہ صادق ہوں گے۔''

آیت تطہیر سے شیعہ کا استدلال:

ہم کہتے ہیں یہ حدیث صحیح ہے، امام مسلم نے یہ روایت سیدہ عائشہ سے نقل کی ہے ❶ اور سنن میں سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ ❷ مگر اس میں عصمت و امامت کا کوئی ذکر نہیں پایا جاتا۔ سورۂ احزاب کی آیت:۳۳ ﴿اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ﴾ سورۂ المائدہ کی آیت:٦ ﴿ مَا یُرِیْدُ اللّٰهُ﴾ کی مانند ہے۔ مندرجہ ذیل آیات بھی اسی قبیل سے ہیں:

۱۔ ﴿یُرِیْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْیُسْرَ﴾ (البقرۃ:۲/۱۸۵)

۲۔ ﴿یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُبَیِّنَ لَكُمْ﴾ (النساء:۴/۲٦)

۳۔ ﴿وَاللّٰهُ یُرِیْدُ اَنْ یَّتُوْبَ عَلَیْكُمْ﴾ (النساء:۴/۲۷)

ان آیات میں ارادہ سے مراد محبت و رضا ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ اس نے یہ بات مقدر کردی ہے یا اسے ایجاد کر دیا ہے۔

اس آیت کے نزول کے بعد نبی کریم نے فرمایا: ''اے اللہ یہ میرے گھر والے ہیں تو ان سے نجاست کو دور کر دے۔'' ❸

نبی کریم نے اللہ تعالیٰ کے دربار میں یہ التجا کی ہے۔ اگر آیت کا مطلب ہوتا کہ اہل بیت کو پاک کیا جا چکا ہے تو دعا کی حاجت نہ تھی۔ فرقہ قدریہ (منکرین تقدیر) کے قول کے مطابق یہ بات اور بھی واضح ہے، اس لیے کہ قدریہ کے نزدیک اللہ کے ارادہ کے لیے وجود مراد ضروری نہیں۔ بلکہ بعض اوقات وہ ارادہ کرتا ہے اور وہ چیز وقوع میں نہیں آتی اور بعض دفعہ وہ چیز ظہور پذیر ہوتی ہے جس کا وہ ارادہ نہیں کرتا۔ کیا شیعہ اپنا قانون فاسد بھی بھول گئے؟

---

❶ صحیح مسلم۔ کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل اھل بیت النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم(حدیث:۲٤۲٤)

❷ سنن ترمذی۔ کتاب المناقب۔ باب ما جاء فی فضل فاطمة رضی الله عنها (حدیث: ۳۸۷۱)

❸ سنن ترمذی ، حواله سابق

اہل سنت کی رائے میں ارادہ کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ ارادہ شرعیہ جو اللہ تعالیٰ کی محبت و رضا کو متضمن ہے جیسا کہ مذکورہ صدر آیات ہیں:

۲۔ ارادہ کونیہ یہ اللہ تعالیٰ کی خلق و تقدیر کو شامل ہے۔

ارادہ کونیہ کی مثال یہ آیت ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ﴾ (ھود:۱۱/۳۴)

نیز فرمایا:

﴿فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ﴾ (الانعام:۶/۱۲۵)

حقیقت یہ ہے کہ زیر نظر آیت کے آغاز میں ازواج النبی ﷺ کا ذکر کیا گیا ہے اور آخر میں بھی انہی کا ذکر ہے۔ بنا بریں یہ خطاب ازواج سے ہے۔ نجاست دور کرنے کا ارادہ اور تطہیر اہل بیت صرف ازواج ہی کے ساتھ مختص نہیں بلکہ سب اہل بیت اس میں شامل ہیں۔ بلاشبہ سیدنا علی و فاطمہ و حسن و حسین رضی اللہ عنہم باقی اہل بیت کی نسبت اخص ہیں یہی وجہ ہے کہ دعا میں خصوصیت ہے، ان کا ذکر کیا۔ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان کو یہ دعا سکھائی:

" اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِهٖ وَ ذُرِّيَاتِهٖ"[1]

آیت تطہیر سے شیعہ کا دعویٰ ثابت نہیں ہوتا:

اگر شیعہ کہیں کہ فرض کیجیے قرآن کریم سے اہل بیت کی طہارت اور پاکیزگی ثابت نہیں ہوتی، مگر نبی کریم کی دعا سے معلوم ہوتا ہے کہ فی الواقع ان سے نجاست کا ازالہ کر دیا گیا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارا مقصد یہ بتانا ہے کہ صرف قرآن کریم سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اہل بیت سے نجاست کو دور کر دیا گیا ہے۔ باقی رہی عصمت و امامت تو قرآن میں اس کا کوئی ذکر ہی نہیں پایا جاتا۔

اس پر مزید یہ کہ بالفرض اگر قرآن سے ان کی طہارت ثابت ہو بھی جائے تو عصمت کہاں سے لازم آئے گی؟

---

[1] صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء باب(۱۰)، (حدیث:۳۳۶۹)، صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب الصلاۃ علی النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم بعد التشھد (حدیث: ۴۰۷)

نیز اس کی دلیل کیا ہو گی کہ اہل بیت سے سہو و خطا کا صدور نہیں ہوتا۔ ازواج مطہرات کو جو احکام اس آیت میں دیے گئے ہیں۔ ان سے ہرگز یہ مقصود نہیں کہ ان سے غلطی سرزد نہیں ہو گی۔

آیت کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے خبث و فواحش کو دور کرنا چاہتا ہے، ہم اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہیں کہ ان اکابر سے اللہ تعالیٰ نے شرک و خبائث کو دور کر کے ان کو فواحش و منکرات سے پاک کر دیا تھا۔ مگر متقی کے لیے یہ ضروری نہیں کہ اس سے صغیرہ گناہ بھی صادر نہ ہو۔ اگر متقی کے لیے یہ بات شرط ہوتی تو پوری امت میں ایک بھی متقی نہ ہوتا۔ خلاصہ کلام جو شخص بھی نیک اعمال سے اپنے گناہوں کو زائل کرے وہ متقی ہو گا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيهِمْ بِهَا﴾ (التوبة: ۹/۱۰۳)

''ان کے مالوں سے صدقہ لے کر اس سے ان کو پاک کیجیے اور ان کا تزکیہ فرمائیے۔''

حاصل بحث یہ ہے کہ آیت میں جس تطہیر کا ذکر کیا گیا ہے اور آپ نے جو دعا فرمائی تھی اس سے بالاتفاق اہل بیت کا معصوم ہونا مراد نہیں، جہاں تک اہل سنت کے نقطہ نظر کا تعلق ہے، وہ رسول کے لیے عصمت کا اثبات کرتے ہیں۔ شیعہ نبی کے علاوہ سیدنا علی اور ائمہ کو بھی معصوم قرار دیتے ہیں۔ بنا بریں نبی کریم ﷺ کی ازواج و بنات عصمت کے حکم میں داخل نہ ہوں گی۔ جب یہ بات ہے تو جن چار اکابر کے حق میں تطہیر کی دعا کی گئی ہے وہ اس عصمت کو شامل نہ ہو گی جو نبی و امام کے ساتھ مخصوص ہے۔ علاوہ ازیں گناہوں سے معصوم ہونے اور تطہیر کی دعا قدریہ کے قاعدہ کے مطابق ممتنع ہے (شیعہ بھی قدریہ یعنی منکرین تقدیر میں داخل ہیں) اس لیے کہ افعال اختیاریہ یعنی واجبات کا فعل اور منکرات کا ترک قدریہ کے نزدیک اللہ کی قدرت میں داخل نہیں ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کو پاکیزہ و طائع بنا سکتا ہے نہ عاصی۔ لہٰذا اس اصل کی بنا پر فعل خیرات اور ترک منکرات کی دعا کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

قدریہ کے نزدیک اللہ کی عطا کردہ قدرت نیک و بد دونوں قسم کے افعال کی صلاحیت رکھتی ہے۔ جس طرح تلوار سے مسلمان کو بھی قتل کر سکتے ہیں اور کافر کو بھی یا مال کو طاعت میں بھی خرچ کر سکتے ہیں اور معصیت کے کاموں میں بھی۔ اسی طرح بندہ اللہ کی عطا کردہ قدرت سے اچھے کام بھی انجام دیتا ہے اور برے بھی۔ شیعہ کی پیش کردہ حدیث ان کے خلاف حجت ہے کیوں کہ اس حدیث

میں آپ نے اہل بیت کے لیے تطہیر کی دعا فرمائی ہے۔ اگر شیعہ کہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل بیت کی مغفرت فرمائے گا اور وہ بروز آخرت ماخوذ نہیں ہوں گے تو اس سے عصمت کے اثبات پر استدلال کرنا بالکل ہی غلط ہوگا۔ شیعہ کے نزدیک گناہوں سے معصوم رہنے کی دعا بھی ممنوع ہے۔ بفرض محال اگر عصمت ثابت بھی ہو جائے تاہم ہمارے نزدیک یہ امامت کے لیے مشروط نہیں ہے۔

شہادت عثمان سے قبل سیدنا علی نے امامت کا دعویٰ نہیں کیا تھا:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''سیدنا علی امامت کے مدعی تھے اور نجاست کا ازالہ بھی ثابت ہو چکا ہے۔ لہٰذا آپ ہی امام صادق ہوں گے۔''

ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ شہادت عثمان تک سیدنا علی نے امامت کا دعویٰ کیا ہو۔ بے شک آپ دل سے امامت کے خواہاں تھے، مگر آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ میں امام یا معصوم ہوں۔ نہ یہ کہ نبی کریم نے اپنے بعد مجھے امام بنایا اور میری اطاعت لوگوں پر واجب ٹھہرائی ہے، اور نہ اس قسم کے دیگر الفاظ ارشاد فرمائے۔ بخلاف ازیں ہم اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہیں کہ جس شخص نے ان سے اس قسم کے الفاظ نقل کیے ہیں وہ کاذب ہے۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ سیدنا علی صحیح معنی میں متقی تھے اور ایسے صریح کذب کا دعویٰ نہیں کر سکتے تھے جس کا کذب ہونا سب صحابہ پر عیاں ہو۔

شیعہ مصنف نے سیدنا علی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ: ''لَقَدْ نَقَمَّصَهَا '' یہ سیدنا علی کا قول نہیں ہے۔ ہم شیعہ سے تقاضا کرتے ہیں کہ اس کی سند پیش کریں، البتہ یہ قول نہج البلاغہ میں موجود ہے۔ اہل علم سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں کہ نہج البلاغہ کے اکثر خطبات خود ساختہ اور جھوٹے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ کسی قدیم کتاب میں مندرج نہیں۔ [1] اور نہ ان کی کوئی سند معروف ہے۔ یہ اسی طرح ہے

---

[1] اس کی حد یہ ہے کہ کتب ادب جن میں سند مذکور نہیں ہوتی ان میں بھی یہ الفاظ مذکور نہیں ہیں۔ مثلاً جاحظ کی ''البیان والتبیین'' میں سیدنا علی کا یہ خطبہ صرف چند سطروں تک محدود ہے، اگر اس خطبہ کا تقابل نہج البلاغہ میں ذکر کردہ خطبہ کے ساتھ کیا جائے تو ہم دیکھتے ہیں کہ نہج البلاغہ میں اس خطبہ کو بہت بڑھا چڑھا کر بیان کیا گیا ہے اور وہ اضافہ کیا گیا ہے جو جاحظ کے زمانہ تک موجود نہ تھا۔ مشہور شیعہ عالم رضی اور ان کے بھائی مرتضٰی نے نہج البلاغہ میں جس جعل سازی سے کام لیا ہے وہ یہ ہے کہ ایک ثابت شدہ

جیسے کوئی شخص کہے کہ میں علوی یا عباسی ہوں، حالانکہ اس کے اسلاف میں سے کسی نے بھی یہ دعویٰ نہ کیا ہو۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دعوی بے بنیاد ہے، اس لیے کہ نسب اپنی اصل کے اعتبار سے جانا پہچانا ہوتا ہے اور اسی طرح وہ اپنی فرع سے مل جاتا ہے۔ نہج البلاغہ کے خطبات میں بعض باتیں ایسی بھی ہیں جن کے خلاف صراحتاً سیدنا علی سے منقول ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بندوں پر یہ ضروری قرار نہیں دیا کہ کسی بات کو بلا دلیل تسلیم کرلیں یہ ''تکلیف مالا یطاق'' ہے۔

ہم سیدنا علی کے ادعاء خلافت کو ان لوگوں کے قول کی بنا پر کیوں کر تسلیم کر سکتے ہیں جو متہم بالکذب تھے؟ فرض کیجیے کہ سیدنا علی نے ایسا کہا تھا تو تم نے یوں کیا کہا۔ کہ سیدنا علی نے امام منصوص ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ ممکن ہے کہ آپ یہ بتانا چاہتے ہوں کہ وہ دوسروں کی نسبت خلافت کے لیے موزوں تر ہیں۔ لہٰذا اس کا یہ مطلب نہ ہوگا کہ آپ نے دانستہ جھوٹ کا ارتکاب کیا، بلکہ یہ بات آپ نے اپنے اجتہاد کی بنا پر کہی ہوگی۔ بہر کیف اگر ان میں سے کوئی بات ثابت ہو بھی جائے تو وہ قرآن سے ماخوذ نہ ہوگی۔ پھر شیعہ مصنف کے قرآنی دلائل کہاں ہیں جن کا وہ ڈھنڈورا پیٹتا ہے؟

امامت علی کی چھٹی دلیل:

شیعہ مصنف لکھتا ہے کہ:

''امامت علی کی چھٹی دلیل قرآن کریم کی یہ آیت ہے: ﴿فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَ یُذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ یُسَبِّحُ لَهٗ فِیْهَا بِالْغُدُوِّ وَ الْاٰصَالِ رِجَالٌ لَّا تُلْهِیْهِمْ تِجَارَةٌ وَّ لَا بَیْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ﴾ (سورۂ نور:۲۴/ ۳۶۔۳۷)

ثعلبی نے سیدنا انس و بریدہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا اے اللہ کے رسول! ﴿فی بیوت﴾ سے کون سے گھر مراد ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''انبیاء کے گھر'' سیدنا ابوبکر نے عرض کیا، کیا سیدنا علی و فاطمہ کا گھر بھی ان میں شامل ہے؟ آپ نے فرمایا۔ یہ ان میں سے افضل ترین

چیز پر بے بنیاد باتوں کا اضافہ کرتے ہیں۔ ''لقد تقمصا'' کا جملہ بھی اسی میں شامل ہے۔

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ نہج البلاغہ میں ذکر کردہ اقوال سیدنا علی کے معروف ارشادات کی نقیض ہوتے ہیں اور ان کی کوئی سند ہوتی ہے نہ دلیل۔ روافض کی ستم ظریفی ملاحظہ فرمایئے کہ اس طرح انھوں نے سیدنا علی کے اقوال میں تناقض ثابت کر دیا جس سے ان کا دامن پاک تھا۔

گھروں میں سے ہے۔‘‘

ہم شیعہ مصنف سے پوچھتے ہیں۔اس کی دلیل کیا ہے ہمارا دعویٰ ہے کہ وہ ہرگز اس کی دلیل پیش نہیں کر سکتا۔ باقی رہا ثعلبی تو وہ ’’حاطب لیل‘‘ ہے۔ یہ حدیث بلاشبہ جھوٹی ہے، مزید براں یہ آیت بالاتفاق مساجد سے متعلق ہے۔ بفرض محال اگر سیدنا علی ﴿رِجَالٌ لَّا تُلۡهِيۡهِمۡ﴾ میں داخل بھی ہیں تو اس سے آپ کا افضل الامت ہونا لازم نہیں آتا۔ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ آیت میں ﴿رِجَالٌ﴾ جمع کا لفظ ہے، واحد نہیں ہے۔لہٰذا سیدنا علی اس کے مصداق نہیں ہو سکتے، اگر فرض کر لیا جائے کہ سیدنا علی سب سے افضل تھے تو شیعہ افضل کی امامت کو واجب کیوں قرار دیتے ہیں؟

امامت علی کی ساتویں دلیل:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

’’امامت علی کی ساتویں دلیل یہ آیت ہے: ﴿لَا اَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَيۡهِ اَجۡرًا اِلَّا الۡمَوَدَّةَ فِى الۡقُرۡبٰى﴾

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اپنی مسند میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول! آپ کے کون سے رشتہ دار ہیں جن سے محبت رکھنا ہمارے لیے ضروری ہے؟ آپ نے فرمایا: ’’علی و فاطمہ اور ان کے دونوں بیٹے۔‘‘

تفسیر ثعلبی اور بخاری و مسلم میں بھی اسی طرح مروی ہے، چونکہ سیدنا علی کے سوا دیگر صحابہ سے محبت رکھنا واجب نہیں۔لہٰذا سیدنا علی ان سے افضل ٹھہرے اور وہی امام ہوں گے۔ بنا بریں ان کی مخالفت محبت کے منافی ہے اور محبت کا مطلب یہ ہے کہ ان کی اطاعت کی جائے، لہٰذا آپ واجب الاطاعت ہوئے۔‘‘

ہم کہتے ہیں کہ یہ حدیث مسند اور صحیحین میں مذکور نہیں ہے۔لہٰذا یہ ان پر کھلا ہوا افتراء ہے بلکہ ان میں ایسی احادیث موجود ہیں، جو اس کی نقیض ہیں، ایسے کاذب و جاہل لوگوں پر کیا اعتماد کیا جائے۔ البتہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے خلفاء اربعہ کے فضائل و مناقب میں ایک کتاب تصنیف کی تھی جس میں صحیح و سقیم ہر قسم کی روایات موجود ہیں۔ بعد ازاں امام احمد کے بیٹے عبداللہ اور القطیعی نامی عالم نے بھی اس میں بہت کچھ اضافہ کیا تھا جس میں جھوٹی اور ضعیف روایات شامل ہیں۔ جہلاء نے

سمجھا کہ یہ سب امام احمد کی مرویات ہیں حالانکہ یہ بدترین غلطی ہے۔ عبد اللہ کی زیادات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ انھوں نے اپنے والد سیدنا امام احمد سے روایت نہیں کیں۔ القطیعی کی زیادات بھی عبد اللہ بن احمد کی بجائے دیگر راویوں سے منقول ہیں۔

اس پر مزید یہ کہ مذکورہ صدر آیت سورۂ شوریٰ میں شامل ہے، جو بالاتفاق مکی سورۃ ہے۔ سیدنا علی کا نکاح سیدہ فاطمہ کے ساتھ مدینہ میں ہوا تھا۔ اسی طرح سیدنا حسن ۳ھ میں اور سیدنا حسین ۴ھ میں پیدا ہوئے تھے۔

اب سوال یہ ہے کہ نبی کریم ایک مکی آیت کی تفسیر میں ان لوگوں کی محبت کو کیوں کر واجب قرار دے سکتے تھے جو ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ بخاری و مسلم میں اس آیت کی تفسیر میں مذکور ہے کہ سیدنا ابن عباس سے اس کے بارے میں سوال کیا گیا، تو سعید بن جبیر نے کہا: ''اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم کے اقارب سے محبت کا سلوک کر کے ان کی ذات سے الفت قائم رکھے۔''

یہ سن کر سیدنا ابن عباس نے فرمایا: ''آپ نے جلد بازی سے کام لیا، قریش کا کوئی چھوٹا قبیلہ بھی ایسا نہ تھا جس کے ساتھ نبی کریم کے قرابت دارانہ روابط نہ ہوں۔ اس لیے فرمایا ﴿لَا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا﴾ یعنی اس قرابت داری کی بنا پر جو میں آپ سے رکھتا ہوں میں چاہتا ہوں تم مجھ سے محبت کا سلوک روا رکھو۔''[1]

آپ نے مفسر قرآن سیدنا ابن عباس کا بیان ملاحظہ کیا جو سیدنا علی کے بعد سب اہل بیت میں بہت بڑے عالم تھے۔ یہ امر قابل غور ہے کہ آیت کے الفاظ ہیں ﴿اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی﴾ یوں نہیں فرمایا: ﴿اِلَّا الْمَوَدَّةَ لِلْقُرْبٰی﴾ اور یوں بھی نہیں فرمایا: ﴿اِلَّا الْمَوَدَّةَ لِذَوِی الْقُرْبٰی﴾

اور اگر وہ مطلب مراد ہوتا جو شیعہ کہتے ہیں تو آیت کے الفاظ اس طرح ہوتے جیسے ہم نے نقل کیے ہیں۔ مندرجہ ذیل آیات ملاحظہ فرمائیے:

۱۔ ﴿فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی﴾ (انفال: ۸/۴۱)
۲۔ ﴿فَلِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی﴾ (سورۂ حشر: ۵۹/۷)
۳۔ ﴿فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ﴾ (الروم: ۳۸)
۴۔ ﴿وَ اٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰی﴾ (البقرة: ۲/۱۷۷)

---

[1] صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ الشوری (حدیث: ۴۸۱۸، ۳۴۹۷)

آیت ﴿اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی﴾ سے شیعہ کا استدلال:

قرآن کریم میں جہاں جہاں اقارب کے حق میں وصیت کی گئی ہے اسی قسم کے الفاظ آئے ہیں۔

یہ امر بھی قابل غور ہے کہ آیت میں ﴿المودة﴾ کا لفظ مصدر استعمال کیا گیا ہے۔ اسم نہیں لہٰذا اس سے بھی معلوم ہوا کہ ﴿القربیٰ﴾ سے اقارب مراد نہیں۔ اگر اقارب مراد ہوتے تو الفاظ یوں ہوتے: ﴿اَلْمَوَدَّةَ لِذَوِی الْقُرْبٰی﴾ مزید براں اس صورت میں ''فی'' کا لفظ بھی نہیں ہونا چاہیے تھا۔ اس لیے کہ عربی محاورہ میں یوں نہیں کہتے: ﴿اَسْئَلُکَ الْمَوَدَّةَ فِی فُلَانٍ﴾ بلکہ ''لفلان'' بولتے ہیں۔ ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ رسول تبلیغ شریعت کی اجرت ہرگز طلب نہیں کرتا، بلکہ وہ صرف اللہ سے اجرت کا طلب گار رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قُلْ مَا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ﴾ (الفرقان:۲۵/۵۷)

''آپ فرمادیں کہ میں اس کی کچھ اجرت طلب نہیں کرتا۔''

نیز فرمایا:

﴿اَمْ تَسْئَلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ﴾ (الطور:۵۲/۴۰)

''کیا آپ اجرت طلب کرتے ہیں کہ وہ تاوان کے بوجھ تلے دبے جا رہے ہیں۔''

ارشاد ہوتا ہے:

﴿اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ﴾ (یونس:۱۰/۷۲)

''میری اجرت صرف اللہ کے ذمہ ہے۔''

اس میں شبہ نہیں کہ اہل بیت کی محبت واجب ہے، مگر اس کا وجوب اس آیت سے ثابت نہیں ہوتا۔ ان کی محبت کو رسول کی اجرت بھی نہیں کہہ سکتے، بلکہ وہ دیگر شرعی مامورات کی طرح عبادات کی حیثیت رکھتی ہے۔

حدیث صحیح میں آیا ہے کہ سرور کائنات ﷺ نے غدیر خُم پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: ''میں تمھیں اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ کو یاد دلاتا ہوں۔'' آپ نے تین مرتبہ یہی الفاظ دہرائے۔ [1]

---

[1] صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل علی بن ابی طالب، رضی الله عنه (حدیث:۲۴۰۸)

ابوداؤد وترمذی ونسائی وابن ماجہ میں ہے کہ نبی کریم نے فرمایا:

''مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! کہ لوگ اس وقت تک جنت میں نہیں جاسکیں گے جب تک اللہ تعالیٰ اور میری قرابت کی وجہ سے اہل بیت کو چاہنے نہ لگیں۔'' ❶

اگر اہل بیت سے ہماری محبت آنحضور کی اجرت رسالت میں داخل ہوتی تو ہمیں اس کا اجر وثواب نہ دیا جاتا۔اس لیے کہ ہم نے آپ کی وہ اجرت ادا کی تھی جس کا آپ رسالت کی بنا پر استحقاق رکھتے تھے۔کیا کوئی مسلمان یہ بات کہنے کے لیے تیار ہے؟

یہ بات ہمیں تسلیم ہے کہ دیگر دلائل کی بنا پر سیدنا علی کی محبت ہمارے لیے ضروری ہے،مگر اس سے ان کی افضلیت اور امامت وخلافت کیوں کر ثابت ہوئی؟

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''خلفاء ثلاثہ سے محبت رکھنا ضروری نہیں ہے۔''

یہ بات ہمارے لیے نا قابل قبول ہے، بلکہ اہل بیت کی الفت ومحبت کے دوش بدوش اصحاب ثلاثہ کی محبت بھی ناگزیر ہے۔یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ اللہ تعالیٰ خلفائے ثلاثہ سے محبت رکھتے ہیں اور جس سے اللہ تعالیٰ محبت رکھتے ہوں اس سے الفت ومحبت کا سلوک روا رکھنا ہم پر واجب ہے ''اَلْحُبُّ فِی اللّٰہِ وَالْبُغْضُ فِی اللّٰہِ'' ❷ اسلام کا طرہ امتیاز اور ایمان کی مضبوط ترین کڑی ہے۔ خلفائے ثلاثہ کبار اولیاء میں سے تھے۔کتاب وسنت کی روشنی میں یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے۔

جمیع صحابہ واجب الاحترام ہیں:

بخاری ومسلم میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''مسلمانوں کے باہمی رحم وکرم اور الفت و محبت کی مثال ایک جسم جیسی ہے کہ جب اس کا کوئی عضو بیمار پڑتا ہے تو پورا جسم بخار و بیداری سے بے

---

❶ سنن ابن ماجة، المقدمة، باب فضل العباس بن عبد المطلب رضی الله عنه، (حدیث: ۱٤۰)، مستدرك حاکم(۷۵/٤) و سنده ضعیف لانقطاعه اس کی سند منقطع ہے۔

❷ سنن ابی داؤد۔ کتاب السنة۔ باب مجانبة اهل الاهواء (حدیث: ٤۵۹۹)

قرار ہو جاتا ہے۔'' ❶

ایک رافضی قوت دلیل سے خوارج و نواصب کو قائل نہیں کر سکتا۔ جیسا کہ اس مکالمہ سے ظاہر ہے۔ اگر خارجی و ناصبی ایک شیعہ سے کہیں تمھیں کیوں کر معلوم ہوا کہ علی اللہ کے ولی ہیں؟''

اگر شیعہ اس کے جواب میں کہے کہ'' مجھے تواتر سے سیدنا علی کا ولی اللہ ہونا معلوم ہوا کیوں کہ آپ مسلمان تھے اور اعمال صالحہ انجام دیتے تھے۔'' تو خارجی و ناصبی اس کے جواب میں کہہ سکتے ہیں کہ ''نقل متواتر تو سیدنا ابوبکر اور دیگر صحابہ کے بارے میں بھی موجود ہے۔''

اور اگر شیعہ کہے کہ قرآن سے سیدنا علی کا ولی اللہ ہونا ثابت ہے تو خوارج و نواصب کہہ سکتے ہیں کہ'' قرآنی عمومات میں تو دیگر صحابہ بھی سیدنا علی کے ساتھ شامل ہیں، مگر شیعہ عام صحابہ کو ان عمومات سے خارج کر دیتے ہیں۔''

اس سے آسان تر یہ ہے کہ جمیع صحابہ کی بجائے صرف ایک سیدنا علی کو ان سے خارج کر دیا جائے۔ اور اگر شیعہ کہے کہ'' احادیث نبویہ سے سیدنا علی کا ولی ہونا ثابت ہے'' تو اس کا جواب یہ ہے کہ دیگر صحابہ کے فضائل و مناقب کی احادیث اکثر واضح ہیں مگر شیعہ ان پر قدح وارد کرتے ہیں۔ دوسری جانب فضیلت علی میں شیعہ جو روایات بیان کرتے ہیں ان کے ناقل وہی صحابہ ہیں جو شیعہ کے نزدیک مطعون ہیں۔ اب دو ہی صورتیں ہیں:

۱۔ اگر صحابہ پر شیعہ کی جرح و قدح درست ہے تو فضیلت علی رضی اللہ عنہ میں ان کی روایات بھی معتبر نہیں ہیں۔

۲۔ اگر فضیلت علی کی روایات قابل اعتماد ہیں تو صحابہ پر شیعہ کے مطاعن لغو ہیں۔

اگر روافض کہیں کہ فضیلت علی کی روایات شیعہ کی نقل کے مطابق معتبر ہیں تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ معدودے چند کے سوا شیعہ کے نزدیک سب صحابہ مطعون ہیں، کہا جاتا ہے کہ دس سے زائد صحابہ ایسی روایات کے نقل کرنے میں یک زبان ہیں، جب روافض جمہور صحابہ کی مرویات کو صحیح تسلیم نہیں کرتے تو معدودے چند صحابہ کی روایت کردہ احادیث کیوں کر ان کے نزدیک حجت ہوں گی؟

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الأدب، باب رحمة الناس والبهائم(حدیث:۶۰۱۱)، صحیح مسلم کتاب البر والصلة۔ باب تراحم المؤمنین(حدیث:۲۵۸۶)

یہ درست ہے کہ محبوب اللہ و رسول ہونے کے اعتبار سے سیدنا علی کی محبت ہم پر واجب ہے، تاہم دیگر صحابہ کی محبت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا گیا تھا کہ سب لوگوں میں سے آپ کو عزیز تر کون ہے؟ فرمایا: ''عائشہ'' عرض کیا گیا مردوں میں سے کون عزیز ہیں؟ فرمایا: ''ان کے والد ابوبکر صدیق۔''❶

صحیح حدیث میں آیا ہے کہ سقیفہ بنی ساعدہ کے دن سیدنا عمر نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے کہا تھا:

''آپ ہمارے سردار اور ہم سب سے بہتر اور نبی کریم کو ہم سب سے عزیز ہیں۔''❷

سرور کائنات ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

''اگر میں اس امت میں سے کسی کو گہرا دوست بنانا چاہتا تو ابوبکر کو بناتا۔''❸

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''سیدنا علی کی مخالفت ان کی محبت کے منافی ہے۔''

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر کسی سے محبت رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی اطاعت واجب ٹھہرتی ہے تو اقارب کی اطاعت بھی ضروری ہوگی، اس لیے کہ ان کی محبت واجب ہے۔ جس سے سیدہ فاطمہ کا امام ہونا لازم آتا ہے۔ ورنہ محبت و مودت کسی طرح بھی امامت کو مستلزم نہیں۔ اگر محبت کو امامت کا ملزوم قرار دیا جائے تو ملزوم کا انتفاء لازم کی نفی کا تقاضا کرتا ہے۔ بنابریں صرف اسی شخص کی محبت لازم ہوگی جو امام معصوم ہو۔

شیعہ کا یہ قول کہ ''مخالفت مودت کے منافی ہے'' ہم کہتے ہیں کہ جب مخالفت صرف اسی

---

❶ صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم۔ باب قول النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم "لوکنت متخذًا خلیلاً"(حدیث:٣٦٦٢)، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل ابی بکر الصدیق رضی الله عنه(حدیث:٢٣٨٤)

❷ صحیح بخاری حواله سابق(حدیث:٣٦٦٨)، مطولاً

❸ صحیح بخاری حواله سابق (حدیث:٣٦٥٨)، عن عبد اللّٰہ بن الزبیر رضی الله عنه۔ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة باب من فضائل ابی بکر الصدیق رضی الله عنه (حدیث:٤/٢٣٨٣) عن عبد اللّٰہ بن مسعود رضی الله عنه۔

صورت میں قادح فی المودت ہوتی ہے جب وہ شخص واجب الاطاعت ہوتو پہلے وجوب اطاعت کا علم ضروری ہے۔'' جب اطاعت کو اس لیے واجب قرار دیا جائے گا کہ محبت واجب ہے تو دور لازم آئے گا۔ الّا یہ کہ وہ شخص امام ہو۔ علاوہ ازیں سیدنا علی کے حکم کی خلاف ورزی صرف اس صورت میں قادح فی المودّت ہوگی جب سیدنا علی نے ہمیں اپنی اطاعت کا حکم دیا ہو۔ ہم جانتے ہیں کہ خلفائے ثلاثہ کے زمانہ میں آپ نے ایسا نہیں کیا تھا۔ بنابریں خلفاء ثلاثہ کی مودت و اطاعت بھی واجب ہوگی اور ان کی مخالفت ان کی محبت بلکہ اللہ و رسول کی محبت میں بھی قادح ہوگی۔

امامت علی رضی اللہ عنہ کی آٹھویں دلیل:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''امامت علی کی آٹھویں دلیل یہ آیت ہے: ﴿وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْرِیْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاةِ اللّٰهِ﴾ (البقرة ۲/ ......)

ثعلبی کہتے ہیں جب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کا ارادہ کیا تو قرض اور امانتوں کی ادائیگی کے لیے سیدنا علی کو مکہ میں ہی رہنے دیا جس رات آپ غار کی جانب چلے اور کفار قریش نے آپ کے گھر کا محاصرہ کر لیا تھا تو آپ نے سیدنا علی کو حکم دیا کہ آپ کی سبز چادر اوڑھے آپ کے بستر پر سو رہیں۔ آپ نے سیدنا علی سے کہا: ''کفار آپ کو کوئی تکلیف نہیں دے سکیں گے۔'' سیدنا علی نے تعمیل ارشاد کر دی۔ اللہ تعالیٰ نے جبرئیل و میکائیل کی طرف وحی کی کہ میں نے تمھارے درمیان مواخات کا رشتہ قائم کیا اور ایک کی عمر دوسرے سے طویل کر دی۔ بتائیے تم میں سے کون اپنی زندگی کا حصہ دوسرے کو عطا کرتا ہے۔ دونوں نے جینے کو پسند کیا اور کوئی بھی ایثار نہ کر سکا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''تم نے سیدنا علی کی تقلید نہ کی۔ میں نے محمد و علی کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا تھا۔ علی محمد کے بستر پر سو گئے اور ان کے لیے یہ ایثار قبول کیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے دونوں کو سیدنا علی کی حفاظت کا حکم دیا۔ جبرائیل سیدنا علی کے سر کے پاس کھڑے ہو گئے اور میکائیل پاؤں کے پاس جبرائیل نے کہا: ''شاباش! اے علی! تیرے جیسا اور کون ہو گا۔ اللہ تعالیٰ تیری وجہ سے فرشتوں پر فخر کرتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عازم مدینہ تھے کہ مذکورۃ الصدر آیت نازل ہوئی۔''

سیدنا ابن عباس فرماتے ہیں، یہ آیت سیدنا علی کی فضیلت میں نازل ہوئی۔ جب آپ مکہ سے غار ثور کی طرف جارہے تھے۔ یہ ایک ایسی فضیلت ہے جس میں سیدنا علی منفرد ہیں، بنا بریں یہ واقعہ سیدنا علی کی عظمت و فضیلت کی زبردست دلیل ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ آپ ہی امام ہیں۔ (شیعہ مصنف کا بیان ختم ہوا۔)

ہم شیعہ مصنف سے اس واقعہ کی صحت نقل کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اس روایت کو ثعلبی کی طرف منسوب کرنے میں ہی اس کا جھوٹا ہونا ثابت ہورہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب نبی کریم نے ہجرت فرمائی۔ قریش مکہ سیدنا علی سے قطعی طور پر بے تعلق تھے۔ ان کا اصلی مطلوب نبی کریم کی ذات گرامی اور صدیق اکبر تھے۔ قریش مکہ نے انعام بھی انہی دو حضرات کو پکڑنے والے کے لیے مقرر کیا تھا۔ جیسا کہ روایات صحیحہ میں مذکور ہے۔ [1] جہاں تک شیعہ کی ذکر کردہ روایت کا تعلق ہے وہ نہایت پست درجہ کا جھوٹ ہے۔ سیدنا علی کو آپ کے بستر پر سلانے کا مقصد صرف یہ تھا کہ قریش اس وہم میں مبتلا رہیں کہ آپ گھر ہی میں ہیں اور آپ کی تلاش نہ کریں، جب صبح ہوئی تو قریش پر ان کی ناکامی کا راز فاش ہوا۔ تاہم انھوں نے سیدنا علی کو کچھ ایذاء نہ پہنچائی۔ ان سے صرف یہ دریافت کیا کہ نبی کریم ﷺ کہاں ہیں؟ سیدنا علی نے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا۔ [2] اگر انھیں سیدنا علی سے کوئی پرخاش تھی تو وہ انھیں ضرور تکلیف پہنچاتے۔ کفار مکہ کا سیدنا علی سے تعرض نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ سیدنا علی سے ان کا کوئی واسطہ نہ تھا۔

جس شخص نے قصداً آپ کا دفاع کیا وہ سیدنا ابوبکر صدیق تھے، آپ کی حفاظت کے نقطہ خیال سے دوران سفر کبھی سیدنا ابوبکر نبی کریم کے آگے ہوتے اور کبھی پیچھے۔ [3] بعض صحابہ نے لڑائیوں میں اپنی جانیں تک نبی کریم پر نثار کی تھیں۔ بعض شہید ہوئے اور بعض کے اعضاء تک شل ہوگئے۔ مثلاً طلحہ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ کٹ گیا تھا۔ [4] نبی کریم کی تائید و نصرت مسلمانوں پر واجب ہے۔

---

[1] صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار۔ باب هجرة النبی صلی الله علیه وسلم و اصحابه الی المدینة (حدیث: ٣٩٠٦)

[2] سیرة ابن هشام (ص: ٢٢٢۔٢٢٣) مسند احمد (٣٤٨/١)، مستدرك حاكم (٤/٣)

[3] سیرة النبی صلی الله علیه وسلم، لابن کثیر (٤٥٦/١)، مستدرك حاكم (٦/٣) دلائل النبوة (٤٧٦/٢) عن محمد بن سیرین مرسلاً

[4] صحیح بخاری، کتاب المغازی باب ﴿ إِذْ هَمَّتْ طَائِفَتَانِ مِنْكُمْ ...... ﴾ (حدیث: ٤٠٦٣)

سیرت ابن اسحاق میں ہے کہ جبرائیل امین نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا آج رات آپ اپنے بستر پر نہ سوئیں۔ رات کے اندھیرے میں کفار آپ کے دروازے پر جمع ہو کر انتظار کرنے لگے کہ جب سو جائیں تو آپ پر حملہ کر دیں۔

ان کو کھڑے دیکھ کر آپ نے سیدنا علی سے کہا: ''میرے بستر پر میری چادر اوڑھ کر سو جائیں کفار آپ کو کوئی تکلیف نہیں پہنچا سکیں گے۔''[1]

واقعہ ہجرت:

محمد بن کعب القرظی سے روایت ہے کہ جب کفار مکہ نبی کریم کی تلاش میں جمع ہوئے تو ان میں ابوجہل بھی تھا۔ اس نے کہا۔ محمد کہتے ہیں: ''اگر تم ان کی پیروی کرو گے تو عرب وعجم کے بادشاہ بن جاؤ گے اور موت کے بعد جب دوبارہ زندہ ہو گے تو تمھیں ایسے باغات ملیں گے جیسے اردن کے باغات ہیں اور اگر تم نے ان کی پیروی نہ کی تو وہ تمھیں ہلاک کر ڈالیں گے اور بعد از موت جب اٹھائے جاؤ گے تو تمھیں آگ میں جلایا جائے گا۔ راوی کا بیان ہے کہ نبی کریم گھر سے نکلے اور مٹھی بھر مٹی ان پر دے ماری، پھر فرمایا۔ ہاں میں یوں ہی کہتا ہوں۔ ابوجہل کو مخاطب کر کے فرمایا تو بھی آگ میں جلنے والوں میں سے ایک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کفار کی قوت بصارت سلب کر لی اور وہ آپ کو دیکھ نہ سکے۔ یہ مٹی ان سب آدمیوں کے سر پر پڑی۔ اور وہ ادھر ادھر منتشر ہو گئے۔ پھر ایک شخص ان کے پاس آیا، اس نے کہا: ''تم یہاں کس کا انتظار کر رہے ہو؟'' انھوں نے کہا: ''محمد کا۔'' وہ کہنے لگا: ''اللہ کی قسم! محمد جا چکے ہیں تم اپنے مقصد میں ناکام ہوئے۔ جاتے جاتے وہ آپ کے سر پر خاک بھی جھونک گئے ہیں۔'' چنانچہ کفار نے دیکھا کہ ان کے سر پر مٹی پڑی ہے۔ پھر وہ گھر میں ادھر ادھر جھانکنے لگے کیا دیکھتے ہیں کہ علی آپ کی چادر اوڑھے پڑے ہیں وہ کہنے لگے اللہ کی قسم! محمد اپنی چادر تانے سو رہے ہیں، اتنے میں صبح ہو گئی اور سیدنا علی اٹھ کھڑے ہوئے تو کفار نے کہا اس شخص نے سچی بات کہی تھی کہ محمد یہاں سے چلے گئے ہیں۔ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

''اس وقت کو یاد کیجیے جب کافر آپ کے خلاف تدبیریں کر رہے تھے کہ آپ کو قید کر دیں یا قتل کر ڈالیں یا مکہ سے نکال دیں ادھر یہ تدبیریں کر رہے تھے اور ادھر اللہ

---

[1] سیرة ابن هشام(ص: ۲۲۲، ۲۲۳) ، مسند احمد(۱/ ۳۴۸)

تعالیٰ بھی (آپ کو بچانے کی) تدبیر کر رہا تھا اور اللہ بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔''

(سورۂ انفال: ۳۰) ❶

مذکورہ صدر روایت سے یہ حقیقت اجاگر ہوتی ہے کہ نبی کریم نے سیدنا علی کو یقین دلایا تھا کہ ان کو کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔ بنابریں سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہر طرح مسرور و مطمئن تھے۔

شیعہ مصنف نے جبرائیل و میکائیل کا جس مکالمہ کا ذکر کیا ہے وہ سراسر باطل اور بے بنیاد ہے۔ سیدنا علی کی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے مواخات بھی صحیح نہیں۔ تاہم اگر مواخات وقوع میں آئی بھی تھی تو بعد از ہجرت مدینہ میں نہ کہ مکہ میں۔

علاوہ ازیں یہ آیت ﴿مَنْ یَّشْرِیْ نَفْسَهٗ﴾ سورۂ بقرہ میں ہے جو بالاتفاق مدنی سورت ہے۔ بعض مفسرین کا قول ہے کہ یہ آیت اس وقت اتری جب سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ نے ہجرت کی اور مشرکوں نے آپ کو پکڑنا چاہا تو آپ نے اپنا مال ان کو دے دیا اور خود مدینہ پہنچ گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں دیکھ کر فرمایا:

''ابو یحییٰ! یہ سودا سود مند ہے۔'' (یہ واقعہ متعدد تفاسیر میں مذکور ہے) ❷

ابوقتادہ کا قول ہے کہ یہ آیت مجاہدین مہاجرین کے بارے میں نازل ہوئی۔

عکرمہ کہتے ہیں یہ آیت سیدنا صہیب و ابوذر کے بارے میں اس وقت نازل ہوئی جب بدر والوں نے ابوذر کو پکڑ لیا مگر وہ ان سے چھوٹ کر بارگاہ نبوی میں پہنچ گئے۔ جب واپس لوٹے تو کفار پھر مرّ الظہر ان میں مل گئے آپ دوبارہ ان سے چھوٹ گئے۔

سیدنا صہیب کو ان کے گھر والوں نے پکڑ لیا تھا۔ آپ نے فدیہ دے کر ان سے رہائی حاصل کر لی۔ علاوہ ازیں آیت کے الفاظ عام ہیں اور رضائے الٰہی کے لیے اپنی جان کو فروخت کرنے والا ہر شخص اس میں داخل ہے۔ یہ بھی معلوم ہے کہ بیعت الرضوان میں شمولیت کرنے والوں نے رسول اللہ سے موت کی بیعت کی تھی۔ ❶

---

❶ سیرة ابن هشام(ص:۲۲۱۔۲۲۳)

❷ تفسیر ابن جریر (۴/۲۴۸)، مستدرك حاكم(۳/۴۰۰،۳۹۸)

❸ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة الحدیبیة(حدیث:۴۱۶۹)، صحیح مسلم، کتاب الامارة، باب استحباب مبایعة الامام الجیش (حدیث: ۱۸۶۰)

اس میں شبہ نہیں کہ غار میں جو فضیلت ابوبکر کو حاصل ہوئی اس میں وہ دیگر صحابہ سے منفرد ہیں۔ اسی طرح واقعہ ہجرت میں نبی کریم کی رفاقت کا شرف بھی صرف سیدنا ابوبکر کے حصہ میں آیا۔ لہٰذا سیدنا ابوبکر صدیق ہی خلیفہ برحق تھے۔ یہ وہ سچی دلیل ہے جس میں کوئی شبہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾(التوبۃ: ۹/ ۴۰)

اگر تم اس کی مدد نہیں کرتے تو اللہ نے اس کی مدد کی تھی جب کفار نے ان کو نکال دیا تھا وہ دو اشخاص کا دوسرا تھا۔ جب وہ دونوں غار میں تھے اور اپنے ساتھی سے کہہ رہے تھے کہ غم نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے۔‘‘

بتائیے نص قرآنی کے مطابق یہ خصوصیت سیدنا صدیق کے سوا اور کس میں پائی جاتی ہے؟ پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ نبی کریم کے بستر پر سونے میں سیدنا علی کو کسی تکلیف کا سامنا نہیں ہوا تھا۔ حالانکہ نبی کریم کی حفاظت میں دیگر صحابہ کو جسمانی تکلیفیں پہنچی تھیں۔

امامت علی کی نویں دلیل:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

’’سیدنا علی کی امامت کی نویں دلیل آیت مباہلہ ہے جمہور کا قول ہے کہ اس آیت میں ﴿اَبْنَاءَ نَا﴾ کا اشارہ سیدنا حسن و حسین کی طرف ہے۔ ﴿نِسَاءَ نَا﴾ سے سیدہ فاطمہ مراد ہیں اور ﴿اَنْفُسَنَا﴾ سے سیدنا علی۔

یہ آیت امامت علی کی زبردست دلیل ہے۔ اس لیے کہ آیت زیردست میں سیدنا علی کو ’’نفس رسول‘‘ قرار دیا ہے۔ یہ ایک بدیہی بات ہے کہ رسول علیہ السلام اور سیدنا علی ایک تو ہو نہیں سکتے۔ لہٰذا دونوں کی مساوات کا مطلب یہ ہوگا کہ سیدنا علی آپ کے قائم مقام ہیں۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اگر دوسرا کوئی شخص فضیلت میں ان کا ہم سر ہوتا تو اللہ اس کو بھی ساتھ لے جانے کا حکم صادر کرتے، کیوں کہ قبولیت دعا کے لیے ان کی ضرورت تھی جب اہل بیت سب سے افضل ہوئے تو پھر امام بھی وہی ہوں گے۔

یہ آیت اس قدر واضح ہے کہ اس کی دلالت صرف اس شخص پر پوشیدہ رہ سکتی ہے جس پر شیطان نے قبضہ جما رکھا ہو۔'' (شیعہ مصنف کا بیان ختم ہوا)

جہاں تک مباہلہ میں سیدنا علی و فاطمہ اور ان کے بیٹوں کے لے جانے کا تعلق ہے صحیح مسلم میں سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے سیدنا علی کے کنبہ کو بلا کر فرمایا: ''اے اللہ! یہ میرے گھر کے لوگ ہیں۔''[1]

مگر اس سے افضلیت اور امامت کیوں کر ثابت ہوگئی؟ شیعہ کا یہ قول سیدنا علی کو ''نفس رسول'' بنا دیا تھا۔ ہم کہتے ہیں کہ مساوات کی کوئی دلیل موجود نہیں۔ بلکہ اسے مساوات پر محمول کرنا ممتنع ہے، کیوں کہ کوئی شخص رسول سے مساوی نہیں ہوسکتا۔ علاوہ ازیں ''اَنْفُسَنَا'' کا لفظ لغت میں مساوات کے لیے نہیں بولا جاتا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ لَوْ لَا اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا﴾(سورۂ نور: ۲۴/۱۲)

اس سے مومن مرد اور عورتوں کا مساوی ہونا لازم نہیں آتا۔

نیز فرمایا:

﴿فَاقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ﴾(البقرة: ۲/۵۴)

''یعنی ایک دوسرے کو قتل کرو۔''

اس کا یہ مطلب نہیں کہ جن لوگوں نے بچھڑے کی پوجا کی تھی وہ ان لوگوں کے مساوی ہیں جنھوں نے اسے نہیں پوجا تھا۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

﴿وَ لَا تَقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ﴾(سورة النساء: ۴/۲۹)

مطلب یہ ہے کہ ایک دوسرے کو قتل نہ کرو۔ یہ مراد نہیں کہ وہ سب لوگ مرتبہ میں مساوی تھے۔

---

[1] صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة۔ باب من فضائل علی بن ابی طالب رضی الله عنه(حدیث: ۳۲/۲۴۰۴)

بخلاف ازیں ان میں بہت کچھ فرق مراتب پایا جاتا تھا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ثُمَّ اَنۡتُمۡ هٰٓؤُلَآءِ تَقۡتُلُوۡنَ اَنۡفُسَكُمۡ﴾ (البقرۃ:۲/۸۵)

یہ لفظ مختلف امور کی مشابہت ومماثلت پر دلالت کرتا ہے۔

مذکورۃ الصدر آیات قرآنیہ کی روشنی میں آیت مباہلہ کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم اپنے آدمی بلالیں اور تم اپنے’’یعنی وہ آدمی بلالیں جو دین و مذہب اور حسب ونسب کے اعتبار سے ہمارے ہم جنس ہیں اور جن میں تماثل وتشابہ وقرابت داری کے لحاظ سے بھی پایا جاتا ہے۔ اور ایمان دار ہونے کے لحاظ سے بھی، چنانچہ اس میں اولاد، مستورات اور اقارب مردوں کو داخل کیا۔ ظاہر ہے کہ عصبات میں سے نبی کریم کے قریب ترین رشتہ دار سیدنا علی تھے، پھر آپ نے ان پر اپنی چادر بھی تان دی تھی۔ مباہلہ میں قریبی رشتہ داروں کو شامل کیا جاتا ہے، دور کے رشتہ داروں کو اگرچہ افضل ہوں تب بھی شامل نہیں کیا جاتا۔ آیت مباہلہ ۱۰ھ میں وفد نجران کے وارد مدینہ ہونے پر نازل ہوئی تھی۔ نبی کریم کے چچا سیدنا عباس اس وقت زندہ تھے، باقی چچا سب فوت ہو چکے تھے۔ سیدنا عباس کو سبقت اسلام حاصل تھی اور نہ آپ کے ساتھ کوئی اور خصوصیت تھی۔

آیت مباہلہ سے استدلال:

شیعہ مصنف کا یہ قول کہ

’’اگر کوئی اور شخص اہل بیت کے مساوی ہوتا تو آپ اس کو بھی مباہلہ میں شریک کر لیتے۔‘‘

ہم اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہیں کہ اگر نبی کریم سیدنا ابوبکر وعمر اور کبار صحابہ کو اس مقصد کے لیے طلب کرتے تو یہ سب لوگ تعمیل ارشاد کے لیے حاضر تھے، مگر آپ نے ایسا نہیں کیا تھا۔ کیوں کہ اس سے مباہلہ کا مقصد پورا نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ نجران کے نصاریٰ اپنے اقارب واعزہ کو مجلس مباہلہ میں لا رہے تھے۔ اگر نبی کریم اجنبی لوگوں کو بھی اس میں آنے کی دعوت دیتے تو نصاریٰ بھی ایسے لوگوں کو اپنے ساتھ شامل کر لیتے جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ ایسے اجنبی اشخاص کی معیت میں مباہلہ میں شرکت کرنا ان پر کچھ بھی شاق نہ گزرتا جس طرح اقارب کے ہوتے ہوئے ان پر گراں گزر سکتا تھا۔ یہ بات انسان کی فطرت میں داخل ہے کہ اقارب کی تکلیف کا احساس اس سے خائف وہراساں

رکھتا ہے اجانب کا الم و رنج اسے اس قدر پریشان نہیں کرسکتا۔

جب کسی قوم سے مصالحت کرنا مقصود ہوتو ہر فریق دوسرے سے کہتا ہے کہ اپنے بیوی بچے ہمارے یہاں رہن رکھ دو۔اس کے برخلاف اگر وہ کچھ اجنبی لوگوں کو ان کے پاس گروی رکھ دیں تو وہ اس پر رضا مند نہیں ہوں گے۔کسی شخص کے اہل بیت ہونے کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ دوسروں کی نسبت افضل ہیں۔

ان دلائل و براہین کی روشنی میں شیعہ کو چاہیے کہ وہ نصوص صریحہ کو نظر انداز کر کے مجمل الفاظ کا سہارا نہ لیں اور نہ کسی کو رسول کریم کا ہم سر و ہم پلہ قرار دیں۔ہم کہتے ہیں کہ اگر نبی کریم کی دوسری بیٹیاں بقید حیات ہوتیں تو آپ ان کو مباہلہ میں ضرور شریک کرتے۔اگر آپ کا بیٹا ابراہیم اس وقت جانا پہچانا ہوتا تو آپ اسے بھی مجلس مباہلہ میں ضرور لاتے۔اسی طرح اگر نبی کریم کے چچا سید الشہداء سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ زندہ ہوتے تو وہ بھی مباہلہ میں ضرور شرکت کرتے۔

امامت علی کی دسویں دلیل:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''امامت علی کی دسویں دلیل یہ آیت ہے:﴿فَتَلَقّٰی اٰدَمُ مِنۡ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيۡهِ﴾ (البقرۃ:۲/۳۷)

ابن المغازلی نے اپنی سند کے ساتھ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم سے جب دریافت کیا گیا کہ ''كَلِمَاتٍ'' سے کیا مراد ہے؟ تو آپ نے فرمایا: سیدنا آدم نے بحق محمد و علی و فاطمہ وحسن وحسین اپنے گناہ کی بخشش چاہی تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ گناہ معاف کر دیا۔'' اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ توسل جائز ہے،اسی طرح اہل بیت کو بھی وسیلہ بنا سکتے ہیں۔''

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ روایت صحیح نہیں۔اس کی صحت ثابت کرنا بفحوائے ''مَنِ ادَّعٰی فَعَلَيۡهِ الۡبَيَانُ'' شیعہ مصنف کا کام ہے۔ ہمارا دعوی ہے کہ یہ روایت اللہ و رسول پر بدترین جھوٹ ہے۔اور روافض اس کی صحت ثابت نہیں کر سکتے۔محدث ابن الجوزی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث موضوع ہے اور محدث دارقطنی کے افراد میں سے ہے۔ دارقطنی نے اپنی بعض کتابوں میں افراد و غرائب کو جمع کیا ہے۔ دارقطنی کا قول ہے کہ حسین الاشقر یہ روایت بیان کرنے میں منفرد ہے۔ وہ ثقہ راویوں سے

موضوع روایتیں بیان کیا کرتا ہے، حالانکہ وہ ثقہ ہے نہ مامون۔

شیعہ مصنف نے ﴿كَلِمَاتٍ﴾ کی جو تفسیر بیان کی ہے وہ درست نہیں۔ قرآن کریم میں خود اس کی تفسیر مذکور ہے۔ اور وہ ﴿كَلِمَاتٍ﴾ یہ ہیں:

﴿قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ (الاعراف: ۷/۲۳)

یہ ایک بدیہی بات ہے کہ توبہ کرنے میں سیدنا آدم کی کوئی تخصیص نہیں بلکہ جب کوئی کافر و فاسق بھی اللہ کے حضور میں توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول ہوتی ہے خواہ شیعہ کے ذکر کردہ کلمات پڑھے یا نہ پڑھے۔ نبی کریم ﷺ نے بھی کسی کو یہ کلمات پڑھ کر دعا کرنے کا حکم نہیں دیا۔

امامت علی کی گیارھویں دلیل:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''امامت علی کی گیارہویں دلیل یہ آیت کریمہ ہے:

﴿إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا قَالَ وَمِن ذُرِّيَّتِي﴾ (البقرۃ: ۲/۱۲۴)

ابن المغازلی شافعی سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''یہ دعا مجھ پر اور علی پر پہنچ کر ختم ہوگئی، ہم میں سے کسی نے بھی بت کو سجدہ نہیں کیا۔ چنانچہ اللہ نے مجھے نبی اور علی کو وصی بنایا۔'' یہ دلیل اس بات میں نص کی حیثیت رکھتی ہے۔''

یہ حدیث بالاتفاق حفاظ جھوٹی ہے اگر دعا سیدنا علی تک پہنچ کر ختم ہوگئی ہے تو اس سے لازم آیا کہ بارہ اماموں کی امامت درست نہ ہوگی۔ باقی رہی یہ بات کہ سیدنا علی نے بت کو سجدہ نہیں کیا تو امت میں بہت سے فاجر و فاسق لوگ بھی موجود ہیں۔ جنھوں نے کسی بت کو سجدہ نہیں کیا، تو کیا وہ بھی امام ٹھہریں گے؟ بخلاف ازیں عام صحابہ جو بتوں کے پجاری رہ چکے تھے وہ اپنی اولاد سے بالاتفاق افضل ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ سیدنا لوط ابراہیم پر ایمان لائے تھے حالانکہ وہ نبوت سے سرفراز تھے۔

سیدنا شعیب علیہ السلام نے فرمایا تھا:

﴿قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللَّهِ كَذِبًا إِنْ عُدْنَا فِي مِلَّتِكُم بَعْدَ إِذْ نَجَّانَا

اللّٰهُ مِنۡهَا ﴾(الاعراف:۸۹/۸)

''اگر ہم تمہارے مذہب سے نجات حاصل کرنے کے بعد پھر اس میں لوٹ آئے تو ہم نے اللہ پر جھوٹ باندھا۔''

امامت علی کی بارھویں دلیل:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''سیدنا علی کے امام ہونے کی بارہویں دلیل یہ آیت ہے:﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوۡا الصَّالِحَاتِ سَیَجۡعَلُ لَهُمُ الرَّحۡمٰنُ وُدًّا﴾(مریم:۹۶/۱۹)

ابونعیم سیدنا ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ یہ آیت سیدنا علی کے بارے میں نازل ہوئی:''وُدًّا'' سے وہ الفت و محبت مراد ہے جو مومنوں کے دلوں میں سیدنا علی کے لیے موجود ہے۔ ثعلبی سیدنا براء بن عازب سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

''اے علی! آپ کہہ دیں کہ اے اللہ! میرے لیے اپنے پاس عہد مقرر کر دے اور مومنوں کے دلوں میں میری محبت پیدا کر دے۔'' تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ چونکہ یہ خصوصیت کسی اور میں نہیں پائی جاتی۔ لہٰذا سیدنا علی ہی امام ہوں گے۔''

ہم کہتے ہیں بیان کردہ روایت کی صحت نقل ثابت کرنے کے لیے دلیل کی ضرورت ہے، ورنہ مقدمات کو ثابت کیے بغیر استدلال کرنا باطل اور قول بلا برہان ہے۔ مزید براں شیعہ مصنف کی پیش کردہ روایت موضوع ہے۔ نیز یہ کہ آیت زیر نظر کے الفاظ عام ہیں۔ بنا بریں یہ آیت سیدنا علی کو بھی شامل ہے اور دیگر صحابہ کو بھی۔ لہٰذا اسے سیدنا علی پر محدود و مقصور کرنا درست نہیں۔ بلکہ یہ آیت سیدہ فاطمہ اور حسن و حسین کو بھی شامل ہے۔ لہٰذا اجماع کی روشنی میں معلوم ہوا کہ یہ آیت کسی کے ساتھ مختص نہیں ہے اللہ تعالیٰ چونکہ اپنے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کرتا اس لیے اس نے قلوب مومنین میں محبت پیدا کرنے کے وعدہ کو پورا کر دیا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سب مسلمانوں کے دلوں میں صحابہ و تابعین نیز خلفاء راشدین عموماً و سیدنا ابوبکر و عمر کی محبت و الفت خصوصاً پیدا کر دی۔ سب صحابہ......جن میں سیدنا علی پیش پیش تھے......سیدنا ابوبکر و عمر سے محبت و مودت رکھتے تھے۔ کوئی صحابی ایسا نہ تھا جو ان دونوں حضرات کو برا بھلا کہتا ہو۔ یہ خصوصیت سیدنا علی میں نہیں پائی جاتی اس لیے کہ صحابہ کی ایک جماعت نے سیدنا علی کی شان میں سخت سست الفاظ کہے تھے۔ سیدنا عثمان کو بھی یہی واقعہ پیش آیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اہل ایمان کے دل میں اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابوبکر و عمر کی جو محبت پیدا کردی تھی۔ دوسروں کو یہ مرتبہ حاصل نہیں ہوسکا۔

امامت علی کی تیرھویں دلیل:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''امامت علی کی تیرھویں دلیل یہ آیت ہے: ﴿اِنَّمَا اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّ لِکُلِّ قَوْمٍ هَادٍ﴾ (سورۃ الرعد:۱۳/ ۷)

''کتاب الفردوس میں سیدنا ابن عباس سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:'' میں منذر ہوں اور علی ہاد (رہنما و پیشوا) ہے۔ اے علی! ہدایت پانے والے تجھ سے ہدایت پاتے ہیں۔'' ابونعیم نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے یہ حدیث سیدنا علی کے امام ہونے کی صریح دلیل ہے۔

شیعہ نے اس روایت کے صحیح ہونے کی کوئی دلیل پیش نہیں کی۔ اس بات پر علماء کا اجماع ہے کہ کسی روایت کے کسی کتاب میں مندرج ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ صحیح بھی ہے۔

دیلمی کی کتاب الفردوس موضوعات کا پلندہ ہے یہ ان میں سے قبیح ترین روایت ہے اس کو نبی کریم کی طرف منسوب کرنا بھی گناہ ہے، سیدنا علی کو ہادی قرار دینے کا مطلب یہ ہے کہ لوگ نبی کریم کی بجائے ان سے ہدایت پاتے ہیں یہ ایسی بات ہے کہ کوئی مسلمان اسے زبان پر لانے کے لیے تیار نہیں۔ اور اگر شیعہ اس کا مطلب یہ بیان کریں کہ لوگ اسی طرح سیدنا علی سے فیض ہدایت حاصل کرتے ہیں جیسے نبی کریم سے تو اس سے سیدنا علی کی نبی کریم کے ساتھ مشارکت لازم آتی ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے نص قرآنی کی بنا پر صرف سرور کائنات ﷺ کو ہادی بنا کر بھیجا تھا۔

قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

﴿وَ اِنَّکَ لَتَهْدِیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ﴾ (الشوریٰ:۴۲/ ۵۲)

''بلاشبہ آپ سیدھی راہ کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔''

شیعہ کا قول کہ ''ہدایت یافتہ لوگ آپ (سیدنا علی) سے راہ پاتے ہیں۔'' اس کا مطلب یہ ہے کہ جس مسلم نے بھی ہدایت پائی۔ اس نے سیدنا علی کے ذریعہ پائی یہ واضح جھوٹ ہے اس لیے کہ لاتعداد لوگ سرور کائنات سے ہدایت پاکر جنت کے وارث بنے اور انھوں نے سیدنا علی سے کچھ

استفادہ بھی نہیں کیا۔ جب بیرونی بلاد و امصار فتح ہوئے تو وہاں کے لوگوں نے صحابہ سے فیض ہدایت حاصل کیا اور سیدنا علی کی شکل بھی نہ دیکھی جوان دنوں مدینہ میں بود و باش رکھتے تھے۔ پھر شیعہ کا دعویٰ کیوں کر درست ہوسکتا ہے؟

مزید براں ارشاد ربانی ﴿ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ﴾ جملہ اقوام عالم کے بارے میں فرمایا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ سیدنا علی اوّلین و آخرین سب کے لیے ہادی نہیں ہو سکتے۔ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ سیدنا علی سے ہدایت حاصل کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ آپ امام و خلیفہ بھی ہوں گے۔ اس لیے کہ ہدایت صرف خلیفہ ہی سے حاصل نہیں کی جاتی بلکہ علماء سے بھی یہ فیض حاصل کر سکتے ہیں۔ لہٰذا شیعہ مصنف کا یہ دعویٰ باطل ہے۔

امامت علی کی چودھویں دلیل:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''امامت علی کی چودھویں دلیل یہ آیت ہے: ﴿ وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَسْئُوْلُوْنَ ﴾ (الصافات: ۲۴) ''ان کو سوال کئے جانے کے لیے ٹھہراؤ۔''

ابو نعیم بطریق شعبی سیدنا ابن عباس سے نقل کر کے اس آیت کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ: ''لوگوں سے سیدنا علی کی ولایت و امارت کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔'' اسی طرح کتاب الفردوس میں سیدنا ابوسعید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ: ''بروز قیامت سیدنا علی کی خلافت کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔'' ان روایات سے معلوم ہوا کہ سیدنا علی ہی خلیفہ بلافصل ہیں۔''

ہم کہتے ہیں یہ جھوٹ ہے۔ آیت ہذا کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت کفار قریش سے متعلق ہے اس سے پہلی آیات میں ان مشرکین کا ذکر کیا گیا ہے جو روز قیامت پر ایمان نہیں رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان سے توحید و ایمان کے بارے میں دریافت کیا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ ان سے سیدنا علی کی حب کے بارے میں سوال کرنے کا کیا مطلب؟ کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ اگر وہ مشرک ہوتے ہوئے بھی سیدنا علی سے محبت رکھیں گے تو انھیں فائدہ پہنچے گا۔ اللہ کی پناہ! کہ کتاب الٰہی کو ایسے غلط معنی پہنائے جائیں۔

امامت علی کی پندرھویں دلیل:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''امامت علی کی پندرھویں دلیل یہ آیت ہے:

﴿وَلَتَعۡرِفَنَّهُمۡ فِیۡ لَحۡنِ الۡقَوۡلِ﴾ (سورۂ محمد: ۴۷/۳۰)

ابونعیم سیدنا ابوسعید سے روایت کرتے ہیں کہ ''لحن القول'' سے بغض علی مراد ہے۔ یہ خصوصیت دیگر صحابہ میں نہیں پائی جاتی۔ لہٰذا سیدنا علی ہی امام ہوں گے۔''

ہم کہتے ہیں کہ یہ سیدنا ابوسعید پر افتراء ہے۔ عام منافقین سیدنا علی کی عداوت میں مبتلا نہ تھے۔ پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ سیدنا علی کے دشمن سیدنا عمر فاروق سے زیادہ نہ تھے۔ بلکہ کفار و منافقین سیدنا فاروق اعظم سے شدید عداوت رکھتے تھے۔

احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا:

''معمولی درجہ کا نفاق انصار سے بغض و عداوت رکھنا ہے۔''[1]

بنا بریں بغض انصار کی وجہ سے منافقین کی پہچان زیادہ موزوں تھی۔ حدیث میں آیا ہے کہ منافقین کے سوا کوئی شخص سیدنا علی سے بغض نہیں رکھتا۔''[1] نفاق کی بہت سی علامات ہیں۔ بغض علی بھی ان میں شامل ہے، علاوہ ازیں کذب و خیانت، وعدہ خلافی اور فسق و فجور سب علامات نفاق ہیں۔''

ہم کہتے ہیں کہ جو شخص سیدنا علی کے ایمان و جہاد کی بنا پر آپ سے الفت و محبت کا سلوک روا رکھتا ہے، یا انہی اوصاف کی بنا پر انصار کو چاہتا ہے تو یہ اس کے ایمان کی علامات ہے، بخلاف ازیں جو شخص سیدنا علی و انصار کو انہی اوصاف اور نبی کریم ﷺ کی تائید و نصرت کے جرم میں نفرت و حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے وہ منافق ہے۔ علاوہ ازیں جو شخص کسی طبعی امر مثلاً رشتہ داری یا کسی دنیوی امر کی بنا پر ان سے محبت رکھتا ہے تو یہ اسی قسم کی محبت ہے جیسے ابوطالب کو نبی ﷺ کے ساتھ تھی۔ جو شخص

---

[1] صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار۔ باب حب الانصار، من الایمان، (حدیث: ۳۷۸۳، ۳۷۸٤)، صحیح مسلم۔ کتاب الإیمان۔ باب الدلیل علی ان حب الانصار......'' (حدیث: ۷٤،۷۵)

[2] صحیح مسلم، کتاب الإیمان باب الدلیل علی ان حب الانصار و علی رضی الله عنهم......(حدیث: ۷۸)

سیدنا مسیح یا سیدنا موسیٰ وعلی کے بارے میں غلو سے کام لیتا اوران کے بارے میں مبالغہ آمیزی کرنے والے کو بنظر استحسان دیکھتا ہے تو یہ شخص مبالغہ آمیزی وغلو کا ارتکاب کرتا ہے۔سیدنا مسیح جن کی شان میں نصاریٰ نے مبالغہ آمیزی سے کام لیا تھا۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ اس سے افضل تھے تاہم یہ محبت نصاریٰ کے لیے مفید ثابت نہ ہوئی۔محبت وہی سود مند ہے جو اللہ کے لیے ہو، نہ کہ وہ جس میں کسی کو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرایا جائے۔اسی طرح جو شخص انصار یا کبار صحابہ میں سے کسی کے ساتھ ایک سنی سنائی بات کی بنا پر بغض رکھتا ہو تو وہ خطا کار، گمراہ اور جاہل ہوگا، منافق نہیں ہوگا۔

امامت علی کی سولہویں دلیل:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''سولہویں دلیل قرآن کریم کی یہ آیت ہے:﴿ وَالسَّابِقُوْنَ السَّابِقُوْنَ اُوْلٰٓئِکَ الْمُقَرَّبُوْنَ﴾ (سورۃ الواقعہ۵۶/ ......)

سیدنا ابن عباس سے منقول ہے کہ اس امت میں سے سابق سیدنا علی ہیں۔''

ہم کہتے ہیں کہ یہ روایت صحیح نہیں۔مزید براں شیعہ مصنف نے اس کی سند بھی ذکر نہیں کی۔بشرط صحت بھی یہ روایت حجت نہیں، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ﴾(التوبة:۹/۱۰۰)

''مہاجرین وانصار میں سے اوّلین سابقین اور وہ لوگ جنھوں نے نیک اعمال میں ان کی پیروی کی اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گئے''

سابقین وہ صحابہ ہیں جنھوں نے فتح مکہ سے قبل اللہ کی راہ میں مال خرچ کیا اور جہاد کیا اس میں وہ صحابہ بھی شامل ہیں جنھوں نے بیعت رضوان میں شرکت کی تھی پھر یہ بات کیوں کر صحیح ہوسکتی ہے کہ پوری امت میں ایک ہی سابق (سیدنا علی) تھے؟ حالانکہ مردوں میں سب سے پہلے سیدنا ابوبکر اسلام لائے تھے۔عورتوں میں سے سیدنا خدیجہ، بچوں میں سے سیدنا علی اور غلاموں میں سے سیدنا زید رضی اللہ عنہم، اس بات میں علماء کا اختلاف ہے کہ آیا بچے کا اسلام لانا شرعاً معتبر بھی ہے یا نہیں؟ اس سے معلوم ہوا کہ سیدنا ابوبکر کا اسلام باقی سب کی نسبت اکمل وانفع تھا۔

امامت علی کی سترہویں دلیل:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

’’امامت علی کی سترہویں دلیل یہ آیت قرآنی ہے:﴿اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً﴾ (سورۃ التوبۃ:۹/ ۲۰)

’’رزین بن معاویہ نے اپنی کتاب ’’الجمع بین الصحاح‘‘ میں روایت کیا ہے کہ یہ آیت سیدنا علی کے بارے میں نازل ہوئی، اس لیے آپ سب سے افضل ہوئے اور ساتھ امام اور خلیفہ بھی۔‘‘

ہم شیعہ مصنف سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اس روایت کی صحت ثابت کرے۔ محدث رزین کی یہ عادت ہے کہ وہ اپنی جانب سے روایت میں بعض الفاظ بڑھا دیا کرتا ہے۔

صحیح حدیث وہ ہے جس کے راوی سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ ہیں، انھوں نے کہا کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کے پاس بیٹھا تھا، ایک شخص نے کہا، میں اسلام لانے کے بعد صرف حاجیوں کو پانی پلاؤں گا اور کچھ نہیں کروں گا۔ دوسرے نے کہا، میں صرف خانہ کعبہ کو آباد کروں گا۔ دوسرا کوئی کام نہیں کروں گا۔ تیسرے نے کہا، جہاد ان سب سے بہتر ہے سیدنا عمر نے انھیں ڈانٹ کر کہا۔ نبی کریم کے منبر کے پاس آواز بلند نہ کرو۔ میں نماز جمعہ سے فارغ ہو کر نبی کریم کی خدمت میں حاضر ہوں گا اور تمہارے اختلافی مسائل کا حل دریافت کروں گا۔‘‘ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔

’’کیا تم نے حاجیوں کے پانی پلانے اور خانہ کعبہ کے آباد کرنے والے کو اس شخص کی مانند قرار دیا ہے جو اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا اور اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہو۔‘‘ (سورۃ توبہ:۹/ ۱۹۔۲۰) [1]

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا علی جنھوں نے جہاد کو، حاجیوں کو پانی پلانے اور کعبہ کی حفاظت کی نسبت افضل قرار دیا تھا، حق بجانب تھے۔ ان کے مقابلہ میں اس شخص کا قول درست نہیں جس نے ان امور کو افضل تصور کیا تھا۔ اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ مسئلہ متنازعہ میں سیدنا علی کے پاس اپنے حریف کی نسبت حق وصداقت کا زیادہ علم تھا۔

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب فضل الشهادة فی سبیل الله(حدیث:۱۸۷۹)

سیدنا فاروق رضی اللہ عنہ کی رائے متعدد امور میں حکم ربانی سے ہم آہنگ رہی تھی۔ آپ ایک بات فرماتے اوراس کی تائید میں قرآن کریم نازل ہو جاتا۔ وہ یہ امور ہیں:

(۱) مقام ابراہیم۔ (۲) حجاب۔ (۳) بدر کے قیدی۔ [1]

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿عَسٰی رَبُّهٗۤ اِنۡ طَلَّقَكُنَّ اَنۡ یُّبۡدِلَهٗۤ اَزۡوَاجًا خَیۡرًا مِّنۡكُنَّ﴾

(تحریم:٦٦/٥)

''بہت ممکن ہے کہ اگر وہ (محمد) تم کو طلاق دے دیں، تو تمہارے عوض وہ آپ کو بہتر بیویاں عطا کر دے۔''

فرض کیجیے سیدنا علی میں ایک خصوصیت پائی جاتی ہے، تو اس سے ان کی امامت ثابت نہیں ہوتی اور نہ یہ کہ آپ امت میں سب سے افضل تھے۔ خضر کو ایسے مسائل معلوم تھے جو سیدنا موسیٰ کو معلوم نہ تھے، تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ سیدنا موسیٰ سے افضل تھے، اس سے بڑھ کر یہ کہ ہُدہُد نے سیدنا سلیمان علیہ السلام سے کہا تھا: ''اَحُطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ''، ''جو بات مجھے معلوم ہے آپ نہیں جانتے'' پھر یہ امر بھی قابل غور ہے کہ سیدنا ابوبکر بالاولیٰ اس آیت کے مصداق تھے۔ اس لیے کہ سیدنا علی تنگ دست تھے، خرچ کرنے کے لیے ان کے پاس مال موجود ہی نہ تھا بخلاف ازیں سیدنا ابوبکر غنی تھے اور انھوں نے اللہ کی راہ میں کثیر مال صرف کیا تھا۔

امامت علی کی اٹھارھویں دلیل:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''سیدنا علی کے منصب خلافت پر فائز ہونے کی اٹھارھویں دلیل یہ آیت ہے:

﴿اِذَا نَاجَیۡتُمُ الرَّسُوۡلَ فَقَدِّمُوۡا بَیۡنَ یَدَیۡ نَجۡوٰىكُمۡ صَدَقَةً﴾

(المجادلة:٥٨/١٢)

سیدنا ابن عباس فرماتے ہیں کہ نبی کریم کے ساتھ گفتگو کرنے سے پہلے صدقہ دینا

---

[1] صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل عمر بن الخطاب رضی الله عنه (حدیث: ٢٣٩٩)

ضروری ہے۔ باقی صحابہ بخل سے کام لیا کرتے تھے۔ صرف سیدنا علی صدقہ دیتے تھے۔''
سیدنا عبداللہ بن عمر کا قول ہے کہ سیدنا علی تین اوصاف کے حامل تھے اگر مجھ میں ان تین باتوں میں سے ایک بھی ہوتی تو مجھے سرخ اونٹوں سے زیادہ عزیز تھا۔

۱۔ سیدہ فاطمہ کے ساتھ شادی۔
۲۔ غزوۂ خیبر میں نبی کریم کا سیدنا علی کو جھنڈا عطا کرنا۔
۳۔ آیت نجویٰ۔

سیدنا علی فرمایا کرتے تھے: ''اس آیت پر میرے سوا کسی نے عمل نہیں کیا اور میری وجہ سے اللہ تعالیٰ نے امت کا بوجھ ہلکا کر دیا۔''
مذکورہ صدر اقوال سے سیدنا علی کی فضیلت ثابت ہوتی ہے، لہٰذا آپ احق بالامامت ہوں گے۔''

ہم کہتے ہیں کہ سیدنا علی نے اس آیت پر عمل کیا اور یہ جلد ہی منسوخ ہوگئی۔ بنا بریں دیگر صحابہ کو اس پر عمل کرنے کا شرف حاصل نہ ہوسکا۔ علاوہ ازیں اس آیت میں صدقہ کو واجب قرار نہیں دیا گیا۔ بلکہ یہ حکم دیا گیا تھا کہ جب رسول علیہ السلام سے رازدارانہ طور پر کوئی بات کرنا چاہیں تو صدقہ ادا کریں، جو شخص ایسی بات نہ کرنا چاہتا ہو اس کے لیے صدقہ ادا کرنا ضروری نہیں، چونکہ سرگوشی واجب نہ تھی۔ لہٰذا غیر واجب چیز کو ترک کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ جو شخص صدقہ ادا کرنے پر قادر نہ ہو اور اس کی نیت یہ ہو کہ بشرط قدرت وہ نبی کریم سے بات چیت کرے گا اور صدقہ دے گا تو اسے اس کی نیت کا اجر و ثواب مل جائے گا۔

جس شخص کو نبی کریم سے ایسی خفیہ بات کرنے کی ضرورت لاحق نہ ہو تو اسے ناقص قرار نہیں دیا جائے گا۔ البتہ جس شخص کو ایسی ضرورت لاحق ہوئی ہو مگر اس نے بخل سے کام لے کر آپ سے خفیہ بات نہ کی تو اس نے ایک مستحب فعل کو ترک کیا۔ خلفاء کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ بخیل تھے، یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ اصحاب ثلاثہ اس آیت کے نزول کے وقت موجود تھے۔ بلکہ اس بات کا بھی امکان ہے کہ بعض ان میں سے موجود نہ ہوں۔ یا تنگ دست ہوں یا انھیں نبی کریم کے ساتھ رازدارانہ بات کرنے کی ضرورت پیش نہ آئی ہو۔ اگر فرض کر لیا جائے کہ اصحاب ثلاثہ نے ایک مستحب فعل کو ترک کر دیا تو کیا مستحب پر عمل کرنے

والا افضل الامت کہلائے گا۔

حدیث میں آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے دریافت فرمایا: ''تم میں سے آج کون روزہ سے ہے؟'' ابوبکر نے کہا: میں ہوں۔ فرمایا کہ ''تم میں سے کسی نے جنازہ کو الوداع کہا ہے؟'' ابوبکر نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں نے جنازہ پڑھا ہے۔ پھر آپ نے دریافت کیا: ''کیا تم میں سے کسی نے صدقہ دیا ہے؟'' ابوبکر نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں نے صدقہ دیا ہے۔ آپ نے فرمایا: ''جس شخص میں یہ سب باتیں جمع ہو جائیں وہ جنتی شخص ہے۔''[1]

سرور کائنات ﷺ نے فرمایا: ''ابوبکر کے مال سے مجھے جس قدر فائدہ پہنچا دوسرے کسی کے مال سے نہیں پہنچا۔''[2]

بخاری و مسلم میں روایت کیا گیا ہے کہ نبی کریم نے فرمایا: ''صحبت ورفاقت اور انفاق مال کے اعتبار سے ابوبکر میرے سب سے بڑے محسن ہیں اور اگر میں کسی کو گہرا دوست بنانے والا ہوتا تو ابوبکر کو بناتا۔ البتہ اسلامی اخوت و مودّت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ مسجد نبوی کی طرف کھلنے والی سب کھڑکیاں بند کردی جائیں مگر ابوبکر کی کھڑکی کھلی رہے۔''[3]

سنن ابی داؤد میں ہے کہ نبی ﷺ نے سیدنا ابوبکر کو مخاطب کر کے فرمایا: ''اے ابوبکر! آپ سب سے پہلے جنت میں جائیں گے۔''[4]

ترمذی و ابوداؤد میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ہمیں صدقہ کرنے کا حکم دیا۔ میرے پاس ان دنوں مال تھا۔ میں نے کہا آج میں ابوبکر سے سبقت لے جاؤں گا۔ چنانچہ میں گھر

---

[1] صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة ،باب من فضائل ابی بکر الصدیق رضی الله عنه(حدیث:١٢/١٠٢٨)

[2] سنن ترمذی، کتاب المناقب۔ باب (١٥/٣٤)، (حدیث:٣٦٦١)، سنن ابن ماجة۔ المقدمة، باب فضل ابی بکر الصدیق رضی الله عنه(حدیث:٩٤)

[3] صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب هجرة النبی صلی اللہ علیه وسلم واصحابه الی المدینة(حدیث:٣٩٠٤)،صحیح مسلم۔ کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل ابی بکر الصدیق رضی الله عنه(حدیث:٢٣٨٢)

[4] سنن ابی داود۔ کتاب السنة، باب فی الخلفاء (حدیث:٤٦٥٢)، و سنده ضعیف

میں گیا اور آدھا مال لاکر آپ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ نبی کریم نے دریافت کیا:'' بال بچوں کے لیے کیا باقی چھوڑا؟ میں نے کہا: اس کے برابر۔ ابوبکر گھر کا تمام اثاثہ لے آئے۔ آپ نے فرمایا:'' ابوبکر! گھر میں کیا باقی چھوڑا۔'' عرض کیا:

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیق کے لیے ہے اللہ و رسول بس

سیدنا عمر فرماتے ہیں:''میں نے کہا اس کے بعد میں کبھی ابوبکر کا مقابلہ نہیں کروں گا۔''❶

ترمذی میں مرفوعاً روایت کیا گیا ہے کہ جس قوم میں ابوبکر موجود ہوں ان کو چاہیے کہ ابوبکر کے سوا اور کسی کو امام مقرر نہ کریں۔❷

سیدنا عثمان کا ایک ہزار اونٹ کو جنگ کے لیے تیار کرنا❸۔ سرگوشی کے صدقہ سے کئی گنا بڑھ کر ہے۔ اس لیے کہ جہاد پر خرچ کرنا فرض ہے، بخلاف ازیں خفیہ بات چیت سے پہلے صدقہ ادا کرنا ''نجویٰ'' کی شرط کے ساتھ مشروط ہے۔ جو شخص نبی کریم سے خفیہ بات چیت نہ کرنا چاہتا ہو اس پر صدقہ دینا واجب نہیں۔

بخاری و مسلم میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا ایک شخص ایک بیل کو ہانکے لیے جا رہا تھا اور اس پر بوجھ لاد رکھا تھا۔ بیل اس کی طرف متوجہ ہوا اور کہا:'' مجھے اس لیے نہیں پیدا کیا گیا۔ بلکہ میں کھیتی باڑی کے لیے پیدا کیا گیا ہوں۔ لوگوں نے گھبرا کر کہا: حیرت ہے کہ بیل کس طرح بات چیت کرنے لگ گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''میں اور ابوبکر و عمر اس بات کو تسلیم کرتے ہیں۔'' حالانکہ ابوبکر و عمر وہاں موجود نہ تھے۔

---

❶ سنن ابی داؤد۔ کتاب الزکاۃ، باب الرخصة فی ذلك (حدیث:١٦٧٨)، سنن ترمذی کتاب المناقب، باب(٤٣/١٦)، (حدیث:٣٦٧٥)

❷ سنن ترمذی ، کتاب المناقب، باب (٤٢/١٦) (حدیث:٣٦٧٣)، و سنده ضعیف اس کی سند میں عیسیٰ بن میمون راوی ضعیف ہے۔

❸ سنن ترمذی۔ کتاب المناقب باب (٦١/١٨)، (حدیث: ٣٧٠٠)، لیکن اس میں تین سو (٣٠٠)اونٹوں کا ذکر ہے۔ اور دوسری روایت میں ہزار دینار کا ذکر ہے۔ واللہ اعلم۔

بخاری و مسلم [1] میں سیدنا ابوہریرہ سے مروی ہے کہ ایک انصاری کے ہاں ایک مہمان آیا۔ گھر میں صرف بچوں کی خوراک تھی۔ بیوی کو کہا، بچوں کو سلا کر دیا گل کر دو اور جو کچھ ہے مہمان کو پیش کر دو۔ بیوی نے یونہی کیا۔ تب یہ آیت نازل ہوئی:

﴿وَ یُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ کَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾ (حشر: ۵۹/۹) [2]

''وہ اپنے آپ پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ خود بھوکے رہیں۔''

یہ نجوی کی نسبت بہت بڑا کام ہے۔

امامت علی کی انیسویں دلیل:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''امامت علی کی انیسویں دلیل یہ آیت ہے:

﴿وَ اسْاَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَا اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً یُّعْبَدُوْنَ﴾ (زخرف: ۴۳/۴۵)

ابن عبدالبر و ابونعیم نے روایت کیا ہے کہ شب معراج میں اللہ تعالیٰ نے سب انبیاء کو جمع کر کے فرمایا: اے محمد! ان سے پوچھیے کہ تمہاری بعثت کس بات پر عمل میں آئی تھی؟ انھوں نے کہا، اس بات کی شہادت پر کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں نیز آپ سچے نبی ہیں اور علی آپ کے امام و خلیفہ ہیں۔ اس روایت سے صراحۃً سیدنا علی کی امامت کا اثبات ہوتا ہے۔''

بلاشبہ یہ روایت اور اس کے نظائر و امثال سب کذب ہیں، اور اگر یہ روایت کذب نہ بھی ہوتی۔ جب بھی اثبات صحت سے قبل استدلال کرنا ناروا تھا۔ سخت حیرت ہے کہ جو چیز اصل ایمان

---

1. صحیح بخاری ۔ کتاب الحرث والمزارعة، باب استعمال البقر للحرثة (حدیث: ۲۳۲٤)،صحیح مسلم۔ کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل ابی بکر الصدیق رضی الله عنه، (حدیث: ۲۳۸۸)
2. صحیح بخاری ۔کتاب مناقب الانصار۔ باب قول الله عزوجل﴿ وَ یُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ ......﴾(حدیث: ۳۷۹۸)، صحیح مسلم، کتاب الأشربة۔ باب اکرام الضیف (حدیث: ۲۰۵٤)

میں داخل نہیں اس کے بارے میں انبیاء سے کیوں کر پوچھا جائے گا؟ اس بات پر سب مسلمانوں کا اجماع ہے کہ اگر ایک شخص نبی کریم پر ایمان رکھتا اور آپ کی اطاعت کرتا ہو وہ مر جائے اور اسے علم نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ابوبکر و علی کو پیدا کیا تھا تو عدم علم سے اس کے ایمان کو کچھ نقصان نہیں پہنچے گا۔ پھر یہ کہنا کس حد تک درست ہے کہ صحابہ میں سے ایک (سیدنا علی) پر ایمان لانا انبیاء کے لیے ناگزیر ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان سے صرف یہ عہد لیا تھا کہ اگر ان کی زندگی میں محمد ﷺ مبعوث ہو کر آ جائیں تو ان پر ایمان لانا اور ان کی مدد کرنا ہوگا۔ سیدنا ابن عباس نے سورۂ آل عمران کی آیت نمبر:۸۱، ﴿ثُمَّ جَآءَ کُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ﴾ کی تفسیر میں یہ بات کہی ہے۔[1] مزید براں شیعہ نے جس آیت سے استدلال کیا ہے اس میں یہ بات مذکور نہیں کہ انبیاء سے پوچھیں کہ انھیں کس بات پر مبعوث کیا گیا ہے؟ بخلاف ازیں آیت میں انبیاء سے یہ بات دریافت کرنے کا حکم دیا گیا ہے کہ ہم نے کچھ اور بھی معبود مقرر کیے ہیں جن کی پرستش کی جائے؟

امامت علی کی بیسویں دلیل:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''امامت علی کی بیسویں دلیل یہ آیت کریمہ ہے: ﴿وَ تَعِیَهَا اُذُنٌ وَّاعِیَةٌ﴾ (الحاقۃ: ۶۹/ ۱۲)

''ثعلبی کی تفسیر میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اے علی! میں نے اللہ سے یہ دعا کی تھی کہ وہ تیرے کانوں کو ایسا بنا دے۔ اسی طرح ثعلبی نے بطریق ابونعیم ذکر کیا ہے یہ ایک ایسی فضیلت ہے جس میں سیدنا علی منفرد تھے۔ لہٰذا وہی امام ہوں گے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ روایت موضوع ہے، جہاں تک زیر نظر آیت کا تعلق اس میں جملہ بنی آدم سے خطاب کیا گیا ہے ایک شخص سے خطاب نہیں ہے اس لیے کہ سیدنا نوح اور ان کی قوم کو کشتی میں سوار کرنا عظیم ترین نشانی ہے۔ بے شک سیدنا علی کے گوش حق نیوش سیدنا ابوبکر و عمر اور امت کے باقی لوگوں کی مانند تھے اس بات کو کون تسلیم کر سکتا ہے کہ نبی ﷺ حسن و حسین اور عمار و ابوذر رضی اللہ عنہم کے کان آواز حق کو سننے والے نہ تھے۔ بتائیے اب تفرد و افضلیت کی کونسی بات رہی؟ شیعہ کے بیان کردہ مقدمات اسی طرح

---

[1] اور یہی تفسیر سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، دیکھیے تفسیر ابن جریر۔ ۵/ ۶۶)

بے بنیاد ہیں جس طرح متقدمین شیعہ کے براہین و دلائل بے حقیقت ہیں، ایسے دلائل کو وہی شخص تسلیم کر سکے گا جو ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کر چکا ہو یا صاحب بدعت و عصبیت ہو۔ اسی لیے یہ مقولہ زبان زد خاص و عام ہے کہ شیعہ عقل و نقل اور دین و مذہب سے بے گانہ اور حکومت و سلطنت سے عاری ہیں۔

امامت علی کی اکیسویں دلیل:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''سیدنا علی کے امام ہونے کی اکیسویں دلیل آیت قرآنی ﴿هَلْ اَتٰی﴾ ہے۔

مفسر ثعلبی نے متعدد طرق سے روایت کیا ہے کہ سیدنا حسن و حسین بیمار پڑ گئے۔ تو ان کے نانا اور عام لوگ بیمار پرسی کے لیے آئے۔ لوگوں نے سیدنا علی سے کہا، ابو الحسن! اپنے بچوں کے لیے نذر مانیے۔ آپ نے تین دن روزہ کی منت مانی۔ اسی طرح ان کی والدہ نے بھی نذر مانی۔ چنانچہ بچے تندرست ہو گئے۔ گھر میں کھانے کو کچھ نہ تھا۔ سیدنا علی نے تین صاع جو قرض لیے، سیدہ فاطمہ نے اس سے پانچ روٹیاں پکائیں۔ سیدنا علی نے نبی کریم کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھی اور گھر آئے۔ آپ کے سامنے کھانا رکھا گیا تو ایک مسکین آ کر کھانا طلب کرنے لگا۔ چنانچہ کھانا مسکین کو دے دیا اور شب و روز پانی کے سوا کچھ نہ کھایا۔ جب دوسرا روز ہوا تو سیدہ فاطمہ نے کھانا پکایا۔ سیدنا علی آئے اتنے میں ایک یتیم آ کر کھانا طلب کرنے لگا اس نے کہا: ''اے محمد کے گھر والو! میں مہاجرین کی اولاد میں سے یتیم ہوں۔ میرے والد یوم العقبہ کو شہید ہوئے تھے، مجھے کھانا کھلاؤ، اللہ تعالیٰ تمہیں جنت کے دستر خوان پر سے کھانا کھلائے گا۔'' سیدنا علی نے اسے کھانا دے دیا۔ اور دو دن اور دو راتیں پانی کے سوا کچھ نہ کھایا، اس طرح تیسرے دن ایک قیدی کو کھانا کھلایا۔ چوتھے روز جبرائیل یہ آیت لے کر نازل ہوئے۔ ﴿هَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ﴾ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا علی گوناگوں اوصاف کے حامل تھے یہ ان کے امام ہونے کی دلیل ہے۔

ہم شیعہ مصنف سے مطالبہ کرتے ہیں کہ اس کی صحت ثابت کرے، یہ روایت بہ اتفاق محدثین موضوع ہے اس کے موضوع ہونے میں ذرہ بھر شبہ نہیں، یہ روایت کسی قابل اعتبار مسند یا حدیث کی

کتاب میں موجودنہیں۔امام نسائی کی جمع کردہ کتاب ''خصائص علی'' میں صحیح وضعیف ہرقسم کی روایتیں فضائل علی کے بارے میں جمع کی گئی ہیں۔مگر یہ روایت اس میں بھی مذکورنہیں۔اسی طرح ابونعیم کی کتاب الخصائص نیز ابن ابی حثمہ و جامع ترمذی میں فضائل علی کی ضعیف احادیث موجود ہیں،مگران کتب میں سابق الذکر روایت کا کوئی نشان نہیں ملتا۔اصحاب السِّیَر مثلاً ابن اسحاق نے بھی فضائل علی پر مشتمل احادیث ضعیفہ ذکر کی ہیں مگر یہ روایت بیان نہیں کی جو بہ اتفاق اہل نقل موضوع ہے۔

یہ تاریخ کی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ سیدنا علی و فاطمہ کا نکاح مدینہ میں ہوا اور سورۃ الدہر باتفاق مفسرین مکی ہے۔اس سے سابق الذکر روایت کا کذب ظاہر ہوگیا۔

صحیحین میں ثابت ہے کہ نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے نذر ماننے سے منع کیا اور فرمایا اس سے کچھ فائدہ نہیں پہنچتا۔البتہ بخیل کا مال ضرور نکل جاتا ہے۔[1] اللہ تعالیٰ نے ایفاء نذر کی تعریف کی ہے،مگر نذر ماننے کو قابل تعریف فعل قرار نہیں دیا۔جس طرح ظہار (بیوی سے یوں کہنا کہ تو میرے لیے اسی طرح ہے جیسے میری ماں کی پیٹھ) کوئی قابل تعریف فعل نہیں ہے،مگر کوئی شخص جب ظہار کا مرتکب ہو اور کفارہ ادا کردے تو یہ ایک ممدوح فعل ہے۔سیدہ فاطمہ کی کوئی لونڈی فضہ نامی نہیں تھی۔ بلکہ مدینہ بھر میں اس نام کی کوئی کنیز نہ تھی۔ یہ اسی طرح ہے جیسے ''ابن عقب'' ایک فرضی نام وضع کیا گیا ہے حالانکہ اس نام کا کوئی آدمی نہ تھا۔

بخاری و مسلم میں سیدنا علی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ سے مروی ہے کہ سیدہ فاطمہ نے نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے ایک خادم طلب کیا۔آپ نے فرمایا کہ سوتے وقت سو مرتبہ سبحان اللہ والحمد للہ اور اللہ اکبر پڑھ لیا کرو۔ یہ خادم سے بہتر ہے۔''[2]

علاوہ ازیں تین شب و روز بچوں کو کھانا نہ کھلانا خلاف شرع ہے اور ہلاکت کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارشاد ہے کہ پہلے اپنے اہل وعیال کو کھلاؤ۔''[3] نیز یہ کہ وہ

---

[1] صحيح بخاری، كتاب الأيمان والنذور۔ باب الوفاء بالنذر، (حديث:٦٦٩٣)، صحيح مسلم، كتاب النذر۔ باب النهی عن النذر(حديث:١٦٣٩)

[2] صحيح بخاری، كتاب الدعوات ، باب التكبير والتسبيح عند المنام (حديث: ٦٣١٨)، صحيح مسلم، كتاب الذكر والدعاء باب التسبيح اوّل النهار و عند النوم (حديث:٢٧٢٧)

[3] صحيح بخاری، كتاب الزكاة، باب لا صدقة الا عن ظهر غنی (حديث: ١٤٢٦، ١٤٢٧)

سائل کو ایک روٹی دے کر بھی اطمینان دلا سکتے تھے، پھر یتیم کا یہ قول کہ میرے والد یوم العقبہ شہید ہو گئے تھے، صاف جھوٹ ہے، اس لیے کہ عقبہ کی رات صرف نبی کریم کی بیعت کی گئی تھی لڑائی نہیں ہوئی تھی۔ اللہ اس شخص کو رسوا کرے جس نے یہ واقعہ تصنیف کیا۔

مدینہ میں قیدی بھیک نہیں مانگا کرتے تھے، بلکہ مسلمان ہر طرح ان کی ضروریات کی کفالت کیا کرتے تھے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ ایک قیدی مدینہ میں بھیک مانگا کرتا تھا، صاف جھوٹ ہے۔ سیدنا جعفر بن ابی طالب سب لوگوں کی نسبت غرباء کو زیادہ کھانا کھلایا کرتے تھے۔ [1] نبی کریم ﷺ نے ان کی شان میں فرمایا تھا۔ ''آپ کی سیرت وصورت میرے جیسی ہے۔'' [2]

سیدنا ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ لطف واحسان کے سلسلہ میں کوئی شخص سیدنا جعفر سے بڑھ کر نبی کریم کے نقش قدم پر نہیں چلا۔ [3] تاہم جعفر رضی اللہ عنہ علی رضی اللہ عنہ کی نسبت افضل نہیں تھے۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا انفاق فی سبیل اللہ عام طور سے معروف ہے۔ ایسا انفاق آج کل ممکن ہی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''میرے صحابہ کو برا نہ کہو مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر تم میں سے کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو صحابہ کے عشر عشیر کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔'' [4]

امامت علی کی بائیسویں دلیل:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

---

[1] صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم۔ باب مناقب جعفر بن ابی طالب رضی الله عنه(حدیث:۳۷۰۸)

[2] صحیح بخاری، کتاب الصلح ، باب کیف یکتب هذا ما صالح فلان...... (حدیث: ۲۶۹۹) مطولاً

[3] سنن ترمذی، کتاب المناقب ، باب مناقب جعفر بن ابی طالب رضی الله عنه (حدیث: ۳۷٦٤) ، ومستدرك حاکم(۲۱۱/۳) بمعناه

[4] صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم باب قول النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم، "لوکنت متخذا خلیلاً"(حدیث:۳٦۷۳)، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب تحریم سب الصحابة (حدیث:۲٥٤۱)

’’امامت علی کی بائیسویں دلیل یہ آیت ہے:﴿وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَ صَدَّقَ بِہٖ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ﴾سورۂ الزمر:۳۹/۳۳)

ابو نعیم مجاہد سے روایت کرتے ہیں کہ ’’صَدَّقَ بِہٖ‘‘سیدنا علی کے بارے میں ہے۔ یہ سیدنا علی کی عظیم خصوصیت ہے لہٰذا آپ امام وخلیفہ ہوں گے۔‘‘

ہم کہتے ہیں کہ اس ضمن میں مجاہد کا قول اگر ثابت ہو جائے تو بھی حجت نہیں، حالانکہ مجاہد سے اس کے خلاف ثابت ہے۔ مجاہد کا قول ہے کہ صدق سے قرآن مراد ہے۔ اور ’’صَدَّقَ بِہٖ‘‘ کا مطلب یہ ہے کہ جو اس پر عمل کرے۔ شیعہ کا قول جمہور مفسرین کے خلاف ہے جو کہتے ہیں کہ اس آیت کے مصداق سیدنا ابوبکر ہیں۔ ابن جریر طبری، اور دیگر مفسرین نے یہ بات ذکر کی ہے، ابوبکر بن عبدالعزیز بن جعفر الفقیہ سے اس آیت کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انھوں نے کہا کہ یہ آیت سیدنا ابوبکر کی شان میں نازل ہوئی۔ معترض نے کہا: یہ آیت سیدنا علی کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ یہ سن کر ابوبکر الفقیہ نے کہا: ’’اس آیت سے اگلی آیات تلاوت کیجیے، اس نے جب یہ آیت پڑھی ﴿فَکَفَّرَ اللّٰہُ اَسْوَاَ الَّذِیْ عَمِلُوْا﴾ (الزمر:۳۹/ ۳۵) تو ابوبکر الفقیہ نے کہا: ’’سیدنا علی تمہارے نزدیک معصوم ہیں، پھر ان سے کون سے گناہ دور کیے جائیں گے۔‘‘ معترض لاجواب ہو گیا۔ جہاں تک آیت کے الفاظ کا تعلق ہے وہ عام ہیں اس میں ابوبکر وعلی بھی شامل ہیں اور دوسرے لوگ بھی۔

امامت علی کی تئیسویں دلیل:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

’’سیدنا علی کے امام ہونے کی تئیسویں دلیل یہ آیت ہے:﴿ھُوَ الَّذِیْ اَیَّدَکَ بِنَصْرِہٖ وَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ﴾ (سورۃ انفال:۸/۶۲)

ابو نعیم سیدنا ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ عرش پر لکھا ہے، محمد میرے بندے اور رسول ہیں۔ میں نے علی سے ان کی تائید کی۔‘‘ یہ سیدنا علی کی عظیم فضیلت ہے لہٰذا آپ ہی امام تھے۔‘‘

ہم پوچھتے ہیں کہ یہ روایت کہاں مذکور ہے؟ شیعہ نے ابو نعیم کو اس روایت کا ناقل ٹھہرایا ہے حالانکہ اس نے اپنی کتاب ’’الفضائل‘‘ اور ’’الحلیہ‘‘ میں صحابہ کے جو مناقب وفضائل بیان کیے ہیں وہ اس کے خلاف ہیں۔ ہم اللہ کو گواہ بنا کر کہتے ہیں کہ یہ سیدنا ابوہرہ پر بہتان باندھا گیا ہے، ہمارے

پاس اس کا واضح علم موجود ہے جس کو شیعہ ہمارے دلوں سے زائل نہیں کر سکتے۔ جو شخص علم الآثار سے بے گانہ ہے وہ ہمارے زمرہ میں داخل نہیں۔ ہم ضعیف اقوال و آثار کو اسی طرح پہچان لیتے ہیں جس طرح ایک ماہر نقاد قسم اٹھا کر یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ سکہ کھوٹا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے تجھے اپنی اور مومنوں کی نصرت و تائید سے مؤید کیا اور مومنوں کے دلوں میں الفت پیدا کر دی۔''

یہ آیت اس بات پر نص قاطع کی حیثیت رکھتی ہے کہ جمیع صحابہ سے نبی کریم کو مؤید فرمایا گیا تھا، اس کو سیدنا علی کے ساتھ مختص قرار دینا اس آیت کی تحریف ہے، یہ بدیہی بات ہے کہ دین اسلام کا قیام صرف ابوبکر و علی کی اعانت کا رہین منت نہ تھا۔ بلکہ سب مہاجرین و انصار قیام دین کے سلسلہ میں آپ کے دست و بازو بنے تھے۔

امامت علی کی چوبیسویں دلیل:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''امامت علی کی چوبیسویں دلیل یہ آیت قرآنی ہے: ﴿حَسْبُکَ اللّٰہُ وَ مَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ (الانفال: ۸/۶۴)

ابونعیم کا قول ہے کہ یہ آیت سیدنا علی کے بارے میں نازل ہوئی لہٰذا وہی امام برحق ہوں گے۔''

ہم شیعہ سے اس روایت کی صحت نقل کا مطالبہ کرتے ہیں، علاوہ ازیں آیت کا مطلب صرف یہ ہے کہ اے نبی! آپ کے لیے اور آپ کی پیروی کرنے والے اہل ایمان کے لیے اللہ کی مدد کافی ہے۔ جیسے شاعر کا قول ہے۔

فَحَسْبُكَ وَالضُّحَّاكَ سَيْفٌ مُّهَنَّدٌ

''تمہارے اور ضحاک کے لیے صرف شمشیر برآں کافی ہے۔''

اس کی وجہ یہ ہے کہ ''حَسْبُ'' مصدر ہے۔ مضاف ہونے کی صورت میں مستحسن یہ ہے کہ اعادہ جار کے ساتھ اس پر عطف ڈالا جائے۔ اعادہ جار کے بغیر شاذ و نادر ہی اس پر عطف ڈالا جاتا ہے۔ بعض عارفین نے آیت کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اے نبی! اللہ تعالیٰ اور مومن آپ کے لیے کافی ہیں۔'' اس صورت میں ﴿مَنِ اتَّبَعَکَ﴾ رفعی حالت میں ہوگا اور اس کا عطف لفظ اللہ پر ہوگا۔''

یہ اتنی بڑی غلطی ہے کہ اس سے کفر لازم آتا ہے۔اس لیے کہ صرف اللہ تعالیٰ ساری مخلوقات کے لیے کافی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾(آل عمران:۳/۱۷۳)

''انھوں نے کہا اللہ تعالیٰ ہمارے لیے کافی ہے اور وہ عمدہ کارساز ہے۔''

اگر ہم فرض بھی کرلیں کہ ﴿مَنِ اتَّبَعَکَ﴾ عل ہے اور اللہ پر معطوف ہے تو بھی یہ سیدنا علی کے ساتھ مختص نہیں ہوسکتا۔اس لیے کہ نزول آیت کے وقت آپ کی پیروی کرنے والے بے شمار مومن موجود تھے۔کوئی دانش مند آدمی یہ نہیں کہہ سکتا کہ جہاد کفار میں نبی کریم کے لیے صرف سیدنا علی ہی کافی تھے۔ خدانخواستہ آپ کی اعانت کے لیے سیدنا علی کے سوا اگر دیگر صحابہ موجود نہ ہوتے تو اسلام کا بول بالا نہ ہوتا۔مکہ میں نبی کریم کے ساتھ سیدنا علی کے علاوہ چند صحابہ موجود تھے۔تاہم دین کا بول بالا نہ ہوسکا، بلکہ دین کو غلبہ اسی وقت حاصل ہوا جب آپ نے مدینہ میں ہجرت فرمائی۔غور کیجیے سیدنا علی کی امداد کے لیے لشکر جرار موجود تھا۔تاہم آپ سیدنا معاویہ سے شام کا ملک چھین نہ سکے۔

شیعہ کے جہل وظلم کا اندازہ لگائیے کہ یہ دو متضاد باتوں کو جمع کردیتے ہیں۔ایک جانب سیدنا علی کو قدرت وشجاعت کے اعتبار سے اکمل البشر قرار دیتے اور کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ان کے محتاج تھے۔دین اسلام کی توسیع واشاعت بھی روافض کے خیال میں سیدنا علی کی رہین منت تھی۔دوسری جانب یہ کہتے ہیں کہ سیدنا علی ظہور اسلام کے بعد عجز و نیاز کا زندہ پیکر بن گئے تھے۔اور آپ نے تقیہ کررکھا تھا یہ بات کس قدر عجوبہ روزگار ہے کہ جو شخص اسلام کی کمزوری اور قلت افراد کے زمانہ میں مشرکین بلکہ جن وانس سب پر غالب تھا، تو وہ ایک باغی گروہ کے مقابلہ میں کیوں کر عاجز آگیا اور اس کو زیر نہ کرسکے۔اس سے یہ بات واضح ہوئی کہ سیدنا علی تنہا مشرکین کو زیر نہیں کرسکتے تھے۔

شیعہ سیدنا علی کی جن لڑائیوں کا تذکرہ کرتے ہیں ان سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیے، وہ جھوٹ اور شیعہ کی وضع کردہ ہیں، اللہ ان کے گھڑنے والے کو رسوا کرے۔روافض کے اس فعل کی نظیر نصاریٰ کا یہ طرز عمل ہے کہ وہ ایک طرف سیدنا عیسیٰ کو اِلٰہ قرار دیتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ یہ عقیدہ بھی رکھتے ہیں کہ ان کے دشمنوں نے ان کی تذلیل کی ان کے سر پر کانٹے رکھے اور انھیں سولی پر چڑھایا۔ سیدنا مسیح واویلا کرتے رہے، مگر انھوں نے ایک نہ سنی۔اگر سیدنا مسیح کو یہ تکلیف اللہ کی مرضی سے دی

جارہی تھی تو یہ ایک طاعت وعبادت تھی جو یہود بجا لا رہے تھے۔ بنا بریں وہ مدح وستائش کے مستحق تھے نہ کہ مذمت کے۔ یہ عظیم ترین کفر و جہالت ہے۔

عام شیوخ وفقراء بھی اسی قسم کے تضاد میں مبتلا ہیں، ایک طرف وہ بلند بانگ دعاوی کرتے نہیں تھکتے اور دوسری طرف ضعف و عجز کا مظاہرہ بھی کرتے رہتے ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ بروز قیامت تین آدمیوں پر نظر رحمت نہیں فرمائے گا۔ اس سلسلہ میں آپ نے تنگ دست متکبر کا ذکر کیا۔ ایک روایت میں عیال دار متکبر کے الفاظ ہیں۔ [1]

ایک مفلس وقلاش آدمی کے اظہار فخر وغرور کا طرز وانداز یہ ہے کہ جب وہ کبر وغرور پر اترے تو اپنے آپ کو اللہ کا جانشین قرار دے اور یہ کہے کہ میرے سوا کوئی رب ہے نہ رسول۔ اس کا انجام یہ ہو کہ وہ بھیک مانگنے پر اتر آئے اور لوگوں سے روٹی کے ٹکڑے طلب کرتا پھرے یا امراء کے دروازے پر جا دستک دے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''جن لوگوں نے اللہ کے سوا دوسروں کو اپنا کارساز بنایا ان کی مثال ایک مکڑی جیسی ہے جس نے ایک گھر بنایا ہو اور سب سے کمزور ترین گھر مکڑی ہی کا ہوتا ہے، اے کاش! کہ انھیں معلوم ہوتا۔'' (العنکبوت:۴۱)

متکبر آخر کار ہمیشہ ذلت ورسوائی سے دو چار ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''ان پر ذلت و رسوائی چھا گئی تھی وہ جہاں بھی ہوں مگر یہ کہ وہ اللہ کی پناہ میں ہوں یا لوگوں کی پناہ میں آجائیں۔ وہ مورد غضب الٰہی ہوئے اور ان پر مسکینی چھا گئی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ آیات الٰہی کے ساتھ کفر کرتے انبیاء کو بلاوجہ تہ تیغ کرتے اللہ کے نافرمان اور حد سے تجاوز کرنے والے تھے۔'' (آل عمران:۱۱۲)

مذکورہ صدر آیات سے مستفاد ہوتا ہے کہ جہل وغلو اور اباطیل کے سامنے سرنیاز جھکانا نصاریٰ کا طریق کار ہے اور کبر وحسد، انکار حق اور ذلت وتقیہ دین یہود ہے، مگر روافض فرقہ ہائے یہود ونصاریٰ دونوں کے اعمال قبیحہ کو سموئے ہوئے ہیں اور ان سے تمسک کرتے ہیں۔ اللہ کریم ہمیں اور ان کو

---

[1] سنن نسائی۔ کتاب الزکاۃ، باب الفقیر المختال (حدیث: ۲۵۷۶، ۲۵۷۷) وصحیح مسلم، کتاب الایمان۔ باب بیان غلظ تحریم اسبال الازار (حدیث: ۱۰۷)

ہدایت کی توفیق بخشے۔

امامت علی کی پچیسویں دلیل:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''امامت علی کی پچیسویں دلیل یہ آیت قرآنی ہے: ﴿فَسَوْفَ یَاتِی اللّٰہُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّھُمْ وَ یُحِبُّوْنَہٗ﴾ (المائدۃ: ۵/۵۴)

ثعلبی کہتے ہیں کہ یہ آیت سیدنا علی کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ سیدنا علی دیگر صحابہ سے افضل تھے۔ لہٰذا وہی امام وخلیفہ ہوں گے۔''

ہم کہتے ہیں کہ یہ ثعلبی پر افتراء ہے، ثعلبی اس آیت کی تفسیر میں لکھتا ہے:

''علی بن بن ابی طالب وقتادہ وحسن کا قول ہے کہ اس سے ابوبکر اوران کے رفقاء مراد ہیں۔ مجاہد نے اس سے اہل یمن مراد لیا ہے۔''

اس میں شک نہیں کہ سیدنا علی ان لوگوں میں سے تھے جو اللہ ورسول کے محبوب بھی تھے۔ اور محبّ بھی۔ سیدنا ابوبکر وعمر اور دیگر سابقین ومتاخرین بھی انھی میں شامل تھے۔ کیا کوئی دانش مند آدمی بقائمی ہوش وحواس کہہ سکتا ہے کہ آیت کریمہ ﴿اَذِلَّۃٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّۃٍ عَلَی الْکَافِرِیْنَ﴾ یک واحد شخص (سیدنا علی) کے بارے میں نازل ہوئی حالانکہ سب جمع کے الفاظ ہیں۔

امام علی کی چھبیسویں دلیل:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''امامت علی کی چھبیسویں دلیل یہ آیت ہے: ﴿وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ اُوْلٰٓئِکَ ھُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ وَالشُّھَدَآءُ عِنْدَ رَبِّھِمْ﴾ (الحدید: ۵۷/ ۱۹)

امام احمد، ابن ابی لیلیٰ سے روایت کرتے ہیں اور وہ اپنے باپ سے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

''صدیق تین ہیں: حبیب نجار مومن آل یاسین، خرقیل مومن آل فرعون اور علی بن ابی طالب اور یہ تینوں میں سے افضل ہیں۔'' یہ ایسی فضیلت ہے جو آپ کی امامت پر دلالت کرتی ہے۔''

ہم شیعہ مصنف سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اس کی صحت ثابت کرے۔ اس لیے کہ امام احمد کی جمیع مرویات صحیح نہیں ہیں۔ اس پر مزید یہ کہ یہ روایت امام احمد نے اپنی ''المسند'' میں ذکر کی ہے۔ نہ ''

الفضائل''میں، القطیعی نے الکُدیمی سے اس کا اضافہ کیا ہے، حسن بن محمد نے عمرو بن جمیع سے سنا، اس نے ابن ابی لیلیٰ سے، اس نے اپنے بھائی سے، اس نے عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے، اس نے اپنے باپ سے مرفوعاً یہ روایت بیان کی ہے۔ القطیعی کہتے ہیں ہماری طرف عبداللہ بن غنام نے لکھا کہ ہم نے حسن بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ نابینا سے سنا اس نے عمرو بن جمیع سے سنا۔ محدث ابن عدی عمرو بن جمیع کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ وضاع ہے، اسی طرح الکُدیمی معروف بالکذب ہے۔ لہٰذا یہ روایت ساقط عن الاحتجاج ہے۔

علاوہ ازیں احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ سیدنا علی کے سوا کچھ اور لوگ بھی صدیق کے لقب سے ملقب تھے۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ نبی کریم ﷺ کوہ احد پر چڑھے۔ آپ کے ہمراہ سیدنا ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ پہاڑ کانپا تو آپ نے فرمایا:''احد (کے پہاڑ) ٹھہر! تجھ پر تو صرف ایک نبی ہے ایک صدیق اور دو شہید۔''[1]

احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا:''آدمی سچ بولتا رہتا ہے اور راست گوئی کا قصد کرتا ہے، یہاں تک کہ اللہ کے نزدیک صدیق لکھا جاتا ہے۔''[2] اللہ تعالیٰ نے سیدنا مریم کو بھی صدیقہ کے لقب سے ملقب کیا ہے۔ قرآن کریم میں بعض انبیاء کو بھی صدیق کہا گیا ہے۔ سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی شان میں فرمایا:

﴿اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا﴾(مریم:۱۹/۵۶)

''آپ راست باز نبی تھے۔''

عام لوگوں کے حق میں فرمایا:

---

[1] صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم۔ باب قول النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم" لوکنت متخذا خلیلاً" (حدیث:۳۶۷۵)، عن انس رضی الله عنه واللفظ له، صحیح مسلم ۔ کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل طلحة والزبیر رضی الله عنهما(حدیث:۲۴۱۷)، عن ابی هریرة رضی الله عنه بمعناه

[2] صحیح مسلم، کتاب البر والصلة، باب قبح الکذب و حسن الصدق، (حدیث: ۱۰۵/ ۲۶۰۷)، واللفظ له۔ صحیح بخاری، کتاب الادب، باب قول الله تعالیٰ﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ......﴾(حدیث:۶۰۹۴)

﴿وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيۡقُوۡنَ﴾(الحدید:۵۷/۱۹)

''جولوگ اللہ تعالیٰ اوراس کے رسولوں پر ایمان لائے وہ صدیق ہیں۔''

یہ آیت اس امر کی مقتضی ہے کہ ہر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ اور رسولوں پر ایمان رکھتا ہے وہ صدیق ہے۔اگر صدیق امام ہی کو کہتے ہیں تو اس نام کے سب سے زیادہ حق دار سیدنا ابوبکر تھے اور انہی کے لیے یہ نام اورامامت وخلافت ثابت ہے۔

امامت علی کی ستائیسویں دلیل:

شیعہ مصنف رقم طراز ہے:

''امامت علی کی ستائیسویں دلیل درج ذیل آیت ہے:﴿ اَلَّذِيۡنَ يُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَهُمۡ فِى الَّيۡلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً﴾ (سورۃ البقرہ:۲/۲۷۴)

ابونعیم سیدنا ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ یہ آیت سیدنا علی کے بارے میں نازل ہوئی۔ان کے پاس چار درہم تھے۔ایک درہم رات کے وقت خرچ کیا ایک دن کے وقت ایک خفیہ اور ایک علانیہ۔چونکہ سیدنا علی اس فضیلت میں منفرد ہیں،لہٰذا امام بھی وہی ہیں۔''

ہم اس نقل کا ثبوت طلب کرتے اور دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ صریح کذب ہے۔یہ آیت ہر خرچ کرنے والے کے بارے میں عام ہے۔پھر اس سے صرف سیدنا علی کیوں کر مراد لیے جا سکتے ہیں، جن کے پاس خرچ کرنے کے لیے مال بھی نہ تھا۔مزید براں خرچ کرنے کا جو واقعہ سیدنا علی کی جانب منسوب کیا گیا ہے وہ ممتنع ہے کیوں کہ ایسا تو وہ شخص کرے گا جو آیت کے مفہوم سے یک سر بے گانہ ہے اس لیے کہ سراً وعلانیۃً خرچ کرنے اور شب و روز کرنے میں تضاد نہیں پایا جاتا بلکہ جو شخص ظاہرو پوشیدہ خرچ کرتا ہے وہ شب و روز بھی خرچ کرتا ہے۔اور جو شب و روز بھی خرچ کرتا ہے وہ سراً وعلانیۃً بھی خرچ کرتا ہے۔نیز یہ کہ ایک درہم کو دو نصف درہم میں بھی تقسیم کر سکتے ہیں۔لہٰذا یہ ضروری نہیں کہ آپ کے پاس چار درہم ہوں،اگر یہ مطلب مراد ہوتا تو عبارت یوں ہوتی'' وَ سِرًّا وَ عَلَانِيَةً''

بلکہ سرّ وعلانیہ دونوں لیل ونہار (شب و روز) میں بھی داخل ہیں خواہ سراً وعلانیہ مصدر ہونے کی بنا پر منصوب ہوں یا حال ہونے کی وجہ سے۔نیز یہ کہ اگر سیدنا علی نے ایسا کیا بھی تھا تو ہر شخص کے لیے خرچ کرنے کا دروازہ کھلا ہے اور تا قیامت کوئی ممانعت نہیں، پھر اس میں سیدنا علی کی کیا

خصوصیت ہے؟ اور اگر چار درہم خرچ کرنا سیدنا علی کی خصوصیت ہے تو سیدنا علی اس سے افضل الامت کیسے ہو گئے؟

امامت علی کی اٹھائیسویں دلیل:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''امامت علی کی اٹھائیسویں دلیل امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی وہ روایت ہے جو انھوں نے ابن عباس سے نقل کی ہے۔ کہ قرآن کریم میں جہاں کہیں:﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ آیا ہے سیدنا علی اس کے رئیس و امیر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اصحاب رسول کو معتوب کیا ہے،، مگر علی کا ذکر ہمیشہ مدحیہ انداز میں کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ سیدنا علی سب سے افضل ہیں۔ لہٰذا امام ہیں''

ہم شیعہ سے زیر تبصرہ روایت کی صحت ثابت کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں، یہ روایت امام احمد نے نقل نہیں کی، بلکہ یہ القطیعی کے اضافات میں سے ہے اور ابن عباس سے مروی ہے۔ دراصل یہ ابن عباس پر افتراء ہے، اس کی سند میں زکریا نامی راوی ثقہ نہیں ہے۔ بخلاف ازیں ابن عباس سے بتواتر منقول ہے۔ کہ آپ شیخین کو سیدنا علی سے افضل قرار دیتے تھے۔ ابن عباس نے کئی دفعہ سیدنا علی کو معتوب کیا اور ان کی مخالفت کی۔ جب سیدنا علی نے زنادقہ کو نذر آتش کیا تھا تو ابن عباس نے فرمایا: اگر علی کی جگہ میں ہوتا تو زنادقہ کو جلانے کی بجائے ان کو قتل کر دیتا، کیوں کہ نبی کریم نے فرمایا ہے کہ کسی کو عذاب الٰہی میں مبتلا نہ کرو۔''[1]

علاوہ ازیں﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ میں مدح کا کوئی پہلو موجود نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ﴾(سورۂ صف: ٦١/ ٢)

''اے ایمان والو! تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو۔''

اگر سیدنا علی اس آیت کے رئیس و امیر ہیں تو اس عتاب میں وہ بھی داخل ہیں، لہٰذا اس سے تمہاری وہ روایت غلط ٹھہری کہ علی کا ذکر ہمیشہ مدحیہ انداز میں کیا ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَ عَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ﴾

(الممتحنة: ٦٠/ ١٠)

---

[1] صحیح بخاری، کتاب استتابة المرتدین، باب حکم المرتد(حدیث:٦٩٢٢)

''اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔''

یہ طے شدہ بات ہے کہ یہ آیت حاطب بن ابی بلتعہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ ❶ اس کے امثال و نظائر بہت ہیں۔اس قسم کے الفاظ میں سب اہل ایمان شامل ہیں۔بعض آیات ایسی ہیں جن پر سیدنا علی سے پہلے دوسرے لوگوں نے عمل کیا اور بعض ایسی بھی ہیں جن پر سیدنا علی عمل نہ کر سکے۔

شیعہ کا یہ قول کہ صحابہ کو معتوب کیا اور سیدنا علی کی ہمیشہ مدح فرمائی'' صریح کذب ہے۔قرآن کریم میں سیدنا ابوبکر کو کہیں بھی معتوب نہیں کیا گیا۔ نبی کریم ﷺ نے خطبہ میں فرمایا تھا: ارے لوگو! ابوبکر کا حق پہچانو،اس نے مجھے کبھی تکلیف نہیں پہنچائی۔'' ❶

نبی کریم کا یہ خطبہ آپ کے اس خطبہ کے بالکل برعکس ہے جو آپ نے اس وقت دیا جب سیدنا علی نے ابوجہل کی بیٹی کے ساتھ نکاح کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ ❸ ایسا خطبہ آپ نے ابوبکر کے بارے میں کبھی نہیں دیا تھا۔

یہ امر بھی قابل غور ہے کہ جس طرح سیدنا ابوبکر و عمر نبی کریم کے ساتھ بڑے بڑے کاموں میں حصہ لیا کرتے تھے،سیدنا علی ایسے کاموں میں مداخلت نہیں کیا کرتے تھے، یہ دونوں بزرگ آپ کے وزیر کی حیثیت رکھتے تھے اور سیدنا علی ان کے بچوں کی طرح صغیر السن تھے۔

بخاری و مسلم میں سیدنا علی سے مروی ہے کہ جب سیدنا عمر نے شہادت پائی تو سیدنا علی آئے اور فرمایا:

''مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کے دونوں ساتھیوں کے ساتھ اٹھائیں گے۔ میں نبی کریم سے اکثر سنا کرتا تھا۔'' میں اور ابوبکر و عمر داخل ہوئے۔'' میں اور ابوبکر و عمر

---

❶ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة الفتح(حدیث:٤٢٧٤)، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل حاطب بن ابی بلتعة،رضی اللّٰہ عنه (حدیث: ٢٤٩٤)

❷ مختصر تاریخ دمشق لابن عساکر(١٢٩/٦)

❸ صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم۔ باب ذکر اصهار النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم (حدیث:٣٧٢٩، ٥٢٣٠)، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل فاطمة رضی الله عنها(حدیث: ٢٤٤٩)

نکلے، میں اورابوبکر وعمر گئے۔''❶

نبی ﷺ اپنے ذاتی امور میں سیدنا علی سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ واقعہ افک کے بارے میں جب آپ نے سیدنا علی سے مشورہ لیا تو انھوں نے کہا: '' آپ پر کوئی تنگی نہیں۔ سیدہ عائشہ کے سوا عورتیں اور بھی بہت ہیں، لونڈی سے پوچھیے وہ آپ کی تصدیق کرے گی۔''

نبی ﷺ نے جب اس ضمن میں سیدنا اسامہ سے مشورہ لیا تو انھوں نے کہا: ''سیدہ عائشہ آپ کی بیوی ہیں ہمیں ان کے متعلق بھلائی ہی کا علم ہے۔''❷

چنانچہ قرآن کریم میں سیدہ عائشہ کی براءت نازل ہوئی اور آپ کو حکم دیا گیا کہ عائشہ کو اپنے گھر میں آباد رکھیں جیسا کہ اسامہ نے مشورہ دیا تھا۔

اس واقعہ میں علی کے مشورہ کو ٹھکرا کر سیدنا اسامہ کے مشورہ کو صحیح قرار دیا گیا ہے۔ حالانکہ سیدنا علی کا مرتبہ سیدنا اسامہ سے یقیناً بڑا ہے۔

امامت علی کی انتیسویں دلیل:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

'' امامت علی کی انتیسویں دلیل یہ آیت ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلَائِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ﴾

صحیح بخاری میں کعب بن عجرہ سے روایت ہے کہ ہم نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول! ہم اہل بیت پر صلوٰۃ کیسے بھیجیں؟ فرمایا، یوں کہو: ''اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ''❶ اور بلاشبہ سیدنا علی سب آل محمد میں افضل ہیں لہٰذا آپ اولیٰ بالامامت

---

❶ صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم۔ باب قول النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم" لو کنت متخذا خلیلاً" (حدیث:٣٦٧٧، ٣٦٨٥)، صحیح مسلم ۔ کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل عمر رضی الله عنه(حدیث: ٢٣٨٩)

❷ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب حدیث الافك(حدیث:٤١٤١)، صحیح مسلم، کتاب التوبة، باب فی حدیث الافك،(حدیث: ٢٧٧٠)

❸ صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب (١٠)، (حدیث:٣٣٧٠)، صحیح مسلم ۔ کتاب الصلاة، باب الصلاة علی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم بعد التشهد(حدیث:٤٠٦)

ہوں گے۔‘‘

ہم کہتے ہیں یہ صحیح ہے کہ سیدنا علی، آل محمد میں شامل ہیں، مگر یہ آپ کی خصوصیت نہیں، بلکہ جمیع بنی ہاشم اس میں داخل ہیں، مثلاً سیدنا عباس اور ان کی اولاد نیز حارث بن عبدالمطلب اور نبی ﷺ کی بیٹیاں سیدہ رقیہ و ام کلثوم جو یکے بعد دیگرے سیدنا عثمان کے نکاح میں آئیں۔ علاوہ ازیں آپ کی ازواج مطہرات بھی آل میں شامل ہیں۔

بخاری و مسلم میں ہے: ’’اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اَزْوَاجِہٖ وَ ذُرِّیَّتِہٖ‘‘[1]

مذکورہ بالا روایت سے معلوم ہوا کہ الصلوٰۃ علی الآل عام ہے۔ اور سیدنا علی کے ساتھ مختص نہیں، بلکہ اس میں عقیل بن ابی طالب اور ابوسفیان بن حارث بھی شامل ہیں۔ ظاہر ہے کہ مذکورہ حضرات کے صلوٰۃ وسلام میں داخل ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ نہ داخل ہونے والوں کی نسبت افضل ہیں اور نہ یہ کہ وہ امامت کے اہل ہیں۔ امامت کے ساتھ مختص ہونا ایک جداگانہ بات ہے۔

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ سیدنا عمار، مقداد اور ابوذر رضی اللہ عنہم کی فضیلت اہل سنت کے نزدیک ایک طے شدہ بات ہے، حالانکہ صلوٰۃ علی الآل میں وہ شامل نہیں ہیں۔ بخلاف ازیں سیدنا عقیل و عباس اور ان کی اولاد آل میں داخل ہے، حالانکہ سابق الذکر باتفاق اہل سنت و شیعہ متاخر الذکر کی نسبت افضل ہیں۔ علاوہ ازیں سیدہ عائشہ اور دیگر ازواج بھی اس میں داخل ہیں۔ حالانکہ خواتین امامت و خلافت کی صلاحیت سے محروم ہیں اور بہ اتفاق اہل سنت و شیعہ باقی لوگوں سے افضل بھی نہیں۔

بنابریں یہ ایک ایسی فضیلت ہے جو سیدنا علی میں بھی پائی جاتی ہے اور دوسرے لوگوں میں بھی، نیز یہ کہ جو لوگ اس سے متصف ہیں وہ ان لوگوں کے مقابلہ میں افضل نہیں ہیں جو اس صفت سے موصوف نہیں۔

شیعہ مصنف کی تیسویں دلیل:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

’’امامت علی کی تیسویں دلیل یہ آیت ہے ﴿مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ یَلْتَقِیَانِ﴾

(الرحمان:۵۵/۱۹)

ثعلبی سیدنا ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ ﴿بَحْرَیْنِ﴾ سے سیدنا علی و فاطمہ مراد

---

[1] صحیح بخاری، حوالہ سابق (حدیث:۳۳۶۹)، صحیح مسلم، حوالہ سابق (حدیث: ۴۰۷)

ہیں۔﴿بَیۡنَہُمَا بَرۡزَخٌ﴾یعنی نبی ﷺ﴿یَخۡرُجُ مِنۡہُمَا اللُّؤۡ لُؤُ وَالۡمَرۡجَانُ﴾لؤلؤ اور مرجان سے سیدنا حسن وحسین مراد ہیں۔ یہ فضیلت صحابہ میں سے اور کسی کے حصہ میں نہیں آئی، لہٰذا سیدنا علی اولیٰ بالامامت ہوں گے۔''

جواباً گزارش ہے کہ یہ تفسیر قرآن نہیں بلکہ تحریف و ہذیان ہے جسے ملاحدہ نے وضع کیا ہے، اس کی نظیر نام نہاد اہل سنت جہلا کا یہ قول ہے کہ:

۱۔ صابرین سے مراد محمد ہیں۔

۲۔ صادقین سے مراد ابوبکر ہیں۔

۳۔ القانتین سے عمر مراد ہیں۔

۴۔ المستغفرین بالاسحار یعنی سیدنا علی۔

۵۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰہِ وَالَّذِیۡنَ مَعَہٗ۔یعنی سیدنا ابوبکر

۶۔ اَشِدَّآءُ علَی الۡکُفَّارِ. یعنی سیدنا عمر۔

۷۔ رُحَمَآءُ بَیۡنَہُمۡ۔یعنی سیدنا علی۔

۸۔ رُکَّعاً سُجَّدًا۔یعنی سیدنا علی

۹۔ وَالتِّیۡنِ وَالزَّیۡتُوۡنَ. یعنی سیدنا ابوبکر وعمر

۱۰۔ وَ طُورِ سِیۡنِیۡنَ۔یعنی سیدنا عثمان۔

۱۱۔ وَ ھٰذَا الۡبَلَدِ الۡاَمِیۡنِ۔یعنی سیدنا علی۔

۱۲۔ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَفِیۡ خُسۡرٍ اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا۔یعنی سیدنا ابوبکر۔

۱۳۔ وَ عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ۔یعنی سیدنا عمر۔

۱۴۔ وَ تَوَاصَوۡا بِالۡحَقِّ ۔یعنی سیدنا عثمان

۱۵۔ وَ تَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ۔یعنی سیدنا علی۔

۱۶۔ شیعہ کے نزدیک فِیۡ اِمَامٍ مُّبِیۡن سے سیدنا علی مراد ہیں۔

۱۷۔ اَلشَّجَرَۃُ الۡمَلۡعُوۡنَۃ۔یعنی بنوامیہ۔ [1]

---

[1] لاہور کی قادیانی جماعت نے اپنے مجلّہ Light مورخہ ۱۶/۶/۱۹۳۳ء میں سب مسلمانوں کو اَلشَّجَرَۃُ الۡمَلۡعُوۡنَۃ سے تعبیر کیا ہے۔ (خطیب)

شیعہ مصنف کا یہ بیان از سرتا پا دروغ ہے اور سیدنا ابن عباس نے یہ بات یقیناً نہیں کہی۔ مزید براں سورۂ الرحمٰن۔ مفسرین کے اجماع کے مطابق مکی سورت ہے اور سیدنا علی و فاطمہ کا نکاح مدینہ میں ہوا۔ لغت عرب ان معانی کی متحمل نہیں ہوسکتی جو بیان کیے گئے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ آل ابراہیم کے اکابر سیدنا اسماعیل و اسحاق، آل علی کی نسبت یقیناً افضل ہیں۔ لہٰذا آیت سے آل علی کی خصوصیت و افضلیت ثابت نہیں ہوتی۔ ﴿مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ﴾ کے الفاظ سورۂ فرقان میں بھی مذکور ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّ هٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا﴾

(الفرقان: ۲۵/ ۵۳)

ہم شیعہ سے پوچھتے ہیں کہ ﴿مِلْحٌ اُجَاجٌ﴾ سے وہ کیا مراد لیتے ہیں، سیدنا علی یا سیدہ فاطمہ؟ علاوہ ازیں ''يَبْغِيَانِ'' کے لفظ سے مستفاد ہوتا ہے کہ برزخ ایک دوسرے پر ظلم کرنے سے مانع ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ مدح نہیں بلکہ مذمت ہے۔

امامت علی کی اکتیسویں دلیل:

شیعہ مصنف رقم طراز ہے:

''امامت علی کی اکتیسویں دلیل یہ آیت ہے: ﴿وَ مَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتَابِ﴾

(الرعد: ۱۳/ ۴۳)

ابن الحنفیہ کہتے ہیں کہ اس سے سیدنا علی مراد ہے۔ ثعلبی سیدنا عبد اللہ بن سلام سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم سے پوچھا: ''علم الکتاب کس کے پاس ہے۔''؟ فرمایا علی کے پاس۔''

ہم شیعہ سے صحت نقل کا مطالبہ کرتے ہیں، نیز یہ کہ علماء کی مخالفت کے باوصف یہ روایت کیوں کر حجت ہوسکتی ہے؟ ہمارا دعویٰ ہے کہ یہ دروغ اور بے بنیاد بات ہے، اگر اس سے سیدنا علی مراد ہوتے تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ نبی کریم کفار کے خلاف اپنے چچا زاد بھائی سیدنا علی سے استشہاد کر رہے تھے، حالانکہ سیدنا علی اگر آپ کی رسالت کی شہادت دیتے بھی تو یہ کفار کے حق میں حجت نہ ہوتی اور نہ وہ اس دلیل کے سامنے گردن جھکانے کے لیے تیار تھے، وہ بڑی آسانی سے کہہ سکتے تھے کہ علی جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ آپ ہی نے سکھایا ہے یا وہ آپ ہی زبان سے بول رہے ہیں اور اس

طرح آپ خود ہی اپنے حق میں شاہد بن گئے۔ کفار یہ بھی کہتے کہ علی نے آپ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے یہ بات کہی ہے۔سیدنا علی کے پاس اس تہمت کا کیا جواب تھا؟

البتہ اگر اہل علم، اہل کتاب اپنے انبیاء کی متواتر روایات کی بنا پر شہادت دیں تو ان کی شہادت نبی کریم کے حق میں نفع بخش ہوگی۔ یہ شہادت اسی طرح ہے جیسے حضرات انبیاء بذات خود شہادت دیں اس لیے کہ جو بات انبیاء سے بتواتر منقول ہو وہ ان کی ذاتی شہادت سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی ﷺ وحی کے ذریعہ حاصل کردہ معلومات کی بنا پر امم سابقہ کے حق میں شہادت دیں گے، علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے متعدد مقامات پر اہل کتاب کی شہادت کا ذکر کیا ہے۔ قرآن میں فرمایا:

﴿وَ شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ﴾(الاحقاف:٤٦/١٠)

''بنی اسرائیل کے ایک گواہ نے گواہی دی۔''

نیز فرمایا:

''اگر آپ کو قرآن کے بارے میں کوئی شبہ لاحق ہو تو ان لوگوں سے پوچھ لیجیے جو آپ سے پہلے کتاب پڑھتے ہیں۔'' (سورۂ یونس:۹۴)

فرض کیجیے سیدنا علی نے گواہی دی تھی پھر آپ افضل الصحابہ کیوں کر ہو گئے۔

گواہی دینے والوں میں سیدنا عبداللہ بن سلام، سلمان و کعب الاحبار وغیرہ لوگ شامل تھے، حالانکہ یہ باقی صحابہ سے افضل نہ تھے۔

امامت علی کی بتیسویں دلیل:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''امامت علی کی بتیسویں دلیل یہ آیت ہے:﴿یَوْمَ لَا یُخْزِی اللّٰهُ النَّبِیَّ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ﴾ (التحریم:٦٦/٨)

سیدنا ابن عباس فرماتے ہیں جو شخص سب سے پہلے جنتی لباس پہنے گا وہ سیدنا ابراہیم ہیں کیوں کہ آپ خلیل ہیں اور محمد ﷺ اس لیے کہ آپ اللہ کے برگزیدہ ہیں اور سیدنا علی دونوں کے درمیان جنت کی سیر کریں گے۔

ہمارا دعویٰ ہے کہ سیدنا ابن عباس نے یہ بات یقیناً نہیں فرمائی۔ اللہ اس کے واضع کو ذلیل و

خوار کرے۔ آیت کے الفاظ عام ہیں اور اس میں سب مومن شامل ہیں، لہٰذا اس سے فرد واحد کی افضلیت ثابت نہیں ہوتی۔

امامت علی کی تینتیسویں دلیل:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''امامت علی کی تینتیسویں دلیل یہ آیت قرآنی ہے:﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا وَ عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ اُوْلٓئِکَ هُمْ خَیْرُ الْبَرِیَّةِ﴾البینہ:۹۸/۷)

ابونعیم سیدنا ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی کو مخاطب کر کے فرمایا:

''اس آیت میں تم اور تمہارے شیعہ کا ذکر کیا گیا ہے، جو بروز قیامت شاداں وفرحاں آئیں گے اور تمہارے دشمن غصہ سے بھرے ہوئے ہوں گے، جب سیدنا علی خیر البریۃ (مخلوقات میں سے بہتر) ہوئے تو امام بھی وہی ہوں گے۔''

ہم شیعہ سے اس کی صحت کے اثبات کا مطالبہ کرتے اور پورے جزم ووثوق سے کہتے ہیں کہ یہ روایت موضوع ہے۔ علاوہ ازیں یہ ان لوگوں کے قول سے متصادم ہے جو کہتے ہیں:﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾سے خارجی وناصبی لوگ مراد ہیں وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ سیدنا علی سے دوستی لگانے والا کافر ہے وہ اس کی دلیل میں یہ آیت پیش کرتے ہیں:

﴿وَ مَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْکَافِرُوْنَ﴾

(المائدة:٥/٤٤)

''جو اللہ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ نہ کرے وہ کافر ہے۔''

وہ کہتے ہیں جو شخص اللہ کے دین میں اشخاص ورجال کو حکم بناتا ہے وہ اللہ کے نازل کردہ حکم کے بغیر فیصلہ کرتا ہے، لہٰذا وہ کافر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ مَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْکُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ﴾(المائدة:٥/٥١)

''تم میں سے جو کفار کے ساتھ دوستی لگائے گا وہ انہی میں سے ہوگا۔''

ان کا قول ہے کہ سیدنا عثمان اور ان کے ہم نوا نبی کریم کی درج ذیل حدیث کے مطابق مرتد ہو

چکے تھے۔ نبی کریم نے فرمایا:

''بہت سے آدمیوں کو میرے حوض سے دور کر دیا جائے گا، جس طرح اجنبی اونٹ کو دور کر دیا جاتا ہے، میں کہوں گا بار خدایا! یہ میرے صحابی ہیں یہ میرے صحابی ہیں اس کے جواب میں کہا جائے گا، آپ نہیں جانتے کہ انھوں نے آپ کے بعد کون سی باتیں ایجاد کر لی تھیں۔'' ❶

نیز سرور کائنات ﷺ نے فرمایا:

''میرے بعد کافر نہ ہو جاؤ کہ ایک دوسرے کو قتل کرنے لگو۔'' ❷

اگرچہ خوارج کے یہ دلائل باطل ہیں، مگر روافض کے براہین و دلائل ان سے بڑھ کر لغو و بے بنیاد ہیں، مشہور ادیب جاحظ نے مردانیہ کے لیے ایک کتاب تحریر کی تھی اس میں ایسے دلائل پیش کیے ہیں جن کو شیعہ توڑ نہیں سکتے، البتہ اہل سنت ان کا تار و پود بکھیر سکتے ہیں۔

امامت علی کی چونتیسویں دلیل:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

امام علی کی چونتیسویں دلیل یہ آیت قرآنی ہے:

﴿وَ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَباً وَّصِهْرًا﴾

(الفرقان:۲۵/۵٤)

ثعلبی ابن سیرین سے نقل کرتے ہیں کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب نبی ﷺ نے سیدہ فاطمہ کا نکاح سیدنا علی سے کر دیا، چونکہ یہ فضیلت کسی اور کے حصہ میں نہیں آئی۔ لہٰذا سیدنا علی ہی امام و خلیفہ ہوں گے۔''

ہم کہتے ہیں یہ ابن سیرین پر جھوٹ باندھا گیا ہے۔ سورۂ فرقان مکی ہے اور سیدہ فاطمہ کی شادی

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب فی الحوض (حدیث:٦٥٧٦-٦٥٨٦)، صحیح مسلم ، کتاب الفضائل، باب اثبات حوض نبینا صلی اللّٰه علیه وسلم(حدیث: ۲۲۹۰-۲۲۹۷)

❷ صحیح بخاری۔ کتاب العلم، باب الانصات للعلماء(حدیث:۱۲۱، ۷۰۸۰)، صحیح مسلم، کتاب الایمان ، باب بیان معنی قول النبی صلی اللّٰه علیه وسلم " لا ترجعوا بعدی کفاراً "(حدیث:٦٥)

سے عرصہ دراز قبل نازل ہو چکی تھی۔ آیت کے الفاظ عام ہیں، اس میں کسی کی تخصیص نہیں، اگر یہ سیدنا علی کی شادی پر مشتمل ہے تو سیدنا عثمان اور ابوالعاص کی شادی کو بالا ولیٰ شامل ہو گی۔

کیوں کہ نبی کریم کی دو بیٹیاں یکے بعد دیگرے سیدنا عثمان کے نکاح میں آئی تھیں۔

علاوہ ازیں یہ آیت سیدنا ابوبکر و عمر کے نبی کریم کے ساتھ رشتہ مصاہرت پر بھی مشتمل ہو گی، کیوں کہ نبی کریم نے دونوں حضرات کی بیٹیوں کے ساتھ نکاح کیا تھا، جب آپ کا رشتہ مصاہرت چاروں خلفاء کے ساتھ ثابت ہو گیا تو پھر سیدنا علی کی خصوصیت منتفی ہو گئی۔

امامت علی کی پینتیسویں دلیل:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''امامت علی کی پینتسویں دلیل یہ آیت ہے:

﴿اِتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ (سورۃ التوبۃ: ۹/ ۱۱۹)

اس آیت میں ان لوگوں کی معیت و رفاقت کو واجب قرار دیا گیا ہے جن کا صادق ہونا واضح ہو۔ ظاہر ہے کہ ایک معصوم ہی صحیح معنی میں صادق ہو سکتا ہے اور معصوم خلفائے اربعہ میں سے صرف سیدنا علی ہی تھے۔ ابن عباس کا قول ہے کہ یہ آیت سیدنا علی کے بارے میں نازل ہوئی۔''

ہم کہتے ہیں کہ صدیق صیغہ مبالغہ ہے۔ سیدنا ابوبکر کثیر دلائل کی بنا پر صدیق تھے، لہٰذا سیدنا ابوبکر اس آیت کے اوّلیں مصداق ہیں۔ بنابریں سیدنا ابوبکر کی معیت و رفاقت ہمارے لیے ضروری ہوئی اور اگر خلفائے اربعہ کو صدیق قرار دیا جائے تو سیدنا علی کی کوئی خصوصیت باقی نہیں رہے گی۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ آیت کریمہ اس وقت نازل ہوئی جب سیدنا کعب غزوۂ تبوک میں شرکت نہ کر سکے اور راست بیانی کی وجہ سے ان کی توبہ قبولیت سے مشرف ہوئی تھی۔ یہ احادیث صحیحہ میں مذکور ہے۔ ❶

علاوہ ازیں آیت کے الفاظ ہیں: ﴿وَ كُوْنُوا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ نہ کہ ''كُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِ'' اگر سیدنا علی مراد ہوتے تو واحد کا صیغہ چاہیے تھا۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ راست باز لوگوں کی طرح

❶ صحیح بخاری۔ کتاب المغازی۔ باب حدیث کعب بن مالك (حدیث: ٤٤١٨)، صحیح مسلم، کتاب التوبة۔ باب حدیث توبة کعب بن مالك......'' (حدیث: ٢٧٦٩)

راست گفتاری کے عادی بنو۔ جھوٹوں کی رفاقت اختیار نہ کرو۔ قرآن کریم میں فرمایا: ﴿وَارْكَعُوْا مَعَ الرَّاكِعِيْنَ﴾ (سورۃ البقرۃ:۲/۴۳)

ایسی آیات میں معیت سے یہ مراد نہیں لیا گیا کہ ہر بات میں ان کا انداز اختیار کرو یہاں تک کہ مباحات و ملبوسات میں بھی ان کی رفاقت کے دائرہ سے باہر نہ نکلو۔ جیسے کہا جاتا ہے: ﴿كُنْ مَعَ الْاَبْرَارِ﴾ یا ﴿كُنْ مَعَ الْمُجَاهِدِيْنَ﴾ اس سے مراد یہ ہوتا ہے کہ اس وصف میں ان کے شریک و سہیم بن جاؤ۔

امامت علی کی چھتیسویں دلیل:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''امامت علی کی چھتیسویں دلیل یہ آیت قرآنی ہے:

﴿وَارْكَعُوْا مَعَ الرَّاكِعِيْنَ﴾ (سورۃ البقرۃ:۲/۴۳)

سیدنا ابن عباس فرماتے ہیں یہ آیت سرور کائنات ﷺ اور سیدنا علی کے بارے میں نازل ہوئی، کیوں کہ ان دونوں نے سب سے پہلے نماز پڑھی اور رکوع کیا تھا۔''

ہم اس کی صحت کو تسلیم نہیں کرتے۔ مزید براں یہ آتی سورۂ بقرہ میں ہے، جو مدنی ہے۔ آیت کا سیاق و سباق بنی اسرائیل سے متعلق ہے، اس سے ثابت ہوا کہ نزول آیت سے قبل رکوع کرنے والے بے شمار لوگ تھے اور اگر نبی کریم اور سیدنا علی دونوں مراد ہوتے تو یہ لفظ ﴿مَعَ الرَّاكِعَيْنَ﴾ تثنیہ کے وزن پر ہوتے۔ جمع کے صیغہ سے صرف تثنیہ مراد نہیں لیا جا سکتا۔ لہٰذا اس سے سب رکوع کرنے والے مراد ہوں گے۔

علاوہ ازیں سیدنا مریم کو حکم دیا گیا تھا: ﴿وَارْكَعِىْ مَعَ الرَّاكِعِيْنَ﴾ (آل عمران:۳/ ۴۳)

نیز یہ کہ اگر نبی ﷺ اور سیدنا علی کے ساتھ رکوع کرنا مراد ہوتا تو یہ حکم دونوں کی وفات کے ساتھ ختم ہوتا۔ اگر چہ لوگوں کا قول ہے کہ سیدنا ابوبکر نے نبی کریم کے ساتھ مل کر سیدنا علی سے پہلے نماز ادا کی تھی۔

امامت علی کی سینتیسویں دلیل:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''سیدنا علی کے منصب امامت پر فائز ہونے کی سینتیسویں دلیل یہ آیت ہے:

﴿وَاجۡعَلۡ لِّیۡ وَزِیۡرًا مِّنۡ اَهۡلِیۡ﴾(طٰہ:۲۰/۲۹)

ابو نعیم سیدنا ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے مکہ میں میرا اور علی کا ہاتھ پکڑا اور چار رکعت نماز ادا کی۔ پھر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر یہ دعا مانگی: ''اے اللہ! سیدنا موسیٰ نے بھی تجھ سے دعا کی تھی اور میں بھی دعا کرتا ہوں کہ میرے کنبہ میں سے علی کو میرا وزیر مقرر کر دے اس کے ساتھ میری کمر کو مضبوط کر دے اور اسے میرے کام میں شریک کر دے۔'' ابن عباس کہتے ہیں میں نے ایک پکارنے والے کو سنا وہ پکارتا تھا: ''اے احمد! آپ کی دعا قبول ہوئی۔''

ہم کہتے ہیں، محدثین کے نزدیک اس حدیث کا موضوع ہونا ایک کھلی ہوئی بات ہے پھر یہ امر بھی قابل غور ہے کہ ابن عباس ہجرت سے قبل مکہ میں ایک شیر خوار بچہ سے زیادہ نہ تھے، پھر وہ اس واقعہ میں کیوں کر شریک ہو سکتے ہیں؟ ہجرت کے بعد اللہ تعالیٰ نے نبی کریم کو ہر طرح قوت و شوکت عطا کر دی تھی اور آپ ایسی مدد سے بے نیاز ہو گئے تھے، اگر شیعہ یہ کہیں کہ سیدنا علی نبی کریم کے اسی طرح شریک و سہیم تھے، جیسے ہارون سیدنا موسیٰ کے ساتھ شریک تھے، تو اس سے سیدنا علی کا نبی ہونا ثابت ہوتا ہے اور اگر یہ مطلب ہے کہ نبوت کے علاوہ دوسرے کاموں میں آپ کے ساتھ شریک تھے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ نبی کریم اپنی زندگی میں بذات خود امت کا انتظام و انصرام سنبھالنے سے قاصر تھے اور دوسروں کی مدد کے محتاج تھے۔ ہم شیعہ سے پوچھتے ہیں کہ وہ کس بات میں سیدنا علی کو نبی کریم کا شریک ٹھہراتے ہیں؟

امامت علی کی اڑتیسویں دلیل:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''امامت علی کی اڑتیسویں دلیل یہ آیت کریمہ ہے:

﴿اِخۡوَانًا عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیۡنَ﴾(الحجر:۱۵/۴۷)

مسند احمد میں سیدنا زید بن ابی اوفیٰ سے مروی ہے کہ میں مسجد نبوی میں پہنچ کر نبی کریم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس میں انھوں نے نبی کریم کی مواخات کا واقعہ بیان کیا، اس کے آخر میں ہے کہ نبی کریم نے فرمایا: ''مجھے اس ذات کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث کیا! میں نے تجھے (سیدنا علی کو) اپنے لیے منتخب کیا ہے آپ کو مجھ سے وہی

تعلق ہے جو ہارون کو موسیٰ سے تھا' البتہ میرے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں کیا جائے گا۔''
آپ میرے بھائی اور وارث ہیں آپ جنت کے محل میں میرے ہم راہ ہوں گے۔ اور وہاں میری بیٹی بھی ہو گی، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: ﴿اِخْوَانًا عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقَابِلِیْنَ﴾ اس روایت سے معلوم ہوا کہ سیدنا علی کو آپ نے مواخات (بھائی چارہ) کے لیے مختص کیا تھا۔ لہٰذا آپ ہی امام ہوں گے۔''

ہم کہتے ہیں کہ یہ روایت امام احمد نے ذکر نہیں کی، بلکہ یہ القطیعی کے اضافات سے ہے جو ساقط الاحتجاج ہیں۔ القطیعی نے زید بن ابی اوفیٰ سے روایت کیا ہے اور اس میں یہ الفاظ بھی ہیں جو رافضی نے قصداً حذف کر دیے ہیں۔'' سیدنا علی نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول! میں آپ سے کیا ورثہ پاؤں گا؟ آپ نے فرمایا: ''وہی ورثہ جو انبیاء سابقین دوسروں کو دیا کرتے تھے۔ یعنی کتاب اللہ اور سنت رسول۔''

یہ روایت باتفاق محدثین کذب ہے، بلکہ مواخات پر مشتمل تمام روایات جھوٹی ہیں۔ یہ مواخات آپ نے مہاجرین کے درمیان قائم نہیں کی تھی، بلکہ مہاجر و انصار کے درمیان۔ پھر روایت کے یہ الفاظ آپ میرے وارث ہیں۔ درست نہیں۔ اس لیے کہ اگر اس سے مالی وراثت مراد لی جائے تو ان کا یہ قول باطل ٹھہرے گا کہ سیدہ فاطمہ آپ کی وارث ہوئی تھیں۔ ظاہر ہے کہ جب نبی کریم کے چچا عباس موجود تھے تو سیدنا علی چچا زاد بھائی ہونے کی صورت میں کیوں کر وارث ہو سکتے تھے؟ پھر یہ کہ جب نبی کریم کے چچا زاد اور بھی موجود تھے تو ان میں سے صرف سیدنا علی کس طرح وارث قرار پا سکتے تھے؟

اور اگر علمی وراثت یا امامت و خلافت مراد ہے تو شیعہ کا احتجاج آیت کریمہ۔ ﴿وَ وَرِثَ سُلَیْمَانُ دَاوٗدَ﴾ (النمل:۲۷/۱۶) اور آیت: ﴿یَرِثُنِیْ وَ یَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ﴾ (سورۃ مریم:۱۹/۶) سے باطل ٹھہرا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو علمی ورثہ عطا کیا تھا اس میں سیدنا علی کی کوئی تخصیص نہیں بلکہ نبی کریم کا یہ فیض سب صحابہ کے لیے عام تھا۔ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے نبی کریم سے سن کر ستر سورتیں یاد کی تھیں [1]۔ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ علم مال کی طرح کسی فرد بشر کے ساتھ مختص نہیں ہوتا بلکہ ایک کے

---

[1] صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب القراء من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم(حدیث ۵۰۰۰)، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، باب من فضائل عبد اللہ بن مسعود و امہ رضی اللہ عنہما(حدیث:۲۴۶۲)

حصہ میں جو ورثہ آتا ہے، دوسرا بھی اس سے فیض یاب ہوسکتا ہے۔ دونوں میں تزاحم و تصادم کا کوئی امکان نہیں۔ مال کا معاملہ اس سے یک سر مختلف ہے۔ بخاری و مسلم میں نبی کریم سے ثابت ہے کہ آپ نے اپنے آزاد کردہ غلام زید سے کہا: ''آپ میرے بھائی اور مولیٰ ہیں۔''❶ جب سیدنا ابوبکر صدیق نے سیدنا زید کی لڑکی کا رشتہ طلب کیا تھا تو اسے مخاطب کر کے کہا: ''کیا میں آپ کا بھائی نہیں۔؟ زید نے کہا یہ ٹھیک ہے۔'' تمہاری بیٹی میرے لیے حلال ہے۔ ❷

روایات صحیحہ میں آیا ہے کہ آپ نے فرمایا: ''اسلامی برادری سب سے بہتر ہے۔''❸

احادیث صحیحہ میں مذکور ہے کہ آپ نے فرمایا: ''میری خواہش ہے کہ میں اپنے بھائیوں کو دیکھ لیتا۔'' صحابہ نے عرض کیا: کیا ہم آپ کے بھائی نہیں؟'' فرمایا: نہیں، تم میرے صحابہ ہو، میرے بھائی وہ ہیں جو میرے بعد پیدا ہوں گے۔ وہ بلا دیکھے مجھ پر ایمان لائیں گے۔ ❹ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتے ہیں:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ﴾(الحجرات:۱۰/۳۹)

''سب مومن بھائی بھائی ہیں۔''

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''ایک مسلم دوسرے مسلم کا بھائی ہوتا ہے۔''❺ آپ نے مزید فرمایا: ''سب اللہ کے بندے بھائی بھائی بن جاؤ۔''❻ مطلق مواخات کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ بھائی

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الصلح، باب کیف یکتب هذا ما صالح فلان......'' (حدیث: ۲۶۹۹)، مطولاً

❷ صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب تزویج الصغار من الکبار(حدیث:۵۰۸۱)، یہ مکالمہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین ہے۔ واللہ اعلم۔

❸ صحیح بخاری، کتاب الصلاة، باب الخوخة والممر فی المسجد (حدیث: ٤٦٧، ۳٦٥٧)

❹ صحیح مسلم، کتاب الطهارة، باب استحباب اطالة الغرة(حدیث:۲٤۹)

❺ صحیح بخاری، کتاب المظالم، باب لا یظلم المسلم المسلم......''(حدیث:۲٤٤۲)، صحیح مسلم ، کتاب البر والصلة، باب تحریم الظلم(حدیث:۲٥۸۰)

❻ صحیح بخاری، کتاب الادب، باب ما ینهی عن التحاسد والتدابر (حدیث:٦٠٦٤)، صحیح مسلم ، کتاب البر والصلة باب تحریم الظن(حدیث:۲٥٦۳)

چارہ قائم کرنے والوں میں کامل تماثل وتشابہ پایا جاتا ہے۔ بنابریں اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ نبی کریم نے سیدنا علی کو اپنا بھائی بنایا تھا تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ سب سے افضل ہوں گے۔ اور امام بھی۔''

حدیث میں آیا ہے کہ نبی کریم نے فرمایا: ''اگر میں زمین والوں میں سے کسی کو گہرا دوست بنانا چاہتا تو ابوبکر کو بناتا۔''[1]

حدیث صحیح میں منقول ہے کہ نبی کریم سے دریافت کیا گیا تھا: ''اے اللہ کے رسول! آدمیوں میں سے کون آپ کو عزیز تر ہے؟ فرمایا: ''ابوبکر۔''[2]

تواتر کے ساتھ نقل کیا گیا ہے کہ سیدنا علی نے فرمایا: ''امت محمدی میں نبی کریم کے بعد سب سے افضل ابوبکر ہیں، پھر عمر۔[3]

مذکورہ صدر نصوص کے بارے میں وہی شخص شک و شبہ کا شکار ہوسکتا ہے جو جاہل ہو یا جس پر بدعت کا غلبہ ہو۔ امام بیہقی اپنی سند کے ساتھ امام شافعی سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: صحابہ و تابعین میں سے کسی نے بھی سیدنا ابوبکر وعمر کو افضل الصحابہ قرار دینے میں اختلاف نہیں کیا۔''

امام ابوحنیفہ، مالک، احمد، ثوری، لیث، اوزاعی، اسحاق، داؤد اور ابن جریر وائمہ سلف وخلف رحمہم اللہ علیہم سب یہی نظریہ رکھتے ہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ نے سیدنا ابوبکر وعمر کی افضلیت پر اجماع نقل کیا اور فرمایا کہ اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ ابن جریر ومسلم بن خالد زنجی وابن عیینہ اور علماء مکہ کی بھی یہی رائے ہے۔ علاوہ ازیں ابن ابی عروبہ دونوں حماد و دیگر علماء بصرہ نیز ابن ابی لیلیٰ وشریک اور شیعہ کے مرکز کوفہ کے علماء بھی اسی کے قائل ہیں۔

---

[1] صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم، باب قول النبی ﷺ '' لو کنت متخذا خلیلاً'' (حدیث:۳۶۵۶،۳۶۵۸)، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل ابی بکر الصدیق رضی الله عنه(حدیث: ۲۳۸۲، ۲۳۸۳/۶)

[2] صحیح بخاری،حواله سابق، (حدیث:۳۶۶۲)، صحیح مسلم، حواله سابق، (حدیث: ۲۳۸٤)

[3] سنن ابن ماجة، المقدمة، باب فضائل عمر بن الخطاب رضی الله عنه (حدیث:۱۰٦)، مسند احمد(۱/۱۰٦)، من طرق ،صحیح بخاری۔ حواله سابق، (حدیث: ۳٦۷۱)، بمعناه۔

مصری علماء میں سے عمر بن حارث ولیث بن سعد و ابن وہب اور شامی علماء میں سے اوزاعی و سعید بن عبدالعزیز اور لاتعداد علماء یہی رائے رکھتے تھے۔

امامت علی کی انتالیسویں دلیل:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''امامت علی کی انتالیسویں دلیل یہ آیت ہے: ﴿وَ اِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْ بَنِیْ اٰدَمَ مِنْ ظُھُوْرِھِمْ﴾ (الاعراف: ۱۷۲/۷)

کتاب الفردوس میں سیدنا حذیفہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ اگر لوگوں کو معلوم ہوتا کہ سیدنا علی کو امیر المومنین کے لقب سے کب ملقب کیا تھا تو ان کی فضیلت کا انکار نہ کرتے۔ آپ اس وقت اس لقب سے نوازے گئے تھے۔ جب آدم کی تخلیق ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَ اِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُھُوْرِھِمْ﴾

''فرشتوں نے اللہ کی ربوبیت کا اقرار کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں تمہارا رب ہوں۔ محمد تمہارے نبی ہیں اور علی تمہارے امیر ہیں۔ یہ روایت اظہار مدعا میں بالکل صریح ہے۔''

یہ روایت سب محدثین کے نزدیک جھوٹی ہے۔ قرآن کریم کی ذکر کردہ آیت میں صرف یہ الفاظ ہیں: ﴿اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوْا بَلٰی﴾ اس میں نہی و امر کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا بلکہ یہ صرف توحید کے معاہدہ پر مشتمل ہے۔ اسی آیت میں فرمایا گیا ہے۔ مبادا تم کہو کہ ہمارے اکابر نے شرک کا ارتکاب کیا تھا اور ہم ابھی کم عمر تھے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ یہ آیت صرف میثاق توحید پر مشتمل ہے۔ اس میں میثاق نبوت کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا، باقی امور تو الگ رہے۔ علاوہ ازیں چونکہ یہ عہد سب لوگوں سے لیا گیا تھا۔ لہٰذا اس سے یہ لازم آتا ہے کہ سیدنا علی جملہ انبیاء از نوح تا محمد علیہم السلام کے بھی امیر ہیں ظاہر ہے کہ یہ ایک احمقانہ بات ہے۔ اس لیے کہ یہ انبیاء سیدنا علی کی پیدائش سے پہلے وفات پا چکے تھے، ان کے امیر کیوں کر قرار پا سکتے تھے۔ زیادہ سے زیادہ سیدنا علی اپنے اہل زمانہ کے امیر ہو سکتے ہیں۔ باقی رہی یہ بات کہ سیدنا علی پہلے لوگوں کے بھی امیر تھے اور ان لوگوں کے بھی جو آپ کے بعد پیدا ہوئے تو کوئی شخص بقائمی ہوش و حواس اس کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ حیرت کی بات ہے کہ یہ احمق رافضی عقلاء یہود سے بھی گیا

گزرا ہے جن کے بارے میں قرآن نے فرمایا تھا:

﴿مَثَلُ الَّذِیْنَ حُمِّلُوا التَّوْرَاةَ ثُمَّ لَمْ یَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا﴾(الجمعة: ٦٢/ ٥)

ایک عاقل شخص سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ شیعہ کے یہ دلائل عقلاً وشرعاً بے کار ہیں، اس کی نظیر ابن عربی اوراس کے امثال کا یہ قول ہے کہ:

''انبیاء کرام معرفت الٰہی کا علم خاتم الاولیاء (ابن عربی اپنی کتاب ''الفصوص'' میں لکھتے ہیں کہ میں خاتم الاولیاء ہوں) کے سینے سے اخذ کیا کرتے تھے جوان کے ایک مدت بعد پیدا ہوا تھا۔''

ابن عربی کے ہم نوا اولیاء کے بارے میں اسی طرح غلوّ سے کام لیتے ہیں، جیسے شیعہ اماموں کے بارے میں۔ حیرت بالائے حیرت ہے کہ شیعہ مصنف ایسے دلائل کو ''صریح فی الباب'' قرار دیتا ہے۔ بھلا ایسے دلائل کو کوئی شخص تسلیم کرسکتا ہے؟

امامت علی کی چالیسویں دلیل:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''امامت علی کی چالیسویں دلیل یہ آیت ہے:﴿فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَ جِبْرِیْلُ وَ صَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ (التحریم:٦٦/ ٤)

مفسرین کا اجماع ہے کہ '' صالح المومنین'' سے سیدنا علی مراد ہیں۔ ابونعیم سیدنا اسماء بنت عمیس سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ آیت پڑھتے سنا، آپ نے فرمایا۔ اس سے سیدنا علی مراد ہیں۔ سیدنا علی کی اس خصوصیت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ افضل ہیں لہٰذا آپ ہی امام ہوں گے۔''

اس کا جواب یہ ہے کہ اس ضمن میں اجماع کا دعویٰ افترا پر مبنی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس روایت پر اجماع تو کجا کتب تفسیر میں اس کے برعکس مذکور ہے، چنانچہ مجاہد اور دیگر علماء اس سے سیدنا ابوبکر وعمر مراد لیتے ہیں۔ ابن جریج نے یہ نقل کیا ہے کہ بعض علماء اس سے انبیاء مراد لیتے ہیں، اس سے سیدنا علی کی کوئی خصوصیت ثابت نہیں ہوتی۔ علاوہ ازیں یہ حدیث یقیناً کذب ہے۔

مزید براں ''وصالح المؤمنین'' کے الفاظ عام ہیں۔ بخاری ومسلم میں ہے کہ نبی کریم نے

فرمایا: ''فلاں گھر والے میرے دوست نہیں ہیں۔ میرا دوست صرف اللہ تعالیٰ اور نیکو کار مومن ہیں۔'' ❶

نیز یہ کہ مذکورہ صدر آیت میں نیک نہاد اہل ایمان کو رسول اللہ کا ''مولیٰ'' قرار دیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ مولیٰ سے موالی مراد ہے۔ لہٰذا جو شخص بھی نیک دل مومن ہوگا وہ نبی کریم کا قطعی طور پر موالی (دوست) ہوگا، اگر وہ آپ سے دوستی نہ لگاتا ہو تو وہ صالح مومنین میں سے نہیں ہوسکتا۔ بلکہ بعض اوقات مومن صالح نہ ہونے کے باوجود بھی آپ سے دوستی رکھتا ہے۔

شیعہ کا یہ قول کہ ''وَالْاٰیَاتُ فِیْ هٰذَا الْمَعْنٰی کَثِیْرَةٌ'' ہم کہتے ہیں کہ شیعہ کے متروکہ دلائل اسی طرح کمزور اور بودے ہوں گے جس طرح ان کے ذکر کردہ دلائل بے کار ہیں۔ آخر جھوٹ کی کیا کمی ہے؟ مگر بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حق کو باطل پر پھینک مارتا ہے اور وہ مغلوب ہو کر دب جاتا ہے۔

قاسم بن زکریا کی حکایت مشہور ہے۔ وہ عباد بن یعقوب اسدی رافضی کے پاس گیا۔ عباد بن یعقوب شیعہ ہونے کے باوجود بڑا راست گفتار تھا۔ اس نے مجھ سے کہا: ''دریا کس نے کھودا؟'' میں نے کہا: ''اللہ تعالیٰ نے۔'' اس نے کہا: ''تم سچ کہتے ہو، مگر یہ بتاؤ دریا کس نے کھودا؟'' میں نے کہا: پھر آپ ہی ارشاد فرمائیں۔'' عباد نے کہا سیدنا علی نے کھودا تھا۔'' پھر اس نے پوچھا: ''دریا کو کس نے جاری کیا؟'' میں نے کہا، آپ ہی فرمائیں۔ عباد نے کہا: ''حسین نے جاری کیا۔'' عباد نابینا تھا۔ میں نے اس کے پاس ایک تلوار اور ڈھال دیکھی تو پوچھا یہ کس کی ہے؟ عباد کہنے لگا: میں نے مہدی کے ساتھ لڑنے کے لیے یہ تلوار رکھی ہے۔''

جب میں اس کی باتیں سن کر فارغ ہوا تو اس کے پاس آیا اس نے پوچھا: ''دریا کس نے کھودا؟ '' میں نے کہا: ''سیدنا معاویہ نے اور عمرو بن عاص نے اسے جاری کیا۔'' پھر میں کود کر باہر نکلا اور چلایا: ''اس دشمن اللہ فاسق کو قتل کر دو۔''

حافظ ذہبی فرماتے ہیں یہ حکایت صحیح ہے، اسے ابن مظفر نے قاسم سے روایت کیا ہے۔ محمد بن جریر کہتے ہیں، میں نے عباد بن یعقوب کو یہ کہتے سنا۔ جو نماز میں ہر روز اعداء اہل بیت پر تبرا نہ بھیجے

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الأدب، باب تبل الرحم ببلالها (حدیث: ۵۹۹۰)، صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب موالاة المومنین (حدیث: ۲۱۵)

اس کا حشر انہی کے ساتھ ہوگا۔

امامت علی پر احادیث نبویہ سے احتجاج:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

"تیسرے باب میں احادیث نبویہ سے استدلال کیا جائے گا۔ان میں سے ایک وہ حدیث جو سب لوگوں نے بیان کی ہے کہ جب آیت کریمہ ﴿وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ﴾ نازل ہوئی تو نبی کریم نے تمام بنی عبدالمطلب کو ابوطالب کے گھر میں جمع کیا۔ان میں دو عورتیں اور چالیس مرد تھے۔آپ نے ان کے لیے کھانا پکایا۔ یہ کھاؤ پیو آدمی تھے۔مگر یہ سب تھوڑے سے کھانے سے سیر ہو گئے۔اور انھیں پتہ نہ چل سکا کہ انھوں نے کیا کھایا ہے۔آپ کی اس اعجاز نمائی سے ان پر واضح ہو گیا کہ آپ نبوت میں سچے ہیں۔آپ نے فرمایا: اے بنی عبدالمطلب! یوں تو مجھے اللہ تعالیٰ نے سب لوگوں کی طرف مبعوث کیا ہے، مگر خاص طور سے مجھے تمہاری طرف بھیجا ہے۔اللہ تعالیٰ نے مجھے مامور فرمایا ہے:﴿ وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ﴾اور اپنے اقارب واعزّہ کو ڈرایئے۔"

میں تمھیں دو ہلکے پھلکے کلمات کی طرف دعوت دیتا ہوں۔جن کا زبان پر جاری کرنا بڑا آسان ہے اور جو میزان اعمال میں بڑے بوجھل ہوں گے۔تم ان دونوں کلمات کی برکت سے عرب وعجم کے مالک بن جاؤ گے اور جملہ اقوام عالم تمہارے زیرنگیں ہو جائیں گی۔ان کلمات کی بنا پر تم جنت میں جاؤ گے اور جہنم سے رہائی پاؤ گے۔وہ کلمات یہ ہیں۔

"اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ "

جو شخص میری اس دعوت کو قبول کرے گا اور میری مدد کرے گا وہ میرا بھائی میرا وصّی میرا وزیر اور میرے بعد میرا خلیفہ ہوگا۔ نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی سن کر سیدنا علی نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں اس کے لیے تیار ہوں۔"

ہم شیعہ سے مذکورہ صدر روایت کی صحت کا مطالبہ کرتے ہیں، یہ روایت سنن میں ہے نہ مغازی میں اور نہ مسانید میں، پھر شیعہ کا یہ قول کس حد تک صحیح ہے کہ "یہ روایت سب لوگوں نے بیان کی ہے"

بہ خلاف ازیں یہ موضوع حدیث ہے۔ ❶ بنی عبدالمطلب کی تعداد نزول آیت کے وقت چالیس نہ تھی، آپ کی زندگی میں بھی وہ اس تعداد کو نہ پہنچ سکے۔ بنوعبدالمطلب سیدنا عباس وابوطالب وحارث وابولہب کی اولاد میں سے تھے۔ ابوطالب کے چار بیٹے تھے۔ علی، جعفر، عقیل، طالب، آخرالذکر نے اسلام کا زمانہ نہیں پایا تھا۔ سیدنا عباس کے بچے ابھی شیر خوار تھے یا پیدا ہی نہیں ہوئے تھے۔ حارث کے تین بیٹے ابوسفیان، ربیعہ، نوفل۔ ابولہب کے بھی دو یا تین بیٹے تھے۔ بنابریں تمام بنو ہاشم اس وقت دس سے کچھ زیادہ تھے۔ پھر چالیس کیسے ہوگئے؟

شیعہ کا یہ قول کہ ''بنو ہاشم بڑے پیٹو تھے۔'' صاف جھوٹ ہے، بنو ہاشم بسیار خوری کے مرض کا شکار نہ تھے بلکہ ان میں ایک آدمی بھی ایسا نہ تھا۔

اس روایت کے الفاظ رکیک ہیں، جن کی بنا پر دل اس کے باطل ہونے کی شہادت دیتا ہے۔ اس میں مذکور ہے کہ آپ نے چالیس آدمیوں کو یہ پیش کش کی تھی۔ فرض کیجیے کہ اگر وہ سب آدمی اس دعوت کو قبول کر لیتے تو ان میں سے خلیفہ کون قرار پاتا؟

نیز یہ کہ بخاری و مسلم میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے جو حدیث مروی ہے اس سے اس کی تردید ہوتی ہے، فرماتے ہیں: جب آیت کریمہ ﴿ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴾ نازل ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو جمع کر کے ان سے اجتماعی اور انفرادی طور پر بات چیت کی۔ آپ نے فرمایا: ''اے بنی کعب! اپنی جان دوزخ سے بچالو۔ اے بنی عبدشمس! اے بنی عبدالمطلب! اپنی جان دوزخ سے بچالو۔ اے فاطمہ! اپنی جان دوزخ سے بچالے۔ میں تم سے عذاب الٰہی کو روک نہیں سکوں گا

❶ اس کے واضع کا نام عبدالغفار بن قاسم بن فہد ابومریم کوفی رافضی ہے۔ شیعہ کی اکثر تصانیف میں اس کا ذکر پایا جاتا ہے۔ المامقانی نے اپنی کتاب ''تنقیح المقال'' (۲/ ۱۵۸۔ ۱۵۹) پر بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے منہاج السنہ (۴/۸۱) پر لکھا ہے کہ یہ اجماعاً متروک راوی ہے۔ ابن المدینی فرماتے ہیں کہ یہ حدیثیں وضع کیا کرتا تھا۔ نسائی اور حاتم نے اسے متروک الحدیث قرار دیا ہے۔ ابن حبان البستی فرماتے ہیں کہ یہ شراب کے نشہ سے سرشار رہا کرتا تھا، امام احمد فرماتے ہیں، اس کی اکثر روایات باطل ہوا کرتی ہیں۔ سماک بن حرب اور ابوداؤد نے اسے کاذب قرار دیا ہے، اس روایت کی سند میں ایک اور رافضی بھی ہے اس کا نام عبداللہ بن عبدالقدوس ہے وہ سابق الذکر شیعہ راوی سے بھی بدتر ہے۔

تاہم قرابت داری کا حق ادا کرتا رہوں گا۔ ❶

بخاری و مسلم میں ہے کہ جب زیر تبصرہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے فرمایا: ''اے گروہ قریش! اپنے آپ کو عذاب الٰہی سے بچالو میں تمہاری کچھ مدد نہیں کرسکوں گا۔ اے بنی عبد المطلب! اے میری پھوپھی صفیہ! اور اے میری بیٹی فاطمہ! میرا مال جتنا چاہو لے لو، میں تمھیں عذاب الٰہی سے نہیں چھڑا سکوں گا۔'' ❷ امام مسلم نے یہ روایت قبیصہ بن مخارق و زہیر ❸ و عائشہ سے نقل کی ہے۔ اس میں ہے کہ نبی کریم نے کوہ صفا پر کھڑے ہوکر یہ الفاظ ارشاد فرمائے تھے۔'' ❹

امامت علی کے اثبات میں دوسری حدیث:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''امامت علی کے اثبات میں دوسری حدیث یہ ہے کہ جب آیت کریمہ ﴿يَآأَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ﴾ (المائدہ:۵/٦٧) نازل ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے غدیر خم کے مقام پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: ''اے لوگو! کیا میں تمھیں تمہاری جانوں کی نسبت زیادہ قریب نہیں؟ انھوں نے کہا، کیوں نہیں! آپ نے فرمایا ''جس کا میں مولیٰ ہوں علی بھی اس کے مولیٰ ہیں۔ اے اللہ! جو علی سے دوستی رکھے، اس سے دوستی رکھ اور جو علی سے عداوت رکھتا ہو اس سے عداوت رکھ، جو اس کی مدد کرے تو بھی اس کی مدد کر اور جو اسے تنہا چھوڑ دے تو بھی اسے تنہا چھوڑ دے۔'' سیدنا عمر نے فرمایا، بڑی خوشی کی بات ہے آپ (سیدنا علی) میرے اور سب مومن مردوں اور عورتوں کے مولیٰ ہیں۔''

---

❶ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورة الشعراء، (حدیث:٤٧٧١)، صحیح مسلم، کتاب الایمان۔ باب فی قوله تعالی ﴿وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾ (حدیث:٢٠٤)، واللفظ له

❷ صحیح بخاری، کتاب الوصایا، باب هل یدخل النساء والولد فی الاقارب (حدیث: ٢٧٥٣)، صحیح مسلم، حواله سابق(حدیث:٢٠٦)

❸ صحیح مسلم، حواله سابق(حدیث:٢٠٧)

❹ صحیح مسلم ،حواله سابق(حدیث:٢٠٥)

ہم قبل ازیں اس حدیث کا جواب دے چکے ہیں کہ یہ آیت غدیر خم کے واقعہ سے بہت عرصہ پہلے نازل ہوئی۔ [1] اگرچہ یہ سورۂ مائدہ کی آیت ہے۔ اسی سیاق میں فرمایا: ﴿وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ جس کا تعلق آغاز اسلام سے ہے۔ امام ترمذی اور امام احمد بن حنبل نے المسند میں اس حدیث کا ابتدائی حصہ نقل کیا ہے۔ روایت کے یہ الفاظ ''وَالِ مَنْ وَّالَاهُ'' بلاشبہ جھوٹے ہیں۔ اَثرم نے سنن میں امام احمد سے نقل کیا ہے کہ عباس نے امام احمد سے دریافت کیا کہ حسین [2] الاشقر نے دو حدیثیں روایت کی ہیں۔ ایک مذکورہ صدر روایت اور دوسری یہ کہ نبی ﷺ نے سیدنا علی کو کہا آپ کو مجھ سے اظہار بیزاری کرنے پر مجبور کیا جائے گا، مجھ سے بیزار نہ ہونا۔'' یہ سن کر امام احمد نے ان حدیثوں کو تسلیم نہ کیا اور فرمایا یہ جھوٹ ہیں۔

امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: فضائل علی کے بارے میں مندرجہ ذیل حدیثیں صحیح ہیں۔

۱۔ آپ کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارون کو موسیٰ ہے۔ [3]

۲۔ غزوۂ خیبر کے موقع پر نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد کہ کل میں ایک شخص (سیدنا علی) کو جھنڈا دوں گا۔ [4]

۳۔ نبی کریم کا یہ عہد کہ مومن سیدنا علی سے محبت کرتے اور منافق بغض رکھتے ہیں۔ [5]

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب زیادة الایمان ونقصانه (حدیث:٤٥)، صحیح مسلم، کتاب التفسیر، باب فی تفسیر آیات متفرقة،(حدیث:٣٠١٧)

[2] اس کا نام حسین بن حسن اشقر کوفی ہے اس کا ترجمہ میزان الاعتدال (۱/ ۲۴۹) پر مذکور ہے بخاری فرماتے ہیں:'' فیہ نظر'' ابو زرعہ کہتے ہیں یہ منکر الحدیث ہے، ابو حاتم کہتے ہیں یہ ضعیف راوی ہے جوزجانی فرماتے ہیں یہ صحابہ کو گالیاں دیا کرتا تھا۔ یہ ۲۰۸ھ میں فوت ہوا۔''

[3] صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم باب مناقب علی بن ابی طالب رضی الله عنه (حدیث:٣٧٠٦،٤٤١٦)، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل علی بن ابی طالب رضی الله عنه(حدیث:٢٤٠٤)

[4] صحیح بخاری،حواله سابق، (حدیث:٣٧٠١)،صحیح مسلم۔حواله سابق (حدیث:٢٤٠٩)

[5] صحیح مسلم، کتاب الایمان باب الدلیل علی ان حب الانصار وعلی رضی الله عنهم(حدیث:٧٨)

آخر الذکر حدیث انصار مدینہ کے بارے میں بھی وارد ہوئی ہے۔ ❶

باقی رہی حدیث ''مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ''، تو یہ صحیح نہیں ہے۔ اس کے علاوہ روافض جو احادیث سیدنا علی کے فضائل و مناقب کے بارے میں بیان کرتے ہیں وہ سب موضوع ہیں، جیسا کہ علم حدیث سے معمولی واقفیت رکھنے والا شخص بھی جانتا ہے۔

اگر سوال کیا جائے کہ محدث ابن حزم نے مذکورہ صدر قول میں حدیث ''اَنْتَ مِنِّی وَ اَنَا مِنْکَ نیز حدیث ''مباہلہ'' اور حدیث ''الکساء'' ذکر نہیں کیں اس کا مطلب یہ ہوا کہ ابن حزم کے نزدیک یہ احادیث بھی ضعیف ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ابن حزم نے احادیث صحیحہ سے وہ حدیثیں مراد لی ہیں جن میں صرف علی رضی اللہ عنہ کی مدح و ستائش کی گئی ہے اور کسی کا ذکر نہیں کیا گیا۔ ہم کہتے ہیں اگر یہ الفاظ نبی کریم نے غدیر خم کے مقام پر ارشاد فرمائے بھی تھے تو آپ کی مراد امامت و خلافت ہرگز نہ تھی، اس لیے کہ ظاہری الفاظ سے یہ مفہوم نہیں نکلتا، ایسی اہم بات بڑے واضح انداز میں بیان کرنا چاہیے نہ کہ مجمل و مبہم الفاظ میں۔

مولیٰ کا لفظ عربی زبان میں وَلی کا مترادف ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا﴾ (المائدہ: ۵/۵۵)

اس آیت سے مستفاد ہوتا ہے کہ سب مومن اللہ کے دوست ہیں۔ یہ آپس میں بھی ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ موالات (دوستی لگانا) معادات (دشمن رکھنا) کی ضد ہے۔ یہ جانبین سے استوار کی جاتی ہے۔ ضروری نہیں کہ دوستی لگانے والے دونوں فریق مرتبہ و مقام کے لحاظ سے برابر ہوں۔ بلکہ اس بات کا بھی امکان ہے کہ ایک فریق عالی منصب ہو اور اس کا دوسرے سے دوستی لگانا اس کے فضل و احسان پر مبنی ہو اس کے مقابلہ میں ایک فریق فروتر درجہ رکھتا ہو اور اس کا فریق اعلیٰ سے دوستی لگانا طاعت و عبادت کا درجہ رکھتا ہو۔ بنا بریں اللہ و رسول اور سیدنا علی کے مولیٰ ہونے کے یہ معنی ہیں کہ یہ سب مومنوں سے دوستی رکھتے ہیں، گویا مولی کا لفظ اندریں صورت موالات سے ہوگا جو معادات کی ضد ہے۔ مومن جو اللہ و رسول کے ساتھ موالات قائم کرتے ہیں، وہ بھی معادات کی ضد ہے۔ دوستی لگانے کا یہ حکم سب مومنوں کے لیے ہے۔ سیدنا علی ایک بلند پایہ مومن ہیں اور وہ باقی

❶ صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب حب الانصار من الایمان (حدیث:۱۷)، صحیح مسلم، حوالہ سابق (حدیث:۷۵،۷۴)

مومنوں سے دوستی رکھتے ہیں۔ بنابریں اس میں خوارج ونواصب کی تردید پائی جاتی ہے۔حدیث میں یہ کہیں مذکورنہیں کہ علی کے سوا مومنوں کا کوئی دوست ہی نہیں ۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: قبیلہ مسلم وغفار وجہینہ ومزنیہ اورقریش و انصاریہ سب میرے دوست ہیں۔ اللہ و رسول کے سوا ان کا کوئی دوست نہیں۔ ❶

امامت علی کے اثبات میں تیسری حدیث:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:''امامت علی کے اثبات میں تیسری حدیث یہ ہے:

" اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُّوْسٰی اِلَّا اَنَّهٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ "

اللہ تعالیٰ نے سیدنا ہارون کو یہ مرتبہ عطا کیا تھا کہ وہ سیدنا موسیٰ کے قائم مقام تھے اور اگر ان کے بعد زندہ رہتے تو ان کے خلیفہ ہوتے۔ نیز اس لیے کہ سیدنا موسیٰ کی غیوبت میں وہ آپ کے قائم مقام رہ چکے تھے۔سیدنا موسیٰ کی وفات کی صورت میں جب آپ کی غیوبت طوالت اختیار کر لیتی تو آپ کا خلیفہ ہونا زیادہ قرین عقل وقیاس تھا۔''

اس کا جواب یہ ہے کہ مذکورہ بالا حدیث بخاری ومسلم میں موجود ہے۔ نبی کریم نے یہ الفاظ غزوۂ تبوک کو جاتے وقت ارشاد فرمائے تھے۔ ❷ نبی کریم کی عادت تھی کہ جب مدینہ کے باہر جاتے تو کسی کو اپنا نائب مقرر کر دیا کرتے تھے۔غزوۂ تبوک کو جاتے وقت کسی کو پیچھے رہنے کی اجازت نہیں دی۔صرف وہی لوگ پیچھے رہے جو معذور تھے۔ یا منافق۔ تین صحابہ بھی آپ کے ہم راہ نہ جا سکے تھے۔فتح مکہ اور حجۃ الوداع کو جاتے وقت بھی آپ نے اپنا نائب مقرر کیا تھا۔غزوۂ تبوک کے موقع پر مدینہ میں مسلمانوں کی کوئی جماعت بھی باقی نہیں رہی تھی۔ اس لیے یہ استخلاف اپنی نوعیت میں نرالا تھا۔سیدنا علی نبی کریم کی طرف روتے ہوئے آئے اور عرض کیا:'' اے اللہ کے رسول! آپ مجھے بچوں اور عورتوں میں چھوڑ کر جا رہے ہیں۔بعض لوگوں کا خیال ہے کہ منافقین نے یہ گپ اڑائی تھی کہ

---

❶ صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب مناقب قریش(حدیث:۳۵۰٤)، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل غفار و اسلم......"(حدیث: ۲۵۲۰)

❷ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة تبوك (حدیث:٤٤١٦)، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة ، باب من فضائل علی بن ابی طالب رضی الله عنه (حدیث: ۲٤۰٤)

محمد صلی اللہ علیہ وسلم علی رضی اللہ عنہ سے بغض رکھتے ہیں اس لیے ان کو جنگ میں ہم راہ نہیں لے جا رہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی کو بتایا کہ میں نے تمھیں امین سمجھ کر اپنا نائب مقرر کیا ہے۔ بغض کی بنا پر نہیں۔ جس طرح موسیٰ علیہ السلام نے اپنی عدم موجودگی میں سیدنا ہارون کو اپنا نائب مقرر کیا تھا۔ اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی کو مطمئن کر دیا۔

مگر سیدنا علی کا استخلاف سیدنا ہارون کی خلافت و نیابت کی مانند نہ تھا۔ اس لیے کہ سیدنا موسیٰ جب مناجات باری تعالیٰ کے لیے کوہ طور پر گئے تھے تو اپنی عدم موجودگی میں ہارون کو اپنا نائب مقرر کیا تھا۔ سیدنا علی کو اس وقت مدینہ کا نائب مقرر کیا گیا تھا جب کہ اہل اسلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں جنگ کے لیے جا رہے تھے، باقی رہا یہ کہ نبی کریم کے الفاظ تھے: ''اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی''، تو یاد رہے کہ ایسے الفاظ میں تشبیہ ہر لحاظ سے مقصود نہیں ہوتی اور یہ مطلب نہیں ہوتا کہ مُشَبَّہ اور مُشَبَّہ بِہٖ دونوں بالکل مساوی ہیں۔

حدیث استخلاف کی توضیح:

جب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اساری بدر کے بارے میں صحابہ سے مشورہ لیا تو سیدنا ابوبکر نے فدیہ کا مشورہ دیا۔ اور سیدنا عمر نے فرمایا کہ ان کو قتل کر دینا چاہیے، یہ سن کر آپ نے فرمایا: ''اے ابوبکر! آپ کی مثال سیدنا ابراہیم جیسی ہے جب انھوں نے فرمایا: ﴿فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ وَ مَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ اور اے عمر! آپ کی مثال سیدنا نوح علیہ السلام جیسی ہے جنھوں نے فرمایا تھا: ﴿رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْكَافِرِیْنَ دَیَّارًا﴾ [1]

اس حدیث میں سیدنا ابوبکر کو سیدنا ابراہیم اور سیدنا عمر کو سیدنا نوح علیہ السلام کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ تشبیہ من کل الوجوہ ہے۔ بلکہ مقصود صرف یہ ہے کہ سیدنا ابوبکر لطافت طبع اور نرم مزاجی میں سیدنا ابراہیم کی طرح اور سیدنا عمر اپنے طبعی تشدد میں سیدنا نوح کی مانند تھے۔ سیدنا علی کو ہارون کے ساتھ تشبیہ صرف اس بات میں دی گئی ہے کہ جس طرح ہارون موسیٰ علیہ السلام کی عدم موجودگی میں ان کے قائم مقام قرار پائے تھے۔ اسی طرح علی نبی کریم کی عدم موجودگی میں ان کے نائب و خلیفہ تھے۔

---

[1] مسند احمد(۱/۳۸۳۔۳۸۴)، مستدرك حاكم(۳/۲۱۔۲۲)، و اسناده ضعيف۔ ابوعبیدہ کا اپنے والد عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں ہے۔

یہ استخلاف سیدنا علی کی خصوصیت نہیں ہے اور نہ ہی آپ کے دیگر استخلافات کی مانند ہے۔آپ کے مقرر کردہ نائبین اس طرح نہیں تھے جیسے سیدنا ہارون سیدنا موسیٰ کے خلیفہ تھے۔سیدنا علی کی تخصیص بالذکر لقب کے مفہوم سے ظاہر ہو رہی ہے۔لقب دو قسم کا ہوتا ہے۔

۱۔ وہ لقب جو جنس کی حیثیت رکھتا ہے۔

۲۔ وہ لقب جو علَم کا قائم مقام ہوتا ہے۔مثلاً زید۔یہ مفہوم نہایت کمزور ہے۔

اسی لیے تمام علمائے اصول کا نظریہ یہ ہے کہ اس سے احتجاج نہیں کیا جا سکتا۔بعض لوگوں نے کہا ہے کہ سیدنا علی کو نبوت کے سوا باقی ہر بات میں ہارون کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔یہ باطل ہے نبی کریم کے ارشاد گرامی ''اَمَا تَرْضٰی اَنْ تَکُوْنَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُّوْسٰی'' سے واضح ہوتا ہے کہ آپ سیدنا علی کو راضی کرنا چاہتے تھے۔آپ کا مقصد یہ تھا کہ سیدنا علی کو سیدنا ہارون جیسا مرتبہ حاصل ہے اور اگر سیدنا علی بالکل سیدنا ہارون کے مشابہ ہوتے تو ۹ ھ میں نبی کریم ان پر سیدنا ابوبکر کو امیر مقرر نہ کرتے۔ چنانچہ سیدنا علی سیدنا ابوبکر کی اقتداء میں نماز پڑھتے اور اطاعت کیا کرتے تھے۔سرور کائنات ﷺ نے سیدنا علی کو خاص طور پر کفار کے عہد واپس کرنے کے لیے بھیجا تھا۔عربوں کے ہاں رسم تھی کہ عہد باندھنے اور توڑنے کے لیے حاکم خود جایا کرتا تھا یا اپنے کنبہ کا کوئی آدمی بھیجا کرتا تھا۔

شیعہ مصنف کا یہ قول کہ ''ہارون سیدنا موسیٰ کی غیوبت میں ان کے قائم مقام تھے۔''

ہم کہتے ہیں کہ نبی کریم نے اپنی موجودگی و عدم موجودگی میں سیدنا علی کے سوا اور لوگوں کو بھی اپنا نائب مقرر کیا تھا۔لہٰذا استخلاف علی المدینہ سیدنا علی کی خصوصیت نہیں ہے۔یہ ضروری نہیں کہ جس شخص کو آپ اپنی زندگی میں بعض لوگوں کے لیے اپنا قائم مقام مقرر کر دیں وہ آپ کی وفات کے بعد آپ کا خلیفہ بھی ہو۔

امامت علی کی چوتھی حدیث:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''امامت علی کی چوتھی دلیل یہ حدیث ہے کہ نبی کریم نے سیدنا علی کو اپنا نائب مقرر کیا تھا، حالانکہ آپ کی غیوبت کا زمانہ نہایت محدود تھا۔لہٰذا علی آپ کی وفات کے بعد بھی آپ کے قائم مقام ہوں گے، کیوں کہ علی کے سوا کسی کی امامت و خلافت پر اجماع

منعقد نہیں ہوا۔ نیز اس لیے کہ نبی کریم نے سیدنا علی کو استخلاف علی المدینہ سے معزول نہیں کیا تھا، لہٰذا سیدنا علی کے بعد بھی اس منصب کے منصب پر فائز ہوں گے۔ جب مدینہ میں آپ کے نائب ہوں گے تو دیگر بلاد و امصار میں بھی یقیناً آپ کے خلیفہ ٹھہریں گے۔''

ہم جواباً کہتے ہیں کہ شیعہ کے دیگر دلائل کی طرح یہ دلیل بھی نہایت بودی اور تار عنکبوت کی طرح بے جان ہے، اس کے متعدد جوابات ہیں۔

اس کا ایک جواب یہ ہے کہ علماء کی ایک جماعت کے مطابق نبی کریم نے اپنی وفات کے بعد سیدنا ابوبکر کو خلیفہ مقرر کیا تھا اور اگر شیعہ کہیں کہ آپ نے سیدنا علی کو خلیفہ بنایا تھا۔ تو ہم کہیں گے کہ پھر فرقہ راوندیہ کا قول بھی صحیح ہونا چاہیے، جو کہتے ہیں کہ آپ نے سیدنا عباس کو خلیفہ بنایا تھا۔ جو شخص بھی کما حقہ نقلی دلائل سے آگاہ ہے۔ وہ جانتا ہے کہ احادیث صحیحہ سے سیدنا ابوبکر کا استخلاف ثابت ہوتا ہے نہ کہ سیدنا علی یا عباس کا۔ اور اگر آپ نے کسی کو بھی خلیفہ مقرر نہیں کیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ امام کا تقرر آپ نے امت کی رائے عامہ پر چھوڑ دیا تھا کہ جس کو چاہیں مقرر کریں۔

باقی رہا زندگی میں کسی کو اپنا قائم مقام بنانا تو یہ ایک قسم کی نیابت ہے اس کے لیے ہر امام کے عزم و قصد کا ہونا ضروری ہے اور موت کے بعد وہ خلیفہ بنانے کا مکلّف ہی نہیں رہتا۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا ارشاد ہے:

﴿وَ كُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ﴾ (المائدۃ: ۵/۱۱۷)

شیعہ مصنف کا یہ قول کہ ''سیدنا علی کو مدینہ کی امارت سے معزول نہیں [1] کیا تھا۔ ایک غلط بات ہے اس لیے کہ جونہی نبی کریم مدینہ وارد ہوئے، سیدنا علی خود بخود معزول ہوگئے۔ جس طرح آپ کے دیگر نائبین آپ کی تشریف آوری سے از خود اس منصب سے الگ ہو جایا کرتے تھے، جس پر آپ

[1] سیدنا علی کے امارت مدینہ سے معزول نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ غزوۂ تبوک سے واپس آنے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں سیدنا علی کے محکوم ہوں گے۔ ممکن ہے شیعہ مصنف الوہیت علی کا قائل ہو اور اس کے نزدیک سرور کائنات کا سیدنا علی کے زیر فرمان ہونا چنداں قابل اعتراض نہ ہو جیسا کہ اس کے پیش رو ابن ابی الحدید شارح نہج البلاغہ کا قول ہے۔

ان کو اپنی عدم موجودگی میں مقرر فرمایا کرتے تھے۔ آپ نے اس کے بعد سیدنا علی کو کفار سے اظہار براءت کرنے کے لیے مکہ بھیجا تھا۔ نیز یمن میں عامل مقرر کیا اور حجۃ الوداع کے موقع پر ان سے ملے۔

امامت علی کی پانچویں حدیث:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''امامت علی کے اثبات میں پانچویں حدیث وہ ہے جو جمہور علماء نے روایت کی ہے کہ نبی کریم نے سیدنا علی کو مخاطب کرکے فرمایا۔ آپ میرے بھائی، میرے وصی، میرے خلیفہ اور میرے بعد میرے قرض کو ادا کرنے والے ہیں۔''

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم شیعہ سے اس روایت کی صحت ثابت کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ شیعہ مصنف کا یہ قول کہ جمہور علماء نے روایت ذکر کی ہے مبنی پر مبالغہ ہے۔ اگر شیعہ مصنف کی مراد اس سے علماء حدیث ہیں تو یہ کھلا ہوا افتراء ہے اور اگر وہ یہ کہنا چاہتا ہے کہ ابو نُعیم و مغازلی یا خطیب خوارزم نے اسے روایت کیا ہے تو یہ روایت بالاتفاق حجت نہیں اور اس کا بطلان واضح ہے۔

محدث ابن الجوزی نے کتاب الموضوعات میں یہ روایت سیدنا انس سے بیان کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''علی بن ابی طالب میرا بھائی، میرا وزیر، میرے کنبہ میں سے میرا دوست اور میرے بعد میرے قرض کو ادا کرنے والا اور میرے وعدوں کو پورا کرنے والا ہے۔'' یہ روایت موضوع ہے، محدث ابن حبان فرماتے ہیں: ''مطر نامی راوی موضوعات روایت کرتا ہے، اس سے روایت کرنا حلال نہیں۔'' ابن عدی کے واسطہ سے بھی یہ روایت اسی طرح بیان کی گئی ہے۔ اس روایت کا مدار مطر نامی راوی پر ہے، اس میں '' خلیفتی و وصیی '' کے الفاظ نہیں ہیں۔ بلکہ ''خلیفتی فی اھلی '' کے الفاظ ہیں۔

امام علی کے اثبات میں چھٹی حدیث:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''امامت علی کے اثبات میں چھٹی روایت حدیث مواخات ہے۔ سیدنا انس روایت کرتے ہیں کہ مباہلہ والے دن اور جب نبی کریم ﷺ نے مہاجرین و انصار کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا۔ سیدنا علی کھڑے تھے اور آپ کو دیکھ رہے تھے، آپ نے سیدنا علی اور کسی شخص کے درمیان بھائی چارہ قائم نہ کیا۔ سیدنا علی روتے ہوئے واپس

لوٹ گئے۔ نبی کریم نے فرمایا: ''علی کہاں گئے؟'' لوگوں نے کہا: ''روتے ہوئے چلے گئے'' سیدہ فاطمہ نے رونے کی وجہ پوچھی تو سیدنا علی نے کہا کہ آپ نے مہاجرین و انصار کے درمیان مواخات قائم کی ہے اور کسی کو میرا بھائی نہیں بنایا۔'' سیدہ فاطمہ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو رسوا نہیں کرے گا، ہوسکتا ہے نبی کریم آپ کو اپنا بھائی بنانا چاہتے ہوں۔''

سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کے بلانے پر علی نبی کریم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے رونے کا سبب دریافت کیا، یہ سن کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا تجھے یہ بات پسند نہیں کہ تو نبی کا بھائی قرار پائے؟'' سیدنا علی نے کہا: ''کیوں نہیں؟'' نبی کریم نے علی کا ہاتھ پکڑا اور منبر کے پاس آ کر کہا: ''علی میرا ہے اور میں اس کا ہوں۔ان کو مجھ سے وہی مرتبہ حاصل ہے جو ہارون کو موسیٰ سے تھا۔ جس کا میں مولی ہوں علی اس کا مولیٰ ہے'' سیدنا عمر نے آگے بڑھ کر فرمایا۔ ابوالحسن! آپ میرے اور ہر مسلم کے مولیٰ ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا علی کی مواخات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ افضل الصحابہ ہیں۔ لہٰذا آپ ہی امام و خلیفہ ہوں گے۔''

ہم کہتے ہیں یہ صریح جھوٹ ہے۔ مہاجرین و انصار کے مابین مواخات کا رشتہ آغاز ہجرت میں استوار کیا گیا تھا جب کہ مباہلہ کا واقعہ ۹ ھ میں پیش آیا۔ دراصل مباہلہ وقوع پذیر نہیں ہوا تھا۔ بلکہ نصاریٰ نجران کو دعوت مباہلہ دی گئی تھی۔ انھوں نے مشورہ کی مہلت طلب کی۔ خلوت میں ایک دوسرے سے کہنے لگے یہ نبی ہیں اور جو قوم نبی سے مباہلہ کرتی ہے برباد ہو جاتی ہے۔ چنانچہ انھوں نے جزیہ دینا تسلیم کیا اور چلے گئے۔ [1]

ساتویں حدیث سے اثبات امامت علی:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''اس ضمن میں ساتویں حدیث سیدنا علی کے ہاتھوں خیبر کا فتح ہونا ہے۔اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ ''مجھے کوئی ایسا شخص دکھاؤ جو اللہ و رسول کا محبّ بھی ہو اور محبوب بھی۔ اس میں شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ سیدنا علی کو چاہتے ہیں۔اس حدیث میں خوارج و

---

[1] سیرة ابن هشام(ص:۲۷۱۔۲۷۷)،صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب قصة اهل نجران(حدیث:۴۳۸۰)

امویہ کی تردید ہے۔‘‘

امام ابوالحسن اشعری اپنی کتاب ’’المقالات‘‘ میں لکھتے ہیں۔ سیدنا علی کے کفر پر سب خوارج کا اجماع منعقد ہو چکا ہے۔‘‘ اس حدیث میں سیدنا علی کی کسی خصوصیت کو بیان نہیں کیا گیا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ دیگر صحابہ کو بھی چاہتے ہیں۔ سیدنا علی کے ذریعہ خیبر کا فتح ہونا ان کی فضیلت پر دلالت کرتا ہے نہ کہ افضل الصحابہ ہونے پر۔

امامت علی کے اثبات میں آٹھویں حدیث:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

’’جمہور نے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ کے پاس ایک پرندہ لایا گیا، تو آپ نے فرمایا:’’ اے اللہ! اس پرندے کا گوشت کھانے کے لیے کسی ایسے شخص کو میرے پاس بھیج جو مجھے اور تجھے سب لوگوں میں سے عزیز تر ہو۔ اتنے میں سیدنا علی تشریف لائے۔‘‘

ہم کہتے ہیں یہ حدیث سب محدثین کے نزدیک جھوٹی اور موضوع ہے۔ مشہور محدث امام حاکم سے ’’حدیث الطیر‘‘ کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے کہا: ’’یہ حدیث صحیح نہیں۔‘‘ [1] حالانکہ حاکم تشیع کی جانب منسوب ہے، مگر حاکم اور دیگر علماء حدیث مثلاً نسائی اور ابن عبدالبر کا تشیع تفضیل علی کی حد تک نہیں پہنچتا۔ محدثین میں کوئی عالم ایسا نہ تھا جو سیدنا علی کو سیدنا ابوبکر و عمر سے افضل قرار دیتا ہو۔

دو ہی صورتیں ممکن ہیں:

۱۔ نبی کریم جانتے تھے کہ علی اللہ تعالیٰ کو سب مخلوقات کی نسبت عزیز تر ہیں۔

۲۔ آپ کو اس بات کا علم نہ تھا۔

بصورت اوّل آپ نے سیدنا علی کو کیوں نہ بلا لیا اور کیوں نہ یوں فرمایا کہ اے اللہ! علی کو حاضر کر دے اگر آپ یوں فرماتے تو بہت سے لوگ اس زعم باطل میں مبتلا نہ ہوتے کہ شاید وہی احب الخلق ہوں۔ بصورت ثانی اس روایت کے الفاظ ہیں:

’’اَحَبَّ خَلْقِكَ اِلَيْكَ وَاِلَيَّ‘‘

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھئے۔ تذکرۃ الحفاظ للذہبی (۳/۱۰۴۲-۱۰۴۳- ترجمۃ للامام الحاکم)، البدایۃ النہایۃ لابن کثیر (۷/۳۸۷)، یہ روایت سنن ترمذی (۳۷۲۱)، میں مختصراً مروی ہے نیز دیکھیے: تحفۃ الاحوذی (۴/۳۲۸)

حیرانی کی بات ہے کہ جب سیدنا علی سب مخلوقات سے نبی ﷺ کو عزیز تر تھے تو آپ کو یہ بات کیوں کر معلوم نہ تھی۔ اس روایت کے نا قابل اعتماد ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ بخاری و مسلم میں مروی ہے کہ نبی کریم نے فرمایا: ''اگر میں کسی کو گہرا دوست بنانے والا ہوتا تو ابوبکر کو بناتا۔''❶

یہ خبر متواتر ہے اور مختلف طرق سے مروی ہے اس حدیث کے راویوں میں سیدنا ابن مسعود ❷، ابن عباس ❸، ابوسعید ❹، ابن زبیر رضی اللہ عنہم ❺ ایسے جلیل القدر صحابہ شامل ہیں۔ حدیث صحیح میں وارد ہوا ہے کہ نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا گیا تھا کہ سب لوگوں میں سے آپ کو عزیز تر کون ہے؟ فرمایا: ''عائشہ۔'' عرض کیا گیا مردوں میں سے کون؟ فرمایا: ''ان کے والد ابوبکر۔''❻

سقیفہ بنی ساعدہ کے روز سیدنا عمر نے صحابہ کے ہجوم میں سیدنا ابوبکر کو مخاطب کر کے کہا تھا۔

آپ ہم میں سب سے بہتر اور رسول اللہ کو عزیز تر ہیں۔❼ صحابہ میں سے کسی نے بھی اس کی تردید نہیں کی تھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَلَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَكّٰی وَ مَالِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓی﴾ (سورة اللیل: ۹۲/۱۷-۱۸)

ائمہ تفسیر فرماتے ہیں کہ یہ آیات سیدنا ابوبکر کے بارے میں نازل ہوئیں۔❽ ہم کہتے

---

❶ صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم۔ باب قول النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم " لوکنت متخذًا خلیلاً" (حدیث:۳٦٥٦)،صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل ابی بکر الصدیق رضی الله عنه،(حدیث:۲۳۸۲)

❷ صحیح مسلم(۲۳۸۳)

❸ صحیح بخاری (۳٦٥٦)

❹ صحیح بخاری (۳٦٥٤)، صحیح مسلم(۲۳۸۲)

❺ صحیح بخاری (۳٦٥۸)

❻ صحیح بخاری ، حواله سابق (حدیث:۳٦٦۲)، صحیح مسلم، حواله سابق (حدیث: ۲۳۸٤)

❼ صحیح بخاری ،حواله سابق(حدیث:۳٦٦۸)

❽ مستدرك حاکم(۲/٥۲٥)،تفسیر درمنثور(٦/٦۰٥)

ہیں ''الاتقی'' سے شخص واحد بھی مراد لیا جا سکتا ہے اور پوری جماعت بھی۔ اگر فرد معین مراد لیں تو وہ سیدنا ابوبکر ہوں گے یا علی۔

سیدنا علی کو اس کا مصداق ٹھہرانا اس لیے صحیح نہیں کہ اس میں یہ آیت بھی ہے: ﴿اَلَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَكّٰی﴾ یہ وصف سیدنا علی میں موجود نہ تھا۔ اس لیے کہ یہ سورت مکی ہے اور علی مکہ میں تنگ دست تھے۔ جب مکہ میں قحط پڑا تھا تو نبی کریم نے ان کو اپنے کنبہ میں شامل کر لیا تھا۔ [1] بنا بریں نبی ﷺ کے سیدنا علی پر دو احسان تھے۔

۱۔ دنیوی احسان۔

۲۔ اخروی و دینی احسان۔

پہلا احسان قابل جزا تھا۔ جب کہ دوسرے احسان کا صلہ اللہ تعالیٰ سے ملے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ آیت میں ذکر کردہ وصف سیدنا صدیق میں موجود تھا۔ اور سیدنا علی میں نہیں۔ بے شک علی دوسروں سے زیادہ متقی تھے۔ مگر مذکورہ وصف میں علی سیدنا ابوبکر کے ہم سر نہ تھے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''مجھے اور کسی کے مال سے اتنا فائدہ نہیں پہنچا جتنا ابوبکر کے مال سے حاصل ہوا۔'' [2]

نیز فرمایا:

''ابوبکر کی صحبت و رفاقت اور صرف مال کے احسانات مجھ پر سب سے زیادہ ہیں۔'' [3]

سیدنا ابوبکر نے سات ایسے لوگوں کو خرید کر آزاد کیا تھا جن کو اسلام لانے کے جرم میں ستایا جاتا تھا۔ [4] ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ''الاتقی'' اسم جنس ہے اس میں سب جلیل القدر صحابہ و تابعین داخل

---

1. سیرة ابن هشام(ص:۱۱۵)
2. سنن ترمذی۔ کتاب المناقب۔ باب۱۵/۳۴)، (حدیث:۳۶۶۱)، سنن ابن ماجة۔ المقدمة۔ باب فضائل ابی بکر الصدیق رضی اللّٰه عنه(حدیث:۹٤)
3. صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللّٰه علیه وسلم ۔ باب قول النبی صلی اللّٰه علیه وسلم " سدوا الابواب الا باب ابی بکر" (حدیث:۳٦٥٤)، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل ابی بکر الصدیق رضی الله عنه(حدیث:۲۳۸۲)
4. مستدرك حاكم (۲۸٤/۳)، سیرة ابن هشام(ص:۱٤۷)

ہیں اور ابوبکر ان کے سرخیل ہیں۔

امامت علی کے اثبات میں نویں حدیث:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

’’امامت علی کے اثبات میں نویں حدیث وہ ہے جسے جمہور علماء نے روایت کیا ہے کہ آپ نے صحابہ کو سیدنا علی پر سلام بھیجنے کا حکم دیا اور فرمایا۔آپ سید المسلمین امام المتقین اور اہل جنت کے قائد ہیں لہٰذا سیدنا ہی خلیفہ و امام ہوں گے۔‘‘

ہم شیعہ سے مطالبہ کرتے ہیں کہ اس کی اسناد بیان کریں اور اس کی صحت ثابت کریں۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ یہ روایت کسی صحیح کتاب اور قابل اعتماد مسند میں موجود نہیں اس کی اسناد میں متہم بالکذب راوی پائے جاتے ہیں، بلکہ علماء حدیث اس سے بڑھ کر اسے موضوع قرار دیتے ہیں اور اسے نبی کریم کی طرف منسوب کرنے کو حرام سمجھتے ہیں۔ نبی کریم کے سوا کوئی شخص سید المسلمین اور امام المتقین نہیں ہوسکتا۔ علاوہ ازیں مذکورہ روایت میں یہ الفاظ موجود نہیں کہ سیدنا علی میرے بعد امام المسلمین ہوں گے، نیز اس لیے کہ خیر المسلمین والمتقین ’’ قرن اول کے مسلمان تھے اور نبی کریم ان کے اور بعد میں آنے والے مسلمانوں کے قائد تھے۔

اب سوال یہ ہے کہ جب سب مسلمان شیعہ کی نگاہ میں کافر و فاسق ہیں تو سیدنا علی کس کی قیادت کریں گے؟ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

’’بروز قیامت وضوء کے آثار کی وجہ سے میری امت کے لوگوں کی پیشانی اور ہاتھ پاؤں سفید ہوں گے اور میں حوض پر تمہارا پیشوا اور راہنما ہوں گا۔‘‘ [1]

مذکورہ صدر حدیث سے مستفاد ہوتا ہے کہ جو شخص وضو کرتے وقت اپنا منہ اور ہاتھ پاؤں دھوتا ہے وہ بروز قیامت ان لوگوں میں سے ہوگا جن کے ہاتھ پاؤں سفید ہوں گے،اس کے مصداق شیعہ کے سوا آپ کی جمہور امت ہے، چونکہ شیعہ وضوء کرتے وقت پاؤں نہیں دھوتے۔لہٰذا ان کے پاؤں سفید نہیں ہوں گے۔ لہٰذا سرور کائنات اور سیدنا علی بروز قیامت ان کی قیادت بھی نہیں کریں گے۔ سفیدی پاؤں پر اسی طرح ہوگی جس طرح ہاتھوں پر۔آپ کا ارشاد ہے۔

[1] صحیح مسلم۔ کتاب الطھارۃ، باب استحباب اطالۃ الغرۃ(حدیث:۲۴۹) سنن نسائی(۱۵۰)، سنن ابن ماجۃ(۴۳۰۶)

''ایڑیوں اور پاؤں کی اندرونی جانبوں کو آگ کی وجہ سے بڑی تکلیف کا سامنا ہوگا۔'' ❶

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ وضو کرتے وقت پاؤں کا جو حصہ خشک رہے وہ آگ میں جلے گا، یہ ایک بدیہی بات ہے کہ مُحَجّل گھوڑا وہی ہوتا ہے جس کے ہاتھ پاؤں پر سفیدی کا نشان ہو ورنہ اسے محجل نہیں کہتے۔ بنابریں جو شخص اپنے پاؤں کو ٹخنوں تک نہیں دھوتا۔ بروز قیامت اس کے پاؤں سفید نہیں ہوں گے۔

جس حقیقت واقعی سے اس روایت کا کذب واضح ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ آپ علانیہ سیدنا ابوبکر و عمر کو سیدنا علی سے افضل قرار دیا کرتے تھے اس کی حد یہ ہے کہ خاص و عام بلکہ مشرکین بھی اس سے آگاہ تھے۔ بخاری و مسلم میں سیدنا عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ جب سیدنا عمر کی نعش لوگوں کے سامنے لائی گئی تو لوگوں نے اس کو گھیر لیا وہ آپ کے حق میں دعا کرنے اور آپ کی مدح و ستائش کرنے لگے۔ اچانک ایک شخص نے میرا کندھا تھام لیا۔ میں نے دیکھا تو وہ علی تھے۔ انھوں نے سیدنا عمر کے حق میں دعا کی اور فرمایا تو نے اپنے پیچھے کسی آدمی کو نہیں چھوڑا کہ جس کے اعمال کو لے کر میں بارگاہ ایزدی میں حاضر ہوں۔ میرا خیال تھا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو دونوں ساتھیوں (نبی کریم اور ابوبکر) کے ساتھ ملا دے گا، میں اکثر سرور کائنات کو یہ فرماتے سنا کرتا تھا کہ میں اور ابوبکر و عمر آئے۔، میں اور ابوبکر و عمر داخل ہوئے ، میں اور ابوبکر و عمر نکلے' مجھے امید تھی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ان دونوں ساتھیوں کی ملاقات نصیب کرے گا۔ ❷

اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ سیدنا علی پر سیدنا ابوبکر و عمر کی عظمت و فضیلت کسی سے پوشیدہ نہ تھی یہی وجہ ہے کہ متقدمین شیعہ سیدنا علی کے ساتھ انتہائی الفت و محبت رکھنے کے باوجود سیدنا ابوبکر و عمر کو ان سے افضل قرار دیا کرتے تھے، البتہ سیدنا علی کو سیدنا عثمان کے مقابلہ میں افضل تصور کرتے تھے۔ عبدالرزاق کا قول ہے کہ

---

❶ مسند احمد (١٩١/٤)، موقوفاً و مرفوعاً۔ صحیح ابن خزیمة(١٦٣)، مرفوعاً وعلقه الترمذی فی کتاب الطهارة، باب ما جاء " وَيْلٌ لِّلْاَعْقَابِ مِنَ النَّارِ" (تحت الحدیث: ٤١)

❷ صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللّٰه علیه وسلم، باب مناقب عمر بن الخطاب رضی اللّٰه عنه(حدیث: ٣٦٨٥، ٣٦٧٧)، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل عمر بن الخطاب رضی اللّٰه عنه (حدیث: ٢٣٨٩)

''میرے لیے یہی جرم کافی ہے کہ میں علی سے محبت کا دعویٰ کروں اوران کے اس قول کی خلاف ورزی کروں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امت میں سب سے افضل ابوبکر وعمر ہیں۔'' اوراگر میں تیسرے خلیفہ کا نام لینا چاہوں تو سیدنا علی کا نام لوں گا۔''

غزوہ احد میں کفار قریش کے سپہ سالار ابوسفیان نے بلند آواز سے دریافت کیا تھا، کیا محمد موجود ہیں؟ کیا ابوبکر وعمر موجود ہیں؟ آپ نے جواب دینے سے منع کردیا تھا جواب نہ پا کر ابوسفیان کہنے لگا: ''یہ سب تہ تیغ کیے جا چکے ہیں۔'' سیدنا عمر ضبط نہ کر سکے تو بولے اے اللہ کے دشمن! ہم زندہ ہیں۔ ❶

یہ امر قابل غور ہے کہ ابوسفیان نے صرف تینوں حضرات کے بارے میں سوال کیا تھا اس سے معلوم ہوا کہ کفار صرف انہی تینوں کو اہمیت ووقعت کی نگاہ سے دیکھتے تھے دوسروں کو نہیں۔

اسی طرح شیعہ کا یہ قول: ''هُوَ وَلِيُّ كُلِّ مُؤْمِنٍ بَعْدِیْ'' ''سیدنا علی میرے بعد ہر مومن کے دوست ہیں۔'' نبی کریم پر بہتان ہے، بخلاف ازیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بقید حیات تھے اور بعد از وفات ہر مومن کے دوست ہیں، اسی طرح ہر مومن زندگی میں اور بعد از وفات آپ کا دوست ہے۔ خلاصہ یہ کہ ولایت جو عداوت کی ضد ہے کسی زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔

نیز یہ کہ ولایت بمعنی امارت سے والی کہا جاتا ہے نہ کہ ولی۔

نبی کریم کا یہ ارشاد سیدنا علی کے بارے میں ''اَنْتَ مِنِّیْ وَ اَنَا مِنْکَ'' بالکل صحیح ہے حدیث میں آیا ہے کہ سالار رسل صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہ کو مخاطب کر کے فرمایا تھا: ''اَنْتَ اَخُوْنَا وَ مَوْلَانَا'' اسی طرح جعفر بن ابی طالب کو فرمایا: ''آپ کی صورت وسیرت میرے جیسی ہے۔'' ❷

سیدنا ابوموسیٰ کے قبیلہ والوں کی یہ عادت تھی کہ جب جنگ کے موقع پر زاد راہ ختم ہو جاتا تو جو کچھ ان کے پاس ہوتا اس کو جمع کرتے پھر تقسیم کر لیا کرتے تھے یہ دیکھ کر نبی کریم نے فرمایا: ''هُمْ مِنِّیْ وَ اَنَا مِنْهُمْ'' ❸

مندرجہ بالا بیانات اس حقیقت کی آئینہ داری کرتے ہیں کہ ان الفاظ سے مدح کرنا مقصود ہوتا

---

❶ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ احد (حدیث: ٤٠٤٣)

❷ صحیح بخاری، کتاب الصلح، باب کیف یکتب هذا ما صالح فلان...... (حدیث: ٢٦٩٩)

❸ صحیح بخاری، کتاب الشرکة، باب الشرکة فی الطعام والنهد (حدیث: ٢٤٨٦)، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل الاشعریین، (حدیث: ٢٥٠٠)

ہے۔ کسی کی امامت کا اظہار نہیں۔ نبی کریم نے سیدنا جُلَیْبِیب کے بارے میں فرمایا تھا:
''ھٰذَا مِنِّیْ وَ اَنَا مِنْهُ'' ❶

امامت علی کے بارے میں دسویں حدیث:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:
''امامت علی کے اثبات میں دسویں حدیث جمہور علماء نے ذکر کی ہے کہ آپ نے فرمایا:
''میں تم میں وہ چیز چھوڑ چلا ہوں کہ اگر اسے تھامے رکھو گے تو گمراہ نہ ہو گے، یعنی اللہ کی کتاب اور میرے اہل بیت۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے، یہاں تک کہ میرے پاس حوض پر وارد ہوں گے۔''
نبی کریم ﷺ نے فرمایا:
''میرے اہل بیت کشتی نوح کی طرح ہیں کہ جو اس پر سوار ہوا اس نے نجات پائی اور جو پیچھے رہا وہ ڈوب گیا۔''
چونکہ سیدنا علی اہل بیت کے سردار تھے، لہٰذا سب پر ان کی اطاعت واجب ہوگی اور وہی امام ہوں گے۔''

ہم کہتے ہیں صحیح مسلم میں سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے خُمّ کے مقام پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: ''میں تمہارے اندر وہ چیز چھوڑ چلا ہوں کہ اگر اسے تھامے رکھو گے، تو گم راہ نہ ہو گے وہ اللہ کی کتاب ہے ❷ ''وَعِتْرَتِیْ'' کے الفاظ ترمذی کی روایت میں پائے جاتے ہیں ❸ اس روایت کے نقل کرنے میں زید بن حسن انماطی متفرد ہوا ہے۔ محدث ابو حاتم نے انماطی کو منکر الحدیث کہا ہے۔

---

❶ صحیح مسلم۔ کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل جليبيب رضى الله عنه (حدیث: ٢٤٧٢)

❷ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة ،باب من فضائل على بن ابى طالب رضى الله عنه(حدیث:٢٤٠٨)

❸ سنن ترمذی، کتاب المناقب۔باب مناقب اهل بيت النبى صلى الله عليه وسلم (حدیث:٣٧٨٦)

ترمذی نے ابوسعید سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: میں تم میں وہ چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ اگر اسے تھامے رکھو گے تو گم راہ نہ ہو گے ایک چیز دوسری سے بڑھ کر ہے۔ اللہ کی کتاب جو اللہ کی رسی ہے اور آسمان سے زمین تک لٹک رہی ہے۔ اور میرے اہل بیت۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے الگ نہ ہوں گے یہاں تک کہ میرے پاس حوض پر وارد ہوں گے۔ غور کرو کہ تم ان سے کیا سلوک کرتے ہو۔[1] ترمذی نے اسے حسن کہا ہے۔

کشتیٔ نوح والی حدیث صحیح نہیں اور حدیث کی کسی قابل اعتماد کتاب میں موجود نہیں۔[2] نبی کریم ﷺ کا ارشاد ''لَنْ یَتفرَّقا'' اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اہل بیت کا اجماع حجت ہے۔ ہمارے اصحاب میں سے بعض کی یہی رائے ہے۔ قاضی نے المعتمد میں ذکر کیا ہے کہ عِترت سے سب بنو ہاشم مثلاً اولاد علی وعباس و حارث بن عبد المطلب مراد ہیں۔ اہل بیت کے سردار نبی ﷺ تھے۔ سیدنا ابن عباس اہل بیت میں سے فقیہ تر تھے اور بعض مسائل میں سیدنا علی سے اختلاف کیا کرتے تھے۔ سیدنا علی اپنے فتاویٰ کو کسی پر واجب نہیں ٹھہرایا کرتے تھے یہ امر بھی قابل غور ہے کہ اہل بیت نے سیدنا علی کی افضلیت یا امامت وخلافت پر اجماع منعقد نہیں کیا تھا۔ بخلاف ازیں سیدنا ابن عباس وعلی دونوں سیدنا ابوبکر وعمر کو افضل الامت قرار دیتے اور ان کی خلافت کو برحق تصور کرتے تھے۔ اسی طرح تمام عباسیہ اکثر علویہ سیدنا حسن وحسین نیز علی بن حسین ان کے بیٹے امام باقر اور پوتے جعفر صادق سب یہی عقیدہ رکھتے تھے۔ ان سے بتواتر نقل ہو کر یہ عقیدہ ہم تک پہنچا ہے۔ امام دارقطنی نے اس ضمن میں ایک کتاب ''ثناء الصحابہ علی القرابہ'' وثناء القرابہ علی الصحابہ'' نامی تصنیف کی ہے۔

یہ امر پیش نظر رہے کہ پوری امت کا اجماع جس میں اہل بیت بھی شامل ہیں۔ بلانزاع حجت ہے وہ اجماع اس بات پر منعقد ہوا ہے کہ سیدنا ابوبکر افضل الصحابہ تھے جس گروہ کا اجماع حجت ہے اگر اس میں سے افضل ترین شخص کی اطاعت واجب ہے تو وہ ابوبکر تھے اور اگر ایسا نہیں ہے تو امامت علی پر شیعہ کا استدلال باطل ٹھہرا۔

---

[1] سنن ترمذی، حواله سابق(حدیث:۳۷۸۸) عن ابی سعید و زید بن ارقم رضی الله عنهما)

[2] مستدرك حاكم(۳/۳۴۳) طبرانی فی الکبیر(۲۶۳۷) والصغیر(۱/۱۳۹)، و سنده ضعيف۔ اس کی سند میں مفضل بن صالح ضعیف راوی ہے۔

امامت علی کے اثبات میں گیارہویں حدیث:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

’’امامت علی کے اثبات میں گیارہویں روایت وہ ہے جو امام احمد نے مسند میں ذکر کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سیدنا حسن و حسین کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا جس نے ان دونوں اور ان کے والد اور والدہ سے محبت رکھی وہ جنت میں میرے ہم راہ ہوگا۔‘‘

ہم کہتے ہیں کہ صرف امام احمد کے کسی روایت کو نقل کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ صحیح بھی ہے، مگر یہ روایت ہرگز امام احمد نے ذکر نہیں کی، بلکہ القطیعی نے کتاب الفضائل میں اس کا اضافہ کیا ہے۔ محدث ابن الجوزی نے اس روایت کو بواسطہ علی بن جعفر از موسیٰ موضوع قرار دیا ہے۔ کیا نبی ﷺ ایسی مبالغہ آمیز بات فرما سکتے ہیں کہ ایک گناہ گار مسلمان صرف اہل بیت کی محبت کی بنا پر جنت میں نبی کریم ﷺ کا ہم درجہ ہوسکتا ہے؟

شیعہ مصنف کا یہ قول کہ ’’ابن خاکویہ نے حذیفہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا جو شخص یاقوت کی ٹہنی کو پکڑنا چاہتا ہو جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا پھر اسے عالم وجود میں آنے کا حکم دیا اور وہ ظہور پذیر ہوگئی تو وہ میرے بعد علی سے دوستی لگالے۔‘‘ یہ روایت شیعہ کے فرقہ طرقیہ کی خود ساختہ ہے، اس کے الفاظ بے حد رکیک اور بے فائدہ ہیں، آخر اس کا کیا مطلب کہ پہلے ہاتھ سے بنایا اور پھر کُن کہا۔ ایک قول میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے صرف آدم اور قلم اور جنت عدن کو پیدا کیا تھا باقی سب مخلوقات کُن کہنے سے وجود پذیر ہوگئی۔

بارہویں حدیث سے امامت علی کا اثبات:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

’’ابوسعید سے مرفوعاً مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سیدنا علی سے فرمایا: ’’تمہاری محبت علامت ایمان ہے اور تمہاری عداوت موجب کفر۔ تیرے محبّ سب سے پہلے جنت میں جائیں گے اور تجھ سے عداوت رکھنے والے سب سے پہلے جہنم واصل ہوں گے۔‘‘

ہم کہتے ہیں کہ یہ صریح جھوٹ ہے، کوئی مسلم یہ بات کہہ سکتا ہے کہ خوارج و نواصب فرعون و ابوجہل اور اس قسم کے سرکردہ کفار سے پہلے دوزخ میں جائیں گے۔ یا کوئی مسلم یہ الفاظ اپنی زبان پر لاسکتا ہے کہ غالی اسماعیلیہ جھوٹے روافض اور فاسق امامیہ حبّ علی کی بنا پر انبیاء کرام سے پہلے جنت

میں داخل ہوں گے؟ یہ بات تو اسی طرح ہے جیسے کوئی ناصبی کہے جو شخص یزید وحجاج سے محبت رکھتا ہو یا خارجی کہے جو ابن ملجم کو چاہتا ہو وہ جنت میں جائے گا اور جو ان سے بغض رکھے گا وہ جہنم میں داخل ہو گا۔

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''خطیب خوارزم نے سیدنا ابو ذر سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جو سیدنا علی کی خلافت کو ناپسند کرتا ہو وہ کافر ہے اور اللہ و رسول کے خلاف جنگ آزمائی کر رہا ہے۔'' سیدنا انس کہتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا آپ نے علی کو آتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: ''میں اور علی بروز قیامت اپنی امت پر حجت ہوں گے۔'' معاویہ بن حَیدہ القُشیری کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو سیدنا علی سے یہ کہتے سنا کہ جو شخص آپ سے عداوت رکھتے ہوئے مر جائے تو پروا نہ کریں کہ یہودی مرا ہے یا نصرانی۔''

جواباً ہم شیعہ سے ان روایات کی صحت ثابت کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اس لیے کہ خطیب خوارزم کا ان روایات کو نقل کرنا ان کی صحت کی دلیل نہیں ہے۔ کیوں کہ اس کی تصانیف موضوعات کا پلندہ ہیں۔ جن کو دیکھ کر ایک حدیث دان شخص حیرت کا اظہار کرنے لگتا ہے اور بے ساختہ پکار اٹھتا ہے''**سبحانک هذا بهتان عظیم**'' حقیقت شناس شخص جو واقعات سے آگاہ ہو اور آثار و اقوال میں مہارت رکھتا ہو اس بات سے بخوبی واقف ہے کہ اس قسم کی احادیث کذاب راویوں نے عصر صحابہ و تابعین کے اختتام کے بعد وضع کر لی تھیں۔

ہم کہتے ہیں کہ ہمیں ان موضوع روایات کی نسبت اس بات کا قطعی و حتمی علم حاصل ہے کہ مہاجرین و انصار اللہ و رسول کو چاہتے تھے اور رسول علیہ السلام ان کو چاہتے تھے ہم بہ اذعان و ایقان جانتے ہیں کہ سیدنا ابوبکر صدیق باتفاق صحابہ آپ کے بعد امام قرار پائے تھے، پھر ہم ان یقینیات کو چھوڑ کر شیعہ کی روایات کاذبہ کی بنا پر کس طرح جھٹلا سکتے ہیں۔ خصوصاً جب کہ ہمیں ان روایات کے کاذب ہونے کا بخوبی علم بھی ہے اور ہم جانتے ہیں کہ یہ روایات کس معتمد کتاب میں باسناد صحیح موجود نہیں۔

شیعہ کی مرویات ناقابل اعتماد ہیں:

اس پر مزید یہ کہ قرآن کریم جگہ جگہ اس بات کی شہادت دے رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مہاجرین وانصار سے رضامندی کا اظہار کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مومنوں سے راضی ہو گیا جب

وہ درخت کے نیچے آپ کی بیعت کررہے تھے۔ (الفتح: ۴۸/ ۱۸)

نیز فرمایا:

﴿لِلْفُقَرَآءِ الْمُهَاجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ اَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا﴾ (سورة الحشر: ۵۹/ ۸)

’’ان تنگدست مہاجرین کے لیے جن کو اپنے گھر بار سے نکالا گیا وہ اللہ کا فضل اوراس کی رضا مندی چاہتے ہیں۔‘‘

دوسری جگہ ارشاد ہوا:

﴿لَقَدْ تَابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ﴾ (التوبة: ۹/ ۱۱۷)

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین وانصار کی توبہ قبول کر لی۔‘‘

اوراس قسم کی دیگر آیات قرآنیہ:

ظاہر ہے کہ ان نصوص قطعیہ کو شیعہ کی جھوٹی روایات کی بنا پر کیوں کر ترک کیا جا سکتا ہے۔ خصوصاً جب کہ شیعہ کی بعض مرویات سے سیدنا علی کی شان میں قدح وارد ہوتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا علی اللہ ورسول کی تکذیب کرنے والے تھے۔ جن لوگوں نے سیدنا علی کے ادعاء خلافت کی مخالفت کی تھی مثلاً نواصب اگر شیعہ ان کو کافر قرار دیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ سیدنا علی ان کو مسلم تصور کرنے میں حکم نص کی خلاف ورزی کررہے تھے۔

خوارج سیدنا علی کے بدترین دشمن تھے، تاہم آپ ان کو کافر نہیں سمجھتے تھے، بلکہ آپ نے ان کو لونڈی غلام بنانے سے روکا اوران کے مالوں کو حرام قرار دیا تھا، جب ابن ملجم نے سیدنا علی کو شہید کر دیا تو انھوں نے فرمایا: ’’اگر میں زندہ رہا تو جیسے چاہوں کروں گا۔‘‘

آپ نے ابن ملجم کے فوری قتل کا حکم نہیں دیا تھا اور اگر وہ مرتد ہوتا تو سیدنا علی اسے فی الفور قتل کرنے کا حکم صادر کرتے۔ سیدنا علی سے بتواتر نقل کیا گیا ہے کہ آپ نے اہل جمل کا تعاقب کرنے سے منع کیا تھا۔ نیز اس بات سے بھی روکا تھا کہ ان کے زخمیوں کو قتل کیا ائے یا ان کا مال لوٹا جائے۔ اگر شیعہ کی ذکر کردہ روایات کو ترک کرنے سے کوئی شخص کافر ہو جاتا ہے تو سیدنا علی اوّلین شخص تھے جنھوں نے ان احادیث کو جھٹلایا اوران کے مقتضا پر عمل نہ کیا۔ اسی طرح سیدنا علی نے ان لوگوں کا

جنازہ پڑھا تھا جنھوں نے جنگ صفین میں سیدنا معاویہ کا ساتھ دیا۔

آپ فرمایا کرتے تھے:

''ہمارے بھائیوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی تھی تلوار نے ان کو پاک کر دیا۔''

ہم جانتے ہیں کہ سیدنا علی ان لوگوں کو کافر قرار نہیں دیتے تھے جو آپ کے خلاف جنگ آزما ہوئے۔ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ اگر سیدنا معاویہ اور ان کے رفقا سیدنا حسن کے نزدیک کافر ہوتے تو آپ بخوشی ان کے حق میں سلطنت وحکومت سے دست بردار نہ ہوتے۔خصوصاً جب کہ آپ قوت و شوکت سے بہرہ ور تھے اور لشکر جرار آپ کی پشت پناہی کے لیے بھی موجود تھا۔ نبی کریم ﷺ نے سیدنا حسن کے بارے میں فرمایا تھا۔

''میرا یہ بیٹا سردار ہے، اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کے دو عظیم گروہوں کے درمیان مصالحت کرائے گا۔''[1]

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے دونوں جماعتوں کو مسلم قرار دیا ہے،مگر شیعہ کہتے ہیں کہ سیدنا علی کے رفقا مومن تھے اور سیدنا معاویہ کے اعوان و انصار مرتد تھے۔ بنا بریں یہ مصالحت مومنین و مرتدین کے مابین وقوع پذیر ہوئی تھی۔

ایک طرف شیعہ کا دعویٰ ہے کہ امام معصوم الٰہی لطف و کرم کا آئینہ دار ہوتا ہے،مگر ان کے بیانات سے اس کی تردید ہوتی ہے اور ظاہر ہوتا ہے کہ امام الٰہی عذاب کا مظہر ہوتا ہے نہ کہ لطف و کرم کا۔اس لیے کہ سیدنا علی کے مخالفین بقول شیعہ مرتد ہوگئے اور جو لوگ آپ کے ہم نوا تھے وہ منافق ہیں اور ہر طرح ذلیل وخوار ہیں پھر امام کا فائدہ کیا ہوا؟ اس کے دوش بدوش شیعہ یہ بھی کہتے ہیں کہ بندوں کے حق میں مفید وسود مند کام انجام دینا اللہ تعالیٰ پر واجب ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ خوارج کو شیعہ پر مسلط کرتا ہے اور وہ سیدنا علی کی تکفیر کر کے آپ کے خلاف صف آراء ہوتے ہیں۔جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ شیعہ کے ائمہ معصومین خائف و ہراساں ہو جاتے ہیں اور ڈر کے مارے ذمیوں کی طرح تقیہ کر لیتے ہیں، بلکہ اہل ذمہ تو بعض اوقات اپنے مذہب کا اظہار اعلان بھی کرتے ہیں،ہم شیعہ سے پوچھتے ہیں کہ وہ لطف و مصلحت کیا ہوئی جو شیعہ کے نزدیک اللہ پر واجب ہے؟

[1] صحیح بخاری ، کتاب الصلح، باب قول النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم للحسن بن علی رضی اللہ عنه(حدیث:٢٧٠٤)

ائمہ سے متعلق شیعہ کے بلند بانگ دعاوی:

شیعہ اس زعم فاسد میں مبتلا ہیں کہ ائمہ اللہ کے بندوں پر اس کی حجت کا درجہ رکھتے ہیں۔ ہدایت انہی کے ذریعہ حاصل ہوسکتی ہے اور ان کی اطاعت کے بغیر نجات ممکن نہیں ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ آخری امام ہنوز پردۂ غیب میں ہے اور کسی نے بھی ان سے دینی یا دنیوی فائدہ نہیں اٹھایا، اس سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ عقیدہ رفض زنادقہ کا اختراع کردہ ہے، یہی وجہ ہے کہ فرقہ باطنیہ والے سب سے پہلے عقیدہ تشیع کی دعوت دیتے ہیں، جب کوئی شخص اس کا قائل ہوجاتا ہے تو پھر وہ یوں کہنے لگتے ہیں کہ علی دیگر خلفاء کی طرح تھے، چنانچہ وہ شخص سیدنا علی کو جرح وقدح کا نشانہ بنانے کے لیے تیار ہوجاتا ہے۔ جب اس میں پختہ ہوجاتا ہے تو پھر باطنیہ اسے رسول پر اعتراضات وارد کرنا سکھاتے ہیں یہاں تک کہ وہ منکر رسول ہوجاتا ہے پھر اسے باری تعالیٰ کی ہستی کا منکر بناتے ہیں خلاصہ یہ کہ تدریجاً وہ پوری شریعت کا منکر ہوجاتا ہے۔

ہر صاحب عقل وخرد اس حقیقت سے آگاہ ہے کہ جمہور اہل اسلام کو سیدنا علی سے عداوت ہے نہ کسی اور سے۔ انھیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب اور آپ کے احکام کی خلاف ورزی سے بھی کوئی دلچسپی نہیں۔ نظر بریں اگر مسلمانوں کو معلوم ہوتا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تصریحاً سیدنا علی کو خلیفہ مقرر کیا ہے تو اس کی تصدیق کرنے میں انھیں پس وپیش کی قطعاً ضرورت نہ تھی۔ زیادہ سے زیادہ یہ فرض کیا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کا پتہ نہ چل سکا۔ ظاہر ہے کہ جس شخص کو دین کی کسی بات کا علم نہ ہو وہ یہود ونصاریٰ کی طرح کیوں کر ہوسکتا ہے، شیعہ کی روایات موضوعہ کی نسبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی قابل غور ہے:

آپ فرماتے ہیں: ''جس نے دانستہ مجھ پر جھوٹ باندھا، وہ اپنا گھر دوزخ میں بنا لے۔''[1] البتہ ہم یہ کہتے ہیں کہ جو شخص نص رسول کو اللہ و رسول کی مخالفت کے نقطۂ خیال سے چھپا لے وہ یقیناً جہنمی ہے۔

شیعہ مصنف کا یہ قول کہ ''ہم نے ثقہ راویوں سے نقل کر کے اہل سنت کی ذکر کردہ روایات سے

---

[1] صحیح بخاری، کتاب العلم۔ باب اثم من کذب علی النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم (حدیث: ۱۰۷، ۱۰۸)، صحیح مسلم ۔ المقدمة۔ باب تغلیظ الکذب علی رسول الله صلی اللّٰہ علیه وسلم (حدیث: ۲، ۳)

کئی گنا احادیث بیان کی ہیں۔''

ہم کہتے ہیں کہ اہل السنّت والجماعت رُوات حدیث پرکڑی تنقید کرتے ہیں، جس سے شدید تر تنقید کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ رُواتِ حدیث کی جرح و تعدیل اور توثیق و تردید کے بارے میں ہمارے علماء نے کئی تصانیف تحریر کی ہیں جن میں راویوں کے زہد و تقویٰ سے قطع نظر ان پر شدید جرح و قدح کی گئی ہے۔ کثرت غلط اور سوء حفظ کی بنا پر ان کی روایات کو ردّ کر دیا جاتا ہے۔ خواہ وہ اولیاء اللہ اہی میں سے کیوں نہ ہوں۔

بخلاف ازیں شیعہ کے نزدیک ثقہ راوی کی تعریف یہ ہے کہ وہ امامیہ میں سے ہو، خواہ سچا ہو یا جھوٹا، حافظ ہو یا غیر حافظ۔ حالانکہ شیعہ رُوات کو بھی اہل سنت کے رُوات و رجال کی مانند ہونا چاہیے۔

یہ ایک بدیہی بات ہے کہ اہل سنت میں بھی کذاب راوی موجود ہیں اور شیعہ روات تو ان سے بھی کاذب تر ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ سند پر غور کیے بغیر احادیث پر عمل کرنا حرام ہے۔ شیعہ مصنف کو یہ بات کیوں کر زیب دیتی ہے کہ وہ ایسے راویان حدیث کو ثقہ قرار دے جن سے وہ صرف ناآشنا ہی نہیں، بلکہ اس کے نام کے حروفِ ہجا سے بھی نابلد ہے۔ اس کا نام ثقہ راویوں میں بھی مذکور نہیں۔ شیعہ کا ماخذ زیادہ تر معمولی درجہ کے رسائل و مجلّات اور سیدنا علی سے متعلق من گھڑت اخبار و واقعات ہیں جن کی صحت کا کچھ پتہ نہیں۔ یہود و نصاریٰ کا بھی یہی شیوہ تھا بلک شیعہ تو کذب و دروغ میں ضرب المثل کی حد تک معروف ہیں۔

ہم جانتے ہیں کہ خوارج شیعہ سے بدتر ہیں، مگر ہم ان کو کذب سے متہم نہیں کر سکتے یہ بات ہمیں تجربہ سے معلوم ہوئی ہے۔ ہم نے ان کو بار بار آزمایا مگر دروغ کا عیب ان میں نہیں پایا۔ شیعہ میں راست گفتار لوگ خال خال پائے جاتے ہیں۔

شیعہ اور روایات کاذبہ:

ابن المبارک فرماتے ہیں:

''دین داری اہل حدیث کا حصہ ہے۔ کلام اور حیلہ سازی اہل الرائے کے لیے مخصوص ہے اور دروغ گوئی روافض کا شعار ہے۔''

خلاصہ کلام یہ کہ کذب و دروغ اگرچہ اہل حدیث و سنت کے عقائد و افکار سے ہم آہنگ ہوتو

بھی وہ اسے بنظر استحسان نہیں دیکھتے۔ مثلاً نقاش و قطیعی و ثعلبی و اہوازی و خطیب و ابن عسا کر نے سیدنا ابوبکر و عمر و عثمان و معاویہ رضی اللہ عنہم کے فضائل و مناقب میں بہت سی روایات ذکر کی ہیں جن میں سے علماء حدیث نے کوئی روایت قبول نہیں کی، بلکہ ان کا جھوٹا ہونا واضح کیا ہے۔

اہل حدیث کی احتیاط فی الحدیث کا یہ عالم ہے کہ اگر اسناد میں ایک راوی بھی مجہول الحال ہو تو وہ اس حدیث کے قبول کرنے میں توقف کرتے ہیں۔

بخلاف ازیں جو روایات شیعہ کے عقائد و افکار سے ہم آہنگ ہوا نھیں اس کے قبول کرنے میں کوئی تامل نہیں ہوتا قطع نظر اس سے کہ صحیح ہو یا ضعیف اور اگر شیعہ کوئی صحیح روایت پیش کرتے ہیں تو اس سے ان کا مدعا ثابت نہیں ہوتا۔ اس کے عین برعکس اہل سنت کا اعتماد آیات قرآنیہ، احادیث صحیحہ اور مسلمانوں کے اجماعی مسائل پر ہے، ان کے خلاف جو چیز ہوگی ہم اسے ردّ کر دیں گے۔ محدث ابو الفرج ابن الجوزی فرماتے ہیں۔

''سیدنا علی کے فضائل و مناقب میں بہت سی احادیث صحیحہ بھی موجود ہیں، مگر شیعہ ان پر قناعت نہ کرتے ہوئے ان کے فضائل میں موضوع روایات گھڑتے ہیں۔''

شیعہ مصنف نے فضائل علی میں جملہ مرویات ذکر نہیں کیں، بلکہ اس کے علاوہ بھی بہت سی ضعیف اور موضوع روایات موجود ہیں جن سے شیعہ کا مدعا ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً امام نسائی نے کتاب ''خصائص علی'' میں عباد بن عبداللہ اسدی سے روایت کیا ہے کہ سیدنا علی نے فرمایا: ''میں اللہ کا بندہ اور رسول اللہ کا بھائی ہوں۔ میں ہی صدیق اکبر ہوں میرے بعد جو اس کا دعویٰ کرے گا وہ کاذب ہوگا۔ میں نے لوگوں سے سات سال پہلے نماز پڑھی ہے۔[1] یہ روایت امام احمد نے اپنی کتاب ''الفضائل'' میں بیان کی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ ''میں لوگوں سے سات سال پہلے اسلام لایا۔'' ابن الجوزی کہتے ہیں کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ عباد متہم بالکذب ہے۔ ابن المدینی نے بھی عباد کو ضعیف الحدیث قرار دیا ہے۔ اس کی سند میں منہال نامی راوی بھی ہے جو شیعہ کے نزدیک متروک ہے۔ آثرم کا قول ہے کہ میں نے امام احمد بن حنبل سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا چھوڑیے یہ منکر حدیث ہے۔

---

[1] سنن کبریٰ نسائی(۱۰۷/۵)، سنن ابن ماجة۔ المقدمة۔ باب فضل علی بن ابی طالب رضی الله عنه(حدیث: ۱۲۰)، مستدرك حاكم(۱۱۱/۳۔۱۱۲)، و سنده ضعیف جداً

ہم کہتے ہیں کہ سیدنا علی ایک راست گفتار بزرگ تھے، وہ ایسی جھوٹی بات نہیں کہہ سکتے۔ لہٰذا یا تو راوی نے دانستہ جھوٹ بولا یا اس سے غلطی صادر ہوئی۔ اس کی نظیر وہ حدیث ہے جو عبداللہ بن احمد بن حنبل نے المناقب میں ذکر کی ہے۔ سیدنا علی فرماتے ہیں۔ جب آیت: ﴿اَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ﴾ نازل ہوئی تو آپ نے اہل بیت کے چند آدمیوں کو بلایا وہ سب خوب کھانے پینے والے آدمی تھے۔ (یہ طویل حدیث ہے) یہ حدیث سیدنا علی سے ہرگز مروی نہیں، بلکہ آپ پر عظیم بہتان ہے۔ اس روایت کا کذب متعدد وجوہ سے ظاہر ہے۔

امام احمد نے الفضائل میں نیز ابن الجوزی نے روایت کیا ہے کہ میں نے سیدنا علی کو یہ فرماتے سنا،" میں نے نبی کریم ﷺ کی رفاقت میں باقی لوگوں سے پانچ یا سات سال پہلے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی۔ [1]

محدث ابوالفرج ابن الجوزی فرماتے ہیں:" اس کی اسناد میں حبہ نامی راوی بالکل بے کار ہے اور ایک ذرہ جتنی اہمیت نہیں رکھتا۔ محدث یحییٰ کہتے ہیں:" یہ کچھ بھی نہیں۔" سعدی اسے غیر ثقہ قرار دیتے ہیں۔ امام احمد کہتے ہیں کہ اس کی سند میں اجلح نامی راوی منکر ہے۔

ابن الجوزی فرماتے ہیں:" یہ روایت اس لیے بھی باطل ہے کہ بالاتفاق سیدنا خدیجہ و ابوبکر و زید رضی اللہ عنہم سب سے پہلے اسلام لائے تھے۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نبوت کے چھٹے سال چالیس آدمیوں کے بعد اسلام لائے تھے، پھر یہ بات کیسے صحیح ہوسکتی ہے۔ کہ سیدنا علی نے لوگوں سے سات سال پہلے نماز ادا کی؟

سیدنا علی صدیق اکبر ہیں موضوع روایت ہے:

باقی رہی یہ حدیث مرفوع کہ سیدنا علی صدیق اکبر ہیں۔" تو یہ احمد بن نصر الذرّاع کی وضع کردہ ہے۔ شیعہ کی ذکر کردہ ایک روایت میں ہے۔" میں اللہ کے حکم کو بہت ہی قائم رکھنے والا اور تقسیم میں مساوات کا خیال رکھنے والا ہوں۔"

یہ حدیث موضوع ہے۔ اس کی سند میں بشر بن ابراہیم متہم بالکذب ہے۔ محدث ابن حبان و ابن عدی کہتے ہیں کہ وہ حدیثیں وضع کیا کرتا تھا۔

ایک حدیث میں ہے:

---

[1] مستدرك حاكم(۳/۱۱۲)، كتاب الموضوعات لابن الجوزی(۱/۳۴۱)

’’تو (علی) پہلا شخص ہے جو بروز قیامت مجھ سے مصافحہ کرے گا۔تو صدیق بھی ہے اور فاروق بھی تو مومنوں کا یعسوب ہے۔‘‘

ابن الجوزی فرماتے ہیں یہ حدیث موضوع ہے۔اس کی سند میں عباد بن یعقوب اور علی بن ہاشم دونوں ضعیف ہیں۔اس کی دوسری سند میں عبداللہ بن داہر ہے جسے محدث ابن معین نے ضعیف قرار دیا ہے۔

اب طریقہ ممکن ہے جس پر وہی شخص عمل پیرا ہوسکتا ہے جوفن حدیث سے نابلد محض نہ ہو۔ حدیث کی نقد وجرح کا کام چنداں آساں نہیں، اکثر علماء بھی اسناد کی بنا پر صدق وکذب میں تمیز نہیں کرسکتے۔ یہ بڑے بڑے حفاظ حدیث کا کام ہے۔

اگر ہم متنازع احادیث کونظر انداز کردیں اورانہی روایات کوپیش نظر رکھیں جومتواتر ہیں یاعقل و عادت سے ہم آہنگ ہیں یا صرف ان نصوص سے احتجاج کریں جن پر سب کا اتفاق ہوتو ہم کہیں گے کہ سیدنا ابوبکر نے کسی خوف وامید کی بنا پر خلافت کا مطالبہ کیا تھا نہ اس کے لیے مال خرچ کیا نہ تلوار اٹھائی اورنہ ہی آپ کی پشت پناہی کے لیےکوئی زورآور قبیلہ تھا جس طرح سلاطین کی عادت ہے۔ اس سے بڑھ کر سیدنا ابوبکر نے بھی نہیں کہا کہ میری بیعت کرلو، بلکہ آپ نے سیدنا عمر یا ابوعبیدہ کی بیعت کا مشورہ دیا تھا جن لوگوں نے آپ کی بیعت نہیں کی تھی مثلاً سعد بن عبادہ آپ نے ان کو مجبور کیا نہ الم ورنج پہنچایا۔

خلفاءاربعہ کی امامت وخلافت:

پھر یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ سیدنا ابوبکر کی بیعت میں انہی لوگوں نے شرکت کی تھی جو بیعت رضوان میں شریک ہو چکے تھے۔سیدنا ابوبکر نے ان صحابہ کی مدد سے مرتدین اور فارس و روم کے خلاف جنگ لڑی اوراس طرح نخل اسلام کی آب یاری کی۔آپ کے طرز بودو ماند اورخورد ونوش میں کچھ فرق نہ آیا۔جب آپ کا آخری وقت آیا تو خلافت کواس طرح خیر باد کہا جس طرح اسے قبول کیا تھا۔ذاتی فائدہ اٹھایا نہ اقارب نوازی کا ثبوت دیا بلکہ ایک شخص (سیدنا عمر) کوسب لوگوں سے افضل سمجھ کران کا امیر مقرر کردیا۔لوگوں نے ان (سیدنا عمر) کی اطاعت کی۔چنانچہ آپ نے بلاد وامصار کو فتح کیا کفار کومغلوب کیا۔منافقین کورسوا کیا۔عدل کو پھیلایا۔دفتر بنائے اور باقاعدہ تنخواہ تقسیم کر نے کا انتظام کیا۔سیدنا ابوبکر کی طرح سادہ زندگی بسر کی۔یہاں تک کہ شہادت سے مشرف ہوئے۔

مال حرام سے اپنے آپ کو ملوث کیا نہ کسی رشتہ دار کو کسی علاقہ کا حاکم مقرر کیا، ہر باانصاف آدمی اس حقیقت سے آگاہ ہے۔

سیدنا عمر کی شہادت کے بعد لوگوں نے بطیب خاطر سیدنا عثمان کی بیعت کر لی۔ آپ بھی سیدنا ابوبکر و عمر کی ہموار کردہ راہ پر گامزن رہے اور سکون و اطمینان اور لطف و کرم کے ساتھ امور سلطنت انجام دیتے رہے۔ مگر آپ فاروق اعظم کے اوصاف سے بہرہ ور تھے نہ آپ میں فاروقی قوت و جلالت تھی اور نہ وہ حیرت افزا سیاست رانی اور نہ کمال عدل و انصاف اور نہ فرط زہد جس کا انکار ایک جاہل شخص ہی کر سکتا ہے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ اسلامی سلطنت کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگے۔ دولت کی فراوانی ہوگئی۔ آپ نے اقارب کو بڑے بڑے عہدے تفویض کر دیے جس پر لوگ اعتراض کرنے لگے۔ لوگ دنیوی مال میں دلچسپی لینے لگے جس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ لوگ خوف رحمان و خوف عثمان دونوں سے بے نیاز ہو گئے۔ سیدنا عثمان سیدنا ابوبکر و عمر کے مقابلہ میں طبعاً کمزور تھے۔ چنانچہ فتنہ بازی کا ظہور ہوا جس کے نتیجہ میں سیدنا عثمان نے شہادت پائی۔

فتنہ سامانی کے اسی دور میں سیدنا علی مسند خلافت پر متمکن ہوئے۔ آپ پر یہ بہتان لگایا گیا تھا کہ آپ نے سیدنا عثمان کی مدافعت نہیں کی۔ بعض لوگوں کا کہنا تھا کہ آپ قتل عثمان کے براہ راست ذمہ دار ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کو ان کی پاک دامنی کا علم تھا۔ آپ قتل عثمان پر خوش تھے نہ آپ نے قاتلین کی کچھ امداد کی۔ تاہم لوگ آپ کے بیان سے مطمئن نہ ہوئے اور نہ آپ ان کو دبا سکے۔

سیدنا حسن نے آپ کو لڑائی سے باز رہنے کا مشورہ دیا تھا مگر آپ کی ذاتی رائے یہ تھی کہ جنگ لڑی جائے اور دیکھا جائے کہ اس سے کیا ثمرات برآمد ہوتے ہیں۔ آپ کا خیال تھا کہ لڑائی سے شاید سب امت ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو جائے گی۔ مگر آپ کا خیال صحیح ثابت نہ ہوا اور امت کا افتراق و انشقاق بڑھتا ہی چلا گیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کی جماعت کے بعض لوگوں نے آپ کی تکفیر کا آغاز کیا۔ اور آپ کے خلاف نبرد آزما ہو گئے۔ عمر کے آخری حصہ میں آپ اس بات کے قائل ہو گئے تھے کہ جو لوگ آپ کے مطیع نہیں ہیں ان سے جنگ نہ لڑی جائے۔

سیدنا علی ان خلفاء راشدین میں سے آخری خلیفہ تھے جن کی خلافت علی منہاج النبوۃ تھی۔ پھر نوبت سیدنا معاویہ تک پہنچی جو اوّلین بادشاہ تھے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

’’میرے بعد تیس سال خلافت ہوگی، پھر ملوکیت کا آغاز ہو جائے گا۔‘‘ ❶

تاہم سیدنا معاویہ سیرت و کردار کے اعتبار سے جملہ سلاطین و ملوک سے افضل تھے۔

سیدنا علی پر نواصب کے اعتراضات:

اگر شیعہ سیدنا ابوبکر و عمر کی شان میں گستاخی کرتے ہوئے کہیں کہ:

۱۔ وہ دونوں اقتدار کے حریص تھے اور اصل حق دار کو اس کا حق ادا نہیں کرتے تھے۔

۲۔ سیدنا علی کو بصراحت نبی کریم ﷺ نے خلیفہ مقرر کیا تھا مگر ابوبکر و عمر نے ان پر ظلم کیا۔

۳۔ انھوں نے اہل بیت کو ورثہ نہیں دیا تھا۔

ایک ناصبی بڑی آسانی سے سیدنا علی کو ان اعتراضات کا نشانہ بنا سکتا ہے وہ کہہ سکتا ہے کہ سیدنا علی اقتدار کے بھوکے تھے۔ حصول اقتدار کے لیے انھوں نے لوگوں کا خون بہایا، مگر اپنے مقصد کو حاصل نہ کر سکے۔ شیعہ سیدنا علی پر وارد شدہ اعتراضات کا جو جواب دیں گے، وہی جواب ہم سیدنا ابوبکر و عمر پر وارد شدہ اعتراضات کا دے سکیں گے۔ بلکہ سیدنا ابوبکر و عمر اس جواب کے بالاولیٰ مستحق تھے اس لیے کہ وہ اس تہمت سے قطعی طور پر پاک ہیں۔ کیوں کہ انھوں نے حصول اقتدار کے لیے جنگ نہیں لڑی تھی۔ نیز یہ کہ سیدنا علی اور کبار صحابہ نے ان کی اطاعت قبول کر لی تھی۔ جب سیدنا علی کے بارے میں ہمارا گمان یہ ہے کہ آپ حق کا عزم رکھتے تھے اور ظلم و فساد کے خواہاں نہ تھے، تو ان دونوں حضرات کے بارے میں یہ گمان رکھنا اور بھی ضروری ہے، لہٰذا جدال و نزاع کو چھوڑ کر طریق حق و صواب کو اختیار کرنا چاہیے۔

دوسرا طرز فکر یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد مسلمانوں میں عموماً اتباع حق کا رجحان و میلان پایا جاتا تھا۔ اس قدرت کے ہوتے ہوئے کوئی چیز انھیں اتباع حق سے روک نہ سکتی تھی۔ اندریں صورت جب حق کا داعی موجود ہو۔ مانع منتفی ہو جائے اور فعل کی قدرت بھی موجود ہو تو فعل واجب ہو جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسلم خیر القرون ہیں وہ خیر الامم ہونے کے اعتبار سے ہمیشہ حق کی پیروی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے دین کو کامل کر دیا ہے۔ اور دینی نعمت کو ان پر مکمل کر دیا ہے۔ انھوں نے اطاعت کے نقطہ خیال سے سیدنا ابوبکر کی بیعت کی تھی، کسی کے ڈر یا

---

❶ سنن ابی داؤد ـ کتاب السنة، باب فی الخلفاء(حدیث:٤٦٤٦) سنن ترمذی، کتاب الفتن، باب فی الخلافة(حدیث:٢٢٢٦)

لالچ کی بنا پرنہیں، اگر وہ اپنی مرضی سے ایسا کرتے تو عباس وعلی کو امیر بناتے کیوں کہ بنو ہاشم سیدنا ابوبکر کے قبیلہ تیم پر فضیلت رکھتے تھے۔

سیدنا ابوبکر کے والد ابوقحافہ بڑے معمر تھے، جب مکہ میں انھیں مژدہ سنایا گیا کہ آپ کا بیٹا منصب خلافت پر فائز ہوگیا ہے تو انھوں نے پوچھا کیا بنوامیہ و بنو ہاشم اور بنومخزوم رضا مند ہو گئے؟ لوگوں نے کہا: ''ہاں''۔ ابوقحافہ نے اس پر اظہار حیرت کرتے ہوئے کہا: ''**ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیهِ مَنْ یَّشَآءُ**''[1] کیوں کہ ابوقحافہ جانتے تھے کہ بنوتیم کا قبیلہ بڑا کمزور ہے، مگر اسلام کے نزدیک عظمت وفضیلت کا معیار تقویٰ ہے نہ کہ حسب ونسب۔

ایک اور بات قابل غور ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حدیث متواتر میں فرمایا:

''اس امت میں سب سے بہتر میرا زمانہ ہے، پھر وہ لوگ جو ان کے قریب ہیں (تابعین) پھر وہ لوگ جو ان کے قریب ہیں۔ (تبع تابعین)''[2]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ کا زمانہ بلا نزاع سب سے بہتر تھا۔ جو شخص قرن ثانی کے مسلمانوں کی حالت پر غور کرتا ہے، اسے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں زمانے ایک دوسرے سے کس قدر مختلف تھے۔ اگر قرن اوّل والوں نے امام منصوص کا حق ادا نہیں کیا تھا اور اہل بیت کا ورثہ ادا کرنے سے انکار کردیا تھا۔ نیز ضد وعناد کی بنا پر ایک عادل و عالم کو خلیفہ تسلیم کرنے کی بجائے ایک فاسق وظالم کو امام بنا لیا تھا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ قرن اوّل والے شر الخلق تھے۔ اور یہ امت بدترین امت ہے جو لوگوں کے لیے پیدا کی گئی ہے۔ (نعوذ باللہ من ذلک)

اصحاب ثلاثہ ظاہراً و باطناً صالح تھے:

یہ بات تواتر سے معلوم ہو چکی ہے کہ اصحاب ثلاثہ کے نبی کریم ﷺ کے ساتھ گہرے مراسم و روابط تھے۔ ان کو نبی کریم ﷺ کی صحبت ورفاقت حاصل رہتی تھی اور نبی کریم ﷺ کی ان کے ساتھ قرابت مصاہرت بھی تھی۔ مگر آپ نے کبھی ان کی مذمت نہ فرمائی بلکہ ہمیشہ مدح وستائش کرتے

---

[1] طبقات ابن سعد(۳/۱۸۴)

[2] صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللّٰه علیه وسلم، باب فضائل اصحاب النبی صلی اللّٰه علیه وسلم (حدیث:۳۶۵۰،۳۶۵۱)، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب فضل الصحابة ثم الذین یلونهم(حدیث:۲۵۳۳_۲۵۳۵)

رہے۔اب دو ہی صورتیں ممکن ہیں۔

۱۔ یہ ظاہراً و باطناً صالح و متقی ہوں گے۔

۲۔ یہ باطنا متقی نہ تھے۔

اگر پہلی صورت ہے تو ہمارا مطلوب بھی یہی ثابت کرنا ہے۔ بصورت ثانی یا تو آپ کو ان کے خبث باطن کا علم ہوگا اور آپ مداہنت فرما رہے ہوں گے یا آپ کو اس بات کا علم نہیں ہوگا ان دونوں باتوں میں سے جو صورت بھی ہو وہ آپ کی ذات کے لیے موجب قدح ہے، اور اگر شیعہ کہیں کہ سیدنا ابوبکر و عمر استقامت کے بعد جادۂ مستقیم سے بھٹک گئے تھے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ خواص امت کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کا ساتھ چھوڑ دیا اور آپ کی مدد نہیں کی تھی۔ جب نبی کریم ﷺ بقول شیعہ وقوع پذیر ہونے والے امور کی خبر دیا کرتے تھے تو آپ کو ان خواص کے خبث باطن کا پتہ کیوں نہ چل سکا۔ نیز جب نبی کریم ﷺ سے وعدہ کیا گیا تھا کہ دین اسلام کو سب دینوں پر غالب کر دیا جائے گا تو ان کی امت کے امراء مرتد کیوں کر ہو سکتے تھے؟ یہ نبی کریم ﷺ کی ذات پر بدنما داغ ہے۔اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ باطنیہ و زنادقہ بڑی آسانی سے کہہ سکیں گے کہ یہ شخص (نبی کریم ﷺ) بُرا تھا اور اس کے رفقا بھی اسی قسم کے لوگ تھے اور اگر خود صالح ہوتا تو اس کے اصحاب و اعوان بھی متقی ہوتے۔اسی لیے اہل علم نے کہا ہے کہ ''عقیدہ تشیع'' الحاد و زنادقہ کا نقطۂ آغاز ہے۔''

امامت علی کے مسئلہ پر ایک اور طریقہ سے بھی غور و فکر کر سکتے ہیں، اور وہ یہ ہے کہ اگر فرض کر لیا جائے کہ سیدنا علی باقی صحابہ کی نسبت خلافت کے لیے موزون تر تھے، آپ کی امامت و خلافت کے اسباب قوی تر تھے اور موانع منتفی تھے۔ منصب خلافت پر فائز ہونے کی قدرت بھی موجود تھی تو ایسے حالات میں آپ کا مسند خلافت پر متمکن ہونا ضروری تھا۔اس کی توضیح یہ ہے کہ سیدنا علی رسول کریم کے ابن العم تھے۔آپ حسب و نسب کے اعتبار سے بھی افضل تھے۔سبقت اسلام و فضیلت جہاد کے دوش بدوش آپ نبی کریم ﷺ کے داماد بھی تھے۔علاوہ ازیں کوئی آپ کا دشمن نہ تھا۔آپ نے بنی تیم و بنی عدی میں سے کسی کو قتل بھی نہیں کیا تھا۔ [1]

---

[1] اگر سیدنا علی، سیدنا ابوبکر و عمر کے قبیلہ کے ان لوگوں کو قتل کرتے جو مشرف بہ اسلام نہیں ہوتے تھے تو آپ سیدنا علی کو اور بھی الفت و محبت کی نگاہ سے دیکھنے لگتے، ہم قبل ازیں ذکر کر چکے ہیں کہ سیدنا عمر بن خطاب نے سعید بن عاص اموی کو کہا تھا۔ میں نے تمہارے والد کو قتل نہیں کیا تھا بلکہ اپنے ماموں عاص

بخلاف ازیں سیدنا علی نے اپنے قبیلہ بنوعبد مناف کے بعض آدمیوں کو قتل کیا تھا تاہم وہ قرابت داری کی بنا پر آپ کی طرف داری کرتے تھے۔ بلکہ ابوسفیان نے اس ضمن میں گفتگو بھی کی تھی۔ ان حالات کی روشنی میں دیکھا جاسکتا ہے۔ کہ اگر سیدنا علی کو نبی ﷺ نے بصراحت خلیفہ مقرر کیا تھا یا آپ سب صحابہ کی نسبت اس منصب کے لیے موزوں تر ہوتے تو اس کا تقاضا یہ تھا کہ سب لوگ آپ کی حمایت میں سینہ سپر ہوکر کھڑے ہوجاتے اور آپ کو منصب خلافت پر فائز کر کے دم لیتے۔

اگر سیدنا علی خلیفہ منصوص ہوتے تو خلافت صدیقی میں اپنے حق کا تقاضا کرتے۔

اگر کچھ لوگ سیدنا علی کے مخالف بھی تھے تو اکثریت آپ کی حامی تھی جو بڑی آسانی سے آپ کو خلیفہ منتخب کرسکتی تھی۔ اگر انصار کہتے کہ سیدنا علی سعد اور ابوبکر کی نسبت خلافت کے زیادہ حق دار ہیں تو مہاجرین ان کا مقابلہ نہیں کرسکتے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ اکثر لوگ سیدنا علی کا ساتھ دیتے یہ بات بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں کہ جو لوگ خلوص دل سے اسلام نہیں لائے تھے وہ تشدد کی وجہ سے سیدنا عمر کو ناپسند کرتے تھے، لہٰذا قیاس یہ ہے کہ وہ آپ کی بیعت کرلیتے...... تاہم جب سیدنا ابوبکر نے فاروق اعظم کو خلیفہ مقرر کردیا تو سب بلا توقف آپ کی اطاعت کرنے کے لیے تیار ہوگئے۔ یہاں تک کہ طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا۔

"آپ نے ایک متشدد شخص کو ہمارا خلیفہ بنا دیا ہے آپ اللہ کو کیا جواب دیں گے۔"

سیدنا ابوبکر نے جواباً فرمایا:

بن ہشام کو موت کے گھاٹ اتارا تھا (سعید کا والد عاص بن ہشام سیدنا عمر کا ماموں تھا) سعید نے جواباً کہا، اگر آپ میرے باپ کو قتل کرتے حق بجانب ہوتے اور میرا باپ باطل پر ہوتا۔" (اسد الغابہ (۲/۳۱۱) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کا مثالی گروہ اللہ کی راہ میں بڑی سے بڑی قربانی دینے سے بھی گریز نہیں کرتا تھا۔ شیعہ سیدنا ابوعبیدہ بن جراح سے بغض رکھتے ہیں ان کا یہ عالم تھا کہ غزوہ بدر میں اپنے والد کے سامنے سینہ سپر ہوگئے اور حمایت اسلام کی خاطر اسے قتل کرنے سے دریغ نہ کیا۔ (مستدرك حاكم:٣/٢٦٤)، معجم كبير طبراني (١/٣٦٠)، سنن كبریٰ بيهقی (١٠٢/٤) الاصابہم (۲/۲۵۲) وسندہ مرسل۔ کیا حمایت حق اور اس کی خاطر ایثار وقربانی کی اس سے بہتر مثال مل سکتی ہے؟ اور کیا ایسے ایثار پیشہ حضرات کو نفرت وحقارت کی نگاہ سے دیکھنے والا حق پرست ہوسکتا ہے؟

’’تم مجھے اللہ سے ڈراتے ہو، میں کہوں گا میں نے بہترین شخص کو خلیفہ مقرر کیا تھا۔‘‘ [1]

اگر ہم فرض کرلیں کہ مسلمانوں کی اکثریت سیدنا علی کی ہم نوا تھی تو پھر آپ پر غالب کون آ سکتا تھا؟ فرض کیجیے اگر سیدنا علی کے طرف دار آپ کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوتے مگر غلبہ حاصل کرنے سے قاصر رہتے تو بھی اسباب و دواعی آپ کے حق میں ہوتے اور اگر خلافت پر فائز ہونے میں کامیاب نہ ہوتے تو کم از کم قیل وقال اور جنگ وجدال کا آغاز ضرور ہو جاتا۔ جب انصار کسی شبہ کی بنا پر سیدنا سعد کی خلافت کا دعویٰ لے کر کھڑے ہو گئے تھے تو کیا سیدنا علی کے اعوان و انصار آپ کی حمایت میں کھڑے نہیں ہو سکتے تھے؟ خصوصاً جب کہ بقول شیعہ امامت علی کے بارے میں نص رسول بھی موجود تھی اور آپ اس کا اوّلین استحقاق بھی رکھتے تھے۔

جب کوئی شخص بھی سیدنا علی کی خلافت کا دعوی لے کر کھڑا نہ ہوا اور نہ کسی نے اس ضمن میں بات چیت کی اور امارت وخلافت کا سلسلہ پورے امن وسکون کے ساتھ سیدنا علی کے مسند خلافت پر متمکن ہونے تک جاری رہا۔ اس وقت آپ نے اپنا حق وصول کرنے کے لیے جنگیں لڑیں اور آپ کے احباب و انصار آپ کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوئے اور بڑے بڑے واقعات رونما ہوئے تو یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ خلافت صدیقی و فاروقی میں آپ کی خاموشی کی وجہ یہ تھی کہ آپ کی خلافت و امارت کے مقتضیات موجود نہ تھے یہ نہیں کہ کسی مانع نے روک دیا تھا اگر سیدنا علی کے پاس اپنی خلافت کی کوئی منصوص دلیل ہوتی تو سیدنا ابوبکر، معاویہ کی نسبت آپ کی خلافت میں رکاوٹ پیدا کرنے سے کلیۃً کنارہ کشی اختیار کرتے۔

اگر سیدنا ابوبکر ظالم ہونے کے باوجود امارت وخلافت کا دعویٰ لے کر کھڑے ہو جاتے اور دوسری جانب سیدنا علی حق وصواب کی بنا پر اس کے مدعی ہوتے تو شرع وعقل کا تقاضا یہ تھا کہ ظالم کے مقابلہ میں امام معصوم ومنصوص کی حمایت کی جائے۔ لہٰذا تحقیق کی راہ پر چل کر صدق وصواب کا ساتھ دینا چاہیے اور جدال ومکابرہ کو ترک کر دینا چاہیے۔

سفسطہ (باطل استدلال ومغالطہ) کی کئی قسمیں ہیں۔

ا۔ کسی بات کو تسلیم کرنے سے انکار کرنا اور اسے جھٹلانا۔ خواہ اس کے وجود کا انکار کیا جائے یا اس کے علم کا۔

---

[1] طبقات ابن سعد(۳/ ۴۲)

۲۔ شک وریب کی بنا پر کوئی بات کہنا، یہ فرقہ لا ادریہ کا طریق ہے جو کسی چیز کی نفی کرتے ہیں نہ اثبات۔ درحقیقت وہ اپنے علم کا انکار کرتے ہیں۔

۳۔ سفسطہ کی تیسری قسم ان لوگوں کا قول ہے جو حقائق کو اپنے عقائد وافکار کے تابع کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں جو شخص عالم کو قدیم سمجھتا ہے، اس کے نزدیک وہ قدیم ہے اور جو حادث تصور کرتا ہے اس کے خیال میں حادث ہے۔

بنابریں شیعہ کی روایت کردہ موضوعات کی بنا پر نبی کریم ﷺ اور خلفاء راشدین کے حالات پر معترض ہونا ایک عظیم مغالطہ ہے۔ اسی طرح جو شخص سیدنا معاویہ اور ان کے اعوان وانصار کی شان میں ایسے فضائل بیان کرتا ہے جن سے سیدنا علی پر ان کی تقدیم وافضلیت ثابت ہوتی ہے بہت بڑا مغالطہ باز اور کاذب ہے۔

سیدنا علی کے احوال سے آپ کی امامت پر استدلال:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

ہم اب سیدنا علی کے احوال سے آپ کی امامت پر استدلال کرتے اور کہتے ہیں کہ آپ بہت بڑے عابد وزاہد اور حد درجہ عالم وشجاع تھے۔ شیعہ مصنف نے اس ضمن میں سیدنا علی کی چند خوارقِ عادات کا بھی ذکر کیا ہے۔''

ہم کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے بعد سب سے بڑے زاہد سیدنا ابوبکر تھے۔ آپ نے اپنا تمام تجارتی سرمایہ اللہ کی راہ میں دے دیا تھا۔[1] جب آپ مسند آرائے خلافت ہوئے تو فروخت کے

[1] ابوداؤد نے بسند صحیح ہشام بن عروہ سے روایت کیا ہے کہ میرے والد نے بتایا جب ابوبکر اسلام لائے تھے تو آپ کے پاس چالیس ہزار درہم تھے۔ (طبقات ابن سعد:۳/۱۷۲، تاریخ الاسلام للذهبی،(عهد الخلفاء،ص: ۱۰۷) عروہ کہتے ہیں مجھے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ جب سیدنا ابوبکر فوت ہوئے تو انھوں نے کوئی درہم ودینار پیچھے نہیں چھوڑا تھا۔ (طبقات ابن سعد:۳/۱۹۵)، اسامہ بن زید بن اسلم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ سیدنا ابوبکر تجارت میں مشہور تھے۔ نبی کریم کی بعثت کے وقت ان کے پاس چالیس ہزار درہم تھے۔ ان میں سے آپ غلام آزاد کرتے اور مسلمانوں کی امداد کیا کرتے تھے۔ جب مدینہ پہنچے تو ان میں سے کل پانچ ہزار درہم بچے تھے۔ آپ یہ سرمایہ نیک کاموں پر صرف کیا کرتے تھے۔ (طبقات ابن سعد(۳/۱۷۲)، من طریق الواقدی)

لیے چادریں اپنے کندھے پر ڈالے بازار جا رہے تھے کہ مہاجرین کو پتہ چلا اور انھوں نے آپ کا وظیفہ مقرر کیا۔ سیدنا ابوعبیدہ نے حلف اٹھا کر سیدنا عمر کو بتایا کہ ابوبکر دو درہم یومیہ لینے کے مجاز ہیں۔ [1] ابن زنجویہ (ان کا نام حمید بن مخلد ہے یہ بڑے ثقہ راوی اور حافظ حدیث تھے۔ ۲۴۷ھ میں وفات پائی) فرماتے ہیں۔

سیدنا علی آغاز اسلام میں تنگ دست تھے۔ پھر آپ نے زرعی اراضی، مکانات اور باغات خرید لیے تھے۔ وفات کے وقت آپ کے ہاں چار بیویاں اور انیس لونڈیاں تھیں۔''

محمد بن کعب القرظی روایت کرتے ہیں کہ سیدنا علی نے فرمایا:

''میں عہد رسالت میں بھوک کی شدت کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھے رہتا تھا اور آج میری ثروت کا یہ عالم ہے کہ میرے مال کی زکوٰۃ چالیس ہزار تک پہنچتی ہے۔''

ابراہیم بن سعید جوہری روایت کرتے ہیں کہ سیدنا علی نے فرمایا: ''میرے مال کی زکوٰۃ چار ہزار دینار تک پہنچتی ہے۔''

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سیدنا علی کے زہد کو سیدنا ابوبکر کے زہد سے کوئی نسبت ہی نہیں۔ سیدنا ابوبکر کے بعد زہد میں سیدنا عمر کا درجہ تھا پھر سیدنا ابوعبیدہ اور ابوذر کا۔ اس کے علاوہ دیگر صحابہ کے مال و دولت میں بڑی وسعت پائی جاتی تھی۔ امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

''سیدنا علی کی اراضی میں سے ایک ینبع کی جاگیر تھی، جہاں سے باقی غلہ کے علاوہ ایک ہزار وَسق کھجور کی آمدنی ہوتی تھی۔''

زہد کے معنی ہیں اچھی آواز مال دنیوی لذات اولاد اور خدم و حشم کی خواہش سے روگردانی کرنا اور اس کے سوا زہد کا اور کوئی مطلب نہیں، سیدنا ابوبکر نے اپنا سب مال اللہ کی راہ میں صرف کر دیا تھا، بعض علماء کا قول ہے کہ آپ کے پاس چالیس ہزار درہم تھے وہ آپ نے تقسیم کر دیے۔ آپ کے پاس ایک چوغہ باقی رہ گیا تھا جب زمین پر بیٹھتے تو اسے نیچے بچھا لیا کرتے تھے۔ دوسرے لوگوں نے مکانات اور زرعی اراضی خرید لی تھیں۔ مگر آپ نے کچھ نہیں خریدا تھا۔ جب خلافت پر فائز ہوئے تو کوئی لونڈی خریدی نہ مال میں اضافہ کیا۔ بخلاف ازیں سیدنا علی نے خلیفہ ہونے کے بعد حلال اشیاء میں وسعت پیدا کی تھی۔ وفات کے وقت آپ کی متعدد بیویاں اور انیس لونڈیاں تھیں۔ دیگر خدم و حشم

---

[1] طبقات ابن سعد(۳/ ۱۸٤)

اس کے علاوہ ہیں آپ کے چوبیس لڑکے اور لڑکیاں تھیں۔ آپ نے اتنی زمین چھوڑی تھی جو ان سب کے لیے کافی تھی۔ یہ اس قدر مشہور بات ہے کہ کسی کو اس سے مجال انکار نہیں۔

سیدنا ابوبکر کے بیٹوں میں عبد الرحمٰن بن ابی بکر جیسے ہونہار بھی تھے۔ اسی طرح آپ کے اقارب میں سیدنا طلحہ جیسے صحابہ شامل تھے جو عشرہ مبشرہ میں شمار ہوتے تھے۔ آپ نے ان میں سے کسی کو بھی کسی علاقہ کا عامل مقرر نہیں کیا تھا، حالانکہ آپ کے عہد خلافت میں مکہ و مدینہ و یمن و خیبر و بحرین وحضر موت و عمان و طائف و یمامہ کے علاقے آپ کے زیر تسلط تھے۔ پھر سیدنا عمر بھی آپ کے نقش قدم پر چلے اور اپنے قبیلہ بنی عدی میں سے کسی کو بھی عہدہ دار مقرر نہیں کیا تھا۔

سیدنا عمر نے شام و مصر اور عراق سے لے کر خراسان تک تمام علاقے فتح کر لیے تھے۔ آپ نے اپنے قبیلہ کے نعمان بن عدی کو نیسان کا عامل مقرر کیا تھا مگر جلد ہی اسے اس منصب سے معزول کر دیا حالانکہ بنی عدی میں سعید بن زید، ابوجہم بن حذیفہ و خارجہ بن حذیفہ و معمر بن عبد اللہ اور سیدنا عبد اللہ بن عمر جیسے لوگ موجود تھے۔ سیدنا ابوبکر و عمر میں سے کسی نے بھی اپنے بعد اپنے بیٹے کو منصب خلافت پر فائز نہیں کیا تھا۔ بعض لوگ عبد اللہ بن عمر کو خلافت کا اہل تصور کرتے تھے اور اگر سیدنا عمر انھیں خلیفہ مقرر کر دیتے تو کسی شخص کو بھی اس پر اعتراض نہ ہوتا۔ تاہم آپ نے اس سے احتراز کیا۔

سیدنا علی کی اقارب نوازی:

بخلاف ازیں سیدنا علی نے اپنے اقارب کو عہدہ ہائے جلیلہ تفویض کیے تھے۔ چنانچہ آپ نے سیدنا ابن عباس کو بصرہ کا حاکم مقرر کیا۔ عبید اللہ بن عباس کو یمن کا سیدنا عباس کے دونوں بیٹوں قثم و معبد کو مکہ و مدینہ کا حاکم بنایا۔ اپنے بھانجے جعدہ بن ہبیرہ کو خراسان اور اپنی بیوی کے بیٹے اور بیٹے کے بھائی محمد بن ابی بکر کو حاکم مصر مقرر کیا تھا۔ آپ نے اپنے بیٹے کی بیعت پر اظہار خوشنودی کیا تھا۔[1] ہم آپ کی اہلیت و صلاحیت اور عظمت و زہد کا انکار نہیں کرتے۔ البتہ یہ ضرور کہتے ہیں کہ

---

[1] یہ شیعہ کا دعویٰ ہے۔ شیعہ کا مذہب و مسلک ائمہ کے بارے میں اسی پر مبنی ہے۔ بخلاف ازیں مسند احمد (۱/۱۳۰)، حدیث نمبر: ۱۰۷۸، میں بروایت عبد اللہ بن سبع منقول ہے کہ میں نے سیدنا علی سے سنا آپ فرما رہے تھے کہ مجھے قتل کیا جائے گا۔ لوگوں نے کہا: ''پھر ہم پر خلیفہ مقرر فرمائیے۔ فرمایا: ''نہیں میں تمھیں اسی طرح چھوڑ کر جا رہا ہوں جیسے نبی کریم تشریف لے گئے تھے۔ اسی طرح مسند

سیدنا ابوبکر وعمر آپ سے بڑھ کر زاہد اور تارک دنیا تھے۔ ان کے مقابلہ میں سیدنا علی مباحات سے استفادہ کیا کرتے تھے۔

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''سیدنا علی نے دنیا کو تین طلاقیں دے رکھی تھیں۔ آپ جَو کا دلیا کھاتے اور موٹا جھوٹا پہنا کرتے تھے۔ آپ کے کوٹ کو پیوند لگے تھے۔ آپ کی تلوار کی پیٹی اور نعل کھجور کی چھال سے بنے ہوئے تھے۔ خطیب خوارزم نے سیدنا عمار سے روایت کیا ہے کہ میں نے سنا نبی کریم ﷺ سیدنا علی کو مخاطب کر کے فرما رہے تھے۔

''اے علی! اللہ تعالیٰ نے تجھے زہد سے مزین کیا اور دنیا کو تمہاری نگاہ میں بے وقعت کر دیا، آپ فقراء کو دوست رکھتے اور وہ تجھے اپنا امام تصور کرتے ہیں۔ اس شخص کے لیے بشارت ہو جو تجھ سے محبت رکھے اور تیرے بارے میں سچی بات کہے۔ اس شخص کے لیے ہلاکت ہے جو تجھ سے بغض رکھے اور تجھ پر جھوٹ باندھے۔'' سُوَید بن غفلہ کا بیان ہے کہ میں سیدنا علی کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ کے سامنے کھٹا دودھ پڑا ہے جس میں سے بُو آ رہی تھی۔ آپ کے ہاتھ میں روٹی تھی جس پر جَو کے چھلکے لگے تھے۔ یہ لمبی حدیث ہے۔''

ضرار کہتے ہیں، سیدنا علی کی شہادت کے بعد میں سیدنا معاویہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انھوں نے کہا سیدنا علی کی تعریف بیان کیجیے، میں نے کہا سیدنا علی بڑے عالی ہمت اور طاقتور تھے۔ آپ فیصلہ کن بات کہتے اور عدل وانصاف کی روشنی میں فیصلہ صادر کرتے تھے۔ آپ کی ذات سے علم وحکمت کے چشمے ابلتے تھے، دنیا کی سرسبزی وشادابی سے نفرت کرتے، رات کی وحشت انھیں عزیز تھی۔ آپ زیادہ روتے اور اکثر سوچ بچار میں مصروف رہا کرتے تھے۔ موٹے جھوٹے لباس کو پسند کرتے اور خشک کھانا کھایا کرتے تھے۔ ہمارے ساتھ اس طرح بے تکلف ہوا کرتے تھے جیسے ہم میں سے کوئی

احمد(۱/۱۵۶)، حدیث: ۱۳۳۹، میں تحریر ہے۔البدایه والنهایة(۵/۲۵۰۔۲۵۱) پر شقیق بن سلمہ تابعی نیز کتاب مذکور (۷/۳۲۳) پر ثعلبہ بن یزید رافضی سے اسی طرح مروی ہے۔ نیز ملاحظہ فرمایئے۔السنن الکبریٰ بیهقی(۸/۱۴۹)

شخص ہو۔‘‘

سیدنا معاویہ یہ سن کر رو پڑے اور فرمایا اللہ تعالیٰ ابوالحسن پر رحم فرمائے، اللہ کی قسم! وہ ایسے ہی تھے۔ پھر پوچھا ضرار! سیدنا علی کی شہادت سے تمھیں کس قدر صدمہ ہوا؟ ضرار نے کہا: ’’اتنا ہی غم جتنا اس شخص کو ہوتا ہے جو اپنی گود میں اپنے بچے کو ذبح کر دے نہ تو اس کے آنسو خشک ہوتے ہیں اور نہ غم ہلکا ہوتا ہے۔‘‘ (شیعہ مصنف کا بیان ختم ہوا)

سیدنا علی کا زہد وتقویٰ:

اس کا جواب یہ ہے کہ سیدنا علی کے زہد میں کوئی کلام نہیں، تاہم سیدنا ابوبکر ان سے بڑھ کر زاہد تھے۔ شیعہ نے زہد علی میں جو دلائل پیش کیے ہیں وہ جھوٹ کا طومار ہیں تاہم اس میں مدح علی سے متعلق کوئی بات موجود نہیں۔ دنیا کو طلاق دینے والی روایت کے بارے میں مشہور ہے کہ آپ نے فرمایا تھا۔

’’اے زرد اور گوری چٹی دنیا! میں نے تجھے طلاق دے دی اب جا کر کسی اور کو مبتلائے فریب کر، میں تجھے دوبارہ اپنے گھر میں آباد نہیں کروں گا۔‘‘

سیدنا علی کے اس بیان سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ ان لوگوں سے زاہد تر ہیں جنھوں نے یہ بات نہیں کہی تھی، ہمارے نبی ﷺ اور سیدنا عیسیٰ جیسے انبیاء سے بھی یہ الفاظ منقول نہیں ہیں۔ ایسے الفاظ کہنے کی نسبت خاموش رہنا مناسب تر اور دلیل اخلاص ہے۔ شیعہ کا یہ قول کہ سیدنا علی سالن کے بغیر جَو کی روٹی کھایا کرتے تھے صاف جھوٹ ہے، مگر یہ کہ اس میں مدح کی کوئی بات نہیں۔ نبی کریم ﷺ امام الزہاد تھے، اس کے باوصف جو مل جاتا کھا لیا کرتے تھے۔ احادیث سے ثابت ہے کہ آپ نے بکرے اور مرغے کا گوشت کھایا ہے آپ شیریں کھانے اور شہد کو پسند فرمایا کرتے تھے، جب کھانا پیش کیا جاتا تو اگر ضرورت ہوتی کھا لیتے ورنہ چھوڑ دیتے، موجود کھانے کو واپس کرتے، نہ غیر موجود کو طلب فرماتے۔ [1] بعض اوقات بھوک کی شدت سے شکم پر پتھر بھی باندھ لیا کرتے تھے۔

بخاری و مسلم میں مروی ہے کہ مسجد نبوی میں ایک صحابی کہنے لگے، میں ہمیشہ روزہ رکھا کروں گا، دوسرے نے کہا، میں قیام میں مشغول رہوں گا اور آرام نہیں کروں گا۔ تیسرے نے کہا میں شادی نہیں

[1] دیکھیے صحیح بخاری، کتاب الاطعمة و کتاب الاشربة نیز صحیح مسلم، کتاب الاشربة، وغیرہ

کروں گا۔ چوتھے نے کہا میں گوشت کھانا ترک کردوں گا۔ نبی کریم ﷺ نے یہ باتیں سن کر فرمایا میں تو روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں۔

قیام بھی کرتا ہوں اور سوتا بھی ہوں۔ بیویوں سے نکاح بھی کرتا ہوں اور گوشت بھی کھاتا ہوں جس نے میری سنت سے انحراف کیا اس کا مجھ سے کچھ تعلق نہیں۔ [1]

پھر سیدنا علی کے بارے میں یہ گمان کہاں تک صحیح ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کی سنت سے منحرف ہوگئے تھے؟ بخلاف ازیں روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ شیعہ کی ذکر کردہ یہ بات غلط ہے۔

شیعہ کا یہ قول کہ سیدنا علی کی تلوار کی پیٹی اور نعل کھجور کی چھال سے بنے ہوئے تھے۔ یہ صاف جھوٹ ہے، پھر یہ امر بھی قابل غور ہے کہ نبی کریم ﷺ کی تلوار کا نعل چاندی کا بنا ہوا تھا جب اللہ تعالیٰ نے ان کو خوش حالی و فارغ البالی سے نوازا تھا۔تلوار کے لیے چمڑے کی پیٹی بنانے میں کیا مضائقہ تھا۔خصوصاً جب کہ حجاز میں چمڑے کی فراوانی ہے، اس بات کی ضرورت تب لاحق ہوتی اگر چمڑا نایاب ہوتا۔

جیسے سیدنا ابوامامہ فرماتے ہیں: مختلف بلاد و امصار کو اس قوم نے فتح کیا ہے جن کے گھوڑوں کی باگ ڈور رسیوں سے بنی ہوتی تھی اور جن کی رکابیں پٹھوں سے تیار کی جاتی تھیں۔ [2]

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''سیدنا علی زہد میں عدیم المثال تھے، لہٰذا آپ ہی خلیفہ ہوں گے۔''

ہم کہتے ہیں کہ یہ دونوں احتمال باطل ہیں۔سیدنا علی سیدنا ابوبکر سے بڑھ کر زاہد نہ تھے۔ یہ ضروری نہیں کہ جو زاہد تر ہو وہ امام و خلیفہ بھی ہو۔

سیدنا امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ محمد بن کعب سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے سیدنا علی کو یہ فرماتے سنا، میرے مال کی زکوٰۃ آئے دنوں چالیس ہزار تک پہنچتی ہے، آپ نے اپنی وفات کے وقت بہت سے غلام لونڈیاں اور کثیر جائداد چھوڑی تھی۔ البتہ نقدی صرف سات سو درہم تھی۔ دوسری طرف فاروق اعظم کی یہ حالت تھی کہ فتح خیبر کے موقع پر مال غنیمت سے جو حصہ ملا تھا وہ راہ اللہ میں

---

[1] صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح(حدیث:٥٠٦٣)، صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب استحباب النکاح،(حدیث:١٤٠١)

[2] صحیح بخاری، کتاب الجهاد۔ باب ما جاء فی حلیة السیوف(حدیث:٢٩٠٩)

وقف کر دیا تھا۔آپ کی زرعی اراضی نہیں تھی۔ جب شہادت پائی تو اس وقت اسّی ہزار کے مقروض تھے۔

سیدنا علی کی کثرت عبادت:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''سیدنا علی لوگوں سے بڑھ کر عبادت گزار تھے۔ دن بھر روزہ رکھتے اور راتوں کو قیام کیا کرتے تھے۔ نماز تہجد اور دن کے نوافل لوگوں نے علی سے سیکھے، آپ سارا وقت عبادات و وظائف میں بسر کیا کرتے تھے۔شب و روز میں آپ ایک ہزار رکعات پڑھا کرتے تھے۔آپ نے اپنے ہاتھ کی کمائی سے ایک ہزار غلام آزاد کیے،آپ مزدوری کر کے جو کچھ کماتے وہ شعب ابی طالب میں نبی کریم ﷺ پر خرچ کیا کرتے تھے۔''

ہم کہتے ہیں، یہ اکاذیب کسی صاحب علم کی نگاہ سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ چونکہ یہ سب امور خلاف سنت ہیں اس لیے ان میں مدح والی کوئی بات نہیں۔ بخاری و مسلم میں سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:''مجھے پتہ چلا ہے کہ آپ نے کہا کہ میں تازندگی ہمیشہ روزہ رکھوں گا اور ہمیشہ قیام کیا کروں گا۔'' عبداللہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ! یہ بات درست ہے فرمایا:''ایسا نہ کر۔''[1]

بخاری و مسلم میں سیدنا علی سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ہمارے دروازے پر دستک دے کر فرمایا کیا تم دونوں نماز نہیں پڑھ رہے؟ میں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول! ہماری جانیں اللہ کے ہاتھ میں ہیں، جب چاہتا ہے ہمیں جگا دیتا ہے۔'' یہ سن کر آپ ازراہ افسوس اپنی ران پر ہاتھ مارتے اور یہ کہتے ہوئے واپس تشریف لے گئے کہ انسان بڑا جھگڑالو واقع ہوا ہے۔[2] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا علی رات کو سویا کرتے تھے۔ نیز یہ کہ نبی کریم ﷺ نے سیدنا علی کے اسلوب کلام کو پسند نہیں فرمایا تھا۔

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الصوم۔ باب حق الجسم فی الصوم(حدیث:۱۹۷۵) ،صحیح مسلم ۔۔ کتاب الصیام، باب النهی عن صوم الدهر(حدیث:۱۸۶/۱۱۵۹)

[2] صحیح بخاری، کتاب التهجد ، باب تحریض النبی صلی اللّٰه علیه وسلم علی قیام اللیل......(حدیث:۱۱۲۷)، صحیح مسلم۔ کتاب صلاة المسافرین باب الحث علی صلاة اللیل(حدیث:۷۷۵)

شیعہ مصنف کا یہ قول کہ ''لوگوں نے سیدنا علی سے یہ باتیں سیکھیں۔'' اگر شیعہ کی مراد یہ ہے کہ بعض مسلمانوں نے یہ باتیں سیدنا علی سے سیکھیں تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں لوگ ہمیشہ اپنے اکابر سے اچھی باتیں سیکھتے چلے آئے ہیں اور اگر شیعہ مصنف یہ کہنا چاہتا ہے کہ سب لوگوں نے یہ آداب آپ سے سیکھے تو یہ بڑا مکروہ جھوٹ ہے۔

اس لیے کہ صحابہ نے یہ باتیں نبی کریم ﷺ سے سیکھی تھیں، جہاں تک تابعین کا تعلق ہے ان میں سے اکثر نے سیدنا علی کو دیکھا تک نہ تھا۔ ان سے آداب عبادت سیکھنا تو درکنار۔

شیعہ کا یہ قول کہ ''سیدنا علی کا سب وقت ادعیہ ماثورہ پڑھتے ہوئے گزرتا تھا۔''

ہم کہتے ہیں سیدنا علی سے منقول ادعیہ زیادہ تر موضوع ہیں۔ [1] ہم پورے وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ سیدنا علی یہ دعائیں نہیں پڑھا کرتے تھے۔ سب سے افضل دعائیں وہ ہیں جو نبی کریم ﷺ سے منقول ہیں۔ بحمد اللہ وہ اتنی زیادہ ہیں کہ ان کی موجودگی میں دوسری کسی دعا کی حاجت نہیں۔ [2]

شیعہ کا یہ قول کہ ''سیدنا علی ایک ہزار رکعت پڑھا کرتے تھے۔'' باطل ہے شب و روز میں نبی کریم ﷺ کی مجموعی نماز چالیس رکعت تھی۔ ایک امیر امت جو لوگوں کے امور متنازعہ فیصل کرتا اور ان کے سیاسی مصالح میں مشغول رہتا ہو ہزار رکعت ادا کرنے پر اسی صورت میں قادر ہو سکتا ہے جب وہ ٹھونگے مارنے والی نماز ادا کرتا ہو ہم سمجھتے ہیں کہ سیدنا علی کا دامن ایسی بے کار نماز سے پاک ہے۔

شیعہ کا یہ قول کہ ''سیدنا علی نے نماز کے دوران زکوٰۃ ادا کر دی تھی۔'' صریح جھوٹ ہے، اس میں مدح کی کوئی بات نہیں۔ بلکہ شرعاً نماز میں ایسی حرکت کرنا ناروا ہے۔

شیعہ مصنف کہتا ہے کہ ''سیدنا علی نے اپنی کمائی سے ایک ہزار غلام آزاد کیے تھے۔'' یہ صریح کذب ہے اور اسے ایک جاہل شخص ہی تسلیم کر سکتا ہے، سیدنا علی نے ایک ہزار تو کیا ایک سو غلام بھی آزاد نہیں کیے تھے بلکہ اپنی کمائی سے آپ اس کا عشر عشیر بھی انجام نہیں دے سکتے ہیں۔ آپ زیادہ تر

---

[1] محمد باقر اصبہانی (۱۰۳۷ـ۱۱۱۰) نے ادعیہ ماثورہ پر مشتمل ایک کتاب ''زاد المعاد'' نامی ۱۱۰۷ھ میں شاہ حسین صفوی کے لیے تصنیف کی تھی۔ یہ کتاب خلاف دین اکاذیب کا مجموعہ ہے۔ میرے پاس اس کتاب کا ایک نسخہ موجود ہے۔ جو ۱۲۵۱ھ میں تبریز کے مقام پر چھاپا گیا ہے۔ (محبّ الدین الخطیب)

[2] امام نووی کی کتاب ''الاذکار'' نیز امام ابن تیمیہ کی تصنیف ''الکلم الطیب'' اور امام ابن قیم کی ''الوابل الصیب'' میں سب ادعیہ ماثورہ یک جا ہیں۔

جہاد میں مشغول رہتے تھے۔ تجارت بھی نہیں کرتے تھے۔ صنعت و حرفت سے نا آشنا تھے، پھر ایک ہزار غلام آزاد کرنا آپ کے لیے کیوں کر ممکن تھا؟

شیعہ کا یہ قول کہ ''سیدنا علی مزدوری کر کے شعب ابی طالب میں نبی کریم ﷺ پر خرچ کیا کرتے تھے۔'' صریح کذب ہے، اس لیے کہ بنو ہاشم شعب ابی طالب سے باہر نہیں نکلا کرتے تھے۔ دوسرے یہ کہ وہاں ایسا کوئی شخص نہ تھا جو اجرت دے کر ان سے کام لیتا سیدنا علی کے والدان پر خرچ کیا کرتے تھے۔ سیدنا خدیجہ بڑی مال دار خاتون تھیں، وہ اپنا مال خرچ کرتی تھیں۔ مزید براں شعب ابی طالب کی محصوری کے زمانہ میں سیدنا علی کی عمر پندرہ سال کے لگ بھگ تھی اور آپ کسی مزدوری کے قابل نہ تھے۔

سیدنا علی اَعْلَمُ النَّاس تھے:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''سیدنا علی اعلم الناس تھے۔''

ہم کہتے ہیں اعلم الناس سیدنا ابوبکر و عمر تھے۔ نبی کریم ﷺ کی موجودگی میں سیدنا ابوبکر کے سوا کوئی شخص فیصلہ صادر کرتا نہ فتویٰ دیتا اور نہ وعظ کہہ سکتا تھا۔ نبی کریم ﷺ کی وفات لوگوں پر مشتبہ ہو گئی تو سیدنا ابوبکر نے ان کا یہ شبہ دور کیا تھا۔ پھر انھیں آپ کی تدفین میں شبہ لاحق ہوا تو سیدنا ابوبکر نے اس کا ازالہ کیا۔ پھر مانعین زکوٰۃ سے نبرد آزما ہونے کے بارے میں تنازع بپا ہوا تو آپ نے نص کی روشنی میں سیدنا عمر پر اس کی حقیقت واضح کی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِیْنَ﴾ (الفتح: ۴۸/۲۷)

''اگر اللہ نے چاہا تو تم خانہ کعبہ میں کامل امن و امان سے داخل ہو گے۔''

سیدنا ابوبکر [1] نے نبی کریم ﷺ کی اس حدیث کی تشریح کی تھی کہ اپنے بندے کو اللہ تعالیٰ نے

---

[1] امام بیہقی سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا مجھے اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں! کہ اگر ابوبکر مسند خلافت پر متمکن نہ ہوتے تو اللہ کی عبادت کرنے والا کوئی نہ ہوتا۔ ابو ہریرہ سے لوگوں نے کہا، چھوڑیے آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ یہ سن کر وہ بولے نبی کریم ﷺ نے سات سو فوجیوں کے ساتھ سیدنا اسامہ کو شام روانہ کیا۔ جب ذی خُشُب کے مقام پر پہنچے تو نبی کریم نے وفات پائی اور اردگرد کے لوگ مرتد ہو گئے۔ اصحاب رسول نے سیدنا ابوبکر کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا اے

اختیار دیا تھا کہ دنیا و آخرت میں سے جسے چاہو پسند کرو۔'' ❶ سیدنا ابوبکر نے صحابہ کو بتایا کہ کلالہ کسے کہتے ہیں۔ ❷ سیدنا علی نے بھی آپ سے استفادہ کیا تھا۔ سنن میں سیدنا علی سے مروی ہے کہ جب میں نبی کریم ﷺ سے کوئی حدیث سنتا تو جتنا فائدہ اللہ تعالیٰ چاہتے مجھے پہنچاتے جب کوئی اور شخص مجھے حدیث سناتا تو میں اس سے حلف لیتا جب وہ حلف اٹھاتا تو میں اس کی تصدیق کرتا، سیدنا ابوبکر نے مجھے حدیث سنائی اور انھوں نے سچ کہا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص بھی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے اور پھر وضوء کر کے دو رکعت نماز ادا کرتا اور اللہ سے اپنے گناہ کی مغفرت طلب کرتا ہے تو اسے بخش دیا جاتا ہے۔'' ❸

فضائل شیخین:

بہت سے علماء نے اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ سیدنا ابوبکر اعلم الصحابہ تھے۔ منصور بن سمعانی نے بھی اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

ابوبکر! جیش اسامہ کو واپس بلا لیجیے یہ لوگ روم کا رخ کیے ادھر جا رہے ہیں اور ادھر یہ حالت ہے کہ عرب مرتد ہوتے جا رہے ہیں۔ سیدنا ابوبکر نے فرمایا: ''مجھے اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں! اگر کتے ازواج النبی کو ٹانگوں سے گھسیٹ کر لے جائیں جب بھی میں اس جھنڈے کو نہیں کھولوں گا جسے آپ نے باندھا تھا۔ چنانچہ اسامہ لشکر سمیت عازم شام ہوئے، جب وہ کسی ایسے قبیلہ سے گزرتے تھے جو مرتد ہونا چاہتا ہو تو قبیلہ والے کہتے اگر ان کے پاس طاقت نہ ہوتی تو یہ مدینہ سے کبھی باہر نہ نکلے، اب ہم انھیں روم پہنچنے دیتے ہیں، چنانچہ روم پہنچ کر انھوں نے اہل روم کو شکست دی اور صحیح سلامت مدینہ لوٹے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مرتدین اسلام پر قائم رہے۔

❶ صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم باب قول النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم، سدوا الابواب الا باب ابی بکر(حدیث:٣٦٥٤)، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل ابی بکر الصدیق رضی الله عنه(حدیث:٢٣٨٢)

❷ مصنف عبد الرزاق،(١٩١٩٠،١٩١٩١)، سنن الدارمی(٣/٣٦٥۔٣٦٦)، سنن کبریٰ بیهقی(٦/٢٢٤)

❸ سنن ابی داؤد۔ کتاب الوتر۔ باب فی الاستغفار (حدیث:١٥٢١)، سنن ترمذی کتاب الصلاۃ، ۔ باب ما جاء فی الصلاۃ عند التوبة(حدیث:٤٠٦)، سنن ابن ماجة۔ کتاب اقامة الصلوات،باب ما جاء فی صلاۃ کفارۃ(حدیث:١٣٩٥)

میرے بعد سیدنا ابوبکر وعمر کی پیروی کرو۔'' ❶

صحیح مسلم میں ہے کہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ دوران سفر بہت سے مسلمان تھے۔ آپ نے فرمایا۔''اگر لوگ ابوبکر وعمر کی اطاعت کریں گے تو راہ راست پر قائم رہیں گے۔'' ❷ نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے ابوبکر وعمر کے حق میں فرمایا:

''جب تم دونوں کسی بات پر متفق ہو جاؤ گے تو میں تمہاری مخالفت نہیں کیا کروں گا۔'' ❸

سیدنا ابن عباس سے ثابت ہے کہ جب وہ کتاب وسنت میں کوئی نص نہ پاتے تو سیدنا ابوبکر و عمر کے قول کے مطابق فتوی دیا کرتے تھے، نبی کریم ﷺ نے سیدنا ابن عباس کے حق میں دعا فرمائی تھی۔

''اے اللہ! اسے دین کا فہم عطا کر اور اسے قرآن کی تفسیر سکھا دے۔'' ❹

علقمہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سیدنا ابوبکر کے ساتھ مختلف امور کے سلسلہ میں بات چیت کیا کرتے تھے، میں بھی ان کے ساتھ ہوا کرتا تھا۔ ❺ ہجرت کے موقع پر ابوبکر کے سوا آپ کے ساتھ اور کوئی نہ تھا۔ جنگ بدر میں سائبان کے نیچے نبی کریم ﷺ کے ساتھ صرف سیدنا ابوبکر ہی تھے۔

بخاری و مسلم میں سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا، اسی دوران ابوبکر اپنے کپڑے کا کنارہ پکڑے ہوئے آئے اور اپنے دونوں زانو ننگے کر دیے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، ابوبکر کسی سے جھگڑ پڑے ہیں۔ ابوبکر نے سلام کے بعد عرض کیا میرے اور عمر کے درمیان کچھ تنازع تھا۔ میں نے جلد بازی سے کام لیا، پھر مجھے ندامت کا احساس ہوا تو میں نے

---

❶ سنن ترمذی ، کتاب المناقب باب (۳۵/۱۶) (حدیث:۳٦٦۲)، سنن ابن ماجة۔ المقدمة۔ باب فضل ابی بکر الصدیق رضی الله عنه(حدیث:۹۷)

❷ صحیح مسلم ، کتاب المساجد۔ باب قضاء الصلاة الفائتة(حدیث: ٦۸۱)، مطولاً

❸ مسند احمد(۲۲۷/٤)

❹ مسند احمد(۲٦٦/۱،۳۱٤)

❺ سنن ترمذی، کتاب الصلاة، باب ما جاء فی الرخصة فی السمر بعد العشاء (حدیث: ۱٦۹)، سنن کبری نسائی، مسند احمد(۲۵/۱)

کہا، معاف کر دیجیے، مگر سیدنا عمر اس کے لیے تیار نہ ہوئے، میں اس مقصد سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ آپ نے تین مرتبہ فرمایا اے ابوبکر! اللہ تمھیں معاف فرمائے۔'' پھر عمر نادم ہوئے اور ابوبکر کے گھر کو آئے ابوبکر کو نہ پا کر وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ دیکھ کر آپ کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا۔ ابوبکر نے ڈر کر کہا، اے اللہ کے رسول! مجھ سے زیادتی سرزد ہوئی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری طرف مبعوث کیا تھا۔ تم نے مجھے جھٹلایا، مگر ابوبکر نے میری تصدیق کی اور اپنی جان و مال سے میری ہم دردی کی۔ اب کیا تم میرے رفیق کو میرے لیے رہنے دو گے یا نہیں؟'' آپ نے دو مرتبہ یہ الفاظ دہرائے۔ اس کے بعد ابوبکر کو کسی نے رنج نہ پہنچایا۔ [1]

خلیفہ ہارون الرشید نے امام مالک رحمہ اللہ سے سیدنا ابوبکر و عمر کے منصب و مقام کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا: ''ابوبکر و عمر کو جو درجہ نبی کریم ﷺ کی زندگی میں حاصل تھا، وہ آپ کی وفات کے بعد بھی اسی مرتبہ پر فائز ہیں۔ ابوبکر سے کوئی ایسا قول منقول نہیں جو خلاف نص ہو۔''

اس سے ابوبکر کے علمی تفوق کا اظہار ہوتا ہے، دیگر صحابہ سے خلاف نص اقوال منقول ہیں، اس لیے کہ شرعی دلائل ان کو نہ پہنچ سکے۔

بخاری و مسلم میں ہے کہ آپ نے فرمایا: اُمم سابقہ میں مُلہَم موجود تھے، اگر میری امت میں کوئی ملہم من اللہ ہوا تو وہ عمر ہیں۔'' [2]

بخاری و مسلم میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''مجھے خواب میں ایک پیالہ پیش کیا گیا جس میں دودھ تھا، وہ میں نے پی لیا، یہاں تک کہ سیری کا اثر میرے ناخنوں میں ظاہر ہونے لگا، جو بچ گیا وہ میں نے عمر کو دے دیا۔ صحابہ نے عرض کیا، پھر آپ نے اس کی کیا تعبیر فرمائی؟ فرمایا: ''دودھ سے علم

---

[1] صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، باب قول النبی صلی اللہ علیہ سلم "لو کنت متخذا خلیلاً (حدیث: ٣٦٦١)

[2] صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم ، باب مناقب عمر بن الخطاب رضی الله عنه، (حدیث: ٣٦٨٩)، عن ابی هريرة، رضی الله عنه، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل عمر بن الخطاب رضی الله عنه (حدیث: ٢٣٩٨)، عن عائشة، رضی الله عنها۔

مراد ہے۔'' ❶

ترمذی میں سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر ہوتے۔'' ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔ ❷ بخاری و مسلم میں ہے کہ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا: ''سیدنا ابوبکر تمام صحابہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ واقف تھے۔ ❸

سیدنا علی فرمایا کرتے تھے:

جس شخص کے بارے میں مجھے پتہ چلا کہ وہ مجھے ابوبکر وعمر پر فضیلت دیتا ہے تو میں اس پر حد قذف قائم کروں گا۔ ❹

سیدنا علی سے تقریباً اسّی مختلف طرق سے مروی ہے کہ انھوں نے اپنے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا: اس امت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل ابوبکر وعمر ہیں۔''

امام بخاری نے محمد بن حنفیہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے اپنے والد سیدنا علی سے پوچھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل کون ہے؟ فرمایا بیٹا! کیا تجھے یہ بات معلوم نہیں؟ میں نے کہا:'' نہیں'' فرمایا: ابوبکر'' میں نے عرض کیا ان کے بعد کون؟ فرمایا عمر۔'' ❺

حدیث '' اَنَا مَدِیْنَةُ الْعِلْمِ '' موضوع ہے:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سب سے بہتر فیصلہ کرنے والے علی ہیں اور فصل خصومات علم و

---

❶ صحیح بخاری، حواله سابق(حدیث:۳۶۸۱)، صحیح مسلم، حواله سابق (حدیث: ۲۳۹۱)

❷ سنن ترمذی، کتاب المناقب ، باب(۵۲/۱۷)، (حدیث:۳۶۸۶)

❸ صحیح بخاری۔ کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللّٰه علیه وسلم، باب قول النبی صلی اللّٰه علیه وسلم " سدوا الابواب الا باب ابی بکر" (حدیث:۳۶۵٤)، صحیح مسلم ، کتاب فضائل الصحابة ، باب من فضائل ابی بکر الصدیق رضی الله عنه(حدیث:۲۳۸۲)

❹ المحلی لابن حزم(۲۸۶/۱۱)

❺ صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللّٰه علیه وسلم باب قول النبی صلی اللّٰه علیه وسلم" لو کنت متخذاً خلیلاً"(حدیث: ۳۶۷۱)

دین کو مستلزم ہے۔‘‘

ہم کہتے ہیں حدیث: ’’اَقْضَاکُمْ عَلِیٌّ‘‘ کی کوئی اسناد معلوم نہیں تاکہ اس سے احتجاج کیا جا سکے، اس سے یہ حدیث صحیح تر ہے کہ سیدنا معاذ حلال و حرام کے بہت بڑے عالم ہیں۔‘‘ ❶ حلال و حرام کا علم دین اسلام میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ شیعہ کی ذکر کردہ حدیث سنن مشہورہ اور معروف مسانید میں بسند صحیح یا ضعیف کے ساتھ مندرج ہی نہیں۔

یہ جس اسناد کے ساتھ مروی ہے اس میں متہم بالکذب راوی پائے جاتے ہیں، یہ سیدنا عمر کا قول ہے کہ ’’عَلِیٌّ اَقْضَانَا‘‘ ’’علی صحابہ میں ایک بڑے قاضی تھے۔‘‘ قضاء فصل خصومات کو کہتے ہیں۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ فیصلہ حقیقت حال کے برعکس صادر کیا جاتا ہے، احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

’’تم میرے پاس فصل خصومات کے لیے آتے ہو۔ اس بات کا احتمال ہے کہ تم میں سے ایک شخص اپنا نقطہ نظر وضاحت سے بیان کر سکتا ہو اور میں اس کے حق میں فیصلہ صادر کردوں یاد رکھو جس شخص کو میں نے اس کے مسلمان بھائی کے حق میں سے کچھ دے دیا تو میں نے اسے دوزخ کا ایک قطعہ الاٹ کر دیا۔‘‘ ❷

اس حدیث میں سالار رسل ﷺ نے واضح کیا کہ آپ کے حکم دینے سے حلال چیز حرام ہو جاتی ہے نہ حرام چیز حلال ٹھہرتی ہے۔

شیعہ کی پیش کردہ حدیث ’’اَنَا مَدِیْنَةُ الْعِلْمِ وَ عَلِیٌّ بَابُھَا‘‘ حد درجہ ضعیف ہے، اگرچہ اسے ترمذی نے روایت کیا ہے کہ ❸ تاہم یہ موضوعات میں شمار کی جاتی ہے۔ ابن الجوزی فرماتے ہیں کہ

---

❶ سنن ترمذی، کتاب المناقب ، باب مناقب معاذ بن جبل و زید بن ثابت رضی الله عنهما(حدیث:۳۷۹۰،۳۷۹۱)، سنن ابن ماجة، المقدمة۔ باب فضائل خباب رضی الله عنه (حدیث:۱۵٤)

❷ صحیح بخاری، کتاب الشهادات باب من اقام البینة بعد الیمین(حدیث:۲٦۸)، صحیح مسلم، کتاب الأقضیة، باب بیان ان حکم الحاکم لا یغیر الباطن، (حدیث: ۱۷۱۳)

❸ سنن ترمذی کتاب المناقب، باب (۷۳/۲۰)، (حدیث:۳۷۲۳)، بلفظ " انا دار الحکمة و علی بابها" و سنده ضعیف ، **شریک قاضی راوی مدلس ہے۔** مستدرك حاکم(۱۲٦/۳،۱۲۷) باسناد أخر ضعیفة

اس کے جملہ طرق موضوع ہیں۔اس کا متن خود اس کے موضوع ہونے کی شہادت دیتا ہے، جب آپ کی ذات علم کا شہر ہوئی اور اس کا دروازہ صرف ایک (سیدنا علی) ہوا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ نبی کریم ﷺ کے اقوال و ارشادات کے مبلغ صرف علی ہوں گے۔اس سے دین اسلام کا فساد لازم آتا ہے۔اس بات پر مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ نبی کریم ﷺ کے اقوال و ارشادات کو لوگوں تک پہنچانے والے اتنے کثیر التعداد لوگ ہونے چاہئیں کہ جن سے خبر متواتر حاصل ہو، اس لیے کہ خبر واحد سے وہ علم حاصل نہیں ہوتا جو قرآن اور احادیث متواترہ سے حاصل ہوتا ہے۔

اگر شیعہ کہیں کہ علی اگرچہ واحد ہیں، مگر معصوم ہیں، اس لیے آپ کی خبر سے یقینی علم حاصل ہوتا ہے، تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ شیعہ پہلے آپ کا معصوم ہونا ثابت کریں سیدنا علی کی معصومیت ان کے قول ہی سے ثابت نہیں ہو جائے گی۔ کیوں کہ اس طرح دور لازم آتا ہے۔اجماع سے بھی آپ کا معصوم ہونا ثابت نہیں ہوتا، اس لیے کہ آپ کی معصومیت پر اجماع منعقد نہیں ہوا۔

یہ بات کسی سے پوشیدہ نہیں کہ نبی کریم ﷺ نے کتاب وسنت کا جو علم اکناف عالم میں پھیلایا تھا اس سے سب کرۂ ارضی معمور ہو چکا ہے۔ حالانکہ سیدنا علی کی منفرد روایات نبی کریم ﷺ سے حد درجہ قلیل ہیں۔ پھر یہ بات کیوں کر صحیح ہو سکتی ہے کہ سیدنا علی ہی نبی کریم ﷺ کے علم کا واحد دروازہ تھے۔ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ مدینہ میں اجل التابعین وہ تھے جو خلافت فاروقی وعثمانی کے تربیت یافتہ تھے نہ کہ علوی خلافت کے، سیدنا معاذ نے تابعین اور اہل یمن کو جو تعلیم دی وہ سیدنا علی کی تعلیمات سے بہت بڑھ کر تھی۔ جب سیدنا علی وارد کوفہ ہوئے تو وہاں جلیل القدر تابعین کی خاصی تعداد موجود تھی۔مثلاً شریح، عبیدہ، علقمہ، مسروق اور ان کے نظائر و امثال۔

امام محمد بن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''روافض کہتے ہیں کہ سیدنا علی اعلم الناس تھے۔ حالانکہ یہ جھوٹ ہے کسی صحابی کے علم کا پتہ اس بات سے چلتا ہے کہ اس کے فتاویٰ و روایات کی تعداد کس قدر ہے اور نبی کریم ﷺ نے کس حد تک اسے مختلف کاموں پر مامور کیا۔''

جب ہم نے اس بات کو جانچ پرکھ کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ نے سیدنا ابوبکر کو اپنی بیماری کے دوران امام صلوٰۃ مقرر کیا تھا۔ حالانکہ اس وقت سیدنا عمر، علی، ابن مسعود، ابی ابن کعب اور دیگر اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم موجود تھے۔غزوہ تبوک کو جاتے وقت جب آپ نے سیدنا علی کو اپنا نائب مقرر کیا

تھا وہ اس سے مختلف ہے، اس لیے کہ مدینہ میں اس وقت صرف بچے اور عورتیں تھیں۔

سیدنا ابوبکر کو امام مقرر کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آپ دیگر صحابہ کی نسبت نماز کے مسائل سے زیادہ واقفیت رکھتے تھے اور نماز دین اسلام کا رکن رکین ہے علاوہ ازیں نبی کریم ﷺ نے سیدنا ابوبکر کو امیر حج مقرر کیا تھا اور زکوٰۃ کی فراہمی کے لیے عامل بھی بنایا تھا۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ان مسائل کو دیگر صحابہ کی نسبت بہتر طور پر جانتے تھے۔

علاوہ ازیں نبی کریم ﷺ نے سیدنا ابوبکر کو لشکر کا سپہ سالار بھی بنایا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ دیگر مجاہدین کی طرح جہاد کے احکام و مسائل سے بھی آگاہ تھے اور اس ضمن میں آپ کا پایہ سیدنا علی سے فروتر نہ تھا۔ جب علمی مسائل صلوٰۃ و زکوٰۃ اور حج کے احکام میں سیدنا ابوبکر کا سیدنا علی پر تفوق ثابت ہو گیا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جہاد کے مسائل جاننے میں آپ سیدنا علی سے پیچھے نہ تھے تو اس سے آپ کا علمی پایہ واضح ہو جاتا ہے۔

خلفاء اربعہ کے مسائل و فتاویٰ میں موازنہ:

سیدنا ابوبکر سفر و حضر میں نبی کریم ﷺ کی صحبت و رفاقت میں رہا کرتے تھے اور اس طرح نبی کریم ﷺ کے فتاوی و احکام سے بذات خود آگاہ تھے۔ بنا بریں آپ احکام و مسائل سے زیادہ واقفیت رکھتے تھے۔ علم کا کوئی شعبہ ایسا نہ تھا جس میں سیدنا ابوبکر دوسروں پر فائق نہ ہوں یا کم از کم اس میں دوسروں کے برابر نہ ہوں۔ جہاں تک روایت و فتوی کا تعلق ہے آپ کو اس کی ضرورت بہت کم پیش آئی، اس کی وجہ یہ تھی کہ نبی کریم ﷺ کی وفات کے صرف اڑھائی سال بعد سیدنا ابوبکر کا انتقال ہو گیا تھا۔ اس قلیل عرصہ میں روایت و فتویٰ کی ضروت بہت کم پیش آئی۔ کیوں کہ آپ کی رعیت کو بھی نبی کریم ﷺ کی صحبت کا شرف اسی طرح حاصل ہو چکا تھا جیسے آپ کو، اس لیے وہ شرعی احکام سے کما حقہ آگاہ تھے اور دوسروں سے مسائل دریافت کرنے کی ضرورت انہیں بہت کم پیش آئی۔

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ایک سو چالیس احادیث مروی ہیں، آپ کے فتاویٰ اس پر مزید ہیں۔ بخلاف ازیں سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے پانچ سو چھیاسی احادیث روایت کی گئی ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ سیدنا علی نبی کریم ﷺ کے تیس سال بعد تک زندہ رہے، اس طویل عرصہ حیات میں بکثرت لوگوں سے ملنے کی نوبت آئی۔ چونکہ اکثر صحابہ فوت ہو چکے تھے، اس لیے لوگوں نے آپ کے علم سے استفادہ کی ضرورت محسوس کی۔ چنانچہ مدینہ و بصرہ و کوفہ و صفین کے لوگوں نے آپ سے علمی مسائل

دریافت کیے۔

جب ہم ان تاریخی حقائق پر ایک نگاہ ڈالتے ہیں کہ سیدنا ابوبکر نبی کریم ﷺ کے بعد بہت کم زندہ رہے، اس کے برخلاف سیدنا علی نے طویل زندگی پائی اور مختلف شہروں میں سکونت پذیر رہے اور وہاں کے رہنے والوں نے آپ سے احکام ومسائل روایت کیے۔ دوسری طرف سیدنا ابوبکر جم کر مدینہ میں رہے اور کہیں ادھر ادھر نہ گئے، پھر یہ کہ آپ کے عہد خلافت میں لوگوں کو مسائل دریافت کرنے کی ضرورت بہت کم لاحق ہوا کرتی تھی کیوں کہ وہ خود سرور کائنات ﷺ کے تربیت یافتہ تھے، ان حقائق کے پیش نظر جب ہم سیدنا ابوبکر کی مرویات وفتاویٰ کا سیدنا علی کی روایت کردہ احادیث وفتاویٰ کے ساتھ تقابل کریں تو ہر صاحب علم پر یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ سیدنا ابوبکر علم وفضل میں بدرجہا سیدنا علی پر فائق تھے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ صحابہ میں جو قلیل العمر تھے ان کی مرویات کی تعداد طویل عمر پانے والوں کی نسبت بہت کم ہے۔ سیدنا عمر مدینہ میں سکونت پذیر تھے۔ آپ ملک شام کو بھی گئے تھے، آپ کی مرویات کی تعداد پانچ سو سینتیس ہے، یہ تعداد سیدنا علی کی مرویات کے لگ بھگ ہے، سیدنا عمر کی وفات، سیدنا علی سے سترہ سال قبل ہوئی تھی۔ ہنوز بہت سے صحابہ بقید حیات تھے۔ سیدنا عمر کے بعد طویل عرصہ زندہ رہنے کے باوصف سیدنا علی نے صرف انچاس احادیث سیدنا عمر سے زیادہ روایت کی ہیں۔

احادیث صحیحہ کا اعتبار کیا جائے تو سیدنا علی کی صرف ایک یا دو روایتیں سیدنا عمر سے زیادہ ہیں۔ فقہی مسائل میں سیدنا عمر کے فتاوی سیدنا علی کے مسائل وفتاویٰ کے مساوی ہیں۔ جب ہم سیدنا عمر و علی دونوں کی مدت حیات اور سیاحت بلاد کا موازنہ کریں اور اس کے پہلو بہ پہلو ان کی مرویات و فتاویٰ کا بھی تقابل کریں تو ہر سلیم العقل آدمی یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہوگا کہ سیدنا عمر علم وفضل میں سیدنا علی سے بڑھ کر تھے۔

چونکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا زمانہ کے اعتبار سے متاخر تھیں۔ اس لیے آپ کی مرویات دو ہزار سے بھی زیادہ ہیں۔ سیدنا ابن عمر اور انس کی روایات بھی اس کے لگ بھگ ہیں۔ سیدنا ابوہریرہ سے پانچ ہزار احادیث مرفوع اور تین صد احادیث غیر مرفوع روایت کی گئی ہیں۔ سیدنا ابن مسعود کی مرویات کی تعداد آٹھ صد سے زائد ہے۔

سیدنا ابن مسعود و عائشہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہم کے فتاوی سیدنا علی کے فتاوی سے زیادہ ہیں کیوں کہ یہ صحابہ سیدنا علی کے بعد بھی زندہ رہے۔

اسی طرح ابن عباس کی مرویات ایک ہزار پانچ صد سے زیادہ ہیں ،ان کے فتاویٰ وتفسیری اقوال کا تو کوئی شمار ہی نہیں۔لہٰذا روافض کا قول باطل ٹھہرا یہ درست ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی کو عامل مقرر کیا تھا اور یہ عہدہ اصحاب علم ہی کو تفویض کیا جاتا ہے۔مگر اس میں خصوصیت کی کوئی بات نہیں،سیدنا معاذ اور ابوموسیٰ کو بھی اس عہدہ پر فائز کیا گیا تھا۔

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

’’سیدنا علی نہایت ذہین وفطین اور علم کے بہت بڑے حریص تھے بچپن سے لے کر تا وفات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے۔‘‘

ہم کہتے ہیں یہ بات کیسے ثابت ہوئی کہ سیدنا علی سیدنا ابوبکر وعمر سے زیادہ ذہین اور ان سے زیادہ شائق علم تھے؟ بخاری ومسلم کی متعدد احادیث سے سیدنا ابوبکر وعمر کے علم وفضل پر روشنی پڑتی ہے۔مثلاً سیدنا ابوسعید خدری نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ لوگوں کو میرے سامنے پیش کیا جارہا ہے۔انھوں نے قمیصیں پہن رکھی ہیں،بعض کی قمیص سینہ تک پہنچتی ہے اور بعض کی اس سے نیچے۔سیدنا عمر جب پیش کیے گئے تو وہ قمیص کا دامن کھینچتے ہوئے گزرے۔ لوگوں نے پوچھا،پھر آپ نے اس کی کیا تعبیر کی؟ فرمایا۔قمیض سے دین مراد ہے۔‘‘ [1]

جب سیدنا عمر نے شہادت پائی تو سیدنا ابن مسعود نے کہا،علم کے نو حصے رخصت ہوگئے اور ایک حصہ باقی رہا،جس میں سب لوگ شریک ہیں۔ [2]

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

’’بچپن میں جو علم حاصل کیا جائے وہ کالنقش فی الحجر ہوتا ہے،بنابریں سیدنا علی دوسروں سے بڑھ کر عالم ہوں گے۔نیز اس لیے کہ آپ کے استاد (نبی) ہر لحاظ سے کامل تھے

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب تفاضل اهل الایمان فی الاعمال(حدیث:٢٣)، صحیح مسلم ، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل عمر بن الخطاب رضی الله عنه(حدیث: ٢٣٩٠)

[2] اسد الغابة(١٦٦/٤)

اور شاگرد (علی) میں قبول علم کی استعداد موجود تھی۔''

ہم کہتے ہیں یہ ایک عامیانہ کلام ہے، اور حدیث رسول نہیں ہے۔اقتضاء حدیث کے عین برخلاف صحابہ نے کتاب وسنت کا علم بڑی عمر میں سیکھا تھا، تاہم اللہ تعالیٰ نے ان پر اس کی تحصیل آسان کردی تھی۔سیدنا علی کا بھی یہی حال ہے،ابھی وحی تکمیل پذیر نہیں ہوئی تھی کہ سیدنا علی کی عمر تیس سال کو پہنچ گئی۔آپ نے قرآن بڑی عمر میں یاد کیا تھا۔اس میں اختلاف ہے کہ آیا سیدنا علی کو پورا قرآن یاد تھا یا نہیں؟ دوسری طرف سیدنا ابو ہریرہ کو دیکھیے انھوں نے صرف تین سال کے عرصہ میں وہ کچھ یاد کرلیا تھا جو دوسرے صحابہ طویل عرصہ میں بھی یاد نہ کر سکے تھے۔

سیدنا علی علم نحو کے واضع تھے:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''سیدنا علی علم نحو کے واضع تھے۔آپ نے ابو الاسود سے کہا تھا۔کلام کی تین قسمیں ہیں۔اسم،فعل،حرف،سیدنا علی نے ابوالاسود کواعراب کے اقسام بھی بتائے تھے۔''

ہم کہتے ہیں علم نحو،علوم نبوت میں شمار نہیں ہوتا، بلکہ یہ ایک استنباطی علم ہے۔خلفاء ثلاثہ کے زمانہ میں لوگ اعراب پڑھنے میں غلطی کا ارتکاب نہیں کرتے تھے۔اس لیے اس کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔ جب سیدنا علی کوفہ میں سکونت پذیر ہوئے تو وہاں عجمی لوگ بودوباش رکھتے تھے جو اکثر اعراب میں غلطیاں کیا کرتے تھے اس لیے آپ نے علم نحو کی ضرورت محسوس کی۔

نقل کیا گیا ہے کہ سیدنا علی نے ابوالاسود سے کہا تھا:اُنحُ هٰذَا النَّحوَ'' (اسی طریقہ پر چلیے)بنا بریں اس علم کونحو کے نام سے موسوم کیا گیا۔جس طرح دوسرے لوگوں (حجاج بن یوسف ثقفی) نے ضرورت کے پیش نظر نقطے نیز مدّ وشدّ وغیرہ علامات ایجاد کیں اور خلیل نے علم عروض وضع کیا۔

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''سب فقہاء سیدنا علی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔''

ہم کہتے ہیں یہ صاف جھوٹ ہے، ائمہ اربعہ اور دیگر فقہاء میں سے کوئی بھی فقہ علی کی طرف رجوع نہیں کرتا۔ جہاں تک امام مالک کا تعلق ہے آپ اہل مدینہ سے اخذ کرتے ہیں اور اہل مدینہ سیدنا علی کے قول سے احتجاج نہیں کرتے ، بلکہ ان کے نزدیک سیدنا عمر و زید وابن عمر رضی اللہ عنہم کے اقوال سند کا درجہ رکھتے ہیں۔

امام شافعی نے آغاز کار میں اہل مکہ مثلاً اصحاب ابن جریج سے استفادہ کیا اور ابن جریج اصحاب ابن عباس سے اخذ و استفادہ کیا کرتے تھے۔ پھر شافعی نے مدینہ پہنچ کر امام مالک کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور بعد میں اہل عراق کی تصانیف سے فائدہ اٹھایا۔

امام ابوحنیفہ کے استاذ خاص ابراہیم نخعی کے شاگرد حماد بن ابی سلیمان ہیں۔ نخعی علقمہ کے تربیت یافتہ تھے اور علقمہ سیدنا ابن مسعود کے ساختہ پرداختہ۔ امام ابوحنیفہ نے مکہ میں عطا سے بھی استفادہ کیا تھا۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ محدثین کے مسلک پر گامزن تھے۔ آپ نے ہُشَیم، ابن عیینہ، وکیع اور شافعی سے استفادہ کیا تھا۔

محدث ابن رَاہوَیہ اور ابوعُبَید بھی اسی شاہ راہ پر گامزن رہے۔

شیعہ مصنف لکھتا ہے۔

''مالکیہ نے سیدنا علی اور ان کی اولاد سے استفادہ کیا۔''

ہم کہتے ہیں یہ صریح جھوٹ ہے۔ موطا میں سیدنا علی اور ان کی اولاد سے معدودے روایات نقل کی گئی ہیں۔ اسی طرح کتب حدیث و سنن و مسانید میں زیادہ تر غیر اہل بیت راویوں کی مرویات پائی جاتی ہیں۔ [1]

شیعہ مصنف کا یہ قول کہ ''امام ابوحنیفہ نے جعفر صادق کی شاگردی اختیار کی تھی۔''

یہ صاف جھوٹ ہے۔ البتہ یہ دونوں حضرات معاصر تھے۔ امام جعفر نے امام صاحب سے دو

---

[1] اہل بیت کی مرویات میں چونکہ جھوٹ کا عمل دخل ہو گیا تھا، اس لیے روایت حدیث میں عدالت وضبط کا لحاظ رکھنے والے محدثین اہل بیت علماء سے روایات اخذ کرنے میں احتیاط کیا کرتے تھے۔ اہل بیت کے متعصب شیعہ اپنے علماء سے جھوٹی روایات بیان کرنے میں عام طور سے بدنام تھے۔ جو احادیث اس عیب سے پاک ہوں ان کے ذکر و بیان میں محدثین کوئی باک نہیں سمجھتے تھے۔ اسماء الرجال کے فن کا طالب جو راویان حدیث کے کوائف و احوال معلوم کرنے کا خواہاں ہوں۔ علم حدیث کے علماء وائمہ کے عدل و انصاف سے بخوبی آگاہ ہے۔ اس مسئلہ کی تحقیق کے لیے دیکھیے ہمارا مقالہ جس کا عنوان ہے۔
"تسامح اهل السنة فی الروایة عمن یخالفونهم فی العقیدة"(مجلة الازهر، مجلد: ٢٤، ص: ٣٠٦-٣١٢)

سال پہلے وفات پائی۔ البتہ ان کا سن ولادت ایک ہی ہے۔ امام ابوحنیفہ نے جعفر صادق اور ان کے والد سے ایک مسئلہ بھی نہیں سیکھا تھا۔ البتہ ان سے زیادہ معمر لوگوں سے آپ نے استفادہ کیا تھا۔ مثلاً عطاء بن ابی رباح، حماد بن ابی سلیمان اور جعفر بن محمد۔

امام شافعی محمد بن حسن شیبانی کے شاگرد نہ تھے:

شیعہ مصنف کا یہ قول کہ امام شافعی نے محمد بن حسن شیبانی سے استفادہ کیا تھا۔'' غلط ہے، امام شافعی محمد بن حسن کے پاس اس وقت آئے جب آپ پڑھ لکھ کر امام بن چکے تھے۔ البتہ یہ درست ہے کہ آپ محمد بن حسن کی صحبت میں رہے، ان کے طرز فکر ونظر کو جانچا۔ ان سے مناظرے کیے اور ان کی تردید میں کتابیں لکھیں۔

بہر کیف ائمہ اربعہ نے امام جعفر سے مسائل واصول اخذ نہیں کیے تھے۔ مانا کہ انھوں نے امام جعفر سے چند روایات نقل کی ہیں تو اس سے کئی گنا روایات انھوں نے غیر اہل بیت راویوں سے بھی اخذ کی ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ امام جعفر صادق پر جس قدر بہتان طرازی کی گئی ہے اور کسی پر نہیں کی گئی۔ تاہم ان کا دامن ان اتہامات سے پاک ہے۔ [1]

چنانچہ شیعہ نے یہ علوم امام جعفر صادق کی طرف منسوب کیے ہیں۔

(۱) علم البطاقہ۔ (۲) علم الہفت۔ (۳) الجدول۔ (۴) اختلاج الاعضاء۔ (۵) علم

---

[1] امام جعفر صادق کے بارے میں شیعہ نے جو جھوٹ تصنیف کیے ہیں، ان میں سے مضحکہ خیز جھوٹ وہ ہے جسے شیعہ کے فخر العلماء محمد بن محمد نعمان المفید نے اپنی کتاب ''الارشاد فی تاریخ حجج اللہ علی العباد'' مطبوعہ ایران، ص:۱۰۴، پر جعفر بن محمد کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ ''امام جعفر صادق نے فرمایا: میرے پاس سیدنا موسیٰ کی تختیاں ہیں، جن پر تورات مکتوب تھی۔ میرے پاس عصائے موسیٰ اور خاتم سلیمان بھی ہے۔ نیز میرے پاس وہ طشتری بھی ہے جس میں موسیٰ علیہ السلام قربانی دیا کرتے تھے۔'' ہم پورے وثوق سے کہتے ہیں کہ امام جعفر فی الواقع صادق تھے، مگر شیعہ آپ پر جھوٹ باندھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ محدثین ان کی روایات پر اعتماد نہیں کرتے۔ ہمارے دوست سید محمد بن عقیل امام بخاری پر طعن کرتے ہیں کہ وہ اہل بیت سے بہت تھوڑی روایات نقل کرتے ہیں کیا صاحب ممدوح یہ چاہتے ہیں کہ امام بخاری اس بات پر مہر تصدیق ثبت کریں کہ عصائے موسیٰ اور قربانی کی طشتری فی الواقع امام جعفر کے پاس موجود تھی۔ اللہ تعالیٰ ایسے عقائد سے بچائے۔''

الجفر۔(٦) منافع القرآن۔(٧) الرعود والبروق۔(٨) احکام النجوم۔(٩) القرعہ۔(١٠) استقسام بالازلام۔(١١) ملاحم۔

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''امام مالک سے منقول ہے کہ انھوں نے ربیعہ سے پڑھا۔ ربیعہ نے عکرمہ سے عکرمہ نے ابن عباس سے اور ابن عباس سیدنا علی کے شاگرد تھے۔''

ہم کہتے ہیں یہ جھوٹ ہے۔ ربیعہ نے عکرمہ سے کچھ نہیں پڑھا تھا، بلکہ وہ سعید بن مسیّب کے شاگرد ہیں۔ سعید نے سیدنا عمر، زید اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہم سے استفادہ کیا تھا یہ بات بھی غلط ہے کہ ابن عباس سیدنا علی کے شاگرد ہیں اس لیے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے سیدنا علی سے بہت کم روایات نقل کی ہیں۔ ان کی اکثر روایات سیدنا عمر اور زید سے منقول ہیں۔ ابن عباس اکثر امور میں سیدنا ابوبکر و عمر کے قول کے مطابق فتویٰ دیا کرتے تھے اور بہت سے مسائل میں سیدنا علی کے خلاف تھے۔

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''سیدنا علی علم الکلام کی اصل و اساس ہیں۔ آپ کے خطبات سے لوگوں نے علم الکلام حاصل کیا۔ لہٰذا لوگ اس فن میں آپ کے شاگرد ہیں۔''

ہم کہتے ہیں یہ جھوٹ ہے۔ علاوہ ازیں اس میں فخر کی کوئی بات نہیں، اس لیے کہ سیدنا علی علم الکلام سے پاک تھے۔ جو کتاب و سنت کی تصریحات کے منافی ہے، صحابہ و تابعین کے زمانہ میں ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جو حدوثِ اجسام سے حدوث عالم پر استدلال کرتا ہو۔ نیز حدوثِ اجسام کو اعراض اور حرکت و سکون کی دلیل سے ثابت کرتا اور کہتا ہو کہ اجسام اس کو مستلزم ہیں۔ بخلاف ازیں پہلی مرتبہ اس کا اظہار پہلی صدی کے بعد جعد بن درہم اور جہم بن صفوان کی طرف سے ہوا۔ پھر عمرو بن عبید اور واصل بن عطاء نے اس میں حصہ لیا۔ ان دونوں نے جب انفاذ وعید اور تقدیر کے مسئلہ پر گفتگو کی تو ابوالہذیل علاف و نظام و بشر مُریسی جیسے مبتدعین ان مسائل پر اظہار خیال کرنے لگے۔

جو خطبات سیدنا علی سے ثابت ہیں، ان میں معتزلہ کے اصول خمسہ کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ متقدمین معتزلہ سیدنا علی کی تعظیم نہیں کیا کرتے تھے، بلکہ ان میں بعض لوگ ایسے بھی تھے جو سیدنا علی کی عدالت و ثقاہت کے بارے میں شکوک و شبہات کا اظہار کرتے تھے۔ جنگ جمل کے لڑنے والوں کے بارے

میں وہ کہا کرتے تھے۔

''فریقین میں سے ایک فاسق ہے، مگر یہ نہیں معلوم کہ کون۔''

متقدمین شیعہ صفات الٰہی اور مسئلہ تقدیر کے قائل تھے۔ شیعہ میں سے ہشام بن حکم نے تجسیم کے عقیدہ کا اظہار کیا تھا۔ امام جعفر صادق سے جب پوچھا گیا کہ قرآن مخلوق ہے یا غیر مخلوق؟ تو انھوں نے کہا میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ وہ اللہ کا کلام ہے، بے شک ابوالحسن اشعری علی جبائی کے شاگرد تھے مگر انھوں نے جبائی کو چھوڑ کر زکریا بن یحییٰ ساجی سے حدیث وسنت کا علم حاصل کرنا شروع کیا تھا۔ امام اشعری نے اپنی کتاب ''مقالات الاسلامیین'' میں لکھا ہے کہ وہ سلفی المشرب ہیں۔

شیعہ کا مذہب مختلف مذاہب کا مجموعہ ہے:

شیعہ کا مذہب کیا ہے ایک اچھا خاصہ معجون مرکب ہے۔ انکار صفات باری میں انھوں نے جہمیہ کا مذہب اختیار کیا ہے۔ افعال العباد کے مسئلہ میں وہ قدریہ کے پیرو ہیں۔ امامت وتفضیل کے مسائل میں وہ روافض کے زاویہ نگاہ کے متبع ہیں، اس سے یہ حقیقت اجاگر ہوتی ہے کہ سیدنا علی سے نقل کردہ کلام صاف جھوٹ ہے۔ مزید براں اس میں مدح کا کوئی عنصر شامل نہیں۔ سیدنا علی پر عظیم ترین افتراء یہ ہے کہ قرامطہ واسماعیلیہ اپنے عقائد وافکار کو سیدنا علی کی جانب منسوب کرتے اور کہتے ہیں کہ آپ کو باطنی علم دیا گیا تھا۔ سیدنا علی فرمایا کرتے تھے۔

اس ذات کی قسم جس نے نباتات کو اگایا اور سب مخلوقات کو پیدا کیا! نبی کریم ﷺ نے مجھ سے ایسا کوئی عہد نہیں لیا جو باقی لوگوں سے نہ لیا ہو۔ جو کچھ آپ نے فرمایا تھا وہ میرے اس صحیفہ میں درج ہے، البتہ اللہ تعالیٰ اگر اپنے کسی بندے کو کتاب اللہ کا فہم عطا کردے تو وہ ایک الگ بات ہے۔ [1]

اہل بیت پر جو جھوٹ باندھا گیا ہے وہ بیان سے باہر ہے۔ شیعہ چور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ سیدنا علی نے اپنے ایک خط میں ان کو چوری کی اجازت دی ہے جس طرح یہود خیبر اس بات کے مدعی تھے کہ سیدنا علی نے ایک خط کے ذریعہ ان کا جزیہ معاف کردیا تھا۔ کیا اس سے زیادہ گمراہی کا بھی امکان ہے؟

باطنیہ جو اپنے عقائد کو سیدنا علی کی جانب منسوب کرتے ہیں، ان کا عقیدہ ہے کہ اسلام کا مقصد

---

[1] صحیح بخاری ـ کتاب الجهاد ـ باب فكاك الاسير (حديث: ٣٠٤٧)، صحيح مسلم، كتاب الحج، باب فضل المدينة (حديث: ١٣٧٠)

و غایت صرف اس بات کا اقرار ہے کہ افلاک ربوبیت کے مرتبہ پر فائز ہیں اور مدبر عالم ہیں۔ ان کے سوا اور کوئی ان کا بنانے والا نہیں۔ ان کے خیال میں یہ دین اسلام کا باطنی پہلو ہے جس کو لے کر نبی کریم ﷺ مبعوث کیے گئے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے دین کا یہ باطنی پہلو سیدنا علی کو سکھایا۔ پھر سیدنا علی نے اپنے خواص کو اس کی تعلیم دی۔ یہاں تک کہ یہ سلسلہ محمد بن اسماعیل بن جعفر تک پہنچا جن کو وہ ''القائم'' کہتے ہیں۔ باطنیہ میں سے بنو عبید نے مغربی ممالک پر تسلط حاصل کر لیا تھا۔ پھر دو سو سال تک یہ مصر کے حاکم رہے۔ ان کے بارے میں قاضی ابوبکر بن الطیب و قاضی عبدالجبار بن احمد و قاضی ابویعلی و غزالی و ابن عقیل و ابوعبداللہ شہرستانی نے کتابیں لکھیں اور ان کے اسرار ظاہر کیے۔ قلعہ الموت [1] والے باطنیہ ہی میں سے تھے۔ سنان ان کا داعی تھا، یہ بظاہر شیعہ و بباطن ملحد و زندیق ہوتے ہیں۔ یہ شیعہ کی راہ سے مسلمانوں میں داخل ہوئے اور دین اسلام میں بگاڑ پیدا کیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ باطنیہ حد درجہ جاہل خواہش پرست اور دین اسلام سے بے گانہ ہوتے ہیں۔ انھوں نے اپنے داعیوں کو نصیحت کی تھی کہ تشیع کے دروازے سے مسلمانوں کے یہاں داخل ہوں۔ یہ شیعہ کے اکاذیب واہواء سے فائدہ اٹھاتے اور ان پر خاطر خواہ اضافہ کیا کرتے تھے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انھوں نے مسلمانوں کو جو نقصان پہنچایا وہ بت پرست اور عیسائی بھی نہیں پہنچا سکتے تھے۔

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

---

[1] اصحاب الموت چند ملحد شخص تھے یعنی حسن بن صباح و کیا بزرگ امیر نیز اس کا محمد اور پوتے حسن و محمد بن حسن و جلال الدین حسن بن محمد اور اس کا بیٹا علاؤ الدین محمد اور ان میں آخری شخص رکن الدین تھا۔ انھوں نے ۴۷۳ھ سے ۶۵۴ھ تک قلعہ الموت میں اسماعیلی فرقہ کی بنیاد رکھی اور اس کی نشر و اشاعت میں لگے رہے، قلعہ الموت دامغان کے مضافات میں طہران و نیشاپور کے درمیان واقع تھا۔ اسماعیلی ملاحدہ کے ہاں دو اور قلعے بھی تھے۔ ان کا نام کردکوہ۔ میمون ذر تھا۔ حاکم الموت کو شیخ الجبل کہا کرتے تھے، ہلاکو خاں نے ۶۵۴ھ میں اسماعیلیہ کا خاتمہ کر دیا تھا۔ ملحد اسماعیلیہ کا آخری شیخ الجبل اٹلی کے مشہور سیاح مارکوپولو کے زمانہ تک بقید حیات تھا۔ مارکوپولو نے شیخ الجبل کی جنت اور اس کے جرائم کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے۔
پروفیسر عبداللہ عنان نے اپنی کتاب ''مواقف حاسمة'' ص: ۲۲۱۔۲۲۳۔، میں مارکوپولو کا یہ بیان عربی میں بیان کیا ہے۔ نیز ملاحدہ کی تفصیلات کے لیے دیکھیے ''الحوادث الجامع لابن الفوطی'' ص: ۳۱۲۔۳۱۳، نیز ''مختصر الدول لابن العبری'' (ص: ۴۶۲)، و عمدة الطالب (ص: ۲۱۱)، تاریخ العراق بین احتلالین (۱/۱۵۰۔۱۵۴)

''علم تفسیر سیدنا علی کی طرف منسوب ہے، اس لیے کہ ابن عباس آپ کے شاگرد تھے، ابن عباس کہتے ہیں امیر المومنین علی نے ''بسم اللہ'' کی ''با'' کی تفسیر پوری رات بھر میں بیان کی۔''

سیدنا علی علم تفسیر کے بانی تھے:

ہم کہتے ہیں یہ صاف جھوٹ ہے۔ اس قسم کی روایات بیان کرنا جاہل صوفیا کا کام ہے۔ جیسے صوفیاء روایت کرتے ہیں کہ سیدنا عمر نے فرمایا، نبی ﷺ اور ابوبکر صدیق باتیں کیا کرتے تھے اور میں ان کے پاس یوں بیٹھا رہتا جیسے کوئی حبشی ہو۔ سیدنا عمر سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے ابوبکر کی ایک بیوی سے صرف اس لیے نکاح کیا تھا تا کہ اس سے دریافت کریں کہ ابوبکر خلوت میں کیا کام کیا کرتے تھے۔ اس نے کہا میں آپ سے کلیجی کے کباب کی خوشبو سونگھا کرتی تھی۔ یہ صریح کذب ہے۔ سیدنا ابوبکر کی بیوی اسماء بنت عمیس کے ساتھ سیدنا علی نے نکاح کیا تھا۔

سیدنا ابن عباس نے متعدد صحابہ سے استفادہ کیا تھا۔ تفسیری اقوال آپ نے سیدنا ابن مسعود اور صحابہ و تابعین کی ایک کثیر جماعت سے اخذ کیے۔ سیدنا علی سے نقل کردہ تفسیری اقوال کسی کتاب میں موجود نہیں۔ آپ سے بہت کم تفسیری اقوال نقل کیے گئے ہیں، ابوعبدالرحمٰن سلمی حقائق التفسیر میں جو اقوال جعفر صادق سے نقل کرتے ہیں وہ بالکل جھوٹ ہیں۔

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''علم طریقت سیدنا علی کی طرف منسوب ہے۔ صوفیہ خرقہ کو بھی سیدنا علی کی طرف منسوب کرتے ہیں۔''

ہم کہتے ہیں خرقہ جات کی تعداد بہت ہے، مگر مشہور دو خرقے ہیں۔

۱۔ ایک خرقہ سیدنا عمر کی جانب منسوب ہے۔

۲۔ دوسرے خرقہ کی نسبت سیدنا علی کی طرف کی جاتی ہے۔

جو خرقہ سیدنا عمر کی جانب منسوب ہے اس کی اسناد اُوَیس قرنی اور ابومسلم خولانی تک پہنچتی ہے۔ جس خرقہ کی نسبت سیدنا علی کی طرف کی جاتی ہے اس کی اسناد سیدنا حسن بصری تک پہنچتی ہے۔ متاخرین اسے معروف کرخی تک پہنچاتے ہیں، اس سے آگے سند کا تسلسل ٹوٹ جاتا ہے۔ بعض اوقات وہ کہنے لگتے ہیں کہ معروف کرخی علی بن موسیٰ رضا کی صحبت میں رہے تھے۔ یہ باطل ہے۔ وجہ

بطلان یہ ہے کہ معروف کرخی بغداد سے باہر کہیں نہیں گئے تھے۔ جب کہ علی بن موسیٰ خلیفہ مامون کے یہاں خراسان میں سکونت گزین تھے۔ معروف کرخی عمر میں علی بن موسیٰ سے بڑے تھے، بنا بریں کسی ثقہ راوی سے یہ ثابت نہیں کہ دونوں کبھی باہم ملے یا ایک دوسرے کو دیکھا اور استفادہ کیا۔ معروف علی بن موسیٰ کے دربان بھی نہ تھے کہ انھیں موسیٰ کا شرف صحبت حاصل ہوا ہو اور ان کے ہاتھ پر اسلام بھی نہیں لائے تھے۔

اس کی دوسری اسناد یوں بیان کی جاتی ہے کہ معروف کرخی مشہور بزرگ داؤد طائی کی صحبت میں رہ چکے تھے۔ یہ بے اصل بات ہے۔ اس لیے کہ ان دونوں حضرات کی ملاقات ثابت نہیں وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ داؤد طائی حبیب عجمی سے ملے تھے۔ اس کی بھی کوئی حقیقت نہیں وہ مزید کہتے ہیں کہ حبیب عجمی سیدنا حسن بصری کے تربیت یافتہ تھے۔ یہ درست ہے۔ حسن بصری کے کثیر اصحاب وتلامذہ میں سے تھے۔ مثلاً ایوب سختیانی و یونس بن عبید وعبداللہ بن عوف ومحمد بن واسع و مالک بن دینار و حبیب عجمی وفرقد سنجی اور بصرہ کے دیگر عابد وزاہد لوگ۔

صوفیاء کا قول ہے کہ حسن بصری نے سیدنا علی کی صحبت سے فائدہ اٹھایا تھا۔ یہ باطل ہے۔ سیدنا حسن کو سیدنا علی کی ہم نشینی کا شرف حاصل نہیں ہوا۔

باقی رہی یہ روایت کہ علی جب بصرہ میں داخل ہوئے تھے تو وہاں جتنے افسانہ گو تھے سب کو نکال دیا صرف حسن کو رہنے دیا۔ تو یہ صریح جھوٹ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حسن بصری نے سیدنا علی کی وفات کے بعد تحصیل علم کا آغاز کیا تھا، حالانکہ انھوں نے سیدنا عثمان کو خطبہ دیتے ہوئے دیکھا تھا۔ ابن الجوزی نے حسن بصری کے فضائل ومناقب کے بارے میں ایک مستقل کتاب تصنیف کی ہے۔

بقول شیعہ خرقہ پوشی کی ابتداء سیدنا علی نے کی تھی:

خرقہ کی ایک اسناد سیدنا جابر کی جانب منسوب ہے، مگر وہ منقطع ہے ہمیں قطعی طور پر معلوم ہے کہ صحابہ اپنے مریدین کو خرقہ پہناتے تھے نہ ان کے بال ترشوایا کرتے تھے۔ تابعین نے بھی ایسا نہیں کیا تھا۔ اس میں شبہ نہیں کہ وہ صحابہ کی صحبت میں بیٹھے اور ان کے آداب وعلوم سے بہرہ ور ہوئے تھے۔ تابعین کے ہر گروہ نے ان صحابہ سے استفادہ کیا جو ان کے شہر میں بود و باش رکھتے تھے۔ اہل مدینہ نے سیدنا عمر واُبی وزید وابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے روایات اخذ کیں۔

جب سیدنا علی وارد کوفہ ہوئے تو اہل کوفہ سیدنا ابن مسعود وسعد وعمار وحذیفہ رضی اللہ عنہم سے علمی فیوض

حاصل کر چکے تھے۔

اہل بصرہ نے عمران بن حصین وابوموسیٰ وابوبکرہ وابن مغفل رضی اللہ عنہم سے اخذ واستفادہ کیا۔

اہل شام نے کتاب وسنت کا علم سیدنا معاذ وابوعبیدہ وابوالدرداء وعبادہ بن صامت و بلال رضی اللہ عنہم سے سیکھا۔

ان بیانات کی روشنی میں یہ بات کہنا کس حدتک درست ہے کہ اہل زہد وتصوف کا طریقہ دیگر صحابہ کے علاوہ سیدنا علی سے ماخوذ ہے؟ زہد کے بارے میں متعدد کتب تصنیف کی گئی ہیں۔ چند کتب کے نام ملاحظہ ہوں۔

۱۔ امام احمد کی کتاب الزہد

۲۔ ابن المبارک کی کتاب الزہد

۳۔ کتاب الزہد وکیع بن جراح

۴۔ کتاب الزہد ہناد

۵۔ حلیۃ الاولیاء

۶۔ صفۃ الصفوۃ۔

مذکوہ بالا کتب میں مہاجرین وانصار نیز تابعین کے اقوال مذکور ہیں۔ان کتب میں زہد سے متعلق سیدنا علی کے جواقوال واحوال مذکور ہیں وہ کسی طرح بھی سیدنا ابوبکر وعمر ومعاذ وابن مسعود وابی بن کعب وابوذر وابوامامہ ودیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقوال سے زیادہ نہیں ہیں۔

سیدنا علی کی فصاحت و بلاغت:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

’’سیدنا علی فصاحت کا سرچشمہ تھے، کہا گیا ہے کہ آپ کا کلام مخلوقات کے کلام سے بہتر اور کلام خالق سے کم تر تھا۔‘‘

ہم کہتے ہیں بلاشبہ سیدنا علی صحابہ میں بہت بڑے خطیب تھے۔ علاوہ ازیں سیدنا ابوبکر وعمر و ثابت بن قیس رضی اللہ عنہم بھی فن خطابت میں مہارت رکھتے تھے۔سیدنا ابوبکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو اور آپ کی عدم موجودگی دونوں حالات میں خطبہ دیا کرتے تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہ کر سنتے اور اس

طرح سیدنا ابوبکر کی تائید فرمایا کرتے تھے۔ سیدنا ابوبکر نے سقیفہ بنی ساعدہ کے دن بڑا بلیغ خطبہ دیا تھا۔ سیدنا عمر کا بیان ہے کہ میں نے سقیفہ کے دن بڑا عمدہ لیکچر تیار کیا تھا۔ جب میں نے گفتگو کا آغاز کرنا چاہا تو سیدنا ابوبکر نے کہا: ''ذرا ٹھہریے! چنانچہ میں نے انھیں ناراض کرنا پسند نہ کیا، میرے جذبے قدرے تیز وتند تھے۔ سیدنا ابوبکر نے جب گفتگو کی تو وہ مجھ سے زیادہ حلیم اور باوقار ثابت ہوئے۔ اللہ کی قسم! آپ نے میرے تیار کردہ لیکچر کا ایک بھی پسندیدہ جملہ باقی نہ چھوڑا بلکہ وہ ارتجالاً کہہ سنایا اور اس سے کچھ بہتر ہی کہا ہوگا۔ [1]

انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''سیدنا ابوبکر نے جب ہمیں خطاب کیا تو ہم لومڑی کی طرح بزدل تھے آپ کی حوصلہ افزائی نے ہمیں شیر بنا دیا۔

سیدنا ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ خطیب رسول کہلاتے تھے، جس طرح سیدنا حسان کا لقب شاعر رسول تھا۔ زیاد بہترین خطیب اور ابلغ العرب تھے۔ امام شعبی فرمایا کرتے تھے۔

''جب بھی کوئی شخص بلیغ گفتگو کرتا ہے تو میری تمنا یہ ہوتی ہے کہ یہ خاموش ہو جائے اس ڈر سے کہ کہیں گھٹیا گفتگو پر نہ اتر آئے۔ مگر زیاد کا حال اس سے مختلف تھا، وہ جس قدر زیادہ بولتا تھا اس کی تقریر میں نکھار پیدا ہوتا جاتا تھا۔''

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی فصاحت و بلاغت کا یہ عالم تھا کہ احنف بن قیس اس پر اظہار حیرت کیا کرتے تھے وہ کہا کرتے تھے۔

''میں نے اللہ کی مخلوق میں عائشہ سے بڑھ کر کسی کو فصیح و بلیغ نہیں دیکھا۔'' [2]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی عظیم خطیب تھے۔

ظہور اسلام سے قبل و بعد عرب میں بہت سے بلغاء ہوئے ہیں یہ فصاحت و بلاغت میں سیدنا علی کے رہین منت تھے نہ انھوں نے اس باب میں ان سے کچھ استفادہ کیا تھا۔ قوتِ خطابت اللہ داد ہے۔ سیدنا علی اور دیگر خطباء کے کلام میں سجع اور تجنیس کا التزام نہیں ہوا کرتا تھا جو علم البدیع کی مشہور اصطلاحات ہیں، بلکہ ان کے خطبات میں آمد ہوا کرتی تھی اور یہ سجع کا

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الحدود۔ باب رجم الحبلی فی الزنا (حدیث: ٦٨٣٠)

[2] مستدرك حاکم (٤/١١)

تکلف نہیں کیا کرتے تھے۔ یہ تکلفات متاخرین کی ایجاد ہیں۔

شیعہ کا یہ قول کہ سیدنا علی فصاحت کا سرچشمہ تھے۔'' دعویٰ بلا دلیل ہے سب لوگوں سے فصیح تر نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی تھی۔ گلا پھاڑنے اور چلانے کا نام فصاحت نہیں اور نہ ہی تجنیس و سجع کو بلاغت کہتے ہیں۔ بخلاف ازیں بلاغت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کم از کم الفاظ میں اپنا مافی الضمیر واضح کردیا جائے۔ چنانچہ ایک بلیغ آدمی معانی مقصودہ کو بطریق احسن سامعین پر واضح کردیتا ہے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ نہج البلاغۃ کے اکثر خطبے من گھڑت [1] ہیں اور وہ سیدنا علی کا کلام نہیں ہوسکتے۔ شیعہ نے مدح گوئی کے نقطہ خیال سے ان کو وضع کیا تھا حالانکہ ان میں صداقت و مدح دونوں کا کوئی عنصر شامل نہیں ہے۔

شیعہ مصنف کا یہ قول کہ ''سیدنا علی کا کلام کلام مخلوق سے بالا ہے۔''

یہ قول نبی کریم ﷺ کی گستاخی پر مشتمل ہے۔ یہ اسی طرح ہے جیسے ابن سبعین نے کہا تھا۔

یہ کلام ایک لحاظ سے انسانی کلام سے ملتا جلتا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ انسانی کلام کو کلام الٰہی کے مماثل قرار دیا جائے، ظاہر ہے کہ ایک مسلم اس طرح نہیں کہہ سکتا۔

حقیقت یہ ہے کہ کلام علی میں جو باتیں صحیح ہیں، وہ دوسروں کے کلام میں بھی پائی جاتی ہیں۔ مگر صاحب نہج البلاغۃ کی ستم ظریفی پر ہے کہ اس نے دوسروں کے کلام کو آپ کی طرف منسوب کردیا ہے۔ بعض باتیں جو آپ کی طرف منسوب ہیں وہ درست ہیں۔ نہج البلاغۃ میں مندرج بعض باتیں بجائے خود صحیح ہیں اور وہ کلام علی ہوسکتی ہیں، مگر دراصل وہ آپ کی فرمودہ نہیں ہیں، بلکہ دوسروں کا کلام ہے۔ مشہور ادیب جاحظ کی کتاب ''البیان والتبیین'' میں کثرت سے دوسرے ادباء کا کلام نقل کیا گیا ہے۔ مگر صاحب نہج البلاغۃ اسے سیدنا علی کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ نہج البلاغۃ کے خطبات اگر فی الواقع سیدنا علی کے فرمودہ ہوتے تو نہج البلاغۃ کے مصنف سے پہلے ان کا بااسناد یا بے اسناد پایا جانا ضروری تھا۔ حالانکہ ان میں سے اکثر کا نہج البلاغۃ کے مصنف سے قبل کہیں پتہ نہیں ملتا۔ اس سے ان

---

[1] ان خطبات کا جامع محمد بن حسین رضی المتوفی ۴۰۶ھ ہے۔ یہ قطعی بات ہے کہ رضی نے اپنے بھائی علی بن حسین مرتضیٰ المتوفی ۴۲۶ھ کے اشتراک سے ان خطبات میں اضافہ کیا تھا۔ خصوصاً وہ جملے جو صحابہ کبار رضوان اللہ علیہم کی گستاخی سے متعلق ہیں ؛ وہ یقیناً بے اصل اور من گھڑت ہیں۔

خطبات کا جھوٹا ہونا واضح ہوتا ہے۔ ورنہ ناقل ہمیں بتائے کہ یہ خطبات کس کتاب میں مذکور ہیں؟ کس نے ان کو نقل کیا اور ان کی اسناد کیا ہے؟ ورنہ صرف دعویٰ کرنا کچھ مشکل نہیں ہے، جو شخص محدثین کے طریق کار سے آشنا ہے اور اخبار و آثار کو اسانید کے ساتھ پہچاننے کا سلیقہ رکھتا ہے وہ اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہے کہ جو لوگ سیدنا علی سے اس قسم کی باتیں نقل کرتے ہیں، وہ منقولات سے بے بہرہ ہیں اور صدق و کذب میں تمیز نہیں کر سکتے۔

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''سیدنا علی نے فرمایا: میرے گم ہو جانے سے پہلے جو پوچھنا چاہو، پوچھ لو، مجھ سے آسمان کے راستوں کے بارے میں پوچھو مجھے زمین کے راستوں سے ان کا زیادہ علم ہے۔''

ہم کہتے ہیں، سیدنا علی یقیناً یہ بات مدینہ میں نہیں کہا کرتے تھے جہاں ان کی طرح اور بھی اہل علم صحابہ موجود تھے۔ بلکہ آپ نے یہ الفاظ اس وقت فرمائے جب آپ عراق میں ان لوگوں کے درمیان اقامت گزیں تھے جو علم دین سے بے بہرہ تھے، آپ وہاں ایک امام کی حیثیت رکھتے تھے جس پر رعایا کی تعلیم و تربیت واجب ہوتی ہے۔

اگر فی الواقع سیدنا علی نے یہ الفاظ فرمائے تھے کہ ''اَنَا اَعْلَمُ بِطُرُقِ السَّمَآءِ'' تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ میں جانتا ہوں کہ آسمان والے کن اوامر و نواہی پر عمل کر کے تقرب حاصل کرتے ہیں۔ نیز یہ معنی کہ میں عبادت کرنے کے طریقے اور جنت و ملائکہ سے بخوبی آگاہ ہوں، جب کہ زمین پر مجھے ان چیزوں کا علم حاصل نہیں۔ یہ مراد نہیں کہ آپ بجسد عنصری آسمان پر چڑھ گئے ہیں۔ کوئی مسلم یہ بات نہیں کہتا۔ یہ روایت موضوع ہے اور اس کے اسناد کا کچھ پتہ نہیں۔ ایسی روایات ان غالی شیعہ کی گمراہی کا سبب بنتی ہیں جو ان سے سیدنا علی کی نبوت پر احتجاج کرتے ہیں اس سے بڑھ کر بہت سے عوام اور عابد و زاہد اپنے شیوخ کے بارے میں بھی اس قسم کے اعتقادات رکھتے ہیں۔

شیعہ کا یہ قول کہ صحابہ فتاویٰ میں سیدنا علی کی طرف رجوع کیا کرتے تھے:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''صحابہ مشکل مسائل میں سیدنا علی کی طرف رجوع کیا کرتے تھے سیدنا علی نے سیدنا عمر کے بہت سے فیصلے مسترد کر دیے تھے یہ دیکھ کر سیدنا عمر نے فرمایا اگر علی نہ ہوتے تو عمر

ہلاک ہو جاتا۔‘‘

ہم کہتے ہیں صحابہ نے کسی بھی مسئلہ میں کبھی بھی سیدنا علی کی طرف رجوع نہیں کیا تھا۔ جب کوئی نیا مسئلہ پیش آتا تو فاروق اعظم سیدنا علی، عثمان، ابن عوف، ابن مسعود، زید بن ثابت اور ابو موسیٰ رضی اللہ عنہم کے ساتھ مشورہ فرمایا کرتے تھے، سیدنا ابن عباس صغیر السن ہونے کے باوجود اس مشورہ میں شرکت فرماتے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو باہم مشورہ کرنے کا حکم دیا اور اس بات پر ان کی مدح فرمائی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَاَمۡرُهُمۡ شُوۡرٰی بَيۡنَهُمۡ﴾ (الشوری: ۴۲/ ۳۸)

’’وہ اپنے امور باہم مشورہ سے طے کرتے ہیں۔‘‘

یہی وجہ ہے کہ سیدنا عمر کی تدبیر و سیاست صحت و صواب کی آئینہ دار ہوا کرتی تھی۔ سیدنا ابن عباس نے جس قدر مشکل مسائل حل کیے تھے سیدنا علی طویل عرصہ میں بھی اس قدر مسائل کی گرہ کشائی نہ کر سکے تھے۔ سیدنا عمر کثیر العلم ہونے کے باوصف مشکل مسائل میں مشورہ لینے کے عادی تھے۔ لوگ اکثر آپ کے قول کی طرف رجوع کیا کرتے تھے۔ مثلاً عمریتین اور ’’عول‘‘ کے مسئلہ میں صحابہ نے آپ کے قول پر عمل کیا تھا۔ سیدنا عمر اوّلین شخص تھے جنھوں نے یہ فیصلہ صادر کیا تھا کہ جب میت کا خاوند اور والدین یا بیوی اور والدین موجود ہوں تو میت کی ماں کو باقی ماندہ ترکہ کا ایک تہائی ملے گا۔ اکابر صحابہ و فقہاء مثلاً سیدنا عثمان، ابن مسعود، علی، زید اور ائمہ اربعہ نے اس کا اتباع کیا تھا۔ سیدنا ابن عباس کو سیدنا عمر کے قول کا پتہ نہ چل سکا اور انھوں نے یہ فتویٰ دیا کہ میت کی ماں کو پورے ترکہ کا ایک تہائی ملے گا۔ صحابہ کی ایک جماعت نے آپ کے قول کو اختیار کیا ہے، مگر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا قول اقرب الی الصحت ہے۔

سیدنا عمر فاروق نے صرف ایک مسئلہ میں فرمایا تھا کہ اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔‘‘ بشرطیکہ اس کی صحت ثابت ہو جائے، اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں، سیدنا عمر اس قسم کے الفاظ ان لوگوں کے حق میں بھی کہہ دیا کرتے تھے جو سیدنا علی سے فروتر درجہ کے لوگ ہوا کرتے تھے۔ جس عورت نے مہر کے مسئلہ میں آپ سے تکرار کی تھی اس کے بارے میں آپ نے فرمایا تھا۔

’’آدمی نے غلطی کھائی اور عورت کی بات صحیح نکلی۔‘‘[1]

---

[1] المقصد العلی فی زوائد ابی یعلی الموصلی(۷۵۷)، مجمع الزوائد(۴/ ۲۸۴)

شیعہ مصنف لکھتا ہے۔

سیدنا علی مسائل کا حل الہام کے ذریعے معلوم کرلیا کرتے تھے۔‘‘

ہم کہتے ہیں کہ الہام کی اساس پر دین اسلام میں کوئی فیصلہ کرنا حلال نہیں ہے۔ اگر الہام کے ذریعہ شرعی احکام ثابت ہو جاتے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سب سے زیادہ حق دار تھے۔ اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعہ آپ کو مطلع کرتے کہ حق دار کون ہے اور اس طرح آپ کو شہادت کی ضرورت بھی لاحق نہ ہوتی۔ اگر شیعہ کہیں کہ سیدنا علی کو الہام کے ذریعہ شرعی احکام سے باخبر کیا جاتا تھا تو اس کے اثبات کے لیے کسی شرعی دلیل کی ضرورت ہے۔ احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

’’اُمَم سابقہ میں مُلہم من اللہ ہوا کرتے تھے، اگر میری امت میں ایسا کوئی شخص ہوا تو وہ عمر ہیں۔‘‘ [1]

اس کے باوجود سیدنا عمر کو اپنے الہام کی بنا پر کوئی فیصلہ صادر کرنے کا حق نہ تھا جب تک کہ وہ اسے کتاب وسنت پر پیش نہ کرتے۔ اگر ان کا الہام کتاب وسنت کے معیار پر پورا اترے گا تو اسے قبول کیا جائے گا ورنہ نہیں۔

شیعہ مصنف ذکر کرتا ہے کہ ایک گائے نے ایک گدھے کو مار ڈالا تو سیدنا علی نے اس کے بارے میں فیصلہ صادر کیا تھا۔‘‘

شیعہ نے اس کی کوئی اسناد ذکر نہیں کی، بلکہ دلائل اس کی تردید کرتے ہیں۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

’’ جُرُحُ الْعُجَمَآءِ جُبَارٌ‘‘ [2]

’’اگر جانور کسی کو زخمی کر دے تو اس کے مالک سے تاوان نہیں لیا جائے گا۔‘‘

---

[1] صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم، باب مناقب عمر بن الخطاب رضی الله عنه (حدیث:۳٦٨٩)، عن ابی هریرة رضی الله عنه ،صحیح مسلم ، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل عمر بن الخطاب رضی الله عنه(حدیث:۲۳۹۸)، عن عائشة رضی الله عنها۔

[2] صحیح بخاری، کتاب الدیات، باب المعدن جبار(حدیث:٦٩١٢)، صحیح مسلم۔ کتاب الحدود۔ باب جرح العجماء جبار(حدیث:١٧١٠)،

اس حدیث سے مستفاد ہوتا ہے کہ جب کوئی گائے یا بکری یا گدھا کسی چراگاہ میں چر رہے ہوں اور وہ کسی کے کھیت میں جا داخل ہوں۔ دن کا وقت ہو اور مالک کا اس میں کوئی قصور نہ ہو تو مویشی کے مالک سے کھیت کا تاوان وصول نہیں کیا جائے گا اور اگر رات کے وقت کسی کا مویشی کھیت میں داخل ہو کر نقصان کر دے تو بقول امام مالک و شافعی و احمد مویشی کا مالک نقصان کا ضامن ہو گا۔ امام ابوحنیفہ و ابن حزم فرماتے ہیں کہ مالک ضامن نہیں ہو گا۔

شیعہ کا قول کہ علی اَشجَعُ الناس تھے:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

’’سیدنا علی سب لوگوں سے زیادہ شجاع تھے۔ آپ کی تلوار سے اسلام کے قواعد و ارکان میں پختگی آئی اور تلوار ہی سے آپ نے نبی ﷺ سے تکلیفات کو دور کیا۔ آپ دوسرے لوگوں کی طرح جنگ سے کبھی نہیں بھاگے تھے۔‘‘

اس کا جواب یہ ہے کہ سیدنا علی کی شجاعت و نصرت اسلام کسی شک و شبہ سے بالا ہے، مگر یہ آپ کی خصوصیت نہیں، بلکہ متعدد صحابہ اس میں آپ کے سہیم و شریک تھے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ اشجع الناس تھے۔ سیدنا انس فرماتے ہیں کہ ایک روز اہل مدینہ گھبرا کر جدھر سے آواز آ رہی تھی ادھر کو چل پڑے، کیا دیکھتے ہیں کہ نبی ﷺ ابوطلحہ کے گھوڑے پر سوار تلوار گلے میں ڈالے اس طرف سے واپس آ رہے ہیں۔ آپ فرما رہے تھے ’’مت گھبراؤ۔‘‘ [1]

مسند میں سیدنا علی سے مروی ہے کہ جب سخت خطرہ کا موقع ہوتا تو آپ سب سے آگے آگے دشمن کے قریب تر ہوا کرتے تھے۔ [2]

شجاعت، قوت قلب اور خطرات میں ثابت قدم رہنے کا نام ہے۔ شدید گرفت اور جنگی مہارت بھی شجاعت میں داخل ہے۔ انتہائی شجاعت کے باوجود نبی اکرم نے ابی بن خلف کے سوا کسی کو قتل

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الجهاد۔ باب الحمائل و تعلیق السیف (حدیث:۲۹۰۸)، صحیح مسلم ۔ کتاب الفضائل باب شجاعته صلی اللّٰه علیه وسلم(حدیث:۲۳۰۷)

❷ مسند احمد(۱/۸۶)

نہیں کیا تھا۔ ❶ آپ کی شجاعت کا یہ عالم تھا کہ صحابہ جنگ حنین میں منتشر ہو گئے تھے، مگر آپ خچر پر سوار ہو کر بدستور دشمن کی طرف بڑھے جا رہے تھے، اس کے ساتھ ساتھ فرماتے جاتے تھے۔

"اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبُ ......اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبُ

"میں جھوٹا نبی نہیں ہوں...... میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔" ❷

جب امام میں قلبی شجاعت کی ضرورت ہوتی ہے تو اس میں شبہ نہیں کہ صحابہ میں سب سے دلیر سیدنا ابوبکر تھے۔ آپ آغاز اسلام ہی سے ان خطرات میں گھرے رہے جن میں نبی ﷺ مبتلا تھے، کبھی بزدلی دکھائی نہ بے قراری کا اظہار کیا۔ بلکہ خطرات و مہالک میں کود کر نبی کریم ﷺ کی حفاظت کرتے۔ مال و جان اور زبان سے جہاد میں حصہ لیتے۔ جنگ بدر میں سائبان کے نیچے نبی کریم ﷺ کے ہم راہ تھے۔ آپ فرما رہے تھے۔

"اے اللہ! اگر یہ مختصر سی جماعت ہلاک ہوگئی تو دنیا میں تیری عبادت کرنے والا کوئی نہ ہوگا۔"

ابوبکر برابر کہتے جا رہے تھے: "اے اللہ کے رسول! آپ کی یہ دعا کافی ہے، اللہ تعالیٰ آپ سے کیے ہوئے وعدوں کو پورا کریں گے۔ ❸

اس سے سیدنا ابوبکر کے یقین کامل اور عزم و ثبات پر روشنی پڑتی ہے۔ دعا کرنے سے نبی کریم ﷺ کی شان میں کوئی قدح وارد نہیں ہوتی، بلکہ یہ آپ کے کمال کی دلیل ہے اسباب پر تکیہ کرنا توحید کے منافی ہے اور اسباب سے بالکلیہ اعراض کر لینا بھی خلاف شرع ہے۔ رسول پر یہ فرض عاید ہوتا ہے کہ جہاد کے ذریعہ اقامت دین کی پوری پوری کوشش کرے اور اس راہ میں اپنی جان و مال اور بارگاہ ایزدی میں دعا کرنے اور اس پر مسلمانوں کو آمادہ کرنے سے گریز نہ کرے۔ بارگاہ ایزدی میں دست بدعا ہونا ایک عظیم جہاد ہے اور پیغمبر اس کا مامور ہوتا ہے۔ جب دل پر خوف و ہیبت

---

❶ سیرۃ ابن هشام(ص:۳۸۹)

❷ صحیح بخاری۔ کتاب المغازی۔ باب قول الله تعالی ﴿ وَ یَوْمَ حُنَیْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْکُمْ کَثْرَتُکُمْ ......﴾(حدیث:۴۳۱۵۔۴۳۱۷)، صحیح مسلم، کتاب الجهاد۔ باب غزوة حنین(حدیث:۱۷۷۶)

❸ صحیح مسلم۔ کتاب الجهاد، باب الامداد بالملائکة فی غزوة بدر، (حدیث: ۱۷۶۳)

چھا جائے اور عجز وانکسار کا غلبہ ہو تو بعض چیزیں جو ذہن میں محفوظ ہوتی ہیں یاد نہیں رہتیں۔ سیدنا ابوبکر کی عظیم خصوصیت یہ ہے کہ آپ نبی کریم ﷺ کے دست و بازو تھے۔ اور آپ کی مدافعت کرنے میں پیش پیش رہتے تھے۔

وفاتِ رسول کے بعد سیدنا صدیق کے کارہائے نمایاں:

جب سالار رُسل ﷺ نے رحلت فرمائی تو مسلمانوں پر مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہر شخص اپنی جگہ بے چین تھا اور ہوش و حواس کھو بیٹھا تھا۔ قیامت صغریٰ بپا ہو گئی۔ عرب دین اسلام سے منحرف ہو گئے۔ سیدنا ابوبکر صدیق صبر و یقین کی دولت سے بہرہ ور ہو کر کامل استقلال کے ساتھ کھڑے ہو گئے اور صحابہ کو بتایا کہ آپ وفات پا چکے ہیں۔ آپ نے فرمایا:

''جو شخص محمد (ﷺ) کا پرستار تھا، اسے معلوم ہونا چاہیے کہ آپ وفات پا چکے ہیں اور جو اللہ کی عبادت کرتا تھا، اسے واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ زندہ ہے اور اسے موت نہیں آئے گی۔''

پھر سیدنا ابوبکر نے یہ آیت پڑھی:

''اور محمد (ﷺ) تو صرف ایک رسول ہیں، آپ سے پہلے بہت سے رسول گزر گئے، اگر آپ وفات پا جائیں یا قتل کیے جائیں تو کیا تم دین اسلام سے منحرف ہو جاؤ گے اور جو شخص اپنی ایڑیوں کے بل پھر جائے گا تو اللہ کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔'' (آل عمران:۱۴۴)

لوگوں نے جب یہ آیت سن کر کچھ توجہ نہ دی تو آپ نے ایک خطبہ کے ذریعہ ان کی ڈھارس بندھائی اور ان میں جرأت و جلادت کے جذبات پیدا کیے۔ [1] نیز جیش اسامہ کو روانہ کیا۔ پھر جلد مرتدین کے خلاف جنگ چھیڑ دی۔ فاروق اعظم انتہائی شجاعت کے باوجود سیدنا ابوبکر سے کہا کرتے تھے: ''اے خلیفہ رسول! لوگوں سے الفت و محبت کا سلوک کیجیے''

جہاں تک کفار کو تہ تیغ کرنے کا تعلق ہے، بلاشبہ اس ضمن میں دیگر صحابہ سیدنا علی سے گوئے سبقت لے گئے تھے، جو شخص سیر و مغازی کے احوال و واقعات بہ امعان نظر پڑھتا ہے، وہ اس حقیقت

---

[1] صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ووفاتہ (حدیث: ٤٤٥٣، ٤٤٥٤)

کا اعتراف کرنے پر اپنے آپ کو مجبور پاتا ہے:

سیدنا انس کے بھائی براء بن مالک نے مبارزت طلبی کر کے سو کافروں کو موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ جن کے خون میں ان کے ساتھ اور لوگ بھی شریک تھے وہ اس پر مزید ہیں۔ ❶

خالد بن ولید کے ہاتھوں جو کفار واصل جہنم ہوئے ان کا تو کوئی شمار ہی نہیں۔ غزوۂ موتہ میں ان کے ہاتھ میں نو تلواریں ٹوٹی تھیں۔ ❷ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا: ''ہر نبی کا کوئی حواری ہوتا ہے اور میرا حواری زبیر ہے۔'' ❸

نبی کریم ﷺ نے یہ بھی فرمایا تھا: ''دورانِ جنگ ابوطلحہ کی آواز ایک کثیر جماعت پر بھاری ہے۔ ❹

امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں

''شیعہ کا قول ہے کہ سیدنا علی جہاد و قتال میں دیگر صحابہ پر فائق تھے۔ جہاد کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ جہاد کی پہلی قسم دین اسلام کی طرف زبان کے ساتھ دعوت دینا ہے یہ جہاد کی سب سے اعلیٰ قسم ہے۔

۲۔ جہاد کی دوسری قسم یہ ہے کہ مایوسی کے وقت رائے و تدبیر سے کام لیا جائے۔

۳۔ تیسری قسم کا جہاد۔ جہاد بالید ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ جہاد کی قسم اوّل میں نبی کریم ﷺ کے بعد کوئی شخص سیدنا ابوبکر کا ہم پلہ نہیں، اکابر صحابہ نے آپ کے دست حق پرست پر بیعت اسلام کی تھی۔ باقی رہے سیدنا عمر تو جب وہ اسلام لائے دین اسلام اس وقت زور پکڑ چکا تھا۔ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ جب سے عمر اسلام

---

❶ مستدرك حاکم(۳/۲۹۱)، مصنف عبد الرزاق(۹۴۹۶)، طبقات ابن سعد(۷/۲)

❷ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة موتة من ارض الشام(حدیث:۴۲۶۵)

❸ صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم، باب مناقب الزبیر بن العوام رضی الله عنه۔(حدیث:۳۷۱۹)، صحیح مسلم۔ کتاب فضائل الصحابة۔ باب من فضائل طلحة والزبیر رضی الله عنهما(حدیث:۲۴۱۵)

❹ مسند احمد(۳/۲۰۳)،طبقات ابن سعد(۳/۵۰۵)، مستدرك حاکم(۳/۳۵۳)

لائے ہم معزز ہو گئے۔''❶

خلاصہ کلام! سیدنا ابوبکر و عمر پہلی قسم کے جہاد میں عدیم النظیر تھے۔ سیدنا علی کا اس میں کچھ حصہ نہیں۔

دوسری قسم کا جہاد جس میں رائے و مشورہ سے کام لیا جاتا ہے سیدنا ابوبکر و عمر کے ساتھ مختص ہے۔

تیسری قسم کے جہاد میں سرور کائنات نے بہت کم حصہ لیا، مگر اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ آپ بزدل تھے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جہاد کی اس قسم میں سیدنا علی منفرد نہ تھے۔ بلکہ دیگر صحابہ اس میں برابر آپ کے سہیم و شریک تھے۔ مثلاً یہ صحابہ کرام، سیدنا طلحہ، زبیر، سعد، حمزہ، عبیدہ بن حارث، مصعب بن عمیر، سعد بن معاذ اور سماک بن ابی دجانہ (رضی اللہ عنہم) بڑے مجاہد تھے۔ بلاشبہ اس جہاد میں سیدنا ابوبکر و عمر نے بھی شرکت کی تھی، اگرچہ وہ اس ضمن میں ان مجاہدین تک نہ پہنچ سکے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مشغول رہا کرتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی کی نسبت زیادہ مرتبہ ابوبکر و عمر کو اطراف ملک میں امیر لشکر بنا کر بھیجا تھا۔ البتہ سیدنا علی نے خیبر کے بعض قلعے یقیناً فتح کیے تھے۔

شیعہ کا قول کہ شمشیر علی سے ارکان اسلام مضبوط ہوئے:

شیعہ مصنف کا یہ قول کہ شمشیر علی سے قواعدِ اسلام و ارکان ایمان مضبوط ہوئے۔'' صاف جھوٹ ہے اور اسلامی غزوات سے واقفیت رکھنے والا ہر شخص اس کے کذب کا گواہ ہے۔ البتہ یہ کہنا صحیح ہے کہ سیدنا علی کی ذات بھی ان اسباب و وسائل میں سے ایک تھی جن کے باعث دین اسلام نے تقویت پائی۔ جس طرح بدر میں بہت سی تلواریں آپ کی تلوار کے علاوہ اور بھی تھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ غزوات جن میں قتال کی نوبت آئی تھی کل نو تھے۔ سرور کائنات کی وفات کے بعد فارس و روم کی خطرناک لڑائیوں میں سیدنا علی نے مطلقاً حصہ نہیں لیا تھا۔ عہد رسالت کی لڑائیوں میں جو غلبہ حاصل کیا تھا وہ سیدنا علی کی کامیابی نہ تھی بلکہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض کا رہین منت تھا۔ سیدنا علی نے اپنے عہد خلافت میں جمل و صفین اور نہروان کی لڑائیوں میں جو غلبہ حاصل کیا تھا اس کی وجہ ان کے لشکر کی کثرت تعداد تھی۔ اس کے باوصف آپ نے اہل شام کے خلاف کوئی نمایاں کامیابی حاصل نہیں کی تھی بلکہ فریقین برابر تھے اور کسی کا پلہ بھی دوسرے سے بھاری نہ تھا۔

شیعہ مصنف کا یہ قول کہ ''سیدنا علی نے جنگ سے کبھی فرار اختیار نہیں کیا تھا۔''

---

❶ صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، باب مناقب عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ (حدیث: ٣٦٨٤)

ہم کہتے ہیں یہ سیدنا علی کی خصوصیت نہیں، بلکہ سیدنا ابوبکر و عمر اور دیگر صحابہ بھی اس وصف میں سیدنا علی کے برابر شریک ہیں، اور اگر اس قسم کی کوئی معمولی چیز وقوع میں آئی بھی ہے تو وہ پوشیدہ ہے اور نقل ہو کر ہم تک نہیں پہنچی۔ اس بات کا احتمال ہے کہ احد و حنین میں ایسی لغزش سیدنا علی سے بھی سرزد ہوئی ہو مگر ہم اس سے آگاہ نہ ہو سکے۔

شیعہ کا یہ قول کہ سیدنا علی نے نبی کریم ﷺ کی مشکلات کا ازالہ کیا'' دعویٰ بلا دلیل ہے سیدنا علی نے آپ کی ایک تکلیف کو بھی دور نہیں کیا تھا۔ البتہ سیدنا ابوبکر نے اس وقت آپ کی امداد کی تھی جب مشرکین نے مکہ میں آپ کو پیٹنا اور قتل کرنا چاہا تھا قرآن کریم میں اس واقعہ کو یوں بیان فرمایا:

﴿اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ یَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰهُ﴾ (سورۂ غافر: ۴۰/۲۸)

''کیا تم اس لیے ایک شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے''

مشرکین نے اس جرم میں سیدنا ابوبکر کو پیٹا تھا۔ [1]

سیدنا طلحہ نے غزوۂ احد میں نبی کریم ﷺ کی حفاظت کی تھی۔ اسی دوران آپ کا ایک ہاتھ کٹ گیا تھا۔ [2] طلحہ کہہ رہے تھے۔ اے اللہ کے رسول! میں آپ کے دفاع کے لیے آپ کے سامنے سینہ تانے کھڑا ہوں۔ [3] یہ بات غلط ہے کہ مشرکین نے احد میں نبی کریم ﷺ کو گھیر لیا تھا۔ اور سیدنا علی یا ابوبکر نے تلوار کے ساتھ چھڑایا تھا۔ غالباً شیعہ مصنف کا ماخذ قصہ کہانی کی کتابیں ہیں جو افسانہ گو قسم کے لوگوں نے تصنیف کی ہیں۔ مثلاً البکری کی ''تنقلات الانوار'' نیز سیرة البطال وعنترہ واحمد الدنف وغیرہ یا وہ کتابیں جو سکول کے طالب علم پڑھائی میں مہارت حاصل کرنے کے لیے کرایہ پر لے کر پڑھتے ہیں اور ان بے ہودہ کہانیوں کو پڑھ کر وہ رات بھر سو نہیں سکتے۔

بقول شیعہ سیدنا علی نے بدر میں چھتیس کافر قتل کیے تھے:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''غزوہ بدر کے موقع پر سیدنا علی کی عمر صرف ستائیس برس کی تھی آپ نے تنہا چھتیس

---

[1] صحیح بخاری، کتاب التفسیر۔ سورة المؤمن (حدیث: ۴۸۱۵، ۳۶۷۸)،

[2] صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب ﴿اِذْ هَمَّتْ طَّائِفَتَانِ مِنْكُمْ......﴾ (حدیث: ۴۰۶۳)

[3] صحیح بخاری، حوالہ سابق (حدیث: ۴۰۶۴)، صحیح مسلم۔ کتاب الجهاد۔ باب غزوة النساء مع الرجال (حدیث: ۱۸۱۱)، اس میں ہے کہ یہ کہنے والا ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ تھے۔ واللہ اعلم۔

آدمیوں کو قتل کیا تھا۔ جس قدر کفار کو غزوۂ بدر میں قتل کیا گیا تھا یہ تعداد اس کے نصف سے بھی زیادہ ہے، اس کے علاوہ آپ دیگر کفار کے قتل میں بھی شریک ہوئے تھے۔''

ہم کہتے ہیں یہ صریح جھوٹ ہے، روایات صحیحہ سے بہت سے کفار کا بدر میں قتل کیا جانا ثابت ہے جس میں سیدنا علی نے شرکت نہیں کی تھی۔ مثلاً ابوجہل وعقبہ وعتبہ بن ربیعہ وابی بن خلف وغیرہ۔

نقل کیا گیا ہے کہ جنگ بدر میں سیدنا علی نے دس کافروں کو قتل کیا تھا۔

غزوۂ احد کے بارے میں شیعہ کی افتراء پردازی:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''احد کے دن سیدنا علی کے سوا سب لوگ بھاگ گئے تھے، بعد ازاں چند صحابہ لوٹ آئے سب سے پہلے عاصم بن ثابت وابودجانہ وسہل بن حُنیف آئے۔ سیدنا عثمان تین دن کے بعد آئے، تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''آپ نے بہت دیر لگا دی۔'' فرشتوں نے جب سیدنا علی کے ثبات واستقلال پر تعجب کا اظہار کیا تو جبریل نے کہا: ''تلوار ہے تو ذوالفقار اور جوان ہے تو علی۔ اس جنگ میں سیدنا علی نے اکثر مشرکین کو قتل کیا تھا اور آپ کی وجہ سے مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی۔''

اس کا جواب یہ ہے کہ شیعہ مصنف شرم وحیا کے جذبات کو بالائے طاق رکھ کر ایسے اکاذیب نقل کرتا چلا آ رہا ہے جن کو چوپائے تو تسلیم کر سکتے ہیں، مگر ایک سلیم العقل انسان کبھی ماننے کے لیے تیار نہیں۔''

اس کا یہ قول بڑا حیرت ناک ہے کہ ''سیدنا علی کے کارہائے نمایاں کی وجہ سے غزوۂ احد میں مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی۔'' حالانکہ ہر کس وناکس جانتا ہے کہ مسلمانوں نے اس جنگ میں شکست کھائی تھی۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے۔

''جب تمھیں (غزوۂ احد میں) مصیبت پہنچی، جس سے دگنی تم کفار کو (بدر میں) پہنچا چکے تھے، تو تم نے کہا یہ مصیبت کہاں سے آ گئی، آپ فرما دیں کہ اس کے ذمہ دار تم خود ہو۔'' (سورۂ آل عمران: ۱۶۵)

غزوۂ احد کے آغاز میں مسلمانوں نے کفار کو شکست دی تھی۔ نبی کریم ﷺ نے درہ پر چند تیر اندازوں کو مقرر کر کے ہدایت کی تھی کہ وہ کسی قیمت پر اس جگہ کو نہ چھوڑیں، جب مشرکین شکست کھا کر

بھاگنے لگے تو تیر انداز مالِ غنیمت سمیٹنے میں لگ گئے، ان کے امیر عبداللہ بن جبیر نے بہت روکا مگر وہ باز نہ رہے۔ دشمن نے عقب سے حملہ کر دیا۔ شیطان چلایا ''محمد مارے گئے۔'' اس روز تقریباً ستر صحابہ نے شہادت پائی۔ نبی کریم ﷺ کا سر مبارک زخمی ہو گیا اور اگلے دانت ٹوٹ گئے۔ خُود آپ کے سر میں دھنس گیا اور اس کی کڑیاں آپ کے سر مبارک میں پھنس گئیں۔ اسی حالت میں آپ فرمانے لگے: ''وہ قوم کیسے نجات پائے گی جس نے اپنے نبی کے ساتھ یہ سلوک کیا۔'' تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

﴿لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ﴾ (آل عمران: ۱۲۸/۳) ❶

''اس امر میں آپ کا کوئی اختیار نہیں ہے۔''

نبی کریم ﷺ کے ساتھ احد میں صرف بارہ صحابہ رہ گئے تھے۔ ان میں ابوبکر و عمر و طلحہ و سعد رضی اللہ عنہم بھی شامل تھے۔ ❷ نبی کریم ﷺ کے اردگرد بہت سے صحابہ نے شہادت پائی۔ رئیس المشرکین نے کہا: ''ہُبَل کی جے! آج کا دن بدر کے دن کا جواب ہے۔'' ❸ مشرکین کے صرف چند آدمی قتل کیے گئے تھے۔ یہ غلط ہے کہ علی غزوۂ احد میں زخمی ہوئے تھے۔ اور جبریل نے آپ کو اٹھایا تھا۔ ہم رافضی مصنف سے پوچھتے ہیں کہ اس کی اسناد کہاں ہے اور اس کا ماخذ موضوعات کی کون سی کتاب ہے؟

شیعہ کا یہ قول جھوٹ ہے کہ جبریل نے کہا تھا: ''لَا سَیْفَ اِلَّا ذُو الْفَقَارِ'' ذوالفقار سیدنا علی کی تلوار کا نام نہیں ہے، بلکہ ابوجہل کی تلوار کا نام تھا۔ مسلمانوں نے جنگ بدر میں یہ تلوار مال غنیمت میں پائی تھی۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ نے ابوجہل کی ذوالفقار نامی تلوار بدر کے دن نفل (وہ حصہ جو امیر لشکر باقی مجاہدین کی نسبت زائد وصول کرتا ہے) کے طور پر خود لے لی تھی۔ اسی تلوار کے بارے میں آپ نے احد کے روز خواب دیکھا تھا کہ اس میں دندانے پڑ گئے ہیں۔ ❹ اس

---

❶ صحیح بخاری۔ کتاب المغازی باب ﴿لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ......﴾ تعلیقاً قبل رقم الحدیث (۴۰۶۹)، صحیح مسلم، کتاب الجهاد۔ باب غزوة احد، (حدیث: ۱۷۹۱)

❷ سیرة ابن هشام (ص: ۳۸۸)،

❸ صحیح بخاری۔ کتاب المغازی ۔ باب غزوة احد، (حدیث: ۴۰۴۳)

❹ مسند احمد (۲۷۱/۱)، سنن ترمذی، کتاب السیر، باب فی النفل (حدیث: ۱۵۶۱) سنن ابن ماجة، ۔ کتاب الجهاد، باب السلاح (حدیث: ۲۸۰۸)

کی تعبیر آپ نے مسلمانوں کی شکست سے فرمائی۔ نیز فرمایا کہ میں نے دیکھا میں اپنے پیچھے ایک مینڈھے کو سوار کیے ہوں، اس سے میں نے سالار لشکر مراد لیا۔ پھر میں نے دیکھا کہ میں ایک مستحکم قلعہ میں ہوں، میں نے اس کی تعبیر مدینہ سے کی۔ پھر میں نے دیکھا کہ ایک بیل کو ذبح کیا جا رہا ہے۔ اللہ کی قسم! بیل اچھا ہے۔ آپ نے یہ الفاظ دہرائے۔ [1]

غزوۂ احزاب میں سیدنا علی کی شجاعت:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''غزوہ احزاب میں دس ہزار کفار نے مدینہ کا محاصرہ کر لیا تھا۔ آپ تین ہزار صحابہ کے ساتھ مقابلہ کے لیے نکلے اور خندق کھودی، کفار میں سے عمرو بن عبدوُدّ اور عکرمہ بن ابی جہل نے خندق کے ایک شگاف میں سے داخل ہو کر مقابلہ کے لیے للکارا۔ سیدنا علی مقابلہ کے لیے کھڑے ہوئے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''یہ عمرو ہے'' علی چپ رہے۔ پھر عمرو نے دوسری اور تیسری مرتبہ للکارا۔ سیدنا علی مقابلہ کے لیے کھڑے ہوئے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''علی جاؤ میں تمھیں مقابلہ کی اجازت دیتا ہوں۔'' آخر کار سیدنا علی نے عمرو کو قتل کر دیا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''عمرو کو قتل کرنا جن و انس کی عبادت سے افضل ہے۔''

ہم کہتے ہیں اس واقعہ میں چند در چند جھوٹ جمع ہو گئے ہیں، مثلاً یہ کہ جب علی نے عمرو کو قتل کر دیا تو کافر بھاگ نکلے۔ یہ صاف جھوٹ ہے کفار بھاگے نہیں تھے، بلکہ انھوں نے محاصرہ جاری رکھا تھا۔ یہاں تک کہ نُعیم بن مسعود غطفانی نے ان میں پھوٹ ڈال دی۔ [2] اور اللہ تعالیٰ نے آندھی اور فرشتے بھیج کر کفار کو منتشر کر دیا اور وہ واپس لوٹنے پر مجبور ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ رَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا﴾ (الاحزاب:۳۳/۲۵)

''اور اللہ تعالیٰ نے کفار کو غصہ کی حالت میں لوٹا دیا اور وہ اپنا مقصد حاصل نہ کر سکے۔''

اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو لڑائی کے ذریعہ واپس نہیں لوٹایا تھا اور

---

[1] مسند احمد(۱/۲۷۱)

[2] سیرة ابن هشام(ص:۴۶۰۔۴۶۱)، طبقات ابن سعد(۲/۶۹)،مصنف عبد الرزاق (۵/۳۶۸۔۳۶۹)، دلائل النبوة(۳/۴۰۴۔۴۰۵)

نہ مسلمانوں نے انھیں شکست دی تھی۔ شیعہ نے جو روایت بیان کی ہے وہ یقیناً جھوٹی ہے۔ رسول کی ذات ایسی مبالغہ آمیزی سے پاک ہے۔ بھلا ایک آدمی کا قتل جن وانس کی عبادت سے افضل کیسے ہو سکتا ہے؟ اگر اس روایت کو درست تسلیم کیا جائے تو پھر نبی کریم ﷺ کو اذیت پہنچانے والے کفار مثلاً ابوجہل اور دیگر صنادید قریش کے قاتل کو بارگاہ ایزدی سے کیا انعام ملے گا؟ اس پر طرہ یہ کہ کسی روایت میں مذکور نہیں کہ عمرو نے نبی کریم ﷺ یا دین اسلام کو کوئی ضرر پہنچایا ہو۔

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''غزوہ بنی نضیر کے موقع پر سیدنا علی نے اس یہودی کو قتل کر دیا تھا جو نبی کریم ﷺ کے خیمہ پر پتھر چلا رہا تھا۔ انھوں نے مزید دس یہودیوں کو قتل کر دیا، باقی یہودی بھاگ نکلے۔''

ہم کہتے ہیں کہ یہ بالکل جھوٹ ہے۔ سورۂ حشر بالاتفاق بنی نضیر کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ یہ واقعہ غزوۂ احد سے قبل پیش آیا تھا۔ مسلمانوں نے بنی نضیر کا محاصرہ کر کے ان کے کھجوروں کے درخت کاٹ ڈالے تھے۔ بنی نضیر قلعہ بند ہو گئے تھے۔ آخر اس بات پر مصالحت ہو گئی کہ یہود کو جلا وطن کر دیا جائے گا۔ چنانچہ آپ نے ان کو جلا وطن کر دیا وہ اسلحہ جنگ کے سوا اپنا تمام سامان اونٹوں پر لاد کر لے گئے۔ یہاں تک کہ مکانوں کا ملبہ بھی اونٹوں پر لاد لیا اور خیبر و شام کی طرف نکل گئے۔ ❶

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''غزوۂ سلاسل میں ایک اعرابی نے نبی کریم ﷺ کو بتایا کہ کفار مدینہ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: کون شخص وادی مدینہ کی حفاظت کرے گا۔؟'' ابوبکر نے کہا اے اللہ کے رسول! میں کروں گا۔'' چنانچہ آپ نے سیدنا ابوبکر کو سات سو صحابہ کی معیت میں جھنڈا دے کر روانہ کیا۔ جب آپ دشمنوں کی طرف پہنچے تو انھوں نے کہا لوٹ جائیے، ہماری تعداد بہت ہے آپ واپس چلے گئے۔ دوسرے روز سیدنا عمر کے ساتھ بھی یہی واقعہ پیش آیا۔ تیسرے روز آپ نے فرمایا: علی کہاں ہیں؟ نبی

---

❶ سنن ابی داؤد، کتاب الخراج۔ باب فی خبر بنی نضیر(حدیث:٣٠٠٤،٣٠٠٥)، مصنف عبد الرزاق(٩٧٣٣)، سیرة ابن هشام(ص:٤٤١۔٤٤٢)

کریم ﷺ نے سیدنا علی کو جھنڈا دے کر رخصت کیا۔ آپ نے دشمن کے چھ سات آدمی ہلاک کر دیے۔ اور باقی بھاگ گئے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل کی۔﴿وَالْعَادِيَاتِ ضَبْحًا﴾(العادیات: ۱۰۰/ ۱)

ہم کہتے ہیں کہ ایسا کوئی غزوہ سرے سے وقوع پذیر ہی نہیں ہوا۔ یہ اسی قسم کا افسانہ ہے جیسے عنترہ اور بطال کے لایعنی افسانے لوگوں میں مشہور ہیں۔

مندرجہ ذیل علماء نے سیر و مغازی کے فن میں بڑی مہارت حاصل کی تھی، مگر ان میں سے کسی نے بھی یہ واقعہ بیان نہیں کیا۔

مغازی کے مشہور علماء کے اسماء یہ ہیں:

عروہ، زہری، ابن اسحاق، موسیٰ بن عقبہ، ابو معشر سندھی، لیث بن سعد، ابو اسحاق فزاری، ولید بن مسلم، واقدی، یونس بن بکیر، ابن عائذ اور ان کے نظائر و امثال وغیرہ۔

مذکورہ صدر آیات کریمہ اس واقعہ میں نازل نہیں ہوئی تھی، بلکہ بہ اتفاق یہ سورت مکہ میں اتری۔ اس آیت کی تفسیر میں سیدنا علی سے منقول ہے کہ﴿الْعَادِيَات﴾ سے حاجیوں کے اونٹ مراد ہیں، جو مزدلفہ اور منیٰ کے درمیان بھاگتے ہیں۔ سیدنا ابن عباس اور اکثر مفسرین اس سے مجاہدین کے گھوڑے مراد لیتے ہیں۔

غزوۂ خیبر میں سیدنا علی کی شجاعت:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''سیدنا علی نے بنی مصطلق میں سے مالک اور اس کے بیٹے کو قتل کر دیا اور بہت سے لوگوں کو قیدی بنالیا تھا۔ جن میں سیدنا جویریہ بھی تھیں۔''

ہم کہتے ہیں کہ یہ واقعہ روافض کی بے اصل و بے اسناد مرویات میں شامل ہے۔ شیعہ کی بیان کردہ روایات یا تو بلا اسناد ہوتی ہیں یا ان کے راوی مجہول، کذاب اور متہم بالکذب ہوتے ہیں۔ یہ واقعہ کسی سیرت نویس نے نہیں لکھا کہ سیدنا علی نے غزوۂ بنی مصطلق میں یہ کارنامہ سرانجام دیا یا سیدنا جویریہ کو قیدی بنایا تھا۔ جویریہ کو جب قیدی بنایا گیا تو انھوں نے بدل کتابت ادا کر کے آزاد ہونے کی خواہش کا اظہار کیا۔ نبی کریم ﷺ نے یہ رقم ادا کر کے ان کو آزاد کرالیا اور پھر ان کے ساتھ عقد نکاح باندھا، نبی ﷺ کے رشتۂ مصاہرت کے احترام میں سب لوگوں نے اپنے اپنے قیدی رہا

کر دیے۔ ❶

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''غزوۂ خیبر میں اللہ تعالیٰ نے سیدنا علی کے ہاتھوں مسلمانوں کو فتح عنایت فرمائی۔ نبی کریم ﷺ نے باری باری ابوبکر و عمر کو جھنڈا عنایت فرمایا مگر دونوں نے شکست کھائی۔ سیدنا علی نے قلعہ کا دروازہ اکھاڑ کر اس کا پل بنالیا۔ اس دروازہ کو بیس آدمی بند کیا کرتے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''علی نے یہ دروازہ جسمانی قوت سے نہیں، بلکہ تائید ربانی سے اکھاڑا ہے۔ فتح مکہ بھی سیدنا علی کی شجاعت و بسالت کی رہین منت تھی۔''

ہم کہتے ہیں خیبر کی فتح ایک ہی دن میں حاصل نہیں ہوئی تھی۔ خیبر کے متعدد قلعے تھے، بعض جنگ سے فتح ہوئے تھے اور بعض مصالحت سے۔ یہود نے مصالحت کے بعد پھر جنگ چھیڑ دی۔ سیدنا ابوبکر و عمر نے ہزیمت نہیں اٹھائی تھی۔ شیعہ کا یہ بیان جھوٹ ہے۔ نقل کیا گیا ہے کہ سیدنا علی نے دروازہ اکھاڑا تھا۔ مگر یہ بے اصل ہے کہ بیس آدمی اسے بند کیا کرتے تھے، یا یہ کہ اس کا پل بنا لیا گیا تھا، جہاں تک فتح مکہ کا تعلق ہے سیدنا علی نے اتنا ہی حصہ لیا تھا جتنا دیگر صحابہ نے فتح مکہ کی روایات متواترہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''سرور کائنات ﷺ نے خالد بن ولید کو دائیں بازو اور سیدنا زبیر کو بائیں بازو اور ابوعبیدہ کو لشکر کے پچھلے حصہ پر متعین کیا تھا۔ آپ نے ابو ہریرہ کو بلا کر انصار کو حاضر کرنے کا حکم دیا۔ انصار بھاگتے ہوئے آئے۔ فرمایا کیا تم قریش کے کمینوں کو دیکھ رہے ہو؟ عرض کیا: ''ہاں'' فرمایا جب میدان جنگ میں کل ان سے ملو تو انھیں تہس نہس کردو۔ آپ نے اپنا دایاں ہاتھ بائیں پر رکھ کر بتایا کہ یوں انھیں ملیا میٹ کردو۔ فرمایا کوہ صفا کے قریب یہ مقابلہ ہوگا۔ اگلے روز جو شخص بھی نظر آیا انصار نے

---

❶ صحیح بخاری، کتاب العتق۔ باب من ملك من العرب رقیقا(حدیث:٢٥٤١)، وصحیح مسلم۔ کتاب الجهاد۔ باب جواز الاغارة علی الکفار(حدیث:١٧٣٠)، مختصراً سنن ابی داؤد، کتاب العتق، باب فی بیع المکاتب اذا فسخت الکتابة (حدیث: ٣٩٣١)، سیرة ابن هشام(ص:٤٩٠۔٤٩٣) طبقات ابن سعد (٢/٦٣۔ ٦٤)

اسے موت کی نیند سلا دیا۔ نبی کریم ﷺ کوہِ صفا پر چڑھ گئے۔ انصار کوہ صفا کے اردگرد گھومنے لگے۔ اسی دوران ابوسفیان آئے اور کہا، اے اللہ کے رسول! قریش کا نام و نشان مٹ گیا۔ آج کے بعد قریش کہیں نظر نہیں آئیں گے۔ یہ سن کر نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوگا وہ باامن رہے گا، جو ہتھیار ڈال دے اس سے بھی تعرض نہیں کیا جائے گا۔ جو اپنا دروازہ بند کرلے گا ہم اسے بھی کچھ نہیں کہیں گے۔'' [1]

غزوۂ حنین میں سیدنا علی کی جلادت و بسالت:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''غزوہ حنین میں آپ دس ہزار کا لشکر لے کر نکلے تو ابوبکر نے فخریہ انداز میں کہا، آج ہم پر کون غالب آسکتا ہے؟ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صحابہ بھاگ کھڑے ہوئے اور آپ کے ساتھ صرف نو ہاشمی اور ابن ام ایمن رہ گئے۔ سیدنا علی سب سے آگے تھے آپ نے مشرکین کے چالیس آدمی قتل کردیے، باقی مشرک بھاگ گئے۔''

ہم کہتے ہیں یہ خودساختہ جھوٹ ہے۔ ہمارے سامنے کتب مسانید اور سِیَر اور تفاسیر پڑی ہیں، کسی کتاب میں مذکور نہیں کہ مسلمانوں کو سیدنا ابوبکر کی نظر لگ گئی تھی۔ مسلمانوں نے صرف یہ الفاظ کہے تھے کہ آج ہم قلت تعداد کی وجہ سے مغلوب نہیں ہو سکتے۔'' [2] یہ بات بھی جھوٹ ہے کہ آپ کے ساتھ نو آدمی باقی رہ گئے تھے۔ ابن اسحاق کا قول ہے کہ مہاجرین وانصار اور آپ کے اہل بیت کی ایک جماعت آپ کے ساتھ باقی رہی تھی۔ سیدنا ابوبکر و عمر و علی و عباس و ابوسفیان و ربیعہ و اُسامہ و ایمن رضی اللہ عنہم کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جو نبی کریم ﷺ کی رفاقت میں ثابت قدم رہے تھے۔ [3]

شیعہ کا یہ قول کہ سیدنا علی نے نبی ﷺ کے آگے چالیس آدمیوں کو قتل کیا تھا'' صریح کذب

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الجهاد۔ باب فتح مكة(حدیث:١٧٨٠)، سنن ابی داؤد كتاب الخراج ـ باب فی خبر مكة(حدیث:٣٠٢٤)

[2] سيرة ابن هشام(ص:٥٦٥)، طبقات ابن سعد(١٥٠/٢)، مجمع الزوائد (١٧٨/٦)، دلائل النبوة (١٢٣/٥)

[3] سيرة ابن هشام مسند احمد(٤٥٣/١ـ٤٥٤)

ہے، کسی قابل اعتماد شخص نے یہ بات نہیں کہی۔ بخاری و مسلم میں سیدنا براء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خچر سے اتر پڑے۔ بارگاہِ ایزدی میں دعا کی اور فرمایا:

"اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ۔ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ"

''میں جھوٹا نبی نہیں ہوں۔ میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔''

سیدنا براء فرماتے ہیں شدید جنگ کی حالت میں ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اوٹ میں بچاؤ حاصل کیا کرتے تھے۔ ہم اس شخص کو بہادر سمجھا کرتے تھے جو آپ کے برابر ہوا کرتا تھا۔ [1] صحیح مسلم میں سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ غزوۂ حنین میں جب کفار نے آپ کو گھیر لیا تو آپ نے سواری سے اتر کر مٹی کی ایک مٹھی لی اور کفار پر پھینک دی، پھر فرمایا: ''شَاهَتِ الْوُجُوْه'' اللہ کرے یہ چہرے ذلیل ہوں۔'' وہاں جتنے آدمی موجود تھے سب کی آنکھیں مٹی سے بھر گئیں اور وہ پیٹھ پھیر کر چل دیے۔'' [2]

اخبار بالمغیبات اور سیدنا علی:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''سیدنا علی غیب کی خبریں دیا کرتے تھے اور وقوع پذیر ہونے والے واقعات سے قبل از وقت آگاہ کر دیا کرتے تھے۔ طلحہ و زبیر نے جب عمرہ کرنے کی اجازت طلب کی تھی تو سیدنا علی نے فرمایا تھا کہ آپ کا مقصد عمرہ کرنا نہیں، بلکہ آپ بصرہ جانا چاہتے ہیں۔ آپ کا ارشاد بجا تھا۔ سیدنا علی ذی قار کے مقام پر بیعت لے رہے تھے تو آپ نے فرمایا کوفہ کی طرف سے ایک ہزار آدمی آئیں گے۔ کم نہ زیادہ وہ موت پر میری بیعت کریں گے۔ چنانچہ اسی طرح ہوا، ان میں سے آخری شخص اُویس قرنی تھے۔ آپ نے پستان والے خارجی کے قتل کی خبر دی تھی آپ نے قبل از وقت اپنے قتل سے آگاہ کر دیا تھا۔ آپ نے ابن شہر یار ملعون کے بارے میں فرمایا تھا کہ اسے سولی دی جائے گی چنانچہ معاویہ نے اسے سولی چڑھا دیا۔ آپ نے ہیثم کھجور فروش سے کہا تھا کہ دس

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الجهاد، باب من قاد دابة غیره فی الحرب(حدیث:٢٨٦٤)، صحیح مسلم، کتاب الجهاد۔ باب غزوة حنین(حدیث:١٧٧٦/٧٩)

[2] صحیح مسلم۔ کتاب الجهاد، باب غزوة حنین(حدیث:١٧٧٧)

آدمیوں کو پھانسی دی جائے گی، ان میں دسواں شخص ہیثم ہوگا۔ آپ نے اسے وہ کھجور کا درخت بھی دکھایا تھا جس پر اسے پھانسی دی جانے والی تھی اور اسی طرح وقوع میں آیا۔ آپ نے رُسید الہجری کو بتایا تھا کہ اسے پھانسی دی جائے گی۔ آپ نے خبر دی تھی کہ حجاج۔ کُمیٰ بن زیاد اور قنبر کو قتل کرے گا۔ چنانچہ اسی طرح ہوا۔

’’سیدنا علی نے براء بن عازب سے کہا تھا کہ میرے بیٹے حسین کو قتل کیا جائے گا اور تم اس کی مدد نہیں کرو گے اور اسی طرح ہوا۔ آپ نے فرمایا تھا کہ بنو عباس آسانی سے اقتدار سنبھال لیں گے اور اگر ترک و دَیلم اور ہندو سندھ کے لوگ مل کر ان کی سلطنت چھیننا چاہیں تو اس پر قادر نہ ہوں گے جب تک کہ ان کے موالی اور ارباب دولت ان سے الگ نہ ہو جائیں۔ ترک کا ایک بادشاہ ان پر مسلط ہوگا وہ اس جگہ سے آئے گا جہاں سے ان کی سلطنت کا آغاز ہوا تھا۔ جس شہر پر سے اس کا گزر ہوگا اسے فتح کرے گا، اس کے مقابلہ کے لیے جو جھنڈا بلند کیا جائے گا وہ اسے سرنگوں کر دے گا، جو اس کی مخالفت کرے گا اس کے لیے ہلاکت و تباہی ہے، وہ سب پر کامیابی حاصل کرے گا۔ اس کی کامیابی کا انحصار میرے اہل بیت کے ایک شخص پر ہوگا، جو حق کی بات کہے گا اور حق پر عمل پیرا ہوگا۔ سیدنا علی نے جس طرح فرمایا تھا اسی طرح ہوا اور ہلاکو خان خراسان کے علاقہ سے نکل کر حملہ آور ہوا۔‘‘ (شیعہ مصنف کا بیان ختم ہوا۔)

ہم کہتے ہیں غیب کی خبریں تو سیدنا علی سے کم درجہ کے صلحاء بھی دیا کرتے تھے جو امامت و خلافت کے اہل نہ تھے۔ سیدنا ابوہریرہ و حذیفہ و دیگر صحابہ سے اس سے کئی گنا زیادہ خبریں نقل کی گئی ہیں۔ ابوہریرہ مرفوعاً ایسی روایات بیان کرتے اور حذیفہ کبھی مرفوع کرتے اور کبھی نہ کرتے۔ اس قسم کی یا تو انھوں نے نبی کریم ﷺ سے سن کر بیان کی ہیں یا وہ سیدنا عمر و علی کے کشف پر مبنی ہیں۔

امام احمد کی کتاب الزہد۔ ابونُعیم کی حِلیۃ الاولیاء اور ابن ابی الدنیا، خلال و لالکائی کی کرامات الاولیاء میں بکثرت ایسی روایات صحابہ و تابعین و تبع تابعین سے نقل کی گئی ہیں۔ شیعہ مصنف نے غیبی خبروں سے تملق سیدنا علی کے جو واقعات تحریر کیے ہیں ہم ان کی صحت کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ ان میں سے بعض تو بالکل جھوٹے ہیں۔ ہلاکو نے کسی علوی کو ضرر نہیں پہنچایا تھا۔ اس لیے یہ خبر شیعہ کے متعلق و نفاق کی دلیل ہے، سیدنا علی بعض اوقات اپنی لڑائیوں اور دیگر معاملات کے بارے میں ایک رائے

قائم کرتے اور وہ غلط ثابت ہوا کرتی تھی۔ اگر آپ کو یہ علم ہوتا کہ لڑائیوں میں لاتعداد جانیں ضائع ہوں گی اور مقصد بھی حاصل نہ ہوگا تو آپ لڑائی میں حصہ نہ لیتے۔ جنگ آزمائی سے کنارہ کش ہونے کی صورت میں آپ زیادہ کامیاب و کامران ثابت ہوتے، اگر آپ جانتے ہوتے کہ میرے مقرر کردہ حکم یہ فیصلہ صادر کریں گے تو آپ تحکیم پر راضی نہ ہوتے۔ پھر آپ کا غیبی علم کہاں گیا؟ اور شیعہ کا یہ دعویٰ کہاں تک درست ہے کہ آپ تلوار سے نبی کریم ﷺ کی مشکلات کا ازالہ کیا کرتے تھے؟ مقام حیرت ہے کہ صفین میں آپ کی پشت پناہی کے لیے نوے ہزار اشخاص موجود تھے آپ پھر بھی معاویہ پر غالب نہ آسکے۔

سیدنا علی کے بارے میں روافض کے اکثر دعاوی ایک دوسرے کی نقیض ہیں، شیعہ کے غلوّ کا یہ عالم ہے کہ آپ کو معصوم قرار دیتے اور کہتے ہیں کہ آپ سے سہو کا امکان نہیں۔ شیعہ کا دعویٰ ہے کہ سیدنا علی غیب دان تھے۔

اللہ تعالیٰ نے سیدنا علی کو جو شجاعت ودیعت کر رکھی تھی، شیعہ اس پر قناعت نہیں کرتے بلکہ آپ کے بارے میں ایسی ایسی باتیں اختراع کرتے ہیں جو فوق البشر ہیں اور جن کو کوئی سلیم العقل آدمی تسلیم نہیں کرسکتا۔ اس کے عین برعکس شیعہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ جب سیدنا ابوبکر مسند خلافت پر متمکن ہوئے تھے تو سیدنا علی ان کے مقابلہ سے عاجز تھے حالانکہ ابوبکر اس وقت مال و رجال دونوں کے لحاظ سے کمزور تھے۔ یہ تناقض نہیں تو اور کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَیَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ وَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ﴾

(الانفال: ۸/۶۲-۶۳)

''وہ اللہ ہی کی ذات ہے جس نے تجھے اپنی اور مومنوں کی نصرت سے نوازا اور مومنوں کے دلوں میں الفت پیدا کردی۔''

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب مومنین سے نبی کریم ﷺ کی تائید فرمائی تھی اس میں سیدنا علی اور دیگر اہل ایمان سب شامل ہیں، سیدنا علی کے مندرجہ ذیل قول سے ان کے علم غیب کی نفی ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں:

لَقَدْ عَجَزْتُ عَجْزَةً لَّا اَعْتَذِر

سَوفَ اَکِیسُ بَعُدَهَا وَ اَستَمِرّ
وَ اَجمَعُ الرَّأیَ الشَّتِیتَ المُنتَشَرُ

''میں معذرت نہیں کر رہا، بلکہ یہ سچ ہے کہ میں عاجز آ گیا ہوں۔ اس کے بعد میں غوروفکر سے کام لوں گے اور (سیدھی راہ پر) چلتا رہوں گا۔ نیز بکھری ہوئی پراگندہ رائے یک جا کروں گا۔''

سیدنا علی جنگ صفین میں فرمایا کرتے تھے: ''اے حسن! تیرے باپ کا یہ خیال نہ تھا کہ معاملہ یہاں تک پہنچے گا۔ سعد بن مالک اور عبداللہ بن عمر نے فتنہ سے الگ رہ کر کتنا اچھا موقف اختیار کیا تھا۔ اگر وہ نیک تھے تو انھیں بڑا اجر ملے گا اور اگر گناہ گار تھے تو اس میں چنداں خطرہ نہیں ہے۔''

سیدنا علی سے بتواتر منقول ہے کہ آپ اپنے اصحاب و احباب کے اختلاف سے بڑے بے چین رہا کرتے تھے۔ واقعات نے ثابت کر دیا تھا کہ جنگ آزمائی سے باز رہ کر سیدنا حسن نے امت پر عظیم احسان کیا تھا۔ آپ نے سعد و سعید و ابن عمر و محمد بن مسلمہ و زید بن ثابت و عمران بن حصین اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرح ترک قتال کا موقف اختیار کیا تھا یہ اکابر اپنے موقف کے اثبات میں نصوص کتاب و سنت سے استناد کرتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ ایک فتنہ بپا ہوگا جو شخص اس میں بیٹھ رہے گا وہ کھڑا ہونے والے سے افضل ہوگا۔ [1] تاہم جو لوگ سیدنا علی کے خلاف نبرد آزما ہوئے تھے آپ نے کسی کی تکفیر نہیں کی تھی۔ یہاں تک کہ وہ خوارج کو بھی کافر قرار نہیں دیتے تھے آپ نے ان کی اولاد کو لونڈی غلام نہیں بنایا تھا۔ آپ طلحہ و زبیر سے رضا مند تھے۔ سیدنا معاویہ و عمر بن العاص کے حق میں بددعا کیا کرتے تھے مگر ان کو کافر نہیں قرار دیتے تھے۔

سیدنا علی مستجاب الدعوات تھے:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''سیدنا علی مستجاب الدعوات تھے۔ آپ نے بشر بن ارطاۃ کے حق میں بددعا کی کہ اللہ اسے پاگل کر دے، چنانچہ اسی طرح ہوا۔ غیرار کے حق میں اندھا ہونے اور انس نے جب شہادت چھپائی تو اس کے حق میں برص کا عارضہ لاحق ہونے کی دعا کی۔ آپ کی

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الفتن۔ باب تکون فتنة القاعد فیها خیر من القائم (حدیث: ۷۰۸۱)، صحیح مسلم۔ کتاب الفتن۔ باب نزول الفتن کمواقع القطر (حدیث: ۲۸۸۶)

یہ بد دعا مقبول ہوئی زید بن ارقم ان کی بد دعا سے اندھا ہو گیا۔‘‘

ہم کہتے ہیں کہ یہ سیدنا علی کی خصوصیت نہیں، بلکہ صحابہ و دیگر صلحاء میں دعا کی مقبولیت ایک عام چیز ہے۔ سعد بن ابی وقاص کے حق میں نبی کریم ﷺ نے دعا فرمائی تھی کہ ان کی ہر دعا مقبول ہو۔ [1] چنانچہ آپ کی کوئی دعا مسترد نہیں کی جاتی تھی۔ سیدنا براء بن مالک رضی اللہ عنہ جب کسی بات پر حلف اٹھا لیتے تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کو پورا کر دیتے۔ حدیث میں آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

’’اللہ کے بعض بندے ایسے بھی ہیں کہ اگر وہ کسی بات پر حلف اٹھالیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کو پورا کر دیتے ہیں۔‘‘ برا بن مالک کا شمار بھی اسی قسم کے لوگوں میں سے ہوتا تھا۔ [2] انھوں نے یکے بعد دیگرے ایک سو آدمیوں سے مبارزت طلبی کی تھی۔ [3]

علاء بن حضرمی جو پہلے نبی کریم ﷺ اور بعد ازاں سیدنا ابوبکر کی طرف سے بحرین کے عامل تھے۔ قبولیت دعا میں مشہور تھے۔ [4]

سیدنا علی کی جنوں سے جنگ آزمائی:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

’’جمہور سے مروی ہے کہ نبی ﷺ جب بنی المصطلق کی طرف روانہ ہوئے تو ایک دشوار گزار وادی میں سے گزرے۔ جبریل نے آکر اطلاع دی کہ اس وادی میں جن پوشیدہ ہیں اور آپ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے سیدنا علی کو بلا کر اس وادی میں اترنے کا حکم دیا اور آپ نے ان کو تہہ تیغ کر دیا۔‘‘

ہم کہتے ہیں کہ جنوں کو ہلاک کرنا اتنا بڑا کارنامہ نہیں، ہمارے خیال میں سیدنا علی کا مقام اس سے کہیں بلند تھا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ واقعہ خود ساختہ اور جھوٹا ہے کسی انسان نے کبھی جنوں سے مقابلہ نہیں کیا، یہ اسی قسم کا من گھڑت واقعہ ہے جیسے شیعہ کا ساختہ پرداختہ یہ قصہ کہ سیدنا علی نے چاہ

---

[1] سنن ترمذی، کتاب المناقب ، باب مناقب ابی اسحاق سعد بن ابی وقاص رضی الله عنه(حدیث:۳۷۵۱)

[2] سنن ترمذی، کتاب المناقب۔ باب مناقب البراء بن مالك رضی الله عنه، (حدیث:۳۸۵٤)

[3] مستدرك حاكم(۳/۲۹۱)، مصنف عبد الرزاق(۹٤۹٦) طبقات ابن سعد(۷/۱۰)

[4] البداية والنهاية(٦/۳۲۸)، طبقات ابن سعد(٤/۷۸)

ذات العلم میں جنوں سے لڑائی کی تھی، اس قسم کے خود ساختہ واقعات ہمارے نزدیک قبول نہیں ہو سکتے۔ ہوسکتا ہے کہ شیعہ انھیں تسلیم کرلیں۔ ہماری نگاہ میں سیدنا علی کا منصب و مقام اس سے کہیں بلند تر تھا کہ جن آپ کے مقابلہ میں ٹھہر سکتے۔''

کسی شیعہ نے مشہور محدث ابوالبقاء خالد بن یوسف نابلسی سے سیدنا علی کی جنوں سے لڑائی کے بارے میں دریافت کیا گیا۔ انھوں نے کہا گروہ شیعہ عقل و خرد سے کس قدر بے گانہ ہے۔ تمھیں اتنی بھی عقل نہیں؟ اچھا یہ بتاؤ، عمر افضل تھے یا علی؟ شیعہ نے جواباً کہا ''علی'' وہ کہنے لگے، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عمر کے بارے میں فرمایا تھا کہ جبعمر ایک راہ پر چلتے ہیں تو شیطان وہ راستہ چھوڑ کر دوسری راہ اختیار کرتا ہے۔'' جب شیطان عمر سے دم دبا کر بھاگتا تھا تو اس کی اولاد سیدنا علی سے کیوں کرلڑ سکے گی؟

محدث ابن الجوزی نے اپنی کتاب ''الموضوعات'' میں سیدنا علی کی جنوں سے نبرد آزمائی کے بارے میں ایک طویل روایت بیان کی ہے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عازم مکہ ہوئے تو لوگوں کو سخت گرمی اور پیاس لگی۔ آپ **جحفہ** کے مقام پر اترے اور فرمایا: ''جو شخص چند آدمیوں کی معیت میں جا کر چاہ ذات العلم سے پانی کی مشکیں بھر لائے میں اس کے لیے جنت کا ضامن ہوں۔'' پھر طویل حدیث بیان کی اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ آپ نے یکے بعد دیگرے دو آدمی بھیجے مگر وہ جنوں سے ڈر کر واپس آ گئے، پھر آپ نے سیدنا علی کو بھیجا، وہ انتہائی خطرہ کے باوجود پانی کی مشکیں بھر لائے۔ آپ نے فرمایا: ''جس جن نے آپ کو آواز دی تھی وہ سماعہ بن غراب تھا جس نے دشمن اللہ اصنام قریش کے شیطان مسخر نامی کو واصل جہنم کیا تھا۔'' ابن الجوزی کہتے ہیں، یہ روایت موضوع ہے، اس روایت میں المفید و محمد بن جعفر وسکونی تینوں مجروح راوی ہیں۔ ابوالفتح ازدی کہتے ہیں، اس حدیث کی سند میں عمارہ بھی ہے جو حدیثیں وضع کیا کرتا تھا۔

سیدنا علی کے لیے رجوع آفتاب:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''دو مرتبہ سیدنا علی کے لیے سورج کو لوٹایا گیا تھا۔ ایک مرتبہ رجوع آفتاب کا واقعہ عہد رسالت میں پیش آیا۔ جابر و ابوسعید نے روایت کیا ہے کہ ایک دفعہ جبرائیل نازل ہو کر

نبی کریم ﷺ کے ساتھ بات چیت میں مصروف تھے۔ نبی کریم ﷺ سیدنا علی کی ران پر سر رکھے لیٹے رہے، یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو گیا۔ سیدنا علی نے اشارہ سے عصر کی نماز ادا کی۔ جب نبی کریم ﷺ بیدار ہوئے تو سیدنا علی سے کہا کہ دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ سورج کو لوٹا دے تاکہ آپ کھڑے ہو کر عصر کی نماز پڑھ سکیں۔ چنانچہ سیدنا علی کی دعا سے آفتاب واپس آ گیا اور آپ نے عصر کی نماز پڑھی۔ دوسری مرتبہ رجوع آفتاب کا واقعہ اس وقت پیش آیا جب آپ بابل کے مقام پر دریائے فرات کو عبور کرنا چاہتے تھے۔ آپ کے رفقا اپنے مویشیوں کے ساتھ مصروف ہو گئے اسی دوران آپ نے چند ساتھیوں کے ساتھ نماز عصر ادا کر لی، جو ساتھی نماز ادا نہ کر سکے تھے جب انھوں نے شکوہ کیا تو سیدنا علی نے رجوع آفتاب کے لیے دعا کی۔ چنانچہ سورج لوٹ آیا۔ سعید حمیری نے یہ واقعہ نظم میں بیان کیا ہے:

رُدَّتْ عَلَیْهِ الشَّمْسُ لَمَّا فَاتَهٗ
وَقْتُ الصَّلٰوةِ وَ قَدْ دَنَتْ لِلْمَغْرِبِ
حَتّٰی تَبَلَّجَ نُوْرُهَا فِیْ وَقْتِهَا
لِلْعَصْرِ ثُمَّ هَوَتْ هُوِیَّ الْکَوْکَبِ
وَ عَلَیْهِ قَدْ رُدَّتْ بِبَابِلَ مَرَّةً
اُخْرٰی وَ مَا رُدَّتْ لِخَلْقٍ مَغْرَبِ

ہم کہتے ہیں کہ سیدنا علی کے فضل و کمال پر جو یقین ہمیں حاصل ہے، وہ اس دروغ گوئی کا محتاج نہیں۔ عہد رسالت میں رجوع آفتاب کا واقعہ طحاوی اور قاضی عیاض نے بالفاظ دیگر نقل کیا اور اسے نبی کریم ﷺ کا معجزہ شمار کیا ہے، مگر ماہرین فن جانتے ہیں کہ یہ واقعہ صحیح نہیں، یہ روایت ابن الجوزی نے موضوعات میں اسماء بنت عُمیس سے نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ پر وحی نازل کی جا رہی تھی اور آپ کا سر علی کی گود میں تھا۔ چنانچہ سیدنا علی نے غروب آفتاب تک عصر کی نماز ادا نہ کی۔ نبی ﷺ نے دعا فرمائی اے اللہ! اگر علی تیری اور تیرے رسول کی اطاعت میں مشغول تھا تو اس کے لیے سورج کو لوٹا دے۔ سیدنا اسماء کا بیان ہے کہ آفتاب غروب ہو چکا تھا، پھر میں نے دیکھا کہ وہ دوبارہ طلوع ہو گیا۔

ابن الجوزی کہتے ہیں کہ یہ روایت بلاشبہ موضوع ہے۔اس کی سند میں اضطراب ہے،فضیل بن مرزوق کو یحییٰ نے ضعیف قرار دیا ہے،ابو حاتم بن حبان کہتے ہیں کہ فضیل موضوعات روایت کرتا اور ثقات سے غلط بیانی کا مرتکب ہوتا ہے۔ابوالفرج کہتے ہیں اس روایت کا انحصار عبید اللہ بن موسیٰ پر ہے۔عروہ بن عبداللہ بن قُشَیر کہتے ہیں میں فاطمہ بنت علی بن ابی طالب کے پاس گیا،تو انھوں نے مجھے رجوع آفتاب کا واقعہ سنایا۔ابوالفرج کہتے ہیں یہ روایت باطل ہے۔ابو حاتم کہتے ہیں اس کی اسناد میں ابن شریک ضعیف راوی ہے۔ابن الجوزی کہتے ہیں۔

میرے نزدیک اس کی اسناد میں ابن عقدہ متہم بالکذب ہے،وہ شیعہ تھا اور صحابہ کے معائب بیان کیا کرتا تھا۔ابن عدی کہتے ہیں،میں نے ابوبکر بن ابی غالب کو یہ کہتے سنا کہ ابن عقدہ حدیث نبوی پر ایمان نہیں رکھتا تھا۔

یہ شیوخ [1] کوفہ کو جھوٹی روایات بیان کرنے پر آمادہ کیا کرتا تھا۔جب امام دارقطنی سے ابن عقدہ کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے کہا:''وہ برا آدمی ہے۔''اس کی اسناد میں داؤد بن فراہیج نے ابوہریرہ سے روایت کیا ہے،امام شعبہ نے داؤد کو ضعیف قرار دیا ہے۔میں کہتا ہوں یہ صحیح نہیں کہ داؤد نے یہ روایت بیان کی ہے۔یزید نوفلی نے یہ روایت داؤد سے نقل کی ہے اور یزید ضعیف راوی ہے۔یزید سے اس کا بیٹا یحییٰ روایت کرتا ہے وہ بھی ضعیف ہے۔[2]

بعض انبیاء کے لیے رجوع آفتاب:

اگر سوال کیا جائے کہ بخاری و مسلم میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ بعض انبیاء کے لیے آفتاب کو لوٹایا

---

[1] ابن عقدہ کا نام احمد بن محمد سعید کوفی المتوفی (۲۴۹۔۳۳۳) ہے اس کا ترجمہ میزان الاعتدال (۱/۶۴۔۶۵) نیز تذکرۃ الحفاظ (۳/۵۵۔۵۷) پر مذکور ہے شیعہ کی تصانیف میں بھی اس کا ترجمہ مندرج ہے۔دیکھیے:تنقیح المقال ۱/۸۵۔۸۶) شیعہ اس کے امامیہ ہونے کی نفی کرتے اور کہتے ہیں کہ یہ زیدی جارودی تھا۔تاہم وہ اسے صرف اس لیے الفت و مودّت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں کہ اس کا سینہ عداوت صحابہ سے معمور تھا۔وہ مناقب صحابہ سے اعراض کر کے جھوٹے نقائص و معائب بیان کیا کرتا تھا۔شیعہ کی مشہور کتاب الحادی میں لکھا ہے کہ وہ فاسد المذہب ہونے کے باوجود ثقہ ہے۔

[2] سیدنا علی کے لیے رجوع آفتاب کے بارے میں دیکھیے مختصر تحفہ اثنا عشریہ،ص:۱۸۵۔۱۸۷،حوالہ مذکور میں محدث ابن حزم کا کلام قابل ملاحظہ ہے۔

گیا تھا۔ ❶ تو ہم جواباً کہیں گے کہ آفتاب لوٹایا نہیں گیا تھا، بلکہ دن کو لمبا کر دیا گیا تھا اور اس طرح آفتاب دیر سے غروب ہوا۔ بعض دفعہ ہمیں دن کی چھوٹائی، بڑائی کا احساس نہیں ہوتا۔ یوشع علیہ السلام کے لیے دن ٹھہر جانے کا علم ہمیں نص کے ذریعہ حاصل ہوا۔ اگر نص سے آفتاب کا لوٹ آنا ثابت ہو جائے تو ہمیں اس کے تسلیم کرنے میں کوئی عذر نہیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ آیا ایسا ہوا بھی تھا؟ روایات متواترہ اور قرآن کریم میں جس طرح انشقاق القمر کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے اسی طرح رجوع آفتاب کا واقعہ بتواتر کہیں بھی نقل نہیں کیا گیا۔

یہ امر قابل غور ہے کہ سیدنا یوشع کو رجوع آفتاب کی ضرورت تھی، اس لیے کہ غروب آفتاب کے بعد ہفتہ کا آغاز ہو رہا تھا، جس میں لڑائی حرام تھی، اس لیے اس بات کی ضرورت تھی کہ سورج لوٹ آئے تو سیدنا یوشع اپنے مشن کی تکمیل کر سکیں بخلاف ازیں اس امت میں اس کی ضرورت نہیں تھی، اس لیے کہ سہل انگاری کی بنا پر جس کی نماز عصر فوت ہو جائے تو اس کا یہ گناہ توبہ سے معاف ہو گا، اور اگر اس میں وہ بے قصور ہے مثلاً سویا رہا یا بھول گیا تو وہ بڑی آسانی سے بعد از غروب فوت شدہ عصر ادا کر سکتا ہے۔

پھر یہ امر بھی قابل غور ہے کہ غروب آفتاب کے ساتھ عصر کا وقت جاتا رہتا ہے بالفرض اگر سورج لوٹ آئے اور کوئی شخص رجوع آفتاب کے بعد نماز عصر ادا کرے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوگا کہ اس نے عصر کی نماز اصلی وقت پر ادا کی۔ اسی طرح غروب آفتاب کے ساتھ روزہ کا افطار کرنا اور نماز مغرب ادا کرنا درست ہوتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ بار ثانی آفتاب کے طلوع پذیر ہونے سے آیا افطار کرنے والے کا روزہ اور اس کی نماز باطل ہو جائے گی یا نہیں؟ یہ ایک فرضی بات ہے جو کبھی وقوع پذیر نہیں ہوئی۔ غزوۂ خندق میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز عصر فوت ہو گئی تھی۔ آپ نے کثیر صحابہ کی معیت میں بصورت قضاء ادا کی تھی۔ اور رجوع آفتاب کی دعا نہ فرمائی، حالانکہ آپ کو اس سے بڑا دکھ ہوا، اور آپ نے اس سے روکنے والے کفار کے حق میں بد دعا بھی فرمائی تھی۔ ❷ اس بات کا

---

❶ مسند احمد(۲/۳۱۸،۳۲۵)، صحیح بخاری ، کتاب فرض الخمس باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم" احلت لکم الغنائم"(حدیث:۳۱۲٤)،صحیح مسلم، کتاب الجهاد ، باب تحلیل الغنائم لهذه الامة خاصة،(حدیث:۱۷٤۷)

❷ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة الخندق(حدیث:٤۱۱۱،٤۱۱۲)، صحیح مسلم ، کتاب المساجد، باب الدلیل لمن قال الصلاة الوسطی......" (حدیث: ٦۲۷۔٦۳۱)

احتمال ہے کہ آفتاب بادل کے نیچے چھپا ہوا ہو اور پھر نمودار ہو گیا ہو تو انھوں نے سمجھا کہ دوبارہ طلوع ہوا ہے۔

ردّ شمس کی حدیث ایک اور اسناد سے بھی منقول ہے۔ اسماء بنت عُمَیس سے مروی ہے کہ نبی ﷺ سیدنا علی کی گود میں اپنا سر رکھے سو رہے تھے، یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو گیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا، اے اللہ! تیرا بندہ علی تیرے نبی کی وجہ سے رکا رہا اور نماز ادا نہ کر سکا، براہِ کرم آفتاب کو لوٹا دے، تاکہ وہ نماز ادا کر سکے۔ اسماء کا بیان ہے کہ آفتاب دوبارہ نمودار ہو گیا، یہاں تک کہ وہ زمین اور پہاڑوں پر نظر آنے لگا۔ سیدنا علی نے وضوء کر کے عصر کی نماز پڑھی۔ یہ واقعہ غزوۂ خیبر کے موقع پر مقام صہباء میں پیش آیا۔

اس کی اسناد میں عون بن محمد سے ابن الحنفیہ مراد ہیں۔ عون کی ماں محمد بن جعفر بن ابی طالب کی بیٹی تھیں۔ یہ روایت منکر ہے، عون اور اس کی ماں معروف بالحفظ نہیں ہیں، ان کی روایت سے معمولی مسائل کے بارے میں بھی احتجاج نہیں کیا جا سکتا۔ چہ جائے کہ ایسے اہم مسائل میں ان کی روایت تسلیم کی جائے۔ عون کی ماں کا سماع اسماء بنت عُمَیس سے ثابت نہیں۔ ممکن ہے کسی اور راوی کے توسط نے اس سے اسماء سے سنا ہو۔ شیعہ مصنف نے دیگر رُوات کو چھوڑ کر صرف ابن ابی فُدَیک اور الفِطری کے بارے میں کہا ہے کہ یہ ثقہ ہیں اس نے دیگر راویوں کا نسب ضرور بیان کیا ہے، مگر نسب دانی سے ان کا حافظ و ثقہ ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ مزید براں شیعہ مصنف کے یہ الفاظ کہ ''سیدنا علی نے نماز عصر رجوع آفتاب کے بعد اصلی وقت پر ادا کی تھی۔'' درست نہیں، کسی راوی نے یہ الفاظ بیان نہیں کیے۔

باقی رہا بابل کے شہر میں حضرت علی کے لیے رجوع آفتاب تو یہ شیعہ کے اباطیل میں سے ہے۔

کوفہ کا سیلاب اور سیدنا علی:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''کوفہ میں ایک دفعہ اتنا سیلاب آیا کہ ڈوبنے کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ سیدنا علی نبی کریم ﷺ کے خچر پر سوار ہوئے، لوگ بھی آپ کے ہم راہ تھے۔ سیدنا علی ساحل فرات پر اترے، نماز پڑھی اور دعا کی۔ پھر ایک ٹہنی لے کر پانی کی سطح پر دے ماری۔ چنانچہ پانی خشک ہو گیا۔ مچھلیاں آپ سے بولنے لگیں، مگر ایک خاص قسم کی مچھلی خاموش رہی، جب آپ

سے اس کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا جو مچھلیاں پاک تھیں، ان میں اللہ تعالیٰ نے قوت گویائی پیدا کر دی اور جو نجس تھی اسے گونگا اور خاموش کر دیا۔''

ہم شیعہ سے اس کی اسناد پیش کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں، بلا اسناد تو ایسی کہانیاں ہر شخص بیان کر سکتا ہے، ہمارا دعویٰ ہے کہ یہ واقعہ جھوٹا ہے، اگر یہ صحیح ہوتا تو لوگ کثرت سے اسے بیان کرتے۔ مزید براں سب قسم کی مچھلیاں اجماعاً حلال ہیں، ایسی بے بنیاد روایتوں سے ہم اللہ کی حلال کردہ ایک خاص مچھلی کو حرام قرار نہیں دے سکتے۔ مچھلیوں میں قوت گویائی کا پیدا ہونا ایک خارق عادت چیز ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے یہ قدرت پیدا کر دی وہ ناطق ہو گئی اور جس میں یہ قوت پیدا نہ کی وہ حسب معمول خاموش رہی۔ اس میں مچھلی کا کیا گناہ ہے؟ ہم قبل ازیں بیان کر چکے ہیں کہ سیدنا علی کی عظمت و فضیلت ان موضوعات سے بے نیاز ہے۔

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''علماء کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے کہ سیدنا علی کوفہ کے منبر پر خطبہ دے رہے تھے کہ ایک سانپ نکلا اور منبر پر چڑھ آیا۔ لوگوں نے ڈر کر اسے مارنا چاہا۔ سیدنا علی نے اس سے روکا، اس کے ساتھ کچھ بات چیت کی تو وہ منبر پر سے اتر گیا۔ جب لوگوں نے سیدنا علی سے دریافت کیا تو فرمایا وہ جنوں کا حاکم تھا اور ایک پیچیدہ مسئلہ دریافت کرنے آیا تھا۔ میں نے وہ مسئلہ بتا دیا جس دروازے سے وہ سانپ داخل ہوا تھا اہل کوفہ اسے باب ثعبان (سانپ والا دروازہ) کہا کرتے تھے۔ بنو امیہ نے یہ نام مٹانے کے لیے اس دروازہ پر عرصہ تک بہت سے مقتولوں کو لٹکائے رکھا، اب لوگ اسے ''باب القتلیٰ'' (مقتولوں کا دروازہ) کہہ کر پکارنے لگے۔''

ہم کہتے ہیں، جن تو دوسرے علماء کے پاس بھی مسائل دریافت کرنے کے لیے آتے ہیں اور یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے، پھر اس میں سیدنا علی کی کیا خصوصیت ہے؟ اگر یہ واقعہ صحیح ہے تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں، اس لیے کہ سیدنا علی کا مقام اس سے بہت بلند تھا، اور اگر یہ واقعہ ظہور پذیر نہیں ہوا تو اس سے سیدنا علی کی عظمت و جلالت میں کوئی قدح وارد نہیں ہوتی۔ مگر اس کا کیا علاج کہ شیعہ کے ائمہ معتزلہ اولیاء کی کرامات کے منکر ہیں۔ جو شخص صلحاء و اولیاء سے صدور کرامات کا انکار کرتا ہے، وہ مکابرہ کا ارتکاب کرتا ہے، مگر تقویٰ کا انحصار کرامات پر نہیں، جو شخص زیادہ متقی ہو اللہ کے نزدیک زیادہ

باعزت وہی ہے اگر چہ اس سے ایک کرامت بھی صادر نہ ہوئی ہو۔

سیدنا علی جامع فضائل تھے:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''فضائل کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ نفسانی

۲۔ بدنی

۳۔ اور خارجی

سیدنا علی فضائل سہ گانہ کے جامع تھے۔ چنانچہ آپ زہد اور علم و حکمت کے حامل تھے یہ نفسانی فضیلت ہے۔

آپ میں عبادت و شجاعت کے اوصاف پائے جاتے تھے، آپ صدقہ بھی دیا کرتے تھے یہ بدنی اوصاف ہیں۔

خارجی اوصاف یعنی حسب و نسب میں آپ عدیم المثال تھے۔ سید البشر ﷺ کی دختر نیک اختر جو خواتین جنت کی سردار ہیں آپ کے نکاح میں تھیں۔ خطیب خوارزم سیدنا جابر سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا علی و فاطمہ کا نکاح ساتوں آسمانوں کے اوپر پڑھا دیا تھا۔ خطبہ جبریل نے پڑھا۔ میکائیل و اسرافیل دونوں گواہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے جنت کے درخت طُوبیٰ کو حکم دیا کہ اس پر جتنے جواہرات ہیں وہ سب نچھاور کر دے۔ چنانچہ طوبی نے حکم کی تعمیل کی جنت کی حوروں نے وہ جواہرات اٹھا لیے۔''

ہم کہتے ہیں جو امور ایمان و تقویٰ سے خارج ہوں صرف ان کی وجہ سے کسی کی عظمت و فضیلت عند اللہ ثابت نہیں ہوتی۔ نبی ﷺ نے فرمایا:'' عربی کو عجمی پر تقویٰ کے بغیر کوئی فضیلت حاصل نہیں۔''❶

آپ سے جب دریافت کیا گیا کہ سب لوگوں سے زیادہ باعزت کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا:

---

❶ مسند احمد(۴۱۱/۵)، ولم یسم الصحابی رضی اللّٰہ عنه،شعب الایمان، بیهقی (۵۱۳۷)، عن جابر رضی اللّٰہ عنه

"جو سب سے زیادہ متقی ہو۔" صحابہ نے عرض کیا، ہم یہ نہیں پوچھتے۔ آپ نے فرمایا تو پھر سب سے باعزت سیدنا یوسف علیہ السلام تھے جو خود نبی، نبی کے بیٹے، نبی کے پوتے اور نبی کے پر پوتے تھے۔ ❶

سیدنا ابراہیم اللہ کے نزدیک سیدنا یوسف سے زیادہ باعزت تھے، تاہم نسب کے اعتبار سے سیدنا یوسف بنی آدم میں عدیم النظیر تھے، اگر دو شخص ہوں ان میں ایک کا والد نبی ہو اور دوسرے کا کافر مگر وہ طاعت وتقویٰ میں ایک دوسرے کے ہم پلہ ہوں تو جنت میں دونوں کا درجہ مساوی ہوگا۔ مگر دنیوی احکام اس سے مختلف ہیں۔ مثلاً امامت وخلافت نیز زوجیت وشرف اور صدقہ کی حرمت وغیرہ۔ اشراف میں جو بھلائی پائی جاتی ہے وہ نسب کے کمینے لوگوں میں موجود نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤی اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ﴾ (آل عمران:۳/۳۳)

"اللہ تعالیٰ نے سیدنا آدم ونوح اور آل ابراہیم وآل عمران کو سب جہانوں سے چن لیا۔"

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّ اِبْرٰهِیْمَ وَ جَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ﴾ (الحدید:۵۷/۲۶)

"ہم نے نوح وابراہیم کو مبعوث کیا اور ان کی اولاد کو نبوت اور کتاب عطا کی۔"

نیز فرمایا:

﴿اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ﴾ (ہود:۱۱/۴۶)

"یہ تیرے اہل میں سے نہیں ہے اس کے اعمال اچھے نہیں۔"

جس طرح علویہ میں نیک وبد ہر قسم کے آدمی موجود ہیں۔ دوسری جانب یہود کو دیکھیے انبیاء کی اولاد میں سے ہونے کے باوجود مورد غضب الٰہی بنے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

﴿وَاخْشَوْا یَوْمًا لَّا یَجْزِیْ وَالِدٌ عَنْ وَلَدِهٖ وَ لَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ

❶ صحیح بخاری ـ کتاب أحادیث الانبیاء۔ باب قول اللّٰه تعالیٰ﴿ لَقَدْ كَانَ فِیْ یُوْسُفَ......﴾(حدیث:۳۳۸۳)، صحیح مسلم، کتاب الفضائل۔ باب من فضائل یوسف صلی اللّٰه علیه وسلم(حدیث:۲۳۷۸)

عَنْ وَالِدِهٖ شَيْئًا﴾ (لقمان: ۳۱/۳۳)

''اس دن سے ڈرتے رہو، جب والد اپنی اولاد کے کسی کام نہیں آئے گا اور نہ ہی اولاد اپنے جننے والے کے کسی کام آئے گی۔''

ہم جب کہتے ہیں کہ عرب عجمیوں کی نسبت افضل ہیں، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ عربوں میں جو خیر و تقویٰ اور فضائل و محاسن پائے جاتے ہیں وہ عجمیوں میں موجود نہیں۔ ابوداؤد میں نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

''عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت حاصل ہے نہ عجمی کو عربی پر۔ اسی طرح گورے کو کالے پر کوئی فضیلت حاصل ہے نہ کالے کو گورے پر۔ فضیلت صرف تقوے سے حاصل ہوتی ہے۔ ❶ سب لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنے ہوئے تھے۔'' ❷

سالار انبیاء ﷺ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کے کبر وغرور اور آباء واجداد پر فخر کرنے کو تم سے دور کر دیا ہے۔ انسان دو ہی قسم کے ہوتے ہیں (۱) مومن متقی (۲) فاسق و فاجر۔ ❸

اس بات میں اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں کہ سیدنا علی کمال کے اعلیٰ درجہ پر فائز تھے۔ نزاع و جدال صرف اس بات پر ہے کہ سیدنا علی خلفاء ثلاثہ سے افضل و اکمل اور امامت و خلافت کے زیادہ حق دار تھے۔ شیعہ مصنف نے جو دلائل ذکر کیے ہیں ان سے اس کا مدعا ثابت نہیں ہوتا۔

افضلیت شیخین کے اثبات کے دو طریقے:

فضیلت کے اثبات کے لیے علماء کے ہاں دو طریقے رائج ہیں۔

۱۔ ایک طریقہ یہ ہے کہ ایک شخص کی فضیلت دوسرے پر صرف نص کے ذریعہ معلوم کی جا سکتی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ قلبی حقائق کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں ہوتا، لہٰذا وہی جانتا ہے کہ دونوں میں سے افضل کون ہے۔

---

❶ مسند احمد (۴۱۱/۵)

❷،❸ سنن ابی داؤد، کتاب الادب۔ باب فی التفاخر بالاحساب (حدیث: ۵۱۱۶)، سنن ترمذی کتاب المناقب۔ باب (۷۴)، فی فضل الشام والیمن (حدیث: ۳۹۵۵۔ ۳۹۵۶)

۲۔ فضیلت معلوم کرنے کا دوسرا طریقہ بعض علماء کے نزدیک نظر و استدلال ہے، اہل سنت کے نزدیک مندرجہ بالا دونوں طریقوں سے خلفاء ثلاثہ کی افضلیت ثابت ہوتی ہے۔

پہلا طریقہ جس سے اصحاب ثلاثہ کا افضل ہونا الم نشرح ہوتا ہے، نص و اجماع ہے، یہ حقیقت ہے کہ سیدنا ابوبکر و عمر کی افضلیت پر شیعہ کو چھوڑ کر پوری امت کا اجماع منعقد ہو چکا ہے۔ جہاں تک افضلیت شیخین کے بارے میں نصوص کا تعلق ہے وہ ہم بیان کر چکے ہیں۔

بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جو اپنے عصر و عہد کے مشہور راست گفتار تھے۔ کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں کہا کرتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امت میں سب سے افضل ابوبکر ہیں پھر عمر۔'' ❶

ایک روایت میں یوں ہے کہ '' پھر یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جاتی اور آپ اس کی تردید نہ فرماتے۔'' ❷

باقی رہا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا معاملہ تو علماء کی ایک جماعت کا قول ہے کہ سیدنا عثمان سیدنا علی سے بڑھ کر عالم قرآن تھے۔ البتہ سیدنا علی حدیث نبوی میں زیادہ مہارت رکھتے تھے۔ وہ کہتے ہیں، عثمان اپنے مال کے ساتھ جہاد کرنے میں پیش پیش تھے اور علی جہاد بالنفس میں ان سے آگے تھے۔ سیدنا عثمان حکومت و سلطنت سے بے نیاز تھے اور علی مال و دولت سے، ان کا قول ہے کہ سیرت عثمان کا پلڑا سیدنا علی کی سیرت سے مقابلۃً بھاری ہے۔ سیدنا عثمان عمر میں سیدنا علی سے بیس سال زیادہ بڑے تھے۔ اس بات پر صحابہ کا اجماع قائم ہو چکا ہے کہ سیدنا عثمان سیدنا علی سے افضل تھے۔ ان دلائل سے سیدنا عثمان کی افضلیت واضح ہوتی ہے۔

شیعہ کہتے ہیں کہ سیدنا علی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت داری کی بنا پر افضل تھے۔

ہم کہتے ہیں سید الشہداء سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ سابقین اوّلین صحابہ میں شامل تھے وہ نسباً سیدنا علی کی

---

❶ صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، باب فضل ابی بکر بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم (حدیث: ۳۶۵۵، ۳۶۹۸)

❷ فتح الباری (۷۴۹/٤)، بحوالہ طبرانی و اسماعیلی

نسبت نبی کریم ﷺ سے قریب تر تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ حدیث نبوی کے مطابق سید الشھداء بھی تھے۔ ❶ نظر بریں وہ سیدنا علی سے افضل ہوں گے۔

شیعہ سیدنا عثمان کو مورد طعن بناتے ہوئے کہتے ہیں کہ آپ نے فلاں فلاں کام کیے، اپنے اقارب کو عہدے عطا کیے اور بے دریغ بیت المال کی دولت اڑائی۔

ہم کہتے ہیں سیدنا عثمان نے بنا بر اجتہاد جو کام کیے وہ مصلحت سے قریب تر تھے۔ سیدنا عثمان نے بیت المال کا روپیہ خرچ کیا تھا، مگر سیدنا علی نے ہزاروں جانیں تلف کیں۔ ظاہر ہے کہ مال کا معاملہ اتنا شدید نہیں جتنا خون کا ہے۔

یہی وجہ کہ خلافت عثمانی میں امن وسکون کا دور دورہ تھا، اس دور میں مسلمانوں کو بڑی فتوحات حاصل ہوئیں اور کثرت سے مال غنیمت مسلمانوں کے قبضہ میں آیا۔ تاہم خلافت عثمانی کے مقابلہ میں خلافت صدیقی و فاروقی یقیناً بہتر تھیں۔ یہ امر بھی پیش نظر رہے کہ جن لوگوں نے سیدنا عثمان کے خلاف بغاوت میں حصہ لیا، انھوں نے آپ کو فاسق قرار دیا تھا کافر نہیں۔ بخلاف ازیں سیدنا علی کے مخالفین نے ان پر کفر کا فتویٰ لگایا تھا۔ سیدنا علی وعثمان کے خلاف خروج کرنے والے دونوں گروہ نیکی و بھلائی سے یکسر بے گانہ تھے۔

❶ مستدرك حاكم(٣/١٩٥)، مجمع الزوائد(٩/٢٦٨)، تاريخ بغداد(٦/٣٧٧)

الفصل الرابع

ائمہ اثنا عشرہ کی امامت کا اثبات:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

’’ہم کئی طریقوں سے بارہ اماموں کی امامت ثابت کرتے ہیں ۔اس کا پہلا طریق نص ہے، چنانچہ شیعہ تمام بلاد و امصار میں خلفاً عن سلفٍ نقل کرتے چلے آئے ہیں کہ نبی ﷺ نے سیدنا حسین سے کہا: ’’یہ خود امام ، امام کا بھائی اور امام کا بیٹا ہے اس کی نسل سے نو امام ہوں گے، امام قائم کا نام میرا نام اور کنیت بھی میرے جیسی ہوگی ۔ وہ زمین کو اسی طرح عدل وانصاف سے بھردے گا جس طرح وہ جور واستبداد سے بھر چکی ہوگی ۔‘‘

اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ یہ شیعہ پر بہتان ہے ۔تمام شیعہ نے یہ بات نہیں کہی ، بلکہ یہ بعض شیعہ کا قول ہے، اکثر شیعہ خصوصاً زیدیہ اس کو اسی طرح جھوٹا سمجھتے ہیں جیسے اہل سنت ۔ زیدیہ کا فرقہ تمام شیعہ فرقوں میں زیادہ دانش مند صاحب علم اور مقابلۃً بہتر ہے اسماعیلیہ کے نزدیک بھی یہ جھوٹ ہے ۔شیعہ کے تقریباً ستر فرقے ہیں، مذکورہ بالا نظریہ متاخرین شیعہ کی اختراع ہے ۔ یہ اس وقت گھڑا گیا جب حسن بن علی عسکری نے (بلا وارث) وفات پائی اور نبی کریم ﷺ کی وفات کے اڑھائی سو سال بعد یہ دعویٰ کیا گیا کہ امام عسکری کا بیٹا غائب ہو گیا ہے ۔ دوسری جانب علماء اہل سنت اور ناقلین آثار جو شیعہ سے کئی گنا زیادہ ہیں جانتے ہیں کہ یہ رسول کریم پر عظیم بہتان ہے ۔ بلکہ اس پر مباہلہ کرنے کے لیے تیار ہیں۔

تواتر کی شرط یہ ہے کہ کسی روایت کے ناقلین کی تعداد اتنی زیادہ ہو کہ طرفین اور وسط کے لوگوں کو یقینی علم حاصل ہو جائے ۔حسن عسکری کی موت سے پہلے کوئی شخص امام منتظر کا قائل نہ تھا، البتہ شیعہ سیدنا علی اور بعد میں آنے والے ائمہ کی امامت کے دعوے دار تھے ۔ بارہ اماموں کی امامت کا دعویٰ جن کا آخری امام ہنوز معدوم ہے ۔متقدمین میں سے کسی نے نہیں کہا تھا اور نہ کسی ناقل نے اسے نقل کیا ۔ پھر تواتر کا دعویٰ کس حد تک صحیح ہے؟ بخلاف ازیں متواتر وہ اخبار احادیث ہیں جو خلفائے اربعہ

کی فضیلت میں وارد ہوئی ہیں۔

کہا گیا ہے کہ شیعہ امامیہ نے پہلی مرتبہ سیدنا علی کی امامت کے اثبات میں بالنص کا دعویٰ خلافت راشدہ کے آخری دَور میں کیا۔ عبد للہ بن سباء ❶ اور اس کے ہم نواؤں نے اسے اختراع کیا تھا۔ اس بارے میں ہم حتمی طور پر جانتے ہیں کہ وہ اپنی امامت کے منصوص علیہا ہونے کے دعوی دار نہ تھے۔ مثلاً امام جعفر صادق، ان کے والد اوران کے دادا امام زین العابدین علی بن حسین بن علی رضی اللہ عنہ یہ اپنی امامت کو مبنی پر نص نہیں قرار دیتے تھے۔

بخاری و مسلم میں سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے۔ لوگ اس وقت تک امن وچین اور عزت سے زندگی بسر کرتے رہیں گے جب تک بارہ آدمی ان کے حاکم و امام رہیں گے، پھر آہستہ آواز سے ایک بات کہی جو مجھ سے پوشیدہ رہی۔ جب میں نے اپنے والد سے پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ وہ بارہ اشخاص سب کے سب قریش میں سے ہوں گے۔'' ❷

ظاہر ہے کہ اس حدیث سے اثناء عشریہ کے بارہ امام مراد نہیں لیے جاسکتے۔ شیعہ خود اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ ان میں سے کسی امام کے زمانہ میں بھی امت کا شیرازہ متحد نہ رہا بلکہ امت تفرق و انتشار کا شکار رہی، اور ظالموں اور کافروں نے انھیں ظلم وستم کا نشانہ بنائے رکھا۔ اہل حق ان کے عہد امارت میں یہود سے بھی زیادہ ذلیل رہے، مزید براں امام منتظر کی امامت شیعہ کے نزدیک تا قیام قیامت باقی رہے گی۔

خروج مہدی کی حدیثیں صحیح ہیں:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

---

❶ بارہ اماموں کی امامت کو نص کے ساتھ ثابت کرنے میں شیعہ کا دعویٰ کو تین حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں:
(۱) سیدنا علی کی امامت و ولایت کی نص۔ امام ابن تیمیہ نے منہاج السنہ میں اس کے ابطال کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ باقی رہی یہ بات کہ سیدنا علی نے نص صریح کے مطابق اپنے بیٹے حسن کو امام مقرر کیا تھا ہم قبل ازیں اس کا بطلان ثابت کر چکے ہیں۔
(۲) شیعہ کا دوسرا دعویٰ یہ ہے کہ سیدنا علی کا وصی ہونا نص سے ثابت ہے، مشہور شیعہ عالم الکشی نے اعتراف کیا ہے کہ اس عقیدہ کا موجد عبداللہ بن سباء تھا ہم قبل ازیں یہ حوالہ نقل کر چکے ہیں۔

❷ صحیح بخاری، کتاب الاحکام، باب الاستخلاف (حدیث:۷۲۲۲،۷۲۲۳)، صحیح مسلم، کتاب الامارة، باب الناس تبع لقریش (حدیث:۱۸۲۱)، واللفظ له

’’ابن عمر نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ’’آخری زمانہ میں میری اولاد میں سے ایک شخص نکلے گا، جس کا نام میرا نام اور جس کی کنیت میری کنیت ہوگی، وہ زمین کو اسی طرح عدل وانصاف سے بھر دے گا جیسے وہ ظلم واستبداد سے بھر چکی تھی ۔ یہ مہدی ہوگا۔‘‘

ہم کہتے ہیں خروج مہدی کی حدیثیں صحیح ہیں، ان کو احمد و ابوداؤد و ترمذی نے روایت کیا ہے۔

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

’’اگر دنیا میں ایک دن بھی باقی رہا تو اللہ تعالیٰ اس دن کو لمبا کردیں گے یہاں تک کہ میرے اہل بیت میں سے ایک شخص نکلے گا جس کا نام محمد بن عبداللہ ہوگا، وہ زمین کو عدل وانصاف سے بھر دے گا، جیسے وہ ظلم وجور سے بھر چکی ہوگی۔‘‘ [1]

ترمذی و ابوداؤد نے یہ روایت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نقل کی ہے، اس کے الفاظ ہیں ’’مہدی اولاد فاطمہ میں سے ہوگا۔‘‘ [2]

ابوداؤد نے یہ روایت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے ذکر کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں: ’’وہ سات سال تک زمین کا مالک رہے گا۔‘‘ [3]

سیدنا علی سے مروی ہے کہ انھوں نے سیدنا حسن کی طرف دیکھ کر فرمایا:

’’اس کی نسل سے ایک شخص پیدا ہوگا، جو ہمارے نبی ﷺ کا ہم نام ہوگا، وہ سیرت و کردار میں ان جیسا ہوگا۔ مگر شکل وصورت مختلف ہوگی۔ وہ زمین کو عدل سے معمور کردے گا۔‘‘ [4]

باقی رہی حدیث ’’لَا مَھْدِیُ اِلَّا عِیْسٰی‘‘ تو وہ ضعیف ہے، لہٰذا ان احادیث کا مقابلہ نہیں کر

---

[1] سنن ابی داؤد، کتاب المھدی(حدیث:٤٢٨٢، سنن ترمذی کتاب الفتن، باب ما جاء فی المھدی (حدیث:٢٢٣٠)

[2] سنن ابی داؤد، کتاب المھدی(حدیث:٤٢٨٤)، سنن ابن ماجة، کتاب الفتن،باب خروج المھدی(حدیث:٤٠٨٦)

[3] سنن ابی داؤد، کتاب المھدی(حدیث:٤٢٨٥)

[4] سنن ابی داؤد، کتاب المھدی(حدیث:٤٢٨٣، ٤٢٩٠)

سکتی۔ ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ آنے والے مہدی کا نام محمد بن عبداللہ ہوگا۔اس میں شیعہ کے دعویٰ کا ردّ ہے، جو کہتے ہیں کہ امام منتظر کا نام محمد بن حسن ہے۔

ان احادیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ امام مہدی حسن کی اولاد میں سے ہوگا۔سیدنا حسین کی اولاد میں سے نہیں۔ ❶

باطنیہ کا دعویٰ ہے کہ ان کا امام ہی مہدویت کا بانی تھا۔ حالانکہ اس کا دعویٰ مبنی بر کذب و دروغ ہے۔حقیقت یہ ہے کہ وہ میمون القداح کی اولاد میں سے تھا۔ پھر باطنیہ نے یہ دعویٰ کیا کہ میمون محمد بن اسماعیل بن جعفر کا بیٹا ہے، جس کی طرف اسماعیلیہ منسوب ہیں، باطنیہ دراصل کفار ہیں، ان کا مذہب مجوسیت فلسفہ اور صابی مذہب کا معجون مرکب ہے۔مختلف علماء مثلاً ابن باقلانی وقاضی عبدالجبار و امام غزالی نے ان کے نقائص ومعائب پر کتابیں تصنیف کی ہیں۔

محمد بن عبداللہ بن تومرت بربری نے اپنے شجرہ نسب کو حسن بن علی سے ملا لیا اور مہدی کا لقب اختیار کیا تھا۔ یہ اپنے آپ کو معصوم کہا کرتا تھا۔ ابن المنصور محمد بن عبداللہ نے مذکورہ صدر احادیث کی بنا پر مہدی کا لقب اختیار کیا تھا۔

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''ہم بیان کر چکے ہیں کہ ہر زمانہ میں امام معصوم کا وجود ضروری ہے۔ ظاہر ہے کہ ائمہ کے بغیر اور کوئی معصوم نہیں ہوسکتا۔''

اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارے نزدیک امام معصوم کا وجود ہر زمانہ میں ضروری نہیں، اگر شیعہ کے دعویٰ کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو ہمارے زمانہ میں شیعہ جس امام معصوم کے دعویٰ دار ہیں، وہ چار سو ساٹھ سال سے گم ہے، اس کا کوئی نشان ظاہر نہیں ہے، بخلاف ازیں امام غائب سے بڑھ کر دوسرے وُلاۃ و حُکّام کے آثار ظہور پذیر ہو رہے ہیں۔ بنا بریں ہم کہتے ہیں کہ ایسے امام کا وجود و عدم برابر ہیں اس سے بڑھ کر یہ کہ وہ معدوم ہے، ہم شیعہ سے دریافت کرتے ہیں کہ ایسے امام سے انھیں قدیم و جدید زمانہ میں کیا مصلحت حاصل ہوئی؟

---

❶ سنن ابی داؤد، کتاب المهدی،(حدیث: ٤٢٩٠)

الفصل الخامس

اصحاب ثلاثہ کے بارے میں شیعہ کی دروغ گوئی:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''متعدد وجوہ کی بنا پر سیدنا علی سے پہلے خلفاء امام نہ تھے۔''

شیعہ مصنف کا یہ بیان غلط ہے۔ خلفاء ثلاثہ امام تھے اور ہر لحاظ سے منصب امامت کی اہلیت و صلاحیت سے بہرہ ور تھے۔ ان کی وجہ سے اسلام اکناف ارضی میں پھیلا اور مسلمانوں نے بلاد و اقالیم کو فتح کیا۔ یہ صحیح معنی میں خلفائے راشدین تھے۔ شیعہ کے سوا اس میں مسلمانوں کے سب فرقے متحد الخیال ہیں۔ وہ بہمہ وجوہ اس کے اہل اور حق دار تھے، ہمارا یہ حتمی و قطعی نقطہ نظر ہے، کوئی قطعی باطنی دلیل اس کی مخالف نہیں ہے جہاں تک قطعی دلائل و نصوص کا تعلق ہے ان میں تناقض کا احتمال نہیں ہے باقی رہے ظنی دلائل تو وہ قطعیات کا معارضہ نہیں کر سکتے۔

قادحین خلفائے ثلاثہ کے مخالف جو دلائل پیش کرتے ہیں وہ دو حال سے خالی نہیں ہیں۔

۱۔ وہ ایسے نقلی دلائل ہیں جن کی صحت کا کچھ پتہ نہیں۔

۲۔ یا وہ دلائل بجائے خود صحیح ہیں، مگر ان سے خلفائے ثلاثہ کی خلافت کا ابطال نہیں ہوتا، دلیل کے دونوں مقدمات میں سے جو مقدمہ بھی معلوم نہ ہو وہ دلائل و مقدمات معلومہ کا معارض نہیں ہو سکتا۔ جب ہم اعتراض کے متعلق ثابت کر دیں کہ واضح اور قطعی نہیں ہے۔ تو جواب دینا ہمارے لیے ضروری نہ ہوگا، اگر ہم شیعہ کے شکوک و شبہات کی وجہ فساد و بطلان بھی واضح کر دیں تو یہ علمی اضافہ کا موجب ہے اور مناظرہ کے دوران اس سے حق کی تائید بھی ہو جاتی ہے۔

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''ابوبکر کا قول ہے، بسا اوقات مجھے شیطان کا سامنا ہوتا ہے، اگر میں سیدھا رہوں تو میری مدد کیجیے اور اگر ٹیڑھا ہو جاؤں تو مجھے سیدھا کیجیے۔ خلیفہ و امام کا اصلی کام رعیت کی

تکمیل ہے بنا بریں وہ ان سے اپنے کمال کا مطالبہ کیوں کر کر سکتا ہے؟''

ہم کہتے ہیں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے الفاظ یہ ہیں: ''مجھے ایک شیطان کا سامنا ہوتا ہے اور وہ غصہ ہے، جب میں اس میں گرفتار ہو جاؤں تو مجھے اس سے بچائیے''

سیدنا ابوبکر نے فرمایا:

''جب تک میں اللہ کا مطیع رہوں، میری اطاعت کرتے رہو، جب اللہ کی نافرمانی کرنے لگوں تو میری اطاعت تم پر واجب نہیں۔''❶

اس قول کی بنا پر سیدنا ابوبکر صدیق لائق مدح وستائش ہیں۔ آپ کو یہ خطرہ دامن گیر رہتا تھا کہ غصہ کے عالم میں آپ کسی پر ظلم و تعدی کا ارتکاب نہ کر بیٹھیں۔ احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب قاضی پر غصہ طاری ہو تو وہ دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ صادر نہ کرے۔''❷

غصہ سب بنی نوع انسان کو آتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میں ایک بشر ہوں اور مجھے بھی اسی طرح غصہ آتا ہے جیسے دوسرے انسانوں کو۔''❸

صحیح مسلم میں ہے کہ دو آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو ناراض کیا، جس کے نتیجہ میں آپ نے ان پر لعنت بھیجی اور سخت سست الفاظ کہے۔❹ بنا بریں جو شخص سیدنا ابوبکر کی نافرمانی کرے یا آپ کو تکلیف دے تو آپ اس کی سرزنش کر سکتے ہیں جس طرح سیدنا علی اپنے مخالف کی تادیب و سرزنش کے مجاز ہیں۔

حدیث صحیح میں سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

❶ سیرة ابن هشام(ص: ٦٧١)

❷ صحيح بخاری، کتاب الاحكام، باب هل يقضی القاضی او يفتی و هو غضبان (حديث: ٧١٥٨)، صحيح مسلم، کتاب الأقضية۔ باب کراهة قضاء القاضی و هو غضبان(حديث:١٧١٧)

❸ صحيح مسلم۔ کتاب البر والصلة، باب من لعنه النبی صلی الله عليه وسلم......" (حديث:٩١/ ٢٦٠١،٢٦٠٣)

❹ صحيح مسلم، حواله سابق، (حديث: ٢٦٠٠)

''تم میں سے ہر شخص کے ساتھ اس کے ساتھی جن کو مسلط کیا گیا ہے۔'' صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا آپ کے ساتھ بھی جن ہے؟ فرمایا:'' ہاں مگر میں بتوفیق الٰہی اس سے محفوظ رہتا ہوں، اور وہ مجھے اچھی بات ہی کا حکم دیتا ہے۔''

حدیث صحیح میں سیدہ عائشہ سے اسی طرح مروی ہے۔

سیدنا ابوبکر کا یہ ارشاد کہ:'' اگر میں ٹیڑھا ہو جاؤں تو مجھے سیدھا کر دو۔'' آپ کے کمال عدل و انصاف اور تقویٰ کی دلیل ہے۔

شیعہ کا یہ قول کہ'' امام کا کام رعیت کی تکمیل کرنا ہے۔'' درست نہیں اس لیے کہ امام و رعیت دونوں باہم ایک دوسرے کی تکمیل کرتے اور برّ وتقویٰ میں ایک دوسرے کے معاون ہوا کرتے ہیں۔ جہاں تک کامل بنانے کا تعلق ہے تو وہ اللہ غنی کا کام ہے، جو کسی کا دست نگر نہیں۔ نبی کریم ﷺ بھی صحابہ سے مشورہ کرتے اور ان کی رائے پر عمل کیا کرتے تھے۔

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''عمر کا قول ہے، ابوبکر کی بیعت ایک عاجلانہ اقدام تھا، جس کی برائی سے اللہ نے بچا لیا۔ اگر کوئی شخص پھر ایسا کام کرے تو اسے قتل کر دو۔ یہ قول ابوبکر کی خلافت پر طعن کے مترادف ہے۔''

ہم کہتے ہیں، بخاری و مسلم میں منقول ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''مجھے پتہ چلا ہے کہ تم میں سے بعض لوگ کہتے ہیں، اگر عمر فوت ہو چکے ہوتے تو میں فلاں شخص کی بیعت کرتا۔ کوئی شخص دھوکہ میں آ کر یوں نہ کہے کہ سیدنا ابوبکر کی بیعت ایک عاجلانہ اقدام تھا، جو پایہ انجام کو پہنچا۔ بے شک بات یونہی تھی مگر اللہ نے اس کی برائی سے بچا لیا۔ تم میں سے ایک شخص بھی ابوبکر جیسا نہیں، جس کی خاطر گردنیں کٹوائی جائیں۔''❶

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿لا یَنَالُ عَھْدِی الظّٰلِمِیْنَ﴾ (البقرۃ:۲/۱۲۴) اس آیت

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الحدود، باب رجم الحبلی فی الزنا اذا احصنت (حدیث: ٦٨٣٠)، مطولاً

میں بتایا کہ امامت کا عہد ظالم تک نہیں پہنچتا اور ظالم کافر ہوتا ہے جیسا کہ قرآن میں فرمایا: ﴿اَلْكَافِرُوْنَ هُمُ الظَّالِمُوْنَ﴾ (البقرة: ۲/ ۲۵۴) کافر ہی ظالم ہوتے ہیں، آپ کی بعثت سے پہلے بلاشبہ اصحاب ثلاثہ بتوں کی پرستش کرنے والے کافر تھے۔''

شیعہ کا یہ اعتراض کہ خلفائے ثلاثہ پہلے کافر تھے، پھر اسلام لائے:

اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ کفر کے بعد جب کوئی شخص مشرف بہ اسلام ہو جائے تو وہ قابل مذمت نہیں ہوتا، اس لیے کہ اسلام لانے سے پہلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، یہ ایک مسلمہ بات ہے یہ ضروری نہیں کہ ہر مسلم پیدا ہونے والا شخص نومسلم سے افضل ہو، ورنہ اس کا صحابہ سے افضل ہونا لازم آئے گا۔ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ سب زمانوں سے بہتر قرن اوّل ہے، جس میں نبی کریم ﷺ مبعوث کیے گئے تھے، حالانکہ وہ سب بعد از کفر اسلام لائے تھے، مگر اس کے باوجود یہ مسلم پیدا ہونے والوں سے افضل تھے۔ اسی لیے اکثر علماء کا مذہب ہے کہ جو شخص نبی پر ایمان لا چکا ہو، اسے نبی بنایا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ﴾ (العنکبوت: ۲۹/ ۲۶) ''لوط اس پر ایمان لائے۔''

شعیب علیہ السلام نے فرمایا تھا۔

''اگر ہم تمہارے دین سے نجات حاصل کرنے کے بعد پھر اس میں لوٹ گئے تو ہم نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا۔'' (الاعراف: ۸۹)

جب نبی کریم ﷺ مبعوث ہوئے تھے تو قریش میں سے چھوٹا بڑا کوئی بھی مومن نہ تھا، اگر ان کے بارے میں یہ بات کہی جائے کہ وہ بتوں کو پوجتے تھے تو ان کے بچے بھی بتوں کے پرستار ہوں گے جن میں علی بھی شامل ہیں۔

اگر کہا جائے کہ بچے کا کفر ضرر رساں نہیں ہے، تو ہم کہیں گے کہ بچے کا ایمان بھی مرد بالغ کے ایمان جیسا نہیں ہے، کافر جب حالت بلوغت میں ایمان لے آئے تو اسے مومن کہیں گے، مگر بچے کے لیے کفر و ایمان کا حکم بلوغت سے قبل بھی ثابت ہو جاتا ہے، وہ بچہ جس کے والدین کافر ہوں اس پر اجماعاً دنیا میں کفر کا حکم جاری ہوگا۔ جب بچہ قبل از بلوغ اسلام قبول کر لے تو آیا اسے مسلم تصور کیا جائے گا یا نہیں؟ اس کے بارے میں علماء کے دو قول ہیں۔ بخلاف ازیں جب ایک بالغ اسلام لائے گا تو وہ اجماعاً مسلم کہلائے گا۔

یہ بات پورے وثوق کے ساتھ نہیں کی جا سکتی کہ سیدنا علی نے بت کو سجدہ نہیں کیا تھا۔ اسی طرح سیدنا زبیر کے بارے میں بھی یہ فیصلہ صادر نہیں کیا جا سکتا جو اسلام قبول کرتے وقت قریب البلوغ تھے، جو شخص پہلے کافر ہو، پھر اسلام قبول کرلے اور مومن و متقی بن کر رہے اسے ظالم کہہ کر پکارنا جائز نہیں۔

''لَا يَنَالُ عَهْدِى الظَّالِمِيْنَ'' کا مطلب یہ ہے کہ امامت کا منصب عادل کو ملے گا ظالم کو نہیں، جب کوئی شخص ظلم و تعدی کا مرتکب ہونے کے بعد عادل ہو جائے تو وہ امامت کا اہل ہو سکتا ہے، وہ درج ذیل آیات کے مطابق مدح و ستائش کا سزاوار ہوگا۔

﴿ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِىْ نَعِيْمٍ﴾ (الانفطار: ۸۲/ ۱۳)

''نیک لوگ نعمتوں سے لذت اندوز ہوں گے۔''

﴿ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِىْ مَقَامٍ اَمِيْنٍ﴾ (الدخان: ۴۴/ ۵۱)

''اللہ سے ڈرنے والے پرامن جگہ میں ہوں گے۔''

جو شخص یہ کہے کہ ایک کافر ایمان لانے کے بعد بھی کافر ہی رہتا ہے وہ اجماعاً خود کافر ہے۔

شیعہ مصنف لکھتا ہے۔

''ابوبکر کا قول ہے، میری بیعت واپس کر دو، میں تم میں سب سے بہتر نہیں ہوں، اگر آپ سچے امام ہوتے تو یوں نہ کہتے۔''

ہم اس کی صحت ثابت کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ جو بات نقل کی جائے وہ صحیح بھی ہو۔''

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''ابوبکر نے اپنی موت کے وقت کہا تھا، اے کاش! کہ میں نبی کریم ﷺ سے دریافت کر لیتا کہ انصار کا بھی خلافت میں حق ہے؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوبکر بذات خود اپنی خلافت کو مشکوک تصور کرتے تھے۔ حالانکہ انھوں نے ثقیفہ بنی ساعدہ میں خود ہی انصار کے مطالبہ کو ٹھکرا دیا تھا۔''

ہم کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ''اَلْاَئِمَّةُ مِنْ قُرَيْشٍ'' حق ہے۔ یہ غلط ہے کہ سیدنا ابوبکر اپنی خلافت کو شک و شبہ کی بنا سے دیکھتے تھے۔ نیز شیعہ کی نقل کردہ روایت صریح کذب ہے۔ یہ

بات صحابہ کے نزدیک واضح تھی کہ امامت قریش کے ساتھ مختص ہے۔

اگر فرض کرلیا جائے کہ یہ سیدنا ابوبکر کا قول ہے تو اس سے ان کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ گویا آپ کو حدیث نبوی ''اَلْاَئِمَّةُ مِنْ قُرَیْشٍ'' کا علم نہ تھا۔ آپ نے اجتہاد کیا اور آپ کا اجتہاد موافق نص ثابت ہوا۔ اس قول سے یہ بھی واضح ہوا کہ سیدنا ابوبکر کے پاس امامت علی کے بارے میں نبی کریم ﷺ کی کوئی نص موجود نہ تھی۔

سیدہ فاطمہ کی خانہ تلاشی کا واقعہ من گھڑت ہے:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''ابوبکر نے اپنی وفات کے وقت حسرت بھرے الفاظ میں کہا تھا کہ اے کاش! میں فاطمہ کے گھر کی تلاشی نہ لیتا اور اے کاش! میں ثقیفہ بنی ساعدہ میں دونوں میں سے ایک کی بیعت کر لیتا، وہ امیر ہوتا اور میں وزیر۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوبکر نے علی وزبیر کی موجودگی میں سیدہ فاطمہ کے گھر کی تلاشی لی تھی اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ابوبکر دوسروں کو اپنے سے افضل سمجھتے تھے۔''

ہم شیعہ مصنف سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اس کی صحت ثابت کرے۔ ہمیں قطعی طور پر معلوم ہے کہ سیدنا ابوبکر نے سیدنا علی وزبیر کو کسی قسم کا الم ورنج نہیں پہنچایا تھا۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ آپ نے سیدنا سعد بن عبادہ سے بھی کچھ تعرض نہیں کیا تھا جو آپ کی بیعت کیے بغیر فوت ہو گئے تھے۔ بفرض محال یہ کہہ سکتے ہیں کہ سیدنا ابوبکر نے یہ معلوم کرنے کے لیے سیدہ فاطمہ کی خانہ تلاشی لی تھی کہ اس میں بیت المال کی کوئی چیز موجود نہ ہو جس کی تقسیم کرنے کا حکم آپ کو دیا گیا تھا۔ وفات کے وقت یہ خیال آیا کہ اگر ایسا نہ کرتے تو اچھا ہوتا۔ جہلاء کہا کرتے ہیں کہ صحابہ نے سیدہ فاطمہ کا گھر منہدم کر دیا اور آپ کو اس قدر پیٹا تھا کہ حمل ساقط ہو گیا، کیا کوئی سلیم العقل انسان باور کر سکتا ہے کہ امت کے چیدہ و برگزیدہ صحابہ نے ایک معمولی بات کی وجہ سے اپنے پیغمبر کی بیٹی کے ساتھ یہ سلوک کیا؟ اللہ اس واقعہ کو گھڑنے والے پر اور اس پر جس نے رفض کا عقیدہ ایجاد کیا لعنت بھیجے۔

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''نبی ﷺ نے جیش اسامہ کو تیار کرنے کا حکم دیا تھا۔ ابوبکر وعمر بھی اس لشکر میں شامل تھے۔ سیدنا علی کو اس لشکر میں اس لیے روانہ کیا تا کہ آپ کے بعد کوئی اور شخص خلافت پر

قابض نہ ہو جائے مگر صحابہ نے یہ بات قبول نہ کی۔‘‘

ہم شیعہ مصنف سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اس کی صحت ثابت کرے، کسی نقلی دلیل سے احتجاج اسی صورت میں درست ہوتا ہے جب اس کی صحت معلوم ہو جائے ،مگر یہ روایت صاف جھوٹ ہے۔ ابو بکر جیش اسامہ میں ہرگز شامل نہ تھے، البتہ ایک قول کے مطابق سیدنا عمر اس میں موجود تھے۔ روایات متواترہ سے ثابت ہے کہ سرور کائنات ﷺ نے مرض الموت میں سیدنا ابو بکر کو امام صلوٰۃ مقرر کیا تھا۔جس روز آپ کی وفات ہوئی سیدنا ابو بکر نے صحابہ کو صبح کی نماز پڑھائی تھی، نبی کریم ﷺ نے حجرہ کا پردہ اٹھا کر دیکھا تو صحابہ سیدنا ابو بکر کی اقتداء میں نماز ادا کر رہے تھے آپ یہ منظر دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ [1] پھر یہ بات کیسے صحیح ہو سکتی ہے کہ سیدنا ابو بکر جیش اسامہ میں شامل تھے۔؟

اگر نبی اکرم ﷺ سیدنا علی کو خلیفہ بنانا چاہتے تو صحابہ آپ کی مخالفت نہیں کر سکتے تھے،صحابہ کرام اللہ ورسول کے سچے اطاعت کیش تھے اور وہ ایسا کبھی نہیں کر سکتے تھے کہ بصراحت نبی کریم ﷺ کے مقرر کردہ خلیفہ کی جگہ از خود کسی اور کو مقرر کر دیں، پھر یہ امر بھی قابل غور ہے کہ اگر سیدنا علی کو خلیفہ بنانا مقصود ہوتا تو آپ مرض الموت میں ان کو امام صلوٰۃ مقرر فرماتے اور ابو بکر کو نماز پڑھانے کی اجازت نہ دیتے۔

شیعہ مصنف لکھتا ہے۔

’’نبی کریم ﷺ نے ابو بکر کو کوئی منصب عطا نہیں کیا تھا،اس کے برعکس سیدنا علی کو ابو بکر پر امیر مقرر کر کے بھیجا تھا۔‘‘

ہم کہتے ہیں کہ ولایت نماز و حج وزکوٰۃ سے بڑھ کر اور کون سی امارت ہوگی۔ظاہر ہے کہ یہ منصب عالی سیدنا ابو بکر کو تفویض کیا گیا تھا۔سیدنا ابو بکر کے سوا بہت سے لوگوں کو مختلف علاقوں کی امارت عطا کی گئی تھی۔مثلاً عمرو بن عاص و ولید بن عقبہ اور ابوسفیان بن حرب۔تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ لوگ ابو بکر سے افضل تھے اور ولایت و امارت نہ ملنے کی وجہ سے ابو بکر ان سے فروتر درجہ کے تھے۔امارت نہ دینے کی وجہ وجیہ یہ تھی کہ ابو بکر آپ کے وزیر تھے اور آپ مہمات امور میں ان سے بے نیاز نہیں ہوا کرتے

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الاذان۔ باب اهل العلم والفضل احق بالامامة، (حدیث: ٦٨٠)، صحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب استخلاف الامام اذا عرض له عذر (حدیث: ٤١٩)

تھے۔سیدنا عمر کا مرتبہ بھی اس سے قریب قریب تھا۔

سیدنا ابو بکر کی امارت حج کا واقعہ:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''نبی کریم ﷺ نے ابو بکر کو سورۂ توبہ دے کر روانہ کیا۔ پھر ان کے پیچھے سیدنا علی کو روانہ کیا کہ ابو بکر کو واپس مدینہ بھیج دیں، جو شخص ایک سورت پہنچانے کی صلاحیت نہیں رکھتا تھا وہ خلافت و امارت کا اہل کیسے ہوگا؟

یہ افتراء محض ہے اور روایات متواترہ کے خلاف ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ۹ ھ میں سیدنا ابو بکر کو امیر حج بنا کر مکہ بھیجا تھا۔ یہ غلط ہے کہ آپ واپس بلا لیے گئے تھے۔ بخلاف ازیں دورانِ حج وہ امیر تھے، علی ان کے محکوم تھے اور ان کی اقتداء میں نمازیں پڑھا کرتے تھے۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے جس سے کسی کو مجال انکار نہیں۔ پھر شیعہ کا یہ کہنا کہاں تک درست ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سیدنا ابو بکر کو واپس بلا لیا تھا؟ البتہ مشرکین سے کیے ہوئے معاہدوں کے اختتام کا اعلان کرنے کے لیے نبی کریم ﷺ نے سیدنا علی کو روانہ کیا تھا۔ عربوں کے یہاں رسم تھی کہ عہد باندھنے یا توڑنے کا کام حاکم خود کرتا یا اس کے اہل بیت میں سے کوئی شخص یہ کام انجام دیتا۔ بنا بریں اعلان براءت کے لیے سیدنا علی کو بھیجا گیا تھا۔ [1]

---

[1] اس میں دوسری مصلحت یہ تھی کہ سورۂ توبہ سیدنا صدیق کی مدح وستائش پر متضمن ہے نبی کریم چاہتے تھے کہ اس ثناء کا اظہار حج کے موقع پر علی بن ابی طالب کی زبان سے ہوتا کہ اللہ کے دشمن ہمیشہ کے لیے شرم سار ہوں اور جب بھی اس پر غور وفکر کریں ان کا مصنوعی دین دھڑام سے نیچے گر پڑے۔ متقدمین شیعہ میں سے اللہ کے دشمن اللہ شیطان الطاق نے بدحواسی کے عالم میں کہا کہ یہ الفاظ ﴿ ثَانِیَ اثۡنَیۡنِ اِذۡ هُمَا فِی الۡغَارِ﴾ اللہ کے فرمودہ نہیں ہیں۔ جیسا کہ مشہور ادیب جاحظ نے اپنے استاد ابراہیم نظام و بشر بن خالد سے سن کر بیان کیا۔ (دیکھیے الفصل امام ابن حزم: ۴/ ۱۸۱)

متاخرین شیعہ میں سے طاغوت الکاظمیہ نے حواس باختہ ہو کر کہا کہ آیت قرآنی ﴿لَقَدۡ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ﴾ ابو بکر و عمر کو شامل نہیں، بلکہ یہ خالص الایمان لوگوں کے لیے مختص ہے۔ (دیکھیے کاظمی کی کتاب احیاء الشریعة فی کتب الشیعة، ص: ۶۳۔۶۴)

سیدنا علی کو سورۂ توبہ دے کر مکہ بھیجنے کے واقعہ سے واضح ہوتا ہے کہ نبی کریم اور ابو بکر و علی ایک صف میں

مقام حیرت ہے کہ شیعہ مصنف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سیرت وسوانح اور عصر وعہد کے واقعات سے نابلد محض ہونے کے باوجود علم وفضل کا دعوے دار ہے، اس قسم کے لوگوں کو خاموش رہنا زبان سخن دراز کرنے سے بہتر ہوتا ہے اگر اللہ تعالیٰ نے اس کے دل کو اندھا کر دیا ہو اور اس کی نیت خراب ہو تو اس میں میرا کیا قصور ہے؟ تاہم اس میں شبہ نہیں کہ وہ کٹڑ شیعہ ہے۔

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''امام جملہ احکام شرعی امت کی طرف پہنچانے کا ذمہ دار ہوتا ہے۔''

ہم کہتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام شرعی احکام امت کو سکھا دیے تھے۔ اس لیے امت اس ضمن میں امام کی دست نگر نہیں ہے، البتہ امام رسول سے حاصل کردہ احکام کو امت تک پہنچانے کا ایک ذریعہ ہوتا ہے۔ سیدنا ابوبکر صدیق عام شرعی مسائل واحکام سے آگاہ تھے۔ جو مسئلہ معلوم نہ ہوتا وہ صحابہ سے دریافت کر لیتے، مثلاً آپ نے میراث جدہ کا مسئلہ صحابہ سے دریافت کیا تھا۔ صحابہ نے بتایا کہ آپ نے جدہ کو ۱/۶ حصہ دیا تھا۔ [1] آپ کا کوئی قول ایسا نہ تھا جو نص سے ٹکراتا ہو۔ البتہ سیدنا عمر وعثمان کے بعض اقوال مخالف نص تھے۔ سیدنا علی کے مخالف نص اقوال کی تعداد عمر وعثمان کے اقوال کی نسبت زیادہ ہے۔ مثلاً سیدنا علی کا یہ قول کہ جس حاملہ عورت کا خاوند فوت ہو جائے اس کی

تھے اور اعداء صحابہ ان کے مدمقابل دوسری جانب، ان دونوں کا اتصال دین ودنیا میں کسی طرح ممکن نہیں۔ (علامہ خطیب) درحقیقت سیدنا ابوبکر صدیق کو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر الحج بنا کر روانہ فرمایا تھا اس وقت ابھی سورہ توبہ کی یہ آیات نازل نہیں ہوئی تھیں سیدنا ابوبکر ابھی اثنائے سفر میں ہی تھے کہ سورہ توبہ کی چالیس آیتیں نازل ہوئیں جس کا اعلان براءت حج میں ہونا ضروری تھا، اس لیے سیدنا علی کو ان کے پیچھے ہی روانہ کر دیا تاکہ اعلان بروقت ہو سکے، لیکن سیدنا ابوبکر کی امارت کو توڑا نہ سیدنا علی کو ان پر امیر مقرر کیا، بلکہ امارت حج بدستور سیدنا صدیق کے پاس رہی اور سیدنا علی کو ان کے ماتحت رہنے دیا۔ (خالد)

[1] سنن ابی داؤد، کتاب الفرائض، باب فی الجدة،(حدیث:۲۸۹٤)، سنن ترمذی کتاب الفرائض باب ما جاء فی میراث الجدة، (حدیث: ۲۱۰۰،۲۱۰۱)، سنن ابن ماجة، کتاب الفرائض۔ باب میراث الجدة(حدیث:۲۷۲٤)

عدت ابعد الاجلین (عدتِ وفات اور وضع حمل میں سے جس کی مدت بعید تر ہو) ہے [1] حالانکہ سُبَیعہ کی روایت کردہ حدیث صحیحین میں موجود ہے کہ وضع حمل کے بعد نبی کریم ﷺ نے اسے نکاح کی اجازت دے دی تھی۔ [2]

امام شافعی رحمہ اللہ نے سیدنا علی و ابن مسعود کے اختلافات کے بارے میں ایک کتاب تصنیف کی تھی ان کے بعد محمد بن نصر مروزی نے اس سے زیادہ اختلافات جمع کیے۔ جب کوفہ کے لوگ سیدنا علی سے مناظرہ کرتے تو آپ نصوص سے احتجاج کیا کرتے تھے، وہ لوگ کہتے تھے، ہم نے علی و ابن مسعود کے قول پر عمل کیا ہے، چنانچہ ان کے لیے سیدنا علی و ابن مسعود کے وہ اقوال جمع کیے گئے تھے جن کو لوگوں نے ترک کر رکھا تھا۔

شیعہ مصنف لکھتا ہے۔

''جب ان مسائل میں تم دونوں سے اختلاف کرنے کو اس لیے جائز سمجھتے ہو کہ ان کے خلاف حجت قائم ہو چکی ہے تو باقی مسائل میں بھی یہی رویہ اختیار کرنا چاہیے۔''

ہم کہتے ہیں کہ سیدنا ابوبکر سے ایسی بات معروف نہیں ہے۔ علاوہ ازیں سب صحابہ نے قرآن کریم نبی کریم ﷺ سے سن کر لوگوں تک پہنچا دیا تھا، لہٰذا یوں کہنا درست نہیں کہ تبلیغ قرآن سیدنا علی کا خاصہ ہے، اس لیے کہ قرآن خبر واحد کے ساتھ ثابت نہیں ہوتا۔

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''عمر نے کہا تھا کہ محمد فوت نہیں ہوئے، یہ بات ان کے قلیل العلم ہونے پر دلالت کرتی ہے، عمر نے ایک حاملہ عورت کو سنگ سار کرنے کا حکم دیا تو سیدنا علی نے اس سے منع کیا، تب عمر نے کہا: ''اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔''

ہم قبل ازیں دلائل و براہین کی روشنی میں سیدنا عمر کا علمی مقام واضح کر چکے ہیں سیدنا عمر سیدنا

---

1. کتاب الام، للامام الشافعی(۷/۱۷۳)، سنن کبری،بیهقی(۷/۴۳۰)، المغنی لابن قدامة(۱۱/۲۸۹)

2. صحیح بخاری، کتاب الطلاق، باب ﴿ وَاُولَاتِ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ...... ﴾ (حدیث: ۵۳۱۸ـ۵۳۲۰)، صحیح مسلم ، کتاب الطلاق، باب انقضاء عدة المتوفی عنها زوجها (حدیث:۱۴۸۴،۱۴۸۵)

ابوبکر صدیق کے بعد اَعلم الناس تھے۔ باقی رہا یہ کہ انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ گمان کیا کہ آپ فوت نہیں ہوئے، تو یہ ایک لمحہ کے لیے تھا۔ فوری طور پر ان پر منکشف ہو گیا تھا کہ آپ فوت ہو چکے ہیں، ایسے واقعات سیدنا علی کو بھی پیش آئے تھے کہ انھوں نے ایک رائے قائم کی اور وہ غلط نکلی۔ اس سے ان کی امامت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ سیدنا عمر کو معلوم نہ تھا کہ وہ عورت حاملہ ہے، سیدنا علی نے آگاہ کر دیا اس میں سیدنا عمر کی کوئی غلطی نہیں، یہ ایک مسلمہ بات ہے کہ قرآن کریم کی متعدد آیات سیدنا عمر کی تائید و موافقت میں نازل ہوئیں۔ نیز سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر ہوتے۔''❶

شہادت پانے کے بعد جب عمر کو چار پائی پر رکھا گیا تو سیدنا علی نے ان کی تعریف فرمائی اور اس خواہش کا اظہار کیا کہ اے کاش! آخری وقت میں مجھے سیدنا عمر کے اعمال کے ساتھ بارگاہ ربانی میں پیش کیا جائے۔''❷

شیعہ کے نزدیک نماز تراویح بدعت ہے:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''عمر نے تراویح کی بدعت جاری کی۔ حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا، لوگو! رمضان کی راتوں میں نماز باجماعت بدعت ہے۔ چاشت کی نماز بھی بدعت ہے، لہٰذا رمضان کی راتوں میں جمع نہ ہوا کرو۔ صلوٰۃ الضحیٰ بھی نہ پڑھا کرو۔ عمر رات کو نکلے تو مساجد میں چراغ جلتے دیکھ کر پوچھا یہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا ہم نفلی نماز کے لیے جمع ہوئے ہیں، فرمایا: یہ ہے تو بدعت مگر اچھی ہے۔''

ہم کہتے ہیں تمام اسلامی فرقوں میں شیعہ کذب بیانی میں پیش پیش ہیں۔ اس کی حد یہ ہے کہ یہ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی افتراء پردازی کرتے ہوئے نہیں جھجکتے اور شرم و حیاء کے جذبات کو بالائے طاق رکھ دیتے ہیں۔

---

❶ سنن ترمذی، کتاب المناقب، باب (۱۷/۵۲)، (حدیث:۳۶۸۶)

❷ صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، باب مناقب عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ (حدیث:۳۶۸۵) ، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ (حدیث:۲۳۸۹)

ہمارا دعویٰ ہے کہ شیعہ اس کی اسناد پیش کرنے اور اس کی صحت کے اثبات سے قاصر ہیں۔ کسی عالم نے اسے روایت نہیں کیا، جو شخص علم حدیث سے معمولی واقفیت رکھتا ہے وہ جانتا ہے کہ یہ روایت موضوع اور بے اسناد ہے۔

احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ عہد رسالت میں لوگ رمضان کی راتوں میں باجماعت نماز تراویح ادا کیا کرتے تھے۔ [1] احادیث سے ثابت ہے کہ آپ نے دو یا تین راتوں میں لوگوں کو باجماعت تراویح کی نماز پڑھائی تھی، چوتھی رات لوگ انتظار کرتے رہے، مگر آپ اس لیے مسجد میں نہ آئے کہ یہ نماز فرض نہ ہو جائے اور لوگ اس کے ادا کرنے سے قاصر رہیں۔ [2]

امام بخاری نے عبدالرحمٰن بن عبدالقاری سے روایت کیا ہے کہ میں رمضان کی ایک رات میں سیدنا عمر کے ساتھ مسجد گیا، تو دیکھا لوگ ادھر ادھر منتشر تھے، کچھ لوگ انفرادی طور پر نماز میں مشغول تھے۔ چند آدمی نماز باجماعت ادا کر رہے تھے۔ سیدنا عمر نے فرمایا، میرا خیال ہے کہ میں ایک قاری کو مقرر کر دوں، جس کی اقتداء میں سب لوگ مل کر نماز ادا کیا کریں تو یہ بہتر ہوگا۔ چنانچہ آپ نے سیدنا ابی بن کعب کو اس خدمت پر مامور فرمایا۔ پھر میں ان کے ساتھ دوسری رات نکلا تو لوگ قاری کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے تھے۔ سیدنا عمر نے یہ دیکھ کر فرمایا: ''یہ بڑی اچھی بدعت ہے، جس نماز سے تم سو رہتے ہو وہ اس سے بہتر ہے جو تم ادا کرتے ہو، آپ کا مطلب یہ تھا کہ رات کے آخری حصہ میں نماز پڑھنا افضل ہے۔ [3]

سیدنا عمر نے قیام رمضان کو بدعت قرار دیا، اس سے مراد وہ بدعت نہیں جو ضلالت ہوتی ہے، اس لیے کہ یہ نماز شرعی دلیل کے بغیر نہیں ادا کی گئی تھی۔ اگر قیام رمضان باجماعت کوئی مذموم فعل ہوتا تو آپ کوفہ میں اسے بند کر دیتے۔ سیدنا علی نے فرمایا تھا۔

''اللہ تعالیٰ سیدنا عمر کی قبر کو منور کرے جس نے ہماری مسجدوں کو روشن کر دیا۔'' [4]

---

[1] معرفة السنن والآثار للبیهقی (۲/۳۰۳، ح:۱۳۶۳)

[2] صحیح بخاری، کتاب صلاة التراویح، باب فضل من قام رمضان (حدیث:۲۰۱۲)، صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرین، باب الترغیب فی قیام رمضان (حدیث:۷۶۱)

[3] صحیح بخاری، حواله سابق (حدیث:۲۰۱۰)

[4] اسد الغابة (۴/۱۸۳)

ابوعبدالرحمٰن السلمی سے روایت ہے کہ سیدنا علی نے رمضان میں قاریوں کو بلا کر ان میں سے ایک قاری کو حکم دیا کہ وہ انھیں بیس رکعات پڑھائے۔ وہ کہتے ہیں کہ سیدنا علی انھیں وتر پڑھایا کرتے تھے۔ [1]

عرفجہ ثقفی کہتے ہیں کہ سیدنا علی قیام رمضان کا حکم دیا کرتے تھے، ایک امام آدمیوں کے لیے مقرر کرتے اور ایک عورتوں کے لیے، میں عورتوں کا امام ہوا کرتا تھا۔ [2] امام بیہقی نے یہ دونوں روایتیں سنن میں نقل کی ہیں۔ احادیث صحیحہ میں نبی کریم ﷺ نے نماز ضحیٰ کی ترغیب دی ہے۔

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''عثمان نے بہت سے ناروا کام کیے تھے، یہاں تک کہ سب مسلمان آپ پر اعتراض کرنے لگے اور آپ کو قتل کرنے پر متفق ہو گئے۔''

ہم کہتے ہیں کہ یہ شیعہ کے جہل و افتراء کی کرشمہ سازی ہے۔ لوگوں نے کامل اتحاد اور یگانگت کے ساتھ سیدنا عثمان کی بیعت کی تھی اور کوئی شخص بھی آپ کی بیعت سے پیچھے نہیں رہا تھا۔ بخلاف ازیں بہت سے لوگوں نے سیدنا علی کی بیعت میں شرکت نہیں کی تھی۔

یہ جھوٹ ہے کہ لوگ سیدنا عثمان کو قتل کرنے کے بارے میں متحد الخیال تھے، اگر اہل شر و ظلم نے یہ ارادہ کیا ہو تو وہ الگ بات ہے۔ سابقین اوّلین صحابہ میں سے کوئی بھی قتل عثمان میں شریک نہ تھا۔ البتہ سیدنا علی سے لڑنے اور ان پر طعن و تشنیع کرنے والوں کی تعداد قاتلین عثمان سے کئی گنا زیادہ تھی۔ آپ کے لشکر کے ہزاروں آدمیوں نے آپ کو کافر قرار دیا اور آپ کے خلاف خروج کیا تھا، آخر کار سیدنا علی نے بھی اپنے پھوپھی زاد بھائی سیدنا عثمان کی طرح شہادت حاصل کی۔ اللہ ان کے قاتل کو غارت کرے۔

---

[1] سنن کبریٰ بیہقی(۲/ ۴۹۶)، وسندہ ضعیف۔ اس کی سند میں حماد بن شعیب راوی ضعیف و منکر الحدیث ہے۔ دیکھئے: لسان المیزان(۲/ ۳۴۸)

[2] سنن کبری بیہقی (۲/ ۴۹۴)، مصنف عبد الرزاق (۵۱۲۵)

اَلفصل السادس

سیدنا ابوبکر صدیق کی امامت وخلافت کے دلائل:

شیعہ مصنف رقم طراز ہے:

''ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ ابوبکر کی خلافت پر اجماع منعقد ہوا تھا۔ اس لیے کہ بنو ہاشم کی ایک جماعت ان کو خلیفہ تسلیم نہیں کرتی تھی۔ صحابہ میں سے سلمان، ابو ذر، مقداد، عمار، حذیفہ، سعد بن عبادہ، زید بن ارقم، اُسامہ، اور خالد بن سعید العاص رضی اللہ عنہم ابوبکر کو خلیفہ نہیں مانتے تھے۔ ابوبکر کا والد بھی آپ کی خلافت کا منکر تھا۔ اس نے پوچھا لوگوں نے کس کو خلیفہ منتخب کیا؟ لوگوں نے کہا: ''تیرے بیٹے کو'' اس نے پوچھا: ''علی وعباس کو کیا ہوا؟'' لوگوں نے بتایا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز وتکفین میں مشغول ہو گئے تھے، ابوبکر کو بڑا سمجھ کر لوگوں نے امام بنا لیا۔ بنو حنیفہ کا قبیلہ ابوبکر کی خلافت کا منکر تھا۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے آپ کو زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ ابوبکر نے ان کو مرتد قرار دے کر ان کو قتل کیا اور قیدی بنایا۔ عمر نے اس کی مخالفت کی اور اپنی خلافت کے زمانہ میں ان لونڈی غلاموں کو آزاد کر دیا تھا۔''

ہم کہتے ہیں معمولی واقفیت رکھنے والا شخص بھی اس حقیقت سے آشنا ہے کہ ایسی بات کہنے والا یا تو جاہل مطلق ہے یا بہتان طرازی کا مرتکب ہے۔ روافض جاہل اور اندھے ہیں، جو شخص ان کے افکار وعقائد کے مطابق کوئی بات کہے وہ اسے مان لیتے ہیں، خواہ کہنے والا دجال ہی کیوں نہ ہو۔ بخلاف ازیں جو ان کے افکار ومعتقدات کے خلاف کوئی بات کہے وہ اس کی تکذیب کرتے ہیں خواہ وہ کتنا ہی حق گو کیوں نہ ہو، ایسے لوگ کیوں کر فلاح پائیں گے اور جو اس مرض کا شکار ہو اس کی عافیت کی کیا امید کی جا سکتی ہے؟

شیعہ اس آیت کے مصداق ہیں:

﴿وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا

جَآءَهٗ﴾(العنکبوت:۲۹/۶۸)

’’اس شخص سے بڑا ظالم اور کون ہے، جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا جب اس کے پاس حق آئے تو اس کی تکذیب کرے۔‘‘

اہل سنت بحمد اللہ اس آیت کے مصداق ہیں:

﴿وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَ صَدَّقَ بِهٖ اُوْلٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ﴾

(الزمر:۳۹/۳۳)

’’جو شخص حق کو لایا اور اس کی تصدیق کی وہی متقی ہیں۔‘‘

کیا کسی نے کبھی ایسی بات سنی ہے؟ ہر صاحب علم اس بات سے آگاہ ہے کہ بنوحنیفہ کافر تھے اور مسیلمہ کذاب کی پیروی کرتے تھے۔ مقام حیرت ہے کہ شیعہ مصنف کفر پر ان کے اتفاق کو اجماع قرار دے رہا ہے۔ بنوحنیفہ کو قتل کرنے اور قیدی بنانے کی وجہ یہ تھی کہ انھوں نے سیدنا ابوبکر کی بیعت کرنے اور زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ ہم بارگاہ ایزدی میں دست بدعا ہیں کہ وہ ہمیں بہتان طرازی اور ہذیان گوئی سے بچائے۔ ایک شاعر کا قول ہے

اِذَا مَحَاسِنِی اللَّائِیْ اُدِلُّ بِهَا
کَانَتْ ذُنُوْبًا فَقُلْ لِّیْ کَیْفَ اَعْتَذِرُ

’’جب میرے نیک اعمال جن پر مجھے ناز تھا گناہ بن گئے تو مجھے بتا کہ میں کیسے معذرت کروں۔‘‘

بنوحنیفہ کا ارتداد اور سیدنا ابوبکر صدیق:

بنوحنیفہ کا قتل اور ان کا قیدی بنانا سیدنا صدیق کا عظیم کارنامہ ہے۔ آپ نے عدم ادائیگی زکوٰۃ کی بنا پر ان کو قتل نہیں کیا تھا، بلکہ اس لیے کہ وہ مسیلمہ پر ایمان لائے تھے۔ ان کی تعداد ایک لاکھ کے لگ بھگ تھی۔ سیدنا علی کے بیٹے محمد بن حنفیہ کی ماں بنوحنیفہ ہی میں سے تھی۔ جن قبائل کے خلاف سیدنا صدیق عدم ادائیگی زکوٰۃ کی بنا پر نبرد آزما ہوئے تھے وہ بنوحنیفہ کے علاوہ دیگر قبائل تھے۔ انھوں نے ترک زکوٰۃ کو مباح قرار دیا تھا اس لیے ان کے خلاف جنگ آزمائی کی نوبت آئی۔ امام ابوحنیفہ و احمد بن حنبل اور دیگر ائمہ کا خیال ہے کہ جب کوئی قوم یہ کہے کہ ہم زکوٰۃ دینے کے لیے تیار ہیں، مگر ہم

فلاں امام کونہیں دیں گے،تو ان کے خلاف صف آرائی جائز نہیں۔ہم شیعہ مصنف سے پوچھتے ہیں کہ اس نے سیدنا ابوبکر کی بیعت نہ کرنے والوں میں یہود و بربر اور قیصر و کسریٰ کو کیوں نہ شامل کیا؟ بنو حنیفہ کا معاملہ تاریخ اسلام میں اس قدر مشہور ہے کہ پردہ نشینان حرم بھی اس سے آگاہ ہیں، پھر شیعہ کی اس سے بے خبری بڑی حیرت کی موجب ہے۔

سیف بن عمر کی کتاب الرِدّۃ اور الواقدی کی کتاب الردۃ سے سب لوگ واقف ہیں، مگر شیعہ ان سے بھی نابلد ہے، ورنہ بنو حنیفہ کے ارتداد سے جاہل نہ رہتا۔

شیعہ مصنف کا یہ قول کہ ’’عمر نے مرتدین کے خلاف جنگ آزما ہونے پر اعتراض کیا تھا۔‘‘ صریح بہتان ہے بلاشبہ سیدنا عمر نے اس میں توقف کیا تھا، مگر سیدنا ابوبکر سے تبادلہ افکار کرنے کے بعد آپ نے اپنے زاویۂ نگاہ سے رجوع کرلیا اور سیدنا ابوبکر کے ساتھ متفق ہو گئے تھے۔شیعہ نے جن صحابہ کا نام لیکر بتایا ہے کہ انھوں نے سیدنا صدیق کی بیعت میں شرکت نہیں کی تھی۔ یہ ان پر بہتان ہے، ان لوگوں کا بیعت ابوبکر و عمر میں شرکت کرنا اظہر من الشّمس ہے، البتہ سعد بن عبادہ نے سیدنا ابوبکر کی بیعت نہیں کی تھی۔سیدنا اسامہ لشکر کے ساتھ اس وقت روانہ ہوئے تھے جب آپ نے سیدنا صدیق کی بیعت کرلی تھی۔خالد بن سعید نبی اکرم کے نائب تھے۔جب آپ نے وفات پائی تو خالد نے کہا میں اور کسی کا نائب نہیں بننا چاہتا۔ یہ بات تواتر کے ساتھ معلوم ہے کہ سعد بن عبادہ کے سوا سب صحابہ نے سیدنا ابوبکر کی بیعت کرلی تھی۔

جہاں تک سیدنا علی اور دیگر بنو ہاشم کا تعلق ہے، ان میں سے کوئی بھی سیدنا صدیق کی بیعت کیے بغیر فوت نہیں ہوا تھا۔ البتہ ایک قول کے مطابق انھوں نے چھ ماہ بعد آپ کی بیعت کی تھی۔ دوسرے قول کے مطابق انھوں نے آپ کے انتخاب کے دوسرے دن بخوشی آپ کی بیعت کرلی تھی۔ سیدنا سعد کے سوا سب صحابہ نے سیدنا فاروق اعظم کی بیعت میں شرکت کی تھی۔سیدنا سعد خلافت فاروقی میں فوت ہوئے تھے۔سقیفہ بنی ساعدہ کے روز سیدنا سعد نے منصب امامت پر فائز ہونے کا قصد کیا تھا، مگر آپ کو یہ بات معلوم نہ تھی کہ یہ قریش کا حق ہے۔

شیعہ مصنف نے سیدنا ابوبکر کے والد ابو قحافہ کا جو واقعہ بیان کیا ہے، وہ باطل ہے، ابوبکر عمر میں سب صحابہ سے بڑے نہ تھے۔ آپ عمر میں نبی کریم ﷺ سے قدرے چھوٹے تھے۔ سیدنا عباس نبی ﷺ سے تین سال بڑے تھے۔ ابو قحافہ سے منقول ہے کہ جب سالار انبیاء ﷺ کا انتقال ہوا تو

مکہ کے شہر پر لرزہ طاری ہوگیا۔ ابوقحافہ نے لوگوں سے دریافت کیا، کیا بات ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ آنحصور ﷺ فوت ہو گئے۔ ابوقحافہ بولا: ''بہت بڑا واقعہ پیش آیا۔ ان کے بعد کون شخص خلیفہ قرار پایا۔'' لوگوں نے کہا: ''تیرا بیٹا'' ابوقحافہ بولا: کیا بنوعبد مناف اور بنومغیرہ اس پر راضی ہو گئے ؟ لوگوں نے کہا: ''ہاں'' ابوقحافہ نے یہ سن کر کہا، جس کو اللہ دے اس کو کوئی روکنے والا نہیں ہے۔''[1]

سیدنا علی نے وفات فاطمہ کے بعد ابوبکر کی بیعت کرلی:

بخاری و مسلم میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے سیدنا ابوبکر سے مطالبہ کیا کہ مدینہ میں جو مال غنیمت نبی ﷺ کے پاس موجود تھا، نیز خیبر اور فدک کے خُمس میں سے جو مال باقی ہے وہ آپ کی میراث کے طور پر مجھے دے دیں، سیدنا ابوبکر نے کہا نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''ہم کسی کو وارث نہیں بناتے، جو کچھ ہم چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہوتا ہے'' یہ درست ہے کہ نبی کریم ﷺ کے اہل بیت بسر اوقات کے لیے اس میں سے کھا سکتے ہیں، اللہ کی قسم! میں صدقہ کی تقسیم میں کوئی تبدیلی نہیں کروں گا، بلکہ اسے اسی حالت پر رہنے دوں گا جس پر وہ عہد رسالت میں تھا۔ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں جس بات پر عمل کیا جاتا تھا میں اسے کسی قیمت پر ترک نہیں کروں گا، ورنہ اندیشہ ہے کہ میں راہ حق سے منحرف ہو جاؤں گا۔

سیدہ فاطمہ اس بات سے حقیقت کو پا گئیں اور تا وفات پھر دوبارہ سیدنا ابوبکر سے اس مسئلہ میں گفتگو نہ کی، آپ کی وفات کے بعد وہ چھ ماہ بقید حیات رہیں۔ جب فوت ہوگئیں تو سیدنا علی نے ان کو راتوں رات دفن کر دیا اور سیدنا ابوبکر کو اطلاع نہ دی۔

جب سیدہ فاطمہ بقید حیات تھیں تو لوگ سیدنا علی کا احترام کرتے تھے، آپ کی وفات کے بعد وہ بات نہ رہی مجبوراً آپ نے سیدنا ابوبکر سے مصالحت و مبایعت کی سلسلہ جنبانی شروع کی۔ ہنوز آپ نے سیدنا ابوبکر کی بیعت نہیں کی تھی۔ چنانچہ سیدنا علی نے ابوبکر کو کہلا بھیجا کہ آپ تنہا میرے گھر آئیں۔ آپ کا مقصد یہ تھا کہ سیدنا عمر آپ کے ہم راہ نہ ہوں۔ سیدنا عمر نے ابوبکر سے کہا، آپ کا تنہا جانا مناسب نہیں۔ ابوبکر نے کہا: وہ میرے ساتھ کیا سلوک کریں گے اللہ کی قسم! میں علی کے ہاں ضرور جاؤں گا۔'' سیدنا علی نے کلمہ شہادت پڑھ کر کہا کہ ابوبکر! ہم آپ کی اللہ داد صلاحیتوں سے آگاہ

---

[1] طبقات ابن سعد(۳/ ۱۸٤)

ہیں اور آپ کی امامت و خلافت پر شک نہیں کرتے۔ مگر آپ نے ہم پر زیادتی کی، ہم قرابت رسول کی بنا پر اپنے آپ کو خلافت کا حق دار قرار دیتے تھے۔ سیدنا علی مصروف گفتگو رہے۔ یہاں تک کہ ابوبکر کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ سیدنا ابوبکر نے سیدنا علی کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! قرابت رسول کا مجھے اپنے رشتہ داروں کی نسبت زیادہ پاس ہے۔ جہاں تک ہمارے مالی تنازعات کا تعلق ہے میں نے ان میں حق سے انحراف نہیں کیا، بلکہ نبی کریم ﷺ کو اس ضمن میں جو کچھ کرتے دیکھا وہی کیا۔''

سیدنا علی نے فرمایا: ''میں آج بعد دوپہر آپ کی بیعت کروں گا۔'' سیدنا ابوبکر ظہر کی نماز پڑھ کر منبر پر کھڑے ہوئے۔ مسنون خطبہ کے بعد سیدنا علی کی عظمت و فضیلت اور بیعت نہ کرنے کی وجہ بیان کی۔ پھر سیدنا علی نے تقریر کرتے ہوئے سیدنا ابوبکر کے فضائل و مناقب پر روشنی ڈالی اور بتایا کہ رشک کی وجہ سے میں نے بیعت میں تاخیر نہیں کی تھی۔ نہ میں آپ کے فضائل کا منکر ہوں۔ بات یہ تھی کہ میں اپنے کو خلافت کا اہل خیال کرتا تھا جب ابوبکر خلافت پر فائز ہو گئے تو ہم اس سے ناراض ہوئے۔ مسلمان یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور انھوں نے کہا: ''آپ نے ٹھیک کیا'' اس بات سے مسلمان سیدنا علی سے قریب تر ہوتے چلے گئے۔ [1]

ایک یا دو اشخاص کی مخالفت انعقاد خلافت کے لیے مضر نہیں:

اس میں شبہ نہیں کہ امامت کے لیے جو اجماع معتبر ہے۔ اس میں ایک یا دو آدمیوں کا تخلف ضرر رساں نہیں ہے اور اگر ایسا ہوتا تو کسی خلیفہ کی امامت و خلافت بھی منعقد نہ ہوتی۔ عام شرعی احکام کے بارے میں جو اجماع منعقد ہوتا ہے، اس میں اختلاف ہے کہ آیا ایک یا دو اشخاص کی مخالفت معتبر ہے یا نہیں؟ اس ضمن میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے دو قول منقول ہیں، ایک قول یہ ہے کہ ایک یا دو آدمیوں کی مخالفت معتبر نہیں ہے، محمد بن جریر طبری وغیرہ کا قول بھی یہی ہے۔ امام احمد کا دوسرا قول یہ ہے کہ احکام میں ایک یا دو شخصوں کی مخالفت معتبر ہے۔

جب ایک شخص نص کی مخالفت کرے تو اس کے قول کو شاذ قرار دیا جائے گا، مثلاً سعید بن

---

[1] صحیح بخاری ، کتاب المغازی۔ باب غزوة خیبر(حدیث:٤٢٤٠، ٤٢٤١)، صحیح مسلم، کتاب الجهاد۔ باب قول النبی صلی اللّٰه علیه وسلم " لا نورث ما ترکنا ......"
(حدیث: ١٧٥٩)

مسیّب رحمہ اللہ کا یہ قول کہ جس عورت کو تین طلاقیں دی جائیں، جب وہ دوسرے خاوند سے نکاح کرے تو صرف نکاح کرنے ہی سے وہ پہلے خاوند کے لیے حلال ہو جاتی ہے۔ مزید براں انعقاد خلافت کے لیے صرف ارباب حل وعقد اور جمہور کا اتفاق شرط ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جماعت سے وابستہ رہیے، اس لیے کہ جماعت پر اللہ کا فضل واحسان ہوتا ہے۔ ❶

آپ نے فرمایا:

''سواد اعظم کا دامن نہ چھوڑیے، جو جماعت سے الگ ہوا وہ الگ ہو کر جہنم میں جائے گا۔'' ❷

یہ امر بھی قابل غور ہے کہ سیدنا ابوبکر کی بیعت پر امت کا جو اجماع ہوا تھا وہ سیدنا علی کی بیعت پر نہیں ہو سکا تھا۔ ایک تہائی بلکہ اس سے زیادہ لوگوں نے سیدنا علی کی بیعت میں شرکت نہیں کی تھی۔ بہت سے اکابر نے علیحدگی اختیار کر لی تھی۔ اور وہ سیدنا علی کے خلاف جنگ آزما نہیں ہوئے تھے، اگر امت کے چند افراد کی عدم شرکت سے کسی شخص کی خلافت میں قدح وارد ہوتی ہے تو سیدنا علی کی خلافت جرح وقدح کی زیادہ مستحق ہوگی۔

اگر شیعہ کہیں کہ امامت علی نص سے ثابت ہے، لہٰذا اجماع کی ضرورت نہ تھی۔ تو ہم کہیں گے کہ قبل ازیں ذکر کردہ نصوص سے صراحتہً سیدنا ابوبکر کی افضلیت واضح ہوتی ہے۔ ہم بتا چکے ہیں کہ صحابہ نے اجماعاً آپ کی بیعت کی تھی اور آپ کو خلیفۂ رسول کا لقب بخشا تھا۔

خلافت صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں دو طرح سے گفتگو کی جا سکتی ہے۔

۱۔ پہلا موضوع کلام یہ ہے کہ فی الواقع سیدنا ابوبکر منصب خلافت پر فائز ہوئے تھے یا نہیں؟

۲۔ دوسرا یہ کہ آپ خلافت کی صلاحیت واہلیت سے بہرہ ور تھے بھی یا نہیں؟

جہاں تک امر اوّل کا تعلق ہے آپ کا خلیفہ ہونا تواتر اور لوگوں کے اتفاق سے ثابت ہے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ابوبکر نائب رسول تھے۔ آپ نے شرعی حدیں قائم کیں۔ واجب الوصول

---

❶ معجم کبیر طبرانی(۱۲/۴٤۷)، بھذا اللفظ۔ سنن ترمذی، کتاب الفتن، باب ما جاء فی لزوم الجماعة(حدیث:۲۱۶۶،۲۱۶۷)، لیکن اس میں ''جماعت سے وابستہ رہیے'' کے الفاظ نہیں ہیں، وہ دوسری روایت (حدیث:۲۱۶۵) میں ہیں۔

❷ مستدرك حاکم (۱/۱۱۵۔۱۱۶)

حقوق وصول کیے۔ کفار و مرتدین کے خلاف جنگ آزما ہوئے، عمال مقرر کیے، مال تقسیم کیا اور امیر و خلیفہ سے متعلق جملہ امور انجام دیے، بلکہ وہ اوّلیں شخص تھے جو امامت پر فائز ہوئے۔

باقی رہا امر دوم یعنی آپ کا مستحق امامت ہونا تو اجماع کے سوا اور بھی کثیر دلائل موجود ہیں۔ شیعہ جس طریقہ سے بھی امامت علی کا اثبات کرتے ہیں، ہم اسی طریقہ سے سیدنا ابوبکر کا مستحق امامت ہونا ثابت کرتے ہیں۔ بہرکیف اجماع کی حاجت امر اوّل میں ہے امر دوم میں نہیں۔ تاہم امر ثانی پر بھی اجماع منعقد ہو چکا ہے۔

حجیت اجماع کی بحث:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''اجماع کسی مسئلہ پر دلالت کرنے میں اصل شرعی کی حیثیت نہیں رکھتا بلکہ اس کے لیے دلیل عقلی و نقلی کی ضرورت ہوتی ہے جہاں تک عقلی دلیل کا تعلق ہے کوئی عقلی دلیل امامت پر دلالت نہیں کرتی۔ باقی رہی نقلی دلیل تو اہل سنت کے نزدیک نبی کریم ﷺ نے کوئی امام مقرر کیے بغیر وفات پائی تھی۔ بنا بریں اگر اجماع منعقد ہوا بھی ہے تو وہ کسی مسئلہ پر دلالت نہیں کرتا۔''

ہم کہتے ہیں اگر اس قول سے تمہاری مراد یہ ہے کہ ارباب اجماع کے امیر کی اطاعت بذات خود واجب نہیں ہے، بلکہ اس لیے ضروری ہے کہ اس کے ذریعہ اللہ و رسول کا حکم معلوم ہوتا ہے تو یہ صحیح ہے، مگر اس سے ہمارے نظریہ کو کچھ نقصان نہیں پہنچتا، اس لیے کہ رسول بھی بذات خود مطاع نہیں ہے، بلکہ اس کی اطاعت اس لیے ضروری ہے کہ اس کی اطاعت دراصل اللہ کی اطاعت ہوتی ہے، کیوں کہ اسلام میں مُطاع حقیقی صرف اللہ کی ذات ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ﴾ (الاعراف: ۷/ ۵۴)

نیز فرمایا:

﴿إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ﴾ (الانعام: ۶/ ۵۷)

اور اگر تمہارا (شیعہ کا) مقصد یہ ہے کہ اجماع کبھی حق کے موافق ہوتا ہے اور کبھی مخالف تو یہ حجیت اجماع پر طعن ہے۔ جہاں تک اس دعویٰ کا تعلق ہے کہ پوری امت خطا پر جمع ہوسکتی ہے جیسا کہ نظام اور بعض روافض کا خیال ہے۔ یہ غلط ہے ہم امامت صدیق کے اثبات میں ایسے دعویٰ کے محتاج

نہیں ہیں، اور ہمیں شرط لگانے کی بھی ضرورت نہیں، ہم صرف یہ کہتے ہیں کہ اجماع سے جو حکم ثابت ہوتا ہے، اس پر دلالت کرنے والی نص موجود ہوتی ہے، اجماع سے صرف اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ فلاں مسئلہ کے بارے میں نص موجود ہے۔

اس بات میں علماء کا اختلاف ہے کہ اجتہاد کی اساس پر اجماع منعقد کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ مگر نص سب لوگوں سے۔ بلکہ بعض لوگوں کو اس کا علم بھی ہوتا ہے۔ خلافت صدیقی اسی قبیل سے ہے اس کے بارے میں نصوص موجود ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی امامت و خلافت مبنی برحق وصواب تھی۔ اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ اختلاف کا مبنیٰ یہ ہے کہ آیا خلافت کا انعقاد نص خاص کی بنا پر ہوتا ہے یا اجماع کی اساس پر؟ ہمارا زاویۂ نگاہ یہ ہے کہ نص و اجماع باہم لازم ملزوم ہے۔ اس کی دلیل یہ آیت قرآنی ہے:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ (آل عمران: ۳/۱۱۰)

''تم بہترین جماعت ہو، جو لوگوں کے لیے ظاہر کی گئی، تم نیک کاموں کا حکم دیتے اور برے کاموں سے روکتے ہو۔''

اس آیت سے مستفاد ہوتا ہے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر امت پر واجب ہے اس میں قطعی طور پر سب واجبات و محرمات شامل ہیں۔ لہٰذا امت کو چاہیے کہ واجبات کو ضروری ٹھہرائیں اور اللہ کے محرمات سے لوگوں کو باز رکھیں اور خاموش نہ رہیں۔ پھر حق کی نقیض باطل کی تائید میں بولنا کیوں کر جائز ہو سکتا ہے؟ نظر بریں اگر سیدنا ابوبکر کی خلافت حرام و منکر ہوتی تو اس سے لوگوں کو باز رکھنا امت پر واجب اور اس سے خاموش رہنا ناروا ہوتا اور اگر سیدنا علی کی اطاعت واجب ہوتی تو یہ ایک بڑی نیکی تھی، جس کا حکم دینا نہایت ضروری تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''مومن مرد اور عورتیں ایک دوسرے کے ہم درد ہیں وہ نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں۔'' (سورۂ توبہ: ۹/۷۱)

نیز فرمایا:

﴿وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ﴾

(البقرة: ۲/۱۴۳)

''اسی طرح ہم نے تم کو ایک امت وسط بنایا تا کہ تم دوسروں پر نگاہ رکھو۔''

جب اس امت کو شاہد کا درجہ دیا گیا ہے تو ان کو یہ بات معلوم ہونا چاہیے کہ وہ کس بات کی شہادت دیں گے۔ اگر یہ امت اللہ کی حلال کردہ اشیاء کو حرام اور محرمات کو حلال قرار دینے والی ہوتی تو اس کو شاہد نہیں بنایا جا سکتا تھا۔ اسی طرح اگر اس امت کے افراد قابل مدح اشخاص کی مذمت کرتے اور مذموم اشخاص کی مدح میں رطب اللسان ہوتے تب بھی وہ اس منصب پر فائز نہیں کیے جا سکتے تھے۔ بنا بریں جب یہ امت سیدنا ابوبکر کے استحقاق خلافت کی گواہی دے تو اس کا صادق ہونا ضروری ہے۔ اسی طرح جب یہ بالاتفاق کسی کے نیک یا بد ہونے کی شہادت دیں تو ان کی یہ گواہی قبول کی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''جو شخص بھی ظہور ہدایت کے بعد رسول کی مخالفت کرے گا، اور مومنین کی راہ کو چھوڑ کر دوسری راہ پر چلے گا تو جدھر کو وہ مڑے گا ہم اس کو اسی طرف موڑ دیں گے اور اسے جہنم رسید کریں گے۔'' (سورہ نساء:۴/۱۱۵)

اس آیت میں مخالفت رسول اور مومنین کی راہ کو چھوڑ کر دوسرے راستوں پر چلنے کی ممانعت کی گئی ہے، یہ دونوں باتیں مذموم ہیں، جب اس امت کے لوگ کسی چیز کی حلت یا حرمت پر متفق ہوں اور کوئی شخص ان کی مخالفت کرے تو اس نے مومنین کے سوا دوسروں کی راہ اختیار کی۔

قرآن پاک میں فرمایا:

﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا﴾ (آل عمران:۳/۱۰۳)

''سب مل کر اللہ کی رسی کو تھام لو اور فرقے فرقے نہ بنو۔''

اگر حالتِ اجتماع میں بھی مسلمانوں کے درمیان کامل اتحاد و یگانگت موجود نہ ہو تو پھر اجتماع و انتشار میں کیا فرق ہوا؟ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ (المائدۃ:۵/۵۵)

''اللہ تعالیٰ، اس کا رسول اور اہل ایمان تمہارے دوست ہیں۔''

اس آیت میں مومنین کی دوستی کو اللہ و رسول کی دوستی کی طرح قرار دیا گیا ہے یہ ایک مسلمہ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اس امت کو ضلالت پر جمع نہیں ہونے دیتا، اس کے سب سے زیادہ حق دار صحابہ ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ صحابہ کا سیدنا ابوبکر کو خلیفہ منتخب کرنا ایک جائز اقدام تھا۔

سرورکائنات ﷺ نے فرمایا:

''جس کی تم مدح بیان کرتے ہو، اس کے لیے جنت واجب ہو جاتی ہے، اور جس کی مذمت کرتے ہو،اس کے لیے دوزخ واجب ہوجاتی ہے۔تم زمین پر اللہ کے گواہ ہو۔''❶

اجماع پر شیعہ کے اعتراضات:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''اجماع میں سب لوگوں کا قول معتبر ہوتا ہے اور یہ بات موجود نہ تھی۔ اکثر لوگ قتل عثمان پر متفق تھے۔''

ہم قبل ازیں اس کا جواب دے چکے ہیں، ہم نے بیان کیا تھا کہ ارباب حل وعقد کے اجماع میں چند افراد کے شرکت نہ کرنے سے کچھ حرج واقع نہیں ہوتا۔ یہ بات غلط ہے کہ اکثر لوگ سیدنا عثمان کو قتل کرنا چاہتے تھے۔ بخلاف ازیں آپ کی قاتل ایک باغی وظالم جماعت تھی۔

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''جب غلطی کا صدور ہر شخص سے ممکن ہے تو اجماع میں کذب کے احتمال سے کون سی چیز مانع ہے؟''

ہم کہتے ہیں کہ اجماع سے وہ فوائد حاصل ہوتے ہیں جو احاد سے نہیں ہوتے، بنابریں فرد واحد کو اجماع کا درجہ حاصل نہ ہوگا۔ مثلاً احاد سے خطا وکذب کا صدور ممکن ہے، مگر جب وہ تواتر کی حد کو پہنچ جائیں تو یہ احتمال باقی نہیں رہتا، اس کی نظیر یہ ہے کہ جتنے لقمے کھائے جاتے ہیں، ان میں سے کسی ایک لقمہ سے بھی سیری حاصل نہیں ہوتی، مگر ان کے مجموعہ سے آدمی سیر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح تنہا ایک آدمی دشمن کے مقابلہ سے قاصر ہوتا ہے، جب چند افراد جمع ہو جائیں تو وہ آسانی سے مقابلہ کر سکتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ کثرت قوت وعلم کی موجب ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰاهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰاهُمَا الْاُخْرٰی﴾(البقرۃ:۲/۲۸۲)

''اس لیے کہ اگر ایک عورت بھول جائے گی تو دوسری اسے یاد دلا دے گی۔''

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

---

❶ صحیح بخاری۔ کتاب الجنائز، باب ثناء الناس علی المیت(حدیث:۱۳۶۷)، صحیح مسلم، کتاب الجنائز۔باب فیمن یثنی علیه خیر او شر من الموتیٰ (حدیث: ۹۴۹)

''ایک کے ساتھ شیطان ہوتا ہے اور وہ دو آدمیوں سے دور رہتا ہے۔''[1]

یہ ایک بدیہی بات ہے کہ انسان ایک تیر کو بآسانی توڑ سکتا ہے، مگر بہت سے تیروں کو توڑنا مشکل ہے۔ ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر اجماع میں خطا کا امکان ہوتا ہے تو سیدنا علی کی عصمت ثابت نہیں ہو سکے گی۔ اس لیے کہ عصمت علی کا اثبات بھی اجماع کا رہین منت ہے۔ نیز سیدنا علی کے سوا دوسرے لوگ بھی معصوم ہو سکیں گے۔ اگر شیعہ اجماع پر معترض ہوں گے تو ان کا ایک مذہبی قاعدہ باطل ٹھہرے گا اور اگر اسے حجت قرار دیں گے تو اصحاب ثلاثہ کی خلافت پر منعقد شدہ اجماع کو تسلیم کرنا پڑے گا۔

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''ہم وہ نصوص ذکر کر چکے ہیں جن سے امامت علی کا اثبات ہوتا ہے، لہٰذا اس کے خلاف جو اجماع بھی انعقاد پذیر ہو گا وہ غلط ہو گا۔''

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم قبل ازیں امامت علی کے اثبات میں شیعہ کے دلائل کا ابطال کر کے اس کے خلاف براہین و دلائل قائم کر چکے ہیں۔ مزید براں ہمارے پیش کردہ دلائل مؤیَّد بالاجماع ہیں۔ بفرض محال اگر کوئی دلیل خلاف اجماع ہو گی تو وہ باطل ہو گی یا اس سے مدّعا کا اثبات نہیں ہو گا۔ نص معلوم اور اجماع معلوم کے مابین تعارض ممتنع ہے، اس لیے کہ یہ دونوں حجت قطعی ہیں اور قطعیات میں تعارض جائز نہیں ہے ورنہ اجتماع نقیضین لازم آئے گا۔

جس نص کی مخالفت پر پوری امت جمع ہو جائے وہ دوسری نص سے منسوخ ہوتی ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ امت میں ایک نص معلوم باقی ہو، وہ منسوخ بھی نہ ہو اور اس کے خلاف اجماع منعقد ہو جائے۔ سیدنا صدیق کی خلافت کے بارے میں نص اجماع کے وجود سے ان دلائل کا ابطال ہوتا ہے جو شیعہ سیدنا علی کی خلافت کے بارے میں پیش کرتے ہیں۔

شیعہ اقتداء شیخین کی روایت کے منکر ہیں:

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''اہل سنت یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''میرے بعد ابوبکر و عمر کی

---

[1] مسند احمد(۱/۱۸) سنن ترمذی، کتاب الفتن، باب ما جاء فی لزوم الجماعة (حدیث: ۲۱۶۵)

پیروی کرو۔‘‘ اس کا جواب یہ ہے کہ ہم اس روایت کو تسلیم نہیں کرتے۔ مزید براں یہ ان کی امامت وخلافت پر روشنی نہیں ڈالتی۔ اس حدیث میں ان کی اقتداء کا حکم دیا گیا ہے، ہم فقہاء کی بھی اقتداء کرتے ہیں، اس سے ان کا خلیفہ ہونا لازم نہیں آتا۔ علاوہ ازیں ان میں بہت اختلاف پایا جاتا ہے، اس لیے دونوں کی پیروی ممکن ہی نہیں۔ نیز یہ روایت مشہور حدیث ’’اَصْحَابِی کَالنُّجُوْمِ‘‘ کے خلاف ہے۔‘‘

ہم کہتے ہیں یہ روایت شیعہ کی پیش کردہ نص سے بہرحال اقوی ہے۔ یہ روایت امام احمد و ابوداؤد وترمذی نے نقل کی ہے۔ [1] بخلاف ازیں امامت علی کے اثبات میں پیش کردہ نصوص سب باطل ہیں۔ محدث ابن حزم فرماتے ہیں۔

’’ہم نے امامت علی کی نص ایک مجہول راوی سے پائی ہے، جو دوسرے مجہول راوی سے نقل کرتا ہے، اس کی کنیت ابوالحمراء ہے ہمیں نہیں معلوم وہ کون ہے۔‘‘

اس حدیث میں سیدنا ابوبکر وعمر کی اقتداء کا حکم دیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ ظالم ومرتد نہ تھے کیوں کہ ظالم ومرتد دوسروں کا پیشوا نہیں بن سکتا۔ سیدنا ابوبکر وعمر کے مابین اختلاف شاذ ونادر مسائل ہی میں پایا جاتا ہے، مثلاً اس مسئلہ میں کہ جب میت کا دادا زندہ ہو اور اس کے بھائی بھی بقید حیات ہوں تو ترکہ کس طرح تقسیم کیا جائے گا۔ نیز یہ مسئلہ کہ مال غنیمت کی تقسیم مساوی طور پر کی جائے گی یا اس میں تفاوت درجات کو ملحوظ رکھا جائے گا۔ سیدنا خالد بن ولید کے عزل ونصب میں بھی ان کے مابین اختلاف پیدا ہوا تھا۔ زیر تبصرہ حدیث میں بتایا گیا ہے کہ جن مسائل میں ابوبکر وعمر متحد الخیال ہوں۔ ان کی پیروی کرو۔ باقی رہی حدیث ’’اَصْحَابِی کَالنُّجُوْمِ‘‘ تو وہ ائمہ حدیث کے نزدیک ضعیف ہے، اس لیے قابل احتجاج نہیں۔ [2]

شیعہ مصنف نے یہاں متعدد اعتراضات کیے ہیں، چونکہ شیخ الاسلام نے اپنے جواب میں ان اعتراضات کو دہرایا ہے، لہٰذا ہم شیعہ کے اعتراضات کو قلم انداز کر کے شیخ الاسلام کے جوابات پر

---

[1] سنن ترمذی، کتاب المناقب، باب(۱۶/۳۵)، (حدیث:۳۶۶۲، ۳۶۶۳)، سنن ابن ماجۃ۔ المقدمۃ۔ باب فضل ابی بکر الصدیق رضی اللّٰہ عنہ(حدیث:۹۷)، مسند احمد (۵/۳۸۲، ۳۹۹)

[2] تفصیل کے لیے دیکھیے۔ سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ للشیخ الالبانی رحمہ اللّٰہ (رقم:۵۸)

اکتفاء کرتے ہیں۔

﴿لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾:

ہم شیعہ مصنف کے اعتراضات کے جواب میں کہتے ہیں کہ غار کے واقعہ سے سیدنا ابوبکر کی فضیلت واضح ہوتی ہے، بخاری و مسلم میں ہے کہ سیدنا ابوبکر نے فرمایا: جب ہم غار میں تھے تو میں نے دیکھا کہ دشمنوں کے پاؤں ہمارے سر کے اوپر تھے۔ میرے جی میں آیا کہ اگر کفار میں سے کوئی اپنے پاؤں پر نظر ڈالے تو ہم کو دیکھ لے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''ابوبکر! ان دو آدمیوں کے بارے میں آپ کو کیا خطرہ لاحق ہے جن کا تیسرا اللہ ہو۔''[1] معیت کا لفظ اس آیت میں اسی طرح استعمال کیا گیا ہے جیسے اس آیت میں ﴿اِنَّنِیْ مَعَکُمَا اَسْمَعُ وَ اَرٰی﴾ (طه: ۲۰/۴۶) یہ معیت خاصہ ہے۔

معیت عامہ علم کے ساتھ ہوتی ہے جیسے اس آیت میں ﴿وَهُوَ مَعَکُمْ اَیْنَمَا کُنْتُمْ﴾ (الحدید: ۵۷/۴) ''جہاں بھی تم ہو وہ تمہارے ساتھ ہے۔''

محدث ابن عیینہ فرماتے ہیں:

''نبی ﷺ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ابوبکر کے سوا سب لوگوں کو معتوب کرتے ہوئے فرمایا:

﴿اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ثَانِیَ اثْنَیْنِ﴾ (التوبة: ۹/۴۰)

''اگر تم آپ کی مدد نہیں کرتے، تو کچھ مضائقہ نہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کی مدد کی تھی۔
جب کافروں نے آپ کو نکال دیا تھا۔ جب آپ دو کے دوسرے تھے۔''

امام ابوالقاسم سہیلی فرماتے ہیں:

''یہ معیت خاصہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سوا کسی اور کے لیے ثابت نہیں ہوئی۔''

زیر تبصرہ آیت کی مزید توضیح:

﴿اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ﴾ کے قرآنی الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ سیدنا ابوبکر چیدہ و برگزیدہ صحابہ میں شامل تھے۔ آپ آغاز بعثت سے لے کر تا وفات نبی کریم ﷺ کے رفیق رہے، بلکہ

[1] صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم۔ باب مناقب المهاجرین و فضلهم(حدیث:۳۶۵۳،۳۹۲۲)، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل ابی بکر الصدیق رضی الله عنه(حدیث:۲۳۸۱)

یوں کہیے کہ موت وحیات میں آپ کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیا۔حدیث صحیح میں آیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

''هَلْ اَنْتُمْ تَارِكُوْا لِيْ صَاحِبِيْ''

''کیا آپ میرے ساتھی کو میرے لیے رہنے دیں گے یا نہیں؟''❶

بخاری و مسلم میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب میں نے ہوش سنبھالا اس وقت میرے والدین اسلام لا چکے تھے۔ ہم پر کوئی دن ایسا نہ گزرتا جب صبح و شام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر میں تشریف نہ لاتے ہوں۔❷

بخاری میں صلح حدیبیہ سے متعلق جو حدیث مذکور ہے، اس میں ہے کہ سیدنا عمر نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! کیا ہم حق پر اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں؟ فرمایا: ''درست ہے'' سیدنا عمر نے کہا: پھر ہم ذلت کو کیوں گوارا کر رہے ہیں؟

آپ نے فرمایا: ''میں اللہ کا فرستادہ ہوں، اور اس کی نافرمانی نہیں کر سکتا۔ وہ میرا مددگار ہے۔

سیدنا عمر نے کہا: کیا آپ ہمیں بتایا نہیں کرتے تھے کہ ہم بیت اللہ پہنچ کر اس کا طواف کریں گے؟

آپ نے فرمایا: ''یہ ٹھیک ہے۔کیا میں نے یہ بھی کہا تھا کہ آپ امسال ہی طواف کعبہ کریں گے؟''

سیدنا عمر نے کہا: نہیں۔

آپ نے فرمایا: ''تو آپ ضرور خانہ کعبہ جا کر اس کا طواف کریں گے۔''

سیدنا عمر کا بیان ہے کہ پھر میں ابوبکر کے یہاں آیا اور کہا: کیا محمد رسول اللہ سچے نبی نہیں ہیں؟ ابوبکر نے کہا: بے شک۔

سیدنا عمر نے کہا: کیا ہم سچے اور ہمارے دشمن جھوٹے نہیں ہیں۔؟

سیدنا ابوبکر نے کہا: یہ درست ہے۔

سیدنا عمر نے کہا: پھر ہم ذلت کیوں گوارا کریں؟

سیدنا ابوبکر نے کہا: اے انسان! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، اور حکم ربانی کی خلاف ورزی نہیں کر سکتے۔ اللہ ان کا ناصر ہے۔ لہٰذا ان کی رکاب تھام لیجیے، اللہ کی قسم! وہ حق پر ہیں۔❸

---

❶ صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیه وسلم، باب قول النبی صلی اللہ علیه وسلم "لو کنت متخذا خلیلاً" (حدیث ٣٦٦١)

❷ صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، باب المسجد یکون فی الطریق......"(حدیث:٤٧٦)

❸ صحیح بخاری، کتاب الشروط۔ باب الشروط فی الجهاد، (حدیث: ٢٧٣١، ٢٧٣٢)

اس قسم کے واقعات کی بنا پر سیدنا ابوبکر کو صدیق کے لقب سے نوازا گیا۔

بخاری میں سیدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: ''ارے لوگو! ابوبکر کی قدر پہچانو، اللہ کی قسم اس نے کبھی مجھے الم و رنج نہیں پہنچایا۔''

جب ایک سلیم العقل شخص بنظر غائر احادیث نبویہ کو جانچتا پرکھتا ہے تو صدق و کذب اس پر روشن ہو جاتا ہے، اسی طرح جو شخص حفاظ حدیث کی صف میں شامل ہوتا ہے، وہ جانتا ہے کہ وہ کس اعزاز و اکرام کے سزاوار ہیں۔ جو شخص اس میدان میں اترنے کی جرأت نہیں کر سکتا، اسے چاہیے کہ علم حدیث میں دخل اندازی نہ کرے اور اس فن کو ان لوگوں کے لیے چھوڑ دے جو اس کے اہل ہیں۔ جس طرح علم طب و نحو اور نقد و جرح کا کام انہی لوگوں کو تفویض کیا جاتا ہے جو اس میں کامل بصیرت رکھتے ہیں۔

احادیث نبویہ سے سیدنا ابوبکر کی افضلیت کا اثبات:

اس سے بڑھ کر یہ کہ محدثین وفقہاء کے سوا جملہ ارباب فنون سے غلطی صادر ہو سکتی ہے۔ محدثین وفقہاء کسی باطل مسئلہ پر جمع ہو سکتے ہیں نہ سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ قرار دے سکتے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ جو شخص بھی زحمت فکر و تامل گوارا کرتا ہے اس پر سیدنا صدیق کے فضائل روز روشن کی طرح واضح ہو جاتے ہیں۔ یہ فضائل آپ کی ذات کے ساتھ مختص ہیں۔ مثلاً یہ آیات و احادیث نبویہ۔

1. آیت قرآنی: ﴿اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ [1]
2. حدیث نبوی: '' اِنَّ صَاحِبَکُمْ خَلِیْلُ اللّٰهِ'' [2]
3. یہ حدیث کہ سیدنا ابوبکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سب مردوں سے محبوب تر تھے۔ [3]
4. وہ حدیث جس میں مذکور ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کو فرمایا کہ اگر مجھے زندہ نہ پاؤ تو ابوبکر کی خدمت میں حاضر ہو۔ [4]

---

[1] صحیح بخاری (٣٦٥٢)، صحیح مسلم (الزهد: ٢٠٠٩/٧٥)

[2] صحیح مسلم (٢٣٨٣/٧)

[3] صحیح بخاری (٣٦٦٢)، صحیح مسلم (٢٣٨٤)

[4] صحیح بخاری (٣٦٥٩)، صحیح مسلم (٢٣٨٦)

5. وہ حدیث جس میں مذکور ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سیدنا ابوبکر کے لیے عہد نامہ لکھنے کا ارادہ کیا تھا۔ ❶
6. وہ حدیث جس میں سیدنا ابوبکر کے لقب صدیق کا ذکر کیا گیا ہے۔ ❷
7. یہ حدیث ''فَهَلْ اَنْتُمْ تَارِكُوْا لِيْ صَاحِبِيْ'' ❸
8. جس حدیث میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ جب عقبہ بن ابی معیط نے نبی ﷺ کے گلے میں چادر ڈالی تھی تو ابوبکر نے آپ کو چھڑایا۔ ❹
9. جس حدیث میں سیدنا ابوبکر کو امام صلوٰۃ ❺ اور امیر حج مقرر کرنے کا واقعہ مذکورہ ہے۔ ❻
10. وہ حدیث جس میں وفات رسول کے بعد سیدنا ابوبکر کے ثبات واستقلال اور امت کی فرماں برداری کا ذکر کیا گیا ہے۔ ❼
11. وہ حدیث جس میں سیدنا ابوبکر کے ان اعمال صالحہ کا ذکر کیا گیا ہے جو آپ نے ایک دن میں انجام دیے تھے۔ ❽

سیدنا ابوبکر کے کچھ فضائل ایسے بھی ہیں جن میں سیدنا عمر آپ کے سہیم وشریک ہیں، چنانچہ یہ احادیث نبویہ ملاحظہ ہوں۔

ا۔ سیدنا علی سے روایت کردہ یہ حدیث کہ نبی کریم ﷺ فرمایا کرتے تھے: ''میں اور ابوبکر وعمر آئے میں اور ابوبکر وعمر گئے۔'' ❾

---

❶ صحیح بخاری(٥٦٦٦)،صحیح مسلم(٢٣٨٧)
❷ مستدرك حاكم(٣/٦٢)،مجمع الزوائد(٩/٤١)
❸ صحیح بخاری (٣٦٦١)
❹ صحیح بخاری(٣٦٧٨)
❺ صحیح بخاری(٦٧٨،٦٧٩)،صحیح مسلم (٤١٨،٤٢٠)
❻ صحیح بخاری(٤٣٦٣)،صحیح مسلم(١٣٤١)
❼ صحیح بخاری(٣٦٦٧،٣٦٦٨)
❽ صحیح مسلم (١٠٢٨)
❾ صحیح بخاری(٣٦٧٧،٣٦٨٥)، صحیح مسلم(٢٣٨٩)

۲ وہ حدیث جس میں کنوئیں سے پانی کھینچنے کا ذکر ہے۔ ❶

۳ یہ حدیث کہ میں اور ابوبکر و عمر اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ ❷

یوں تو سیدنا علی کے مناقب و فضائل بھی بہت ہیں، مگر وہ آپ کے ساتھ مختص نہیں۔ صحاح میں سیدنا ابوبکر کے فضائل سے متعلق بیس احادیث مذکور ہیں، ان میں سے اکثر میں آپ کے خصائص بیان کیے گئے ہیں۔

بہر کیف سیدنا ابوبکر گوناگوں اوصاف و محامد کی بنا پر خلیل رسول (آپ کے گہرے دوست) تھے۔ بشرطیکہ بنی نوع انسان میں آپ کا کوئی خلیل موجود ہو۔ اگر سیدنا ابوبکر نبی کریم ﷺ کے دشمن ہوتے، جیسا کہ روافض کہتے ہیں، تو وہ دشمن کی آمد پر ہمّ و غم کی بجائے فرح و سرور کا اظہار کرتے۔ جب سیدنا ابوبکر نے اظہار غم کیا تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کی حفاظت و نصرت ان کے شامل حال ہے۔'' ❸

ایک معمولی عقل کا آدمی بھی سوچ سکتا ہے کہ ایک شخص جو ہر طرف سے دشمنوں کے نرغہ میں ہو، دوران سفر اپنی رفاقت کے لیے کیسے شخص کو انتخاب کرتا ہے۔ یہ امر موجب حیرت ہے کہ ایسے نازک حالات میں بقول شیعہ رفاقت کے لیے آپ نے ایسے شخص کو منتخب کیا جو بظاہر آپ کا دوست اور بباطن آپ کا دشمن تھا، جو شخص اپنی رفاقت کے لیے ایسے منافق شخص کو اختیار کرتا ہے، وہ حد درجہ غبی اور جاہل ہوتا ہے، اللہ ان لوگوں پر لعنت بھیجے جو رسول کریم کو جاہل و غبی تصور کرتے ہیں۔

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''ممکن ہے نبی ﷺ نے اس لیے رفیق سفر بنایا ہو کہ مبادا وہ آپ کے معاملہ کو ظاہر کردے۔''

ہم کہتے ہیں یہ چند وجوہ کی بنا پر باطل ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا ابوبکر نبی کریم سے الفت و محبت کا سلوک کرتے تھے۔ دوسرے یہ کہ سیدنا ابوبکر کا مومن و محبّ رسول ہونا تواتر معنوی کے ساتھ معلوم ہے اور اس کی شہرت حاتم طائی کی سخاوت اور عنترہ کی شجاعت

---

❶ صحیح بخاری (۳۶۸۲)، صحیح مسلم (۲۳۹۲)،

❷ صحیح بخاری (۳۶۶۳)، صحیح مسلم (۲۳۸۸)

❸ صحیح بخاری (۳۶۵۲، ۳۶۵۳)، صحیح مسلم (الزھد: ۲۰۰۹)

سے بھی زیادہ ہے، مگر روافض کے تعصب وعناد کا کیا علاج؟

روافض کے عناد کا یہ عالم ہے کہ وہ اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ سیدنا ابوبکر وعمر حجرہ نبویہ میں مدفون ہیں۔

شیعہ مصنف نے اس ضمن میں جو کچھ کہا ہے، وہ اس کی جہالت کا بین ثبوت ہے خصوصاً واقعہ ہجرت کے بارے میں اس نے جو ہرزہ سرائی کی ہے وہ بھی اس کی جہالت کا آئینہ دار ہے۔

ہر شخص اس حقیقت سے آگاہ ہے کہ نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اور سیدنا ابوبکر غار میں چھپے ہوئے تھے۔ اہل مکہ کو بھی اس کا پتہ چل گیا اور انھوں نے دونوں کو تلاش کرنے کے لیے ہر طرف آدمی بھیج دیے۔ قریش مکہ نے اعلان کیا تھا کہ جو شخص دونوں میں سے کسی کو پکڑ لائے گا اسے انعام دیا جائے گا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ سیدنا ابوبکر کی حب رسول سے آگاہ تھے۔ اگر سیدنا ابوبکر آپ کے دشمن ہوتے تو قریش مکہ آپ کی گرفتاری کے لیے انعام کا اعلان نہ کرتے۔ مزید براں آپ رات کے وقت نکلے تھے جب کہ کوئی شخص اس سے آگاہ نہ تھا، پھر سیدنا ابوبکر کو ساتھ لے جانے کی کیا ضرورت تھی؟ اگر شیعہ یہ کہیں کہ سیدنا ابوبکر کو غالباً آپ کے گھر سے نکلنے کا علم تھا تو ہم کہیں گے کہ جس طرح مشرکین مکہ کو آپ کے گھر سے نکلنے کا علم نہ تھا اسی طرح آپ ابوبکر سے بھی اس ارادہ کو پوشیدہ رکھ سکتے تھے۔

سفر ہجرت میں سیدنا ابوبکر کی رفاقت:

بخاری ومسلم میں ہے کہ سیدنا ابوبکر نے جب ہجرت کی اجازت طلب کی تو آپ نے فرمایا ذرا صبر کیجیے، آپ میرے ساتھ ہجرت کریں گے۔ [1] بخاری ومسلم میں سیدنا براء، سیدنا ابوبکر سے روایت کرتے ہیں کہ ہم رات بھر چلتے رہے۔ یہاں تک کہ دوپہر ہوگئی اور راستے خالی ہوگئے۔ ہم نے ایک بلند پتھر دیکھا جس کا سایہ تھا ہم اس کے نیچے اتر آئے۔ میں نے اپنے ہاتھ سے زمین ہموار کی، تاکہ آپ سایہ میں آرام کرسکیں، پھر میں نے چادر بچھائی اور آپ کو سو جانے کے لیے عرض کیا۔ چنانچہ آپ سوگئے۔ زوال آفتاب کے بعد پھر ہم نے سفر کا آغاز کیا۔ اتنے میں سراقہ بن مالک بھی ہمارے پاس پہنچ گئے۔ ہم اس وقت سنگلاخ زمین پر تھے۔ میں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول! مکہ والے آگئے: فرمایا ﴿لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ آپ نے بددعا فرمائی، سراقہ کا گھوڑا پیٹ تک زمین میں

---

[1] صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار۔باب مناقب الانصار۔ باب هجرة النبی صلی اللّٰه علیه وسلم واصحابه الی المدینة(حدیث:٣٩٠٥)

دھنس گیا۔ سراقہ نے کہا میں جانتا ہوں کہ تم دونوں نے میرے حق میں بددعا کی ہے۔ اب دعا کیجیے کہ اللہ اس سے مجھے نجات دے، میں مکہ والوں کو واپس کردوں گا۔‘‘

نبی کریم نے دعا فرمائی، تو اس کا گھوڑا زمین سے باہر نکل آیا، سراقہ واپس چلا گیا راستہ میں جو شخص ملتا اسے کہتا، واپس لوٹ جاؤ، اب تلاش کرنے کی ضرورت نہیں۔ ❶

بخاری میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ کہا جب مکہ والوں نے مسلمانوں کو تکلیف دی تو ابوبکر عازم حبشہ ہوئے، جب برک الغماد کے مقام پر پہنچے تو راستہ میں قبیلہ قارّہ کے سردار ابن الدغنہ سے ملاقات ہوئی، اس نے پوچھا ابوبکر! کہاں جارہے ہو؟ فرمایا: ’’میری قوم نے مجھے مکہ سے نکال دیا ہے، اب میں اللہ کی زمین پر چل پھر کر اس کی عبادت کرنا چاہتا ہوں۔ (یہ طویل حدیث ہے) ❷

مزید براں جب نبی کریم اور ابوبکر غار میں اقامت گزیں تھے۔ عبدالرحمٰن بن ابی بکر ان کے پاس خبریں لایا کرتے تھے، عامر بن فہیرہ بھی ان کے ساتھ تھے۔ ❸ ہم شیعہ سے پوچھتے ہیں کہ جب کفار آ گئے تھے اور ابوبکر نے ان کے پاؤں دیکھے تھے، تو باہر نکل کر نبی کریم کو پکڑا کیوں نہ دیا؟ نبی کریم کو تکلیف پہنچانے کا اس سے بہتر موقع اور کیا ہوسکتا تھا؟ اللہ کی ذات پاک ہے جس نے روافض کو بصیرت وفراست سے محروم کردیا۔

شیعہ کا یہ قول کہ ’’لَا تَحزَنْ‘‘ کے الفاظ ابوبکر کی بے صبری ظاہر کررہے ہیں۔‘‘

ہم کہتے ہیں کہ شیعہ کے اقوال باہم متناقض ہیں، وہ پہلے کہہ چکا ہے کہ نبی کریم نے ابوبکر کو غار میں اپنے ساتھ اس لیے رکھا تھا کہ اگر وہ مکہ میں رہا تو آپ کے راز کو واشگاف کردے گا، اور اب کہہ رہا ہے کہ وہ ضعیف القلب اور قلیل الصبر تھے۔ اللہ کی قسم! شیعہ کے کس وصف پر رشک کیا جائے وہ علم

---

❶ صحیح بخاری، کتاب المناقب۔ باب علامات النبوة فی الاسلام (حدیث: ٣٦١٥)، صحیح مسلم۔ کتاب الزهد، باب فی حدیث الهجرة(حدیث:٢٠٠٩/٧٥)،

❷ صحیح بخاری ۔ کتاب مناقب الانصار۔ باب هجرة النبی صلی اللّٰه علیه وسلم اصحابه الی المدینة(حدیث:٣٩٠٥)

❸ صحیح بخاری، حوالہ سابق، لیکن اس میں خبریں لانے والے عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہما تھے۔ عبدالرحمٰن تو اس وقت مسلمان ہی نہیں ہوئے تھے۔ انھوں نے حدیبیہ کے موقع پر اسلام قبول کیا۔ واللہ اعلم۔

وفہم دونوں سے یک سر بے گانہ تھے۔

جان لینا چاہیے کہ مہاجرین صحابہ میں کوئی بھی منافق نہ تھا۔ بلکہ یوں کہیے کہ نفاق کا وجود ان میں محال تھا۔ اس لیے کہ مشرکین مکہ قوت وشوکت سے بہرہ ور تھے اور جو شخص مشرف با سلام ہوتا اسے جی بھر کر سزا دیتے۔ اس لیے جو شخص بھی دین اسلام کو قبول کرتا تھا وہ رضائے الٰہی کے لیے یہ خطرہ مول لیتا تھا کسی کے ڈر سے نہیں۔

نفاق کا آغاز اسلام میں مدنی زندگی سے ہوا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اسلام نے وہاں جب کفر و شرک پر غلبہ حاصل کرلیا تو کچھ لوگ ایسے بھی تھے جن کے دل میں کجی اور حسد وعناد کا جذبہ موجزن تھا۔ اس لیے وہ دولت ایمان سے بہرہ ور نہ ہو سکے۔ چنانچہ تلوار کے ڈر سے تقیہ کے طور پر وہ بظاہر مسلمان ہو گئے مگر دل سے کافر رہے، مہاجرین کا معاملہ اس سے یک سر مختلف تھا۔ انھوں نے دین اسلام کو کسی کے خوف یا جبر واکراہ کی وجہ سے قبول نہیں کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ ان کی شان میں فرماتے ہیں۔

''ان تنگ دست مہاجرین کی طرح جن کو ان کے گھر بار سے نکالا گیا، وہ اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی چاہتے ہیں اور اللہ ورسول کی مدد کرتے ہیں، یہی لوگ سچے ہیں۔''

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ بالاتفاق مہاجرین میں سب سے افضل تھے۔ سب صحابہ آپ کو خلیفہ رسول کہہ کر پکارتے تھے، ظاہر ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے مذکورہ صدر آیت میں ان کو صادقین کے لقب سے نوازا ہے تو وہ ضلالت پر جمع نہیں ہو سکتے۔

شیعہ مصنف کا یہ قول کہ ''غم زدہ ہونا سیدنا ابوبکر کے ناقص ہونے پر دلالت کرتا ہے۔'' ہم کہتے ہیں نبی کریم کے مقابلہ میں سب اہل اسلام ناقص ہیں۔ مزید یہ کہ ہم عصمت ابی بکر کے قائل نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿وَ لَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَ لَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ﴾

(النحل:۱۶/۱۲۷)

''آپ غم نہ کریں اور جو تدبیریں وہ کر رہے ہیں ان سے تنگ دل نہ ہوں۔''

عام اہل ایمان کے حق میں فرمایا:

﴿وَ لَا تَهِنُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا﴾ (آل عمران:۳/۱۳۹)

''سستی نہ کرو اور غم زدہ نہ ہو۔''

نبی ﷺ کے بارے میں ارشاد فرمایا:

﴿وَ لَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ﴾ (الحجر: ۱۵/ ۸۸)

''ان پر غم نہ کیجیے۔''

حزن ایمان کے منافی نہیں ہے:

ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ حزن و ایمان کے مابین منافات نہیں ہے جو شخص سیدنا صدیق رضی اللہ عنہ کے یقین وصبر کو دیگر صحابہ کے صبر و یقین کے مشابہ ومماثل قرار دیتا ہے وہ بڑا جاہل آدمی ہے۔سیدنا ابوبکر کے فضائل ومناقب سیدنا عثمان سے بہت زیادہ ہیں اس کے باوصف سیدنا عثمان نے بے مثال صبر وثبات کا مظاہرہ کیا تھا۔فتنہ پرداز عناصر نے آپ کے گھر کا محاصرہ کرلیا اور آپ کو قتل کرنا چاہا مگر آپ برابر اپنے اعوان وانصار کو ان کے مقابلہ سے روکتے رہے، یہاں تک کہ اسی حالت میں شہادت سے سرفراز ہوئے۔

مزید برآں ''لَا تَحْزَنْ'' سے وقوع حزن لازم نہیں آتا۔نہی کے الفاظ جہاں کہیں بھی وارد ہوئے ہیں ان سے کہیں بھی یہ لازم نہیں آتا کہ منہی عنہ فعل وقوع پذیر ہو چکا تھا۔یہ آیات ملاحظہ ہوں۔

۱۔ ﴿وَ لَا تُطِعِ الْكَافِرِيْنَ وَالْمُنَافِقِيْنَ﴾ (الاحزاب: ۳۳/ ۱۰)

''کافروں اور منافقوں کی اطاعت نہ کر۔''

۲۔ ﴿وَ لَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ﴾ (القصص: ۲۸/ ۸۸)

''اللہ کے سوا کسی اور معبود کو نہ پکار۔''

۳۔ ﴿فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجَاهِلِيْنَ﴾ (الانعام: ۶/ ۳۵)

''جاہلوں سے نہ ہو۔''

فرض کیجیے سیدنا ابوبکر غم زدہ ہوئے بھی تھے تو محض اس لیے کہ کفار کہیں نبی کریم ﷺ کو قتل نہ کردیں۔ابن ابی ملیکہ روایت کرتے ہیں کہ جب نبی کریم نے ہجرت فرمائی تو غار ثور کا راستہ اختیار کیا۔دوران سفر ابوبکر کبھی آپ کے پیچھے چلنے لگتے کبھی آگے، جب آپ نے وجہ پوچھی تو عرض کیا اے اللہ کے رسول! جب مجھے احساس ہوتا ہے کہ دشمن عقب سے آپ پر حملہ آور ہو گا تو پیچھے چلتا ہوں اور جب اگلی جانب سے خطرہ محسوس کرتا ہوں تو آپ کے آگے ہو جاتا ہوں، جب غار کے

قریب پہنچے تو عرض کیا کہ ٹھہریے! تا کہ میں غار میں داخل ہو کر اس کو صاف کرلوں۔[1] نافع کا قول ہے کہ ایک شخص نے ابن ابی ملیکہ سے سن کر مجھے بتایا کہ سیدنا ابوبکر نے غار میں ایک سوراخ دیکھا، اس کے آگے اپنا پاؤں رکھ کر اسے بند کر دیا تا کہ اس میں اگر سانپ یا بچھو وغیرہ ہو تو نبی کریمکی بجائے ابوبکر کو کاٹے۔[2]

بخاری ومسلم میں ہے کہ جب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث بیان فرمائی کہ ''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک اپنے والدین واولادسب سے مجھے عزیز تر نہ سمجھے۔''[3] تو ابوبکر بے حد غم زدہ ہوئے، جب آپ نے وجہ پوچھی تو بتایا: ''میں اس لیے مغموم ہوں کہ شاید میری وجہ سے نبی کریم کو کوئی تکلیف پہنچ جائے۔ اور میرا ایمان ہی جاتا رہے۔'' یہ حدیث اس بات کی آئینہ داری کرتی ہے کہ سیدنا ابوبکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کس قدر گہری محبت رکھتے تھے۔

قرآن کریم میں سیدنا یعقوب علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

﴿اِنَّمَا اَشْكُوْ بَثِّيْ وَ حُزْنِيْۤ اِلَى اللّٰهِ﴾(سورۂ یوسف:۸۶/۱۲)

''میں اللہ کے حضور اپنے الم ورنج کا اظہار کرتا ہوں۔''

شیعہ خود اعتراف کرتے ہیں کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے والد محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر انتہائی غم وہمّ کا اظہار کیا تھا اور شب وروز ''بیت الاحزان'' (غم خانہ) میں گزارا کرتی تھیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جاہل اپنے طور پر کسی کی مدح کرتا ہے دراصل وہ مذمت ہوتی ہے اور اگر شیعہ یہ کہیں کہ ابوبکر کو اپنے قتل کیے جانے کا غم تھا تو ہم کہیں گے......اسی سے سیدنا ابوبکر کا مومن ہونا ثابت ہوتا ہے اور یہ لازم آتا ہے کہ آپ قریش کے دشمن تھے، اندرونی طور پر ان کے دوست نہ تھے۔ ورنہ ان سے خائف رہنے کی وجہ نہ تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لخت جگر ابراہیم کی وفات پر فرمایا تھا: ''اے ابراہیم! ہمیں

---

[1] سیرة النبی لابن کثیر(۴۵۲/۱)، مستدرك حاکم(۶/۳)، دلائل النبوة(۴۷۶/۲)

[2] حواله سابق

[3] صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب حب الرسول صلی الله علیه وسلم من الایمان (حدیث:۱۴،۱۵)، صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب وجوب محبة رسول الله صلی الله علیه وسلم(حدیث:۴۴)

تیری جدائی کا صدمہ ہے۔'' [1] اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حزن مباح ہے۔نصوص سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔

شیعہ کہتے ہیں:

''کہ ﴿اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِہٖ﴾ کے الفاظ سے ابوبکر کا ایمان ثابت نہیں ہوتا۔ وہ کہتے ہیں کہ ''صاحب'' رفیق اور ساتھی کو کہتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ وہ ایماندار ہو۔قرآن کریم میں فرمایا:

﴿اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِہٖ وَ ھُوَ یُحَاوِرُہٗ﴾(سورۂ کهف۱۸/......)

اس آیت میں صاحب کا لفظ مطلق ساتھی کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔''

ہم جواباً کہتے ہیں، یہ درست ہے کہ صاحب کا لفظ عام ہے۔قرآن کریم کی آیت ﴿وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ﴾ اس کی روشن دلیل ہے۔تاہم سیاق وسباق کی روشنی میں دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ﴿اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِہٖ﴾ میں صاحب کا لفظ محبّ مخلص کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔

سیدنا ابوبکر کا یقین وثبات:

شیعہ مصنف کا یہ اعتراض کہ آیت کریمہ ﴿فَاَنْزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَہٗ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَالْمُؤْمِنِیْنَ﴾ میں واضح طور پر اہل ایمان کو سکون واطمینان کا مورد قرار دیا گیا ہے،مگر آیت زیر تبصرہ میں یہ صراحت موجود نہیں۔''

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں ابوبکر کے لیے جداگانہ طور پر نزول سکینت کے اظہار کی ضرورت نہیں، اس لیے کہ آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ومطیع اور رفیق ومصاحب تھے۔اور اللہ تعالیٰ کی معیت دونوں کو حاصل تھی۔ بنابریں جب متبوع کو سکون واطمینان اور ملائکہ کی تائید ونصرت حاصل ہوگی تو لازماً تابع بھی اس میں شریک ہوگا۔

چونکہ سیدنا ابوبکر کو صاحب کے لقب سے نوازا گیا ہے جس سے عیاں ہوتا ہے کہ آپ ہمیشہ اور

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب قول النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم " انا بك لمحزونون" (حدیث:۱۳۰۳)، صحیح مسلم، کتاب الفضائل۔ باب رحمته صلی اللّٰہ علیه وسلم الصبیان والعیال(حدیث:۲۳۱۵)

ہر حال میں نبی کریم کے وابستہ فراک رہا کرتے تھے۔ خصوصاً ایسے نازک وقت میں جب کہ دوستی نباہنا بڑا مشکل ہوتا ہے، تو اس سے بطریق دلالۃ النص واضح ہوتا ہے کہ ابوبکر نصرت وتائید ربانی کے وقت بھی نبی کریم کے ساتھ شریک و سہیم ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ جس موقع پر نبی کریم کو تائید ونصرت سے نوازا گیا نبی کریم کے بعد اسی قسم کے حالات میں تائید ربانی سیدنا صدیق کے شامل حال ہوئی، اسی بنا پر جمیع صحابہ میں سیدنا ابوبکر یقین وثبات میں سب سے آگے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''ابوبکر کے ایمان کو کرۂ ارضی پر بسنے والے سب انسانوں کے ایمان کے ساتھ تولا جائے تو ابوبکر کا ایمان بڑھ جائے گا۔ [1]

سنن میں سیدنا ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے صحابہ سے پوچھا: ''کیا تم میں سے کسی نے آج خواب دیکھا ہے؟'' ایک صحابی نے کہا میں نے دیکھا ہے کہ آسمان سے ایک ترازو اترا جس میں آپ اور ابوبکر کو تولا گیا تو آپ بڑھ گئے، پھر ابوبکر وعمر کو تولا گیا تو ابوبکر والا پلڑا جھک گیا۔ پھر عمر وعثمان کو تولا گیا تو عمر والا پلڑا جھک گیا پھر ترازو کو اٹھا لیا گیا۔'' [2]

آیت ﴿وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقٰى﴾ سے شیعہ کا استدلال:

ہم شیعہ مصنف کی یہ بات تسلیم نہیں کرتے کہ آیت قرآنی ﴿وَ سَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقٰى﴾ ابو الدحداح سے متعلق ہے اور سیدنا ابوبکر سے نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مذکورہ سورت مکی ہے اور ابوالدحداح کا واقعہ بالاتفاق مدینہ منورہ میں پیش آیا، اگر کسی مفسر نے یہ کہا بھی ہے کہ یہ آیت

---

[1] شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے اسے حدیث نبوی نہیں، بلکہ بصیغہ تمریض ''قیل'' ذکر کیا ہے۔ نیز احادیث القصاص (ح:۱۸)، میں ان الفاظ کو موضوع قرار دیتے ہوئے معناً درست قرار دیا ہے جیسا کہ اگلی حدیث ہے۔ تاہم یہ روایت مرفوعاً الکامل لابن عدی (۱۵۱۸/٤)، میں بسند ضعیف مروی ہے۔ تاہم سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے موقوفاً ثابت ہے۔ دیکھئے فضائل الصحابة للامام احمد (٦٥٣)، السنة لعبد الله بن احمد (٨٢١)، شعب الایمان (٣٦)، اس معنی کی مرفوعاً روایت مسند احمد (٧٦/٢)، الشریعة للآجری (١٣٣٣)، میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہے۔ نیز دیکھیے اگلی حدیث۔ (نصیر احمد کاشف)

[2] سنن ابی داؤد، کتاب السنة، باب فی الخلفاء (حدیث: ٤٦٣٤)، سنن ترمذی، کتاب الرؤیا۔ باب ما جاء فی رؤیا النبی صلی الله علیه وسلم، المیزان والدلو (حدیث: ٢٢٨٧)

ابوالدحداح کے بارے میں نازل ہوئی تو اس سے مراد یہ ہے کہ یہ آیت ابوالحدداح کے واقعہ کو بھی شامل ہے۔بعض صحابہ وتابعین جب کہتے ہیں کہ یہ آیت فلاں واقعہ کے بارے میں نازل ہوئی تو اس سے ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ یہ آیت اس واقعہ کو شامل ہے اور اس کے حکم پر دلالت کرتی ہے،بعض علماء یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ آیت دومختلف اسباب کی بنا پر دومرتبہ نازل ہوئی ہے۔

امام ابن حزم سیدنا عبداللہ بن زبیر سے روایت کرتے ہیں کہ یہ آیت سیدنا ابوبکر کے بارے میں نازل ہوئی۔ثعلبی نے بھی سعید بن مسیّب سے اسی طرح نقل کیا ہے۔محدث ابن عیینہ عروہ کے والد سے روایت کرتے ہیں کہ سیدنا ابوبکر نے سات ایسے غلاموں کو خرید کر آزاد کیا جن کو اسلام قبول کرنے کے جرم میں ستایا جاتا تھا۔ان کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

بلال۔ عامر بن فہیرہ۔ نہدیہ۔ بنت نہدیہ۔ زنیرہ۔ ام عمیس۔ بنی مؤمّل کی ایک لونڈی۔ ❶

زنیرہ رومی الاصل اور بنی عبدالدار کی مملوکہ تھی،جب اسلام لائیں تو ان کی بصارت جاتی رہی۔ لوگوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ لات ومنات نے اسے اندھا کردیا۔زنیرہ نے کہا میں لات ومنات کو معبود نہیں تصور کرتی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کو دوبارہ قوت بینائی عطا فرمائی۔ ❷ سیدنا ابوبکر نے جب بلال کو خریدا تو وہ پتھروں میں دبے ہوئے تھے۔ان کے مالک نے کہا اگر کوئی شخص مجھے ایک اوقیہ بھی دے تو میں بلال کو فروخت کردوں گا۔سیدنا ابوبکر نے فرمایا،اگر آپ ایک سو اوقیہ بھی طلب کریں تو میں دے کر انھیں خریدلوں گا۔فرماتے ہیں اسی ضمن میں مذکورہ صدر آیت نازل ہوئی۔

جب سیدنا ابوبکر ایمان لائے تو اس وقت آپ کے پاس چالیس ہزار درہم تھے،وہ سب آپ نے راہِ الٰہی میں صرف کردیے۔مزید براں کوئی شخص اس بات کا قائل نہیں کہ ابوالدحداح پوری امت میں سے سب سے بڑے متقی تھے۔بلکہ عشرہ مبشرہ اور دیگر صحابہ بالاتفاق ان سے افضل تھے۔لہٰذا ان مفسرین کا قول زیادہ قرین صحت وصواب ہے جو کہتے ہیں کہ یہ آیت سیدنا ابوبکر کے بارے میں نازل ہوئی۔اس لیے آپ امت بھر میں اتقیٰ واکرم تھے۔

احادیث صحیحہ میں وارد ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

---

❶ مستدرك حاكم(٣/٢٨٤)، سيرة ابن هشام(ص:١٤٦ـ١٤٧)

❷ سيرة ابن هشام(ص:١٤٧)

''کسی شخص کے مال سے مجھے اتنا فائدہ نہیں پہنچا، جتنا ابوبکر کے مال سے ہوا۔'' ❶

بخاری شریف میں آیا ہے کہ نبی کریم مرض الموت میں گھر سے نکلے مسجد میں آئے اور منبر پر بیٹھ کر فرمایا:

''کسی شخص نے اپنی جان و مال سے مجھ پر اتنا احسان نہیں کیا جتنا ابوبکر نے کیا ہے۔'' اگر میں کسی کو گہرا دوست بنانے والا ہوتا تو ابوبکر کو بناتا، مگر دین اسلام کی بنا پر جو دوستی استوار کی جائے وہی اچھی ہے۔ مسجد کی جانب کھلنے والی سب کھڑکیاں ابوبکر کی کھڑکی کے سوا بند کر دی جائیں۔'' ❷

امام ترمذی نے بروایت صحیحہ سیدنا عمر سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے ایک مرتبہ صدقہ کا حکم دیا۔ اتفاق سے میرے پاس مال موجود تھا۔ میں نے کہا اگر میں کبھی صدقہ دینے میں ابوبکر سے بڑھ سکا تو وہ آج ہی کا دن ہوگا۔ چنانچہ میں نے آدھا مال لا کر آپ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ نبی کریم نے پوچھا ''گھر میں کیا چھوڑا؟'' عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اس کے برابر۔ ابوبکر نے اپنا سب مال لا کر بارگاہِ نبوی میں حاضر کر دیا۔ نبی کریم ﷺ نے پوچھا:''ابوبکر! گھر میں کیا باقی رکھا؟'' عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول ﷺ۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے کہا، آئندہ میں کبھی آپ کا مقابلہ نہیں کروں گا۔ ❸

امام شافعی، امام اشعری اور ابن حزم رحمہم اللہ نے سورۂ الفتح کی آیت: ﴿قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ﴾ (الفتح:٤٨/ ٦) سے امامت ابوبکر پر احتجاج کیا ہے۔ ان کا نقطۂ نگاہ یہ ہے کہ آیت کریمہ ﴿فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ﴾(التوبة:٩/ ٨٣) میں، نبی ﷺ کو جنگ

❶ سنن ترمذی، کتاب المناقب ، باب(١٥/ ٣٤)، (حديث:٣٦٦١)، سنن ابن ماجة۔ المقدمة۔ باب فضل ابی بکر الصديق رضی اللّٰه عنه(حديث:٩٧)، من طريق آخر۔

❷ صحيح بخاری، كتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللّٰہعليه وسلم، باب قول النبی صلی اللّٰه عليه وسلم" سدوا الابواب الا باب ابی بكر"(حديث:٣٦٥٤)، صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل ابی بكر الصديق رضی اللّٰه عنه(حديث:٢٣٨٢)

❸ سنن ابی داؤد، كتاب الزكاة، باب الرخصة فی ذلك(حديث:١٦٧٨)، سنن ترمذی، كتاب المناقب، باب(١٦/ ٤٣)، (حديث:٣٦٧٥)

میں شرکت نہ کرنے والوں کے بارے میں یہ حکم دیا گیا ہے، اس آیت کے مضمون پر غور کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ قتال کے داعی و محرک نبی کریم نہیں، بلکہ آپ کے خلیفہ و نائب ہیں جو ابوبکر و عمر ہی ہو سکتے ہیں، جنھوں نے نبی کریم کے بعد فارس و روم کے خلاف جنگیں لڑیں، ان کے نزدیک سورۂ الفتح میں جن لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ سورۂ توبہ میں بھی انہی سے خطاب کیا گیا ہے، اسی بنا پر یہ دلیل محل نظر و تامّل ہے، یہ مسلمہ بات ہے کہ سورۂ الفتح بالاتفاق صلح حدیبیہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس ضمن میں کھل کر گفتگو کی اور بڑی تفصیل سے اپنا زاویۂ نگاہ واضح کیا ہے، فرماتے ہیں، یہ آیت سیدنا علی کی لڑائیوں کو شامل نہیں۔ اس لیے کہ آیت زیر تبصرہ کے الفاظ ہیں: ﴿تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ﴾ حالانکہ سیدنا علی جن لوگوں کے خلاف صف آراء ہوئے تھے۔ وہ بنص قرآن مسلم تھے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ اِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا﴾

(الحجرات: ۹/۳۹)

اس آیت میں قتال و بغی کے باوجود لڑائی میں شرکت کرنے والے فریقین کو مومن اور ایک دوسرے کے بھائی قرار دیا گیا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا تھا۔

''ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے دو گروہوں میں صلح کرائیں گے۔''[1]

چنانچہ اسی طرح وقوع پذیر ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مصالحت کے سلسلہ میں سیدنا حسن کی مساعی جمیلہ اللہ تعالیٰ کو جنگ و قتال کی نسبت عزیز تر ہیں۔

غزوۂ بدر سے ابوبکر کے فرار کا واقعہ جھوٹ ہے:

شیعہ مصنف کا یہ بیان:

''کہ ابوبکر متعدد مرتبہ غزوات سے بھاگ گئے تھے۔''

کذب، دروغ اور فریب دہی پر مبنی ہے۔ غزوۂ بدر سے پہلے نبی کریم اور ابوبکر نے کوئی لڑائی نہیں لڑی۔ پھر بھاگے کب اور کہاں؟ یہ حقیقت ہے کہ سیدنا ابوبکر کسی لڑائی سے نہیں بھاگے تھے۔ غزوۂ احد میں بھی سیدنا ابوبکر ان لوگوں میں تھے جو ثابت قدم رہے تھے۔ البتہ سیدنا عثمان سے

[1] صحیح بخاری، کتاب الصلح۔ باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم للحسن بن علی رضی اللہ عنہما، (حدیث: ۲۷۰۴)

جولغزش ہوئی تھی وہ بدلیل نص بیان کی جا چکی ہے۔ سیدنا ابوبکر ان لوگوں میں تھے جو غزوۂ حنین میں ثابت قدم رہے تھے۔ اگر سیدنا ابوبکر بزدل ہوتے تو نبی کریم غزوۂ بدر کے سائبان میں آپ کو شرف رفاقت سے مشرف نہ کرتے۔

نبی کریم ﷺ جب غزوۂ بدر میں مشغولِ دعا و مناجات تھے۔ سیدنا ابوبکر نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول!! یہ دعا کافی ہے، اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ پورا کرے گا۔'' ❶

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوبکر عزم وثبات وقوت ایمان وایقان کا زندہ پیکر تھے، نیز یہ کہ نبی کریم اور ابوبکر اصحاب بدر میں سب سے افضل تھے، حالانکہ دونوں نے لڑائی میں عملی حصہ نہیں لیا تھا۔ یہ ضروری نہیں کہ لڑائی میں عملی حصہ لینے والا نہ لڑنے والے سے افضل ہو۔

امام ذہبی فرماتے ہیں:

''اگر رافضی مصنف یہ کہتا ہے کہ ابوبکر بزدل تھے، اور لڑائیوں سے بھاگ جایا کرتے تھے۔ علاوہ ازیں وہ مفلس وقلاش تھے۔ وہ درزی تھے، ان کی پشت پناہی کے لیے کوئی قبیلہ نہ تھا۔ ان کا خاندان بنی عبد مناف اور بنومخزوم کی طرح معزز نہ تھا یا یہ کہ ان کے خدم وحشم نہ تھے۔''

ہم پوچھتے ہیں کہ سابقین اوّلین صحابہ نے کس کے سامنے گردن تسلیم خم کی اور اسے خلیفہ رسول کہہ کر پکارا؟ آخر نص شرعی کے سوا کون سی چیز ان کو ابوبکر کے سامنے جھکنے پر مجبور کر سکتی تھی۔ اگر ابوبکر سب امت میں افضل نہ ہوتے۔ تو سیدنا عمر یوں نہ فرماتے:

''اللہ کی قسم! جس قوم میں ابوبکر جیسا شخص موجود ہو، مجھے اس کا امیر مقرر کرنے سے بہتر ہے کہ مجھے تہہ تیغ کر دیا جائے۔ ❷

شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''یہ جھوٹ ہے کہ ابوبکر نبی کریم پر خرچ کیا کرتے تھے، اس لیے کہ ابوبکر مال دار نہ تھے۔''

ہم کہتے ہیں کہ قطعی ومتواتر روایات کا انکار ایک عظیم مصیبت ہے، ہم شیعہ مصنف سے پوچھتے ہیں کہ آخر کس ثقہ یا ضعیف راوی نے کہا ہے کہ سیدنا ابوبکر مفلس آدمی تھے؟

---

❶ صحیح مسلم۔ کتاب الجهاد۔ باب الامداد بالملائكة فی غزوة بدر (حدیث: ١٧٦٣)

❷ صحیح بخاری، کتاب الحدود۔ باب رجم الحبلی فی الزنا(حدیث: ٦٨٣٠)

بے شرمی اور ڈھیٹ پن سے حاتم کی سخاوت، شجاعت علی، علم معاویہ اور سیدنا ابوبکر کی تونگری و ثروت کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ ان لوگوں کا ذکر قرآن میں نہیں کیا گیا۔ مگر قران کریم سے سیدنا ابوبکر کی تونگری کا واضح ثبوت ملتا ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ سیدنا ابوبکر مِسطَح کی مالی امداد کیا کرتے تھے، جب اس نے واقعہ افک میں منافقین کا ساتھ دیا تو سیدنا ابوبکر نے ان کی مالی امداد بند کردی۔ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

> ''تم میں سے فارغ البال اشخاص اس بات کی قسم نہ کھالیں کہ وہ اپنے اقارب اور مساکین ومہاجرین پر خرچ نہیں کریں گے۔ چاہیے کہ وہ معاف کردیں اور درگزر سے کام لیں، کیا تم اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تمھیں بخش دے۔''
>
> (سورۂ نور: ۲۲)

یہ سن کر ابوبکر نے کہا: ''اللہ کی قسم! میں چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری مغفرت فرمائے، چنانچہ پھر مسطح کی مالی امداد شروع کردی۔''[1]

سات اشخاص جو غلام تھے، اسلام کے جرم میں ان کو پیٹا جاتا تھا۔ سیدنا ابوبکر نے ان کو خرید کر آزاد کردیا۔[2] نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''ابوبکر کے مال سے مجھے جو فائدہ پہنچا کسی اور کے مال سے نہیں پہنچا۔''[3]

جب ہجرت کی تو جتنا مال تھا سب ساتھ لے لیا۔[4] ایک قول کے مطابق آپ کے پاس اس وقت چھ ہزار درہم تھے۔ آپ اس مال سے تجارت کیا کرتے تھے۔

شیعہ کا یہ جھوٹ کہ ابوبکر ایک پیشہ ور معلم تھے:

شیعہ مصنف کا یہ قول کہ ''ابوبکر ایک پیشہ ور معلم تھے، صاف جھوٹ ہے۔ اگر فی الواقع ایسا ہوتا

---

1. صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب حدیث الافك(حدیث:٤١٤١) صحیح مسلم، کتاب التوبة، باب فی حدیث الافك(حدیث:٢٧٧٠)،
2. مستدرك حاكم(٣/٢٨٤)، سيرة ابن هشام(ص:١٤٧)
3. سنن ترمذی، کتاب المناقب باب (١٥/٣٤)، (حدیث:٣٦٦١)، سنن ابن ماجة ـ المقدمة ـ باب فضل ابی بکر الصدیق، رضی الله عنه(حدیث:٩٧)
4. سيرة ابن هشام(ص:٢٢٥)

تواس سے سیدنا ابوبکر کی شان میں کچھ فرق نہیں پڑتا تھا۔ ابوبکر اگر پیشہ ور معلم ہوتے تو قریش کے بہت سے لوگ لکھے پڑھے ہوتے۔ حالانکہ لکھنے والوں کی قریش میں بڑی قلت تھی۔

یہ جھوٹ ہے کہ سیدنا ابوبکر درزی تھے۔ یہ پیشہ قریش میں بڑا کم یاب تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ قریش عام طور سے تہ بند باندھتے اور اوپر چادر اوڑھ لیا کرتے تھے۔ اس لیے کپڑے سینے کی ضرورت ہی لاحق نہیں ہوا کرتی تھی۔ سیدنا ابوبکر جب منصب خلافت پر فائز ہوئے تو اس وقت بھی تجارتی مشاغل جاری رکھنا چاہتے تھے۔ مسلمانوں نے بیت المال سے آپ کا وظیفہ مقرر کردیا تاکہ فارغ البالی سے امور خلافت انجام دے سکیں۔

بخاری و مسلم میں ہے کہ جب قریش مکہ نے مسلمانوں کو ظلم و ستم کا نشانہ بنایا تو ابوبکر نے ہجرت کا ارادہ کیا۔ جب برک الغماد کے مقام پر پہنچے تو قبیلہ قارہ کے سردار ابن الدَّغنہ سے ملاقات ہوئی۔ اس نے کہا ابوبکر! تیرے جیسے آدمی کو نکالا جاتا ہے نہ وہ خود نکلنا پسند کرتا ہے۔ آپ بے کاروں کو کام پر لگاتے۔ صلہ رحمی کرتے، لوگوں کا بار اٹھاتے، مہمان نوازی کرتے، اور حوادث روزگار میں لوگوں کا ہاتھ بٹاتے ہیں۔ میں آپ کو پناہ دیتا ہوں مکہ میں چل کر اپنے رب کی عبادت کیجیے۔ چنانچہ وہ سیدنا ابوبکر کو لے کر مکہ پہنچا، قریش نے ابن الدغنہ کو کہا ابوبکر سے کہیے کہ وہ اپنے گھر میں اللہ کی عبادت کرے اور اس کا اعلان کرکے ہمیں دکھ نہ پہنچائے، ہمیں خطرہ ہے کہ کہیں ہمارے بیوی بچوں کو فتنہ میں مبتلا نہ کردے۔'' (یہ طویل حدیث ہے)[1]

شیعہ کا یہ قول کہ اگر سیدنا ابوبکر اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہوتے تو ان کے بارے میں اسی طرح قرآن نازل ہوتا جس طرح سیدنا علی کے بارے میں آیت ﴿هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ﴾ اتری تھی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جس حدیث میں مذکورہ صدر آیت کے نازل ہونے کا ذکر ہے وہ موضوع ہے۔ اگر ہر واقعہ کے بارے میں قرآن کا نازل ہونا ضروری ہوتا تو قرآن بیس بڑی بڑی مجلدات پر مشتمل ہوتا۔

شیعہ کا یہ قول کہ ''سیدنا ابوبکر کو امام صلوٰۃ مقرر کرنا عائشہ کا کام تھا۔'' حد درجہ کی افتراء پردازی پر

---

[1] صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب هجرة النبی صلی اللّٰه علیه وسلم و اصحابه الی المدینة، (حدیث:۳۹۰۵)،

مبنی ہے۔

علاوہ ازیں یہ مکابرہ اور انکار متواتر کی بدترین قسم ہے، ہم شیعہ مصنف سے اس کی صحت ثابت کرنے اور اس کی اسناد ثابت کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ ممکن ہے یہ واقعہ ابن المطہر رافضی کے اساتذہ مثلاً شیخ المفید وکراجکی اوران کے نظائر و امثال نے بیان کیا ہو جن کی تصانیف جھوٹ کا پلندہ ہیں۔ کیا سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت صرف ایک نماز سے تعلق رکھتی تھی جس کے بارے میں ایسا دعویٰ کیا جا سکے۔ اہل علم اس حقیقت سے کلیۃً آگاہ ہیں کہ سیدنا ابوبکر نے حجرۂ نبوی کے پاس کئی روز نمازیں پڑھائی تھیں، جہاں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بآسانی قراءت کی آواز سنا کرتے تھے۔ اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا امام ہونا آپ سے مخفی نہ تھا۔ یہ بات تواتر سے ثابت ہو چکی ہے کہ آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے نماز پڑھایا کرتے تھے۔ اس کے اثبات میں متعدد نصوص موجود ہیں۔

امامت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی:

بخاری و مسلم میں مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

''اپنے والد اور بھائی کو بلاؤ تاکہ میں انھیں ایک تحریر لکھ دوں، مجھے ڈر ہے کہ مبادا کوئی خواہش کنندہ اپنی خواہش کا اظہار کرے اور کہنے والا کہے کہ میں خلافت کے لیے موزوں تر ہوں۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ اہل ایمان ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کے سوا کسی کو خلیفہ تسلیم نہیں کر سکتے۔''[1]

آپ کی یہ پیش گوئی حرف بحرف پوری ہوئی۔ جب آپ کو (بنابروحی) معلوم ہو گیا کہ اہل ایمان آپ کو بالاتفاق خلیفہ تسلیم کر لیں گے اور آپ کی بیعت پر راضی ہو جائیں گے، تو آپ نے دستاویز لکھنے کی ضرورت نہ سمجھی۔ آپ پر واضح ہو گیا تھا کہ اہل ایمان آغاز خلافت میں بھی آپ کے حکم سے سرتابی نہیں کریں گے اور اس وقت بھی آپ کی اطاعت کریں گے جب دنیا سے رخصت ہوتے وقت امت کے بہترین شخص (سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ) کو ان کا امام و خلیفہ مقرر کریں گے۔ اللہ کرے ہمارا خاتمہ اصحاب اربعہ کی الفت و محبت پر ہو۔ اس لیے کہ ''اَلْمَرْءُ مَعَ

---

[1] صحیح بخاری، کتاب المرضی، باب ما رخص للمریض ان یقول انی وجع، (حدیث: ٥٦٦٦)، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل ابی بکر الصدیق، رضی اللّٰہ عنہ (حدیث:٢٣٨٧)

مَنْ اَحَبَّ.،،❶

”وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلَی الْاِسْلَامِ وَالسُّنَّۃِ وَ صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی سیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَ صَحَابَتِہٖ وَ اَزْوَاجِہٖ وَ ذُرِّیَّتِہٖ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاہِرِیْنَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنَ۔

مصنف

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ

(۶۶۱۔۷۲۸ھ)

ملخص

حافظ ابو عبد اللّٰہ محمد بن عثمان الذہبیؒ

خاکسار مترجم

غلام احمد حریری ایم۔اے

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الأدب، باب علامۃ الحب فی اللّٰہ(حدیث:۶۱۶۸،۶۱۶۹)، صحیح مسلم ۔ کتاب البر والصلۃ، باب المرء مع من احب(حدیث:۲۶۴۰)

دنیا کا ایک مثالی گروہ

(بقلم محبّ الدین الخطیب)

ازمنہ قدیمہ میں مثالی گروہ کی تلاش:

یونان کے مشہور مفکر افلاطون (۴۳۰۔۳۴۸ قبل مسیح) کی کتاب ''الجمهورية''، پھر مشہور حکیم فارابی (۲۶۰۔ ۳۳۹ھ) اور اس کی کتاب ''المدينة الفاضلة'' نیز سر ٹامس مور Tomas more (۱۴۷۸۔۱۵۳۵) اور اس کی کتاب UTOPIA سے لے کر تاہنوز ہر عصر و عہد کے لوگوں میں یہ آرزو پائی جاتی رہی ہے کہ اگر لوگوں کو پتہ چل جائے کہ دنیا میں ایک مثالی گروہ موجود ہے تو صلح و جنگ، رنج و راحت اور انسانی زندگی کے مختلف ''اطوار و احوال میں ان کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کر کے کمال انسانی کے غایت عظمیٰ کو حاصل کر سکیں۔

ازمنۂ قدیمہ سے لے کر تاہنوز اقوام عالم میں کسی نہ کسی طرح یہ آرزو موجود رہی ہے۔ حکماء ہوں یا شعراء ہر کسی نے اپنے اپنے اسلوب و انداز میں یہ بات کہی ہے۔ کسی نے شعر کی زبان میں، کسی نے نثر میں، کسی نے چپکے اور کسی نے علانیہ اس سے بڑھ کر مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجیے کہ اولوالعزم انبیاء بھی ایسا معاشرہ پیدا کرنے کے متمنی رہے اور اس کے لیے انھوں نے جہد و سعیٰ کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ حکماء و علماء بھی ایسے گروہ کے آرزومند رہے۔ غرضیکہ بنی نوع انسان از ابتداء تا ابد سوتے جاگتے ایسے انسانی گروہ کا خواب دیکھتے رہے ہیں اور دیکھتے رہیں گے۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے ساتھ اطراف عریش اور وادیٔ سینا کے پہاڑی راستوں میں چالیس سال تک بادلوں کو لحاف اور زمین کو بچھونا بنائے گھومتے رہے، آپ کا مقصد ایک ایسی مثالی جماعت کو وجود میں لانا تھا جو سنت الٰہی کی راہ پر گامزن، رفق و احتیاط کی خوگر، ایثار و قربانی کے جذبہ سے سرشار اور استقامت و اعتدال کے اوصاف سے بہرہ ور ہو۔ جس کا نتیجہ یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو جائیں اور وہ اللہ تعالیٰ سے رضا مند ہوں مگر موسیٰ علیہ السلام کی تمنا بر نہ آئی اور آپ عالمِ بقا کو سدھارے۔

چین اور مثالی گروہ:

ملک چین میں وہاں کے عظیم فلاسفر نے جنم لیا جس کو چینی نَغْ فُوتس کہتے اور انگریز مصنف کا نفیوشس (۵۵۰۔۴۷۹ قبل مسیح) کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ حکیم مذکور بڑے خلوص سے لوگوں کو مروّت اور حسن سلوک کی تعلیم دیتا تھا تاہم وہ اپنی مساعی میں ناکام رہا اور چین والوں کو آسمان کے بیٹے (شہنشاہ) اور دیگر اجرام فلکی مثلاً شمس وقمر وکواکب کی غلامی سے چھڑا نہ سکا۔ چین کے لوگ زمین اور اس کے متعلقات مثلاً پہاڑوں، دریاؤں اور نہروں کی عبادت کیا کرتے تھے، وہ حکیم مذکور کے کہنے پر اس سے باز نہ آئے خلاصہ یہ کہ کانفیوشس اپنے جملہ مقاصد میں ناکام رہا اور اپنے شہر واپس آ کر پھر مروّت وحسن سلوک کی تعلیم دینے لگا۔ چنانچہ اس کی کتاب ''الحوار'' میں تمام تفصیلات موجود ہیں۔ احقر کی فرمائش پر سید محمد مکین چینی نے اس کتاب کا چینی سے عربی میں ترجمہ کیا ہے۔ یہ کتاب المطبعۃ السّلفیہ میں چھپ چکی ہے۔

حکماء یونان کی اس ضمن میں ناکامی:

حکماء یونان نے حکمت وتہذیب نفس سے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا، اور اس ضمن میں بڑی بڑی کتابیں تصنیف کیں اور لیکچر دیے۔ ان تصانیف وتقاریر میں انھوں نے حد درجہ مبالغہ آمیزی سے کام لیا تھا، چنانچہ افلاطون کی کتاب ''**الجمهوريه**'' مبالغہ آمیزی کی روشن ترین مثال ہے۔ الغرض حکماء یونان اپنے مشن میں کامیاب ہوئے بغیر رخصت ہوئے۔ اور ان کی قوم نے ان کی دعوت کو قبول نہ کیا جس کی وجہ یہ تھی کہ داعی اور مدعوین میں سے کوئی بھی اس کا اہل نہ تھا۔

مثالی گروہ اور سیدنا مسیح علیہ السلام:

سیدنا مسیح علیہ السلام نے سرزمین فلسطین میں اپنے عوام وخواص اہل وطن کی عقلی تربیت کا بیڑا اٹھایا۔ اہل فلسطین میں سے بعض لوگ یروشلم کے ہیکل کا قصد کرتے تھے۔ بعض جبل زیتون پر چڑھتے یا بحیرۂ طبریہ کے آس پاس چکر لگاتے یا موضع جلیل کے باغات اور کھیتوں میں آیا جایا کرتے تھے، مگر آپ کے مساعی جمیلہ بارآور نہ ہوئیں اور آپ کی دعوت کو اس قدر قلیل لوگوں نے قبول کیا جن کو جماعت کے لفظ سے بھی تعبیر نہیں کر سکتے امت تو درکنار۔

بلاشبہ انسانیت نے آغاز آفرینش سے لے کر مختلف قطعات ارضی میں مثالی گروہ کو صحرائے

عرب میں صرف ایک ہی دفعہ قوت و رحمت کے ساتھ حق و خیر کی دعوت دیتے دیکھا ہے۔ تاریخ کا یہ نادرۂ روزگار واقعہ ان تمام لوگوں کے لیے بے حد حیرت و استعجاب کا موجب ہوا تھا جنھوں نے اسے ایک نظر دیکھا، خواہ دیکھنے والے رومی ہوں یا فارسی یا آرامی و کنعانی یا کسی اور خطۂ ارضی کے باشندے ہوں۔

اس گروہ کا غیر متوقع ظہور و شیوع اپنی کیفیت کے اعتبار سے بھی عجوبہ روزگار تھا اور احوال و اطوار کے لحاظ سے بھی۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ اس کے جو نتائج برآمد ہوئے وہ آج تک تاریخ کا معجزہ تصور کیے جاتے ہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ لوگ کہاں پیدا ہوئے؟ امم و اقوام کی غفلت کے باوجود انھوں نے کیوں کر جنم لیا؟ وہ کس پیام کے حامل تھے؟ وہ پیام کیوں کر کامیاب ہوا اور اس کی کامرانی و کامیابی کے وسائل کیا تھے؟

یہ سوالات کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے جونہی لوگ پہلا سوال کریں گے تو اس کے ساتھ ہی دوسرا سوال ان کے ذہن میں ابھرے گا، جس سے پہلا سوال فراموش ہو جائے گا۔ سوالات کا تسلسل اس وقت ٹوٹے گا جب لوگوں پر یہ حقیقت عیاں ہوگی کہ اصحاب رسول انسانیت کی طرف حق و خیر کا پیام لے کر آئے تھے۔ انھوں نے اپنے اخلاق و اعمال اور سیرت و کردار سے وہ پیام لوگوں تک پہنچایا۔ اس میں شبہ نہیں کہ اصحاب رسول کے معتقدات و افکار ان کے اخلاق و اعمال اور ان کی دعوت اس حق پر مشتمل تھی جس کی وجہ سے زمین و آسمان کا نظام قائم ہے۔

جس طرح لوگ صحابہ کے کارہائے نمایاں کے بارے میں ان دنوں پوچھتے تھے جب وہ ظہور میں آرہے تھے اور ہر آنے والا واقعہ سابقہ واقعہ کو لوح ذہن سے مٹا دیتا ہے۔ اسی طرح ہم آج بھی حیرت کے عالم میں ان کے اسرار و رموز دریافت کر رہے ہیں حالانکہ ہمارے ماخذ و مصادر قدیمہ کی ایک کثیر مقدار الفسطاط کے مکانات اور مدارس و جوامع کے ساتھ نذر آتش ہو چکی ہے۔ یہ آگ وہاں ۵۴ دن تک جلتی رہی اور اس نے تباہی و بربادی کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ مزید براں قدیم کتب کا معتد بہ ذخیرہ مشہور شیعہ ابن العلقمی اور اس کے مشیر ابن ابی الحدید کے زمانہ میں دریائے دجلہ کی موجوں کی نذر ہو گیا تھا۔ اس کے علاوہ اسلامی مقبوضات میں سے اندلس کے نکل جانے نیز صلیبی جنگوں اور جہل و انحطاط کے باعث بھی اس میں شدید علمی نقصان ہوا۔

مثالی گروہ کے اسباب کمال:

بایں ہمہ اذہان وقلوب آج کل انسانی تاریخ کے اس مثالی گروہ کے احوال واعمال کا جائزہ لینے اور ان کے اصلی وجعلی واقعات واخبار کو جانچنے پرکھنے کے لیے بیدار ہو چکے ہیں۔ وہ یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ ان میں کون سے عناصر خیر وفلاح پائے جاتے ہیں اور وہ کون سے اسباب ہیں جن کی بنا پر وہ مثالی گروہ قرار پائے۔ اسباب وعوامل کی تلاش وتحقیق کا مقصد وحید یہ ہے تاکہ انسانیت ان کی پیروی کرسکے اور ان کے اخلاق واطوار کو اپنا سکے۔

ہمارے علم اور ایمان کی حد تک صحابہ کے مثالی گروہ کے اسباب کمال میں سے اوّلین سبب یہ تھا کہ انھوں نے معلم خیر خاتم الرسل ﷺ سے تربیت حاصل کی تھی۔ مومن تو درکنار ہر صاحب عقل وخرد اس بات کو تسلیم کرے گا کہ صحابہ کی عظمت وفضیلت کی وجہ وجیہ نبی کریم ﷺ کی صحبت ورفاقت تھی، مگر ہمیں یہ سوال کرنے کا حق حاصل ہے کہ کیا موسیٰ علیہ السلام پیغمبر برحق نہیں تھے؟ اور کیا وہ چالیس سال کے عرصہ تک سفر وحضر میں اپنی قوم کی تربیت نہیں کرتے رہے تھے؟ اس کے باوجود موجودہ تورات کی کتاب العدد (۱۴:۲۶۔۲۷) میں لکھا ہے:

> ''اللہ تعالیٰ نے موسیٰ وہارون کو مخاطب کرکے فرمایا'' میں کب تک بنی اسرائیل کی شریر اور غصہ ناک قوم کو معاف کرتا رہوں گا، میں اس جنگل میں بیس سال سے زیادہ عمر کے سب لوگوں کو ہلاک کردوں گا۔''

بنی اسرائیل اور صحابہ کا موازنہ

اصحاب موسیٰ کے مقابلہ میں اصحاب رسول ﷺ کی حالت پر غور فرمایئے۔ نبی کریم تین صد سے کچھ زائد صحابہ کے ساتھ ان سے تین گنا بہادر وجنگجو قریش کے مقابلہ کے لیے میدان بدر کی طرف نکلتے ہیں، جب آپ اس قلیل ترین جماعت کی معیت میں وادی ذفران کے قریب پہنچے تو قریش کے حالات سے آگاہ کرکے ان کے ایمان کو آزمانا چاہا۔ سب سے پہلے سیدنا ابوبکر نے اور پھر سیدنا عمر نے آپ کی ڈھارس بندھائی، پھر فارس الاسلام مقداد بن عمرو الکندی نے کھڑے ہوکر کہا:

> ''اے اللہ کے رسول! آپ جس طرف جانا چاہیں چلیں، ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ اللہ کی قسم! ہم یوں نہیں کہیں گے جیسے بنی اسرائیل نے کہا تھا:

﴿اِذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ﴾(سورۂ مائدۃ:۵/......)

''تم اور تمہارا رب دونوں جا کر لڑو ہم تو یہاں بیٹھے رہیں گے۔''

بلکہ ہم یوں کہیں گے: ﴿اِنَّا مَعَکُمَا مُقَاتِلُوْنَ﴾ ''ہم تمہارے ساتھ مل کر اعداء سے جنگ لڑیں گے۔'' مجھے اس ذات کی قسم جس نے آپ کو رسول برحق بنا کر مبعوث کیا ہے! اگر آپ ہمیں برک الغماد تک بھی لے چلیں تو ہم وہاں جا کر بھی دشمنوں کا مقابلہ کریں گے۔''

نبی کریم ﷺ نے ان کے حق میں دعائے خیر فرمائی پھر فرمایا: ''لوگو! مجھے مشورہ دو۔''

قبیلہ خزرج کے سردار اور انصار کے عظیم لیڈر سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے یہ سن کہا:

''گویا آپ کا اشارہ انصار کی جانب ہے۔''

میدان حرب وضرب میں صحابہ کی شجاعت:

آپ نے فرمایا: ''ہاں'' سیدنا سعد نے کہا:

''ہم آپ پر ایمان لا چکے ہیں اور اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ آپ جو کچھ اللہ کی طرف سے لائے ہیں وہ حق ہے۔ ہم آپ پر اطاعت شعاری و فرمانبرداری کا عہد کر چکے ہیں۔ آپ جس طرف بھی چلیں، ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ مجھے اس ذات کی قسم جس نے آپ کو سچا پیام دے کر بھیجا! اگر آپ سمندر میں چھلانگ لگانے کا حکم دیں تو سب انصار اس میں کود پڑیں گے اور ہم میں سے ایک شخص بھی پیچھے نہیں رہے گا، ہم جنگ اعداء کو مذموم نہیں سمجھتے۔ دورانِ جدال وقتال ہم صبر وثبات کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ چنانچہ آپ ہمارے رویہ کو دیکھ کر مطمئن ہو جائیں گے۔ بہ توفیق ربانی اب ہمارے ساتھ چلئے۔''[1]

صحابہ نے اپنے عمل سے اس قول کی صداقت پر مہر تصدیق ثبت کر دی تھی۔

حالت امن میں صحابہ کی انصاف پسندی:

میدان حرب وضرب میں صحابہ کی شجاعت و بسالت کا یہ عالم تھا۔ حالت امن و امان میں سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے صحابہ کی انصاف پرستی کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے۔

[1] سیرة ابن هشام(ص:۲۹۳۔۲۹۴)،صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب قول الله تعالی ﴿اِذْ تَسْتَغِیْثُوْنَ رَبَّکُمْ ......﴾ (حدیث:۳۹۵۲)، صحیح مسلم، کتاب الجهاد۔ باب غزوة بدر(حدیث:۱۷۷۹)

امام احمد نے مسند میں اور امام ابوداؤد نے سنن میں سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ دو شخص ایک قدیم ورثہ کے بارے میں جھگڑتے ہوئے بارگاہ نبوی میں پہنچے۔ کسی کے پاس بھی گواہ موجود نہ تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم میرے پاس جھگڑے چکانے آتے ہو۔ میں تو ایک انسان ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ تم میں سے ایک شخص اپنا نقطہ نظر دوسرے شخص کی نسبت زیادہ وضاحت کے ساتھ پیش کرسکتا ہو اور میں تو اسی طرح اپنا فیصلہ صادر کرتا ہوں جیسے سنتا ہوں۔ یاد رکھیے کہ جس شخص کو میں اس کے بھائی کا حق دے دوں تو وہ اسے قبول نہ کرے، بلکہ یوں سمجھے کہ میں نے دوزخ کا ایک ٹکڑا کاٹ کر اسے دے دیا۔ وہ آگ ہلانے والی لکڑی (کریلنی) کی طرح اسے گردن میں ڈالے بروز قیامت بارگاہ ایزدی میں حاضر ہوگا۔''

یہ سن کر دونوں شخص رو پڑے اور ایک دوسرے کو کہنے لگے کہ میں نے اپنا حق اپنے بھائی کو دیا۔ نبی کریم نے فرمایا: ''اب جا کر قرعہ اندازی کرلو، پھر حق کی جانب متوجہ ہو کر دوبارہ قرعہ اندازی کرو۔ پھر ہر شخص اپنے ساتھی کو معاف کردے۔'' [1]

یہ دونوں شخص حق و انصاف پر ایمان لانے میں ایک مثالی حیثیت رکھتے تھے، لطف کی بات یہ ہے کہ ہم ان کے نام سے بھی واقف نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں عام صحابہ میں سے تھے۔ یہ ان خواص صحابہ میں شامل نہیں جو عشرہ مبشرہ کی طرح نادر فضائل انسانیہ میں معروف وممتاز تھے اور اس بنا پر انھیں بارگاہ نبوت میں خصوصی تقرب حاصل تھا۔

صحابہ کے اخلاق جلیلہ:

جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو حق و انصاف پر کاربند رہنے کی تربیت دی اور صحابہ نے جس حد تک آپ کی تعلیمات و ارشادات پر عمل کیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلامی اخلاق اس مثالی گروہ کے ہر ہر فرد کی رگ و پے میں سرایت کر گئے۔ چنانچہ جب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ آیا تو انھوں نے منصب قضا، عدل و انصاف کے زندہ پیکر سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی تحویل میں دے دیا۔ سیدنا عمر کی یہ حالت تھی کہ کئی کئی مہینے گزر جاتے اور فیصلہ چاہنے والا کوئی شخص آپ کے پاس نہ آتا۔ سچ یہ ہے کہ جو امت بذات خود عدل و انصاف کی خوگر ہو وہ محکمہ قضا کی ناز برداری سے بے

---

[1] مسند احمد(٦/ ٣٢٠)، سنن ابی داود، کتاب الاقضیة۔ باب فی قضاء القاضی اذا خطا(حدیث:٣٥٨٤)

نیاز ہے۔

صحابہ کے مثالی گروہ میں جو لوگ نمایاں مقام نہیں رکھتے تھے۔ اور وہ ایسے لوگ تھے جو شیطان کے ورغلانے سے بعض اوقات ایسے گناہ کا ارتکاب کر بیٹھتے جو حد شرعی لگانے کا موجب ہوتا...... ان کا یہ عالم تھا کہ بارگاہ نبوی میں پہنچ کر اعتراف جرم کرتے اور بڑے اصرار سے اپنی ذات پر حد شرعی قائم کرنے کی درخواست کرتے۔ یہ تاریخ انسانی کا وہ عجوبہ ہے جو کبھی دیکھنے میں نہیں آیا۔ وہ حد شرعی ان کی موت کی متقاضی ہوتی اور اس طرح وہ اپنی جان دے کر گناہ سے پاکیزگی حاصل کرتے۔ نبی کریم ﷺ چونکہ رحمۃ للعالمین تھے۔ جب اپنے پاکیزہ اصحاب میں ایمان کا یہ بلند درجہ دیکھتے تو شرعی حدود کے اندر رہ کر آپ ہر ممکن کوشش کرتے کہ ان پر حد نہ قائم کی جائے مگر وہ جلد از جلد دنیوی سزا اٹھا کر اخروی عذاب سے محفوظ رہنے کی کوشش کرتے۔

صحابہ کے حق میں ایک شیعہ عالم کی شہادت:

زیدیہ یمن کے ائمہ اہل بیت میں سے ایک بڑے امام المنصور باللہ عبداللہ بن حمزہ بن سلیمان بن حمزہ...... جن کی وفات یمن کے شہر کوکبان میں ۶۱۴ھ میں ہوئی تھی...... نے بھی اس نظریہ کا اظہار کیا۔ نویں صدی کے مشہور زیدی عالم سید محمد بن ابراہیم بن علی المرتضیٰ الوزیر المتوفی (۷۷۵۔۸۴۰) نے اپنی کتاب الروض الباسم (۱/ ۵۵۔۵۶) پر ان سے یہ بات نقل کی ہے وہ صحابہ کے اس طبقہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''صحابہ میں ایک طبقہ ایسا بھی تھا جو دینی معاملات میں سہل انگاری کی بنا پر کبائر خصوصاً زنا کاری کا مرتکب ہوتا۔ اس کی وجہ امانت و دیانت کی قلت تھی اس کے باوصف جب ہم ان کے حالات پر نظر غائر ڈالتے ہیں تو واضح ہوتا ہے کہ وہ ایسے کام بھی انجام دیتے تھے جو متاخرین میں سے وہی شخص کر سکتا ہے جو ورع و تقویٰ و خوف الٰہی میں ضرب المثل کی حد تک مشہور ہو اور جس کی الفت و محبت کو تقرب الٰہی کا زینہ تصور کیا جاتا ہو اور وہ یہ ہے کہ صحابہ کا یہ طبقہ رضائے الٰہی کے لیے جان دینے سے گریز نہیں کرتا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ کام وہی شخص انجام دے سکتا ہے جو دین دار اور متقی لوگوں میں منصب امامت کا اہل ہو۔''

مصنف کا مقصد یہ بتانا ہے کہ اس مثالی گروہ میں سے جو لوگ گاہے کبائر کے مرتکب ہوا کرتے

تھے ان کے اخلاص ایمان اور استقامت علی الحق کا یہ عالم تھا کہ وہ دین دار اور اہل تقویٰ لوگوں میں منصب امامت پر فائز ہونے کی صلاحیت سے بہرہ ور تھے، آپ اس سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ خواص صحابہ کس مرتبہ و مقام پر فائز ہوں گے، جو معمولی لغزش سے بھی پاک اور اعلیٰ درجات پر فائز تھے؟ اگر سرور کائنات ﷺ پر رسالت و نبوت کا خاتمہ نہ ہو چکا ہوتا تو یہ حقیقت ہے کہ سیدنا ابوبکر و عمر کا مرتبہ انبیاء سابقین سے کم نہ ہوتا۔

یہ امر محتاج غور و فکر ہے کہ جو شخص بدکاری کا ارتکاب کرنے والے ادنیٰ صحابہ کے بارے میں یہ فیصلہ صادر کر رہا ہے کہ وہ منصب امامت کے اہل ہیں، وہ خود علمائے اہل بیت میں سے ایک عظیم امام ہے اور اپنے قول کی اہمیت سے غافل نہیں ہے۔ وہ اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھا کہ صحابہ کے مثالی گروہ میں گناہوں کا ارتکاب کرنے والا طبقہ اپنے اندر جو ایمان صادق رکھتا تھا اس کی نظیر اقوام عالم میں کہیں بھی موجود نہیں۔ بنا بریں امام مذکور نے اپنے علم کے مطابق اپنی ذات حق و صداقت اور دعوتِ اسلام کے ساتھ انصاف کرتے ہوئے یہ فیصلہ صادر کیا۔

امام منصور باللہ کے قول پر زیدیہ شیعہ کے مشہور علامہ سید محمد بن ابراہیم الوزیر نے اپنی کتاب الروض الباسم (۱/۵۶۔۵۷) پر جو تبصرہ کیا ہے وہ قابل ملاحظہ ہے، کتاب کے قاری کو مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''اللہ کے لیے انصاف کیجیے اور بتائیے کہ کیا ہم سے پہلے یا دورِ حاضر میں کسی شخص نے بخوشی خاطر موت کو دعوت دی ہے اور اپنے جرم کا اعتراف کر کے اپنی جان کو قربان کرنے کے لیے وُلاۃ و حکام کے دربار میں حاضر ہوا ہے؟ یہ باتیں غافل کے لیے موجب تنبیہ اور ایک دانا شخص کی بصیرت و فراست میں اضافہ کی موجب ہیں۔ ورنہ صحابہ کے فضائل و مناقب کے لیے یہ آیت کافی ہے:

﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ (آل عمران:۳/۱۱۰)

''تم بہترین جماعت ہو جو لوگوں کے لیے ظاہر کی گئی ہے۔''

اس کی تائید نبی کریم ﷺ کی اس شہادت سے بھی ہوتی ہے کہ ''خَيْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِيْ'' [1] ''سب سے بہتر میرا زمانہ ہے'' آپ نے یہ بھی فرمایا: ''صحابہ کے علاوہ اگر کوئی اور شخص احد

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الشهادات ، باب لا یشهد علی شهادة جور اذا اشهد (حدیث: ۲٦٥١، ۲٦٥۲)، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة،باب فضل الصحابة، ثم الذین یلونهم، (حدیث:۲٥۳۳۔۲٥۳٥)بلفظ "خیر الناس قرنی"

پہاڑ جتنا سونا بھی خرچ کرے تو صحابہ کے عشرعشیر کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔“[1] اس کے علاوہ اور بھی بہت سی احادیث صحابہ کے فضائل و مناقب میں مروی ہیں۔

اب ہم پھر امت محمد اور امت موسیٰ کے موازنہ کی جانب عود کرتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ سیدنا محمد و موسیٰ علیہما السلام دونوں اولوالعزم انبیاء میں سے ہیں۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی امت کی تعلیم و تربیت میں جو وقت صرف کیا وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ نبوت و رسالت سے دوگنا تھا۔ مقام حیرت ہے کہ پھر امت محمدی نے یہ مقام کیوں کر حاصل کرلیا اور وہ مثالی گروہ کیسے بن گئی۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ذکر کر کے ایک ابدی زندگی عطا کردی ہے، فرمایا:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾(آل عمران:۳/۱۱۰)

اس کے عین برعکس امت موسیٰ کو ملیا میٹ کردیا گیا جیسا کہ ہم موجودہ تورات کی کتاب العدد (۱۴:۲۶۔۲۷) کے حوالہ سے بیان کرچکے ہیں، تورات کی نشر و اشاعت کا یہ عالم ہے کہ ہر زبان میں اس کے لاکھوں نسخے چھاپ کر ہر سال تقسیم کیے جاتے ہیں۔

میں پچاس سال کے عرصہ سے تاہنوز برابر اس سوچ بچار میں مصروف ہوں اور اس ضمن میں علماء کی تحقیقات اور ان کے افکار و آراء کا بامعان نظر مطالعہ کر رہا ہوں تاکہ یہ معلوم کرسکوں کہ اصحاب رسول کو تاریخ انسانیت میں ایک مثالی گروہ بنانے میں اللہ تعالیٰ کی کون سی حکمت و مصلحت مضمر تھی۔

ظہور اسلام سے قبل عربوں کی خصوصیات:

میں نے اقوام عالم کے حسب و نسب، ان کی خداداد صلاحیتوں اور ان کے اخلاق و اطوار پر ایک نگاہ ڈالی اور یہ دیکھا کہ جب وہ اقوام تہذیب و ثقافت، علوم و صناعات اور نظم اجتماعی سے روشناس نہ تھی اس وقت ان کی کیا حالت تھی۔ فکر و تامّل کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ اسلام کا مثالی گروہ جس امت سے تعلق رکھتا ہے وہ قبل از تہذیب اپنی بدویانہ حالت میں دیگر اقوام کی وحشیانہ حالت سے استحکام عقل و فہم، نزاکت خیال اور جَودتِ اخلاق کی بنا پر ممتاز تھی، اس امت کی دوسری وجہ امتیاز اس کی زبان تھی، جو اپنی بدویانہ حالت میں کرۂ ارضی پر بسنے والے تمام انسانوں کی بدوی عہد کی زبانوں

---

[1] صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیه وسلم، باب قول النبی صلی اللہ علیه وسلم ” لو کنت متخذًا خلیلاً“(حدیث:۳۶۷۳)، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب تحریم سب الصحابة،(حدیث:۲۵۴۱)

کی نسبت اعلیٰ وارفع تھی۔ عربی کے سوا دنیا بھر میں جس قدر زبانیں رائج ہیں ان کی ترقی اس قوم کے تہذیبی ارتقاء اور صنعی و عمرانی کی رہین منت ہے، اگر کوئی ماہر لسانیات اپنے ہاتھ میں سرخ روشنائی والا قلم لے لے اور انگریزی یا جرمنی یا فرانسیسی زبان کی کسی ڈکشنری کے ان الفاظ کو کاٹتا چلا جائے جو صنعتی یا علمی یا اقتصادی وفنی ترقی کی پیداوار ہیں اور ابتدائی حالت میں موجود نہ تھے تو بڑی سے بڑی ڈکشنری میں اتنے ہی الفاظ باقی رہیں گے جو عربی کی مشہور ڈکشنری لسان العرب کی بیس مجلدات میں سے نصف جلد کے برابر، بلکہ اس سے بھی کم ہوں گے۔

جب عرب تاج وتخت اور بڑے بڑے لشکروں کے وارث بنے اور ان کے ہاں لاتعداد عسکری واداری وفلسفی وعلمی وصناعی اصطلاحات پیدا ہوگئیں تو علمائے لغت نے ان نو پیدا اصطلاحات کو کتب میں داخل کرنے سے انکار کردیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اصطلاحات جمع کرنے کے لیے انھوں نے مستقل کتابیں لکھیں اور قبل ازیں جمع کردہ لغوی معاجم، اشعار عرب اور حِکَم و امثال کے شواہد سمیت اصلی زبان کی نمایندگی کرتے رہے۔ یہ عربی زبان کے تفوق و براعت کی ایک حسی دلیل اور اس امر کا ایک بین ثبوت ہے کہ جس امت میں سے اس مثالی گروہ نے جنم لیا وہ اپنی انسانیت علیا اور اقوام غیر سے حسن سلوک حب امن اور مہمان نوازی وغیرہ اخلاق وعادات کے اعتبار سے ممتاز تھی۔

اگر قبائل عرب کے باہمی جنگ وجدل کو مستثنیٰ کردیا جائے تو یہ کہنا پڑے گا کہ جزیرۂ عرب ازمنہ قدیمہ سے لے کر تاہنوز تمام خطہ ہائے ارضی کی نسبت امن وامان کا دائمی مستقر چلا آتا ہے جو شخص جہاں چاہے عرب بھر میں چلے پھرے، رات ہو یا دن، جہاں کہیں بھی اسے روشنی کی چمک دمک نظر آئے گی یا دن کے وقت کوئی خیمہ نظر پڑے گا، وہاں ہی اس کے لیے بلا قیمت ایک بہترین آرام گاہ موجود ہوگی۔ جس میں ممنون ہوئے بغیر اسے تین دن تک مہمانی کا حق حاصل ہوگا اور میزبان اس پر کوئی احسان نہیں جتلا سکے گا۔ عربوں کے یہاں یہ بات آداب ضیافت میں داخل ہے کہ وہ اس کا نام تک دریافت نہیں کرتے۔

حرام مہینوں کا نظام عربوں کے ہاں پہلے سے رائج تھا۔ ان مہینوں میں متحارب فریقین جدال و قتال سے باز رہا کرتے تھے۔ حدود حرم میں یہ عالم تھا کہ کبوتر، ہرن اور دیگر شکاری جانور جب حرم میں داخل ہوجاتے تو سال بھر میں ان سے تعرض نہیں کیا جاتا تھا، اگر کوئی شخص ارض حرم میں اپنے والد کے قاتل سے بھی ملتا تو اس سے کچھ چھیڑ چھاڑ نہ کرتا۔

بعثت نبوی کے لیے عربی قوم کا انتخاب:

میں کامل وثوق سے کہتا ہوں کہ جس طرح ذات باری نے محمد ﷺ کو اپنی آخری رسالت کے لیے منتخب کیا، اسی طرح عربی زبان کو کتاب حکیم کے لیے چنا۔ اس لیے کہ عربی زبان جمیع زبانوں کی نسبت اکمل و اغنیٰ ہے۔ بعینہٖ اسی طرح قادر مطلق نے رسول کریم کو اس قوم میں مبعوث فرمایا جو جملہ اقوام عالم سے بلحاظ حسب ونسب، اصدق و اکرم اور ان صفات کی حامل تھی جو آپ کی دعوت کے فلاح ونجاح کی کفیل تھیں۔ یہ قوم بہمہ وجوہ اس عظیم امانت کی ذمہ داری سنبھالنے کی اہل تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس کو ''خَیۡرَ اُمَّتٍ'' کے لقب سے نوازا گیا۔

چنانچہ اس قوم نے اپنی سیرت وکردار، اخلاق واعمال اور احوال وتصرفات سے اسلامی دعوت کو لوگوں کے سامنے پیش کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اقوام عالم نے شنید سے زیادہ صحابہ کی سیرت کو دیکھ کر رسالت محمدیہ سے شناسائی حاصل کی۔

صحابہ کے اوصاف خصوصی:

اصحاب رسول نے جب اسلامی دعوت کو قبول کیا اور دین اسلام سے مشرف ہوئے تو اپنی قوم کے اخلاق وعادات سے بہرہ ور ہونے میں وہ سب مساوی نہ تھے۔ بعض فہم وادراک میں دوسروں پر فائق تھے بعض میں کوئی دوسرا وصف نمایاں تھا بہرکیف اگر ایک صحابی نیکی کی ایک قسم میں ممتاز تھا تو دوسرا صحابی کسی اور نیکی میں اس سے آگے تھا۔ سیدنا ابوبکر دعوت اسلامی کے قبول کرنے میں سیدنا عمر سے سبقت لے گئے تھے۔ سیدنا عمر اسلام کے شدید مخالف تھے، تاہم جب انھیں پتہ چلا کہ ان کی بہن اور بھائی مسلمان ہو چکے ہیں اور وہ ان کو پیٹنے کے لیے ان کے ہاں گئے تو حق وصداقت کی ایک آواز ان کے کان تک پہنچی جس نے تعصب کی آگ کو فرو کر دیا اور وہ دومنٹ کے قلیل عرصہ میں حق کا ساتھ دینے والوں کی فہرست میں شامل ہو گئے۔[1]

خالد بن ولید خود رئیس اور رئیس زادہ تھے۔ جنگ احد میں مشرکین مکہ کا ساتھ دیا اور فتح کے نشہ میں سرشار مکہ واپس لوٹے۔ حق کی آواز نے خالد کے کانوں پر دستک دی، خالد نے جب اس پر غور کیا تو اسے حق پایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ باپ کی جاہ وثروت اور مکہ میں اپنے گھوڑوں کے وسیع

---

[1] سیرة ابن هشام(ص:۱۵۹، ۱۶۰)، طبقات ابن سعد(۳/۲۶۷۔۲۶۹)

اصطبل کو خیر باد کہہ کر دین حق کو قبول کرنے کی نیت سے عازم مدینہ ہوئے۔ راستہ میں عمرو بن عاص اور کعبہ کے کنجی بردار سے ملاقات ہوئی۔ معلوم ہوا کہ یہ دونوں بھی قبول اسلام اور جہاد فی سبیل اللہ کی نیت سے مدینہ جا رہے ہیں، جب یہ لوگ مدینہ پہنچے تو سرور کائنات ﷺ نے فرمایا: ’’مکہ نے اپنے جگر پارے تمہاری طرف بھیج دیے ہیں۔‘‘ ❶

اقوام عالم میں اخلاق عالیہ کا فقدان:

صحابہ کے مثالی گروہ میں ایسے اخلاق عالیہ کی کمی نہیں۔ جب کہ اقوام عالم میں اس کی وہ فراوانی نہیں۔ یہ درست ہے کہ دنیا کی اقوام خیر سے یک سر خالی نہیں، تاہم وہ اس ضمن میں اصحاب محمد کی حریف نہیں ہوسکتیں۔ اسی لیے ارشاد ہوا: ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ﴾

امام بخاری سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ’’لوگ حسب و نسب کے اعتبار سے مختلف ہوا کرتے ہیں، جو لوگ دورِ جاہلیت میں سب سے بہتر ہوں وہ اسلام میں بھی سب سے افضل ہوں گے بشرطیکہ وہ دین اسلام کے فہم و شعور سے بہرہ ور ہوں۔‘‘ ❷

یہ درست ہے کہ ظہور اسلام سے قبل عرب بتوں کی پوجا کیا کرتے تھے، مگر سوال یہ ہے کہ اس دَور میں کون سا قبیلہ بتوں کی لعنت سے پاک تھا؟ البتہ عربوں نے بت پرستی دیگر اقوام کے بہت عرصہ بعد قبول کی تھی۔ ظہور اسلام سے چند صدیاں پہلے عمرو بن لحیّ خزاعی کے زیر اثر عربوں نے بت پرستی کا آغاز کیا۔ ❸ یہ ایک لمبا واقعہ ہے جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔ بت پرستی اختیار کرنے سے پہلے عرب ابراہیم حنیف کے مذہب پر چلتے تھے۔ بنو اسماعیل مکہ سے نکل کر جزیرہ عرب کی شمالی جانب دمشق کی دیواروں تک پھیل گئے تھے۔

---

❶ سیرۃ ابن هشام(ص:٤٨٤)، مستدرك حاكم (٣/٢٩٧-٢٩٨)

❷ صحيح بخارى ـ كتاب احاديث الانبياء۔ باب قول الله تعالى﴿ لَقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ وَ إِخْوَتِهِ......﴾(حديث:٣٣٨٣،٣٤٩٣)۔ صحيح مسلم، كتاب الفضائل باب من فضائل يوسف صلى الله عليه وسلم(حديث:٢٣٧٨،٢٥٢٦)

❸ سیرۃ ابن هشام (ص:٤٠)، صحيح بخارى، كتاب المناقب، باب قصة خزاعة (حديث: ٣٥٢٠،٣٥٢١)، صحيح مسلم، كتاب الجنة، باب النار يدخلها الجبارون (حديث: ٢٨٥٦)، مختصرا

عرب کے کچھ لوگ سیدنا شعیب علیہ السلام کے پیرو تھے۔ اس کے اثبات میں ہمارے پاس تاریخی شواہد موجود ہیں۔ عربوں کے ہاں دیگر اقوام کی طرح بت پرستی کے لوازم مثلاً ہیکل، بتوں کے مجاور اور بتوں کو آراستہ کرنے والے رنگ وغیرہ بھی نہیں تھے، یہ اس بات کا زندہ ثبوت ہے کہ عرب باقی اقوام کی نسبت دین فطرت سے قریب تر تھے۔ یہی وجہ ہے کہ سورۂ بقرہ میں ان کی تعریف فرمائی ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ﴾

(سورۂ بقرہ:۲/۱۴۳)

''اسی طرح تم کو ایک متوسط امت بنایا تا کہ تم لوگوں پر گواہ بنو''

دوسری جگہ فرمایا:

﴿يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَ مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾

(الانفال:۸/۶۴)

''اے نبی! آپ اور آپ کی پیروی کرنے والے مومنوں کے لیے اللہ کی ذات کافی ہے۔''

نیز فرمایا:

﴿وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهَارُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ (التوبة:۹/۱۰۰)

''مہاجرین وانصار میں سے اولین سابقین اور وہ لوگ جنھوں نے نیکی کے کاموں میں ان کی پیروی کی، اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے، اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ایسے باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ یہ بڑی بھاری کامیابی ہے۔''

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے الاصابہ (۲/۳) طبع سلطان عبد الحفیظ میں زبیر بن بکار سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے عمرو بن عاص سے پوچھا۔ دانش مند ہونے کے باوجود تم دیر سے کیوں اسلام لائے؟ عمرو بن عاص نے کہا، ہم ایسے لوگوں کے زیر اثر زندگی بسر کر رہے تھے جو عمر میں ہم

سے بڑے تھے اور وہ نہایت عقل مند بھی تھے، جب نبی کریم مبعوث ہوئے تو ہمارے ان اکابر نے آپ کی رسالت کو قبول نہ کیا۔ اس ضمن میں ہم نے بھی ان کی تقلید کی۔ ان کی وفات کے بعد جب ہم با اختیار ہوئے تو غور و فکر کرنے پر ہمیں معلوم ہوا کہ دین اسلام حق ہے۔ اسلامی صداقت مجھ پر بھی اثر کیے بغیر نہ رہی۔ میں ہر معاملہ میں قریش کی فوری امداد کیا کرتا تھا، جب اس میں تاخیر ہوئی تو ان کو بھی میرے میلان و رجحان کا پتہ چل گیا۔ چنانچہ انھوں نے ایک نوجوان کو بھیجا جس نے مجھ سے تبادلہ افکار کیا۔ میں نے کہا: ''میں تجھے اس اللہ کی قسم دیتا ہوں جو تیرا بھی رب ہے اور ان لوگوں کا بھی جو تجھ سے پہلے تھے اور جو پیچھے آئیں گے، مجھے یہ بتاؤ کہ آیا ہم ہدایت پر ہیں یا روم و فارس والے؟ اس نے کہا: ''ہم ہدایت پر ہیں'' اس کا مطلب یہ تھا کہ صداقت، امانت و عدالت اور قابل تعریف تعاون کے اوصاف ہم میں زیادہ ہیں۔ میں نے کہا اچھا یہ بتاؤ معاشی لحاظ سے کون خوش حال ہے؟ اس نے کہا، فارس و روم والے۔'' میں نے کہا جب دنیا میں وہ ہم سے بہتر ہیں تو ہماری افضلیت کس کام کی؟ '' میرے دل میں اس وقت یہ بات تھی کہ محمد بعث بعد الموت کے بارے میں جو کچھ کہتے ہیں وہ درست ہے، اس طرح نیکوکار کو جزا اور بدکار کو سزا ملے گی۔ میں نے سوچا پھر اس طرح باطل پر اڑے رہنے سے کیا حاصل؟

دورِ حاضر میں نہ صرف اہل اسلام بلکہ پوری انسانیت کو اصحاب رسول کے فضائل و مناقب، شرف و مجد اور نبی کریم کی تربیت کے اثرات معلوم کرنے کی شدید ضرورت ہے۔ نیز اس امر سے آگاہ ہونا بے حد ناگزیر ہے کہ وہ کس منصب رفیع پر فائز تھے جس کی بنا پر وہ انسانی تاریخ میں ایک مثالی گروہ قرار پائے۔ دورِ حاضر کا مسلم نوجوان اصحاب رسول کے مثالی گروہ کے اتباع و اقتداء سے اس لیے معذور ہے کہ اسے صحابہ کے صحیح اعمال و احوال تک رسائی حاصل نہ ہوسکی۔ جو دل ان مومنین اوّلین کے بغض سے معمور ہیں۔ انھوں نے دانستہ صحابہ کے حالات کو مسخ کیا۔ ان میں کتر بیونت اور کمی و بیشی کی اور تاویل کر کے انھیں غلط معنی پہنائے، حسد و عداوت کی انتہاء یہ ہے کہ انھوں نے صحابہ کو نعمت ایمان تک سے محروم قرار دیا۔

جو شخص صدر اسلام کی تاریخ کی تصحیح پر قدرت رکھتا ہے، اس کا یہ دینی، قومی اور وطنی فرض ہے کہ وہ اسے افضل العبادات سمجھ کر فوری طور پر اس کام کا بیڑا اٹھائے اور اپنی بہترین صلاحیتوں کو اس عظیم کام کے لیے وقف کر دے تاکہ مسلم نوجوان کے سامنے سلف صالحین کا ایک بہترین نمونہ موجود ہو جس

کی روشنی میں وہ اپنے عہد کی تجدید کرسکیں اور اپنی سیرت وسوانح کو اسی سانچہ میں ڈھال سکیں۔

اس عظیم کارنامہ کو انجام دینے کے لیے بڑے گہرے علمی مطالعہ کی ضرورت ہے، اس کی تکمیل کے بعد ہی یہ حقیقت الم نشرح ہو گی کہ خاتم الرسل کے ذریعہ اصحاب رسول کے مثالی گروہ کی تکوین و تخلیق میں کون سا راز مضمر تھا۔ افسوس ہے کہ اس مختصر فصل کی تنگ دامانی اختصاراً بھی ان معانی کی متحمل نہیں ہوسکتی جو تفکیر اور مطالعہ کے دوران ذہن پر وارد ہوتے ہیں۔ بنا بریں ہم اشارہ پر اکتفا کرتے ہیں اور پر امید ہیں کہ ذہین طلبہ اور مسلم نوجوان اس اہم موضوع کو اپنی تحقیقات وتدقیقات کا عنوان بنائیں گے۔ واللہ الموَفِّقُ

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

فہرست

دوسری فصل

تیسری فصل

چوتھی فصل

پانچویں فصل

چھٹی فصل